براۓ طلباء، درجہ خاصہ اوّل / براۓ طالبات درجہ عالیہ اوّل

بمطابق نصاب تنظیمُ المدارس اہلسنّت پاکستان

منظورُ الضروری

شرح

مختصرُ القدوری



شارح

ابو حمزہ محمد منظور نظامی

فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر

اکبر بک سیلرز لاہور

نام کتاب	....	منظور الضروری شرح مختصر القدوری
شارح	....	ابوحمزہ محمد منظور نظامی
پروف ریڈر	....	مولانا ذوالقرنین آف تتہ پانی کوٹلی آزاد کشمیر
کمپوزنگ	....	محمد ارشد منہاس کراچی
ناشر	....	محمد اکبر قادری
سن اشاعت	....	جون ۲۰۱۸ء
قیمت	....	700/- روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور

فہرست

انتساب

۱۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۳۲ھ کے نام کہ جنہوں نے فقہ کی دنیا میں سب سے پہلے اجتہاد واستنباط پر کلام پر فرمایا۔

۲۔ حضرت امام علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۲ھ کے نام کہ جنہوں نے اس طریقہ کو تقویت بخشی۔

۳۔ حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۹۶ھ کے نام کہ جنہوں نے اس کے فوائد متفرقہ کو جمع کیا۔

۴۔ حضرت امام حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۲۰ھ کے نام کہ جنہوں نے اس کی تنقیح وتوضیح کی۔

۵۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۰ھ کے نام کہ جنہوں نے اس کو اوج ثریا تک پہنچا کر تدوین فقہ کی مہم سر کی۔

۶۔ حضرت قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۲ھ کے نام کہ جنہوں نے قواعد امام کی روشنی میں تفریعات کا اضافہ کیا۔

۷۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۹ھ کے نام کہ جنہوں نے فقہ حنفی کو تحریراً محفوظ کیا۔

۸۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۲۵۲ھ کے نام کہ جنہوں نے بارہ صدیوں کا فقہی دائرۃ المعارف رد المحتار علی الدر المختار (فتاویٰ شامی) کا تحفہ دیا۔

۹۔ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی نوری قدس سرہ العزیز متوفی ۱۹۲۱ء کے نام کہ جنہوں نے ساڑھے تیرہ صدیوں پر محیط فقہ حنفی کا لُبِ لُباب محیّر العقول فقہی انسائیکلو پیڈیا العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ (فتاویٰ رضویہ) اور جدُّ المُمتار علی رد المحتار جیسا گلدستہ عطا کیا۔

۱۰۔ استاذی المکرم مفتی اعظم پاکستان محمد عبدالقیوم ہزاروی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۰۳ء کے نام کہ جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق فتاویٰ رضویہ ترجمہ تخریج تحشیہ کے ساتھ معرض وجود میں آیا۔

۱۱۔ حضرت علامہ الحاج پیر سید معروف حسین شاہ عارف قادری نوشاہی مدظلہ العالی کے نام جنہوں نے فتاویٰ رضویہ قدیم کامل مخرّج کی بائیس جلدوں اور فتاویٰ رضویہ جدید مخرّج ومترجم تیس جلدوں کی طباعت کے لیے رأس المال کا افزوں عطیہ پیش کیا۔

(فتاویٰ رضویہ قدیم کامل ج ۱ ص ۱۲ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف وادارہ اہلسنت کراچی، فتاویٰ رضویہ جدید ج ۳۰، ص ۲۲ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ دلپذیر

حضرت علامہ الحاج پیر سید معروف حسین شاہ عارف قادری نوشاہی مدظلہ العالی

مہتمم اعلیٰ: مرکزی جامعہ نوشاہیہ، سجادہ نشین آستانہ عالیہ قادریہ نوشاہیہ نوشہ پور شریف جی ٹی روڈ جہلم،
نگران اعلیٰ مرکزی جمعیت تبلیغ الاسلام وبانی دی ورلڈ اسلامک مشن بریڈفورڈ UK

الحمد للّٰہ الذی کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد:

امام ابوالحسن، احمد بن محمد، قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مختصر القدوری فقہ حنفی کی ان عظیم کتب میں سے ایک ہے کہ جن کو فقہ حنفی کا صحیح مذہب نقل کرنے میں متون کا درجہ حاصل ہے۔ زمانہ تالیف سے تاحال یہ عظیم الشان کتاب علماء وفقہاء میں مقبول ومتداول اور زیر درس رہی ہے۔ مسائل میں پختگی اور استحضار کے لیے جن متون کو بکثرت یاد کیا جاتا ہے ان میں مختصر القدوری بھی شامل ہے۔ مختصر القدوری کی مقبولیت وافادیت کے پیش نظر ہر دور کے ارباب علم ودانش نے مختلف ادوار کی ضرورت کے پیش نظر عربی اور اردو میں اس پر کسی نے مسائل کی تنقیح وتلخیص کی، کسی نے توضیح وتشریح کو پیش نظر رکھا، کسی نے حل مشکلات کی گتھیاں سلجھائیں، کسی نے تخریج احادیث پر کام کیا، کسی نے مسائل کو نظم میں پرویا اور کسی نے مفتٰی بہ اقوال کی تعیین وتخریج پر کام کیا۔

اسی سنت مستمرہ پر عمل کرتے ہوئے مرکزی جامعہ نوشاہیہ کے مدرس عزیزم محمد منظور نظامی زید علمہ نے مختصر القدوری کی ایسی شرح لکھی کہ جس میں فقہ کے خدوخال پر مختصر مگر پُرمغز مقدمہ، سیاق وسباق، لغوی واصطلاحی تعریف، نفس مسئلہ کی توضیح وتشریح، مفتٰی بہ قول کی تعیین، فقہی قواعد کا استعمال، اصول افتاء کا اجراء، اصول فقہ کا انطباق، مسائل جدیدہ کی رمق، نقشہ جات اور دیگر مختلف فوائد کا اہتمام پیش نظر رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے یہ شرح معلم ومتعلم ہر ایک کے لیے یکساں مفید ہو کر مسئلہ کی گہرائی تک پہنچنے اور اس کو جمیع پہلوؤں سے سمجھنے میں مدومعاون ثابت ہوگی۔ عزیزم موصوف نے اس سے قبل بھی ''منظور الحواشی شرح اصول الشاشی''، ''عقائد و معمولات اہل سنت کا تنقیحی وتحقیقی جائزہ'' اور ''تعلیمات اہل سنت کا ایک علمی جائزہ'' تالیف کر چکے ہیں مزید تحقیقی کام کرنے کی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بالخصوص ان کی تصنیف لطیف منظور الضروری شرح مختصر القدوری کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کی تصانیف کو ان کے لیے، ان کے اساتذہ کرام، ان کے والدین اور جمیع متعلقین ومحبین کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

نویسندہ

پیر سید معروف حسین شاہ عارف قادری نوشاہی غفرلہٗ

سخن ہائے گفتنی

حامداً ومصلیاً اما بعد!

بندہ پروردگارم امت احمد نبی　　دوست دار چہار یارم تابعہ اولادِ علی

مذہب حنفیہ دارم ملت حضرت خلیل　　خاک پائے غوثِ اعظم زیر سایہ ہر ولی　　جامی ہند

تبلیغ دین کے ذرائع میں سے ایک مؤثر ترین ذریعہ قلم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ علم نے زبان کی بنسبت قلم سے زیادہ کام لینے کی کوشش کی ہے اور بندہ عاجز نے بھی انہی کی تقلید میں دین متین کے کسی نہ کسی شعبہ پر لکھنا شروع کیا۔ جن میں سے ایک شعبہ درسی کتب کی شروحات کا بھی ہے۔ اس سے قبل اصولِ فقہ کی متداول کتاب ''اصول الشاشی'' کی شرح لکھی اب فقہ کے متون میں سے ایک اہم متن مختصر القدوری کی شرح قارئین کرام کے پیش نظر ہے۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا چلوں کہ عالمی مبلغ اسلام پیر سید معروف حسین شاہ عارف قادری نوشاہی مدظلہ العالی کی ذاتی لائبریری جو پنجاب کی عظیم الشان لائبریریوں کی صف میں شامل ہے کہ جس میں ہر فن پر مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے جس کی ہزاروں جلدیں راقم الحروف نے خود ترتیب دی ہیں قدوری کے شرح کے دوران آپ کی ذاتی لائبریری میرے زیرِ استعمال رہی اگر فراہمی کتب شاملِ حال نہ ہوتی تو یہ شرح اپنی کئی خوبیوں سے مزین نہ ہوتی۔ لہٰذا بتقضاء ارشادِ نبوی ﷺ ''مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ'' میں سپاس گزار ہوں حضرت پیر صاحب، ان کے دستِ راست ناظم اعلیٰ جامعہ ہذا خلیفہ نثار احمد چوہدری نوشاہی صاحب، جامعہ ہٰذا کے ناظم تعلیمات علامہ ناصر محمود صاحب اور دیگر حضرات جنھوں نے کتاب کی کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور اشاعت میں معاونت فرمائی۔ اللہ رب العزت انہیں دونوں جہانوں میں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

آخری گزارش: کمال کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، خطا سے عصمت خاصۂ نبوّت ہے اور ''اَلْاِنْسَانُ مُرَكَّبٌ عَنِ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانِ'' کے مطابق اغلاط کا وجود عین ممکن ہے مجھے اپنی کم علمی، کم فہمی اور بے بضاعتی کا اعتراف ہے لہٰذا اگر درستگی ہو تو محض اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہے اگر غلطی ہو تو مجھ فقیر کی طرف سے ہے۔ مطلع کرنے پر آئندہ طباعت میں درستگی کر دی جائے گی۔

یا الٰہی بندہ توفیق نو بغمز　　راہ بنما بسوئے معتبر

سراپا تشکر و امتنان

ابو حمزہ محمد منظور نظامی

مدرس مرکزی جامعہ نوشاہیہ، جہلم

المتوطن: چھم، چناری، ہٹیاں بالا، جہلم ویلی آزاد کشمیر

0345-3143895,0355-8121068

مقدمۃ الفقہ

از شارح محمد منظور نظامی

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعد

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قال اللہ تعالٰی: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

فقہ کا لغوی معنی:

فقہ کا مادہ ف،ق،ہ ہے۔اور یہ مادہ قرآن مجید میں مختلف صیغوں کی شکل میں ۲۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔یہ مادہ تین ابواب سے آتا ہے۔

۱۔ سَمِعَ سے فِقْهٌ، فَقْهٌ بمعنی سمجھنا، یا ایسی گہری سمجھ کے ہیں کہ جس کے ذریعے اقوال وافعال کی غرض وغایت معلوم کی جاسکے انہی معانی میں یہ لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ كَرُمَ سے فِقْهٌ،فَقَاهَةٌ بمعنی جاننا۔ان دومعانی کے اعتبار سے فقہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فقہ کی وجہ سے حلال وحرام کے احکام سمجھ آتے ہیں۔

۳۔ فَتَحَ سے بمعنی پھاڑنا اس معنی کے لحاظ سے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فقہاء کرام مسائل کی چادر کو پھاڑ کر تحقیق کر کے احکام کے استنباط واستخراج میں دوسروں سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔(الصحاح)

فقہ کے اصطلاحی معنی میں تین اَدوار:

۱۔عہدِ رسالت سے تابعین تک ''تمام دین کی تعلیمات میں مہارت تامہ کا نام فقہ تھا۔''

۲۔دورِ تابعین میں فقہ کی تعریف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی سے یوں مروی ہے۔

''اَلْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَا عَلَيْهَا'' (غمز العیون للحموی)

''فقہ ان چیزوں کو جاننے کا نام ہے کہ جن کے ذریعے اپنے نفس کے مفید اور مضر پہلو معلوم ہوں''۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ فقہ علم الکلام (عقائد)،علم التصوف اور موجودہ فقہ تینوں کو شامل تھا اسی وجہ سے امام اعظم کی تصنیف لطیف کا نام ''الفقہ الاکبر'' ہے۔

۳۔تابعین کے زمانے کے بعد جب اسلامی فتوحات نے نئے نئے مسائل جنم دیئے تو جس کی وجہ سے دورِ تابعین میں فقہ کے تحت آنے والے تینوں علوم کو الگ الگ نام دیا گیا تو علم کلام کے ماہرین کو ''متکلمین''، علم التصوف کے ماہرین کو ''صوفیاء'' اور موجودہ فقہ کے ماہرین کو ''فقہاء'' کہا جانے لگا۔

متاخرین کے نزدیک فقہ کی اصطلاحی تعریف:

"اَلْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ الْمُكْتَسَبَةِ مِنْ أَدِلَّتِهَا التَّفْصِيلِيَّةِ" (بحرالرائق)

"احکام شرعیہ عملیہ کو بذریعہ استدلال تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام فقہ ہے"۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ فقیہ صرف مجتہد ہی ہوسکتا ہے مگر مجتہد کے علاوہ پر فقیہ کا اطلاق مجازاً ہوگا۔ ہمارے زمانے میں مفتی اور فقیہ، احکام کے ناقل کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اجتہاد کے حامل افراد نہیں رہے، للہٰذا ناقلِ احکام کو مفتی اور فقیہ کہا جانے لگا۔

فقاہت کے کیا معنیٰ ہیں؟:

امام احمد رضا حنفی فرماتے ہیں:

"فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصولِ مقررہ، ضوابطِ محرّرہ، وُجوہِ تکلم، طرق تفاہم، تنقیحِ مَناط، لحاظِ انضباط، مواضعِ یُسر واحتیاط، تجنُّب تفریط وافراط، فرق روایاتِ ظاہرہ ونادرہ، تمیُّز درآیاتِ غامضہ وظاہرہ، منطوق ومفہوم، صریح ومحتمل، قول بعض وجمہور، مُرسَل ومعلّل، وزنِ الفاظِ مفتین، سِیَرِ مناقب ناقلین، عرف عام وخاص، عاداتِ بلاد واَشخاص، حالِ زمان ومکان، احوالِ رعایا وسلطان، حفظِ مصالحِ دین، دفعِ مفاسدین، علم وجوہِ تجریح، اسبابِ ترجیح، مناہجِ توفیق، مدارکِ تطبیق، مسالکِ تخصیص، مناسکِ تقیید، مشارعِ قیود، شوارعِ مقصود، جمعِ کلام، نقدِ مُرام، فہمِ مُراد کا نام ہے کہ تطلُّعِ تام، اطلاعِ عام، نظرِ دقیق، فکرِ عمیق، طولِ خدمتِ علم، ممارستِ فن، تیقُّظِ وافی، ذہنِ صافی، معتادِ تحقیق مؤید بتوفیق کا کام ہے اور حقیقتاً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل محض کرم سے اپنے بندے کے قلب میں القاء فرماتا ہے"

(فتاوی رضویہ قدیمہ کامل جلد ۱۲، صفحہ ۲۲، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف/ فتاوی رضویہ جدید جلد ۱۶، صفحہ ۳۷۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مجددِ مِائۃ حاضرہ وفقیہ اعظم کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہ کس قدر مشکل فن ہے اس سمندر کو عبور کرنا یا اس میں ناؤ چلانا ماہرِ فن ہی کے بس کی بات ہے۔

فقیہ کی تعریف:

"فقیہ وہ عالم ہے جو تفکر اور تدبر کرکے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل ومغلق امور کو واضح کرے"۔

محدِّث اور فقیہ کے درمیان فرق:

امام اعمش رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: اے فقہاء کے گروہ! تم طبیبوں (میڈیکل آفیسرز) کی طرح ہو اور ہم عطاروں (فارماسسٹس) کی طرح ہیں۔

للہٰذا ہر فقیہ محدِّث ضرور ہے لیکن ہر محدِّث کا فقیہ ہونا ضروری نہیں بلکہ بعض محدِّث فقیہ ہوتے ہیں۔ مثلاً امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

فقہی اصطلاحات پر حنفی کتب:

۱۔ طلبۃ الطلبۃ: نجم الدین ابن حفص نسفی، متوفی ۵۳۷ھ

۲۔ المغرب: ابوالفتح ناصر بن عبدالسید مطرزی، متوفی ۶۱۶ھ

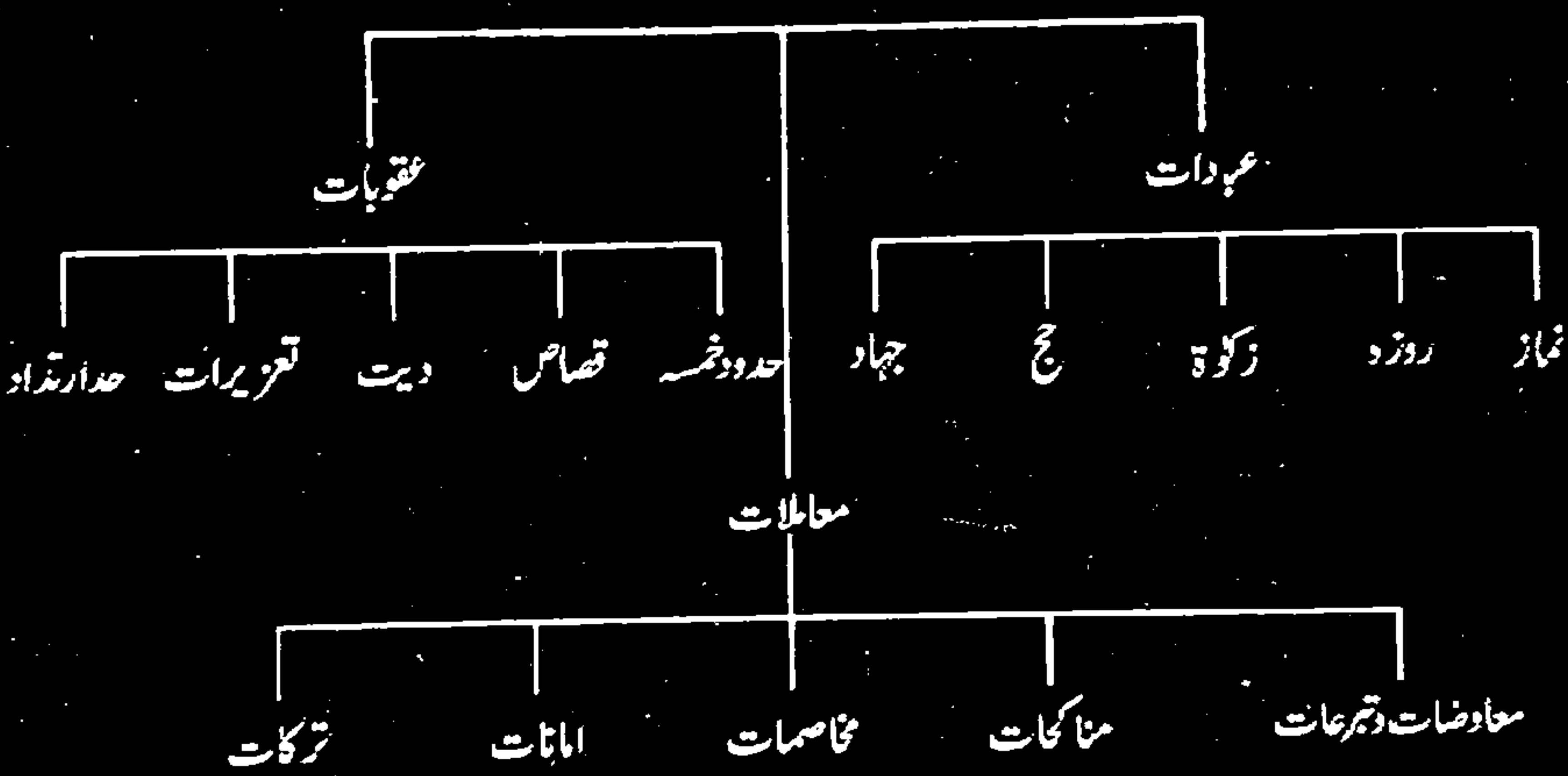
۳۔ التعریفات الفقہیۃ: عمیم احسان مجددی۔

تمام مذاہب کی فقہی اصطلاحات پر جامع

۱۔ معجم المصطلحات الفقہیۃ: ڈاکٹر محمد عبدالرحمن عبدالمنعم۔

۲۔ القاموس الفقہی: سعدی حبیب۔

متأخرین کے نزدیک علم فقہ کا خلاصہ (ردالمحتار)



فقہ کا موضوع:

مکلف (عاقل وبالغ) کے افعال، حلال وحرام ہونے کی حیثیت سے۔

غرض وغایت:

دونوں جہانوں کی کامیابی۔

فقہ کے مآخذ:

کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

فقہ کا درجہ اور اس کا حکم:

فقہ کا شمار ان علوم میں ہوتا ہے جو مقصود ہونے کے ساتھ ساتھ نقلیہ بھی ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جس فعل میں فی الحال مکلف مبتلا ہے اس کی ضروریات کو سیکھنا فرض عین ہے۔ مثلاً نمازی کے لیے نماز کے مسائل، روزہ دار کے لیے روزے کے مسائل اور تاجر کے لیے تجارت کے مسائل وغیرہ ان کے علاوہ باقی مسائل کا حصول سنت واستحباب کا درجہ رکھتے ہیں۔

فقہ کے تاریخی ادوار:

اہل علم نے فقہ کی تاریخ کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ فقہ کا پہلا دور:

عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ جس میں وحی کی وجہ سے اجتہاد واستخراج کی حاجت نہ تھی۔

۲۔ دوسرا دور:

کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے جس میں پیش آمدہ مسائل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم باہم مشورہ سے حل کر لیتے تھے۔

۳۔ تیسرا دور:

صغار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین وتبع تابعین کا ہے جو تیسری صدی ہجری تک ہے کہ جس میں موجودہ فقہ کی ابتدا ہوئی اور اسی دور میں فقہ کی تدوین بھی ہوئی اور یہی دور آئمہ اربعہ اور ان کے تلامذہ کا بھی ہے۔

۴۔ چوتھا دور:

چوتھی صدی ہجری سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک ہے کہ اس دور میں فقہ اپنے تشخص کے ساتھ بام عروج تک پہنچ چکی تھی کہ جس دور میں امام ابوالحسن کرخی متوفّٰی ۳۴۰ھ، امام ابوالحسن احمد بن محمد قدوری متوفّٰی ۴۲۷ھ اور صاحب ہدایہ متوفّٰی ۵۹۳ھ جیسی شخصیات دنیاء فقہ کے امام گزرے۔

۵۔ پانچواں دور:

ساتویں ہجری سے لے کر چودھویں صدی تک کا ہے جس میں امام زیلعی، نسفی، ابن ہمام، عینی، ابن نجیم، قُطلُوبُغا، شامی اور ان سب کی علمی خصوصیات کے جامع امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ متوفّٰی ۱۳۴۰ھ جیسی فقہ حنفی کی یگانہ روزگار شخصیات اس دور کی یادگار ہیں۔

تاریخ فقہ پر اہم کتب:

موجودہ دور میں اس موضوع پر اہم اور جامع کتب میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ تاریخ التشریع الاسلامی: محمد بن عفیفی المعروف خضری بک متوفّٰی ۱۳۴۵ھ

۲۔ فقہ اهل العراق و حديث: محمد زاہد الکوثری، متوفی ۱۳۷۱ھ
۳۔ تاريخ التشريع الاسلامی: ڈاکٹر مناع القطان

فقہ حنفی کی خصوصیات کا مختصر جائزہ:

۱۔ فقہ حنفی ایک شخصی رائے کا نام نہیں بلکہ چالیس (کبھی کم اور کبھی زیادہ) مجتہدین وفقہاء کرام کی جماعتِ شوریٰ کی مرتب کردہ ہے کہ جس کی مثال موجودہ دور میں سینیٹ اور قومی اسمبلی کی ہے کہ جس میں کوئی بھی قانون ایک جمعیت کی موجودگی میں قیل وقال کے بعد پاس ہوتا ہے کہ یہی صورت حال فقہ حنفی کے مرتب ہونے کی تھی کہ ایک ایک مسئلہ کی تنقیح وتحقیق پر بعض اوقات کئی کئی دن لگ جاتے تھے یوں فقہ حنفی کا یہ مجموعہ ۸۳ ہزار دفعات پر پچیس سال کے عرصہ میں تیار ہوا۔ بعد کے ہر دور میں اسی فقہی مجموعہ کی روشنی میں نومولود مسائل کا حل پیش کیا جاتا رہا۔ فقہی مجلسِ شوریٰ نقل وعقل کے اعتبار سے اتنی جامع تھی کہ امام وکیع متوفی ۱۹۷ کو بھی کہنا پڑا۔ ''امام ابوحنیفہ کیسے غلطی کر سکتے ہیں کہ جب ان کی مجلس میں امام ابو یوسف، امام زفر جیسے ''ماہر قیاس'' یحییٰ بن سعید، حفص بن غیاث اور صندل بن علی جیسے ''حفاظ حدیث'' قاسم بن مَعن جیسے ''لغت عربیت'' کے ماہر اور داؤد طائی اور فُضیل بن عیاض جیسے ''متقی'' ہوں۔'' مجلس تدوین فقہ کے چالیس ارکان کے نام اکٹھے ۲۲ سے زیادہ نہیں ملتے سب سے پہلے ان کو جمع کرنے کا اعزاز ڈاکٹر میاں محمد صدیقی کو حاصل ہے۔ (ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد صفحہ ۳۵۱، الصباح لاہور) یہ P.H.D کا مقالہ ہے۔ جب کہ باقی تین مذاہب کی تدوین میں مجلس شوریٰ نہ تھی۔ اس مجلس شوری کی وجہ سے فقہ حنفی میں حِکَم ومصالح، روایت ودرایت، لوگوں کے عرف ورواج، تغیر زمانہ، مملکت چلانے میں آسانی کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۲۔ خلافت بنوعباس کے پانچ سو سالہ دور میں اکثر قاضی فقہ حنفی کے تھے، سلجوقی، خوارزمی، سلطنت عثمانی ۱۲۵۲ھ تک حنفی فقہ پر قانون نافذ ہوتا رہا۔

۳۔ اسی طرح ہندوپاک میں بھی فقہ حنفی ہی غالب رہا اور ہے۔

۴۔ ۲۰۱۷ء میں اسلامی ملک ۵۷ ہیں ان میں حنفی علماء کی کثرت ہے اکثر پرائیویٹ فتاویٰ مذہب حنفی کے مطابق دیے جاتے ہیں۔

۵۔ نومولود مسائل کے حل کے لیے ''فقہ تقدیری'' پر زور دیا گیا فقہ تقدیری یہ ہے کہ ''ابھی مسئلہ وقوع پذیر نہیں ہوا کہ اس کی فرضی صورت وضع کر کے پہلے ہی حکم ظاہر کر دیا'' اور نو پیدا مسائل کے حل کے لیے ترقی پذیر ''عقلی فارمولہ'' ایجاد کیا جسے اہل اصول ''استحسان'' (قیاس خفی) کا نام دیتے ہیں۔

مجتہدین وفقہاء کے طبقات:

ابن کمال پاشا متوفی ۹۴۰ھ نے مجتہدین وفقہاء کے سات طبقات بیان کیے ہیں کہ جن میں سے پہلے تین طبقے مجتہدین کے ہیں، دوسرے تین طبقے خاص فقہاء کے ہیں جب کہ ساتواں طبقہ عام فقہاء کا ہے۔ احناف میں یہی تقسیم مشہور ہے۔

۱۔ مجتہدین فی الشرع:

وہ مجتہدین جنہوں نے اصول وقواعد مقرر کیے اور احکام فرعیہ کو اصول اربعہ کی روشنی میں مستنبط کیا اور اصول وفروع میں کسی کے تابع نہیں انہی کو "مجتہد مطلق" بھی کہا جاتا ہے جب کہ شوافع ان کو "مجتہد مستقل" کہتے ہیں جیسے آئمہ اربعہ۔

۲۔ مجتہدین فی المذہب:

وہ مجتہدین جو اصول وقواعد میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں اور ادلہ اربعہ سے احکام فرعیہ کے استخراج پر قادر ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے بعض مسائل میں اپنے امام سے اختلاف بھی کر جاتے ہیں اگر چہ ان کا درجہ آئمہ اربعہ والا ہے مگر از روئے ادب اپنے آپ کو مجتہد فی الشرع میں ظاہر نہیں کرتے جہاں اختلاف دیکھا اپنے امام کے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں اختلاف ظاہر کر دیا اسی وجہ سے علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی متوفّٰی ۹۷۳ھ نے ان مجتہدین کو "منتسبین" لکھا ہے جب کہ شوافع مجتہد فی المذہب کو مجتہد "منتسب" کہتے ہیں۔ جیسے امام اعظم کے تلامذہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

۳۔ مجتہدین فی المسائل:

وہ مجتہدین جو اصول وقواعد میں اپنے امام کے تابع ہوتے ہیں جن مسائل میں اپنے امام سے کوئی روایت نہیں ملتی ان کی تخریج اپنے امام کے اصول کی روشنی میں کرتے ہیں۔ مثلاً ابو بکر خصاف، ابو جعفر طحاوی، فخر الدین قاضی خان، ابوالحسن کرخی، شمس الآئمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی اور شمس الاسلام حلوائی وغیرہ۔ جب کہ شوافع مجتہدین فی المسائل کو "مجتہدین فی المذہب" کہتے ہیں۔

۴۔ اصحاب تخریج:

وہ فقہاء کرام کہ جن کو اجتہاد پر تو قدرت نہیں ہوتی مگر اصول وقواعد اور مصادر و مآخذ پر بھر پور عبور ہوتا ہے کہ جن کی وجہ سے مجمل قول کی تفصیل کا اختیار ہوتا ہے، مثلاً جصاص، ابو بکر رازی وغیرہ۔

۵۔ اصحاب ترجیح:

وہ فقہاء کرام کہ جن کو اجتہاد پر تو قدرت نہیں ہوتی مگر ہر قسم کے دلائل پر گہری نظر ہوتی ہے قوت دلائل کے لحاظ سے ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مثلاً ابوالحسن قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ۔

۶۔ اصحاب تمیز:

وہ فقہاء کرام کہ جن کو اجتہاد پر تو قدرت نہیں ہوتی مگر جن کو صحیح، اصح، قوی وضعیف اور ظواہر ونوادر پر گہری نظر ہوتی ہے کہ ان میں ممتاز کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

مثلاً شمس الآئمہ کردری، جمال الدین حصیری اور اصحاب متون وغیرہ۔

۷۔اصحاب تقلید:

وہ عام فقہا کرام کہ جن میں گزشتہ طبقات کی خصوصیات نہیں پائی جاتیں۔

متن (Text) کی تعریف:

متن لغت میں "ریڑھ کی ہڈی" کو کہا جاتا ہے جب کہ اصطلاح میں متن سے مراد" وہ کتاب ہوتی ہے جو کسی بھی فن میں ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت رکھتی ہے"۔متن کی جمع متون ہے۔

متن،شرح اور حاشیہ میں فرق:

اصل عبارت کو متن کہا جاتا ہے،شرح وہ ہے جو حامل متن ہو کہ مکمل متن کی وضاحت کرے۔جب کہ حاشیہ وہ ہے جو حامل متن نہ ہو مگر متن کے مشکل اور مغلق مقامات کو حل کرے۔حاشیہ کو "تعلیق" اور ہامش جمع ہوامش بھی کہا جاتا ہے۔تاہم بعض محققین نے تعلیق، حاشیہ اور ہامش کے درمیان فرق بھی بیان کیا ہے۔بعض حاشیے شرح کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں جیسے حاشیہ شامی علی درمختار وغیرہ۔متن بطور درس، مختصر شرح بطور درس یا بطور مطالعہ، حواشی بطور مطالعہ۔

متون کے مآخذ:

متون کے مآخذ امام ربانی، امام محمد بن حسن، الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف بر ترتیب تصنیف مبسوط (الاصل)، جامع صغیر، جامع کبیر، زیادات، سیر کبیر اور سیر صغیر ہیں جن کو "ظاہر الروایات" اور "امہات ستہ" بھی کہا جاتا ہے۔ کتب فقہ حنفی کے تین طبقات میں سے امہات ستہ پہلا طبقہ ہے۔لہٰذا متون میں جو بھی مسائل ہیں وہ سند کے لحاظ سے یا تو اُحادی ہیں کہ امام محمد نے براہ راست امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیے یا وہ ثنائی ہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے نقل کیے۔

متون کی ضرورت کیوں پڑی؟:

امہات ستہ کے ہوتے ہوئے متون کی ضرورت اس لیے پڑی کہ واضعین مذہب کی توجہ مسائل کے استنباط و استخراج کی طرف تھی کہ جس کی وجہ سے تنقیح و تہذیب کی طرف توجہ نہ دے سکے جب کہ بعد میں آنے والے فقہاء کرام اس ذمہ داری سے آزاد تھے اس لیے انہوں نے متقدمین کی کتب کی تنقیح و تہذیب کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ایسے متون تیار کیے جو فقہ میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔کتب فقہ حنفی کا دوسرا طبقہ "نوادرات" کا ہے۔جیسے امام محمد کی کتب ھارونیات، کیسانیات، رقیات اور اسی طرح امام ابو یوسف کی "الامالی" وغیرہ۔تیسرا طبقہ فتاویٰ جات کا ہے جن کو "نوازل" کہا جاتا ہے۔

فقہ حنفی میں متون اربعہ:

فقہ حنفی کے متون اربعہ کی تعیین میں دو اصطلاحیں ہیں۔

۱۔اصطلاح متقدمین۔ ۲۔اصطلاح متاخرین۔

متقدمین کی اصطلاح میں متون اربعہ سے مراد	مشہور شروحات
۱۔ مختصر القدوری، ابوالحسن، احمد بن محمد، قدوری، متوفّٰی ۴۲۷ھ۔	جوھرہ نیرہ، السراج الوھاج، جامع المضمرات، اللباب
۲۔ وقایۃ الروایۃ، برھان الشریعۃ، ابوالفضل، محمود بن احمد، محبوبی، متوفّٰی ۶۷۳ھ	شرح الوقایہ، الاصلاح والایضاح، سعایہ، عمدۃ الرعایہ
۳۔ المختار للفتوٰی، مجدالدین، عبداللہ بن محمود، موصلی، متوفّٰی ۶۸۳ھ	الاختیار
۴۔ کنز الدقائق، ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد، نسفی، متوفّٰی ۶۹۴ھ	البحر الرائق، تبیین الحقائق، النھر الفائق، رمز الحقائق

جب کہ متاخرین کے نزدیک متون اربعہ میں مختصر القدوری کی جگہ "مجمع البحرین و ملتقی النیرین" ہے جس کے مصنف مظفر الدین، احمد ابن الساعاتی، متوفّٰی ۶۹۴ھ ہیں۔
باقی گزشتہ ہی تین متون ہیں۔

	فقہ حنفی کے باقی مشہور متون	مشہور شروحات وحواشی
۱۔	بدایۃ المبتدی، لمرغینانی، متوفّٰی ۵۹۳ھ۔	ہدایہ، شروحات ہدایہ: فتح القدیر، بنایہ، کفایہ، عنایہ
۲۔	نقایہ، لصدر الشریعہ، متوفّٰی ۷۴۷ھ۔	فتح باب العنایۃ، برجندی، جامع الرموز، شرح قہستانی، شرح الیاس
۳۔	غرر الاحکام لملاخسرو، متوفّٰی ۸۸۵ھ۔	درر الاحکام، غنیۃ ذوی الاحکام
۴۔	تنویر الابصار لتمرتاشی متوفّٰی ۹۳۹ھ۔	فتح الغفار، درمختار، ردالمحتار، حاشیہ طحطاوی، جدالممتار
۵۔	تحفۃ الفقہاء لسمرقندی متوفّٰی ۵۷۵ھ۔	بدائع الصنائع
۶۔	ملتقی الابحر لحلبی متوفّٰی ۹۵۶ھ۔	مجمع الانھر، الدر المنتقی
۷۔	نور الایضاح للشرنبلالی متوفّٰی ۱۰۶۹ھ جو صرف عبادت میں ہے۔	امداد الفتاح، مراقی الفلاح، حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح

کتب فقہ میں بعض کثیر الاستعمال الفاظ:

۱۔ یَنْبَغِیْ:
متاخرین کے نزدیک اکثر مستحب کے معنی میں اور کبھی واجب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ لَابَأسَ:
اکثر ترک اولیٰ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے لیکن بعض اوقات مستحب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ عِنْدَ وَعَنْ:
جب کسی امام کے ساتھ عند مستعمل ہو تو ان کے مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً عند الامام الاعظم اگر عن استعمال ہو مثلاً عن الامام الاعظم تو ان کی روایت مراد ہوتی ہے۔

۴۔ یَجُوْزُ:
کبھی "یصح" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس وقت بطلان کے مقابلے میں ہوگا جو مباح، مندوب واجب اور مکروہ کو شامل ہوگا اور کبھی "یحل" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۵۔ کراہت:
جب مطلق استعمال ہو کہ کراہت تنزیہی پر کوئی دلیل نہ ہو تو مکروہ تحریمی مراد ہوگی۔

قیاس کی خبر واحد پر تقدیم:
جب فقہاء احناف بعض مقام پر قیاس کو خبر واحد پر ترجیح دیتے ہیں تو بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک ''مجتہد امتی'' کی رائے کو معصوم نبی ﷺ کے قول پر ترجیح دی جا رہی ہے جو کہ قطعاً جائز نہیں؟ درحقیقت معترضین کو فقہاء احناف کی اصطلاحات کا علم نہیں اس لیے کہ فقہاء کے نزدیک قیاس دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک قیاس کا مشہور معنی کہ ''علت مشترکہ کی وجہ سے حکم کو اصل سے فرع کی طرف منتقل کرنا''، اور قیاس کا دوسرا معنی ''ایسا قاعدہ کلیہ ہے جو احادیث کثیرہ سے ثابت ہو''۔ لہٰذا جہاں فقہائے کرام یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا وغیرہ تو اس سے مراد قیاس کا دوسرا معنی ہوتا ہے نہ کہ وہ جس کو معترضین سمجھے بیٹھے ہیں ظاہر ہے کہ وہ قیاس جو احادیث کثیرہ سے ماخوذ ہوتا ہے وہ مقدم ہے اس پر جو مسئلہ خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے اور جب قیاس کا لفظ استحسان کے مقابلے میں آئے تو قیاس سے مراد قاعدہ کلیہ اور استحسان سے مراد قیاس سے نص خاص کی وجہ سے مستثنیٰ کیا ہوا مسئلہ ہوتا ہے تو اس صورت میں نص خاص (استحسان) کو نصوص عامہ (قیاس) پر ترجیح دی ہوتی ہے نہ کہ رائے کو نصوص پر۔ لہٰذا قیاس کے جس معنی کو لے کر فقہاء پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ معنی فقہاء کرام کے ہاں مراد نہیں ہوتا اور جو معنی مراد ہوتا ہے اس پر اعتراض نہیں۔

آئمہ فقہ کے متعلق اصطلاحات:

۱۔آئمہ اربعہ:

اس سے مراد چار آئمہ کرام، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۵۰ھ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۲۱ھ۔

۲۔آئمہ ثلاثہ:

جب مطلق استعمال ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ باقی تین آئمہ کرام مراد ہوتے ہیں۔

۳۔آئمہ ثلاثہ احناف:

اس سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۱۹۸ھ ہیں۔

۴۔شیخین:

اس سے مراد امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ دونوں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ و شیخ ہیں۔

۵۔صاحبین:

اس سے مراد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں کہ دونوں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ لہٰذا آپس میں ساتھی (صاحب) ہوئے۔

۶۔طرفین:

اس سے مراد امام اعظم اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں کہ امام محمد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد بھی ہیں۔

۷۔اصحابنا، مشائخنا:

اس سے مراد مشہور قول میں آئمہ ثلاثہ احناف ہیں۔

۸۔صاحب المذہب:

اس سے مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں اور ''امام صاحب'' سے مراد بھی آپ ہی ہیں۔

۹۔امام ثانی:

اس سے مراد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۱۰۔امام ربانی:

اس سے مراد امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

۱۱۔ شمس الآئمہ:

اس سے مراد امام سرخسی متوفّٰی ۴۸۳ھ ہیں جب کہ مطلقاً شمس الآئمہ ذکر کیا جائے۔

۱۲۔ حسن:

اس سے مراد فقہ میں حسن بن زیاد ہیں۔

طبقات فقہائے احناف کے متعلق اہم کتب:

۱۔ تاج التراجم، قاسم بن قطلو بغا متوفّٰی ۸۷۹ھ

۲۔ الجواهر المضيئة: محی الدین ابو عبدالقادر قریشی متوفّٰی ۷۷۵ھ

۳۔ الفوائد البهية: عبدالحئی لکھنوی متوفّٰی ۱۳۰۴ھ

کتب فقہ کے متعلق اصطلاحات:

الاصل: اس سے مراد امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی کی کتاب مبسوط ہے۔

الکتاب: اس سے مراد مختصر القدوری ہے جیسے کہ صاحب ہدایہ نے جا بجا "الکتاب" کہہ کر قدوری مراد لی ہے۔

امام احمد رضا حنفی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی کا فقہی مقام:

چودھویں صدی کے مجدد اور فقیہ اعظم امام احمد رضا حنفی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی متوفّٰی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء جن کو بیک وقت پچپن (۵۵) سے زائد علوم وفنون پر مہارت تامہ حاصل تھی جن کی خدمات 'بالخصوص فقہ حنفی میں اَسلاف کی یاد تازہ کرتی ہیں موضوع کی مناسبت سے طالب فقہ کے لئے مجدد اعظم کی فقاہت کی ایک جھلک پیش خدمت ہے کہ فقہ حنفی کی امہات الکتب سے لے کر فتاوٰی عالمگیری تک جتنی بھی متقدمین و متاخرین کی کتب چاہے متون ہوں یا ان کی شروح، حواشی ہوں یا تعلیقات اسی طرح جتنے بھی فتاوٰی جات ان سب کے ایک ایک نکتہ پر آپ کی گہری نظر تھی مزید یہ کہ بیک وقت مستحضر بھی تھیں کہ جس کتاب کو نگاہ سے ایک بار گزار دیتے دوبارہ حوالے کے لیے دیکھنے کی حاجت نہ پڑتی تھی۔ آپ کی کتب میں دلائل و جزئیات اور حوالہ جات کی ایک لڑی دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یکے بعد دیگرے یہ امور اس انتظار میں ہوتے ہیں کہ ان کو نقل کیا جائے۔ بارہویں صدی تک جتنی بھی فقہ حنفی میں مختصر اور مطوّل کتب تصنیف کی گئیں ان سب کا لُبِّ لُباب علامہ شامی کا فتاوٰی شامی (ردالمحتار) ہے۔ جو فقہ حنفی کا "دائرۃ المعارف" ہے۔ کہ جس کے مصنف اپنے زمانے کے یگانہ فرد تھے۔ کثرتِ مطالعہ، قوت حفظ، ذکاوت و فطانت، دقیقہ بینی، نکتہ فہمی، استحضار مسائل، قوت اخذ و استنباط میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

جد الممتار ایک نظر میں:

امام احمد رضا حنفی قادری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی نے فتاوٰی شامی پر مطالعہ کے دوران جو حاشیہ لکھا کہ اس کا نام "جد الممتار" ہے۔ جس کو سات جلدوں میں مکتبۃ المدینہ (دعوت اسلامی) نے شائع کیا اس کا اجمالی تعارف یہ ہے۔ فکر انگیز تحقیق، جزئیات کی فراہمی، استخراجِ مسائل، لغزشوں پر تنبیہات، حل اشکالات، جواب اعتراضات، فقہی تبحر، وسعت نظر، تحقیق طلب مسائل کی تنقیح،

مراجع وماٰخذ کا اضافہ، مشکلات ومبہمات کی توضیح، غیر منصوص مسائل کا استنباط، علم حدیث میں کمال، قوت استنباط واستدلال، دلائل کی فراہمی، مختلف اقوال میں تطبیق، مختلف اقوال میں ترجیح، اصول وضوابط کا ایجاد اور ایجاز واختصار جو ایک معتبر شرح کی شان ہوتی ہے وہ جد الممتار علی رد المحتار میں موجود ہے۔

مجیر العقول انسائیکلوپیڈیا:

اس سے بھی بڑھ کر آپ کا فتاویٰ رضویہ (العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة) جو نہ صرف فقہی مسائل کا گنجینہ ہے بلکہ قرآن مجید، تفسیر آراء، حدیث، شروح حدیث، اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ، قواعد فقہ، اصول افتا، لغت وادب، فلسفہ ومنطق، ریاضی وہندسہ، ہیئت وفلکیات، تاریخ، نجوم، جغرافیہ، نفسیات، طب اس طرح کے بیسیوں علوم وفنون پر "مجیر العقول انسائیکلوپیڈیا" ہے۔ دنیا فقہ میں فتاویٰ رضویہ کا عربی خطبہ فصاحت وبلاغت کا ایک اچھوتا شاہکار ہے کہ جس میں آئمہ اربعہ، امام ابو یوسف اور امام محمد اسی طرح چوراسی (۸۴) کتب فقہ حنفی کو یوں ترتیب دیا کہ کہیں حمد کے غنچے چٹک اٹھے، کہیں نعت کے پھول کھل پڑے، کہیں منقبت کے گجرے بن گئے اور کہیں درود وسلام کی ڈالیاں تیار ہو گئیں مزید یہ کہ آپ کے رسائل کے نام ایسے ہوتے ہیں کہ مضمون بھی واضح اور سنِ تالیف بھی ابجد کے لحاظ سے درخشاں ہوتی ہے۔ جہاں متقدمین ومتاخرین کے ساتھ فقہی اختلاف کرتے ہیں تو ادب کا پہلو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے کہ اپنے تحقیقات کو "تطفّلات" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اصول وقواعد وضع کرنے میں آئمہ اربعہ کی جھلک نظر آتی ہے، غیر منصوص مسائل کو قواعدِ امام سے استخراج کرنے میں خصاف وطحاوی کا پرتو ہیں اور روایات میں ترجیح وتفصیل میں طبقہ رابعہ، خامسہ اور سادسہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ فتاویٰ رضویہ دنیائے اسلام کا عظیم ترین فتاویٰ ہے جو جدید انداز میں ترجمہ، تخریج کے بعد 30 جلدوں پر مشتمل ہے جس کے مجموعی صفحات ۲۱۶۵۶ ہیں اور قدیم فتاویٰ رضویہ کامل تحقیق وترتیب جدید کے ساتھ بریلی شریف سے ۲۲ جلدوں میں ۲۰۱۶ء میں چھپا ہے۔ امام احمد رضا قادری حنفی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی نے بالخصوص فقہ میں وہ مقام پایا جس کی مثال صدیوں پیچھے نہیں ملتی۔ فقیر نظامی نے شرح قدوری میں حسب موقع تحقیق رضا کی جھلک دکھائی ہے۔ تفصیل سے اختصار مانع تھا۔ حضرت رضا رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی کے اس شعر پر اپنی معروضات ختم کرتا ہوں جو آپ نے اظہار نعمت خداوندی کے طور پر کہا تھا:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

امام قدوری کی سوانح حیات:

امام ابو الحسن، احمد بن محمد، القدوری، البغدادی، الحنفی بغداد کے گاؤں قدور میں ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے جس نسبت سے آپ کو قدوری کہا جاتا ہے اور ایک روایت کے مطابق قدور گاؤں کی نسبت سے نہیں بلکہ آپ ہانڈی فروخت کرنے کا کاروبار کرتے تھے چونکہ قُدور جمع ہے قِدر کی قِدر کا معنی ہانڈی ہے اس پیشے کی نسبت سے قدوری کہا جاتا ہے۔ آپ نے امام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی متوفّٰی ۳۹۸ھ سے علم حاصل کیا جن کو صاحب ہدایہ اور علامہ عینی نے اصحاب تخریج میں شمار کیا ہے اور

امام قدوری کا شمار فقہاء کرام کے طبقہ خامسہ ''اصحاب ترجیح'' میں ہوتا ہے لیکن بعض نے طبقہ رابعہ ''اصحاب تخریج'' میں شمار کیا ہے آپ کا وصال ۵ رجب المرجب بروز ہفتہ ۴۲۹ھ کو ہوا آپ ابوبکر خوارزمی کے پہلو میں مدفون ہیں۔

آپ کی تصنیفات:

مختصر القدوری، شرح مختصر کرخی، التجرید، الکتاب التقریب وغیرہ۔

مختصر القدوری:

مختصر القدوری کو قدوری اور مختصر قدوری بھی کہا جاتا ہے مگر المختصر القدوری مرکب توصیفی کے ساتھ لکھنا اور پڑھنا درست نہیں۔ فقہ حنفی میں مختصر قدوری ایسا متن ہے کہ جس کے معتمد ہونے پر سبھی احناف کا اتفاق ہے اور جہاں کہیں فقہ حنفی میں ''الکتاب'' کا لفظ آئے تو اس سے مراد یہی متن متین ہے اور بعد میں آنے والے اکثر متون کا ماخذ ہونے کا اسے شرف حاصل ہے۔ یہاں تک کہ صاحب ہدایہ جیسے فقیہ نے بھی اپنے متن ''بدایۃ المبتدی'' (جس کی شرح ہدایہ ہے) کے اکثر حصے کا ماخذ اسی کو ٹھہرایا۔ علامہ کاتب چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے ''حنفیہ وبا کے زمانے میں اسے پڑھ کر برکت حاصل کرتے تھے اور اسے پڑھنے والا فقر سے محفوظ ہوجاتا اور جو کوئی کسی نیک استاذ سے پڑھنے کے بعد ختم کرنے پر برکت کی دعا کرے تو شاگرد اس کے مسائل جتنے دراہم کا مالک بن جائے گا قدوری میں مسائل کم وبیش بارہ ہزار ہیں۔''

قدوری کی شروحات:

قدوری کے متن پر متعدد اہل علم نے شروح وحواشی اور تخریج احادیث وغیرہ پر کام کیا ہے۔ مگر یہاں اختصاراً تین شروح کا ذکر ہے۔

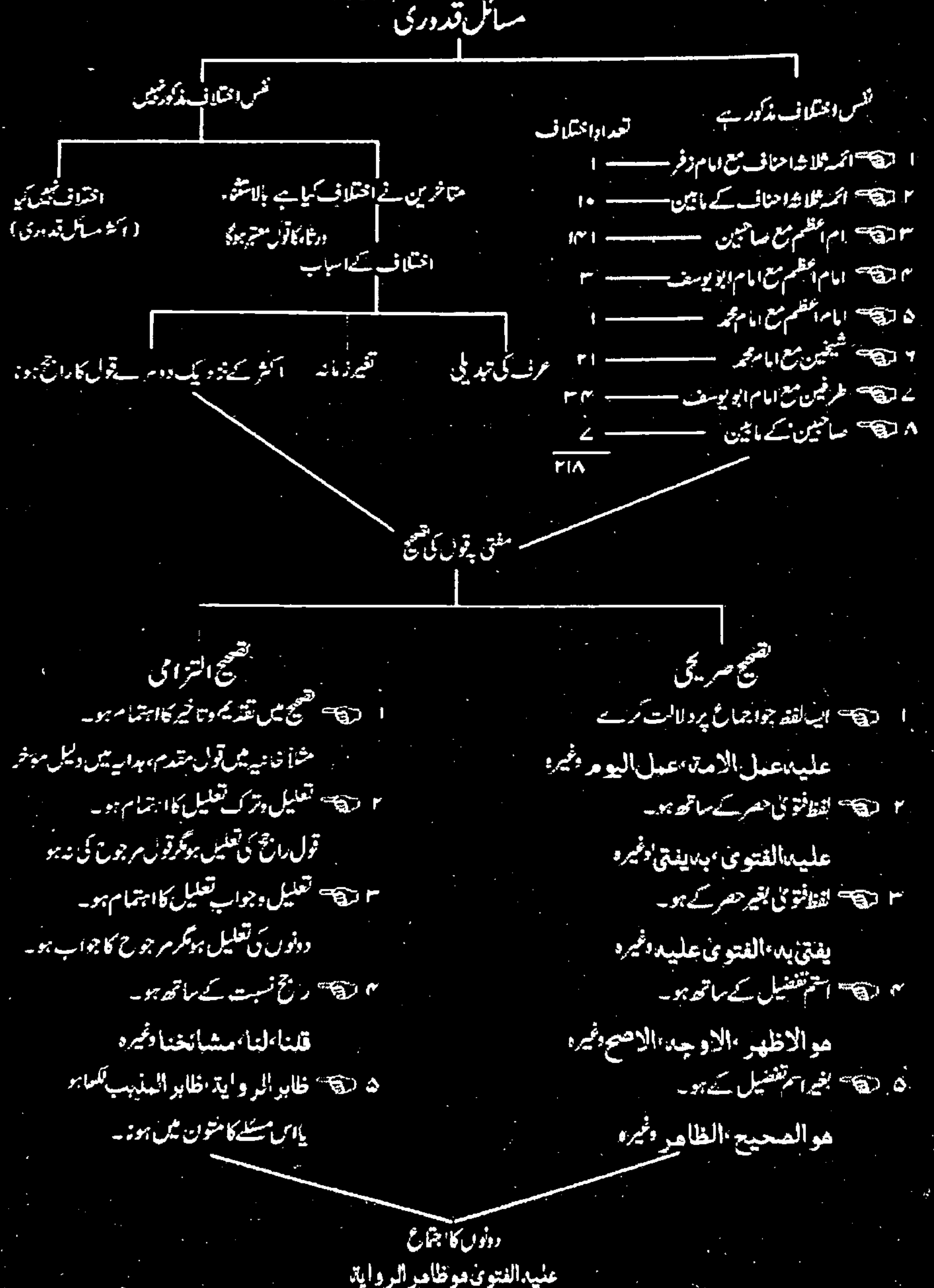
۱۔ علامہ ابوبکر بن علی، الحدادی، المصری، الزبیدی متوفّٰی ۸۰۰ھ نے اوّلاً قدوری کی تفصیلی شرح ''السراج الوہاج'' لکھی پھر اس کا لب لباب ''الجوہرۃ النیرہ'' لکھی اس کو جوہرہ نیرہ اور الجوہرۃ المنیرہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ اللباب فی شرح الکتاب: یہ شیخ عبدالغنی، الغنیمی، المیدانی، متوفّٰی ۱۲۸۸ھ کی تصنیف لطیف ہے۔

۳۔ الترجیح والتصحیح: یہ امام ابن ہمام کے شاگرد عظیم علامہ قاسم بن قطلوبغا متوفّٰی ۸۷۹ھ نے قدوری میں مختلف اقوال کے متعلق ترجیحات وتصحیحات کو جمع فرمایا جس کا مدار کنز، وقایہ اور فتاوی خانیہ ہے۔

قدوری کے مسائل:

قدوری کے مسائل دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جن میں نفس اختلاف متن میں مذکور ہے دوسری قسم وہ کہ جن میں نفس اختلاف مذکور نہیں مگر متاخرین نے اختلاف کیا ہے مگر ایسے مسائل کم ہیں چونکہ قدوری متن ہے اور متون میں عموماً مختلف فیہ اقوال کی ترجیح نہیں ہوتی شارحین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ مفتی بہ قول کی تعیین اصول افتاء کی روشنی میں کریں چونکہ مختلف فیہ اقوال میں مفتی بہ قول کی تعیین اکابر حنفیہ نے فرمائی ہے اسی کی نقل ہم نے شرح میں کردی ہے باقی متن میں اختلاف وعدم اختلاف کی کیفیت اور تصحیحات کی صُوَر کو نقشہ میں ملاحظہ کیجیے۔


مسائل قدوری
نفس اختلاف مذکور ہے
تعداد اختلاف
۱ ائمہ ثلاثہ احناف مع امام زفر ۱
۲ ائمہ ثلاثہ احناف کے مابین ۱۰
۳ امام اعظم مع صاحبین ۱۴۱
۴ امام اعظم مع امام ابو یوسف ۳
۵ امام اعظم مع امام محمد ۱
۶ شیخین مع امام محمد ۲۱
۷ طرفین مع امام ابو یوسف ۳۴
۸ صاحبین کے مابین ۷
۲۱۸
نفس اختلاف مذکور نہیں
متاخرین نے اختلاف کیا ہے بالاتفاق
ورنہ کا قول معتبر ہوگا
اختلاف نہیں کیا
(اکثر مسائل قدوری)
اختلاف کے اسباب
عرف کی تبدیلی
تغیر زمانہ
اکثر کے نزدیک دوسرے قول کا راجح ہونا
مفتی بہ قول کی تصحیح
تصحیح صریحی
۱ ایسا لفظ جو اجماع پر دلالت کرے
علیہ عمل الامۃ، عمل الیوم وغیرہ
۲ لفظ فتویٰ حصر کے ساتھ ہو۔
علیہ الفتویٰ، بہ یفتی وغیرہ
۳ لفظ فتویٰ بغیر حصر کے ہو۔
یفتی بہ، الفتویٰ علیہ وغیرہ
۴ اسم تفضیل کے ساتھ ہو۔
ھو الاظھر، الاوجہ، الاصح وغیرہ
۵ بغیر اسم تفضیل کے ہو۔
ھو الصحیح، الظاھر وغیرہ
تصحیح التزامی
۱ تصحیح میں تقدیم و تاخیر کا اہتمام ہو۔
مثلاً خانیہ میں قول مقدم، ہدایہ میں دلیل موخر
۲ تعلیل و ترک تعلیل کا اہتمام ہو۔
قول راجح کی تعلیل ہو مگر قول مرجوح کی نہ ہو
۳ تعلیل و جواب تعلیل کا اہتمام ہو۔
دونوں کی تعلیل ہو مگر مرجوح کا جواب ہو۔
۴ رجح نسبت کے ساتھ ہو۔
قلنا، لنا، مشائخنا وغیرہ
۵ ظاہر الروایۃ، ظاہر المذہب لکھا ہو
یا اس مسئلے کا متون میں ہونا۔
دونوں کا اجتماع
علیہ الفتویٰ ھو ظاھر الروایۃ

فقہ کے ساتھ اصول فقہ، قواعد فقہیہ اور اصول افتاء کا تعلق:

علوم دینیہ میں فقہ اور اصول فقہ کا آپس میں تعلق جز (اصول فقہ) اور درخت (فقہ) جیسا ہے اصول فقہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ کہ جس میں الفاظ و معانی کے لحاظ (خاص، عام وغیرہ) سے بحث کی جاتی ہے مثلاً اصول الشاشی، نورالانوار، حسامی، توضیح و تلویح وغیرہ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں قواعد وضوابط (الیقین لا یزول بالشك وغیرہ) سے بحث کی جاتی ہے۔ پہلی قسم کو "قواعد اصولیہ" جب کہ دوسری قسم کو "قواعد فقہیہ" کہا جاتا ہے، پہلی قسم کے ماٰخذ عربی کلام اور احکام شرعیہ ہیں جب کہ دوسری قسم کے ماٰخذ ادلہ شرعیہ اور شریعت کے مقاصد عامہ ہیں۔ اور پہلی قسم سے صرف مجتہد ہی مستفید ہوسکتا ہے جب کہ دوسری قسم سے مجتہد کے علاوہ مفتی، معلم اور متعلم بھی مستفید ہوسکتا ہے کیونکہ قواعد فقہیہ ثابت شدہ احکام کو مربوط اور منضبط کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ فقہ پڑھاتے وقت قواعد فقہیہ کو زیر بحث لانے سے دو بڑے فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ انسان جزئیات کے لیے دلائل تلاش کرنے سے مستغنی ہوجاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان جب اصول پر حاوی ہوتا ہے تو فروعات کا جواب دینا آسان ہوجاتا ہے کہ جس طرح ایک بیرسٹر قوانین کی روشنی میں بیبا کی کے ساتھ گفتگو کرتا چلا جاتا ہے اور ہر جزئی انہی قواعد کی روشنی میں سمجھا دیتا ہے یہ بھی یاد رہے کہ قواعد فقہیہ اکثریہ ہوتے ہیں منطق کی طرح کلیہ نہیں ہوتے لہٰذا قواعد فقہیہ کی بعض جزئیات مستثنیٰ بھی ہوتی ہیں۔ قواعد فقہ وہ کلیات ہیں کہ جن کے ضبط و اجراء کے بغیر فقہ پڑھنے پر یوں تبصرہ کیا گیا ہے۔

"كُلُّ فِقْهٍ لَمْ يُخَرَّجْ عَلَى الْقَوَاعِدِ، فَلَيْسَ بِشَيْءٍ"

قواعد فقہیہ پر کتب:

۱۔ اصول کرخی: ابوالحسن کرخی متوفی ۳۴۰ھ

۲۔ تاسیس النظر: قاضی ابوزید دبوسی، متوفی ۴۳۰ھ

۳۔ الاشباہ والنظائر: ابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ

۴۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ: خلافت عثمانیہ ترکی ۱۲۸۶ھ

۵۔ المدخل الفقہی العام: ڈاکٹر مصطفی زرقاء جس میں چاروں مذاہب سے فقہی قواعد لیے گئے ہیں۔ یہ عصر جدید کی تالیفات میں سے ہے۔

۶۔ موسوعۃ القواعد الفقہیۃ: ڈاکٹر محمد صدیقی غزی بورنو، یہ سب سے جامع ہے اور ۱۳ مجلدات پر مشتمل ہے۔

وہ علماء جو کسی مسئلہ کے حصول کے لیے ہزاروں میل سفر کرتے تھے۔ اب انٹرنیٹ (Internet) کے ذریعے کم سے کم وقت اور کم خرچ میں بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ ہزاروں عربی ویب سائٹس اور انجن علوم و معارف کا سمندر فراہم کرتے ہیں۔ التراث کمپنی کے تیار کردہ سافٹ ویئر میں "مکتبۃ الفقہ واصولہ" میں 3250 مجلدات فقہ واصول فقہ موجود ہیں۔ اسی طرح جامع لائبریری "المکتبۃ الشاملۃ" بھی ہے۔ اسی طرح فقہ کی ٹھوس تعلیم کے لیے تیسرا عنصر "اصول افتاء" ہیں جن میں سے تین (طبقات مجتہدین، طبقات مسائل اور مفتی بہ قول میں تصحیح کی اقسام) کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ تاہم قواعد فقہیہ اتنے اہم ہیں کہ ان کی

حاجت ہر مفتی، معلم اور متعلم کو پیش آتی ہے مگر اس اہمیت کے باوجود اصول فقہ کے اس حصے سے اتنی چشم پوشی برتی جا رہی ہے کہ درس نظامی کے نصاب میں اول تا آخر کوئی بھی قواعد فقہیہ پر کتاب داخل نصاب نہیں اگر تدریجاً یہ فن بھی داخل نصاب ہوتا تو اس کا اجرا ہوتا رہتا مگر اس فن میں دورہ حدیث کے بعد ''تخصص فی الفقہ'' کے نصاب میں ''الاشباہ والنظائر'' پڑھائی جاتی ہے۔ ارباب حل وعقد کی توجہ اس طرف دلانا مقصود ہے۔ فقیر نظامی نے اپنی علمی بساط کے مطابق قدوری کی شرح میں اصول وقواعد کو جابجا پیش کرنے کی سعی کی ہے لیکن اپنی کم علمی، کم فہمی اور ناتجربہ کاری کا معترف ہوں کہ ممکن ہے کہ اصول وقواعد کو منطبق کرنے میں لغزش ہوئی ہو کیونکہ یہ کام کس قدر مشکل ہے اسے ''اہل فن'' ہی بہتر جانتے ہیں۔ نیز جس طرح قواعد سے مسائل سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اسی طرح مباحث کو نقشہ جات کی صورت میں سمجھنا بھی آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا نقشہ جات کا بھی حسب ضرورت اہتمام کیا گیا ہے۔

متن پڑھانے کا اُسلوب:

۱۔ طلبا کرام سے پابندی کے ساتھ ''عبارت'' سنی جائے اور حسب ضرورت ''صرفی ونحوی'' قیل وقال بھی کی جائے نیز ''ترجمہ لفظی'' اور ''بامحاورہ'' دونوں کا گُر سکھایا جائے۔

۲۔ نفس مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لیے ''خارجی مثالوں'' سے مدد لی جائے لیکن خارجی مباحث نہ چھیڑی جائیں۔

۳۔ اگر وجہ فرق ''دلیل وتعلیل'' پر موقوف ہو یا مسئلہ کا فہم دلیل پر موقوف ہو تو ان کو بھی بیان کیا جائے۔

۴۔ متن میں ذکر کردہ مختلف اقوال میں ''مفتی بہ قول'' کی تعیین ''وجہ ترجیح'' سے بیان کی جائے۔

۵۔ ''فقہی اصطلاحات'' کے مفہوم کو زبانی یاد کرایا جائے اور ساتھ ساتھ اصطلاحات کو بھی زیر بحث رکھا جائے۔

۶۔ متن میں ''تغیر زمانہ'' کی وجہ سے متروک مسئلہ کو واضح کیا جائے ساتھ ''فقہی اصول'' کو بیان کیا جائے۔

۷۔ ''اجمال'' ہو تو تفصیل، ''مطلق'' ہو مگر قید کا ہونا ضروری ہو تو اس کی وضاحت کر دی جائے۔

۸۔ متن کا مسئلہ اکثر فقہاء کرام کے خلاف ہو تو واضح کیا جائے۔ ''اختلاف، تطبیق اور ترجیح'' کو بیان کیا جائے۔

۹۔ حکم شرعی، اس کی تعریف، اس کے مدمقابل کی تعریف اور اس کا حکم شرعی کو بیان کرنا نہ بھولیے۔

۱۰۔ حسب موقع ''جزئیات'' کی روشنی میں نو پیدا مسائل کو حل کر کے طلباء میں جستجو پیدا کی جائے۔

۱۱۔ متن میں بکثرت مثالیں کسی قاعدے کی طرف مشیر ہوتی ہیں اس ''قاعدے'' کو واضح کیا جائے۔

۱۲۔ حسب ضرورت ''نقشہ جات'' کو بھی زیر درس لایا جائے نیز کوشش کی جائے کہ اصول فقہ، قواعد فقہ اور اصول افتاء کی چاشنی بھی دی جائے۔

حل کتاب اور مطالعہ کا اصول:

کتاب کو حل کرنے کے لیے دو اصول پیش نظر رہیں ایک یہ کہ عبارت میں قیود اتفاقیہ، احترازیہ، مفہوم موافق، مفہوم مخالف اور ان کی مثالوں کو دیکھنا چاہیے کہ لف ونشر مرتب کے طریقے پر ہیں یا غیر لف ونشر کے طریقے پر ہیں، دوسرا اصول یہ ہے کہ بعض اوقات مصنف کوئی ایسا لفظ ذکر کرتے ہیں کہ جس سے لغوی معنی کے بجائے مفہوم کلی مراد ہوتا ہے۔ مطالعہ کا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً اولاً قدوری

کے متن کا مطالعہ کیا جائے ساتھ اس کا عربی حاشیہ اور اللباب کا مطالعہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ بہار شریعت کو زیر مطالعہ رکھا جائے اور جو سبق چل رہا ہے اس کے متعلق اردو فتاوی جات مثلاً فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ نوریہ وغیرہ کی فہرست نکالی جائے اس کو پڑھا جائے اگر سوال و جواب معلوم نہ ہو تو فتاویٰ کو کھول کر پڑھا جائے اس سے مطالعہ میں اضافہ، قوت استدلال کا طریقہ اور نئے مسائل کو حل کرنے کا گر آئے گا بالخصوص مدرس کو تین مرتبہ مطالعہ کرنا چاہیے ایک فہم کے لیے، دوسرا الہام کے لیے اور تیسرا تسہیل افہام کے لیے۔ اور مطالعہ خوب کرنا چاہیے باقی بیان وہی کیا جائے جو حل کتاب کے لیے لازمی ہو باقی مطالعہ قیل وقال کے وقت کام دے گا۔

خصوصیات منظور الضروری شرح قدوری:

۱۔ عبارت معرّب۔

۲۔ ترجمہ۔

۳۔ بحسب ضرورت حل لغات۔

۴۔ سیاق وسباق کا اہتمام

۵۔ متن کی عبارت کی طرف قولہ سے اشارہ۔

۶۔ عبارت سے عنوان کا انتخاب یا صورت مسئلہ کی توضیح۔

۷۔ اختلاف آئمہ معہ ادلہ واجوبہ۔

۸۔ اصول فقہ، قواعد فقہ اور اصول افتاء کا اجراء۔

۹۔ مفتی بہ قول کی تعیین مع علل ودلائل۔

۱۰۔ متن کے متروک مسئلہ کی وضاحت۔

۱۱۔ حسب موقع مسائل جدیدہ لانے کا اہتمام۔

۱۲۔ مکاییل وموازین شرعیہ کی تعبیر دور حاضر میں۔

۱۳۔ سائنسی وفلکیات ابحاث۔

۱۴۔ تحقیق رضا کی جھلک۔

۱۵۔ معمولات اہل سنت کی حقانیت مسلّمہ اصول کی روشنی میں۔

۱۶۔ فروق متفرقہ۔

۱۷۔ احکام تکلیفیہ کی تعریفات اور ان کے احکام۔

۱۸۔ متن کے مسائل سے اصول کا اخذ۔

۱۹۔ فقہ اور اس کے متعلقات پر بقدر ضرورت سیر حاصل مقدمہ۔

۲۰۔ نقشہ جات۔

کتاب البیوع

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے خالص حقوق اللہ (عبادات) کو بیان کیا اب خالص حقوق العباد (معاملات) کو بیان کر رہے ہیں جن کو ''اسلام کا نظام معیشت'' بھی کہا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد من وجہ حقوق اللہ اور من وجہ حقوق العباد کے احکام بیان کریں گے۔

اسلامی نظام معیشت کا دیگر نظام ہائے معیشت کے ساتھ تقابل:

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی نظام معیشت میں اشتراکیت (سوشلزم) کی طرح نہ یہ جائز ہے کہ کسی کی زمین، کارخانہ اور تجارتی اداروں کو بہ زور بازو چھین لیا جائے اور نہ نظام سرمایہ داری (کیپٹلزم) کی طرح یہ جائز ہے کہ بغیر کسی حدود وقیود کے نفع حاصل کیا جائے بلکہ دنیا میں منصفانہ اور معتدل نظام معیشت صرف اسلام ہی نے پیش کیا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت کی تفصیلی ابحاث آ رہی ہیں۔

بیوع:

یہ بیع مصدر کی جمع ہے حالانکہ مصدر کے متعلق اصول یہ ہے کہ مصدر نہ تثنیہ ہوتا ہے اور نہ ہی جمع لیکن جب انواع واقسام کا لحاظ کیا جائے تو اس صورت میں مصدر کی جمع لائی جا سکتی ہے اسی لیے مصنف بھی مصدر کی جمع لائے۔

بیع (Sale) کا لغوی معنی:

لفظ بیع از قبیل اَضداد ہے کہ یہ دو متضاد معانی کے لیے آتا ہے۔

۱۔ خریدنا۔ ۲۔ بیچنا، لیکن متبادر معنی بیچنا ہے۔

اصطلاحی معنی:

اصحاب فن سے بیع کی متعدد اصطلاحی تعریفیں منقول ہیں علامہ طحاوی اور علامہ ابن نجیم رحمہما اللہ تعالیٰ نے صاحب کنز کی تعریف کو ترجیح دی ہے جو شیخ الاسلام سے منقول ہے وہ یہ ہے۔ ''اَلْبَیْعُ مُبَادَلَۃُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِیْ'' باہمی رضامندی سے مال کے بدلے میں مال دینا بیع کہلاتا ہے۔

بیع کا ثبوت:

خرید وفروخت کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس (استحسانِ عقلی) چاروں دلائل سے ثابت ہے۔ بیع کی مشروعیت عین مقتضائے حکمت اور معقول ہے۔

بیع کے متعلق اصطلاحات:

۱۔ بائع۔ فروخت کرنے والا (Vender/Seller/Supplier)

۲۔ مشتری: خریدنے والا (Buyer/Purchaser)

۳۔ مبیع: جو چیز فروخت کی گئی۔(Sold Goods)

مال کی تعریف میں تحقیق:

قرآن وحدیث میں لفظ مال تو کثرت سے استعمال ہوا لیکن اس کی حدودِ اربعہ کا بیان نہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ مال کا مفہوم لوگوں کے ذہن میں موجود تھا وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔ اور لغوی لحاظ سے مال: یا تو اجوف یائی "مَیْلٌ" سے ہے بمعنی مائل ہونا یا۔ اجوف واوی "مول" سے ہے بمعنی ذخیرہ کی جانے والی چیز پہلے معنی کے لحاظ سے مال کا مفہوم وسیع ہے کہ ہر مرغوب چیز مال ہے اور دوسرے معنی کے لحاظ سے مال کا مفہوم تنگ ہے کہ صرف ذخیرہ کرنے والی چیز مال ہو گی۔ اب لغت سے بھی بے غبار مفہوم واضح نہیں ہو پاتا تو عرف کی طرف رجوع کریں گے۔

کہ فقہی قاعدہ ہے: "كُلُّ مَاوَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ مُطْلَقًا وَلَا ضَابِطَةَ فِيْهِ وَلَا فِي اللُّغَةِ يُرْجَعُ فِيْهِ إِلَى الْعُرْفِ" (الاشباہ للسیوطی) کہ جس امر کے بارے میں حکم شرعی مطلق ہو شریعت اور لغت کا کوئی ضابطہ مذکور نہ ہو تو اس صورت میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اسی عرف کی بنا پر ہر دور کے فقہاء میں مال کی حدود اربعہ کی تعیین مختلف رہی اکثر فقہاء احناف کے نزدیک مال کی تعریف میں دو لفظ استعمال ہوئے "تَمَوُّل" اور "اِدِّخَار" چونکہ اُس دور میں کسی چیز کے تمول اور ادخار کے لیے "عین ذات" ہونے کے سوا کوئی صورت نہ تھی اس لیے غیر مرئی اشیا مثلاً گیس، ہوا، بجلی اِس طرح معنوی اشیا کا آئینی طریقوں پر جمع کرنا مثلاً لائسنس، نام، ایجاد و تالیف وغیرہ کے حقوق کی بیع بعد کی ایجاد ہے اگرچہ منافع کے بارے میں دو رائے رہی ہیں کہ مال ہیں یا نہیں؟

دورِ حاضر میں مال کے بنیادی عناصر:

کسی بھی چیز کے قیمتی ہونے کا مدار تین امور پر ہے۔

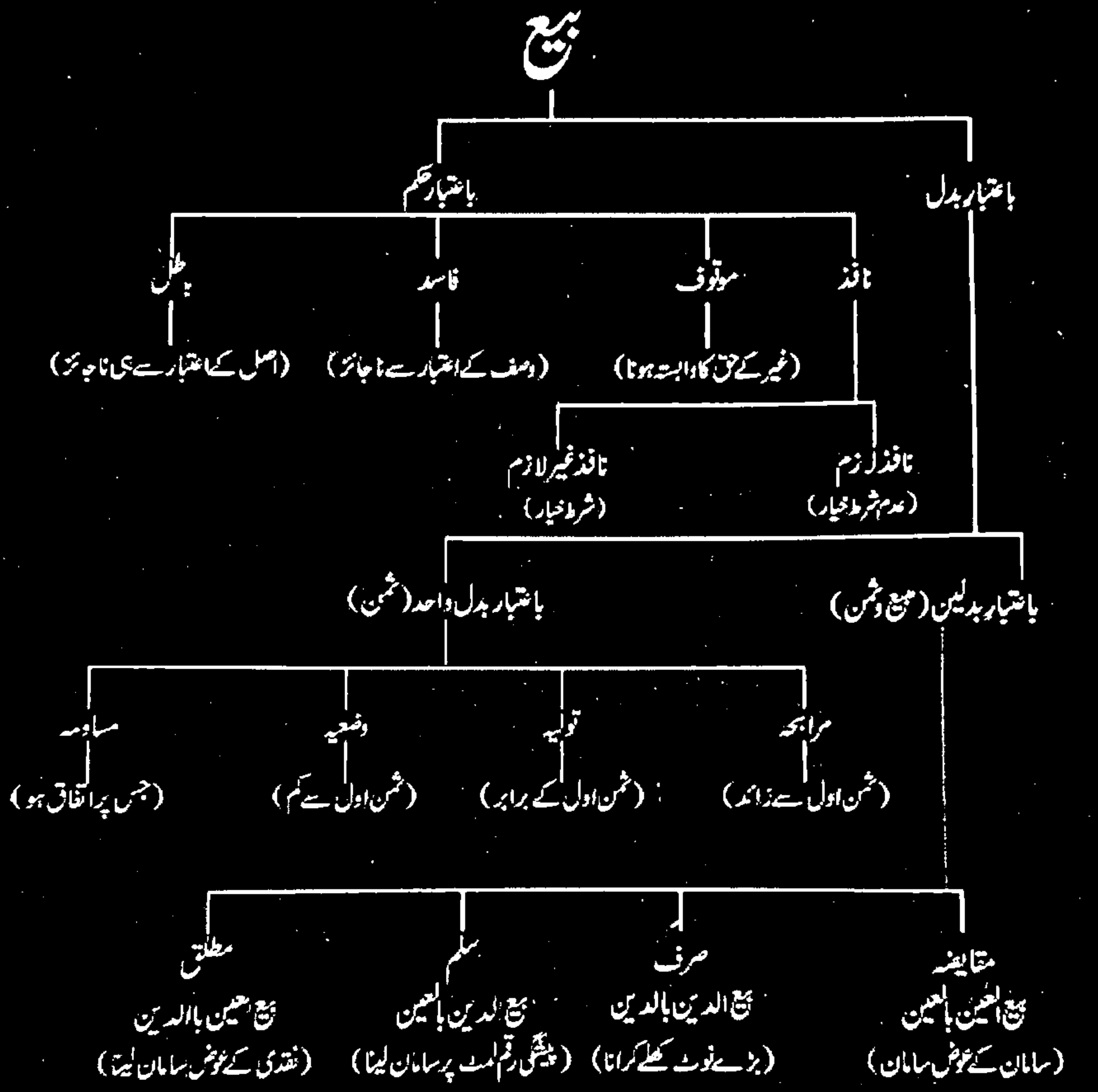
۱۔ وہ چیز شرعاً مباح ہو۔

۲۔ وہ چیز قابل انتفاع ہو۔

۳۔ وہ چیز عرف وعادت میں خریدی و بیچی جاتی ہو تو وہ مال کہلائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ مالیت لوگوں کے تمول سے ثابت ہوتی ہے لہٰذا جو بغیر تمول کے مباح ہو وہ مال نہیں جیسے گندم کا دانہ اور جو متموّل ہے لیکن شرعاً قابل انتفاع نہیں جیسے شراب یہ غیر متقوم ہے۔

مال کی تعریف میں طوالت اس لیے ہوگئی کہ دورِ حاضر میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کی بیع ہوتی ہے جب کہ متقدمین کی بیان کردہ مال کی تعریف ان پر صادق نہیں آتی ان کی بھی اختصاراً وضاحت ہو جائے تاکہ آئندہ نئے مسائل میں یہ کلمات کام دیں۔



بیع کو "بیع باطل" سے موسوم کرنے پر امام احمد رضا قادری حنفی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی تحقیق:

عام کتب فقہ میں بیع، مبیع اور ثمن کے لحاظ سے یا حکم کے لحاظ سے بیع کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں اسی کے مطابق نقشہ مرتب ہے مگر امام احمد رضا قادری حنفی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بیع کو "بیع باطل" سے موسوم کرنے کو "مسامحت ظاہرہ" (کھلی بھول) قرار دیا ہے کیونکہ احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ "جب نہی افعال شرعیہ پر وارد ہوتی ہے تو ان کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے مگر وصف عارض کی وجہ سے وہ افعال ناجائز ہوتے ہیں" جب کہ بیع باطل اپنے اصل کے لحاظ سے ہی جائز نہیں لہٰذا یہ منھی عنہ اقسام (موقوف، فاسد، مکروہ تحریمی) کے تحت داخل ہی نہیں لہٰذا اس کو بیع باطل قرار دینا سہو سے خالی نہیں۔ عبارت رضا ملاحظہ کیجیے۔ "فالصحیح ان یقال: ان البیع اما نافذ او موقوف کل منہا اما صحیح او فاسد فصارت الانواع اربعۃ ولیس الباطل بیعا اصلاً۔"

(جد الممتار علی رد المحتار ۶/۲۔۵۷ مکتبہ المدینہ دعوت اسلامی)

اَلْبَيْعُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ اِذَا كَانَا بِلَفْظِ الْمَاضِيْ وَاِذَا اَوْجَبَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْبَيْعَ فَالْآخَرُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَبِلَهُ فِي الْمَجْلِسِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ. وَاَيُّهُمَا قَامَ مِنَ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقَبُوْلِ بَطَلَ الْاِيْجَابُ فَاِذَا حَصَلَ الْاِيْجَابُ وَالْقَبُوْلُ لَزِمَ الْبَيْعُ وَلَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا اِلَّا مِنْ عَيْبٍ اَوْ عَدَمِ رُؤْيَةٍ وَالْاَعْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَيْهَا لَا يُحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِيْ جَوَازِ الْبَيْعِ وَالْاَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ لَا تَصِحُّ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ

''بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہوتی ہے جب کہ وہ دونوں فعل ماضی کے لفظ کے ساتھ ہوں اور جب بیچنے اور خرید نے والوں میں سے کسی ایک نے بیع کا ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے تو مجلس عقد میں قبول کر لے اور اگر چاہے رد کر دے پس ان دونوں میں سے جو اس مجلس سے قبول کرنے سے پہلے اٹھ گیا۔ ایجاب باطل ہو جائے گا پس جب ایجاب وقبول حاصل ہو گیا بیع لازم ہو گئی اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو سوائے خیار عیب اور خیار رویت کے کوئی خیار حاصل نہ ہو گا اور جن عوضوں کی طرف اشارہ کر دیا گیا بیع کے جائز ہونے میں ان کی مقدار کو بچانے کی حاجت نہیں اور مطلق ثمن درست نہیں مگر یہ کہ اس کی مقدار اور صفت معلوم ہو۔''

بیع کے ارکان:

قولہ: البیع ینعقد الخ: بیع کے منعقد ہونے کے لیے بیع کے ارکان کا پایا جانا ضروری ہے اور احناف کے نزدیک رکن کی تعریف یہ ہے ''عَلَيْهِ وُجُوْدُ الشَّيْءِ وَكَانَ دَاخِلًا فِيْهِ'' کہ جس پر شئی کا وجود موقوف ہو اور وہ شئی میں داخل ہو اگر خارج ہو تو شرط بیع کے ارکان دو ہیں۔

۱۔ایجاب۔　　　　۲۔قبول

یہ ارکان اس بیع میں ضروری ہیں جو قولی ہو اور بیع میں یہ رکن زائد ہیں جب کہ نکاح میں اصلی ہیں، بیع میں ایجاب وقبول کے رکن نہ ہونے کی صورت بیع تعاطی میں پائی جاتی ہے کہ جس کو بیع فعلی کہا جاتا ہے کہ ''پیسے دیے اور چیز لے لی'' کہ زبان سے ایجاب و قبول یا کوئی ایک نہ پایا جائے۔ بلکہ عمل (Act) پایا جائے۔

ایجاب وقبول کی وضاحت:

احناف کے نزدیک بائع ومشتری میں سے جس کی طرف سے پہل ہو اس کی پیشکش (Offer) کو ''ایجاب'' اور دوسرے فریق کی طرف سے قبولیت کے اظہار کو ''قبول'' (Acceptanec) کہا جاتا ہے۔ جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جس کی طرف سے تملیک پائی جائے اس کے قول کو ''ایجاب'' اور دوسرے فریق کی طرف سے قول کو قبول کہا جائے گا۔

انعقاد بیع کا مفہوم:

جب بائع ومشتری میں سے ایک کا کلام دوسرے کے کلام کے ساتھ یوں مربوط ہوں کہ اس کا اثر مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں اور ثمن مشتری کی ملک سے نکل کر بائع کی ملک میں آجائے۔

ثمن اور قیمت میں فرق:

جو بائع اور مشتری کے درمیان رقم طے ہوا سے ثمن اور جو بازار کا ریٹ ہو ایسے قیمت کہا جاتا ہے۔

ارکان کے تعبیری الفاظ:

قولہ: اذا کانا الخ: ہر وہ الفاظ جو دوسرے کو مالک بنانے اور خود کے مالک ہونے پر دلالت کریں خواہ دونوں الفاظ ماضی کے ہوں۔ کہ ماضی کی وضع لغوی اگر چہ اخبار کے لیے ہے مگر شرعاً انشاء کے لیے بھی مستعمل ہے (مثلاً میں نے بیچا میں نے خریدا) یا دونوں حال کے ہوں (میں بیچتا ہوں میں خریدتا ہوں) یا ایک ماضی اور دوسرا حال کا ہو (مثلاً میں نے بیچا دوسرا کہے میں خریدتا ہوں)۔ امام قدوری نے ''لفظ ماضی'' کی قید سے امر اور مضارع مستقبل کے لفظ کو خارج کیا کہ ان کے ساتھ بیع منعقد نہ ہوگی اس لیے کہ مستقبل کا لفظ وعدے پر دلالت کرتا ہے نہ کہ انشاء بیع پر اور عقود میں اصول یہ ہے کہ ''معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا'' (سوائے شرکت مفاوضہ کے عند الامام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ) صیغہ امر سے ایجاب وقبول کی طلب تو معلوم ہوتی ہے مگر بعینہ ایجاب وقبول نہیں لیکن نکاح نص خاص کی وجہ سے صیغہ امر سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس لیے بیع میں کسی مخصوص مادے کے الفاظ کا ہونا ضروری نہیں صرف ان کا تملیک وتملک پر دلالت کرنا کافی ہے۔ بخلاف نکاح وعتاق کے کہ ان کا انعقاد انہی الفاظ سے ہوگا جو صراحتاً یا کنایۃً انہی کے لیے وضع کیے گئے ہوں۔ امام احمد رضا حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر صیغہ استقبال کے بعد لینا دینا پایا گیا تو تعارف وتعامل کی وجہ سے بیع تام ہو جائے گی۔

لزوم بیع کا وقت:

قولہ: واذا وجب الخ: جب بائع اور مشتری میں سے کسی ایک نے ایجاب کر لیا تو دوسرے کو ''قبول خیار'' حاصل رہے گا کہ چاہے قبول کر لے چاہے رد کر دے اس خیار کی وجہ یہ ہے کہ اگر دوسرے کی رضامندی کے بغیر لازم قرار دی جائے تو بیع نہ رہے گی کیونکہ بیع تو مبادلۃ المال بالمال بالتراضی کا نام ہے۔

انعقاد بیع کی شرائط:

شرط رکن کی طرح ضروری ہوتی ہے مگر شئ سے خارج ہوتی ہے۔ ایجاب کے بعد قبول کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط تو خود کتاب میں مذکور ہے اور دوسری دو بھی بطور افادہ بیان کریں گے۔

۱۔ جس مجلس میں ایجاب واقع ہوا اسی میں قبول بھی پایا جائے کہ مجلس تبدیل نہ ہو اس کو امام قدوری نے ''فی المجلس'' سے بیان کیا۔ احناف کے نزدیک خیار قبول مجلس کے آخر تک رہتا ہے۔ اگر مجلس تبدیل ہو جائے مثلاً دونوں میں سے کوئی مجلس عقد سے اٹھ کر چلا جائے تو مجلس تبدیل ہو جاتی ہے اسی کو صاحب کتاب نے ''قام من المجلس'' سے تعبیر کیا لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر صرف کھڑا ہوا چلا نہیں تو صاحب کتاب کے نزدیک یہ قیام دلیل اعراض نہ ہوگا کہ ''قام فی المجلس'' نہیں کہا: لہٰذا جو کام بھی عقد بیع میں ایجاب کے بعد اعراض پر دلالت کرنے والا کیا گیا تو قبول کا اختیار نہ ہوگا ایجاب ہی باطل ہو جائے گا۔

۲۔قبول کرنے سے پہلے ایجاب والے نے ایجاب سے رجوع نہ کیا ہو اگر ایجاب سے رجوع کر لیا تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور دوسرے کو قبول کا حق باطل ہو جائے گا۔

۳۔جتنی بیع اور ثمن کا ایجاب کیا ہے اتنی ہی بیع اور ثمن کا قبول بھی کیا ہو ورنہ تبدیلی کی صورت میں ایجاب باطل ہو جائے گا۔

جب یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو بیع لازم ہوگی۔

لزوم بیع سے مراد:

قولہ: ولا خیار الخ: جب جانبین سے ایجاب وقبول پایا جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر بیع توڑنے کا اختیار نہیں۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عاقدین کو خیار مجلس حاصل رہے گا کہ جب تک عقد بیع والی مجلس باقی ہے تو توڑنے کا اختیار باقی رہے گا جب کہ احناف کے نزدیک خیار مجلس عاقدین کو حاصل نہ ہوگا۔ بیع کے لازم ہونے کے بعد احناف کے نزدیک دو صورتوں میں توڑنے کا اختیار حاصل رہے گا کہ مبیع میں عیب نکل آیا یا اس کو بن دیکھے خریدا تھا پہلے خیار کو "خیار عیب" اور دوسرے کو "خیار رؤیت" کہا جاتا ہے ان کی تفصیل آرہی ہے۔

ویڈیو اور فون کے ذریعے بیع:

اگر انٹرنیٹ پر بائع اور مشتری دونوں موجود ہوں کہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں تو ایجاب وقبول کی شرائط کے پائے جانے سے بیع منعقد ہو جائے گی اور بیع میں اتحاد مجلس سے مراد ایک ہی وقت میں ایجاب وقبول کا مربوط ہونا ہے وہ اس صورت میں موجود ہے لہٰذا عاقدین کا ایک ہی مجلس میں ہونا تصور کیا جائے گا۔ یوں ہی ٹیلی فون کے ذریعے بھی بیع منعقد ہو جاتی ہے۔

E-Mail کے ذریعے بیع:

اگر کسی شخص نے ای میل کے ذریعے بیع کی پیشکش کی دوسرے نے اس کے ملنے پر قبولیت کا اظہار کیا تو بیع درست ہو جائے گی کہ فقہی اصول ہے "الکتاب کالخطاب" کہ تحریر خطاب کی طرح ہے لہٰذا جس طرح خط وکتابت کے ذریعے بیع منعقد ہو جاتی ہے اسی طرح ای میل، میسج کے ذریعے بھی ایجاب وقبول کی شرائط کے ساتھ بیع منعقد ہو جاتی ہے۔

بیع کے صحیح ہونے کی ایک شرط:

قولہ: والا عواض الخ: امام قدوری یہاں بیع کے صحیح ہونے کی ایک شرط بیان کر رہے ہیں کہ عوضین (مبیع اور ثمن) میں جہالت نہ ہو اور جہالت کی دو صورتیں ہیں کہ ایک وہ جہالت جو جھگڑے تک پہنچاتی ہے اس کو "**جہالت فاحشہ**" کہا جاتا ہے یہ جہالت بیع کے منافی ہے اور دوسری وہ جہالت جو جھگڑے تک نہ پہنچاتی ہو اس کو "**جہالت یسیرہ**" کہا جاتا ہے یہ جہالت منافی بیع نہیں۔ لہٰذا جو جہالت بیع کے منافی ہے اس کی مشہور تین صورتیں ہیں۔ (جہالت مبیع، جہالت ثمن اور جہالت مدت) جہالت کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مبیع اور ثمن کی مقدار اور صفت (کوالٹی) بیان کر دی جائے کہ جس سے

جہالت فاحشہ ختم ہو جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ یہ مبیع ہے اور یہ ثمن ہے تو اس صورت میں بھی جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ اثمان مطلقہ سے مراد سونا اور چاندی ہے کہ جن کی مقدار اور صفت کو بیان کرنا ضروری ہے اشارہ کافی نہیں۔

وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍّ اَوْ مُؤَجَّلٍ إِذَا كَانَ الْاَجَلُ مَعْلُوْمًا وَّمَنْ اَطْلَقَ الثَّمَنَ فِي الْبَيْعِ كَانَ عَلٰى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ اَحَدَهَا وَيَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَالْحُبُوْبِ كُلِّهَا مُكَايَلَةً وَّمُجَازَفَةً وَبِاِنَاءٍ بِعَيْنِهٖ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ وَبِوَزْنِ حَجَرٍ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهٗ،

"اور بیع جائز ہے حالی ثمن اور ادھار ثمن کے ساتھ جب کہ مدت معلوم ہو اور جس نے بیع میں ثمن کو مطلق رکھا تو شہر میں چلنے والی نقدی مراد ہوگی اگر کرنسی مختلف ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ ان میں سے کسی ایک کو بیان کر دے اور گندم اور تمام اناج کی بیع ناپ اور اندازہ کر کے ایسے معین برتن کے ساتھ کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا ایسے معین پتھر کے وزن کے ساتھ کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو"۔

ثمن کی کیفیت:

قولہ: ويجوز البيع الخ: یہاں سے امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ بیان کر رہے ہیں کہ بیع میں ثمن نقد ہونا چاہیے یا ادھار؟ فرمایا کہ دونوں ہی جائز ہیں کہ نقد ثمن (ثمن حالی) کے ساتھ بھی بیع جائز ہے اور ادھار (ثمن مُؤَجَّل) کے ساتھ بھی بیع جائز ہے مگر ادھار میں شرط یہ ہے کہ ادھار کی مدت معلوم ہو کہ کب رقم کی ادائیگی ہوگی تاکہ جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

بیع میں مطلق ثمن:

قولہ: ومن اطلق الثمن الخ: اگر کسی نے بیع میں ثمن کی مقدار تو بیان کر دی مگر اس کی صفت (کوالٹی) بیان نہیں کی تو اس کو فقہاء کرام "مطلق ثمن" کہتے ہیں اب کون سا ثمن ادا کیا جائے گا جب کہ شہر میں مختلف کرنسیوں کا رواج ہے۔ یہ مسئلہ "رباعیہ" ہے۔ اس کی چار صورتوں کا حکم نقشے کی صورت میں دیکھیں۔

نمبر شمار	مالیت	رواج	حکم
1	برابر	برابر	جائز
2	مختلف	مختلف	رائج واجب
3	برابر	مختلف	رائج واجب
4	مختلف	برابر	بیع فاسد

پہلی صورت میں مشتری کو اختیار ہے جو کرنسی چاہے ادا کرے، دوسری اور تیسری صورت میں اگر غیر رائج کی تعیین کر دی گئی تو وہی واجب ہوں گے۔ اور چوتھی صورت میں اگر مجلس بدلنے سے پہلے تعیین کر دی گئی تو بیع جائز ورنہ فاسد، مصنف کے اس بیان کردہ مسئلے سے ایک اصول معلوم ہوا کہ "جس طرح صفت کی معرفت بیان سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح عرف اور کثرت استعمال سے بھی ہوتی ہے۔"

دورِ حاضر میں مسئلے کی نوعیت:

اس دور میں ہر ملک میں اسی ملک کی ایک ہی کرنسی چلتی ہے جو مالیت اور رواج میں برابر ہوتی ہے۔ باقی فقہاء نے ممکنہ صورتوں کا حل پیش کر دیا ہے۔ اس ممکنہ حل کا نام "فقہ تقدیری" ہے۔ جو فقہ حنفی کا خاصہ ہے۔

مبیع اور ثمن کی پہچان:

اگر نقود (سونا، چاندی اور کرنسی نوٹ وغیرہ) کی بیع نقود کے عوض ہو یا سامان کی بیع سامان کے عوض ہو کہ دونوں میں سے ہر ایک مبیع اور ثمن بن سکتے ہوں تو عربی عبارت میں "با" کے دخول وعدم دخول سے فرق کریں گے کہ جس پر با داخل ہے وہ ثمن اور جس پر با داخل نہیں وہ مبیع ہے۔ (کما فی اصول الشاشی) اگر ایک طرف نقدی ہو دوسری طرف سامان ہو تو نقدی ثمن اور سامان مبیع ہوگا۔

جہالت یسیرہ کا مانع بیع نہ ہونا:

قوله: ویجوز بیع الطعام الخ: اس سے قبل یہ بات بیان کی گئی کہ جہالت یسیرہ مانع بیع نہیں اس پر یہاں سے مبیع میں جہالت یسیرہ پر مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ متن میں "الطعام" سے مراد گندم ہے اور "حبوب" سے مراد دیگر غلہ ہے امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلے کی دو صورتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ گندم اور دیگر غلے کی بیع معین پیمانے سے ناپ کر، کی جائے کہ جس کی مقدار (کلو، من) معلوم نہ ہو۔ دوسری صورت یہ کہ اندازے سے بیع کی جائے۔ پہلی صورت (ناپ) میں اگر غلہ ہم جنس ہو مثلاً گندم کے بدلے گندم چاول کے بدلے میں چاول تو برابری شرط ہے ورنہ سود ہوگا۔ دوسری صورت اندازے سے ناجائز ہے۔ اگر غلہ مخالف جنس ہو کہ ایک طرف گندم دوسری طرف چاول تو ناپ سے بھی جائز اور اندازے سے بھی جائز کہ ان میں سود نہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ مقدار اور وزن کا معلوم نہ ہونا جھگڑے کا سبب نہیں لیکن برتن اور پتھر کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ معین ہو گھٹتے اور بڑھتے نہ ہوں کہ جس کی وجہ سے نزاع پیدا ہو سکتا ہو۔ اصح اور اظہر قول کے مطابق بیع سلم (پیشگی ثمن مدت مقررہ کے بعد مبیع کی حوالگی) میں بھی جس برتن اور پتھر معین کا وزن معلوم نہ ہو تو بیع جائز ہے۔

وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ كُلَّ قَفِيزٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي قَفِيزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ قُفْزَانِهَا وَمَنْ بَاعَ قَطِيعَ غَنَمٍ كُلَّ شَاةٍ بِدِرْهَمٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ فِي جَمِيعِهَا وَكَذٰلِكَ مَنْ بَاعَ ثَوْبًا مُذَارَعَةً كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَلَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الذُّرْعَانِ وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلٰى أَنَّهَا مِائَةُ قَفِيزٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ فَالْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمَوْجُودَ بِحِصَّتِهِ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَإِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ

"اور جس شخص نے گندم کا ڈھیر بیچا ہر قفیز ایک درہم کے بدلے میں بیع ایک درھم میں امام اعظم کے نزدیک جائز ہوگی اور باقی میں باطل مگر یہ کہ باقی قفیزوں کو بیان کر دیا جائے اور صاحبین نے فرمایا دونوں صورتوں میں بیع درست ہے اور جس شخص نے بکریوں کا ریوڑ ہر بکری ایک درہم کے بدلے بیچی تو بیع تمام میں فاسد ہوگی اور اسی طرح جس نے کپڑے کو گز کے لحاظ سے ہر گز ایک درہم کے بدلے بیچا اور تمام گزوں کا نام نہ لیا اور جس نے گندم کا ڈھیر بیچا اس شرط پر کہ وہ سو

قفیز سو درہم کے بدلے میں ہیں تو اسے اس مقدار سے کم پایا پس خریدار کو اختیار ہے اگر چاہے موجودہ کو اس کے حصے کے ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے اور اگر خریدار نے اس ڈھیر کو سو قفیز سے زیادہ پایا تو زیادتی بیچنے والے کے لیے ہوگی۔"

مجموعی لحاظ سے مثلی چیز کی بیع:

قولہ: ومن باع صبرة الخ: مثلی ان چیزوں کو کہا جاتا ہے کہ جن کی مثل بعینہ موجود ہو مثلاً گندم وغیرہ یا ان میں معمولی فرق ہو۔ مثلاً انڈے اور عددی چیزیں۔ لہٰذا اگر کسی مثلی چیز کو مجموعۂ بیچا جائے تو اس کی چار صورتیں بنتی ہیں کہ جن میں سے تین صورتیں متفق علیہ ہیں ان کو صاحب قدوری نے بیان نہیں کیا۔

۱۔ کل مبیع (کلو یا من) اور کل ثمن (رقم) بیان کر دیا جائے۔

۲۔ کل مبیع تو بیان کر دی جائے مگر مبیع کے مخصوص حصے (کلو یا من) کی ثمن بیان کر دی جائے۔

۳۔ کل ثمن بیان کر دیا جائے مبیع بیان نہ کی جائے تو ان تین صورتوں میں بالاتفاق مثلی چیزوں کی طرح قیمتی چیزوں میں بھی بیع مجموعۂ جائز ہے۔

چوتھی اختلافی صورت:

کہ نہ کل مبیع بیان کی جائے اور نہ ہی کل ثمن بیان کیا جائے بلکہ مبیع کے ایک مخصوص حصے کے ثمن کو بیان کر دیا جائے۔ مثلاً یوں کہا کہ گندم کا ڈھیر بیچتا ہوں اس کی ہر قفیز (پیمانہ تقریباً 41.5 کلوگرام مثل بوری) ایک درھم کے بدلے میں ہے تو یہاں کل مبیع کی مقدار (کتنا من) بیان نہیں کی بلکہ ایک مخصوص حصے کی قیمت بیان کر دی تو امام اعظم کے نزدیک صرف ایک قفیز (ایک بوری) میں بیع جائز ہوگی باقیوں میں بیع موقوف رہے گی اگر کل ڈھیر کی مقدار بیان کر دے تو کل میں بیع جائز ہوگی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضابطہ آئندہ مسئلے میں آ رہا ہے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں چاہے کل مقدار بیان کی جائے یا نہ کی جائے بیع کل میں جائز ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ان کی دلیل ایک اصول پر مبنی ہے۔

اصول یہ ہے کہ "جب کلمہ کل کی اضافت ایسی چیز کی طرف ہو کہ جس کی طرف اشارہ کرنے سے مقدار معلوم ہو سکتی ہو تو وہ کل کو شامل ہوگا کہ اشارہ تصریح سے اَبلغ ہوتا ہے۔" لہٰذا مجموعے کی ایسی جہالت نہیں جو نزاع تک پہنچاتی ہو کہ عقد مجلس میں ڈھیر کو تولا بھی جاسکتا ہے "آسانی" کے لیے اسی قول کو ترجیح ہے۔ (ترجیح قولهما فی الهدایه لتاعهد، به یفتی تیسراً علی الناس "در مختار، البحر الرائق، اللباب)

اگر چہ قوی دلیل امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے۔

مجموعی لحاظ سے قیمتی چیز کی بیع:

قولہ: ومن باع قطیع الخ: قیمتی چیز سے مراد وہ چیزیں ہیں کہ جن کی مثل نہ ملتی ہو جیسے کہ زمین اور جانور وغیرہ یا گزوں

کے لحاظ سے بکتی ہو مگر گز مختلف ہوں جس طرح کہ گزشتہ زمانوں میں ہر قبیلے اور ہر قوم کے اپنے اپنے گز ہوتے تھے مگر دور حاضر میں پیمانے حکومت کی تصدیق سے مساوی چلتے ہیں۔ اب اختلاف کی صورت نہیں۔

میٹر اور گز میں فرق:

میٹر 39 انچ کا ہوتا ہے جبکہ گز (انگریزی) 36 انچ کا ہوتا ہے اور شرعی گز 18 انچ کا ہوتا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک بکریوں کا ریوڑ یوں فروخت کیا کہ ہر بکری ایک درہم کے بدلے میں ہے تو امام اعظم کے نزدیک تمام بکریوں میں بیع فاسد ہوگی اسی طرح جو کپڑا گزوں کے لحاظ سے فروخت کیا گیا اس کی بھی بیع امام اعظم کے نزدیک فاسد ہوگی کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثلی چیزوں میں ایک قفیز میں بیع جائز تھی باقی میں فاسد جب کہ قیمتی چیزوں میں تمام میں فاسد ہے۔ کیونکہ قیمتی چیزوں میں ہر ایک کی قیمت مختلف ہے۔ اس میں نزاع کا خدشہ ہے اس لیے تمام میں فاسد ہے۔ اگر بوقت عقد کل مقدار بیان کردی جائے تب تو جائز ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضابطہ یہ ہوگا کہ ''لفظ کل کے مدخول کی مقدار مجلس عقد میں معلوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں کہ افراد میں قیمت کے اعتبار سے تفاوت ہے یا نہیں؟ اگر تفاوت ہے تو کسی فرد میں بیع درست نہ ہوگی جس طرح کہ قیمتی چیزوں میں گزرا اگر تفاوت نہیں تو ایک فرد میں بیع جائز ہوگی کہ جس طرح مثلی چیزوں میں گزرا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک مثلی چیز کی طرح قیمتی چیز میں بھی مطلقا بیع جائز ہے۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ان کا اصول پیچھے گزر چکا ہے۔

افراد متعینہ میں کمی وبیشی کا حکم:

قوله: ومن ابتاع صبرة الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے یوں کہا کہ یہ گندم کا ڈھیر سو قفیز (بوری) ہے اور سو قفیز (بوری) سو درہم کے بدلے میں ہیں تو یہ بیع درست ہوگی کہ اس نے ڈھیر کی مقدار اور ثمن بھی بیان کر دیا لیکن جب اس ڈھیر کو ناپا تو سو قفیز سے کم مقدار نکلی۔ لہٰذا جتنے قفیز کم اتنے درہم بھی کم ہوں گے۔ مثلاً اسی (۸۰) قفیز نکلے تو اس کو اختیار ہے چاہے اسی (۸۰) درہم دے کر اسی (۸۰) قفیز لے لے یا بیع فسخ کر دے کہ مشتری کی ڈیمانڈ یا رغبت سو قفیز کی تھی وہ نہ پائی گئی اس لیے لینے اور نہ لینے کا اختیار دیا گیا اگر تولنے کے بعد قفیز سو سے بڑھ جائیں تو زیادتی بائع کی ہوگی اور خریدار سو قفیز کے سو درہم دے گا کیونکہ بیع معین مقدار سو قفیز پر ہوئی ہے اور یہ اصول ہے کہ'' کیلی اور وزنی چیز کی مقدار وصف نہیں'' کہ زیادتی عقد میں داخل ہو کر خریدار اسی رقم میں لے لے بلکہ زیادتی پر ہر قفیز ایک درہم کے بدلے میں ہوگی۔

وَمَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا عَلٰی اَنَّهٗ عَشَرَةُ اَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ اَوْ اَرْضًا عَلٰی اَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِیْ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِجُمْلَةِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ وَاِنْ وَجَدَهَا اَكْثَرَ مِنَ الذِّرَاعِ الَّذِیْ سَمَّاهُ فَهُوَ لِلْمُشْتَرِیْ وَلَا خِیَارَ لِلْبَائِعِ وَاِنْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلٰی اَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً فَهُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا، وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً كَانَ الْمُشْتَرِیْ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْجَمِیْعَ كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَیْعَ وَلَوْ قَالَ بِعْتُ مِنْكَ

هٰذِهِ الرِّزْمَةَ عَلٰى اَنَّهَا عَشَرَةُ اَثْوَابٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ثَوْبٍ بِعَشَرَةٍ فَاِنْ وَجَدَهَا نَاقِصَةً جَازَ الْبَيْعُ بِحِصَّتِهٖ وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ

"اور جس شخص نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے دس درہم کے بدلے یا زمین اس شرط پر کہ وہ سو گز سو درہم کے بدلے تو زمین کو اس سے کم مقدار میں پایا تو خریدار کو اختیار ہے اگر چاہے تمام قیمت کے ساتھ اسے لے لے اور اگر چاہے چھوڑ دے اور اگر زمین کو ذکر کردہ گزوں سے زیادہ پایا تو وہ خریدار کی ہوگی اور بائع کو اختیار نہ ہوگا اور اگر کہا میں نے تجھے اس کو فروخت کیا اس شرط پر کہ سو گز سو درہموں کے بدلے ہر گز درہم کے بدلے ہے تو اس نے کم پایا تو خریدار کو اختیار ہے اگر چاہے تو تمام کوئی گز ایک درہم کے بدلے لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر کہا کہ میں نے تجھے یہ گٹھڑی فروخت کی اس شرط پر کہ وہ دس کپڑے سو درہم کے بدلے میں ہیں ہر کپڑا دس درہم کے بدلے میں پس اگر اسے کم پایا بیع حصے کے مطابق جائز ہے اور اگر اسے زیادہ پایا تو بیع فاسد ہوگی۔"

مبیع کے افراد متعینہ میں کمی وبیشی کا حکم:

قوله: ومن اشترى الخ: اس مسئلے کا سمجھنا ایک اصول پر موقوف ہے۔ اصول یہ ہے "جو اشیاء مکیلی وموزونی ہیں ان میں قلت وکثرت اصل ہے اور ثمن اصل کے مقابلے میں ہوتا ہے اور جو اشیاء پیمائشی ہیں ان میں قلت وکثرت وصف ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا بشرطیکہ وصف کو اصل کا درجہ نہ دیا گیا ہو۔" اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ وہ دس گز ہے سو روپے کے بدلے میں یا زمین خریدی کہ وہ سو گز ہے سو روپے کے بدلے میں اگر پیمائش کے بعد کپڑے اور زمین کو بیان کردہ گزوں سے کم پایا تو خریدار کو اختیار ہے چاہے پوری قیمت دے کر خرید لے یا بیع فسخ کر دے مگر یہ اختیار نہیں کہ قیمت کم کر دے کیونکہ کپڑا اور زمین میں گز وصف ہے اور وصف کے بارے میں اصول یہ ہے کہ "جب اس کو اصل کا درجہ نہ دیا گیا ہو تو اس کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا" چونکہ ذکر کردہ صورت میں فی گز کے حساب سے رقم نہیں بتائی بلکہ مجموعی لحاظ سے بتائی ہے اور اگر بیان کردہ پیمائش سے زیادہ پایا تو زائد مقدار خریدار کی ہوگی۔ اب بیچنے والے کو زائد گزوں کی قیمت لینے کا اختیار نہ ہوگا۔ لہٰذا گزشتہ مسئلہ گندم کے ڈھیر اور موجودہ مسئلہ گزوں کے لحاظ سے فروخت شدہ چیز میں فرق ظاہر ہو گیا کہ وہ اصل تھا یہ وصف ہے۔

اصل اور وصف میں فرق: (Difference)

فقہاء کرام نے متعدد انداز میں ان کے درمیان فرق کو سمجھایا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اصل وہ ہے جو کسی چیز کے حصے کرنے سے عیب دار نہ ہو مثلاً گندم من سے کلو میں جب کہ وصف وہ ہے جو کسی چیز کے حصے کرنے سے عیب دار ہو جائے مثلاً گز سے انچوں میں یہ فرق فقہاء کی اصطلاح میں ہے نہ کہ دیگر اہل فن کی اصطلاح میں۔

وصف بمنزلہ اصل کی صورت:

قوله: ولو قال الخ: اگر وصف کو اصل کا درجہ دے دیا جائے تو جو حکم اصل کا تھا وہی حکم گزوں کا بھی ہوگا کہ گزوں کے مقابلے میں رقم ہوگی۔ صورت مسئلہ سے پہلے "بعتکها" کی ضمیر مؤنث کا مرجع متعین کریں کہ اس کا مرجع یا تو "ثوب" ہے۔ جو

بتاویل ثیاب ہے۔ یا مرجع ”ارض“ ہے جو مؤنث معنوی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے زمین یا کپڑا گزوں کے لحاظ سے بیچتے ہوئے کہا کہ یہ سو گز ہے سو روپے کے بدلے میں اور ہر گز ایک روپے کے بدلے میں ہے تو اس صورت میں وصف (گز) بدرجہ اصل ہے۔ لہٰذا اگر بیان کردہ پیائش سے کم پایا تو اختیار ہے چاہے کمی کے ساتھ لے لے یا بیع فسخ کر دے اگر زیادہ پایا تو ہر گز کے بدلے میں ایک روپیہ دے کر لے لے یا بیع فسخ کر دے اور اختیار وصف مرغوب میں کمی اور زیادتی کی بنا پر دیا گیا۔

افراد متفاوتہ میں کمی وبیشی:

قولہ: ولو قال بعت الخ: امام قدوری یہاں سے عددی اشیاء کہ جن میں فرق ہو ان کی ایک مثال پیش کر رہے ہیں کہ عددی متفاوت چیز اور اس کی قیمت بیان کر دی اس قیمت کو افراد پر بھی تقسیم کر دیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے کپڑوں کی یہ گٹھڑی فروخت کی کہ جس میں دس کپڑے سو روپے کے بدلے میں ہیں اور ہر کپڑا دس روپے کے بدلے میں بعد میں گنتی کرنے پر نو یا گیارہ نکلے تو حکم یہ ہے کہ اگر نو نکلے تو خریدار کو اختیار ہے چاہے نو کے پیسے دے کر لے لے اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے اگر گیارہ نکلے تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ گیارھویں کپڑے کی تعیین میں نزاع پڑ سکتا ہے کہ خریدار گھٹیا کپڑا واپس کرے جب کہ بیچنے والا عمدہ کا مطالبہ کرے۔

وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ بِنَاؤُهَا فِي الْمَبِيعِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ وَمَنْ بَاعَ أَرْضًا دَخَلَ مَا فِيهَا مِنَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ فِي الْمَبِيعِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ وَلَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ إِلَّا بِالتَّسْمِيَةِ، وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا أَوْ شَجَرًا فِيهِ ثَمَرَةٌ فَثَمَرَتُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهَا الْمُبْتَاعُ وَيُقَالُ لَهُ اقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِيعَ

”اور جس شخص نے مکان فروخت کیا اس کی عمارت بیع میں داخل ہوگی اگرچہ بیع میں اس کا تذکرہ نہ کیا ہو اور جس شخص نے زمین فروخت کی اس میں کھجور اور دیگر درخت داخل ہوں گے۔ اگرچہ بیع میں ان کا تذکرہ نہ کیا ہو اور زمین کی بیع میں کھیتی داخل نہ ہوگی مگر اس کو بیان کرنے سے اور جس شخص نے کھجور کا درخت یا کوئی اور درخت جس پر پھل ہو فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے لیے ہوں گے مگر خریدار ان کی شرط لگائے اور بائع سے کہا جائے گا کہ اپنے پھل کاٹو اور مبیع کو حوالے کرو۔“

مذکورہ مسائل کی بنیاد تین اصول پر:

قولہ: وَمَنْ بَاعَ الخ: امام قدوری نے جن مسائل کو ذکر کیا ہے ان کی بنیاد تین اصولوں پر ہے۔

۱۔ عرف وعادت میں جو چیز مبیع کو شامل ہو وہ بغیر بیان کیے بھی مبیع میں داخل ہوگی۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے ”اَلْمَعْرُوْفُ عُرْفًا كَالْمَشْرُوْطِ شَرْطًا“ کہ عرف وعادت میں مشہور چیز شرط کے درجے میں ہوتی ہے۔

۲۔ جو چیز مبیع کے ساتھ متصل رکھی جاتی ہو وہ بھی مبیع میں داخل ہوگی۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے ”مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ مَا هُوَ مِنْ ضَرُوْرَاتِهٖ“ کہ جو جس کا مالک ہوگا وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک ہوگا۔

۳۔ جو چیز گزشتہ دونوں صورتوں میں سے نہ ہو بلکہ مبیع کے حقوق سے ہو تو وہ ذکر کرنے سے ہی مبیع میں داخل ہوگی ورنہ داخل نہ ہوگی۔

مسائل:

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے گھر فروخت کیا اس نے عمارت، دروازے، کھڑکیاں، باتھ روم وغیرہ کا ذکر نہیں کیا تو عرف کے

مطابق چونکہ یہ چیزیں گھر کا حصہ ہیں للہٰذا بن ذکر کیے بھی مبیع میں داخل ہوں گی۔

دوسرا مسئلہ زمین فروخت کرنے کا ہے کہ جس میں ہرے درخت بن نام لیے بھی شامل مبیع ہوں گے کیوں ہرے درخت زمین میں باقی رہنے کے لیے لگائے جاتے ہیں سوکھے درخت مستثنیٰ ہوں گے کہ وہ مبیع میں شامل نہ ہوں گے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ زمین فروخت کی اس میں کھیتی لگی ہوئی تھی۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ درخت فروخت کیے ان پر پھل تھے تو کھیتی اور پھل مبیع میں شامل نہ ہوں گے کیونکہ کھیتی اور پھل باقی نہیں رکھے جاتے بلکہ ان کو کاٹ لیا جاتا ہے۔ ان کو الگ کرنا انسانی اختیار میں ہے بخلاف جانور کے حمل کے کہ وہ بن ذکر کیے بھی داخل مبیع ہوگا۔ اگر زمین کے ساتھ کھیتی کی اور درختوں کے ساتھ پھلوں کی خریدار نے لینے کی شرط لگائی تو داخل ہوں گے۔

کھجور کے پھل میں اختلاف:

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کھجور میں تابیری ہوئی ہے تو پھل بائع کا ورنہ مشتری کا تابیر کا معنی یہ ہے کہ مادہ کھجور کے شگوفہ کو چیر کر اس میں نر کھجور کا شگوفہ داخل کیا جائے۔ جب کہ آئمہ احناف کے نزدیک بغیر کسی شرط کے پھل مبیع میں داخل نہ ہوگا اسی وجہ سے امام قدروی نے "شجرا" کو مطلق ذکر کیا ہے۔

بائع کو پھل اتارنے کا حکم:

قولہ: یقال للبائع الخ: احناف کے نزدیک جب درختوں کی بیع ہوگی تو ان پر موجود پھل بائع کے ہیں تو بائع سے کہا جائے گا کہ ان کو اتار کر درخت خریدار کے حوالے کردے پھل چاہے قابل انتفاع ہوں یا نہ ہوں کیونکہ خریدار کی ملک کے ساتھ بائع کی ملک مشغول ہے اس لیے بائع پر ضروری ہے کہ درختوں کو خالی کردے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جب تک پھل قابل انتفاع نہ ہوں اس وقت تک بائع کو مہلت حاصل رہے گی۔

منزل، بیت اور دار میں فرق:

اردو زبان میں منزل، دار، بیت کو گھر کہا جاتا ہے جب کہ عربی زبان میں ان کے درمیان فرق کیا جاتا ہے منزل کا اطلاق اس گھر پر ہوتا ہے کہ جس میں چھوٹے چھوٹے کمرے، چبوترہ، کچن اور جانوروں کا اصطبل ہو لیکن صحن نہ ہو۔ جب کہ بیت کا اطلاق اس چھت والے کمرے پر ہوتا ہے جس کا ایک ہی دروازہ ہو اور دار کا اطلاق حویلی پر ہوتا ہے جو منزل اور بیت پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں صحن بھی ہوتا ہے۔ (مآرب الطلبہ، حاشیہ ہدایہ)

وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا أَوْ قَدْ بَدَا جَازَ الْبَيْعُ وَوَجَبَ عَلَى الْمُشْتَرِيْ قَطْعُهَا فِي الْحَالِ وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَبِيْعَ الثَّمَرَةَ وَيَسْتَثْنِيَ مِنْهَا أَرْطَالًا مَعْلُوْمَةً وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِي سُنْبُلِهَا وَالْبَاقِلَاءِ فِي قِشْرِهَا

"اور جس شخص نے ایسے پھل فروخت کیے کہ جن کا نفع ظاہر نہ ہوا یا نفع ظاہر ہوا تو بیع جائز ہے اور خریدار پر ان پھلوں کا کاٹنا

فی الفور واجب ہے پس اگر درخت پر پھل چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہے اور نہیں ہے جائز کہ پھل فروخت کرے اور ان سے معین پیمانے سے استثنا کرے اور گندم کی بیع اس کے خوشوں میں اور لوبیا کی بیع اس کی پھلی میں جائز ہے۔"

قوله: ومن باع ثمرة الخ:

متن کے مسئلے کی بنیاد بدوّ الصلاح کی تفسیر پر:

متن میں ذکر کردہ مسئلے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ پھلوں میں بدوّ الصلاح سے کیا مراد ہے؟ اس کی مراد میں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے کہ احناف کے نزدیک بدوّ الصلاح سے مراد یہ ہے کہ پھل اتنی مقدار کے ہو جائیں کہ وہ قدرتی آفات سے محفوظ ہو جائیں۔ مثلاً بور بننے کے بعد پھل اپنی ہیئت اختیار کر لیں۔ جب کہ شوافع کے نزدیک بدوّ الصلاح سے مراد پھلوں کا پک جانا اور اس میں مٹھاس کا آ جانا ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ ظہور سے مراد پھل کا لگ جانا اور ظہور صلاح سے مراد بدوّ الصلاح ہے جس کی وضاحت ابھی گزری ہے۔ اب پھلوں کی بیع کی ممکنہ صورتوں کو آئمہ کرام کے مذاہب کی روشنی میں دیکھیے۔

پھلوں کی بیع کا نقشہ

پھلوں کی کیفیت	احناف کے نزدیک بیع کا حکم	دیگر آئمہ کے نزدیک حکم	اتفاقی واختلافی صورتیں
۱۔ پھلوں کے ظہور سے قبل بیع	ناجائز	ناجائز	اتفاقی
۲۔ ظہور کے بعد ظہور صلاح سے قبل بغیر شرط طے کیے	جائز	ناجائز	اختلافی
۳۔ ظہور صلاح کے بعد	جائز	جائز	اتفاقی
۴۔ ظہور صلاح سے قبل درخت پر باقی رہنے کی شرط	ناجائز	ناجائز	اتفاقی
۵۔ پک جانے کے بعد..........	عند الشیخین ناجائز	جائز	اختلافی

امام قدوری نے جو جدول میں بیان کردہ صورتوں میں سے دوسری، تیسری اور چوتھی صورت ذکر کی ہے کہ دوسری اور تیسری صورت میں خریدار پر واجب ہے کہ فی الحال ہی پھلوں کو اتار لے اگر بائع کی اجازت سے ہو تو جائز ہے۔

دور حاضر میں باغات کے پھلوں کی بیع کا حکم:

دور حاضر میں عموماً باغات کو ٹھیکے پر اس وقت لیا جاتا ہے کہ جب پھلوں کا ظہور بھی نہیں ہوتا بلکہ بور لگنے سے قبل ہی کئی مہینے اور سال پہلے ہی بیع ہو جاتی ہے جو جدول میں پہلی صورت بنتی ہے جس کے عدم جواز پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ کیونکہ خرید و فروخت ایسی چیز کی ہو سکتی ہے جو خارج میں موجود ہو اور باہم اسے لینا اور دینا ممکن ہو اگر وہ چیز اس کے برعکس ہو تو خرید و فروخت ہی باطل ہے۔ آج کل عموماً تمام دنیا میں یہی طریقہ مروج ہے۔ اسی طرح بیع کے بعد پھل درختوں پر برقرار رہتے ہیں حالانکہ باقی رہنے کی شرط پر بیع فاسد ہے۔

پھلوں کے ظہور سے قبل کی بیع کا حل:

پہلا حل یہ ہے کہ باغات کی زمین کو ٹھیکے پر لیا جائے۔
دوسرا حل یہ ہے کہ محل ضرورت کی وجہ سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ تمام دنیا کے ٹھیکیداروں کو مسئلہ سمجھانا ممکن تو ہے مگر مشکل ضرور ہے۔
تیسرا حل یہ ہے کہ علامہ شامی نے اس کو بیع سلم کے مرتبہ میں رکھا ہے۔
چوتھا حل بعض علماء عصر نے یہ بھی بیان کیا کہ عرف وتعامل کی وجہ سے جواز کی گنجائش ہے۔

درختوں پر پھلوں کو برقرار رکھنے کا حل:

یہ ہے کہ بیع بغیر کسی شرط کے کی جائے اور چونکہ عرف وعادت میں لوگ مدت معینہ تک پھلوں کو باقی رکھنے پر اعتراض نہیں کرتے۔لہٰذا حکماً اجازت ہوگی۔لہٰذا بازار میں بکنے والے پھلوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔لہٰذا عموم بلوی اور تعامل کے سبب حکم کا جواز ہے۔(ماحصل نعمة الباری ۴/۴۰۰)

قوله: ولا يجوز ان يبيع الخ:

پھلوں سے معین مقدار کے استثناء کا حکم:

اگر کسی نے پھل فروخت کیے چاہے پھل درختوں پر ہوں یا اتارے ہوئے ہوں اور ان میں سے معین مقدار مثلاً ایک رطل نہ بیچنے کی شرط لگائی تو امام اعظم کے نزدیک یہ بیع جائز نہ ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ خریدار رطل میں ردی پھل دے گا جب کہ مالک عمدہ کا مطالبہ کرے گا اس نزاع کی وجہ سے عدم جواز کا حکم لگایا گیا جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔لیکن اگر کسی پھل دار درخت کو بیع سے مستثنیٰ کیا گیا تو بالمشاہدہ معلوم ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔

اَرطال کی تحقیق:

اَرطال جمع ہے رطل کی رطل ایک پیمانہ ہے۔ایک عراقی رطل گراموں کے لحاظ سے تقریباً ۴۴۲.۲۵ گرام کے برابر ہوتا ہے۔

مبیع کو خوشوں اور چھلکوں میں بیچنے کا حکم:

قوله: ويجوز بيع الخ: احناف کے نزدیک مبیع کو خوشوں مثلاً گندم وغیرہ کی بالیوں میں، چاول وغیرہ اسی طرح پھلیوں میں مثلاً لوبیا، مٹر وغیرہ کو چھلکوں میں مثلاً اخروٹ وغیرہ کو بیچنا جائز ہے۔یہی موقف امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام احمد بن حنبل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بھی ہے۔جب کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک مذکورہ صورتوں میں بیع جائز نہیں البتہ باریک چھلکوں میں جائز ہے۔مثلاً اخروٹ کا ہرا کور (خول) اتار کر بیع جائز ہوگی جب کہ احناف کے نزدیک تمام صورتوں میں جائز ہے۔

وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ فِي الْمَبِيعِ مَفَاتِيحُ إِغْلَاقِهَا وَأُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَنَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ وَأُجْرَةُ وَازِنِ الثَّمَنِ عَلَى الْمُشْتَرِي وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيلَ لِلْمُشْتَرِي سَلِّمِ الثَّمَنَ أَوَّلًا فَإِذَا دَفَعَ الثَّمَنَ قِيلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيعَ وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ أَوْ ثَمَنًا بِثَمَنٍ قِيلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعًا

''اور جس شخص نے مکان فروخت کیا تو اس بیع میں تالوں کی چابیاں بھی داخل ہوں گی اور ناپنے اور ثمن کو پرکھنے والے کی مزدوری فروخت کرنے والے پر ہوگی اور ثمن کا وزن کرنے والے کی مزدوری خریدار پر ہوگی اور جس شخص نے سامان ثمن کے بدلے میں فروخت کیا خریدار سے کہا جائے گا ثمن پہلے حوالے کرو تو جب ثمن حوالے کردے فروخت کرنے والے سے کہا جائے گا مبیع حوالے کرو اور جس شخص نے سامان سامان کے عوض فروخت کیا یا ثمن کو ثمن کے عوض فروخت کیا تو دونوں کو کہا جائے گا تم دونوں ایک ساتھ حوالے کرو۔

بیع میں لاک تالوں اور دیگر تالوں کا حکم:

قولہ: ومن باع دار الخ: مکان کی بیع میں دروازوں کے تالے اور چابیاں داخل ہوں گی یا نہیں؟ اس کے بارے میں اصول یہ ہے کہ'' جو تالے مبیع کا جز ہوں وہ بغیر نام لیے بھی مبیع میں داخل ہوں گے۔'' مثلاً جو تالے لاک تالے کہلاتے ہیں دروازے میں فٹ ہوتے ہیں وہ شامل مبیع ہوں گے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے ''التابع تابع'' کہ تابع تابع ہی شمار ہوگا۔ اور جو فکس نہ ہوں بلکہ الگ ہوں وہ بن نام لیے شامل مبیع نہ ہوں گے۔

ناپنے اور ثمن پرکھنے والے کی مزدوری کس پر؟:

قولہ: واجرۃ الکیال الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ غلہ کو ناپنے والے اور سونا و چاندی کو پرکھنے والے کی مزدوری بائع پر ہے۔

مفتی بہ قول:

عند التحقیق یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ناپنے والے کی اجرت بائع پر ہے مگر ثمن کو پرکھنے والے کی اجرت بائع پر نہیں بلکہ مشتری پر ہے۔ اس پر اصول یہ ہے کہ'' جو جس کا محتاج ہے وہ اس چیز کے اخراجات و لوازمات کا بھی ذمہ دار ہوگا'' چونکہ رقم دینے کی ذمہ داری مشتری پر عائد ہوتی ہے اس لیے جانچ و پڑتال کی اجرت بھی مشتری پر واجب ہوگی نہ کہ بائع پر۔ لہٰذا مفتی بہ قول یہی ہے۔ (هو الصحيح فتح القدير، بحر الرائق، به يفتى جوهره نيره، لباب وغيره)

پہلے حوالگی مبیع کی یا ثمن کی؟:

قولہ ومن باع سلعۃ الخ: اگر بائع اور مشتری کے مابین جھگڑے کا خدشہ نہ ہو تو جو چیز بھی پہلے دی جائے جائز ہے مگر دھوکہ و فراڈ سے بچنے کے لیے پہلے ثمن (رقم) دی جائے گی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب ایک طرف سے سامان اور دوسری طرف سے ثمن (رقم) ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثمن (سونا، چاندی، کرنسی) متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے کہ دکھائے گئے نوٹوں کے علاوہ نوٹوں کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ البتہ قبضہ کرنے کے بعد متعین ہو جاتے ہیں۔ سامان تو متعین ہے نوٹ متعین نہیں۔ لہٰذا مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے رقم دو تاکہ وہ متعین ہو جائے پھر سامان حوالے کیا جائے۔ اگر بیع سامان کی سامان کے بدلے میں ہو یا بیع ثمن کی ثمن کے بدلے میں ہو تو بائع اور مشتری دونوں کو کہا جائے گا کہ تم دونوں ایک ساتھ مبیع اور ثمن ایک دوسرے کے حوالے کرو۔

باب خیار الشرط

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیع لازم کو بیان کیا کہ جس میں بیع کی شرائط کی موجودگی کے بعد اختیار نہ تھا اب بیع غیر لازم کو بیان کر رہے ہیں کہ جس میں اختیار ہوتا ہے۔ خیار، اختیار کے معنی میں ہے اور ''خیار الشرط'' میں اضافت، حکم کی سبب کی طرف ہے یعنی وہ اختیار جو بائع یا مشتری کو شرط کی وجہ سے حاصل ہو۔

بیع کے پانچ موانع

مانع انعقادِ علت	مانع تمامِ علت	مانع ابتداءِ حکم	مانع تمامِ حکم	مانع لزومِ حکم
(مبیع کا آزاد ہونا)	(بلا اجازت دوسرے کی چیز فروخت کرنا)	(خیار شرط کی بیع)	(خیار رؤیت)	(خیار عیب)

بیع کے ان پانچ موانع میں سے ایک مانع خیار شرط ہے جو حکم (ملکیت کے ترتب) کو ابتداءً ہی روک دیتا ہے اس لیے صاحب قدوری نے اس کو خیار کی باقی اقسام (خیار رویت، خیار عیب) سے پہلے بیان کیا۔

کس معاملہ میں خیار شرط جائز ہے؟:

احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ ''ہر وہ معاملہ جو لازم العمل اور قابل فسخ ہو اس میں خیار شرط درست ہے'' مثلاً بیع، اجارہ، کھیتی، اور کفالت وغیرہ اور جو معاملہ لازم العمل نہ ہو مثلاً وکالت، شرکت اور وصیت وغیرہ یا لازم العمل تو ہو مگر قابل فسخ نہ ہو مثلاً نکاح، طلاق، یمین اور نذر وغیرہ تو ان میں خیار شرط جائز نہیں۔ (صاحب درمختار نے ''۱۷'' خیارات بیان کیے ہیں۔)

خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْمَبِيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ فَمَا دُوْنَهَا وَلَا يَجُوْزُ أَكْثَرُ مِنْهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ إِذَا سَمَّيَا مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَخِيَارُ الْبَائِعِ يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِهِ فَإِذَا قَبَضَهُ الْمُشْتَرِيْ وَهَلَكَ فِيْ يَدِهِ فِيْ مُدَّةِ الْخِيَارِ ضَمِنَهُ بِالْقِيْمَةِ وَخِيَارُ الْمُشْتَرِيْ لَا يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِ الْبَائِعِ بِالْإِجْمَاعِ إِلَّا أَنَّ الْمُشْتَرِيْ لَا يَمْلِكُهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَمْلِكُهُ فَإِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهِ هَلَكَ بِالثَّمَنِ وَكَذٰلِكَ إِنْ دَخَلَهُ عَيْبٌ

''خیار شرط بیع میں فروخت کرنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لیے جائز ہے اور ان دونوں کو تین دن یا اس سے کم کا اختیار ہے اس سے زیادہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ زیادہ جائز ہے جب مدت معلوم بیان کردے اور بائع کا خیار اس کی ملکیت سے مبیع کو نکلنے سے روکتا ہے۔ پس اگر خریدار نے اس پر قبضہ کرلیا وہ

اس کے قبضے میں مدت خیار میں ہلاک ہوگئی اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور مشتری کا خیار بائع کی ملکیت سے مبیع کو نکلنے سے نہیں روکتا مگر یہ کہ مشتری امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مالک نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ مالک ہوگا تو اگر اس کے قبضے میں ہلاک ہوگئی وہ ثمن کے عوض ہلاک ہوگی اور اسی طرح اگر مبیع میں کوئی عیب پیدا ہوجائے"۔

خیار شرط کس کو حاصل ہے؟:

قولہ: خیار الشرط الخ: بیع میں خیار شرط صرف بائع کو بھی حاصل ہے، صرف مشتری کو بھی حاصل ہے اور دونوں کو بھی حاصل ہے خیار شرط سے مراد یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد عقد مجلس میں رہتے ہوئے دونوں یا کوئی ایک شرط لگالے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ چاہے میں بیع کو قبول کرلوں یا رد کردوں اور دوسرا اس شرط کو تسلیم کرلے تو اس کو "خیار شرط" کہتے ہیں۔

مدت خیار میں اختلاف:

قولہ: ثلاثۃ الخ: سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدتِ خیار زیادہ سے زیادہ تین دن ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک خیار شرط کی کوئی مدت معین نہیں بلکہ جو مدت بھی بیان کردی جائے بشرطیکہ وہ معلوم ہو تو خیار شرط درست ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ خیار شرط خلاف قیاس احادیث سے ثابت ہے اور احادیث میں ثلاثۃ ایام کی قید موجود ہے۔لہٰذا خیار شرط کی مدت اپنے مورد پر منحصر رہے گی۔(الصحیح علی قول امام فتاویٰ ھندیہ، تحفۃ الفقہا دیگر متون علی قول الامام) خیار شرط کے بارے میں حاصل یہ ہے کہ تین دن یا اس سے کم بالاتفاق خیارِ شرط جائز ہے اور مدت مجہول کی صورت میں بالاتفاق خیار شرط فاسد ہے اور تین دن سے زائد مدت معلوم کی صورت میں اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ناجائز جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز۔جب کہ بعض شارحین نے ان کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ اگر تین دنوں میں چیک کیا جاسکتا ہے تو فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اگر تین دن میں چیک کرنا ممکن نہ ہو تو فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔جب کہ بعض اہلِ علم نے عقود مالیہ میں تعامل الناس کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔

بائع کو خیار حاصل ہونے کی صورت میں حکم:

قولہ: وخیار البائع الخ: اگر خیار شرط بائع کو حاصل ہے کہ بائع نے کہا کہ مجھے تین دن تک سوچنے کی مہلت دی جائے تو اس صورت میں مبیع اگرچہ مشتری کے قبضے میں ہو بائع کی ملکیت سے نہ نکلے گی اسی وجہ سے اگر مبیع مدت خیار میں مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو مشتری پر قیمت کی صورت میں تاوان لازم ہوگا اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو ورنہ مثل واجب ہوگی نہ کہ ثمن کی صورت میں جو عاقدین کے درمیان طے ہوئی تھی۔

مشتری کو خیار حاصل ہونے کی صورت میں حکم:

قولہ: وخیار المشتری الخ: اگر خیار شرط مشتری کو حاصل ہے کہ مشتری نے کہا کہ مجھے تین دن تک سوچنے کی مہلت

دی جائے تو اس صورت میں مبیع بائع کی ملکیت سے خارج ہوگئی کہ مشتری کا خیار مبیع کو بائع کی ملکیت سے خارج ہونے کو نہیں روکتا مگر اس میں اختلاف ہے کہ جب بائع کی ملکیت سے مبیع خارج ہوگئی اب مشتری کی ملکیت میں داخل ہوگی یا نہیں؟ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشتری کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی جب کہ صاحبین کے نزدیک مبیع مشتری کی ملک میں داخل ہوجائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خیار شرط مشتری کو حاصل ہے لہٰذا ثمن مشتری کی ملک سے نہیں نکلا اگر مبیع کو مشتری کی ملک میں داخل مانیں تو بیک وقت عوض (ثمن) اور مُعَوَّض (مبیع) دونوں کا ایک شخص کی ملک میں جمع ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں (والصحیح قول ابی حنیفة تحفة الفقهاء، تقدیم قول الامام فی الفتاوٰی قاضی خان، دیگر متون علی قول الامام) اگر مبیع مشتری کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو اس صورت میں مشتری پر لزوم عقد کے ساتھ ثمن واجب ہوگا کہ جو ان کے درمیان طے ہوا تھا اسی طرح مدت خیار میں اگر مشتری کے پاس نہ ختم ہونے والا عیب پیدا ہوگیا تو بھی لزومِ عقد کے ساتھ مشتری پر ثمن واجب ہوگا۔

وَمَنْ شُرِطَ لَهُ الْخِيَارُ فَلَهُ اَنْ يَّفْسَخَ فِيْ مُدَّةِ الْخِيَارِ وَلَهُ اَنْ يُّجِيْزَهُ فَاِنْ اخْتَارَ الْاِجَازَةَ بِغَيْرِ حَضْرَةِ صَاحِبِهٖ جَازَ وَاِنْ فَسَخَ لَمْ يَجُزْ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْاٰخَرُ حَاضِرًا. وَاِذَا مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بَطَلَ خِيَارُهٗ وَلَمْ يَنْتَقِلْ اِلٰى وَرَثَتِهٖ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى اَنَّهٗ خَبَّازٌ اَوْ كَاتِبٌ فَكَانَ بِخِلَافِ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهٗ.

''اور جس شخص کو خیار شرط حاصل ہے تو اس کو اختیار ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کر دے اور اس کو اختیار ہے کہ بیع کو جائز قرار دے تو اگر اس نے اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں بیع جائز قرار دی تو جائز ہے اور اگر بیع کو فسخ کیا تو نہیں جائز مگر ساتھی کی موجودگی میں اور جب فوت ہوگیا وہ شخص کہ جس کو خیار حاصل تھا اس کا خیار باطل ہوجائے گا وہ اس کے ورثا کی طرف منتقل نہ ہوگا اور جس نے کوئی غلام بیچا اس شرط پر کہ وہ تندور چی ہے یا وہ کاتب ہے تو اس نے اس کے خلاف پایا پس مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تمام ثمن دے کر لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔''

مدت خیار میں بیع کو فسخ اور جائز قرار دینے میں فرق:

قوله: ومن شرط الخ: عاقدین میں سے جس کو خیار شرط حاصل ہے اگر مدت خیار میں بیع کو جائز قرار دیتا ہے تو دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں لیکن اگر بیع کو فسخ کرنا چاہتا ہے تو دوسرے ساتھی کو آگاہ کرنا ضروری ہے یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے اور یہی مفتی بہ قول ہے۔ (اللباب) جب کہ امام ابو یوسف، امام زفر اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دوسرے کو آگاہ کرنا کوئی ضروری نہیں۔

خیار شرط والے کا فوت ہونے پر حکم:

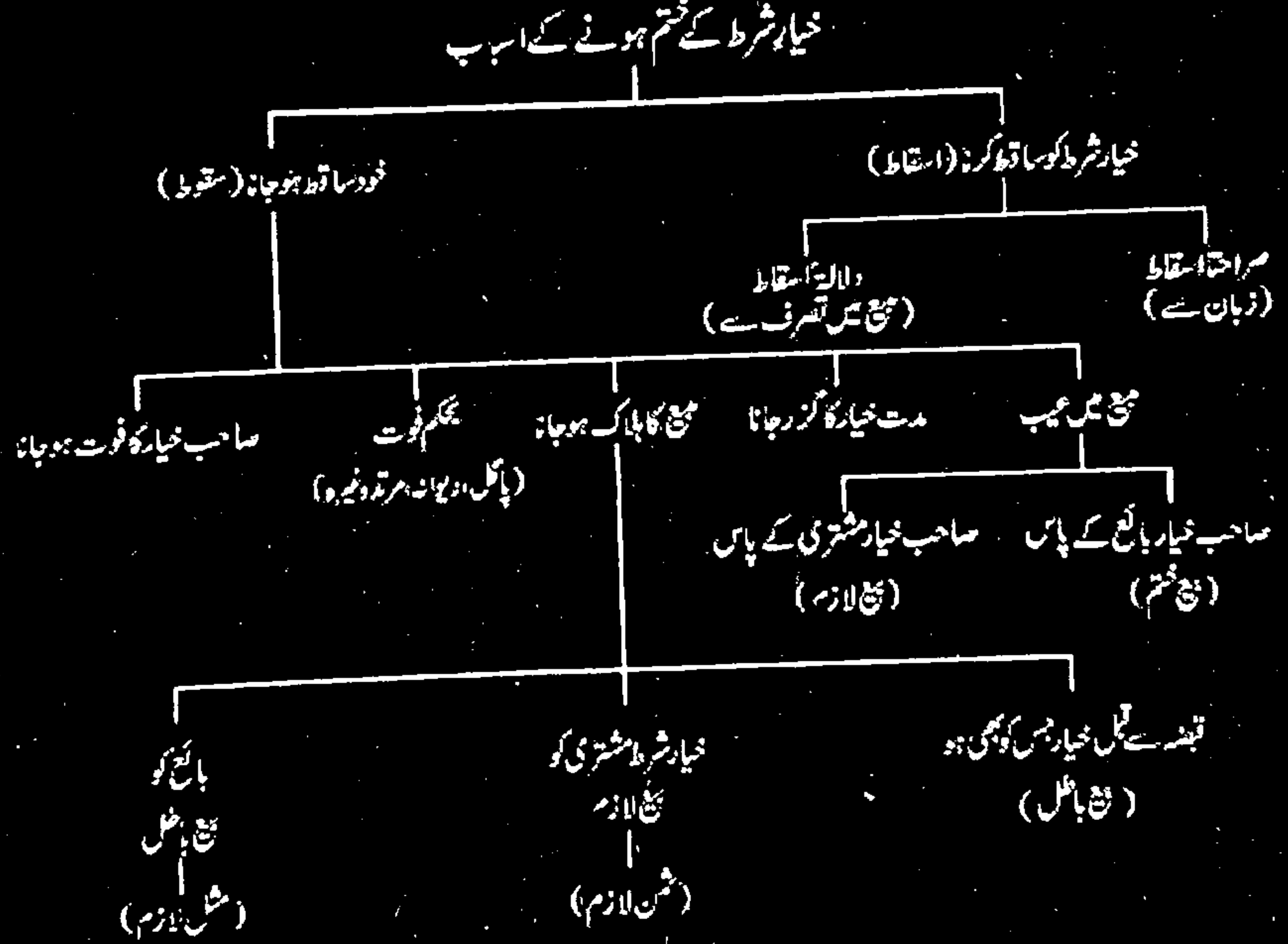
قوله: واذا مات الخ: جس کو خیار شرط حاصل تھا وہ فوت ہوگیا تو احناف کے نزدیک یہ خیار باطل ہوجائے گا ورثا کی

طرف منتقل نہ ہوگا۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام مالک کے نزدیک ورثاء کی طرف منتقل ہوگا ان کو بھی خیارِ شرط کے حقوق حاصل ہوں گے۔

قولہ: ومن باع الخ: امام قدوری یہاں سے ضمناً خیارات کی اقسام میں سے ایک قسم "خیارِ وصف" کو بیان کررہے ہیں۔

مبیع کا بیان کردہ وصف پر نہ ہونا:

اگر کسی نے غلام خریدا اس شرط پر کہ وہ روٹی پکا سکتا ہے یا وہ کاتب ہو کہ لکھ سکتا ہو مگر خریدنے کے بعد معلوم ہوا کہ نہ روٹی پکا سکتا ہے اور نہ کاتب ہے اب مشتری کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر چاہے تو طے شدہ قیمت دے کر خرید لے کیونکہ روٹی پکانا یا کاتب کا ہونا وصف ہے اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ نہ لے۔ قانونی بات تو یہی ہے جو بیان ہوئی اس اختیار کو "خیارِ وصف" کہا جاتا ہے۔ اور یہ خیار ورثاء کی طرف منتقل ہوگا جب کہ خیارِ شرط منتقل نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر بائع اپنے طور پر قیمت کم کرنے پر راضی ہو جائے تو الگ سودا شمار ہوگا کہ جس کی گنجائش ہے۔



باب خیار الرؤیۃ

سیاق وسباق:
اس سے قبل امام قدوری نے ایسے مانع بیع کا ذکر کیا تو ابتداءً حکم کو روکتا تھا۔ اب ایسے مانع کو بیان کررہے ہیں جو تمامیت حکم کے مانع ہے کہ ملکیت تو ثابت ہوتی ہے مگر بیع مکمل و تام نہیں ہوتی اور وہ مانع خیار رؤیت ہے۔

خیار رؤیت میں اضافت:
خیار کی رؤیت کی طرف اضافت حکم کی سبب کی طرف ہے خیار رؤیت کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ہر وہ عقد جو فسخ کو قبول کرتا ہو اس میں خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے۔" مثلاً بیع، اجارہ، تقسیم اور صلح وغیرہ اگر فسخ کو قبول نہ کرتا ہو مثلاً مہر اور بدل خلع وغیرہ تو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا۔
خیار رؤیت کے چار مقامات میں سے ایک مقام خرید و فروخت میں اعیان و ذوات کا بھی ہے جس کو مصنف بیان کررہے ہیں۔

وَمَنْ اشْتَرٰى مَا لَمْ يَرَهُ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ وَلَهُ الْخِيَارُ إِذَا رَآهُ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَمَنْ بَاعَ مَا لَمْ يَرَهُ فَلَا خِيَارَ لَهُ وَمَنْ نَظَرَ إِلٰى وَجْهِ الصُّبْرَةِ أَوْ إِلٰى ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا أَوْ إِلٰى وَجْهِ الْجَارِيَةِ أَوْ إِلٰى وَجْهِ الدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا فَلَا خِيَارَ لَهُ فَإِنْ رَأَى صَحْنَ الدَّارِ فَلَا خِيَارَ لَهُ وَإِنْ لَمْ يُشَاهِدْ بُيُوتَهَا

"اور جس شخص نے بن دیکھے کوئی چیز خریدی تو بیع جائز ہے اور خریدار کو اختیار ہے جس وقت اس کو دیکھے اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور جس شخص نے بن دیکھے کوئی چیز فروخت کی تو اس کو اختیار نہیں اور اگر غلہ کے ڈھیر کے ظاہر کو دیکھ لیا یا لپٹے ہوئے کپڑے کو اوپر سے دیکھ لیا یا لونڈی کے چہرے کو دیکھ لیا یا سواری کے چہرے کو اور اس کی سرین کو دیکھ لیا تو اس کے لیے اختیار نہ ہوگا اور اگر مکان کے صحن کو دیکھ لیا تو خریدار کو اختیار نہیں اگر چہ اس نے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔"

قولہ: من اشتری الخ:

چیز کو دیکھے بغیر خریدنے کا حکم:
بن دیکھے چیز کو خریدنا جائز ہے کہ ایسی جہالت نہیں جو جھگڑے تک پہنچاتی ہو کیونکہ خریدار کو دو خیار حاصل ہیں۔
۱۔ خیار رؤیت۔ (option of see) ۲۔ خیار عیب۔ (option due to fault)
ان کے ذریعے اپنے ممکنہ نقصان کو ختم کرسکتا ہے کہ اگر چہ وہ دیکھنے سے پہلے بیع پر متفق تھا مگر دیکھنے کے بعد خریدار کو اختیار حاصل ہے اگر پسند آئے تو طے شدہ قیمت کے ساتھ لے لے اگر چاہے تو چھوڑ دے یہی مذہب امام مالک، امام احمد بن حنبل اور قول قدیم کے مطابق امام شافعی کا بھی ہے۔

بیچنے والے کو خیار رؤیت حاصل ہے یا نہیں؟:
قولہ: ومن باع الخ: اگر کسی شخص نے بن دیکھے کوئی چیز فروخت کردی بیع تو جائز ہے کیا بائع کو خیار رؤیت حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس کے متعلق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دو قول ہیں کہ پہلے آپ بائع کے لیے خیار رؤیت کو تسلیم کرتے تھے مگر بعد میں اس

قول سے رجوع کرلیا اب آپ کا یہی قول ہے کہ بائع کو خیار رؤیت حاصل نہیں بیع لازم ہوگی۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبیع کے مجہول ہونے کی وجہ سے بیع ہی جائز نہیں:

خیار رؤیت کے ساقط ہونے کی مقدار:

قولہ: وان نظر الخ: عقد کے وقت اگر چیز دیکھ لی تو خیار رؤیت باطل ہو جاتا ہے لیکن اگر چیز عقد کے وقت نہ دیکھی تھی تو خیار رؤیت باقی ہے۔ اب مصنف رؤیت کی اس مقدار پر مثالیں پیش کر رہے ہیں کہ جس کی وجہ سے خیار رؤیت باطل ہو جاتا ہے۔ اور خیار رؤیت باطل ہونے کے لیے تمام چیز کو دیکھنا بھی شرط نہیں بلکہ اتنا دیکھنا کافی ہے کہ جس سے مقصود کا علم حاصل ہو جائے۔ بشرطیکہ مبیع میں تفاوت نہ ہو مثلاً گندم کا ڈھیر تو اس کے ظاہر کو دیکھنا کافی ہے کہ مبیع کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے اتنا دیکھنا خیار رؤیت کو باطل کر دیتا ہے یوں ہی ایک صنف کے کپڑوں کے تھان کے ظاہر کو دیکھنا بھی خیار رؤیت کو باطل کر دیتا ہے بشرطیکہ تھانوں کے سائز اور کوالٹی ایک ہی ہو یہ آئمہ ثلاثہ احناف کا مذہب ہے۔

مفتٰی بہ قول:

جب کہ علامہ شامی نے اپنے رسالے "وسیلۃ الوفر" میں امام زفر کے مذہب کو مفتٰی بہ قرار دیا کہ تھان کے ظاہر کو دیکھنے سے خیار رؤیت باطل نہ ہوگا بلکہ باطن کو دیکھنے سے باطل ہوگا یہ امام زفر کا "چوتھا مفتی بہ قول" ہے۔ اگر مبیع کے افراد میں تفاوت ہو تو ہر فرد کو الگ الگ دیکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ایک ہی پیٹی میں سیب، امرود، کیلے وغیرہ ہوں اور جس حصے کو دیکھ کر مقصود کا علم حاصل ہو جائے مثلاً غلام و لونڈی کے چہرے کو دیکھنے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور جانور میں اس کے منہ اور سرین کو دیکھنے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اتنے حصے کو دیکھنے سے خیار رؤیت باطل ہو جائے گا۔ باقی رہی عددی چیزیں مثلاً انڈے، اخروٹ وغیرہ ان کے افراد میں بھی تفاوت کم ہی ہوتا ہے ان کا حکم بھی گندم کے ڈھیر جیسا ہے۔

نمونہ (Sample) دکھا کر بیع کرنا:

دور حاضر میں عموماً سیمپل دیکھ کر مبیع کی بیع ہوتی ہے مثلاً چاول، گندم، لوہا، پیتل، کپڑے، صابن وغیرہ تو خریدار کو نمونہ دکھانے کے بعد خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا ہاں عیب کی صورت میں خیار عیب حاصل رہے گا۔ سیمپل کی صورت ذوات الأمثال اور عددی کم تفاوت والی اشیاء میں چلے گی۔ اس کی تفصیل آنے والی ہے اور جو چیز ذَاتُ الْقِيَمْ میں سے ہے اس میں Sample دکھانے سے کام نہیں چلے گا مثلاً جانوروں کی بیع: اگر بڑے تاجر (whole Saler) چھوٹے تاجروں کے پاس رنگین تصویریں بھیج دیتے ہیں ساتھ تفصیلات بھی لکھ دیتے ہیں پھر خریدار ان کو دیکھ کر آرڈر دیتے ہیں۔ لہٰذا سامان پہنچنے کے بعد خریدار کو خیار رؤیت حاصل نہ رہے گا البتہ تصویروں اور تفصیلات سے کم درجہ ہونے پر خیار عیب اور خیار وصف حاصل رہے گا اس کو اصطلاح میں Discrepancy کہا جاتا ہے۔

صحن دیکھنے سے خیار رؤیت باطل ہوگا یا نہیں؟:

قولہ: وان رای صحن الخ: اگر کسی نے مکان خریدا اور صرف صحن دیکھا کیا اسے خیار رؤیت حاصل ہے یا باطل ہو گیا؟ اس مسئلے کا مدار عرف و زمانہ پر ہے کہ جس زمانے میں گھروں کی بناوٹ اندر اور باہر سے ایک جیسی ہوتی تھی تو اس دور کے فقہاء کرام

نے صرف صحن کو دیکھنے سے خیار رؤیت کو باطل قرار دیا اور یہ مذہب احناف کے آئمہ ثلاثہ کا ہے جب کہ امام زفر کے نزدیک ہر ہر کمرے کو دیکھنا ضروری ہے کہ فقط صحن کو دیکھنے سے خیار رؤیت باطل نہ ہوگا۔

مفتی بہ قول

فتویٰ امام زفر کے قول پر ہے چونکہ دور حاضر میں بھی اندرونی اور بیرونی منظر ہر مکان کا الگ الگ ہوتا ہے۔اس لیے عرف و عادت اس مسئلے کا فیصل ہے۔(هو الصحيح جوهره نيره، فتح القدير، به يفتى بحر الرائق) یہ امام زفر کا پانچواں مفتی بہ قول ہے۔

وَبَيْعُ الْأَعْمٰى وَشِرَاؤُهٗ جَائِزٌ وَّلَهُ الْخِيَارُ إِذَا اشْتَرٰى) وَلَا خِيَارَ لَهٗ فِيمَا بَاعَ كَالْبَصِيرِ إِذَا بَاعَ مَا لَمْ يَرَهُ قَوْلُهٗ وَيَسْقُطُ خِيَارُهٗ بِأَنْ يَّجُسَّ الْمَبِيعَ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالْجَسِّ أَوْ يَشُمَّهٗ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالشَّمِّ أَوْ يَذُوقَهٗ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالذَّوْقِ وَلَا يَسْقُطُ خِيَارُهٗ فِي الْعَقَارِ حَتّٰى يُوصَفَ لَهٗ . وَمَنْ بَاعَ مِلْكَ غَيْرِهٖ بِغَيْرِ أَمْرِهٖ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَجَازَ الْبَيْعَ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَهُ الْإِجَازَةُ إِذَا كَانَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ بَاقِيًا وَّالْمُتَعَاقِدَانِ بِحَالِهِمَا وَمَنْ رَاٰى أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرَاهُمَا مَعًا ثُمَّ رَاٰى الْأٰخَرَ جَازَ لَهٗ أَنْ يَّرُدَّهُمَا وَمَنْ مَاتَ وَلَهٗ خِيَارُ رُؤْيَةٍ سَقَطَ خِيَارُهٗ وَمَنْ رَاٰى شَيْئًا ثُمَّ اشْتَرَاهُ بَعْدَ مُدَّةٍ فَإِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي رَاٰهَا فَلَا خِيَارَ لَهٗ وَإِنْ وَجَدَهٗ مُتَغَيِّرًا فَلَهُ الْخِيَارُ

”اور نابینا کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس کے لیے خیار ہے جب وہ خرید لے اور اس کا خیار ساقط ہوگا مبیع کو ٹٹولنے کے ساتھ جب وہ ٹٹولنے کے ساتھ پہچانی جاتی ہو یا سونگھنے کے ساتھ جب وہ سونگھنے سے پہچانی جاتی ہو یا چکھنے کے ساتھ جب وہ چکھنے کے ساتھ پہچانی جاتی ہو اور اس کا خیار زمین میں ساقط نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے وصف کو بیان کر دیا جائے اور جس نے غیر کی ملک کی چیز اس کی اجازت کے بغیر فروخت کی تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو بیع کی اجازت دے اور اگر چاہے تو بیع فسخ کر دے اور مالک کو بیع کے جواز کا حق اس وقت ہے کہ جب مبیع موجود ہو اور بائع اور مشتری اسی حالت پر ہوں اور جس شخص نے دو تھانوں میں سے ایک کو دیکھا اور دونوں کو خرید لیا اس کے بعد اس نے دوسرے کو دیکھا تو وہ دونوں کو لوٹا سکتا ہے اور فوت ہو گیا وہ شخص کہ جس کو خیار تھا اس کا خیار باطل ہو گیا اور جس شخص نے کوئی چیز دیکھی اور ایک مدت کے بعد اس کو خریدا تو اگر وہ چیز اسی حالت پر ہے جس پر دیکھا تھا تو خریدار کے لیے خیار نہیں اگر خریدار نے اس کو بدلا ہوا پایا تو خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہے۔“

نابینا کے لیے خیار رؤیت کا حکم:

قوله: وبيع الاعمى الخ: بیناؤں کی طرح نابینے بھی خرید و فروخت کے حاجت مند ہوتے ہیں اس لیے احناف کے نزدیک چاہے مادرزاد نابینا ہے یا بعد میں نابینا ہوا ہر دو صورتوں میں اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس کو خیار رؤیت حاصل ہے اس کے حق میں خیار رؤیت کے باطل ہونے کی متعدد صورتیں ہیں۔

۱۔اگر بیع ایسی چیز ہو جس کو ٹٹول کر پرکھا جا سکتا ہو تو ٹٹولنے سے خیار باطل ہوگا۔

۲۔اگر ایسی چیز ہو جس کو سونگھ کر پرکھا جا سکتا ہو تو سونگھنے سے خیار باطل ہوگا۔

۳۔اگر ایسی چیز ہو جس کو چکھنے سے پرکھا جا سکتا ہو تو چکھنے سے خیار باطل ہوگا۔

۴۔اگر کوئی چیز گزشتہ تینوں صورتوں میں سے نہ ہو مثلاً زمین تو اس کے اوصاف بیان کرنے سے خیار باطل ہوگا۔کہ بیان کردہ امور نا بینے کے حق میں رویت کے قائم مقام ہیں کہ جس طرح بیع سلم میں وصف کو قائم مقام رویت کے قرار دیا گیا۔

یہی موقف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر مادر زاد نابینا ہو تو اس کے لیے خرید و فروخت اصلاً ہی جائز نہیں اگر بعد میں نابینا ہوا تو خیار حاصل رہے گا۔

بیع فضولی کا حکم:

قولہ: ومن باع الخ: فضولی اس عاقد کو کہا جاتا ہے کہ جو نہ ہی مبیع کا مالک ہو اور نہ ہی مالک کا وکیل ہو۔فضولی کی بیع کا حکم یہ ہے کہ جب تک مالک کی اجازت نہیں ہوتی یہ موقوف رہتی ہے۔فضولی کی بیع موانع خمسہ میں سے "مانع تمام علت" ہے۔اگر مالک فسخ کردے تو فسخ ہو جاتی ہے اگر اجازت دے تو جائز ہو جاتی ہے مگر جائز ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں ایک شرط یہ کہ مبیع موجود ہو ہلاک نہ ہوئی ہو دوسری شرط یہ کہ فضولی اور مشتری میں سے کوئی فوت نہ ہوا ہو۔

مجموعہ مبیع سے چند افراد کو دیکھنا:

قولہ: ومن رأی الخ: جب مبیع ایسا ہو کہ جن کے افراد میں تفاوت (فرق) ہو تو ایسی صورت میں ہر ہر فرد کے لیے خیار رؤیت حاصل ہوگا کہ کسی ایک کو دیکھنے سے باقی متفاوت افراد سے خیار رؤیت باطل نہ ہوگی مثلاً کپڑے کے ایک تھان کو دیکھنے سے دوسرے تھان کے اوصاف معلوم نہ ہوں گے بشرطیکہ صنف و کوالٹی ایک نہ ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ چاہے دونوں واپس کردے یا دونوں کو رکھ لے ہاں بیع مکمل ہونے کے بعد اگر بائع و مشتری ایک کے لینے پر اور دوسرے کے ترک پر راضی ہو جائیں تو یہ بیع جدید ہوگی۔

خیار رؤیت کے منتقل ہونے کا حکم:

قولہ: ومن مات الخ: اگر خریدار کے لیے خیار رؤیت کا حق حاصل تھا کہ فوت ہو گیا تو خیار باطل ہو جائے گا یہ خیار وُرثاء کی طرف منتقل نہ ہوگا۔

سابقہ رؤیت کی تاثیر:

قولہ: ومن رأی الخ: اگر کسی نے کوئی چیز کافی عرصہ پہلے دیکھی تھی پھر اس کی بیع کرلی اگر خریدنے کے بعد وہ پہلی کیفیت پر ہو تو مشتری کو خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا کہ سابقہ رؤیت کی وجہ سے مبیع کے اوصاف کا علم حاصل ہے اگر سابقہ کیفیت پر نہ ہو تو خیار رؤیت حاصل ہوگا۔

خیار رؤیت ختم ہونے کے اسباب

- صراحۃً اسقاط (دیکھنے کے بعد زبان سے)
- دلالۃً اسقاط (مبیع میں تصرف)
- مشتری کا فوت ہو جانا

باب خیار العیب

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے خیار رؤیت کو بیان کیا جو تمامیت حکم سے مانع تھا اب خیار عیب کو بیان کر رہے ہیں جو لزوم حکم سے مانع ہے کیونکہ بیع کا حکم تو مکمل ہے مگر مبیع کو ختم کرنے کا حق اس کی وجہ سے باقی ہے اور یہ خیار بغیر کسی شرط کے مشتری کو حاصل ہوتا ہے۔

خیار العیب میں اضافت:

اس میں بھی اضافت، حکم کی سبب کی طرف ہے۔ عیب کی تعریف خود متن میں آ رہی ہے۔

إِذَا اطَّلَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلٰى عَيْبٍ فِي الْمَبِيْعِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَكُلُّ مَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ فِيْ عَادَةِ التُّجَّارِ فَهُوَ عَيْبٌ وَالْإِبَاقُ عَيْبٌ وَالْبَوْلُ فِي الْفِرَاشِ عَيْبٌ وَالسَّرِقَةُ عَيْبٌ فِي الصَّغِيْرِ مَا لَمْ يَبْلُغْ فَإِذَا بَلَغَ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعَيْبٍ حَتّٰى يُعَاوِدَهُ بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَالْبَخَرُ وَالدَّفَرُ عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ وَلَيْسَ بِعَيْبٍ فِي الْغُلَامِ إِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ دَاءٍ وَالزِّنَا وَوَلَدُ الزِّنَا عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ وَلَيْسَ بِعَيْبٍ فِي الْغُلَامِ وَإِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِيْ عَيْبٌ، ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ كَانَ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَهُ اَنْ يَّرْجِعَ بِالنُّقْصَانِ وَلَا يَرُدَّ الْمَبِيْعَ إِلَّا اَنْ يَّرْضَى الْبَائِعُ اَنْ يَّاْخُذَهُ مِنْهُ بِعَيْبِهِ فَلَهُ ذٰلِكَ، وَإِنْ قَطَعَ الْمُشْتَرِي الثَّوْبَ، اَوْ خَاطَهُ قَمِيْصًا، اَوْ صَبَغَهُ، اَوْ لَتَّ السَّوِيْقَ بِسَمْنٍ، ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ وَلَيْسَ لِلْبَائِعِ اَنْ يَّاْخُذَهُ بِعَيْبِهِ.

"اگر خریدار مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جائے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو مبیع کو پورے ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے اور خریدار کے لیے یہ جائز نہیں کہ مبیع کو رکھ لے اور نقصان کو وصول کر لے اور ہر وہ چیز جو تاجروں کے عرف میں ثمن کی کمی کا سبب ہو وہ عیب ہے اور بھاگنا، بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا بچپنے میں عیب ہے کہ جب تک بالغ نہ ہو اور جب وہ بالغ ہو گیا تو عیب نہیں یہاں تک کہ بالغ ہونے کے بعد اسے دوبارہ کرے۔ منہ اور بغل کی بدبو لونڈی کے حق میں عیب ہے غلام کے حق میں نہیں اگر خریدار کے پاس کوئی عیب پیدا ہو گیا پھر اس عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے پاس تھا تو خریدار کو اختیار ہے کہ عیب کی کمی کو وصول کرے اور مبیع کو واپس نہیں کر سکتا مگر یہ کہ بائع مبیع کو عیب کے ساتھ واپس کرنے پر راضی ہو اور اگر خریدار نے کپڑا کاٹ کر سی لیا یا کپڑے کو رنگ لیا یا ستو کو گھی میں مکس کر لیا تو اس کے بعد عیب پر مطلع ہوا تو عیب کا نقصان وصول کرے اور بائع کے لیے یہ حق نہیں کہ وہ مبیع کو واپس لے لے۔"

خیار عیب کا حکم:

قولہ: اذا الطلع الخ: امام قدوری یہاں سے خیار عیب کا حکم بیان کرتے ہیں کہ جب خریدار کو مبیع میں عیب کا علم ہوا تو

خریدار کو خیار عیب حاصل ہوگا کہ مشتری کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے چاہے وہ کل ثمن دے کر رکھ لے، چاہے تو مبیع کو واپس کر دے مگر یہ اختیار نہیں کہ مبیع کو روک کر عیب کا نقصان وصول کرے۔ خیار عیب بھی دو شرطوں سے مشروط ہے ایک یہ کہ عیب بائع کے پاس پیدا ہوا ہو دوسری شرط یہ کہ خریدتے وقت مشتری اس عیب پر مطلع نہ ہوا گر خریدتے وقت عیب دیکھ کر خاموش رہا تو بعد میں خیار عیب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ فقہی قاعدہ ہے "بولنے کے وقت نہ بولنا یہ بمنزلہ بولنے کے ہے"

عیب کی تعریف مع امثلہ:

قولہ: وکل ما اوجب الخ: مصنف نے عیب جاننے کا ایک جاندار اصول بیان کیا ہے۔ "مبیع میں ہر وہ کمی کہ جس کی وجہ سے تاجروں کے عرف میں قیمت میں کمی واقع ہو وہ عیب کہلاتا ہے"۔ مصنف نے عیوب کی مثالیں لونڈی اور غلام سے دی ہیں کہ ان کا بھاگ جانا اور بستر پر پیشاب کرنا یا ان کا چوری کرنا یہ عیوب بائع اور مشتری کے پاس نابالغی میں ہوں تو یہ ایسے عیوب ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کی قیمت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد ان کا اعادہ ہو تو عیب شمار ہوں گے ورنہ نہیں۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ پانچ سال یا اس سے زائد عمر کے بچوں کا بستر پر پیشاب کرنا عیب کہلاتا ہے۔ لونڈی میں منہ کی بدبو (بخر) اور بغل کی بدبو (دفر) عیب ہے کیونکہ لونڈی سے وطی کرنے کی صورت میں یہ بدبو مُخِل ہوتی ہے جب کہ غلام میں یہ چیزیں عیب نہیں کیونکہ اس سے صرف خدمت مقصود ہوتی ہے لیکن اگر یہ بدبو کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو عیب کہلائے گی۔ یوں ہی لونڈی کے حق میں لونڈی کا زانیہ ہونا یا نطفہ حرام سے ہونا بھی عیب ہے کیونکہ یہ چیز وطی اور طلب ولد میں مُخِل ہو سکتی ہیں کہ بدنامی کی وجہ سے لونڈی کی طرف طبیعت ہی مائل نہ ہو لیکن غلام میں یہ چیزیں عیب نہیں۔ اگر غلام باز ہے تو عیب ہے۔

مشتری کے پاس عیب کا ہونا:

قولہ: واذا حدث الخ: اگر کسی نے کوئی چیز خریدی کہ اس کے پاس مبیع میں عیب ہوگیا پھر اس نے مبیع میں ایسا عیب پایا جو بائع کے پاس سے تھا مگر یہ خریدتے وقت اس پر مطلع نہ تھا اب حکم یہ ہے کہ مشتری چیز کو واپس تو نہیں کر سکتا البتہ جو عیب کی وجہ سے کمی آئی اس کا تاوان وصول کرے کہ بائع کے پاس جو عیب پیدا ہوا اگر وہ نہ ہوتا تو کتنی قیمت ہوتی پھر عیب کے ساتھ کتنی قیمت ہوتی اس حساب سے کمی کو وصول کرلے لیکن اگر بائع اپنی مرضی سے عیب دار مبیع کو واپس لینے پر راضی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

مشتری کے پاس مبیع میں زیادتی کی صورت میں حکم:

قولہ: وان قطع الخ: اگر مشتری نے کوئی چیز خریدنے کے بعد اس میں ایسا کام کیا کہ جس کی وجہ سے اس کے ثمن میں اضافہ ہوگیا مثلاً کپڑا خریدا پھر اس کو کاٹ کر سلائی کروالیا یا اسے رنگ لیا یا ستو خریدنے کے بعد ان کو گھی وغیرہ میں مکس کر دیا پھر عیب پر مطلع ہوا اب حکم یہ ہے کہ مشتری مبیع کو تو واپس نہیں کر سکتا لیکن نقصان وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کہاں نقصان پورا کرنے کے لیے رجوع کر سکتا ہے اور کہاں نہیں؟ اس کے بارے میں اصول ہے "مشتری کا ہر ایسا تصرف جس سے وہ مبیع کو روکنے والا شمار ہو تو رجوع بالنقصان نہیں کر سکتا اور جہاں وہ روکنے والا شمار نہ ہو تو رجوع کر سکتا ہے۔" چونکہ مذکورہ مسئلہ میں واپسی پر رکاوٹ مشتری

کی طرف سے نہیں بلکہ واپسی اس لیے ممکن نہیں کہ مشتری نے جو کام کروایا ہے وہ زیادتی سود کے معنیٰ میں ہے اس لیے بائع کا لینا گویا سود کا لینا کہلائے گا اگرچہ بائع اور مشتری واپسی پر راضی بھی ہوں لیکن حق شرع کی وجہ سے ناجائز ہے۔ اسے "مانع شرعی" کہا جاتا ہے لہٰذا جب مشتری روکنے والا شارنہ ہوا تو رجوع بالنقصان کرسکتا ہے۔

وَمَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَاَعْتَقَهٗ ، اَوْ مَاتَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ فَاِنْ قَتَلَ الْمُشْتَرِيْ الْعَبْدَ ، اَوْ كَانَ طَعَامًا فَاَكَلَهٗ ، ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ : يَرْجِعُ بِنُقْصَانِهٖ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا فَبَاعَهُ الْمُشْتَرِيْ ، ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ فَاِنْ قَبِلَهٗ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَهٗ اَنْ يَرُدَّهٗ عَلَى الْبَائِعِ الْاَوَّلِ فَاِنْ قَبِلَهٗ بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَرُدَّهٗ وَمَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا وَشَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَرُدَّهٗ بِعَيْبٍ ، وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ لَهُ الْعُيُوْبَ وَلَمْ يَعُدَّهَا

"اور جس شخص نے غلام خریدا تو اس کو آزاد کر دیا یا اس کے پاس فوت ہو گیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو خریدار عیب کا نقصان لے سکتا ہے، پس اگر خریدار نے غلام خریدا یا غلہ خریدا اسے کھالیا پھر عیب پر مطلع ہوا امام اعظم کے قول کے مطابق عیب کے نقصان کے لیے رجوع نہیں کرسکتا اور صاحبین نے فرمایا عیب کے نقصان کے لیے رجوع کرسکتا ہے اور کسی نے غلام بیچا تو اس غلام کو خریدار نے بھی بیچ دیا پھر غلام کو عیب کی وجہ سے مشتری کے پاس لوٹا دیا گیا۔ پس اگر غلام کو پہلے مشتری نے قاضی کے فیصلہ کے ساتھ قبول کیا تھا تو مشتری پہلے بائع کو واپس کر دے گا اور اگر مشتری نے اس کو قاضی کے فیصلے کے بغیر قبول کیا تھا تو غلام کو پہلے بائع پر نہیں لوٹا سکتا اور جس شخص نے غلام خریدا اور بائع نے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی تو مشتری اس کو عیب کی وجہ سے واپس نہیں کرسکتا اگرچہ اس نے تمام عیوب کا تذکرہ نہ بھی کیا ہو اور نہ ان کو شمار کیا ہو"۔

خریدے ہوئے غلام کو آزاد کرنا یا اس کا فوت ہو جانا:

قولہ: ومن اشتریٰ عبدا الخ: اگر کسی نے غلام خریدا پھر اس نے اسے بلاعوض آزاد کر دیا یا وہ فوت ہو گیا بعد میں وہ عیب پر مطلع ہوا تو عیب کے نقصان کو پورا کرنے کے لیے رجوع کرسکتا ہے یہ رجوع استحساناً جائز ہے کہ آزادی کی وجہ سے ملک زائل نہیں ہوتی بلکہ انتہاء کو پہنچتی ہے اسی طرح موت کی وجہ سے بھی ملک انتہاء کو پہنچتی ہے جب کہ قیاساً تو رجوع کا حق نہیں یہی موقف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔ اگر بالعوض آزاد کیا ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک روایت ہے کہ رجوع کا حق ہے۔ یہی قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔ لیکن ظاہر روایت کے مطابق آزاد بالعوض ہو یا بلاعوض ہو ہر دو صورتوں میں نقصان لے سکتا ہے۔ نیز گزشتہ اصول کے تحت چونکہ مشتری حابس شار نہیں ہوتا۔ لہٰذا موت اور آزادی کی صورت میں رجوع بالنقصان کرسکتا ہے۔

مشتری کا غلام کو قتل کر دینا یا غلہ کھالینا:

قولہ: فان قتل المشتری الخ: اگر کسی نے غلام کو خریدا پھر اس کو اس نے قتل کر دیا یا کوئی کھانے کی چیز خریدی پھر اس کو کھا گیا پھر غلام یا کھائی جانے والی چیز میں عیب پر مطلع ہوا تو مشتری بائع سے نقصان کے لیے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں

وضاحت یہ ہے کہ غلام کے مسئلے میں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ رجوع نہیں کرسکتا اور یہی ظاہر روایت ہے۔(جوھرہ نیرہ، ھدایہ)لیکن اختلاف کھانے کے مسئلے میں ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رجوع نہیں کرسکتا جب کہ صاحبین کے نزدیک نقصان لینے کے لیے رجوع کرسکتا ہے۔

قولہ: ومن باع الخ: اگرکسی نے غلام فروخت کیا پھر خریدار نے اسے آگے فروخت کردیا پھر دوسرے خریدار نے اس میں عیب پایا اب کیا دوسرا بائع غلام کو پہلے بائع کو واپس کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں اصول یہ ہے کہ ''اگر دوسرے بائع کو غلام قاضی کے فیصلے کے ساتھ واپس کیا ہے تو دوسرا بائع پہلے بائع کو واپس کرسکتا ہے اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر واپس کیا ہے تو پہلے بائع کو واپس نہیں کرسکتا۔''

بیع میں عیب سے برات کے اظہار کا حکم:

قولہ: ومن اشتریٰ عبدا الخ: اگرکسی نے غلام خریدا اور بائع نے یہ شرط لگائی کہ میں اس کے عیبوں کا ذمہ دار نہیں ہوں خواہ تمام عیب شمار کیے ہوں یا نہ کیے ہوں، بائع ومشتری واقف ہوں یا نہ ہوں مشتری کو خیار عیب کا حق حاصل نہ ہوگا کہ عیب کی وجہ سے غلام کو واپس کردے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برأت میں ہر وہ عیب داخل ہے جو عقد بیع کے وقت یا مشتری کے قبضے سے پہلے کا عیب ہو ایک قول امام یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ، امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک برأت صرف عقد بیع کے وقت کے عیب سے جائز ہے نہ کہ قبضے سے پہلے کے عیب سے لہٰذا ان کے نزدیک قبضے سے پہلے عیب پر خیار کا حق ہوگا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو برأت کی شرط سے بیع ہی درست نہیں۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔(علیه الفتوی، فتح القدیر، فتاوی هندیه، بحر الرائق)

خریدتے وقت چیز چکھنے کا حکم:

مثلاً تربوز وغیرہ کو چکھنے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو چکھنے پر نقصان کا بدلہ دے۔

۲۔ خریدنے کا عزم ہے چکھنے پر پسند نہ آیا تو حرج نہیں۔

۳۔ خریدنے کا عزم تھا چکھنے پر پسند بھی آیا پھر ارادہ بدل گیا تو مالک سے معافی بھی مانگے اور نقصان کا بدلہ بھی دے۔

(بحر الرائق، خلاصة الفتویٰ)

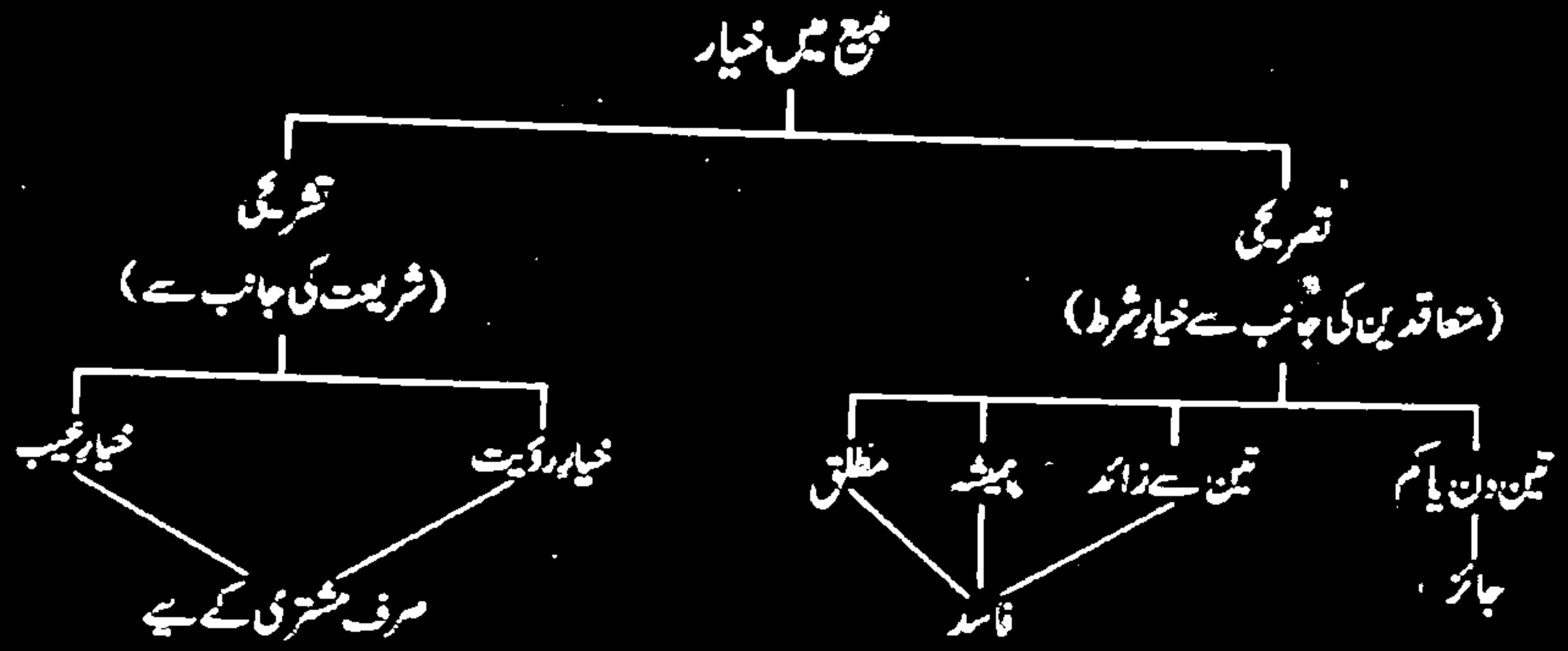
تجارتی کمپنیوں میں برأت کا رواج:

کمپنی جب مال کو تاجر کے پاس بھیجتی ہے تو ساتھ یہ شرط ہوتی ہے کہ مال پہنچنے کے بعد تین دن کے اندر چیک کرلو اگر کچھ کمی ہو تو کمپنی کو مطلع کرنا تاکہ نقصان کی تلافی ہوسکے۔ لہٰذا اگر مدت مقررہ کے اندر تاجر نے مطلع کردیا تو کلیم (تلافی) ہوگی ورنہ کلیم کا حق

نہیں کلیم کا خرچہ بائع برداشت کرتا ہے اسے گارنٹی کہا جاتا ہے اور کبھی اسے تبدیل کر دیا جاتا ہے اسے وارنٹی کہا جاتا ہے اس طرح گارنٹی پر فروخت کرنا کہ سات سال گارنٹی ہے یہ بیع جائز ہے۔

AS, IS کی بنیاد پر فروخت کرنا:

دور حاضر میں دوکاندار خریدار سے یہ کہہ دیتا ہے کہ مبیع کو دیکھ لو بعد میں عیب نکلا تو میری ذمہ داری نہ ہوگی یہ شرط لگانا درست ہے۔
(متعاقدین کی جانب سے خیار شرط)



باب بیع الفاسد

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بیع صحیح کی اقسام (لازم وغیر لازم) کو بیان کیا اب بیع غیر صحیح کا آغاز کر رہے ہیں۔

بیع غیر صحیح کی اقسام مع تعریفات:

بیع غیر صحیح کی چار اقسام ہیں:

۱۔ بیع باطل وہ بیع ہے جو ذات و وصف دونوں لحاظ سے جائز نہ ہو یہ مطلقاً مفید ملک نہیں ہوتی اگرچہ چیز پر قبضہ بھی کر لیا جائے۔ مثلاً خنزیر و شراب کی بیع۔ یہ بیع اصولِ فقہ کے لحاظ سے "قبیح لعینہٖ شرعی باعتبارِ عدم محلیت" کے ہے۔

۲۔ بیع فاسد وہ بیع ہے جو ذات کے لحاظ سے تو جائز ہے مگر وصف کے لحاظ سے ناجائز ہو یہ صرف عقد سے مفید ملک نہیں ہوتی لیکن قبضہ کرنے کی صورت میں مفید ملک ہوتی ہے۔ مثلاً بیع کے منافی شرط لگانا۔ حاصل کلام: بیع فاسد کے متعلق اصول یہ ہے کہ "جو باتیں بیع کے رکن (ایجاب وقبول) یا محل بیع (مذہب ساوی میں مال ہو) میں خلل انداز نہ ہوں بلکہ وصفِ خارجی کی وجہ سے مانع ہوں تو بیع فاسد ہوگی۔" اس کے برعکس بیع باطل ہوگی۔

۳۔ بیع مکروہ وہ بیع ہوتی ہے جو ذات وصفت دونوں لحاظ سے تو جائز ہو مگر امر خارج کی وجہ سے ممنوع ہو۔ مثلاً اذان جمعہ کے بعد بیع کرنا۔ بیع فاسد اور بیع مکروہ اصولِ فقہ کے لحاظ سے "قبیح لغیرہٖ باعتبارِ وصف (فاسد) اور باعتبارِ جمع (مکروہ) کے ہیں۔

۴۔ بیع موقوف وہ بیع ہوتی ہے جو ذات و وصف کے لحاظ سے تو جائز ہو مگر اس سے غیر کا حق وابستہ ہو۔ مثلاً دوسرے کی چیز کی بیع اُس کی اجازت پر۔

بیع باطل اور فاسد میں فرق:

ان کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے کہ ہر باطل فاسد ضرور ہے مگر ہر فاسد کا باطل ہونا ضروری نہیں یہ فرق عموماً معاملات میں ہے جب کہ عبادت میں فاسد و باطل میں کچھ فرق نہیں۔

بیع فاسد کے عنوان کا انتخاب:

اس باب کے تحت بیع باطل کے بھی احکام بیان ہوں گے لیکن اس کے باوجود فاسد کا عنوان اس لیے قائم کیا ہے کہ فاسد کے اسباب کثیر ہیں اس لیے کثیر الوقوع لفظ کے ساتھ عنوان کو منتخب کیا فاسد کا لفظ فاسد و باطل دونوں کو شامل ہے۔

إِذَا كَانَ أَحَدُ الْعِوَضَيْنِ أَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّمًا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ، أَوْ بِالدَّمِ، أَوْ بِالْخَمْرِ أَوْبِالْخِنْزِيرِ وَكَذٰلِكَ إِذَا كَانَ غَيْرَ مَمْلُوْكٍ كَالْحُرِّوَبَيْعُ أُمِّ الْوَلَدِ، وَالْمُدَبَّرِ وَ الْمُكَاتَبِ فَاسِدٌ وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ السَّمَكِ فِي الْمَاءِ قَبْلَ أَنْ يَّصْطَادَهٗ وَلَا بَيْعُ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ

"جب عوضین میں سے ایک یا دونوں حرام چیزیں ہوں تو بیع فاسد ہے کہ جس طرح مردار، خون، شراب یا خنزیر کی بیع اور اسی طرح جب ملک میں نہ ہو مثلاً آزاد، ام ولد، مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے اور مچھلی کی بیع پانی میں جائز نہیں اس کا شکار کرنے سے پہلے اور نہ ہی فضا میں پرندے کی بیع جائز ہے۔"

عوضین یا کسی ایک کا حرام ہونا:

قولہ: اذا كان احد الخ: بیع باطل کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ جب عوضین (مبیع وثمن) یا کوئی ایک حرام ہو یا مال متقوم (شرعاً مال) نہ ہو تو بیع باطل ہوتی ہے مثلاً مردار، خون، شراب اور خنزیر یہ شرعاً حرام ہیں اور مال متقوم بھی نہیں اور یہ مثالیں ممثل لہ (فاسد) کی وضاحت کرتی ہیں کہ فاسد بمعنی باطل ہے۔ کیونکہ مردار، خون، شراب اور خنزیر کی حرمت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے۔ لہٰذا مسلمان کیلیے ان کی بیع باطل ہوگی لیکن کافر کی کافر سے بیع جائز ہے کہ ان کے نزدیک مذکورہ اشیاء مال متقوم ہیں۔

گوبر اور فُضلہ کی خرید وفروخت:

اصول تو یہ بیان ہوا کہ جو چیز حرام ہے اس کی بیع باطل ہے لیکن فقہا کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن ناپاک اشیاء کی خرید وفرخت کی ممانعت ہے اس کی وجہ استعمال کا ممکن نہ ہونا ہے لیکن اگر اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو مثلاً گوبر اور لید کوز مین میں کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس دور میں گوبر اور انسانی فُضلہ سے گیس پیدا کی جارہی ہے۔ لہٰذا ان کی خرید وفروخت جائز ہے اور جانوروں کی خشک ہڈیاں سور کے علاوہ سبھی کی پاک ہیں ان کی خرید وفروخت بھی جائز ہے کہ ان سے کھاد بنتی ہے۔

مبیع کا مملوک نہ ہونا:

قولہ: كذالك اذا كان الخ: بیع باطل کی ایک صورت یہ ہے کہ آزاد آدمی کی طرح کوئی غیر مملوک ہو تو اس کی بیع باطل ہو گی مثلاً ام ولد، مدبر، مکاتب کی بیع، ام ولد سے مراد وہ لونڈی ہے کہ جس سے اس کے آقا نے وطی کی اور اس سے اولاد ہو یہ لونڈی آقا کے فوت ہونے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔ مدبر سے مراد وہ غلام ہے کہ جس کو آقا نے کہا کہ میرے فوت ہونے پر یا کسی خاص موت کے سبب پر تو آزاد ہے سبب کے پائے جانے پر آزاد ہو جائے گا۔ مکاتب سے مراد وہ غلام ہے جس کو آقا نے کہا ہو کہ اتنی رقم کما کردے تو آزاد ہے چونکہ ان تینوں میں مشتری کے لیے ملکیت ثابت نہیں ہوتی محل بیع میں خلل ہے اس لیے بیع باطل ہے۔

بیع غرر:

قولہ: ولا يجوز الخ شریعت میں جو بیوع ممنوع ہیں ان کا حاصل دو ہی باتیں ہیں۔ ا: ربوٰ (سود) ۲: غرر (دھوکہ)۔ ربوٰ کا باب آگے آنے والا ہے۔ بیع غرر کا دائرہ کار بڑا وسیع ہے کہ ثمن و قیمت معلوم نہ ہو، معین نہ ہو، ادائیگی مجہول ہو، ثمن ومبیع کی سلامتی مشکوک ہو۔ "غرر" وہ بات ہے کہ جس کا انجام معلوم نہ ہو"۔

غرر، غرور، قمار اور جہالت میں فرق:

اگر دونوں فریق انجام سے ناواقف ہوں تو غرر، ایک خریدار ناواقف ہو تو غرور اور قمار خاص ہے غرر سے اس میں غرر کا معنیٰ پایا

جاتا ہے جب کہ جہالت میں اصل تو معلوم ہو لیکن صفت معلوم نہ ہو۔

شکار سے قبل مچھلی کی بیع:

جس طرح غلاموں کی بیع غیر مملوک ہونے کی وجہ سے باطل تھی اسی طرح شکار سے قبل دریا و نہر میں مچھلی کی بیع باطل ہے لہٰذا دریاؤں اور نہروں میں پائی جانے والی مچھلیاں اگر فروخت کی جائیں تو خریدار ان کا مالک نہ بنے گا یہ بیع ہی باطل ہے۔ یہی ظاہر روایت ہے مگر امام محمد کی ایک روایت کے مطابق بیع فاسد ہے کہ مچھلی مال متقوم تو ہے لیکن سپرد کرنے پر قادر نہیں علامہ ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (فتح القدیر) کہ قبضے کے بعد خریدار مالک ہو جائے گا۔

دور حاضر میں مچھلی کا کاروبار:

دور حاضر میں مچھلی کا کاروبار بھی اتنا وسعت اختیار کر چکا ہے کہ اس کی اسپیشل منڈیاں ہوتی ہیں ان کا حصول دریاؤں، نالوں، حوضوں، تالابوں اور ڈیموں سے ہوتا ہے۔ مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ مچھلیوں ہی کے لیے تالاب کھودوایا ہوا اور اس میں مچھلیاں افزائش کے لیے ڈال دیں۔

۲۔ تالاب میں مچھلیاں خود بخود آ گئی ہوں۔

۳۔ تالاب تو نہ کھودوایا ہو مگر زمین میں پانی کے ساتھ مچھلیاں آ گئی ہوں اور مچھلیوں کے نکلنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہو تو ان تین صورتوں میں مالک ہو جائے گا لیکن آگے فروخت کرنا تب جائز ہوگا کہ جب انہیں نکال کر دے یا اتنی زیادہ ہوں کہ جال کے بغیر بھی پکڑنا ممکن ہو یا تالاب کو کرائے پر دے دے چونکہ مچھلیوں کا اجارہ درست نہیں۔ اسی طرح ڈیموں میں بھی مخصوص حصہ حکومت کرائے پر دیتی ہے لہٰذا ان صورتوں میں مچھلی کی بیع جائز ہے۔

پرندے کو فروخت کرنے کی صورتیں:

قولہ: ولا مبیع الطائر الخ:

۱۔ اگر پرندہ فضا میں ہو تو اس کو فروخت کرنا غیر مملوک کی بیع ہے لہٰذا یہ بیع باطل ہے۔ جس کو متن میں بیان کیا گیا۔

۲۔ اگر ہاتھ میں پکڑنے کے بعد چھوڑ کر فروخت کیا تو غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

۳۔ اگر پرندے اپنے آشیانے میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ بآسانی پکڑ نا ممکن ہو تو اس کی بیع جائز ہے اگر پکڑ نا ممکن نہ ہو تو نا جائز ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْحَمْلِ فِي الْبَطْنِ وَلَا النِّتَاجِ وَلَا الصُّوفِ عَلٰى ظَهْرِ الْغَنَمِ وَلَا بَيْعُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ وَلَا يَجُوْزُ ذِرَاعٌ مِنْ ثَوْبٍ وَلَا بَيْعُ جِذْعٍ مِنْ سَقْفٍ وَضَرْبَةِ الْقَانِصِ وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْمُزَابَنَةِ وَهُوَ بَيْعُ الثَّمَرِ عَلٰى رُءُوسِ النَّخْلِ بِخَرْصِهِ تَمْرًا

اور پیٹ میں حمل کی بیع جائز نہیں اور نہ حمل کے حمل کی بیع اور نہ بکری کی پشت پر اون کی اور نہ تھن میں دودھ کی بیع اور تھان

میں ایک گز کی بیع جائز نہیں اور چھت سے شہتیر کی بیع جائز نہیں اور نہ جال پھینکنے کی بیع اور نہ بیع مزابنہ اور اس پھل کی بیع جو کھجور کے درخت پر اتارے ہوئے کھجوروں کے بدلے میں اندازے سے ہو۔

غَرر کی وجہ سے ممانعت کی صورتیں:

قولہ: ولا یجوز بیع الحمل الخ: اسلامی معیشت کی خصوصیت میں سے ایک خصوصیت یہی ہے کہ تمام ایسے عقود کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کہ جن میں ''غرر'' پایا جاتا ہو غرر کا معنی دھوکہ ہے جس کی یہاں دو صورتیں ہیں یا تو مبیع میں جہالت ہو یا غیر یقینی و مشکوک ہو۔ مثلاً جانور کے پیٹ میں حمل کی بیع اور حمل اگر مادہ ہو تو مادہ کے بچے کی بیع یہ بیع صراحتاً حدیث میں منع کی گئی ہے کہ جس کی علت غرر ہی ہے جو عداوتوں اور دشمنیوں کو جنم دیتا ہے۔ اسی طرح بھیڑ اور بکری کی پشت پر اُون کی بیع بھی ناجائز ہے کہ کاٹنے کی مقدار میں نزاع پیدا ہو سکتا ہے لیکن امام ابو یوسف اور امام مالک کے نزدیک یہ بیع جائز ہے کہ عرف و عادت میں رائج ہے اسی طرح جانور کے تھنوں میں دودھ کی بیع جائز نہیں کہ غرر ہے اور دوہنے کی کیفیت میں نزاع پیدا ہو سکتا ہے۔ حدیث میں ممانعت کی صراحت ہے۔

دور حاضر میں غرر کی صورتیں:

۱۔ شارٹ سیل (Short sale)۔

۲۔ شیئرز (Shares)۔

۳۔ قرضوں اور دیون کی بیع کہ ابھی تک چیز قبضے میں نہیں ہوتی اس کو آگے فروخت کر دیا جاتا ہے یہ بیوع غرر کی وجہ سے جائز نہیں کہ مبیع کا معاملہ غیر یقینی اور مشکوک ہے جب قبضہ مل جائے تو جائز ہے عرف میں جس عمل کو قبضہ کہا جاتا ہو وہی معتبر ہوگا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے ''قَبْضُ كُلِّ شَيْءٍ بِحَسْبِهٖ''۔

۴۔ لاٹری کہ قرعہ اندازی میں نام نکلے یا نہیں۔

۵۔ معمہ حل کرنے پر انعام کا مسئلہ کہ انعام ملے گا یا نہیں۔

۶۔ ریس کورس کہ گھوڑا جیتے گا یا ہارے گا۔

۷۔ جوا کہ جیتے گا یا ہارے گا۔

۸۔ کسی چیز کے حصول پر سٹہ ان سب میں غرر ہے۔ لہٰذا شرعاً حرام ہیں ان کی رقم بھی حرام ہے البتہ انعامی بانڈز جائز ہیں۔ (ماحصل نعمۃ الباری ۷۱۱/۴، شرح صحیح مسلم ۱۱۱/۴، تبیان القرآن ۷۱۳/۵)

ضرر کی وجہ سے ممانعت کی صورتیں:

قولہ: ولا یجوز الخ: شریعت نے عاقدین کو نقصان سے بھی بچایا ہے کہ ارشاد نبی ﷺ ہے جو ایک فقہی قاعدہ ہے ''لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ'' کہ نہ ابتداً نقصان پہنچایا جائے اور نہ ردعمل میں۔ مثلاً اگر کپڑے سے ایک گز کاٹ کر دینے سے سوٹ میں

کی واقع ہوتی ہے کہ استعمال میں نہیں آسکتا تو بیع کی ممانعت ہے اگر یہ صورت نہ ہو تو جائز ہے اسی طرح مکان میں لگی ہوئی لکڑی کی کڑی (جذع) کی بیع بھی منع ہے کہ اس کو نکالنے سے بائع کے مکان میں نقصان ہوسکتا ہے لیکن اگر نقصان کی صورت نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح ایک بار جال لگانے (ضربة القانص) کی بیع منع ہے کہ اگر جال میں مچھلیاں نہ آئیں تو خریدار کو ضرر ہے۔ اگر آ بھی جائیں تو جہالت ہے۔

بیع مزابنہ کی ممانعت:

قوله: ولا بيع المزابنة الخ: بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض اندازے سے اتاری ہوئی کھجوروں کی بیع "مزابنہ" کہلاتی ہے۔ مثلاً درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کا اندازہ لگایا کہ ایک من ہوں گی پھر ایک ہی من ان کے بدلے میں اتاری ہوئی دے دی جائیں تو یہ بیع منع ہے کہ ہم جنس کی بیع اندازے سے جائز نہیں کہ اس میں سود ہوسکتا ہے۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک پانچ وسق سے زائد میں ناجائز اور کم میں دو قول ہیں۔ لیکن ہبہ (عرایا) میں لگی ہوئی کھجوروں کے عوض اتاری ہوئی کھجوروں کو دینا جائز ہے کہ ظاہراً تو بیع ہے مگر حقیقۃً بیع نہیں۔ اگر یہی کیفیت غلے کی ہو تو اسے "محاقله" کہا جاتا ہے یہ بھی منع ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ الْبَيْعُ بِإِلْقَاءِ الْحَجَرِ، وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى اَنْ يُّعْتِقَهُ الْمُشْتَرِيْ، اَوْ يُدَبِّرَهُ، اَوْ يُكَاتِبَهُ، اَوْ اَمَةً عَلَى اَنْ يَّسْتَوْلِدَهَا الْمُشْتَرِيْ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَكَذٰلِكَ لَوْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى اَنْ يَّسْتَخْدِمَهُ الْبَائِعُ شَهْرًا، اَوْ دَارًا عَلَى اَنْ يَّسْكُنَهَا شَهْرًا، اَوْ عَلَى اَنْ يُّقْرِضَهُ الْمُشْتَرِيْ دَرَاهِمَ، اَوْ عَلَى اَنْ يُّهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةً وَمَنْ بَاعَ عَيْنًا عَلَى اَنْ لَا يُسَلِّمَهَا اِلَى شَهْرٍ، اَوْ اِلَى رَأْسِ الشَّهْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَّمَنْ بَاعَ جَارِيَةً اِلَّا حَمْلَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ وَمَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا عَلَى اَنْ يَّقْطَعَهُ الْبَائِعُ وَيَخِيْطَهُ قَمِيْصًا، اَوْ قَبَاءً، اَوْ نَعْلًا عَلَى اَنْ يَّحْذُوَهَا، اَوْ يُشَرِّكَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ

"اور پتھر پھینکنے اور چھونے کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے اور دو تھانوں میں سے ایک تھان کی بیع جائز نہیں اور جس شخص نے غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار اس کو آزاد کرے گا یا اس کو مدبر بنائے گا یا مکاتب بنائے گا یا لونڈی اس شرط پر فروخت کی کہ خریدار اس کو ام ولد بنائے گا تو بیع فاسد ہے۔ اسی طرح اگر غلام اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس سے ایک ماہ تک خدمت لے گا یا مکان اس شرط پر فروخت کیا کہ بائع اس مکان میں ایک معلوم مدت تک رہے گا یا اس شرط پر خریدار بائع کو ایک درہم قرض دے گا یا اس شرط پر کہ وہ اسے ہدیہ میں دے گا اور جس نے کوئی چیز فروخت کی اس شرط پر کہ وہ اسے ایک ماہ کے آخر سپرد کریگا تو بیع فاسد ہے اور جس نے لونڈی یا جانور فروخت کیا سوائے اس کے حمل کے تو بیع فاسد ہے اور کسی شخص نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ بائع اسے کاٹ کر قمیص یا اچکن بنا کر دے گا یا جوتا خریدا اس شرط پر کہ وہ اسے برابر کر کے دے گا یا اس میں تسمے ڈال کر دے گا تو بیع فاسد ہے۔

زمانہ جاہلیت کی رائج بیوع کی ممانعت:

قولہ: ولا یجوز البیع الخ: یہاں سے امام قدوری ان بیوع کا ذکر کر رہے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں۔

۱۔القاء حجر۔ ۲۔ملامسہ۔ ۳۔منابذہ۔

القاء حجر کی صورت یہ تھی کہ مثلاً مختلف قسم کے کپڑے ہیں بائع خریدار کو کہتا تھا تم کنکری پھینکو جس کپڑے پر لگ جائے وہ 200 سو میں تیرا ہے۔اگر 1000 والے پر لگ جائے تب بھی 200 سو دینا ہوتا تھا اس میں اختیار نہیں ہوتا تھا۔

ملامسہ کی صورت یہ تھی کہ کپڑے کا ریٹ طے ہو رہا ہے کہ اسی دوران مشتری نے کپڑے کو ہاتھ لگا لیا تب بھی بیع پکی ہو جاتی تھی۔اختیار حاصل نہ تھا۔

منابذہ کی صورت یہ تھی کہ کپڑے میں ریٹ طے ہو رہا تھا کہ اسی دوران بائع نے کپڑا مشتری کی طرف پھینک دیا تو بیع پکی ہو جاتی تھی۔حضور نبی کریم ﷺ نے اس طرح کی بیوع سے ممانعت فرمائی کہ جن میں ایک فریق کو نقصان اٹھانا پڑے کہ جس کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوں۔

دو کپڑوں میں سے ایک کی بیع:

قولہ: ولا یجوز الخ: یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب دونوں کی کوالٹی مختلف ہو اور ایک ہی ریٹ پر خریدا جا رہا ہو۔یا بائع خود اختیار دے دے تو استحساناً جائز ہے۔

شروط فاسدہ کی وجہ سے فاسد بیع کی صورتیں:

قولہ: ومن باع عبدا الخ: یہاں سے امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ بیع کی ان صورتوں کو بیان کر رہے ہیں کہ جن میں فساد کا سبب ایسی شرط کا ہونا ہے جو تقاضاء عقد کے خلاف ہو۔(جس سے بائع کو یا مشتری کو یا مبیع کو فائدہ ہو یا جھگڑے تک پہنچاتی ہو یا تاجروں کے ہاں معروف نہ ہو) مثلاً کسی نے کہا کہ میں غلام تب فروخت کروں گا کہ تم اسے آزاد کرو گے، مدبر یا مکاتب بناؤ گے یوں ہی لونڈی اس شرط پر فروخت کی کہ تم اسے ام ولد بناؤ گے اس طرح مبیع میں تاخیر کی شرط لگائی مثلاً ایک مہینے کے بعد حوالگی (Delivery) ہوگی وغیرہ سبھی مسائل کی نوعیت ایک جیسی ہے متن میں مسائل واضح ہیں۔شرطِ فاسد سے عقود کے باطل ہونے یا نہ ہونے پر فقہی قاعدہ یہ ہے "جو عقد مبادلہ مال بالمال ہو وہ شرطِ فاسد سے فاسد ہو جاتا ہے جب کہ اس کے برعکس فاسد نہیں ہوتا" دوسرا فقہی قاعدہ یہ ہے "جو تصرف تملیکات و تقییدات میں سے ہو اس کو معلق بالشرط کرنا باطل ہے جو ان سے نہ ہو تو معلق بالشرط کرنا صحیح ہے"

مبیع سے استثنا کا حکم:

قولہ: ومن باع جاریۃ الخ: مبیع سے استثنا ہر اس چیز کا جائز ہے کہ جس کا تنہا عقد کرنا صحیح ہو ورنہ استثناء جائز نہیں۔مثلاً کسی نے کوئی لونڈی یا گائے فروخت کی ساتھ یہ شرط لگائی کہ اس کا حمل نہیں بیچا چونکہ حمل کی تنہا بیع درست نہیں۔لہٰذا اس کا

استثنا بھی جائز نہیں لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔

سلائی کی شرط پر کپڑا خریدنا:

قولہ: ومن اشتری ثوبا الخ: اس مسئلے کی صورت بھی شروط فاسد والے مسائل کی سی ہے کہ تاجروں کے نزدیک اس شرط کا رواج نہیں بیع فاسد ہے لیکن اگر شرط کے بغیر کپڑے کی دوکان پر سلائی بھی ہوتی ہے تو ممانعت نہیں۔

جوتا جوتے کے برابر کرنے اور تسمیہ ڈالنے کی شرط:

قولہ اونعلا الخ: گزشتہ زمانے میں عرف وعادت یہ تھی کہ جوتا خریدنے کے بعد خریدار پر جوتوں کی درستگی ہوتی تھی یوں ہی تسمہ بھی خریدار کے ذمہ ہوتا تھا مگر دور حاضر میں ترقی نے گزشتہ زمانے کے عرف کو یکسر بدل دیا ہے کہ دونوں جوتے سائز ونمبر میں برابر ہوتے ہیں اور تسمے ساتھ ہوتے ہیں۔

مفتیٰ بہ قول:

لہٰذا تعامل ناس کی وجہ سے شرط کے باوجود بیع درست ہے۔(استحسانا للتعامل درمختار، مجمع الانہر، فتاویٰ ہندیہ، قاضی خان)

وَالْبَيْعُ إِلَى النَّيْرُوزِ، وَالْمِهْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارٰى وَفِطْرِ الْيَهُودِ إِذَا لَمْ يَعْرِفِ الْمُتَبَايِعَانِ ذٰلِكَ فَاسِدٌ وَلَا يَجُوزُ الْبَيْعُ إِلَى الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَالْقِطَافِ وَقُدُومِ الْحَاجِّ فَإِنْ تَرَاضَيَا بِإِسْقَاطِ الْأَجَلِ قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ النَّاسُ فِي الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ، وَالْقِطَافِ وَقُدُومِ الْحَاجِّ جَازَ وَإِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِي الْمَبِيعَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِإِذْنِ الْبَائِعِ ـ وَفِي الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا هُوَ مَالٌ ـ مَلَكَ الْمَبِيعَ وَلَزِمَتْهُ قِيمَتُهُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فَسْخُهُ وَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِي نَفَذَ بَيْعُهُ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ، أَوْ بَيْنَ شَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيهِمَا جَمِيعًا وَإِنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ، أَوْ بَيْنَ عَبْدِهِ وَعَبْدِ غَيْرِهِ صَحَّ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ

"اور بیع کرنا نوروز، مہرجان، عیسائی کے روزے اور یہودیوں کی عید تک جب متعاقدین ان کو نہ جانتے ہوں بیع فاسد ہے اور کھیتی کاٹنے، اسے گاہنے، پھل اتارنے اور حاجیوں کے آنے تک بیع کرنا جائز نہیں پس اگر دونوں مدت کو ساقط کرنے کے ساتھ راضی ہو جائیں۔ اس سے قبل کہ لوگ کٹائی اور گہائی کریں اور حاجیوں کے آنے سے قبل تو بیع جائز ہے۔ اور جب مشتری نے بیع فاسد میں مبیع پر بائع کے حکم سے قبضہ کرلیا اور جب کہ عقد میں دو عوض ہیں ان میں سے ہر ایک مال ہے تو مشتری مبیع کا مالک ہوگا اور مشتری پر اس کی قیمت واجب ہوگی اور بائع و مشتری میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا حق ہوگا پس اگر مشتری نے مبیع کو فروخت کر دیا تو اس کا فروخت کر دینا نافذ ہوگا اور جس شخص نے آزاد اور غلام کو جمع کر کے فروخت کیا یا ذبح کی ہوئی بکری اور مردار بکری کو ملا کر فروخت کیا تو دونوں باطل ہیں اور جس شخص نے غلام اور مدبر کو یا اپنے غلام کے ساتھ دوسرے کے غلام کو فروخت کیا تو غلام کی بیع اس کے حصے کے ثمن کے عوض جائز ہے۔"

مجہول مدت کی وجہ سے فساد بیع:

قولہ: والبیع الی النیروز الخ: بیع کرتے وقت ثمن کی مدت کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے لیکن اگر ثمن کی مقرر کی گئی مدت مجہول ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

مدت مجہول کی پہلی صورت:

کہ وہ مدت فی نفسہ معلوم و متعین ہو لیکن لوگوں کے ہاں مشہور و معروف نہ ہو مثلاً نوروز (موسم بہار کا پہلا دن) خود تو معلوم و متعین ہے مگر مسلمانوں کے ہاں معروف نہیں یوں ہی مہرجان (موسم خزاں کا پہلا دن) خود تو معلوم و متعین ہے مگر مسلمانوں کے ہاں معروف نہیں۔ لہٰذا مدت کے مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی لیکن اگر جس علاقے میں یہ دن مشہور ہوں تو بیع جائز ہوگی۔

مدت مجہول کی دوسری صورت:

کہ وہ مدت فی نفسہ متعین نہ ہو مثلاً گندم کی کٹائی یا گہائی یا حاجیوں کے آنے تک ثمن کی مدت طے کی جائے تو بیع فاسد ہوگی کیوں کہ ان کے اوقات میں تقدم و تاخر ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر بتائی گئی مدت سے قبل عاقدین ثمن کی ادائیگی پر راضی ہو جائیں تو بیع جائز ہوگی جب کہ امام زفر اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع فاسد ہے۔

بیع فاسد کا حکم:

قولہ: واذا قبض الخ: بیع فاسد کی تعریف تو پیچھے گزر چکی ہے کہ جو ذات (رکنیت اور محل بیع) کے اعتبار سے جائز ہو مگر وصف کے اعتبار سے ناجائز ہو البتہ یہاں سے امام قدوری بیع فاسد کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ "اگر مشتری بائع کی اجازت اور اس کی رضامندی سے مبیع پر قبضہ کرتے تو وہ مالک بن جاتا ہے اور اس کی قیمت واجب ہوتی ہے۔" کیونکہ انعقاد بیع کی تمام شرطیں پائی جا رہی ہیں البتہ شرط زائد یا وصف مجہول کی وجہ سے فساد ہے۔ جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مبیع کا مالک نہ ہوگا۔ لہٰذا احناف کے نزدیک جب مشتری مالک بن گیا تو مبیع کو آگے فروخت کر سکتا ہے تو بیع فاسد کی تمام تفریعات حسن لعینہٖ اور قبیح لغیرہٖ ہیں۔ کہ جن میں نہی کا موجب (حکم) حرمت اور بیع کا موجب (حکم) ملک جمع ہو سکتے ہیں۔ مگر بائع و مشتری پر واجب ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دیں کیونکہ ایسی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ طرفین کے نزدیک بیع کو فسخ کرتے وقت فریق ثانی کی موجودگی ضروری ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک موجودگی ضروری نہیں۔

حلال و حرام کو ملا کر بیع کرنا:

قولہ: ومن جمع بین الخ: اگر کسی شخص نے دو ایسی چیزوں کو ملا کر فروخت کیا کہ ان میں سے ایک کی بیع جائز ہے اور دوسری کی ناجائز پھر دیکھیں گے کہ جس کی بیع ناجائز ہے وہ مال ہے یا نہیں اگر مال ہی نہیں تو دونوں کی بیع باطل ہوگی یہ مذہب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے یہی مفتی بہ قول ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر دونوں کی الگ الگ قیمت بتا دی گئی تو جس میں بیع جائز ہے اس کی جائز ہوگی دوسری کی باطل مثلاً ایک سودے میں ایک آزاد اور ایک غلام کو جمع کیا گیا یا ایک مذبوحہ بکری اور ایک مردار

بکری کو جمع کیا گیا تو امام اعظم کے نزدیک بیع باطل جب کہ صاحبین کے نزدیک غلام اور مذبوحہ بکری میں جائز ہوگی بشرطیکہ الگ قیمت بیان کی ہو۔ اگر دوسری چیز مال تو ہو مگر امر عارض کی وجہ سے بیع ناجائز ہے لہٰذا جس کی بیع جائز ہے اس کی بیع اس کے حصے کے مطابق جائز ہوگی دوسرے کی باطل مثلاً ایک سودے میں ایک غلام اور ایک مدبر کو جمع کیا گیا مدبر اگرچہ مال ہے مگر اس کی بیع جائز نہیں کہ اس پر ملکیت تامہ حاصل نہیں۔ لہٰذا دونوں کی قیمت دس ہزار طے ہوئی تو پانچ ہزار کے عوض غلام کی بیع جائز ہوگی اس طرح اپنے غلام اور دوسرے کے غلام کو جمع کرنے کی صورت میں اپنے غلام کی بیع اس کے حصے کے مطابق جائز دوسرے کی باطل یہ صورت آئمہ ثلاثہ احناف کی متفق علیہ ہے مگر امام زفر کے نزدیک دونوں صورتیں فاسد ہیں۔

وَنَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجْشِ وَعَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ وَعَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ وَبَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِي وَعَنِ الْبَيْعِ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ وَكُلُّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ وَلَا يَفْسُدُ بِهِ الْبَيْعُ وَمَنْ مَلَكَ مَمْلُوْكَيْنِ صَغِيْرَيْنِ اَحَدُهُمَا ذُوْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْاٰخَرِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا وَكَذٰلِكَ لَوْ كَانَ اَحَدُهُمَا كَبِيْرًا، وَالْاٰخَرُ صَغِيْرًا فَاِنْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَجَازَ الْبَيْعُ فَاِنْ كَانَا كَبِيْرَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا

''اور حضور نبی کریم ﷺ نے دام بڑھانے سے منع فرمایا اور دوسرے کے دام پر دام لگانے سے اور تلقی جلب سے اور دیہاتی کا مال شہری کے فروخت کرنے سے اور اذان جمعہ کے وقت فروخت کرنے سے یہ سب بیوع مکروہ ہیں اور کراہت کی وجہ سے بیع فاسد نہ ہوگی اور جو شخص ایسے دو نابالغوں غلاموں کا مالک بنا کہ ان میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہو تو ان میں تفریق نہ کرے اور اسی طرح ان میں سے اگر ایک بالغ ہو اور دوسرا نابالغ ہو تو ان دونوں میں تفریق کردی تو یہ مکروہ ہے اور بیع جائز ہے اور اگر دونوں بڑے ہوں تو ان دونوں میں تفریق کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔''

مکروہ بیع کی چند صورتیں:

قولہ: ونهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ:

ا۔نجش: سے مراد یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری کے درمیان مبیع کا ثمن طے ہو رہا ہو کہ اتنے میں تیسرا آدمی آیا جو چیز لینے کا ارادہ تو نہیں رکھتا لیکن اس نے چیز کا ریٹ زیادہ بتا کر لینے کا اظہار کیا تا کہ اصل خریدار اس کو مہنگے داموں میں خریدے اس ممانعت کی علت مہنگائی سے روکنا ہے۔

نیلام کی بیع کا شرعی حکم:

اگر لینے کے ارادے سے بولی پر بولی لگائے تو جائز ہے۔ لہٰذا جو زیادہ بولی لگائے گا اس کے حق میں بیع منعقد ہو جائے گی اس بیع کو فقہ کی اصطلاح میں ''مزایدہ'' کہا جاتا ہے کہ اس میں قیمت کی زیادتی کی دوڑ ہوتی ہے یہ بیع جائز ہے۔ لیکن اگر نیلام کرنے والے اپنے کچھ آدمی جھوٹی بولی کے لیے مقرر کردیں تو بالاتفاق یہ بیع حرام ہے۔

۲۔عن السوم على سوم غيره: سے مراد یہ ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان خرید و فروخت یا کرایہ داری یا

مزدوری کا معاملہ طے ہو رہا ہو کہ باہمی رضامندی بھی ہو گئی تو اس حالت میں تیسرے آدمی کا مداخلت کرنا کہ اس سے زیادہ ریٹ لگا کر خریدنے کا ارادہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے دونوں گاہکوں کے درمیان عداوت جنم لیتی ہے اور پہلے گاہک کو چیز مل رہی تھی اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے تجارت میں "تنافس" (باہمی حسد) سے منع کیا ہے جو اخلاق کی حد سے نکل جائے۔

Tender کا شرعی حکم:

خریدار کی جانب سے اس بات کی طلب ہوتی ہے کہ جو فلاں کوالٹی کی چیز کم ریٹ میں دے گا اس سے خریدی جائے گی۔ لہٰذا ہمیں ٹینڈر دیں کہ جس طرح آج کل حکومت کی طرف سے ہسپتالوں، سکولوں وغیرہ کے سامان کی خریداری کے لیے ٹینڈر اخبار میں دیے جاتے ہیں کہ ٹینڈر میں کم قیمت کی دوڑ ہوتی ہے جو کم ریٹ پر دے گا اس کے حق میں بیع ہو جاتی ہے اس کو فقہ کی زبان میں "مناقصہ" کہا جاتا ہے یہ بیع نیلام کی طرح جائز ہے۔

۳۔ تلقی الجلب سے مراد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے مال تجارت کو شہر پہنچنے سے پہلے خرید لینا اس کی احادیث میں ممانعت ہے اس کی وجہ یہ ہے تاکہ بعض تاجر اپنی اجارہ داری قائم نہ کر سکیں اور لوگوں سے من مانے ریٹ وصول نہ کر سکیں کیونکہ اگر مال بازار میں کھلے عام فروخت ہو گا تو چھوٹے بڑے سب تاجر اسے خریدیں گے اور کمپیٹیشن کے نتیجے میں کوئی بھی تاجر من مانے طریقے پر قیمت نہیں بڑھا سکے گا۔ تلقی الجلب کی صورت میں یا تو باہر سے لانے والوں کو نقصان ہو گا کہ لینے والا بازار کے ریٹ سے کم پر وصول کرے گا یا شہریوں کو من مانے ریٹ لگائے گا یہ بیع مکروہ تحریمی ہو گی۔ اگر شہر کا ریٹ بھی بتا دیا اور اس سے کم ریٹ پر لیا اور بازاری ریٹ سے زیادہ بھی فروخت نہیں کرتا یا فروخت تو زیادہ ریٹ پر کرتا ہے مگر اس کی بازار میں فراوانی ہے تو بلا کراہت جائز ہے کہ ممانعت کی علت "غرر" اور "ضرر" ہے وہ وجہ مذکورہ صورت میں نہیں پائی جاتی۔

۴۔ بیع الحاضر للبادی سے مراد یہ ہے کہ دیہاتی آدمی مال فروخت کرنے کے لیے شہر آیا تو ایک شہری تاجر نے اسے کہا کہ تم کاروبار کو نہیں جانتے لوگ تمہیں سادہ سمجھ کر لوٹ لیں گے اس لیے مجھے فروخت کر دو میں آپ کو مناسب قیمت دوں گا تو یہ شہری آڑھتی، دیہاتی سے سستی چیز لے کر شہریوں پر مہنگے داموں فروخت کرے گا حالانکہ اگر خود دیہاتی بازار میں فروخت کرتا تو سستا فروخت کرتا لوگوں کو فائدہ ہوتا۔ "للبادی" کا ایک مفہوم یہ بھی بنتا ہے کہ کلمہ "لام" مِنْ کے معنی میں ہو کہ شہری تاجر دیہاتی کو سادہ سمجھ کر اسے مہنگے داموں میں فروخت کرتا ہے۔ تو اس سے احادیث میں ممانعت ہے۔

بیع حاضر للبادی اور اسمگلنگ میں مماثلت:

حکومتی اجازت کے بغیر دورِ حاضر میں دوسرے ملک کی اشیاء درآمد کرنا سخت جرم ہے کہ جس طرح بیع حاضر للبادی کی وجہ سے گرانی بڑھتی ہے کہ شہریوں کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ غیر ملکی مصنوعات کو غیر قانونی درآمد کی وجہ سے ملکی صنعت و حرفت کمزور پڑ جاتی ہے۔ یونہی حکومتِ وقت سے چھپ کر فروخت کرنا "بلیک مارکیٹ" اور "دو نمبر دھندا" درست نہیں۔

آڑھت کا کاروبار:

اگر آڑھت کا کاروبار شہریوں کے لیے ضرر اور مہنگائی کا باعث ہو تو نا جائز ہے ورنہ جائز ہے۔ کمیشن ایجنٹ پر بحث اجارہ میں آئے گی۔

جمعہ کے دن اذان اول کے بعد بیع:

قولہ: والبیع عند الخ: صاحب ہدایہ اور شمس الآئمہ سرخسی کے نزدیک اذان اول جو زوال کے بعد دی جاتی ہے اس کے بعد ہر ایسی بیع مکروہ ہے جو جمعہ کی طرف جانے سے مانع ہو اسی کو اکثر فقہا نے ترجیح دی ہے۔ اس سے قبل متن میں چار بیوع کا ذکر ہوا ہے وہ مکروہ تو ہیں مگر فاسد نہیں اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی ''بیع المحتاج'' بھی مکروہ ہے کہ کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ارزاں قیمت پر چیز لے لینا۔

دو ذی رحم محرم کی بیع:

قولہ: ومن ملك الخ: اگر کوئی شخص ایسے دو ذی رحم محرم کا مالک ہوا کہ دونوں بالغ ہیں یا ایک بالغ اور دوسرا نابالغ تو ان میں تفریق کرنا مکروہ ہے مگر بیع جائز ہے۔ البتہ تفریق کی وجہ سے گنہگار ہوگا اگر دونوں بالغ ہیں تو دونوں میں تفریق جائز ہے کیونکہ حضرت ماریہ اور سیرین دونوں بہنیں بالغہ تھیں ان کے درمیان تفریق احادیث سے ثابت ہے۔

بیع العربان (بیعانہ کی رقم) کا شرعی حکم:

خرید و فروخت کے معاملہ میں سند و وثیقہ کے طور پر کچھ ایڈوانس رقم دینا شرعاً جائز ہے جس کو عربی میں ''عربون یا عربان'' اور اردو میں بیعانہ کہا جاتا ہے لیکن یہ شرط لگانا کہ اگر خریدار نے نہ خریدی تو بیعانہ ضبط کر لیا جائے گا اس شرط کے ناجائز ہونے پر اکثر فقہائے کرام متفق ہیں کہ معاملہ طے نہ ہونے پر بیعانہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے لیکن اگر اس خریدار کی وجہ سے کمپنی وغیرہ نے جو مال تیار کیا ہے اگر مالک کو دوسرے کے ہاتھ پر فروخت کرنے پر نقصان آئے بقدر نقصان بعض فقہاء کے نزدیک بیعانہ سے رقم منہا کر سکتا ہے۔ اگر نقصان نہ ہوتا ہو تو رقم کو واپس کرنا ضروری ہے۔

باب الاقالۃ (Reversal of sale)

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے بیع فاسد کے احکام بیان کیے اس کے بعد اقالہ کو اس مناسبت سے بیان کیا کہ دونوں میں فسخ عقد کے ذریعے مبیع بائع کے پاس واپس لوٹتی ہے۔

اقالہ کی لغوی تحقیق:

اقالہ کے مادہ اشتقاق میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اقالہ قول اجوف واوی سے مشتق ہے اور ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہے مگر اس قول کو اکثر محققین نے رد کیا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اقالہ قیل اجوف واوی سے ہے جس کا معنی توڑنا ہے اس کے صحیح ہونے پر بھی کا اتفاق ہے۔ لہٰذا اقالہ کا معنی بیع کا توڑنا، اقالہ بیع اور اجارہ دونوں میں مستعمل ہے۔

اَلْإِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِي الْبَيْعِ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ فَإِنْ شَرَطَ أَكْثَرَ مِنْهُ، أَوْ أَقَلَّ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَّهِيَ فَسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَيْعٌ جَدِيْدٌ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيْفَةَ وَهَلَاكُ الثَّمَنِ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقَالَةِ وَهَلَاكُ الْمَبِيْعِ يَمْنَعُ مِنْهَا وَإِنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِيْعِ جَازَتِ الْإِقَالَةُ فِي بَاقِيْهِ.

"اقالہ بیع میں بائع اور مشتری کے لیے ثمن اول کے ساتھ جائز ہے۔ پس اگر ثمن اول سے زیادہ یا کم کی شرط لگائی تو شرط باطل ہے اور مبیع ثمن اول کے مثل کے ساتھ واپس کی جائے گی اور عاقدین کے حق میں فسخ ہے اور ان دونوں کے غیر کے حق میں جدید بیع ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو نہیں روکتا اور مبیع کا ہلاک ہونا اقالہ کے صحیح ہونے کو روکتا ہے اور اگر مبیع کا کچھ حصہ ہلاک ہو گیا تو اس کے باقی حصہ میں اقالہ جائز ہے۔"

اقالہ کا حکم:

قولہ: الاقالتہ الخ: اقالہ کا حکم یہ ہے کہ عاقدین کی باہمی رضامندی سے اقالہ کا جواز نص سے ثابت ہے اگر عقد کے بعد ایک فریق پشیمان ہو کر بیع فسخ کرنے کی درخواست کرے تو درخواست کو قبول کرنا مستحب اور اچھا عمل ہے تاہم لازم نہیں بائع و مشتری میں سے ہر ایک کو اقالہ کا حق حاصل ہے کہ جو ثمن پہلے طے ہوا تھا اس کی مثل کے ساتھ اقالہ جائز ہے یہ ضروری نہیں کہ پہلا ہی ثمن ادا کیا جائے مثلاً پہلے 500 سو بائع کو دیا تھا اب ضروری نہیں کہ وہی نوٹ واپس کیا جائے بلکہ اس کی مثل دوسرا 500 سو والا نوٹ دیا جا سکتا ہے۔

اقالہ میں کمی وبیشی کی شرط:

قولہ: فان شرط الخ: اگر بائع نے چیز واپس لینے کے لیے یہ شرط لگائی کہ تم مجھے پہلے سے کم قیمت پر واپس کرو تو لے

لوں گا۔ مثلاً فروخت تو 1000 ہزار کی کی تھی مگر واپس 900 سو کی لیتا ہے اور 100 کی کٹوتی کر لیتا ہے تو جائز نہیں کہ مجبور سے فائدہ اٹھانا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ لیکن اگر بائع اقالہ نہیں کرنا چاہتا تو نئی قیمت کے ساتھ خرید لے لیکن ثواب سے محروم ہوگا۔ اسی طرح اگر مشتری نے چیز واپس کرنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ تم مجھے پہلی قیمت سے زیادہ دو تو واپس کر دوں گا مثلاً 1000 ہزار پر خریدی اب بائع کو 1100 سو پر واپس کرتا ہے تو حکم یہ ہے کی وبیشی کی شرط باطل ہوگی اور ثمن اول کی مثل کے ساتھ اقالہ ہوگا۔ یہاں بھی پہلی صورت ہے۔

اقالہ کی شرعی حیثیت:

قولہ: وهي فسخ الخ: اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعاقدین کے حق میں اقالہ فسخ بیع ہے اس لیے ثمن اول کے ساتھ اقالہ ہوگا جب کہ تیسرے فرد کے حق میں نئی بیع ہے اس لیے زمین کے اقالہ میں پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام کے حق میں نئی بیع ہے یہی مذہب امام مالک اور امام شافعی کا قدیم قول ہے جب کہ امام محمد کے نزدیک تمام میں فسخ بیع ہے۔ یہی مذہب امام زفر اور امام شافعی کا جدید قول ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین :

فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ عاقدین کے حق میں اقالہ فسخ بیع اور تیسرے فریق کے حق میں نئی بیع ہے۔ (الصحیح قول الامام، رد المحتار، دیگر معون علی قول الامام)

ثمرہ اختلاف:

کسی نے پلاٹ فروخت کیا شفیع نے شفعہ نہ کیا پھر اقالہ ہو گیا تو اب وہی شفیع شفعہ کر سکتا ہے کیونکہ اقالہ اس شفیع کے حق میں بیع جدید ہے۔

صحت اقالہ کی شرط:

قولہ: وهلاك الثمن الخ: اقالہ کے صحیح ہونے کے لیے مبیع کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ اقالہ کا محل مبیع ہے۔ لہٰذا ثمن کا موجود ہونا ضروری نہیں اگر کل مبیع ہلاک ہو جائے تو اقالہ ختم ہو جائے گا اور اگر کچھ مبیع ہلاک ہو جائے تو جتنا حصہ باقی ہے اتنے کا اقالہ ہوگا باقی ہلاک شدہ حصے کا اقالہ ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً ایک من لوبیا کی دال مبیع تھی کہ اس میں سے 20 کلو ضائع ہو گئی تو اس کا اقالہ ساقط ہوگا باقی 20 کلو موجودہ کا اقالہ ہوگا۔

باب المرابحة والتولية

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے ان بیوع کو بیان کیا کہ جن میں مبیع ملحوظ ہوتی ہے جب کہ اب ان بیوع کو ذکر کر رہے ہیں کہ جن میں ثمن ملحوظ ہوتا ہے۔لہٰذا ثمن کے لحاظ سے بیع کی چار اقسام ہیں۔

۱۔مرابحہ۔

۲۔تولیہ ان کی وضاحت متن میں آ رہی ہے۔

۳۔مساومہ کہ پہلی قیمت پر نظر رکھے بغیر جس قیمت پر عاقدین متفق ہو جائیں یہ قسم زیادہ رائج ہے۔

۴۔وضعیہ کہ ثمن اول کی کمی کے ساتھ یہ کم ہی رائج ہے۔

اَلْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ وَالتَّوْلِيَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةِ رِبْحٍ وَلَا تَصِحُّ الْمُرَابَحَةُ وَلَا التَّوْلِيَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْعِوَضُ مِمَّا لَهُ مِثْلٌ كَالْمَكِيْلِ، وَالْمَوْزُوْنِ

"مرابحہ نقل کرنا ہے اس کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر کچھ زیادہ نفع کے ساتھ اور تولیہ وہ نقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا وہ مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر نفع زیادہ کیے بغیر اور مرابحہ اور تولیہ صحیح نہ ہوگا یہاں تک کہ عوض ان اشیاء میں سے ہو جن کا مثل ہو جیسے مکیلی اور موزونی چیزیں۔"

بیع مرابحہ کی تعریف:

قولہ: المرابحۃ الخ: مرابحہ کا لغوی معنیٰ نفع حاصل کرنا۔امام قدوری مرابحہ کی اصطلاحی تعریف نقل کرتے ہیں کہ "بیع مرابحہ وہ بیع ہے جو ثمن اول پر کچھ زیادتی (نفع) کے ساتھ ہو" کہ فروخت کرنے والا یہ کہے کہ مجھے اتنی کی پڑی ہے اتنا نفع لے کر فروخت کر رہا ہوں آج کل بعض صرف نام کے اسلامی بینکوں میں مرابحہ کو "تمویل" کا نام دیتے ہیں لیکن کام عموماً سودی ہوتا ہے۔مثلاً کوئی چیز 1000 ہزار کی خریدی ہے۔اور 100 کی زیادتی کے ساتھ 1100 سو کی فروخت کی یہ بیع مرابحہ ہے۔

شریعت کی نگاہ میں منافع کا حکم:

شریعت نے منافع کا تعین نہیں فرمایا کہ اتنا لینا جائز ہے اتنا نا جائز ہے تاہم شریعت صریح ظلم کی اجازت نہیں دیتی جسے عرف عام میں "جیب کاٹنا" کہا جاتا ہے لہٰذا منصفانہ منافع متعین کرنا تاجر کی ذمہ داری ہے ورنہ حکومت جبراً منافع کا معیار مقرر کرے۔مناسب منافع یہ ہے کہ جس کو بیان کرنے سے بائع جھجک محسوس نہ کرے اگر چیز کو اسی نفع پر بائع کو فروخت کی جائے تو بغیر توقف کے خرید لے۔تو یہ مناسب منافع کہلائے گا۔

تولیہ کی تعریف:

تولیہ کا لغوی معنیٰ کارساز بنانا اور تولیہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ " جو ثمن اول کے ساتھ ہو اس پر زیادتی (نفع) نہ ہو" مثلاً چیز 1000 ہزار کی خریدی تھی اور 1000 ہزار کی فروخت کر دی یہ بیع تولیہ کہلاتی ہے۔

ان کے جواز کی شرط:

قوله: ولا تصح الخ: مرابحہ اور تولیہ کے درست ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ثمن مثلی (درہم و دینار، مکیلی یا موزنی اور عددی متقارب) ہو تاکہ مرابحہ اور تولیہ میں خیانت اور شبہ خیانت سے بچا جا سکے اگر ثمن قیمتی ہو تو خیانت سے تو بچنا ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے بچنا ممکن نہیں چونکہ شی کی قیمت مجہول ہے۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يُّضِيفَ إِلٰى رَأْسِ الْمَالِ أُجْرَةَ الْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَالطَّرَّازِ ، وَالْفَتَّالِ وَأُجْرَةَ حَمْلِ الطَّعَامِ وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَا يَقُوْلُ اشْتَرَيْتُه بِكَذَا وَإِذَا اطَّلَعَ الْمُشْتَرِيْ عَلٰى خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَإِنِ اطَّلَعَ عَلٰى خِيَانَةٍ فِي التَّوْلِيَةِ أَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ يَحُطُّ فِيْهِمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يَحُطُّ فِيْهِمَا وَلَهُ الْخِيَارُ. وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ

"اور اصل مال کے ساتھ دھوبی و رنگ کرنے والے، کشیدہ کار، رسی بٹنے اور غلہ اٹھانے والے کی اجرت ملانا جائز ہے اور بائع کہے مجھے چیز اتنے میں پڑی ہے اور نہ کہے میں نے اتنے میں خریدی ہے پھر مشتری بیع مرابحہ میں کسی خیانت پر مطلع ہو تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن کے عوض خرید لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے اور اگر مشتری بیع تولیہ میں خیانت پر مطلع ہو تو خیانت کی مقدار کو اصل ثمن سے ساقط کر دے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں میں خیانت کی مقدار ثمن کم کر دے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں سے کم نہ کریں لیکن مشتری کو دونوں مقداروں میں اختیار ہے اور جس شخص نے ایسی چیز خریدی جو منتقل ہو سکتی ہے اور اس جگہ سے منتقل کی جا سکتی ہے تو مشتری کے لیے اس کا فروخت کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس پر قبضہ کرے اور قبضہ سے پہلے غیر منقول جائیداد کی فروختگی شیخین کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جائز نہیں۔

قوله: ويجوز ان يضيف الخ:

مبیع میں مزید اخراجات کا حکم:

قاعدہ یہ ہے کہ " جن چیزوں سے ذات مبیع یا اس کی قیمت میں اضافہ ہو اس کو اصل ثمن کے ساتھ ملانا جائز ہے۔" لہٰذا متن میں مذکور چیزوں کی اجرت اصل رقم کے ساتھ شامل ہو گی۔ اسی طرح سیل ٹیکس، ضلع ٹیکس اور محصول چونگی وغیرہ کی رقوم بھی اصل

قیمت کے ساتھ شامل ہوں گی۔

مرابحہ اور تولیہ میں خیانت ظاہر ہونے پر حکم:

قولہ: فان اطلع الخ: بائع کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ چیز میں نے اتنے کی خریدی ہے اور کہے کہ میں قیمت خرید تمہیں نہیں بتا سکتا اگر لینا چاہتے ہو تو یہ قیمت ہے اب خریدار کو اختیار ہے لے یا نہ لے لیکن اگر عقد مرابحہ کے طور پر کوئی چیز فروخت کی مثلاً اصول الشاشی کی شرح منظور الحواشی کو فروخت کرتے ہوئے بائع نے کہا کہ میں نے 400 سو کی خریدی ہے میں تمہیں 450 کی دوں گا یا عقد تولیہ میں کہا کہ میں نے 400 سو کی خریدی ہے اور 400 سو ہی میں دیتا ہوں اور مشتری کو کتاب خریدنے کے بعد معلوم ہوا کہ ''منظور الحواشی'' کو 350 میں خریدا تھا اس نے مجھ سے خیانت کی ہے تو اس صورت میں امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشتری کو مرابحہ میں اختیار ہے چاہے پوری رقم دے کر خرید لے چاہے بیع ترک کردے اور تولیہ میں بقدر خیانت 50 روپے کم کر دے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اختیار نہیں البتہ بقدر خیانت 50 روپے کم کردے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں عقدوں میں اختیار ہے چاہے پوری رقم دے کر کتاب لے لے یا ترک کردے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ اس قول کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ بائع لفظ مرابحہ کے مفہوم میں سچا ہے کہ اس نے اصل قیمت سے زائد رقم وصول کی جو نفع ہے مگر نفع کی مقدار کی تعیین میں جھوٹا ہے اس لیے مشتری کو اختیار ہے اور تولیہ میں لفظ تولیہ فیصل ہے کہ اصل رقم دے اور زائد کو ساقط کردے۔ (دیکھ معون علی قول الامام، هوالارجح عند الحنفیه "الفقه السلامی" تقديم قول الامام فی الملتقی الابحر)

اشیاء منقولہ میں قبضے سے پہلے بیع:

قولہ: ومن اشتری شیا الخ: قبضے سے پہلے بیع کی ممانعت پر احادیث شاہد ہیں اس کی وجہ مبیع کے ہلاک ہونے اور دھوکہ کا خدشہ ہے۔ اس پر بھی آئمہ کا اتفاق ہے۔

دور حاضر میں طریقہ تجارت:

دور حاضر میں خریدی ہوئی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنے کا عام رواج ہے کہ ایک تاجر دوسرے تاجر کو مال کا آرڈر دیتا ہے ابھی یہ مال اس کو وصول نہیں ہوتا کہ اس پر کئی سودے ہو چکے ہوتے ہیں کہ آرڈر دینے والا دوسرے کو نفع کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے کہ اس مال غائب پر کتنے ہی تاجر نفع اٹھاتے ہیں کہ 10 روپے میں ملنے والی چیز مارکیٹ میں 100 روپے تک پہنچ جاتی ہے قبضے سے پہلے نفع اٹھانا جائز نہیں فقہی قاعدہ ہے اَلْخِرَاجُ بِالضَّمَانِ اسی طرح اَلْغُنْمُ بِالْغُرْمِ کہ ''نفع اٹھانے کا حق اس صورت میں ہے کہ جب نقصان کا ذمہ بھی خود اٹھائے'' جب کہ مروجہ صورت میں نقصان کا ضمان (Risk) قبضہ سے پہلے فروخت کرنے والے پر نہیں ہوتا بلکہ خریدار پر ہوتا ہے۔ لہٰذا جب مال فروخت کرنے والے یا اس کے وکیل کے قبضہ میں آجائے وکیل سے مراد ٹرانسپورٹ کمپنی ہے کہ ٹرانسپورٹ کمپنی خریدار کی وکیل ہے ان کے پاس آنے پر بیچنے کی گنجائش ہے ورنہ ناجائز۔ قبضہ

سے مراد صرف یہ نہیں کہ بائع مبیع کو مشتری پاس منتقل کر دے بلکہ فقہائے کرام نے قبضہ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ "بائع مبیع اور مشتری کے درمیان حائل نہ ہو کہ مشتری جب چاہے اٹھالے اس کو "تخلیہ" کہا جاتا ہے۔

غیر منقول چیز کی بیع قبل القبض:

قوله: ويجوز بيع العقار الخ: جو چیز غیر منقول ہو مثلاً زمین، مکان، درخت وغیرہ ان کی بیع ان پر قبضہ کرنے سے پہلے بھی جائز ہے۔ یہ مذہب شیخین کا ہے جب کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حدیث کے عموم کی وجہ سے غیر منقول چیز بھی ممانعت میں داخل ہے۔ لہٰذا قبضہ سے قبل فروخت کرنا ناجائز ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے کہ مشائخ احناف نے الفاظ حدیث کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے کہ اموال غیر منقولہ میں ہلاکت کا اندیشہ اس درجہ کا نہیں ہوتا جو اموال منقولہ میں ہوتا ہے۔ (عليه الفعوى فتاوى هنديه، تقديم قولهما في الملتقى الابحر، وكرمعون على قولهما)

البتہ اگر غیر منقولی چیز بھی ایسے مقام پر ہو جس کے ضائع ہونے کے آثار موجود ہوں تو قبضہ کے بعد فروخت کرنا لازم ہوگا۔ بالخصوص دور حاضر میں زمین کی کاغذی کارروائی، نمبر تک، پلاٹنگ وغیرہ کو نقشہ کے ذریعے متعین کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا دور حاضر کا سروے قائم مقام قبضہ کے ہے۔ قبضہ سے پہلے چیز کو فروخت کرنے کے متعلق مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب میں وسعت ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں تنگی ہے جب کہ احناف کا مذہب دونوں کے درمیان میں ہے۔

وَمَنْ اشْتَرٰى مَكِيْلًا مُكَايَلَةً اَوْ مَوْزُوْنًا مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهٗ اَوْ اتَّزَنَهٗ ثُمَّ بَاعَهٗ مُكَايَلَةً اَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِيْ مِنْهُ اَنْ يَّبِيْعَهٗ وَلَا يَتَصَرَّفَ فِيْهِ وَلَا يَاْكُلَهٗ حَتّٰى يُعِيْدَ الْكَيْلَ اَوِ الْوَزْنَ فِيْهِ ثَانِيًا وَالتَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ وَيَجُوْزُ لِلْمُشْتَرِيْ اَنْ يَّزِيْدَ الْبَائِعَ فِي الثَّمَنِ وَيَجُوْزُ لِلْبَائِعِ اَنْ يَّزِيْدَ لِلْمُشْتَرِيْ فِي الْمَبِيْعِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ وَيَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيْعِ ذٰلِكَ وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍّ، ثُمَّ اَجَّلَهٗ اَجَلًا مَعْلُوْمًا صَارَ مُؤَجَّلًا وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍّ اِذَا اَجَّلَهٗ صَاحِبُهٗ صَارَ مُؤَجَّلًا اِلَّا الْقَرْضَ فَاِنَّ تَاْجِيْلَهٗ لَا يَصِحُّ

"اور جس شخص نے کیلی چیز کو کیل کر کے یا وزنی چیز کو وزن کر کے خریدا پھر اس کا کیل کیا یا وزن کیا پھر اس کو کیل کر کے اور وزن کر کے فروخت کیا تو مشتری کے لیے جائز نہیں کہ اس میں سے کسی کو بیچے اور اس سے کھائے یہاں تک کہ کیل اور وزن کر لے اور ثمن میں تصرف قبضے سے پہلے جائز ہے اور مشتری کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کے لیے ثمن میں زیادتی کرے اور بائع کے لیے بھی جائز ہے کہ مشتری کے لیے بیع میں زیادتی کرے اور جائز ہے کہ ثمن میں سے کم کر دے اور استحقاق ان سب کے ساتھ متعلق ہوگا اور جس شخص نے کوئی چیز نقد ثمن کے عوض فروخت کی پھر بائع نے ایک معیاد مقرر کی جو معلوم ہے تو یہ ثمن ادھار ہو جائے گا اور ہر دین معجّل اگر دین والا اس کی معیاد مقرر کر دے تو وہ دین موجل ہو جائے گا مگر قرض نہیں

کیونکہ اس کی تاجیل درست نہیں۔"

بیع کے بعد مکیلی وموزونی چیز میں جواز تصرف کی شرط:

قوله: ومن اشترى الخ: اگر کوئی چیز مکیلی یا موزونی میں سے ہو اور اس کی بیع کیل یا وزن کر کے کی گئی پھر مشتری اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے کیل یا وزن کر لے کہ اگر زیادہ ہے تو بائع کو واپس کر دے اگر کم ہے تو اور لے لے پھر اس کو استعمال میں لائے یا فروخت کرے۔ لیکن جو چیزیں کمپنی کی طرف سے سیل پیک ہوتی ہیں ان میں یہ حکم نہیں بلکہ جو اوپن مکیلی وموزونی ہو اور مشتری کے کیل یا وزن کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ اگر کوئی چیز اندازہ سے بیچی جائے تو دوبارہ کیل کی حاجت نہیں۔

قبضے سے پہلے ثمن میں تصرف:

قوله: والتصرف الخ: ثمن میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف جائز ہے کیونکہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا کہ جو 500 سو کا نوٹ دکھایا تھا اس کا متبادل بھی دے سکتا ہے۔

مبیع یا ثمن میں کمی بیشی:

قوله: ويجوز المشتری الخ: بائع کا مبیع میں اور مشتری کا ثمن میں کمی وبیشی کرنا جائز ہے۔ لہٰذا کمی یا زیادتی کرنے کے بعد جو کل مبیع یا کل ثمن ہوگا عقد کا اسی کے ساتھ تعلق ہوگا۔ لہٰذا موجودہ مبیع اور موجودہ ثمن پر مرابحہ وتولیہ اسی طرح شفعہ کا دعویٰ بھی دائر ہوگا یہی مبیع اور ثمن اصل ٹھہرائے گا۔ جب کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک کمی وبیشی سے پہلے ہونے والا عقد اصل ہے۔

دین حال کی تاجیل:

قوله: ومن باع الخ: اگر کسی نے اس طرح بیع کی کہ ابھی قیمت دے گا مگر بعد میں اس قیمت کی ادائیگی کا وقت مقرر کر دیا تو دین مؤخر ہو جائے گا اور وقت پر قیمت کی ادائیگی کرنی ہوگی بشرطیکہ تاریخ معلوم ہو ورنہ جھگڑا پیدا ہوگا۔

دَین اور قرض کے مطالبہ میں فرق:

ہر وہ دین کہ جس کی ادائیگی فوری ہو اس کو موجل کرنے سے دین موجل ہو جاتا ہے جبکہ قرض تو شروع سے تبرع واحسان ہے لہٰذا اس کی تاجیل درست نہیں قرض دینے والا جب چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔ قانونی طور پر پہلے بھی لے سکتا ہے البتہ وعدہ پر لے تو بہتر ہے۔

دَین اور قرض میں فرق:

دین ہر وہ مال ہے جو کسی شخص پر کسی چیز کے عوض کے طور پر واجب ہو مثلاً تاوان، قیمت، کرایہ، مہر اور قرض وغیرہ جب قرض وہ مال ہے جو دوسرے کو نفع حاصل کرنے کے لیے دیا جائے۔ مثلاً رقم وغیرہ۔

باب الربوٰ (Intrest)

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے ان بیوع کو بیان کیا کہ جن کا شریعت نے حکم دیا (وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ) جب کہ اب ان بیوع کو بیان کر رہے ہیں کہ جن سے شریعت نے منع کیا۔ (یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْا الرِّبٰوا) مرابحہ کے بعد ربوٰ کو بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں میں زیادتی کا معنی ہے مگر مرابحہ میں زیادتی حلال ہے جب کہ ربوٰ میں حرام ہے چونکہ اشیاء میں اصل حلت ہے اس لیے حلت کو پہلے اور حرمت کو بعد میں بیان کیا۔

ربوٰ کا لغوی معنی:

مطلقاً زیادتی کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

"ھُوَ فَضْلُ مَالٍ بِلَا عِوَضٍ شُرِطَ لِاَحَدِ الْمُتَعَاقِدَیْنِ فِیْ مُعَاوَضَۃِ مَالٍ بِمَالٍ" ربوٰ مال کی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو معاوضہ مالی میں بلا عوض ہو اور وہ زیادتی عاقدین کی درمیان مشروط بھی ہو۔ تعریف کا حاصل یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کا دوسرے پر شرعی معیار (کیل ووزن) کے مطابق زیادہ ہونا ربوٰ ہے۔

ربا کی اقسام:

ربا کی دو قسمیں ہیں ایک قسم ربوٰ النسیہ ہے جس کو ربوٰ القرآن بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی حرمت کا ذکر قرآن میں ہے کہ رقم قرض دے کر واپسی پر کچھ اضافے کی شرط رکھنا۔ مثلاً بینک میں فکس ڈیپازٹس (Fixd Deposites) اور سیونگ اکاونٹ (Saving Account) اور اس کو "ربا الجاھلیہ" بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ربا کی یہی صورت رائج تھی ربا النسیہ کے متعلق فقہی قاعدہ ہے۔

"کُلُّ قَرْضٍ شُرِطَ فِیْهِ اَنْ یَزِیْدَہٗ فَھُوَ حَرَامٌ بِلَا خِلَافٍ." (المغنی)

نوٹ پر بحث بیع الصرف میں اور بینک کے معاملات پر بحث مضاربت، شراکت وغیرہ کے تحت آئے گی۔

دوسری قسم ربوٰ الفضل ہے جس کو ربوٰ الحدیث بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی حرمت کا ذکر حدیث سے ثابت ہے مثلاً گندم کے بدلے میں گندم لینا اضافے کے ساتھ اس کو "ربا الاسلام" بھی کہا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ صورت رائج نہ تھی بلکہ اسلام نے اسے منع کیا۔ امام قدوری باب الربوٰ میں اسی قسم کو زیر بحث لائے ہیں۔

ربوٰ کی حرمت:

ربوٰ کی حرمت قرآن مجید، احادیث اور اجماع تینوں سے ثابت ہے۔ لٰہذا ربوٰ کی حرمت کا منکر کافر ہے۔ سود ایک معاشرتی

لعنت وعفریت ہے کہ جس کی اقتصادی تباہ کاریوں نے ملک وقوم کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

ربٰو اور سود میں فرق:

ربٰو عربی کا لفظ ہے جب کہ سود فارسی کا لفظ ہے عام طور پر لفظ سود کو ربا کا مترادف سمجھا جاتا ہے حالانکہ فقہا نے ربٰو کو جس مفہوم میں لیا ہے اس میں وسعت ہے کہ اس میں مروّجہ سود کی صورت اور دیگر خرید وفروخت کی صورتیں کہ جن میں کمی وبیشی کرنا ربٰو ہے جب کہ عرف عام میں سود کا اطلاق فقط قرض پر زائد رقم لینے پر ہوتا ہے۔

الرِّبَا مُحَرَّمٌ فِیْ کُلِّ مَکِیْلٍ وَّمَوْزُوْنٍ اِذَا بِیْعَ بِجِنْسِهٖ مُتَفَاضِلًا فَالْعِلَّةُ فِیْهِ الْکَیْلُ مَعَ الْجِنْسِ ، اَوْ الْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ وَاِذَا بِیْعَ الْمَکِیْلُ ، اَوْ الْمَوْزُوْنُ بِجِنْسِهٖ مِثْلًا بِمِثْلٍ جَازَ الْبَیْعُ ، وَاِنْ تَفَاضَلَا لَمْ یَجُزْ وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ الْجَیِّدِ بِالرَّدِیْءِ مِمَّا فِیْهِ الرِّبَا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَاِذَا عُدِمَ الْوَصْفَانِ الْجِنْسُ ، وَالْمَعْنَی الْمَضْمُوْمُ اِلَیْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ وَاِذَا وُجِدَا حَرُمَ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ وَاِذَا وُجِدَ اَحَدُهُمَا وَعُدِمَ الْاٰخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَحَرُمَ النَّسَاء

"اور ربا ہر اس چیز میں حرام کیا گیا جو کیلی یا وزنی ہو جب اس کو اس کے ہم جنس زیادتی کے ساتھ بیچا جائے تو ربا میں علت کیل مع جنس یا وزن مع جنس ہے پس جب کیلی چیز کو اس کے ہم جنس اور وزنی چیز کو اس کے ہم جنس کے عوض برابر فروخت کیا جائے تو بیع جائز ہے اور اگر دونوں میں زیادتی کی تو جائز نہیں۔ اور اموال ربویہ میں عمدہ کو ردی کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے مگر برابر برابر اور اگر دونوں وصف باقی نہ رہیں یعنی جو ایک دوسرے کے ساتھ ملائے گئے تو زیادتی اور ادھار دونوں جائز ہیں۔ اور اگر دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو دوسرا موجود نہ ہو تو زیادتی جائز ہے اور ادھار حرام ہے۔"

نفس مسئلہ سے قبل مُمِدّ ومُعاون امور:

قولہ: الربٰو الخ: امام قدوری یہاں سے ربٰو کی قسم "ربوالفضل" کی تفصیل کا آغاز کر رہے ہیں کہ اس سے قبل کچھ اہم امور پیش خدمت ہیں۔

ربوالفضل کی تعریف:

"اس زیادتی بلاعوض کو کہا جاتا ہے جو عقد معاوضہ مالی میں مشروط طور پر ایک ہی جنس کی دو چیزوں کی دست بدست لین دین میں ہو۔"

تعریف کے فوائد وقیود:

اس تعریف سے معلوم ہو کہ "عقد معاوضہ" ہو اگر عقد معاوضہ (بیع) نہیں تو کمی وبیشی جائز ہے مثلاً گندم قرض لی پھر واپسی پر زیادہ دے دی تو جائز ہے۔ "زیادتی بلاعوض" سے معلوم ہوا کہ اگر زیادتی عوض کے بدلے میں ہے تو جائز ہے۔ مثلاً 10 کلو گندم دے کر عوض میں 8 کلو گندم اور ایک کلو جو کہ جس کی قیمت دو کلو گندم کے برابر ہے اگر دو کلو گندم کی قیمت سے کم ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ نیز "مشروط" سے معلوم ہوا کہ شرط کے بغیر اضافہ ہو تو جائز ہے کہ طے ہوا کہ برابری کا پھر بخوشی زیادہ دے دیا تو جائز ہے۔ "ایک جنس" سے معلوم ہوا کہ اگر خلاف جنس ہو تو جائز ہے بشرطیکہ دونوں دستی دستی ہوں ورنہ ربو النسیہ لازم آئے گا۔

ربوٰ الفضل کی حرمت:

جب ربوٰ کی حرمت پر قرآنی آیات اتریں تو ان کی تفسیر حضور نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی۔ ان میں ربوٰ النسیہ کا حکم تو واضح تھا لیکن ربوٰ الفضل کا حکم حدیث ربوٰ سے صرف چھ چیزوں (سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک) کے بارے میں واضح تھا لیکن باقی اشیاء کے متعلق مبہم تھا تو اس لیے سیدنا فاروق اعظم سے اسی ربوٰ الفضل کے متعلق یہ بیان منقول ہے کہ حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے مگر ربوٰ کا مسئلہ واضح نہ ہوسکا آپ ﷺ کے اس فرمان کا تعلق تو مروجہ سودی نظام ربوٰ النسیہ (بینک کے سود) سے نہیں اس میں (ربوٰ النسیہ) کی حرمت تو واضح تھی۔

ربوالفضل میں علت حرمت کی تحقیق:

قولہ: محرم فی کل مکیل الخ: ائمہ اربعہ نے اشیاء ستہ والی احادیث کو سامنے رکھ کر اس امر کی کوشش فرمائی ہے کہ سود کے لیے کوئی اصول وضع کیا جائے تا کہ چھ اشیاء کے علاوہ کا بھی حکم ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا آئمہ کرام نے ان چیزوں میں قدر مشترک تلاش کر کے اس کو علت ربوٰ قرار دیا کہ جہاں جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں حکم ربوٰ کا ہوگا۔

احناف کے نزدیک علت ربوٰ:

احناف کے نزدیک ربوالفضل میں ربوٰ کی علت "قدر مع جنس" ہے اور قدر کا معنی ناپ اور وزن ہے اور جنس سے مراد دونوں چیزیں ایک ذات ہوں مثلاً گندم کے بدلے گندم لہٰذا جب کسی کیلی چیز کی بیع کیلی کے عوض کی جائے مثلاً گندم کی بیع گندم کے عوض کی جائے یا کسی وزنی چیز کی بیع وزنی چیز کے عوض کی جائے مثلاً سونے کی بیع سونے کے عوض تو قدر مع الجنس دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے تفاضل (زیادتی) اور نسیہ (ادھار) دونوں حرام ہیں کیونکہ احادیث ربوٰ میں "يَدًا بِيَدٍ" ہاتھوں ہاتھ اور "مِثْلاً بِمِثْلٍ" (بکسر المیم) برابر برابر کی قید ہے اموال ربویہ میں دونوں چیزیں جنس میں متحد ہونے کی صورت میں ان کے عمدہ اور گھٹیا ہونے کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْجَوْدَةُ فِي اَمْوَالِ الرِّبَوِيَّةِ هَدْرٌ" ۔ (الاشباہ والنظائر)

مثلاً باسمتی چاول عمدہ ہیں جب کہ ایری چاول کم درجے کا ہے۔ لہٰذا جنس چاول کی وجہ سے پانچ (5) کلو باسمتی چاول لینا دس (10) کلو ایری چاول کے عوض سود ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ دس (10) کلو ایری چاول بیچ کر پیسوں کے عوض پانچ (5) کلو باسمتی لیے جائیں۔ لہٰذا اصول یہ ہے کہ "اموال ربویہ میں وصف کا اعتبار نہیں جنس کا اعتبار ہے۔"

مقدار ربوٰ:

احناف کے نزدیک قلیل مقدار میں ربوٰ کا جاری ہونا کثیر مقدار میں ربوٰ جاری ہونے کی علت ہے اور قلیل مقدار شریعت کی نگاہ میں نصف صاع ہے۔ لہٰذا احناف کے نزدیک سونے اور چاندی کے علاوہ میں نصف صاع سے کم میں کمی وبیشی جائز ہوگی۔ سونے اور چاندی کے لیے شرعی پیمانہ کم سے کم بھی ہیں کہ خردل (7.59 ملی گرام) اور چاول (15.18 ملی گرام) کی مقدار ہے۔

صدقہ فطر اور سود میں نصف صاع کی مقدار میں فرق:

نصف صاع کی کلو کے لحاظ سے مقدار دور حاضر کے محققین نے ڈیڑھ کلو سے سوا دو کلو تک بیان کی ہے صدقہ فطر ایک صدقہ

ہے اس لیے احتیاطاً زیادہ مقدار (سوا دو کلو) میں ہے جب کہ سود اور شبہ سود حرام ہے تو سود کے مسئلے میں کمی (ڈیڑھ کلو) میں احتیاط ہے لہٰذا ڈیڑھ کلو سے کم میں سود نہیں ہوگا۔

حلت وحرمت کے قاعدہ کلیہ کا انحصار:

امام قدوری نے اس سے قبل جو حلت وحرمت کا قاعدہ کلیہ (قدر مع الجنس) بیان کیا تھا اب اس کو چار صورتوں میں بیان کررہے ہیں۔

۱۔قدر مع الجنس کے معدوم ہونے کی صورت میں حکم:

قولہ: اذا عدم الخ: جب دونوں چیزیں نہ قدری (مکیلی وموزونی) ہوں اور نہ ہی ہم جنس ہوں تو اس صورت میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور ادھار بھی جائز ہے جیسے غلام کی بیع بکری کے عوض کیلوں کی مالٹوں کے عوض کہ ان میں سے نہ کوئی مکیلی ہے اور نہ ہی موزونی بلکہ عددی ہیں۔ لہٰذا گنتی سے بکنے والی اشیاء میں کمی بیشی جائز ہوگی۔

۲۔قدر مع الجنس کے پائے جانے کی صورت میں حکم:

قولہ: واذا وجد الخ: اس کا حکم پیچھے گزر چکا ہے کہ کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام لہٰذا تساوی اور تقابض واجب ہے۔

۳، ۴۔کسی ایک وصف کی موجودگی میں حکم:

قولہ: واذا وجد احد هما الخ: اگر قدر اور جنس میں سے کوئی ایک وصف پایا جائے تو کمی بیشی جائز مگر ادھار حرام ہے۔ چاول کے بدلے گندم قدر میں متحد مگر جنس میں مختلف، بکری کے بدلے بکری جنس ایک ہے مگر قدر نہیں۔

ادھار کے حرام ہونے کے متعلق اشکال:

قدر یا جنس کے بدلنے کے ساتھ ادھار حرام ہونا چاہیے مثلاً چاول کی بیع نوٹوں کے عوض ہو کہ چاول قدری ہے نوٹ قدری نہیں لہٰذا ایک وصف کے پائے جانے کی وجہ سے ادھار حرام ہونا چاہیے حالانکہ بالاتفاق ادھار کی بیع جائز ہے۔

اشکال کا حل اصول کے آئینہ میں:

ادھار بیع حرام تب ہوگی کہ جب دونوں چیزیں مثمن بن سکتی ہوں مثلاً گندم کے بدلے مکئی کہ دونوں مثمن ہونے میں متحد ہیں یا دونوں ثمن بن سکتی ہوں مثلاً سونے کے بدلے چاندی کے دونوں ثمن ہونے میں متحد ہیں لہٰذا ان دو صورتوں میں ادھار حرام ہوگا۔ اگر ان دو صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے مثلاً چاول نوٹوں کے بدلے میں ادھار خریدے جائیں تو یہ بیع جائز ہوگی کیونکہ نہ ہی دونوں مثمن بن سکتے ہیں اور نہ ہی دونوں ثمن بن سکتے ہیں کہ چاول کا مثمن ہونا واضح ہے اور نوٹوں کا ثمن ہونا واضح ہے۔ لہٰذا جہاں دونوں مثمن یا دونوں ثمن بن سکتے ہوں وہاں قدر یا جنس کے بدلے کے ساتھ ادھار حرام ہوگا اور جہاں یہ صورت نہ بنتی ہو (نوٹوں کے بدلے ادھار بیع) تو وہاں ادھار جائز ہے۔

امام مالک کے نزدیک علت ربوٰ:

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سونے اور چاندی (کرنسی) میں علت ربوٰ ثمنیت ہے جب کہ باقی چار میں خوراک کا

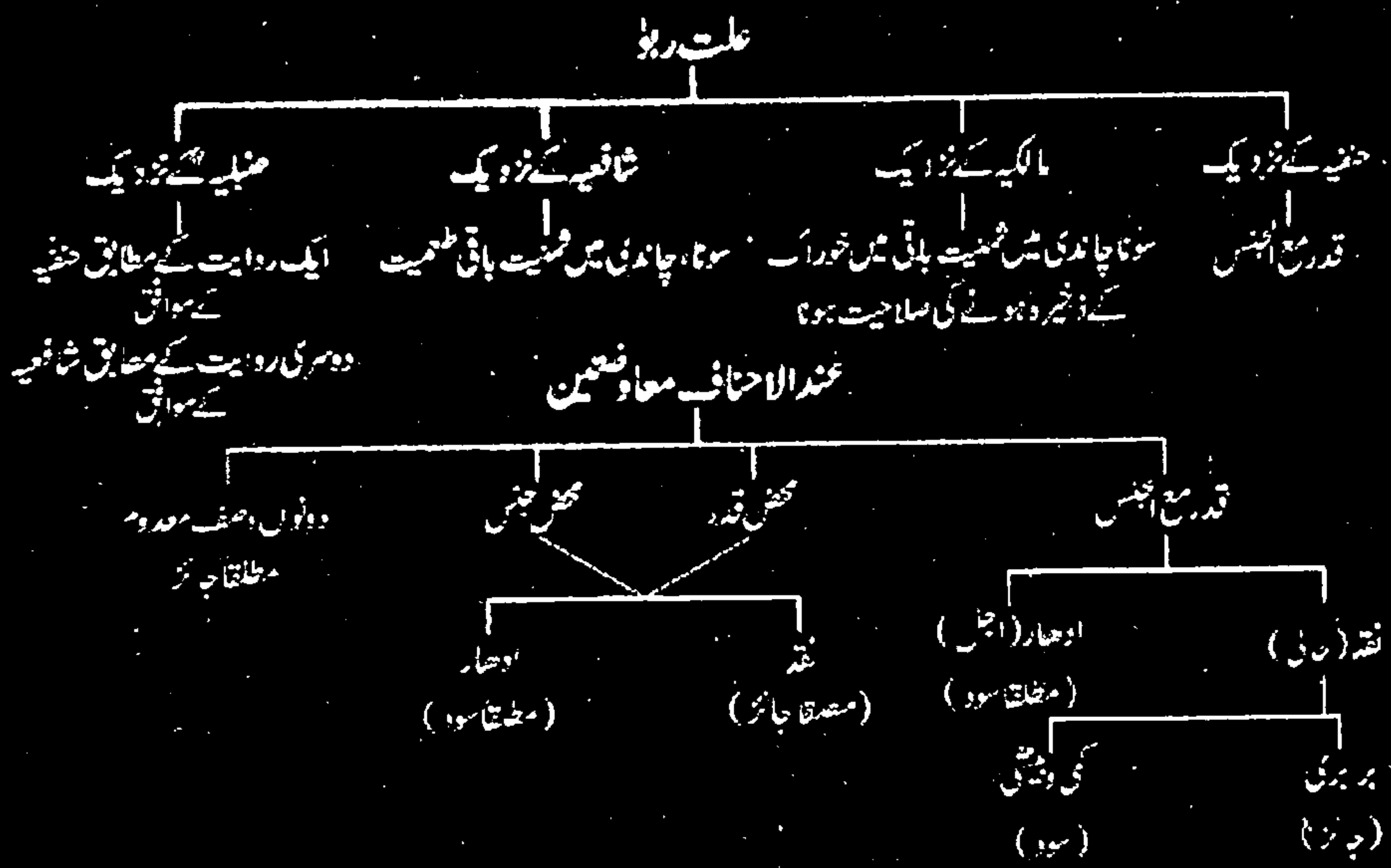
ذخیرہ کرنے کی صلاحیت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علت ربوٰ:

ان کے نزدیک بھی سونے اور چاندی (کرنسی) میں علت ربوٰ ثمنیت ہی ہے باقی چار میں طعمیت (کھانا) ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ربوٰ کا کثیر مقدار میں جاری ہونا قلیل مقدار میں جاری ہونے کی علت ہے۔ لہٰذا مٹھی کی بیع دو مٹھیوں کے عوض سود ہوگی۔

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علت ربوٰ:

امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہے اور ایک روایت احناف کے مطابق ہے۔



وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى تَحْرِيمِ التَّفَاضُلِ فِيهِ كَيْلًا فَهُوَ مَكِيلٌ أَبَدًا، وَإِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْكَيْلَ فِيهِ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ، وَالْمِلْحِ وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ عَلَى تَحْرِيمِهِ وَزْنًا فَهُوَ مَوْزُونٌ أَبَدًا، وَإِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيهِ مِثْلُ الذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ وَمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى عَادَاتِ النَّاسِ وَعَقْدُ الصَّرْفِ مَا وَقَعَ عَلَى جِنْسِ الْأَثْمَانِ يُعْتَبَرُ قَبْضُهُ وَقَبْضُ عِوَضِهِ فِي الْمَجْلِسِ وَمَا سِوَاهُ مِمَّا فِيهِ الرِّبَا يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّعْيِينُ وَلَا يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّقَابُضُ،

"ہر وہ چیز کہ جس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیل کے اعتبار سے حرام ہونے کی وضاحت فرمائی ہے وہ ہمیشہ کیلی ہی رہے گی اگر چہ لوگوں نے اس میں کیل کرنا چھوڑ دیا ہو جیسے گندم، جو، کھجور، اور نمک اور ہر وہ چیز کہ جس کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وزن کے اعتبار سے حرام ہونے کی وضاحت فرمائی وہ ہمیشہ وزنی رہے گی اگر چہ لوگوں نے اس میں وزن کرنے

کو چھوڑ دیا ہو جیسے سونا اور چاندی اور جس چیز کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت نہیں فرمائی وہ لوگوں کے عرف و عادت پر محمول ہوگی اور بیع صرف وہ بیع ہے جو ثمنوں (سونا، چاندی) کی اجناس پر واقع ہو اس عقد میں مجلس عقد میں بدلین پر قبضہ کا اعتبار ہے اور جو چیزیں ثمنوں کے علاوہ اموال ربویہ میں سے ہیں ان میں تعین کا اعتبار ہے اور ان میں قبضہ معتبر نہیں۔

اشیا کا کیلی اور وزنی ہونے کا معیار:

قوله: وكل شي الخ: ظاہر الروایت یہی ہے کہ جن چیزوں کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے۔ مثلاً: ۱۔ گندم، ۲۔ کھجور، ۳۔ جو، ۴ نمک یہ ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی اگر چہ لوگوں نے کیل کو ترک کر دیا ہو مثلاً پہلے گندم کیل کر کے فروخت ہوتی تھی مگر دور حاضر میں وزن کر کے فروخت ہوتی ہے۔ لہٰذا ظاہر روایت کے مطابق گندم کو گندم کے عوض برابر وزن کر کے فروخت کیا تو جائز نہیں اور جن چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وزنی فرمایا ہے۔ مثلاً ۱۔ سونا، ۲۔ چاندی وہ ہمیشہ وزنی ہی رہیں گی۔ اگر چہ لوگوں نے وزن کر کے فروخت کرنے کو ترک کر دیا ہو۔ یہ مذہب طرفین کا ہے۔ طرفین کے مذہب کو اہل اصول نے فقہی قاعدہ کے طور پر بیان کیا ہے۔ جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتبار عرف و عادت پر ہے۔

مفتی بہ قول:

در حاضر کے عرف و عادت کی وجہ سے فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ رضویہ میں ایک مقام پر اسی قول پر فتویٰ دیا ہے کہ لوگوں کے ہاں گندم وزن کر کے قرض لینا رائج ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۷/۴۷۲)

اور جن چیزوں کو نہ کیلی فرمایا ہے اور نہ ہی وزنی ان میں عرف و عادت کا اعتبار ہوگا کہ جس علاقے میں جو رواج ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا کہ ایک علاقے میں ایک چیز تول کر بکتی ہے وہی دوسرے علاقے میں ناپ کر بکتی ہے اور وہی تیسرے علاقے میں گنتی سے بکتی ہے لہٰذا جیسا عرف ویسا حکم ہوگا۔ مثلاً کیلا، مالٹا، اخروٹ، وغیرہ۔ لہٰذا نص کی عدم موجودگی میں عرف و عادت نص کے درجہ میں ہے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ ''الثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتِ بِالنَّصِّ''

عرف و عادت کی شرعی حیثیت:

احکامِ شرعیہ میں عرف و عادت ایک نہایت ہی اہم ماخذ ہے جو احکام اپنے زمانے کے عرف پر ہوں ان پر حکم بھی عرف ہی کے مطابق ہوگا۔ علامہ شامی نے ''رسائل ابن عابدین'' میں لکھا ہے کہ ''مفتی کے لیے زمانہ اور اہلِ زمانہ کی رعایت کے بغیر کتب ظاہر روایت پر جمود جائز نہیں۔''

عرف کے معتبر ہونے کی شرائط:

۱۔ عرف کلی طور پر یا اکثر طور پر غالب ہو۔

۲۔ معاملہ کے وقت عرف موجود ہو۔

۳۔ عرف کے خلاف متکلم کی صراحت نہ ہو۔

۴۔ عرف کو قبول کرنے کی وجہ سے نص بالکل معطل نہ ہو جائے۔

اموال ربویہ میں عقد مجلس میں قبضے کا حکم:

قولہ: و عقد الصرف الخ: ہر وہ اشیاء کہ جن کے درمیان ربا جاری ہوتا ہے کہ ان دونوں پر عقد مجلس میں قبضہ ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں احناف اور دیگر ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ احناف کے نزدیک اموال ربویہ میں تعیین شرط ہے قبضہ نہیں۔ پھر اموال ربویہ میں سے سونا اور چاندی کی تعیین صرف قبضہ ہی سے ہو سکتی ہے باقی میں اشارہ وغیرہ سے بھی تعیین ہو سکتی ہے دیگر ائمہ کے نزدیک مطلقاً قبضہ شرط ہے۔ مصنف نے اموال ربویہ کی دو قسمیں کر کے ہر ایک کا الگ الگ حکم بیان کیا اموال ربویہ کی پہلی قسم یہ ہے کہ اگر بیع صَرف ہو یعنی سونا اور چاندی کا آپس میں عقد کیا جائے تو ان پر عقد مجلس میں ہی قبضہ ضروری ہے ورنہ بیع صرف جائز نہ ہوگی۔ اس بیع کی تفصیل "بیع صرف" کے عنوان سے آ رہی ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جو بیع صرف میں سے نہ ہو مثلاً گندم، جو وغیرہ تو اس قسم کی بیع میں عقد مجلس میں قبضہ ضروری نہیں صرف عقد مجلس میں تعیین ضروری ہے اگر تعیین کر دی گئی اور قبضہ نہ بھی کیا تو تب بھی بیع جائز ہے۔ جب کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع الطعام بالطعام چاہے ہم جنس کی بیع ہو یا مختلف جنس کی بیع ہو تو عقد مجلس میں قبضہ ضروری ہے ورنہ بیع فاسد ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ بِالدَّقِيْقِ وَلَا بِالسَّوِيْقِ وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوْزُ اِلَّا عَلٰى وَجْهِ الْاِعْتِبَارِ وَيَجُوْزُ بَيْعُ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَكَذٰلِكَ الْعِنَبُ بِالزَّبِيْبِ

"اور گندم کو آٹے اور ستو کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح آٹے کو ستو کے عوض اور شیخین کے نزدیک گوشت کو زندہ جانور کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جائز نہیں یہاں تک کہ گوشت زیادہ ہو اس گوشت کے مقابلے میں جو حیوان میں ہے پس حیوان کا گوشت، گوشت کے ہم مثل ہو جائے گا اور زائد گوشت حیوان کے دیگر اجزا کے عوض ہوگا اور امام اعظم کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض برابر برابر فروخت کرنا جائز ہے اور اسی طرح انگور کی بیع کشمش کے عوض۔"

تین قسم کی بیع کا حکم:

۱۔ قولہ: ولا یجوز بیع الخ: گندم کی بیع گندم کے آٹے اور ستو کے عوض نہ ہی برابری میں جائز ہے اور نہ ہی کمی وبیشی میں جائز ہے۔ برابری تو اس لیے جائز نہیں کہ گندم کے کیل میں دانوں میں خلا رہتا ہے جب کہ آٹے اور ستو کے کیل میں خلاء نہیں ہوتا اور کمی وبیشی اس لیے ناجائز ہے کہ من وجہ جنس باقی ہے۔ اسی طرح امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آٹے کے عوض ستو کی بیع بھی جائز نہیں وجہ گزر چکی جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔

گوشت کی بیع جانور کے عوض میں:

۲۔ قولہ: ویجوز بیع الخ: گوشت کی بیع اسی جنس کے زندہ جانور کے عوض شیخین کے نزدیک مطلقاً جائز ہے جب کہ

امام محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک تب جائز ہے کہ جب گوشت اتنا زیادہ ہو جو زندہ جانور کے گوشت سے اتنا بڑھ جائے کہ جانور کے زائد اجزا کے عوض ہو جائے ورنہ نا جائز ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے کیونکہ گوشت کی بیع جانور کے عوض بیع الموزون (گوشت) بالعددی (جانور) ہے لیکن ادھار جائز نہیں۔ (الصحیح قولهما" الترجیح والتصحیح" دیگر معون علی قولهما)

اگر گوشت اور جانور کی جنس ایک نہ ہو مثلاً بکری اور گائے تو آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔

کھجور کی بیع چھوارے اور انگور کی بیع کشمش کے عوض:

۳۔ قولہ: ویجوز بیع الخ: اگر کھجور کی بیع چھوارے کے عوض کی جائے یا انگور کی بیع کشمش کے عوض کی جائے اگر برابر برابر نہ ہو تو بالاتفاق نا جائز ہے اگر برابر برابر ہو تو امام اعظم کے نزدیک جائز ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک نا جائز ہے۔ یہی مذہب آئمہ ثلاثہ کا بھی موقف ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے قول پر ہے کہ تازہ کھجور اور انگور (رطب، عنب) اور خشک (تمر، زبیب) ذات کے اعتبار سے ہم جنس ہیں۔ لہٰذا ان کی بیع "مِثْلًا بِمِثْلٍ" باہم جائز ہوگی۔ (الصحیح علی قول ابی حنیفة الترجیح والتصحیح" دیگر معون علی قول الامام)

وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حَتّٰى يَكُوْنَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ اَكْثَرَ مِمَّا فِي الزَّيْتُوْنِ وَالسِّمْسِمِ فَيَكُوْنُ الدُّهْنُ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِالثَّجِيْرِ وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللُّحْمَانِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلًا وَكَذٰلِكَ اَلْبَانُ الْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ وَخَلُّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْخُبْزِ بِالْحِنْطَةِ وَالدَّقِيْقِ مُتَفَاضِلًا وَلَا رِبَا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِهٖ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ، وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ

"اور زیتون کو روغن زیتون کے عوض اور تِل کو روغن تِل کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ زیتون اور تِل کا تیل اس تیل سے زیادہ ہو جائے جو زیتون اور تِل کے اندر ہے تا کہ تیل، تیل کے مقابلے میں ہو جائے اور زیادتی بھوسے کے مقابلے میں ہو جائے اور مختلف گوشتوں میں سے بعض کو بعض کے عوض کمی وبیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور اسی طرح ردی کھجور کے سرکہ کی انگور کے سرکہ کے عوض کمی وبیشی سے بیع کرنا جائز ہے اور روٹی کو گندم اور آٹے کے عوض کمی وبیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے اور آقا اور اس کے غلام کے درمیان اور دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربو نہیں۔

زیتون اور تِلوں کی تیل کے عوض بیع:

قولہ: ولا یجوز الخ: امام قدوری فرماتے ہیں کہ زیتون پھل کی بیع زیتون کے تیل کے عوض اور تِلوں کی بیع ان کے تیل

کے عوض تب جائز ہے کہ جب نکلا ہوا تیل اتنا زیادہ ہو کہ تیل تیل کے عوض ہو اور زائد تیل زیتون پھل اور تلوں کے دیگر اجزاء کا عوض ہوتا کہ یہ عقد ربٰو سے خالی ہو۔

اختلاف جنس کی صورت میں جواز بیع کی صورتیں:

قولہ: ویجوز بیع الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے اختلاف جنس کی صورت میں کمی وبیشی کے ساتھ بیع کے جواز کی چند صورتیں بیان کررہے ہیں۔

۱۔ مختلف جنس کے جانوروں کے گوشتوں کا آپس میں کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ مثلاً بکری کے ایک کلو گوشت کو گائے کے دو کلو کے عوض بیچنا جائز ہے۔

۲۔ مختلف جنس کے جانوروں کے دودھ کی بیع باہم کمی بیشی سے جائز ہے۔

۳۔ کھجور کے سرکہ کی بیع انگور کے سرکہ کے عوض کمی بیشی سے جائز ہے۔

۴۔ روٹی کی بیع گندم کے عوض کمی بیشی سے جائز ہے۔

۵۔ روٹی کی بیع آٹے کے عوض کمی وبیشی سے جائز ہے۔

اختلاف جنس کی پہچان:

جنس کے مختلف ہونے کو تین طرح سے پہچانا جاسکتا ہے۔

۱۔ ان کی ذات ہی مختلف ہو مثلاً بکری کا گوشت، گائے کا گوشت اگرچہ گوشت ہونے میں متحد ہیں مگر اصل کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

۲۔ ان کے اغراض ومقاصد مختلف ہوں مثلاً چربی اور دنبہ کی چکی۔

۳۔ دونوں صفت میں مختلف ہوں۔ کچا آئل اور پکا آئل۔

جنس کا ہم جنس کے عوض قرض:

جس طرح عام گھروں میں رواج ہے کہ آٹا، چینی وغیرہ ختم ہو جائے تو پڑوسی سے ایک معین برتن سے ناپ کر لے لیتے ہیں بعد میں اسی برتن کے مطابق ادا کردیتے ہیں تو یہ معاملہ جائز ہے کیونکہ یہ بیع نہیں بلکہ قرض ہے۔ ناجائز تو بیع میں ہے کہ جس میں ربٰو النسیہ کا حکم پایا جاتا ہے۔ قرض بطور احسان جب کہ سود بطور عقد بیع ہے۔ (قرض وہ مثلی مال ہے کہ جس کی مثل کا مطالبہ کیا جائے)

آقا اور غلام کے درمیان سودی معاملہ:

قولہ: ولا ربٰو الخ: آقا اور اس کے غلام کے درمیان اموال ربویہ میں بیع میں کمی بیشی ربٰو نہیں چونکہ غلام اور جو اس کی ملکیت میں ہے وہ سب آقا کی ہی ملکیت ہے غلام سے مراد وہ غلام ہے کہ جس کو آقا نے تجارت کی اجازت دی ہو (ماذون فی التجارۃ) اور اس پر لوگوں کا اتنا قرضہ بھی نہ ہو کہ جو اس کی ذات کو محیط ہو۔

مسلمان اور حربی کے درمیان سودی معاملہ:

قولہ: ولا بین المسلم الخ: نفس مسئلہ یہ ہے کہ جس مسلمان کو اہل حرب کی طرف سے امان حاصل ہو ان کے درمیان دارالحرب میں رہتے ہوئے طرفین کے نزدیک ربوٰ نہیں جب کہ امام ابو یوسف اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً ربوٰ حرام ہے چاہے دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں ہو۔

دنیا کی حکومتوں کی شرعی حیثیت اور سودی معاملہ:

آج دنیا کی حکومتیں تین حصوں میں تقسیم ہیں۔

۱۔دارالاسلام:

جہاں خالص مسلمانوں کی حکومت ہو مثلاً پاکستان، عرب امارات وغیرہ۔ ان ممالک میں سود کے لین دین میں بالاتفاق حرمت ہی ہے۔

۲۔دارالکفر:

وہ ممالک کہ جہاں پہلے مسلمانوں کی حکومت تھی بعد میں غیر مسلم حکومت ہو یا جہاں اسلام کی حکومت کبھی نہ رہی ہو مثلاً یورپ کے ممالک ان ممالک کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات وابستہ ہوں اور مسلمانوں کی جان و مال اور عزت محفوظ ہو اسلامی احکام پر عمل کرنے پر آزادی ہو۔ مثلاً برطانیہ، امریکہ اور ہندوستان وغیرہ اور ان جیسے ممالک پر حکماً فقہاء کرام نے دارالاسلام کا اطلاق بھی کیا ہے کہ اسلامی شعائر پر پابندی نہیں لیکن حقیقت میں یہ ممالک دارالکفر ہیں، نہ ہی دارالحرب اور نہ ہی دارالاسلام۔

سفارتی تعبیر:

سفارتی طور پر دارالکفر کو دارالامن اور دارالمعاہدہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اصطلاح تو دارالکفر کی ہی رہے گی۔ مگر دستوری معاہدہ اور قیام امن کی وجہ سے دارالکفر کی تعبیر دارالامن وغیرہ سے کی جاسکتی ہے یہ اکثر مشائخ ہند کا موقف ہے اور دارالکفر والے ممالک میں بھی سود کا لین دین ناجائز ہے اسی طرح کافروں کے مال کو فاسد طریقے سے لینا بھی ناجائز ہے۔

۳۔دارالحرب:

وہ ممالک جہاں کافروں کی حکومت ہو اور کفر کے احکام کا غلبہ ہو اور مسلمانوں کو شعائر اسلام کے اظہار پر پابندی ہو مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان و مال اور عزت محفوظ نہ ہو نہ ہی سفارتی تعلقات ہوں۔ جیسے اسرائیل اور کمیونسٹ ممالک، لہٰذا ان جیسے ممالک کے بارے میں فقہاء اسلام نے کافروں کا مال لینے کو مباح قرار دیا ہے نہ کہ مطلقاً کافر ملکوں کے متعلق حکم ہے۔ (ماخوذ از مجلس شرعی کے فیصلے اور متفرق تحقیقات سے)

باب السلم

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے بیوع کی اُن اقسام کو بیان کیا کہ جن میں عوضین یا احد العوضین پر قبضہ ضروری نہیں جب کہ اب ان اقسام کو بیان کر رہے ہیں کہ جن میں عوضین (بیع الصرف) یا احد العوضین (بیع السلم) میں قبضہ ضروری ہے چونکہ بیع سلم بمنزلہ مفرد کے ہے اور بیع صرف بمنزلہ مرکب کے ہے ظاہر ہے مفرد مرکب سے پہلے ہوتا ہے اس لیے بیع سلم کو پہلے اور بیع صرف کو بعد میں بیان کیا گیا۔

سَلَم کی لغوی تحقیق:

سلم اَسْلَمَ فعل کا "اسم مصدر" ہے اور اَسْلَمَ فعل کا مصدر اسلام ہے یوں ہی اس بیع کے لیے ایک اور لفظ سلف بھی استعمال ہوتا ہے سلف اَسْلَفَ فعل کا اسم مصدر ہے اور اسلف فعل کا مصدر اِسلاف ہے۔ اکثر اہل لغت نے ان دونوں کو مترادف قرار دیا ہے کہ اہل عرب جب رقم پیشگی دیتے تو یوں بولتے سلف لی کذا واسلم جب کہ بعض کے نزدیک سلم حجازی لغت ہے اور سلف عراقی لغت ہے۔

اصطلاحی تعریف:

"بَیْعُ الْآجِلِ بِالْعَاجِلِ" سلم وہ بیع ہے کہ جس میں رقم پہلے دی جاتی ہے اور مبیع بعد میں لی جاتی ہے۔

بیع مسلم کے اجزا کے نام:

خریدار کو "رَبُّ السلم، مُسْلِمٌ" بائع کو "مسلم الیہ" قیمت کو "رأس المال" اور مبیع کو "مسلم فیہ" کہا جاتا ہے۔

بیع سلم کی شرعی حیثیت:

یہ بیع قیاس کی رو سے جائز نہیں کیونکہ عقد کے وقت مبیع معدوم ہوتی ہے اور معدوم شی کی بیع درست نہیں مگر استحسانا (قیاس خفی) اس کا جواز قرآن مجید (آیت مداینت) حدیث رسول اور اجماع تینوں سے ثابت ہے کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک امت کا معمول چلا آ رہا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ بعض اوقات مشتری کو چیز مطلوب ہوتی ہے مگر بائع کے پاس نہیں ہوتی وہ اس کو مقرر مدت پر ایڈوانس رقم کی وصولی کے بعد حاصل کر لیتا ہے بیع سلم سے یہ مشکل حل ہو جاتی ہے۔ بیع سلم کی شرائط خود متن میں آ رہی ہیں۔

بیع سلم کا شرعی حکم:

رب السلم کے لیے مسلم فیہ میں تاخیر کے ساتھ ملکیت ثابت ہو جب کہ مسلم الیہ کے لیے رأس المال میں فوری طور پر ملکیت

ثابت ہو۔

مثال سے وضاحت:

مثلاً زید نے بکر کو ایڈوانس 1500 دیا کہ وہ اس کو اتنی مدت بعد ایک من گندم دے گا تو اس مثال میں زید رب السلم ہے، بکر مسلم الیہ ہے، 1500 رأس المال (Copotal) ہے جب کہ ایک من گندم مسلم فیہ ہے۔

اَلسَّلَمُ جَائِزٌ فِي الْمَكِيْلَاتِ، وَالْمَوْزُوْنَاتِ، وَالْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِيْ لَا تَتَفَاوَتُ كَالْجَوْزِ، وَالْبَيْضِ وَالْمَذْرُوْعَاتِ وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْحَيَوَانِ وَلَا فِيْ أَطْرَافِهٖ وَلَا فِي الْجُلُوْدِ عَدَدًا وَلَا فِي الْحَطَبِ حُزَمًا وَلَا فِي الرَّطْبَةِ جُرُزًا وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمُسْلَمُ فِيْهِ مَوْجُوْدًا مِنْ حِيْنِ الْعَقْدِ إِلٰى حِيْنِ الْمَحِلِّ وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ إِلَّا مُؤَجَّلًا وَلَا يَجُوْزُ إِلَّا بِأَجَلٍ مَعْلُوْمٍ وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ بِمِكْيَالِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ وَلَا بِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ وَلَا فِيْ طَعَامِ قَرْيَةٍ بِعَيْنِهَا وَلَا فِيْ ثَمْرِ نَخْلَةٍ بِعَيْنِهَا،

”بیع سلم مکیلی اور موزونی اشیاء میں اور ایسی گنتی کی اشیاء میں جائز ہے جس میں تفاوت نہیں ہوتا جیسے اخروٹ، انڈے اور گز سے پیائش کی جانے والی چیزوں میں اور بیع سلم حیوان اور اس کے سر، پاؤں میں جائز نہیں اور نہ کھال میں عدد کے اعتبار سے اور نہ لکڑیوں میں گٹھوں کے اعتبار سے اور نہ سبز چاروں میں بوجھ کے اعتبار سے اور بیع سلم جائز نہیں یہاں تک کہ سلم فیہ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک موجود ہو اور بیع سلم بغیر معیاد کے جائز نہیں اور جائز نہیں مگر معیاد معلوم کے ساتھ اور بیع سلم کسی مخصوص آدمی کے پیانہ اور مخصوص آدمی کے گز سے جائز نہیں اور نہ مخصوص گاؤں کے غلہ میں اور نہ مخصوص درخت کے پھل میں“۔

جن شرائط کا فی نفسہ ہونا ضروری ہے:

قولہ: السلم جائز الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے بیع سلم کے جواز کی ان شرائط کو بیان کر رہے ہیں کہ جن کا فی نفسہ ہونا تو ضروری ہے لیکن عقد کے وقت ذکر کرنا ضروری نہیں۔

ا۔ ہر ایسی چیز کہ جس کی مقدار اور صفت متعین اور منضبط کی جا سکتی ہو اس میں بیع سلم جائز ہے مثلاً مکیلی، موزونی اور ایسی عددی چیز کہ جس میں تفاوت کم ہو (اخروٹ، انڈے وغیرہ) اگر عددی چیز میں تفاوت ہو تو اس چیز کی صفت اور مقدار متعین نہیں ہو سکتی ہو تو بیع سلم جائز نہیں مثلاً حیوان اور اس کے سری، پائے اور کھال وغیرہ اسی طرح لکڑیوں کے گٹھوں اور سبزیوں کی گڈیوں میں تفاوت کی وجہ سے بیع سلم جائز نہیں کہ دینے والے اور لینے والے کے درمیان چھوٹی اور بڑی چیز میں جھگڑا ہو سکتا ہے لیکن اگر لکڑی فٹ گنتی اور اسی طرح سبزی کی مقدار بھی متعین ہو تو جائز ہوگی۔

۲۔ مسلم فیہ کی جنس عقد سے لے کر ادھار کی مدت تک بازار میں موجود ہو اگر عقد کے وقت موجود ہی نہ ہو یا موجود تو تھی مگر ادھار کی مدت سے قبل ختم ہو گئی تو بیع سلم جائز نہیں لہٰذا ”اصول یہی ہوا کہ وہ مال کم از کم بازار میں ملتا ہو نا پید نہ ہو“

۳۔ بیع سلم میں مبیع ادھار ہو اور اس کی مدت بھی معلوم ہو مجہول نہ ہو۔ مفتی بہ قول کے مطابق مدت سلم ایک ماہ ہے (ہدایہ) اگر

مدت معلوم نہ ہو تو بیع سلم جائز نہیں۔ لہٰذا حاضر چیز میں بیع کو سلم کہنا درست نہیں یہی موقف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بیع سلم نام دیتے ہیں۔

۴۔ بیع سلم میں معیار ایسی چیز کو بنایا جائے کہ جس کے ختم ہونے کا خطرہ نہ ہو مثلاً ماپ کے لیے کسی معین شخص کے پیمانے کو معیار بنایا اگر یہ پیمانہ ضائع ہو گیا تو جھگڑے کا خدشہ ہے اس لیے ایسے پیمانے کو مقرر کیا جائے جو عام چلتا ہوا سی طرح گز کا بھی مسئلہ ہے مگر موجودہ دور میں گز و میٹر اور باٹ پر حکومتی مہر ہوتی ہے۔

۵۔ نہ ہی مبیع ایسی چیز مقرر کی جائے کہ جس کے ضائع ہونے پر بائع اور مشتری میں جھگڑے کا خدشہ ہو مثلاً کسی خاص گاؤں یا ایکڑ کی گندم مختص کی کیوں کہ ہو سکتا ہے فصل کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو دینے میں پرابلم پیدا ہوا اسی طرح معین باغ یا معین درخت کی بھی یہی صورت حال ہے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ''جس مبیع کے نہ ملنے کا خطرہ ہو اس کی بیع سلم جائز نہیں۔''

وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ اِلَّا بِسَبْعِ شَرَائِطَ تُذْكَرُ فِي الْعَقْدِ جِنْسٌ مَعْلُوْمٌ وَنَوْعٌ مَعْلُوْمٌ وَصِفَةٌ مَعْلُوْمَةٌ وَمِقْدَارٌ مَعْلُوْمٌ وَاَجَلٌ مَعْلُوْمٌ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِ رَاْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ عَلٰى قَدْرِهٖ كَالْمَكِيْلِ، وَالْمَوْزُوْنِ، وَالْمَعْدُوْدِ وَتَسْمِيَةُ الْمَكَانِ الَّذِيْ يُوْفِيْهِ فِيْهِ اِذَا كَانَ لَهٗ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: لَا يُحْتَاجُ اِلٰى تَسْمِيَةِ رَاْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مُعَيَّنًا وَلَا اِلٰى مَكَانِ التَّسْلِيْمِ وَيُسَلِّمُهٗ فِيْ مَكَانِ الْعَقْدِ وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ حَتّٰى يَقْبِضَ رَاْسَ الْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّفَارِقَهٗ،

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع سلم جائز نہیں مگر ایسی سات شرطوں کے ساتھ جو عقد میں ذکر کی جائیں جنس معلوم ہو، نوع معلوم ہو، وصف معلوم ہو، مقدار معلوم ہو، وقت معلوم ہو، ثمن کی مقدار بیان کرنا ایسی چیزوں میں جن کی مقدار کے ساتھ عقد متعلق ہو جیسے کیلی، وزنی اور عددی چیزیں اور اس جگہ کا بیان کرنا جہاں وہ سلم فیہ ادا کرے گا بشرطیکہ سلم فیہ کے لیے بوجھ ہو اور خرچ ہو اور صاحبین نے فرمایا کہ ثمن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں جبکہ وہ معین ہو اور نہ ہی ادائیگی کے مکان کی اور اس کو عقد کی جگہ ادا کرے گا، اور بیع سلم جائز نہیں یہاں تک کہ جدا ہونے سے قبل ثمن پر قبضہ کر لے۔''

جن شرائط کا عقد میں ذکر کرنا ضروری ہے:

قولہ: ولا یصح السلم الخ: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیع سلم سات شرطوں کے پائے جانے کے ساتھ جائز ہوگی ورنہ نہیں۔ شرط لگانے کی وجہ یہ ہے کہ بیع سلم میں مبیع کی ادائیگی بعد میں ہوتی ہے اس کی تعیین کے لیے اتنی شرطیں لگانی پڑیں۔ امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کل سات شرطیں ذکر کی ہیں جن میں سے پانچ شرائط میں اتفاق ہے اور دو میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے۔

پانچ متفق علیہ شرائط:

اور جن پانچ میں اتفاق ہے ان کا تعلق مسلم فیہ سے ہے۔

۱۔مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو مثلاً گندم ہوگی یا چاول۔
۲۔مسلم فیہ کی نوع معلوم ہو مثلاً چاول باستی ہے یا اری۔
۳۔مسلم فیہ کی صفت معلوم ہو مثلاً باستی اعلیٰ کوالٹی، مڈل کوالٹی یا لو کوالٹی اسی طرح کپڑا، جوتا، موبائل وغیرہ کس کمپنی کے اور کہاں سے بنے ہوئے ہیں۔
۴۔مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو مثلاً کتنے من یا کلو، یا سائز۔
۵۔مسلم فیہ کی مدت معلوم ہو مثلاً کتنے دنوں میں دے گا مفتی بہ قول میں اس کی مدت کم از کم ایک ماہ تک ہے۔اور بعض حنفیہ کے نزدیک اس کی مدت عرف پر محمول ہوگی۔(البحر الرائق)

دو مختلف فیہ شرائط:

جن دو شرطوں میں اختلاف ہے ان میں سے ایک کا تعلق رأس المال (ثمن) سے ہے امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر بیع سلم میں رأس المال مکیلی یا موزونی یا عددی چیزوں میں سے ہو تو اس کی مقدار کا متعین ہونا ضروری ہے لیکن اگر ذرائع (گزوں کے لحاظ سے) ہے تو مقدار کا متعین ہونا ضروری نہیں اس کی تعیین کر دینا کافی ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک مطلقاً رأس المال کا متعین ہونا ضروری نہیں بلکہ متعین کر دینا کافی ہے اگرچہ اشارے سے ہو۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ جب مسلم الیہ مسلم فیہ کو رب السلم کے حوالے کرنے سے عاجز آ جائے تو رأس المال کو واپس کیا جائے گا جب پہلے سے رأس المال متعین نہ ہوگا تو کس مقدار سے واپسی کرے گا تو جھگڑا واقع ہوگا ایسے رأس المال کا متعین ہونا ضروری ہے۔(الاول المختار (قول امام) الدر المنتقی، هو الصحیح رد المحتار، دیگر معون علی قول الامام) اگر کرنسی ہو تو تعیین کافی ہے۔

اور دوسری مختلف فیہ شرط کا تعلق مسلم فیہ کی ادائیگی کی جگہ سے ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر وہ چیز ایسی ہے کہ جس کو اٹھانے پر کرایہ لگتا ہو اور مشقت اٹھانی پڑے تو اس صورت میں مسلم فیہ کو حوالے کرنے کی جگہ کا بھی متعین ہونا ضروری ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک جگہ کی تعیین ضروری نہیں بلکہ مسلم فیہ اس جگہ دی جائے گی جہاں عقد واقع ہوا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔وجہ یہ ہے کہ رب السلم کہے گا کہ میری دوکان یا مکان پر چیز دی جائے جب کہ مسلم الیہ کہے گا میری دوکان یا مکان سے اٹھائے اس تنازع کے پیش نظر پہلے سے تعین ضروری ہے کہ کہاں دی جائے۔کیونکہ جگہوں کے اختلاف سے قیمتوں میں فرق پڑ جاتا ہے۔(حوالہ ایضا) بڑی کتب میں سترہ شرائط بیان کی گئی ہیں کہ جن میں سے دس مسلم فیہ باقی راس المال کے متعلق ہیں۔(البدائع الصنائع)

بیع سلم کی بقا کی شرط:

قوله: ولا يصح الخ: امام قدوری نے یہاں سے بیع سلم کے برقرار رہنے کے لیے ایک شرط بیان کی کہ جب دو شخصوں کے درمیان بیع سلم ہوگئی تو اس کے باقی رہنے کے لیے شرط یہ ہے کہ مسلم الیہ راس المال پر مجلس ختم ہونے سے پہلے قبضہ کرلے ورنہ بیع سلم جائز نہ ہوگی کیونکہ مبیع تو ادھار ہے اگر ثمن پر بھی قبضہ نہ ہو تو ادھار کی بیع ادھار کے بدلے میں (بيع الكالى بالكالى) ہوگی یہ جائز نہیں اس لیے ثمن پر قبضہ کو ضروری قرار دیا گیا۔

بیع سلم اور بیع استصناع (Manufacturing Contract) میں فرق:

بیع سلم اور بیع استصناع دونوں ہی میں مبیع بعد میں ادا کی جاتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ سلم میں کل رقم یا بعض رقم پہلے ادا کرنا ضروری ہے جب کہ بیع استصناع میں ضروری نہیں ہے نہ ہی سلم والی شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔ نیز سلم ان اشیاء میں ہوتی ہے جن میں صنعت (مینوفیکچرنگ) نہ ہو مثلاً چاول، گندم وغیرہ جب کہ استصناع میں آرڈر انہی چیزوں کا دیا جاتا ہے جس کا تعلق صنعت سے ہوگا مثلاً گارمنٹس وغیرہ

وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِيْ رَاْسِ الْمَالِ وَلَا فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَلَا تَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَلَا التَّوْلِيَةُ فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَيَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الثِّيَابِ إِذَا سَمّٰى طُوْلًا وَعَرْضًا وَرُقْعَةً وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْجَوَاهِرِ وَلَا فِي الْخَرَزِ وَلَا بَأْسَ بِالسَّلَمِ فِي اللَّبِنِ، وَالْاٰجُرِّ إِذَا سَمّٰى مُلَبِّنًا مَعْلُوْمًا وَكُلُّ مَا اَمْكَنَ ضَبْطُ صِفَتِهِ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِهِ جَازَ السَّلَمُ فِيْهِ وَمَا لَا يُمْكِنُ ضَبْطُهُ وَلَا مَعْرِفَةُ مِقْدَارِهِ لَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِيْهِ .

"اور رأس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے شرکت اور تولیہ جائز نہیں ہے اور کپڑے میں سلم درست ہے جب کہ اس کی لمبائی چوڑائی اور ضخامت کو بیان کر دیا جائے اور بیع سلم جواہرات اور موتیوں میں جائز نہیں ہے اور کچی اور پختہ اینٹ میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کوئی معلوم سانچہ بیان کر دیا گیا ہو اور ہر وہ چیز جس کی صفت محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو تو اس میں بیع سلم جائز ہے اور جس چیز کی صفت کا محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ناممکن ہو تو اس میں بیع جائز نہیں۔

رأس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے قبل تصرف:

قوله: ولا يجوز التصرف الخ: امام قدوری رحمہ اللہ تعالیٰ یہاں سے راس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ راس المال (ثمن) پر قبضہ کرنے سے پہلے مسلم الیہ تصرف نہیں کر سکتا کہ قبضے سے قبل نہ ہی کسی کو ہبہ کر سکتا ہے اور نہ ہی سامان ہونے کی صورت میں آگے فروخت کر سکتا ہے کیونکہ رأس المال پر نفس عقد کی وجہ قبضہ ضروری ہے۔ اسی طرح رب سلم بھی مبیع پر قبضہ سے قبل نہ ہی کسی کو ھبہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو فروخت کر سکتا ہے کیونکہ مسلم فیہ مبیع ہے قبضہ سے قبل تصرف جائز

نہیں۔ اور نہ ہی قبضے سے قبل کسی کو شریک کرنا جائز ہے کہ جو مال تم نے لینا ہے اس میں مجھے بھی شریک کرلو اسی طرح تولیۃً آگے فروخت کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوتا قبضہ سے کیا مراد ہے؟'' اس کی وضاحت تولیہ کے تحت دیکھ لیجئے۔

جواز مبیع سلم کے لیے اصول:

قولہ: ویصح السلم الخ: امام قدوری رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے پہلے کچھ مثالیں پیش کیں اس کے بعد اصول بیان کیا لیکن پہلے اصول سمجھ لیں تاکہ مثالوں کو منطبق کرنا آسان ہو۔ بیع سلم کے جائز ہونے کے لیے اصول یہ ہے کہ ''ہر وہ چیز کہ جس کی صفت کو منضبط کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو تو اس چیز میں سلم جائز ہوگی اگر اس کے، برعکس ہو تو نا جائز۔'' پہلا مسئلہ یہ ہے کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے کہ جب کپڑوں کی لمبائی، چوڑائی اور کپڑے کے موٹے اور باریک ہونے اسی طرح کوالٹی کی تعین کردی جائے تو صفت کے متعین ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہوگی چونکہ گزشتہ زمانے میں کپڑے کی بنوائی ہاتھ سے ہوتی تھی اس لیے ہرگز کا اندازہ لگانا مشکل تھا اس لیے اتنی قیدیں لگائی گئیں جب دور حاضر میں فیکٹریوں میں مشینوں پر کپڑا بنایا جاتا ہے اس لیے پہچان میں آسانی ہے۔ اسی طرح اینٹوں میں بھی بیع سلم جائز ہے جب کہ اینٹ بنانے کے سانچے کے سائز کو موٹائی، لمبائی میں بیان کردیا جائے لیکن ہیروں اور موتیوں میں بیع سلم جائز نہیں کیونکہ ان کی مقدار تو متعین کی جاسکتی ہے مگر صفت متعین کرنا ممکن نہیں۔

وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْفَهْدِ، وَالْكَلْبِ وَالسِّبَاعِ وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْخَمْرِ، وَالْخِنْزِيْرِ وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ دُوْدِ الْقَزِّ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَعَ الْقَزِّ وَلَا النَّحْلِ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَعَ الْكُوَّارَاتِ وَأَهْلُ الذِّمَّةِ فِي الْبِيَاعَاتِ كَالْمُسْلِمِيْنَ سَوَاءٌ إِلَّا فِي الْخَمْرِ، وَالْخِنْزِيْرِ خَاصَّةً فَإِنَّ عَقْدَهُمْ عَلَى الْخَمْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْعَصِيْرِ وَعَقْدَهُمْ عَلَى الْخِنْزِيْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الشَّاةِ.

''اور کتے، چیتے اور درندوں کی بیع جائز ہے اور شراب اور سور کی بیع جائز نہیں اور ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ ریشم کے ساتھ ہوں اور نہ ہی شہد کی مکھی کی مگر اس کو چھتوں کے ساتھ اور ذمی لوگ خرید و فروخت میں مسلمانوں کی طرح ہے ہیں سوائے خاص کر شراب اور خنزیر میں کیونکہ ان کا شراب پر عقد کرنا ایسے ہے۔ جیسے مسلمان کا شیرہ انگور پر عقد کرنا اور ان کا خنزیر پر عقد کرنا ایسے ہے جیسے مسلمان کا بکری پر عقد کرنا۔''

سباع البہائم کی بیع:

قولہ: ویجوز الخ: سباع البہائم ایسے جانوروں کو کہا جاتا ہے کہ جو اپنے دانتوں کے ذریعے شکار کرتے ہوں تو ایسے جانوروں کی بیع درست ہے مثلاً کتا، چیتا، شیر وغیرہ۔

مال غیر متقوم کی بیع:

قولہ: ولا یجوز الخ: جو مال متقوم نہ ہو مثلاً مسلمان کے لیے شراب اور خنزیر مال متقوم نہیں لہٰذا ان کی بیع جائز نہیں۔

حشرات الارض کی بیع:

قولہ: ولا یجوز الخ: حشرات الارض کی بیع جائز نہیں لیکن ان کو ایسی چیز کے تابع بنا کر فروخت کیا جائے جو مال ہو تو ان کی بیع تابع ہونے کے لحاظ سے جائز ہوگی مثلاً ریشم کے کیڑوں کی بیع تنہا جائز نہیں لیکن اگر وہ ریشم کے تابع ہوں اسی طرح شہد کی مکھی کی تنہا بیع جائز نہیں مگر شہد کے چھتے کے تابع ہو کر جائز ہے۔

مفتیٰ بہ قول:

تنہا ریشم کے کیڑے اور شہد کی مکھی کی بیع جائز ہے یہ قول امام محمد کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز قابل انتفاع ہو وہ شرعا مال ہے۔لہٰذا چونکہ کیڑے سے ریشم اور مکھی سے شہد حاصل ہوتا ہے اس لیے ان کی بیع جائز ہے جب کہ ان کا جتھہ ہو اگر اکیلی اکیلی مکھی یا کیڑے کی بیع ہو تو جائز نہیں کہ قابل انتفاع نہیں۔(بہ یفتی ھدایہ، ھندیہ، بدائع الصنائع)

اسی طرح دیگر کئی کیڑے مکوڑے کہ جن سے اُدویہ بنتی ہیں چونکہ فقہاء کرام کے دور میں قابل انتفاع نہ تھے اس ترقی یافتہ دور نے ناممکن کو بھی ممکن کی صف میں کھڑا کر دیا ہے اور علامہ شامی نے بھی تصریح کی ہے۔

قولہ:واصل الذمہ الخ:

اہل ذمہ کی بیع کا حکم:

ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے ملک میں ٹیکس (جزیہ) دے کر رہتا ہو کہ جس کے مال و جان کی حفاظت اسلامی حکومت کرتی ہو ان کے حقوق بھی مسلمانوں کے حقوق کی طرح ہیں اس لیے جس طرح مسلمان خرید و فروخت کرتے ہیں اس طرح یہ بھی خرید و فروخت کریں گے البتہ دو چیزوں میں فرق ہے کہ ذمیوں کے لیے شراب اس طرح ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے لیے مشروبات مثلاً کولڈ ڈرنک وغیرہ جب کہ مسلمان کے حق میں حرام ہے۔دوسری چیز خنزیر ہے کہ ذمیوں کے حق میں بکری کی مانند ہے جب کہ مسلمان کے حق میں حرام ہے البتہ آپس میں ذمیوں کی بیع جائز ہے۔

باب الصرف

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار اقسام میں سے تین اقسام (بیع العین بالعین، بیع العین بالدین اور بیع الدین بالعین) کو بیان کیا اب چوتھی قسم بیع الدین بالدین یعنی بیع صرف کا آغاز کر رہے ہیں باب الصرف سے قبل بیع السلم کو بیان کیا کہ وہ بیع بمنزلہ مفرد تھی جب کہ بیع الصرف بمنزلہ مرکب ہے ظاہر ہے مرکب مفرد سے بعد ہی ہوتا ہے اس لیے بیع الصرف کو سلم کے بعد لائے۔

بیع الصرف کی وجہ تسمیہ:

صرف کا معنی پھیرنا اور منتقل کرنا ہے چونکہ اس بیع میں عوضین کا ہاتھوں ہاتھ منتقل کرنا ضروری ہے۔ اس لیے اس کو صرف کہا جاتا ہے۔

بیع صرف کی تعریف:

''وہ بیع ہے کہ جس میں عوضین میں سے ہر ایک ثمن ہو کہ سونا اور چاندی کی بیع ہم جنس یا مخالف جنس کے عوض'' ہاں سونا چاندی کا کاروبار ہوا سے صرافہ بازار بھی کہا جاتا ہے۔ دوکاندار کو صرّاف اور ''زرگر'' کہا جاتا ہے۔

اَلصَّرْفُ هُوَ الْبَيْعُ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ عِوَضَيْهِ مِنْ جِنْسِ الْاَثْمَانِ فَاِنْ بَاعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ، اَوْ ذَهَبًا بِذَهَبٍ لَمْ يَجُزْ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَاِنْ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ وَلَا بُدَّ مِنْ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ قَبْلَ الْاِفْتِرَاقِ وَاِذَا بَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ جَازَ التَّفَاضُلُ وَوَجَبَ التَّقَابُضُ وَاِنْ افْتَرَقَا فِي الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا بَطَلَ الْعَقْدُ وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِيْ ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَيَجُوْزُ بَيْعُ الذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ مُجَازَفَةً

''صرف وہ بیع ہے جب کہ اس کے عوضین میں سے ہر ایک ثمن کی جنس سے ہو پس اگر چاندی کو چاندی کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض فروخت کیا تو صرف برابر برابر ہی جائز ہے اور وہ اگرچہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں اور جدا ہونے سے قبل عوضین پر قبضہ ضروری ہے اور اگر سونے کو چاندی کے عوض فروخت کیا تو کمی اور زیادتی کے ساتھ جائز ہے اور باہمی قبضہ ضروری ہے اور اگر بائع اور مشتری بیع صرف میں عوضین یا کسی ایک پر قبضہ کرنے سے قبل الگ ہو گئے تو عقد باطل ہو جائے گا اور بیع صرف کے ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں اور سونے کو چاندی کے عوض اندازے سے فروخت کرنا جائز ہے۔''

بیع صرف کی تعریف اور عقلی صورتیں:

قوله: الصرف هو بيع الخ: بیع صرف کی تعریف متن میں واضح ہے اور اردو میں پیچھے گزر چکی ہے۔ بیع صرف کی عقلی تین صورتیں بنتی ہیں۔

۱۔ سونے کی بیع سونے کے عوض۔

۲۔چاندی کی بیع چاندی کے عوض۔
۳۔ایک دوسرے کے عوض۔

بیع صرف کا حکم:

قولہ: فان باع الخ:امام قدوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی بیع صرف کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر عوضین ایک ہی جنس سے ہوں تو دو باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔دونوں کا برابر برابر ہونا ضروری ہے اگرچہ عمدہ، ردی اور بناوٹ کے اعتبار سے مختلف ہوں۔

۲۔مجلس عقد کے ختم ہونے سے قبل دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے جب دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو بیع الصرف جائز ہوگی اور اگر عوضین کی جنس مختلف ہو کہ سونے کے بدلے چاندی ہو یا اس کے برعکس تو کمی بیشی جائز ہے لیکن عقد مجلس میں قبضہ ضروری ہے اگر دونوں پر یا کسی ایک پر قبضہ نہ کیا تو بیع باطل ہو جائے گی قبضہ اس لیے ضروری ہے کہ بیع صرف ثمن کے بدلے میں ہوتی ہے اور اثمان غیر متعین ہوتے ہیں اور غیر متعین کی غیر متعین کے عوض بیع جائز نہیں اس لیے تعین کے لیے عقد میں قبضہ کو ضروری قرار دیا گیا۔

فتاویٰ رضویہ میں روپیہ کی اصطلاح:

امام احمد رضا قادری حنفی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی نے اپنے فتاویٰ میں "روپیہ" کو چاندی کے سکے کے معنی میں استعمال کیا ہے نہ کہ نوٹ اور کاغذ کی کرنسی اس لیے آپ نے روپیہ کی بیع کو بیع صرف قرار دیا ہے۔(مجلس شرعی کے فیصلے ص ۴۸)

قبضہ سے قبل تصرف:

قولہ: ولا یجوز الخ: بیع صرف میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں مثلاً درہم کی بیع دینار کے عوض کی لیکن دینار پر قبضہ سے قبل اس کے عوض کپڑا خرید لیا تو یہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ بیع الصرف میں باری تعالیٰ کے حق کی وجہ سے قبضہ واجب ہے جب عدم قبضہ کی صورت میں باری تعالیٰ کے حق کو فوت کرنا لازم آتا ہے اس لیے قبضے سے قبل تصرف جائز نہیں۔

بیع صرف اندازہ سے:

قولہ: ویجوز الخ: جب بیع صرف میں عوض مخالف جنس سے ہو تو برابری ضروری نہیں لہٰذا اندازے سے بیع جائز ہوگی لیکن قبضہ کرنا عوضین پر شرط ہوگا۔

وَمَنْ بَاعَ سَيْفًا مُحَلًّى بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَحِلْيَتُهُ خَمْسُونَ دِرْهَمًا فَدَفَعَ مِنْ ثَمَنِهِ خَمْسِينَ دِرْهَمًا جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ الْمَقْبُوضُ حِصَّةَ الْفِضَّةِ، وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ ذٰلِكَ وَكَذٰلِكَ، إِذْ قَالَ: خُذْ هٰذِهِ الْخَمْسِينَ مِنْ ثَمَنِهِمَا فَإِنْ لَمْ يَتَقَابَضَا حَتّٰى افْتَرَقَا بَطَلَ الْعَقْدُ فِي الْحِلْيَةِ وَإِنْ كَانَ يَتَخَلَّصُ بِغَيْرِ ضَرَرٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي السَّيْفِ وَبَطَلَ فِي الْحِلْيَةِ

"اور جس شخص نے چاندی سے آراستہ تلوار ایک سو درہم کے عوض فروخت کی اور اس کی چاندی پچاس درہم کے برابر تھی تو

اس نے تلوار کی قیمت سے پچاس درہم ادا کر دیئے تو بیع جائز ہے اور جن درہموں پر قبضہ کیا گیا وہ چاندی کے حصے سے ہوگا اگر چہ اس نے بیان نہیں کیا اور اسی طرح اگر اس نے کہا یہ پچاس ان دونوں کے ثمن سے لے لو پس اگر دونوں نے قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ جدا ہو گئے تو عقد چاندی میں باطل ہو جائے گا اور اگر چاندی بغیر ضرر کے تلوار سے علیحدہ ہو سکتی ہے تو بیع تلوار میں جائز ہوگی اور چاندی میں باطل ہوگی۔"

چاندی سے مزین تلوار کی بیع:

قوله: ومن باع الخ: اگر کسی شخص نے ایسی چیز فروخت کی کہ جس پر سونے یا چاندی کا زیور چڑھا ہوا تھا۔ اور ہم جنس کے عوض بیع ہو۔ مثلاً چاندی سے مزین تلوار کو جب چاندی کے عوض فروخت کیا جائے تو دو باتوں کا ہونا ضروری ہے ایک یہ کہ اتنا چاندی ہو جو تلوار کا ثمن بنے اور زیور کے برابر ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ زیور کے برابر ثمن پر عقد مجلس میں قبضہ بھی ہو مثلاً تلوار 100 درہم ہو کہ جس میں 500 درہم کا زیور ہو عقد مجلس میں زیور کا 500 سو درہم دیا گیا یا 500 کو دونوں کا ثمن قرار دیا گیا یا 500 دیتے وقت خاموشی اختیار کی گئی تو ان تینوں صورتوں میں 500 درہم کو زیور کا عوض ہی سمجھا جائے گا تا کہ بیع صحیح ہو جائے لیکن اگر ثمن ادا تو کیا مگر یہ تصریح کر دی کہ یہ ثمن تلوار کا ہے نہ کہ زیور کا تو زیور میں بیع جائز ہی نہ ہوگی۔ اب زیور کو دیکھیں گے کہ بغیر ضرر و مشقت کے الگ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر الگ کیا جا سکتا ہے تو باقی چیز میں بیع درست ہوگی اور اس چیز کی قیمت واجب ہوگی اگر الگ کرنا ممکن نہ ہو تو باقی چیز میں بھی بیع فاسد ہوگی اگر جنس مخالف سے بیع ہو کہ سونے کے عوض ہو۔ قبضہ تو ضروری ہے مگر مساوات ضروری نہیں۔

وَمَنْ بَاعَ إِنَاءَ فِضَّةٍ, ثُمَّ افْتَرَقَا وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهِ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيمَا لَمْ يَقْبِضْ وَصَحَّ فِيمَا قَبَضَ وَكَانَ الْإِنَاءُ شَرِكَةً بَيْنَهُمَا وَإِنْ اُسْتُحِقَّ بَعْضُ الْإِنَاءِ كَانَ الْمُشْتَرِيْ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَ الْبَاقِيَ بِحِصَّتِهِ, وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ وَمَنْ بَاعَ نُقْرَةَ فِضَّةٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا أَخَذَ مَا بَقِيَ بِحِصَّتِهِ وَلَا خِيَارَ لَهُ. وَمَنْ بَاعَ دِرْهَمَيْنِ وَدِينَارًا بِدِينَارَيْنِ وَدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ وَجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْجِنْسَيْنِ بِالْجِنْسِ الْآخَرِ. وَمَنْ بَاعَ أَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَدِينَارٍ جَازَ وَكَانَتِ الْعَشَرَةُ بِمِثْلِهَا وَ الدِّينَارُ بِالدِّرْهَمِ وَيَجُوزُ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ صَحِيحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيحٍ وَبِدِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ

"اور جس شخص نے چاندی کا برتن فروخت کیا پھر بائع اور مشتری جدا ہو گئے اور بائع بعض ثمن پر قبضہ کر چکا ہے۔ عقد باطل ہو جائے گا اس حصے میں کہ جس کے ثمن پر قبضہ نہیں کیا اور عقد صحیح ہے جس میں قبضہ کیا ہے اور برتن دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا اور اگر برتن کے بعض حصے کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو باقی حصے کو اس کا ثمن دے کر لے لے اگر چاہے تو بیع رد کر دے اور جس شخص نے چاندی کا ایک ٹکڑا فروخت کیا تو اس کے بعض حصے کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری باقی حصے کو لے لے اور اس کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا اور جس شخص نے دو درہم ایک دینار کو دو دینار اور ایک درہم کے عوض فروخت کیا تو بیع جائز ہے۔ دونوں جنسوں میں سے ہر جنس کو دوسری کا عوض قرار دیا جائے گا اور جس شخص نے گیارہ درہم کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا تو بیع جائز ہے تو دس درہم دس درہم کے عوض اور ایک دینار ایک درہم کے عوض ہوگا اور دو درست درھموں کی بیع اور ایک کھوٹے درہم کی بیع ایک درست درہم اور دو کھوٹے درھموں کے عوض جائز ہے۔

چاندی کے برتن کی بیع:

قوله: ومن باع اناء الخ: اگر کسی نے 100 درہم کے بدلے چاندی کا برتن فروخت کیا اور عقد مجلس میں پچاس درہم دے دیے اور پچاس درہم باقی ہیں تو جتنے درہموں پر قبضہ ہو چکا اُن کے عوض کی بیع برتن میں درست ہے باقی برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک رہے گا چونکہ فساد، بیع کے شروع میں نہیں تھا بلکہ بعد میں طاری ہوا۔ لہٰذا جتنے درہم ادا کیے اس کے حصے میں فساد ظاہر نہ ہوگا۔

مبیع میں مستحق کا ظاہر ہونا:

قوله: وان استحق الخ: اگر چاندی کا برتن فروخت کرنے کے بعد اس میں کسی نے حصہ داری کا دعویٰ کر دیا اگر دلائل و گواہوں سے اپنے حصے کو ثابت کر دیا تو مشتری آدھے برتن کا مالک ہوگا اور آدھے کا مدعی مالک ہوگا اور ایک ہی برتن میں شرکت عیب ہے اس لیے یا تو مشتری اپنے حصے کا برتن اتنی قیمت دے کر لے لے یا بیع ہی رد کر دے اگر 100 درہم چاندی کی ڈلی تھی فروخت کرنے کے بعد مدعی نے اپنے حق کو ثابت کر دیا تو مشتری کو بیع رد کرنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ یہاں ڈلی میں شرکت عیب نہیں کیونکہ اس کو آدھا کرنے میں کوئی نقصان نہیں بلکہ اپنے حصے کی قیمت دے کر لے لے۔

بیع صرف کی تین صورتیں:

قوله: ومن باع الخ:

۱۔ اگر دو درہم اور ایک دینار کی بیع دو دینار اور ایک درہم کے بدلے میں کی تو جائز ہے اس بیع کو جائز قرار دینے کے لیے دو درھم دو دینار کے عوض میں اور ایک درہم ایک دینار کے عوض قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا مخالف جنس کی وجہ سے کمی وبیشی جائز ہے جب کہ امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درہموں کی درہم کے عوض اور دیناروں کی دینار کے عوض مبیع ہوگی ہم جنس میں کمی بیشی ربو ہے لہٰذا ممنوع ہے۔

۲۔ اگر کسی نے گیارہ درہم، دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کیے تو بیع جائز ہے اس میں بھی وہی اصول جاری ہوگا جو پہلے گزر چکا ہے۔

۳۔ اگر کسی نے دو صحیح درھموں اور ایک ناکارے درہم کی بیع دو ناکارے درہموں اور ایک صحیح درہم کے عوض کی تو جائز ہے اس صورت میں تین درہم تین درہموں کے عوض میں ہوں گے اور عمدہ اور ادنی کا لحاظ نہ ہوگا جیسا کہ اموال ربویہ میں یہ اصول گزر چکا ہے۔ غَلّہ سے مراد وہ درہم جو گھس گئے ہوں اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں۔

وَاِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّرَاهِمِ الْفِضَّةَ فَهِيَ فِضَّةٌ، وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّنَانِيْرِ الذَّهَبَ فَهِيَ ذَهَبٌ وَّيُعْتَبَرُ فِيْهِمَا مِنْ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْجِيَادِ وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِمَا الْغِشَّ فَلَيْسَا فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَكَانَا فِيْ حُكْمِ الْعُرُوْضِ فَاِذَا بِيْعَتْ بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلًا جَازَ وَاِذَا اشْتَرٰى بِهَا سِلْعَةً، ثُمَّ كَسَدَتْ وَتَرَكَ النَّاسُ الْمُعَامَلَةَ بِهَا قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَهَا اِلَى الْبَائِعِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا

يَوْمَ الْبَيْعِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا اٰخِرَ مَا يَتَعَامَلُ النَّاسُ

''اور اگر دراہم پر چاندی غالب ہو تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر دنانیر پر سونا غالب ہو تو وہ سونے کے حکم میں ہے تو ان دونوں میں اس کی بیشی کی حرمت کا لحاظ کیا جائے گا کہ جس کا اعتبار عمدہ میں ہے اور اگر دونوں پر کھوٹ غالب ہو تو دونوں دراہم و دنانیر کے حکم میں نہیں ہوں گے بلکہ وہ سامان کے حکم میں ہوں گے پس اگر کھوٹے دراہم کو ہم جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کیا جائے تو بیع جائز ہے اور اگر ان کھوٹے دراہم کے عوض سامان خریدا پھر ان کا چلن بند ہو گیا اور لوگوں نے قبضہ سے پہلے ان کے ساتھ معاملہ کرنے کو ترک کر دیا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشتری پر بیع کے دن کے کھوٹے درہموں کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مشتری پر اس کی قیمت اس آخری دن کی واجب ہوگی کہ جس دن لوگوں نے اس کے ساتھ لین دین کیا ہو۔''

کھوٹے درہموں اور دیناروں کا حکم:

قولہ: وان کان غالب الخ: اگر درہموں پر چاندی غالب ہو تو چاندی کے حکم میں اسی طرح اگر دیناروں پر سونا غالب ہو تو سونے کے حکم میں ہوں گے ان کا آپس میں بیع کا وہی حکم ہے جو عمدہ دراہم و دنانیر کا ہے کہ ہم جنس بیع میں کمی بیشی حرام ہوگی لیکن اگر درہموں اور دیناروں پر کھوٹ غالب ہو تو چاندی اور سونے کے حکم سے نکل کر سامان کے حکم میں ہوں گے۔ لہٰذا ان کی بیع ہم جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہوگی۔

بیع کے بعد کھوٹے درہموں کا بند ہو جانا:

قولہ: وان اشتری الخ: اگر کسی نے کھوٹے درہموں یا دیناروں کے عوض سامان خریدا کہ ابھی تک درہموں اور دیناروں پر قبضہ نہ کیا تھا کہ کھوٹے درہم یا دینار کا چلنا بند (کساد) ہو گیا کہ ان سے لین دین کا معاملہ ختم ہو گیا تو اس صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک بیع درست ہوگی مگر اس میں اختلاف ہے کہ بائع کو کیا دے گا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹے درہموں کے بند ہونے کے دن جو قیمت تھی وہ مشتری پر واجب ہوگی۔ جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کھوٹے درہموں کے چلنے کے آخری دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جو قیمت اس دن کی تھی وہ واجب ہوگی۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کہ اس میں لوگوں کے لیے آسانی ہے۔ (علیہ فتویٰ درمختار، بہ یفتی رفقا بالناس، بحر الرائق)

وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِالْفُلُوْسِ فَإِنْ كَانَتْ نَافِقَةً جَازَ الْبَيْعُ بِهَا، وَإِنْ لَمْ تُعَيَّنْ وَإِنْ كَانَتْ كَاسِدَةً لَمْ يَجُزِ الْبَيْعُ بِهَا حَتّٰى يُعَيِّنَهَا وَإِذَا بَاعَ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ، ثُمَّ كَسَدَتْ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسًا جَازَ الْبَيْعُ وَعَلَيْهِ مَا يُبَاعُ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ مِنَ الْفُلُوْسِ وَمَنْ أَعْطَى الصَّيْرَفِيَّ دِرْهَمًا فَقَالَ أَعْطِنِي بِنِصْفِهِ فُلُوْسًا وَبِنِصْفِهِ نِصْفًا إِلَّا حَبَّةً فَسَدَ الْبَيْعُ فِي الْجَمِيْعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ، وَقَالَا: جَازَ الْبَيْعُ فِي الْفُلُوْسِ وَبَطَلَ فِيْمَا بَقِيَ،

"اور چلنے والے پیسوں کے عوض بیع کرنا جائز ہے اگران کو معین نہ بھی کرے اگران پیسوں کا رواج بند ہوگیا تو ان پیسوں سے بیع جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کو متعین کردے اور اگر رائج پیسوں سے فروخت کیا اور قبضے سے پہلے ان کا رواج ختم ہوگیا تو امام اعظم کے نزدیک بیع باطل ہوجائے گی اور جس شخص نے نصف درہم پیسوں سے کوئی چیز خریدی تو بیع جائز ہے اور مشتری پر اس قدر پیسے واجب ہوں گے کہ جن کو نصف درہم کے عوض بیچا جاتا ہے اور کسی شخص نے کسی سنار کو ایک درہم دیا اور کہا اس نصف کے بدلے مجھے پیسے دے دو اور نصف کے بدلے دو جو کے وزن سے کم درہم دے دو تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام بیع فاسد ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ پیسوں میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

پیسوں کے ذریعے بیع:

قولہ: ویجوز البیع الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے فلوس کے ذریعے بیع کا حکم بیان کررہے ہیں۔ فلوس ان سکوں کو کہا جاتا ہے جو سونے اور چاندی کے علاوہ سے بنائے گئے ہوں اور فلوس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم فلوس نافقہ ہے کہ جن کا رواج عام ہے کہ ان کے ذریعے کاروبار ہوتا ہے ان کے ذریعے مطلقاً بیع جائز ہے اگرچہ ان کو متعین نہ بھی کیا جائے۔ دوسری قسم ان فلوس کی ہے جو کاسدہ ہیں کہ جن کا چلن بازار میں بند ہوچکا ہو ان سے بیع تب جائز ہوگی کہ جب ان کو متعین کردیا جائے ورنہ ناجائز ہے۔

قبضے سے قبل پیسوں کا بند ہوجانا:

قولہ: واذا باع الخ: اگر کسی نے رائج پیسوں کے عوض کوئی چیز فروخت کی کہ ابھی تک بائع نے پیسوں پر قبضہ نہ کیا تھا کہ پیسوں کا چلن بند ہوگیا۔ تو ان کا حکم بھی وہی ہے جو دراہم ودنانیر مغشوشہ کا ابھی گزرا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے کس دن کی قیمت ہوگی فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔

قولہ: ومن اشتری الخ: امام قدوری یہاں سے یہ بیان کررہے ہیں کہ نصف درہم کے بدلے میں جتنے فلوس بنتے ہیں ان کے بدلے میں بیع کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ بیع جائز ہوگی اور نصف درہم کے عوض جتنے فلوس بنتے ہیں وہ مشتری پر واجب ہوں گے۔ جب کہ امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے۔

درہم کے بدلے میں درہم اور فلوس کی بیع:

قولہ: ومن اعطی الخ: اگر کسی نے سنار کو ایک درہم دیا اور اس نے کہا تم مجھے درہم کے بدلے میں فلوس دے دو اور نصف درہم کے بدلے نصف درہم دے دو جو وزن میں دو جو سے کم ہو اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں کہ مشتری نے خریدتے وقت درہم کے دونوں حصوں کو متعین کیا ہے یا نہیں؟ اگر متعین کرتے ہوئے کہا کہ اس حصے کے بدلے میں فلوس اور باقی کے حصے کے بدلے میں آدھا درہم دے دو تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فلوس اور نصف درہم دونوں میں بیع باطل ہوجائے گی کیونکہ کمی بیشی پائی جائے گی جب صاحبین کے نزدیک فلوس میں تو بیع جائز ہے مگر درہم میں بیع باطل ہوگی۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اور نصف درہم میں صفقہ واحدہ ہے۔ لہٰذا جزء ثانی میں

ربٰو کی وجہ سے فساد سرایت کر گیا۔ لہٰذا دونوں میں بیع باطل ہوگی۔ (تقدیم قول امام فی الملتقی الابحر، الاقتصار علی قول الامام فی الوقایہ، غرر الاحکام)

وَلَوْقَالَ اَعْطِنِیْ نِصْفَ دِرْھَمٍ فُلُوْسًا وَنِصْفًا اِلَّاحَبَّةً جَازَ الْبَیْعُ وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِیْ دِرْھَمًا صَغِیْرًا وَّزْنُهٗ نِصْفُ دِرْھَمٍ اِلَّا حَبَّةً ، وَالْبَاقِیْ فُلُوْسًا جَازَ الْبَیْعُ وَکَانَ النِّصْفُ اِلَّا حَبَّةً بِاِزَاءِ الدِّرْھَمِ الصَّغِیْرِ وَالْبَاقِیْ بِاِزَاءِ الْفُلُوْسِ

"اور اگر کہا تم مجھے نصف درہم فلوس اور دو جو کے وزن سے کم نصف درہم دے دو تو یہ بیع جائز ہے اور اگر کہا کہ تم مجھے چھوٹا درہم دے دو جس کا وزن دو جو کے وزن سے کم نصف درہم ہو اور باقی پیسے دے دو تو یہ بیع جائز ہے اور حبہ بھر کم نصف درہم چھوٹے درہم کے مقابلے میں اور باقی پیسوں کے مقابلے میں ہوگا۔"

درہم کے عوض درہم صغیر اور فلوس کی بیع:

قولہ: ولو قال الخ: ایک شخص سنارے سے کہتا ہے کہ یہ ایک بڑا درہم ہے اس کے بدلے میں ایک چھوٹا درہم دے دو جس کا وزن اس کے نصف سے ایک حبہ (دو جو کا وزن $\frac{1}{48}$ درھم، 63.78 ملی گرام) کم ہو اور باقی تم مجھے پیسے دے دو تو بیع جائز ہے یہی سمجھا جائے گا کہ بڑے درہم کا نصف حصہ جو نصف سے کم ہے وہ چھوٹے درہم کے عوض ہے باقی حصہ پیسوں کے عوض ہے۔

درھم و دینار اور کرنسی کی تاریخ پر ایک نظر:

۱۔ سب سے پہلے درھم اور دینار حضرت آدم علیہ السلام نے ڈھالے۔ (الوسائل للسیوطی)

۲۔ اسلام میں سب سے پہلے اسلامی سکہ (درھم و دینار) عبدالملک بن مروان متوفی ۸۶ھ نے جاری کیا۔ ایک قول کے مطابق ایک طرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور دوسری طرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور دوسرے قول کے مطابق ایک طرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور دوسری طرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھوایا تھا۔ (طبقات ابن سعد، طبری، الوسائل للسیوطی)

۳۔ سونے و چاندی کے سکوں میں بوجھ کی وجہ سے مشکلات تھیں اس لیے بعد میں بینک نوٹ جاری ہوا جو قرض کی سند ہوتا تھا پھر آگے ترقی کرتا ہوا اب نوٹ مستقل کرنسی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ لہٰذا نوٹ کی حیثیت ثمن عرفی و اصطلاحی کی ہے۔

نوٹ کی شرعی حیثیت:

نوٹ کے متعلق کچھ بحث تو زکوٰۃ کے باب میں "کرنسی کی زکوٰۃ کا معیار" کے تحت گزر چکی ہے تاہم بیع الصرف کی مناسبت سے اجمالا کچھ امور پیش خدمت ہیں کہ دور حاضر میں نوٹوں اور پیسوں کی وہ حیثیت نہیں رہی جو پہلے دور میں تھی بلکہ اب تو نوٹ کرنسی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جو "اصطلاحی ثمن" کہلاتے ہیں جب کہ سونا و چاندی خلقی ثمن (پیدائشی) ہیں اب نوٹوں کا نوٹوں کے عوض تبادلے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ملکی کرنسی (نوٹوں) کا آپس میں تبادلہ:

عصر حاضر میں نوٹوں کے لین دین نے خلقی ثمن (سونا، چاندی) کی جگہ لے لی ہے۔ لہٰذا ایک ملک کی کرنسی آپس میں کمی بیشی

کے ساتھ فروخت کرنا "ربا" ہے۔ مثلاً 5000 ہزار نوٹ کی چینج (ریزگاری، بھنانا) 100، 100 میں لینی ہو تو کل رقم سے 20 یا 50 روپے کاٹ لیے جاتے ہیں۔ بینک میں تو نہیں کاٹتے مگر باہر جو کاروبار کرتے ہیں وہ ایسا کرتے ہیں۔ ایسے ہی ادھار بھی جائز نہیں۔

۲۔ مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ:

دو ملکوں کی کرنسیاں دو مختلف جنس ہونے کی وجہ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ مثلاً ایک سعودی ریال دے کر روپے لیے جائیں تو جائز ہے باقی رہا ادھار وہ ناجائز ہے جبکہ دور حاضر میں ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف جو کرنسی کا معاملہ ہوتا ہے اس میں ایک طرف سے پہلے رقم دی جاتی ہے یا صرف چیک اور ڈرافٹ دست بدست طے پاتا ہے سود کا دروازہ بند کرنے کے لیے دور حاضر کے اکثر و بیشتر مفتیان کرام نے اسی موقف کو اپنایا ہے۔ دوسرا موقف یہ ہے کہ کمی بیشی اور ادھار کے جواز کا ہے کہ نوٹ عددی ہے نہ کہ قدر مع الجنس دورِ حاضر میں کرنسی ایک ملک سے دوسرے ملک میں بینک کے واسطے کے بغیر قانوناً منتقل نہیں ہو سکتی لہٰذا بینک سے حاصل ہونے والی رسید کو ہی قبضہ تصور کرنا چاہیے۔

کرنسی کے عوض سونے و چاندی کی بیع:

جب کرنسی کے عوض سونے یا چاندی کی بیع کی جائے تو کرنسی محض سامان کے درجے میں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا نہ مجلس میں تقابض ضروری ہے نہ ہی مماثلت تو نقد و ادھار دونوں جائز ہیں کہ جس طرح سونا چاندی کے زیورات کی تجارت ہوتی ہے۔

مباحث سے حاصل شدہ اصول:

جہاں خلقی ثمن، خلقی ثمن کے عوض قدر مع الجنس کے ساتھ ہو تو تقابض و تساوی دونوں ضروری، جہاں خلقی ثمن، اصطلاحی ثمن کے عوض ہو تو تقابض و تساوی دونوں ضروری نہیں اور اگر اصطلاحی ثمن، کے مقابلے میں ہو تو دو صورتیں ہیں اگر دونوں ایک جنس ہوں تو تقابل و تساوی دونوں ضروری اور اگر ایک جنس نہ ہوں تو تقابض تو ضروری مگر تساوی ضروری نہیں۔

چیک کی خرید و فروخت:

آج کل معیادی چیک کے لین دین کا بڑا رواج ہے کہ کوئی مالدار تاجر کسی چھوٹے تاجر کے چیک پر لکھی رقم سے کچھ کم رقم دے کر چیک لے لیتا ہے جب چیک پر لکھی ہوئی معیاد آتی ہے تو مالدار تاجر بینک سے وہ رقم وصول کر لیتا ہے اگر بینک میں نہ ہو تو صاحب چیک سے وصول کر لیتا ہے۔ مثلاً چیک پر ایک لاکھ (100000) رقم لکھی ہے مگر اس کی ڈیٹ ایک ماہ بعد کی ہے جب کہ صاحب چیک کو ابھی رقم کی ضرورت ہے تو کسی مالدار تاجر کو چیک دے کر 95000 ہزار لے لے۔ معیادی چیک کو کمی و بیشی کے ساتھ فروخت کرنے کو مفتیان کرام نے سود قرار دیا ہے کیونکہ فقہی قاعدہ ہے۔ "مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْاَجَلِ اَوِالْاَجَلِ بِالْمَالِ رِبٰو۔" (موسوعة القواعد الفقهیه)

کتاب الرَّھن

ربط:

عموماً کتب فقہ میں کتاب الرھن کو کتاب الصید (شکار) کے بعد لایا گیا ہے جس کی وجہِ مناسبت یہ ہے کہ صید اور رہن دونوں کے ذریعے مال کا حصول ہوتا ہے مگر امام قدوری کتاب الرھن کو کتاب البیوع کے بعد اس مناسبت سے لائے کہ بسا اوقات بیع کے بعد بھی رہن کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہن کا لغوی معنی:

الحبس یعنی کسی چیز کو روکنا۔

رہن کا شرعی معنی:

"حَبْسُ شَیْءٍ مَالِیٍّ بِحَقٍّ یُمْکِنُ اِسْتِیْفَاءُ مِنْهُ کَالدَّیْنِ حَقِیْقِیًّا اَوْ حُکْمِیًّا (در مختار)

"کسی مالی چیز کو ایسے حق کے بدلے میں روکنا جس مالی چیز کے ذریعے حق کو وصول کرنا ممکن ہو جاہے حق، دین حقیقی ہو یا حکمی۔"

رہن کا ثبوت:

رہن کا ثبوت قرآن مجید، حدیث رسول اور اجماع تینوں سے ہے کہ سورہ بقرہ میں "فَرِهَانٌ مَّقْبُوْضَةٌ" والی آیت اور حدیث کہ جس میں حضور ﷺ کا جو کے تین صاع ابوشحم یہودی سے قیمت خرید کے عوض زرہ رکھی تھی اور آج تک سفر و حضر میں رہن کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

رہن کے متعلق اصطلاحات:

جو چیز گروی (زرضمانت) رکھی جائے اسے "رہن" گروی رکھنے والے کو "راہن" اور جس کے پاس رکھی جائے اسے "مرتہن" کہا جاتا ہے۔ مثلاً کتاب تین سو کی خریدی اور گروی میں موبائل رکھ دیا تو موبائل مرہون، رہن، گروی کہلایا اور رکھنے والا راہن اور بائع مرتہن۔

اَلرَّهْنُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ وَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَاِذَا قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مَحُوْزًا مُفَرَّغًا مُمَيَّزًا تَمَّ الْعَقْدُ فِيْهِ وَمَا لَمْ يَقْبِضْهُ فَالرَّاهِنُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ سَلَّمَهُ اِلَيْهِ وَاِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنِ الرَّهْنِ

"عقد رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اور قبضہ سے تام ہو جاتا ہے تو جب مرتہن نے رہن پر قبضہ کر لیا اس حال میں کہ وہ چیز تقسیم شدہ ہو، غیر کے حق سے فارغ ہو اور جدا کی ہوئی ہو تو اس میں عقد رہن مکمل ہو گیا اور جب تک مرتہن رہن پر قبضہ نہ کر لے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو رہن کو مرتہن کے حوالے کر دے اور اگر چاہے تو رہن سے رجوع کر لے۔"

حل لغات: اَلرَّھْنُ بمعنی مرہون جمع رِھَانٌ اور رُھُنٌ محوزاً تقسیم شدہ، مفرغاً غیر مشغول، مُمَیِّزاً الگ کیا ہوا تینوں قیدیں حالیت کی بنا پر منصوب ہیں۔

رہن کے ارکان:

قولہ: الرھن ینعقد الخ: رہن چونکہ ایک معاملہ ہے کہ جس طرح معاملات ایجاب وقبول سے منعقد ہوتے ہیں یوں ہی عقد رہن بھی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے۔ایجاب وقبول کے لیے خاص الفاظ کی ضرورت نہیں کیونکہ عقود مالیہ میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا جیسے کہ فقہی قاعدہ ہے۔"اَلْعِبْرَۃُ فِي الْعُقُوْدِ لِلْمَقَاصِدِ وَالْمَعَانِيْ لَا لِلْاَلْفَاظِ وَالْمَبَانِيْ"

رہن پر قبضہ کی شرعی حیثیت:

قولہ: ویتم بالقبض: عقد رہن میں قبضہ رہن کے جواز کے لیے شرط ہے یا لزوم کے لیے؟اس میں فقہاء احناف کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ رہن پر قبضہ لزوم رہن کے لیے شرط ہے کیونکہ رہن ہبہ کی مثل عقد تبرع ہے کہ عقد تبرع کی درستگی کے لیے صرف متبرع کا واسطہ کافی ہے۔لہٰذا عقد رہن کا انحصار قبضہ پر نہیں یہ مذہب شیخ الاسلام خواہرزادہ کا ہے۔جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ رہن پر قبضہ رہن کے جواز کے لیے شرط ہے مجتبیٰ میں اسی کو صحیح قرار دیا گیا۔(اللباب)اس قول کو امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی،امام ابو یوسف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی،امام محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور امام زفر کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

رہن کا تین باتوں سے خالی ہونا:

قولہ: فاذا قبض الخ: رہن پر مرتہن کے قبضے کے لیے ضروری ہے کہ رہن تین امور سے خالی ہو اور یہ تینوں امور احترازی ہیں۔

۱۔ **مُحَوَّزًا:** کہ رہن کی چیز دوسروں کی شرکت میں نہ ہو مثلاً گھر میں دو شریک تھے پھر دونوں فریقوں نے گھر الگ الگ کر لیا اب جو راہن کا حصہ ہے اس پر مرتہن قبضہ کرلے۔

۲۔ **مُفَرَّغًا:** کہ راہن کے مال وسامان سے رہن خالی ہو مثلاً گھر میں راہن کا کوئی سامان نہ ہو کہ جس کے لیے بار بار آنا پڑے۔

۳۔ **مُمَیَّزًا:** کہ تخلیقی طور پر رہن راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے درخت پر لگا ہوا پھل رہن میں رکھا جائے تو قبضہ تام نہ ہوگا کہ تخلیقی طور پر پھل راہن کے درخت پر چپکا ہوا ہے کہ جس طرح ہبہ میں ان تین امور سے ہبہ کی جانے والی چیز کا خالی ہونا ضروری ہے۔اسی طرح رہن میں بھی مکمل قبضہ کے لیے محوز، مفرغ،اور ممیز کی ضرورت ہوگی۔ورنہ عقد فاسد ہوگا اگر سرے سے مال متقوم ہی نہیں تو عقد باطل ہوگا۔مثلاً شراب خنزیر وغیرہ۔

قبضہ سے پہلے راہن کو اختیار:

قولہ: مالم یَقْبِضْہُ الخ: اس سے قبل یہ بات بیان کی گئی تھی کہ رہن رکھنا تبرع ہے لازم نہیں اس لیے قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہ ہوگا لہٰذا قبضہ کرنے سے پہلے راہن کو اختیار رہے گا چاہے رہن مرتہن کے حوالے کردے یا حوالے کرنے سے انکار کردے جیسا کہ ہبہ کی صورت حال ہے۔باقی قبضہ سے مراد حقیقی قبضہ ہی نہیں بلکہ "تخلیہ" مراد ہے جس کی وضاحت کتاب الزکوٰۃ میں "قبضہ کی حقیقت" کے تحت گزر چکی ہے۔

فَإِذَا سَلَّمَهُ إِلَيْهِ وَقَبَضَهُ دَخَلَ فِي ضَمَانِهِ وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ إِلَّا بِدَيْنٍ مَضْمُونٍ وَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ فَإِذَا هَلَكَ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ وَقِيمَتُهُ وَالدَّيْنُ سَوَاءٌ صَارَ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ حُكْمًا وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ أَكْثَرَ فَالْفَاضِلُ أَمَانَةٌ وَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ الرَّهْنِ أَقَلَّ مِنَ الدَّيْنِ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا وَرَجَعَ الْمُرْتَهِنُ بِالْفَضْلِ.

"اور جب راہن نے رہن کو مرتہن کے حوالے کر دیا تو مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو رہن اس کے ضمان میں داخل ہو گئی اور رہن صحیح نہیں مگر دین مضمون کے عوض اور رہن اپنی قیمت اور دین سے کم کے عوض مضمون ہو گی پس جب مرتہن کے قبضے میں ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت اور دین برابر ہو تو مرتہن وصول کرنے والا ہو گا اپنے دین کو حکمی طور پر اور اگر رہن کی قیمت دین سے زیادہ ہے تو زیادتی امانت ہو گی اور اگر رہن کی قیمت دین سے کم ہے تو دین اس کی مقدار ساقط ہو جائے گا اور مرتہن زیادتی وصول کرے گا۔"

قبضہ کے بعد شی مرہون ضمان میں:

قولہ: فاذا سلمه الخ: راہن نے جب کوئی شے مرتہن کے قبضے میں دے دی تو اب شئ مرہون مرتہن کے ضمان میں آ گئی۔

رہن کے صحیح ہونے کی شرط:

قولہ: ولا يصح الرهن الخ: امام قدوری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے رہن کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط بیان فرمائی کہ جس دین کے بدلے میں رہن رکھی گئی ہے وہ دین مضمون ہو۔

دین مضمون:

دین مضمون سے مراد ایسا دین ہے جو یا تو ادا کرنے سے ادا ہو یا معاف کیے بغیر ساقط نہ ہو۔ لہٰذا ایسے دین کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے اگر ذکر کردہ صورت کے مطابق دین نہیں مثلاً بدل کتابت کہ غلام کے عاجز آنے پر بدل کتابت ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے دین کے بدلے میں رہن صحیح نہیں۔ یہ احناف کا موقف تھا کہ شی مرہون مرتہن کے پاس بطور ضمانت ہوتی ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک شی مرہون مرتہن کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔ لہٰذا جب شی مرہون مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو اتنے پیسے مرتہن کے قرض سے کاٹ لیے جائیں گے مگر امام شافعی کے نزدیک امانت ضائع ہوئی ہے کہ جس پر کوئی ضمان نہیں۔

رہن کے مضمون ہونے کی تین صورتیں:

قولہ: وهو مضمون الخ: امام قدوری نے فرمایا کہ رہن اپنی قیمت اور دین میں سے جو کم ہو اس کے بدلے میں مضمون ہوتی ہے کہ جس کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جب رہن مرتہن کے پاس ہلاک ہوئی رہن اور دین قیمت میں برابر تھے تو اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے حکمی طور پر اپنا قرض وصول کر لیا ہے اب راہن سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب دین کم ہو اور رہن قیمت میں زیادہ ہو تو اس صورت میں دین کے برابر مرتہن پر ضمان آئے گا یہ سمجھا جائے گا

کہ مرتہن نے اپنا دین وصول کرلیا ہے باقی رہن کی زائد قیمت وہ امانت ہوگی اور فقہی قاعدہ ہے کہ "امانت کے ضائع ہونے پر ضمان واجب نہیں ہوتا۔" لہٰذا دین سے زیادہ قیمت کا ضمان مرتہن پر واجب نہ ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ رہن کی قیمت کم ہو اور دین زیادہ ہو تو جتنی رہن کی قیمت بنتی ہے اتنا دین ساقط ہو جائے گا یہی سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اتنا دین وصول کرلیا ہے باقی دین کا مطالبہ راہن سے کیا جائے گا۔

ضمان کی کیفیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اختلاف:

اس بات پر تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اجماع ہے کہ رہن ایسی چیز ہونی چاہیے جو ضمان بن سکے البتہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک رہن کا ضمان مرتہن پر کل قیمت کا ہوگا جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک رہن اور قیمت میں سے کم کے ساتھ ضمان ہوگا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک صرف دین کا ضامن ہوگا کہ ہلاکت کے بعد سارا قرضہ ساقط ہو جائے گا۔

وَلَا يَجُوْزُ رَهْنُ الْمُشَاعِ وَلَا رَهْنُ ثَمَرَةٍ عَلٰى رُءُوسِ النَّخْلِ دُوْنَ النَّخْلِ وَلَا زَرْعٍ فِي الْاَرْضِ دُوْنَ الْاَرْضِ وَلَا رَهْنُ الْاَرْضِ وَالنَّخْلِ دُوْنَهُمَا وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْاَمَانَاتِ كَالْوَدَائِعِ وَالْعَوَارِيْ، وَالْمُضَارَبَاتِ وَمَالِ الشَّرِكَةِ

"اور مشترک چیز کا رہن رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی درخت پر لگے ہوئے پھل کا بغیر درخت کے اور نہ ہی زمین کی کھیتی کا بغیر زمین کے اور نہیں جائز درخت کو اور زمین کو رہن پر رکھنا بغیر پھل اور کھیتی کے اور امانتوں کا رہن رکھنا صحیح نہیں کہ جس طرح ودیعتیں اور عاریت کے طور پر لی گئی چیزیں، مال مضاربت اور مال شرکت۔"

حل لغات: المشاع: غیر تقسیم شدہ چیز، ودائع جمع ہے ودیعت کی بمعنی امانت، العوری جمع ہے عاریت کی بمعنی مفت استعمال کے لیے دی جانے والی چیز۔

جن اشیاء کو رہن میں دینا نا جائز ہے:

قولہ: ولا یجوز الخ: امام قدوری نے یہاں سے تین صورتیں بیان کی ہیں کہ جن میں ان چیزوں کو رہن کے طور پر رکھنا جائز نہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مال مشترک کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے اب اس مکان کو کوئی بھی فریق دین کے بدلے میں رہن نہیں رکھ سکتا۔ چونکہ مشترک چیز سے دین کی وصولی ناممکن ہے۔

جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسی مشترک چیز کہ جس کو فروخت کیا جا سکتا ہو اس کو رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ رہن میں رکھی ہوئی چیز فروخت کے لیے متعین ہوتی ہے اگر دین ادا نہ کر سکتا ہو۔ دوسری صورت یہ بیان کی کہ متفرق چیز کو رہن رکھنا جائز نہیں مثلاً درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو درخت کے بغیر یا کھیتی کو زمین کے بغیر رہن رکھنا۔ تیسری صورت یہ بیان کی کہ ایسی چیز کو رہن رکھا کہ جو راہن کے حق کے ساتھ مشغول ہو مثلاً درختوں کو پھلوں کے بغیر اور زمین کو کھیتی کے بغیر چونکہ درخت اور زمین رہن کے پھل اور کھیتی کے ساتھ مشغول ہے۔ چونکہ آیت رہن (فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ آیت: ۲۸۳ بقرہ) میں قبضہ کی شرط ہے اور قبضہ مکمل تب ہی ہوگا

کہ جب چیز دوسروں کی ملکیت سے الگ تھلگ ہوگی۔

امانتوں کے بدلے رہن:

قولہ: ولا تصح الخ: امانتوں کے بدلے میں رہن رکھنے کا حکم یہ ہے کہ امانتوں کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں امانت اس مال کو کہا جاتا ہے کہ جس کے ہلاک ہونے سے امین پر ضمان واجب نہیں اسی طرح عاریت پر لیا ہوا مال بھی رہن میں رکھنا صحیح نہیں کیونکہ یہ مال بھی دوسروں کا ہے نہ کہ راہن کا اسی طرح مال مضاربت کو بھی رہن میں رکھنا صحیح نہیں اسی طرح مال شرکت بھی رہن میں رکھنا صحیح نہیں کیونکہ ان اشیاء کے ہلاک ہوجانے پر ضمان واجب نہیں جب کہ رہن کا مضمون ہونا شرط ہے۔

وَيَصِحُّ الرَّهْنُ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيْهِ فَإِنْ هَلَكَ فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِتَمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَصَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِحَقِّهٖ حُكْمًا وَإِذَا اتَّفَقَا عَلٰى وَضْعِ الرَّهْنِ عَلٰى يَدَىْ عَدْلٍ جَازَ وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وَلَا لِلرَّاهِنِ اَخْذُهٗ مِنْ يَدِهٖ فَإِذَا هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ، وَيَجُوْزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ، وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ فَإِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا وَهَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَإِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ

”اور رہن رکھنا بیع سلم کے رأس المال، ثمن صرف اور مسلم فیہ کے بدلے میں درست ہے۔ پس اگر رہن مجلس عقد میں ہلاک ہوجائے تو عقد صرف اور عقد سلم مکمل ہوجائے گا اور مرتہن حکمی اعتبار سے اپنا حق وصول کرنے والا شمار ہوگا اور اگر راہن اور مرتہن کا کسی عادل شخص کے پاس رہن رکھنے پر اتفاق ہوجائے تو جائز ہے اور مرتہن اور راہن کو اس کے قبضہ سے لینے کی اجازت نہیں پس اگر اس شخص کے قبضہ میں رہ کر وہ ہلاک ہوجائے تو مرتہن کے ضمان میں سے ہلاکت شمار ہوگی اور درہم اور دینار اور مکیلی اور موزونی اشیاء کو رہن رکھنا جائز ہے۔ پس اگر وہ اپنی جنس کے عوض رہن رکھی گئی اور وہ ہلاک ہوگئی تو اس کی مثل کے عوض دین میں ہلاک ہوگی اگرچہ دونوں عمدگی اور بناوٹ میں مختلف ہوں۔“

رأس المال اور مسلم فیہ کے عوض رہن کا حکم:

قولہ: ويصح الرهن الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ ایسی تین چیزوں کو بیان کر رہے ہیں کہ جن کو رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ رہن کے لیے یہ اصول ہے کہ ”جو مال مضمون ہو اس کو رہن رکھا جاتا ہے“ یہ اصول بیع سلم میں پایا جاتا ہے کہ سلم کا رأس المال مضمون ہوتا ہے۔ لہٰذا رأس المال کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح بیع صرف میں ثمن مضمون ہوتا ہے۔ لہٰذا ثمن صرف کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے اسی طرح مسلم فیہ میں مال مضمون ہوتا ہے مسلم فیہ سے مراد بیع سلم میں مبیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا مسلم فیہ کے عوض بھی رہن رکھنا جائز ہے۔ (طوالت سے بچتے ہوئے بیع سلم اور بیع صرف کے تحت تعریفیں دیکھ لی جائیں)
جب کہ امام زفر اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مذکورہ چیزوں کو رہن رکھنا جائز نہیں۔

مذکورہ چیزیں مجلس عقد میں ہلاک ہونے پر حکم:

قولہ: فان هلك الخ: جب مذکورہ چیزیں مجلس عقد میں مرتہن کے قبضہ کرنے کے بعد ہلاک ہوگئیں تو عقد صرف اور عقد

سلم مکمل ہو جائے گا۔ اور مرتہن حکماً ثمن کو وصول کرنے والا شمار ہوگا اگرچہ حقیقتاً نہیں۔

تیسرے آدمی کے پاس رہن رکھنے کا حکم:

قولہ: واذا اتفقا الخ: مصنف فرماتے ہیں کہ اگر راہن اور مرتہن کے اتفاق رائے سے رہن کو کسی تیسرے عادل شخص کے پاس رکھ لیا جائے تو رہن درست ہوگا اب عادل شخص کے قبضہ سے شی مرہون نہ ہی مرتہن لے سکتا ہے اور نہ ہی راہن لے سکتا ہے ہاں راہن اور مرتہن میں سے ہر ایک باہمی اتفاق سے لے سکتا ہے کیونکہ اس شی میں دونوں کا حق ہے اس لیے دونوں اپنے حقوق میں تصرف کر سکتے ہیں۔ اگر عادل شخص کے پاس شی مرہون ہلاک ہوگئی تو مرتہن کے ضمان سے ہلاک ہوگی کیونکہ مرتہن کی وجہ سے عادل کے پاس رکھی گئی ہے۔ جبکہ امام زفر اور امام ابن ابی لیلی کے نزدیک تیسرے شخص کے پاس رہن رکھنا جائز نہیں۔

اموال ربویہ کا رہن:

قولہ: ویجوز رھن الدراھم الخ: وہ اموال کہ جن میں ربوٰ متحقق ہو سکتا ہے ان کو کسی چیز کے بدلے میں رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ ان چیزوں کو بیچ کر اپنا دین وصول کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان چیزوں کو اپنی جنس کے عوض رہن رکھا گیا۔ مثلاً دراہم کو چاندی کے عوض رہن رکھا گیا یا دنانیر کو سونے کے عوض تو اس صورت میں اگر رہن ہلاک ہوگئی تو اس کے بدلے میں اس کی مثل جتنا دین ہوگا وہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ دین اور رہن میں عمدگی اور بناوٹ کے لحاظ سے فرق ہو کیونکہ جنس ایک ہو تو رہن میں بھی عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے۔ رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں کیل یا وزن کا اعتبار ہوگا یہ مذہب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہے یہی مفتی بہ قول ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک قیمت کا اعتبار ہوگا۔

وَمَنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ عَلَى غَيْرِهِ فَأَخَذَ مِنْهُ مِثْلَ دَيْنِهِ فَأَنْفَقَهُ، ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ كَانَ زُيُوفًا فَلَا شَيْءَ لَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَرُدُّ مِثْلَ الزُّيُوفِ وَيَرْجِعُ بِالْجِيَادِ وَمَنْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفٍ فَقَضَى حِصَّةَ أَحَدِهِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَقْبِضَهُ حَتَّى يُؤَدِّيَ بَاقِيَ الدَّيْنِ فَإِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ، أَوِ الْعَدْلَ، أَوْ غَيْرَهُمَا بِبَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ فَالْوَكَالَةُ جَائِزَةٌ فَإِنْ شَرَطَ الْوَكَالَةَ فِي عَقْدِ الرَّهْنِ فَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ عَزْلُهُ عَنْهَا فَإِنْ عَزَلَهُ لَمْ يَنْعَزِلْ وَإِنْ مَاتَ الرَّاهِنُ لَمْ يَنْعَزِلْ وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهِ وَيَحْبِسَهُ بِهِ وَإِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِهِ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُمَكِّنَهُ مِنْ بَيْعِهِ حَتَّى يَقْبِضَهُ الدَّيْنَ مِنْ ثَمَنِهِ فَإِذَا قَضَاهُ الدَّيْنَ قِيلَ لَهُ سَلِّمِ الرَّهْنَ إِلَيْهِ.

”اور جس شخص کا کسی دوسرے پر دین تھا تو اس نے اپنے دین کی مثل اس سے وصول کیا اسے خرچ کر دیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ کھوٹا تھا تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لیے اب کچھ نہیں ہے اور صاحبین نے فرمایا کھوٹے کے ہم مثل لوٹا کر ہم مثل وصول کرے اور جس شخص نے دو غلام ایک ہزار کے عوض رہن رکھے پھر اس کے بعد غلام کا ایک حصہ آزاد کر دیا تو اس کے لیے اس غلام پر قبضہ کرنے کا اختیار حاصل نہیں یہاں تک کہ باقی دین ادا کر دے اور اگر راہن نے

دین کی ادائیگی کا وقت گزر جانے کے بعد مرتہن یا کسی عادل شخص کو یا اس کے علاوہ کسی تیسرے کو شی مرہون کی فروختگی کا وکیل بنایا تو یہ وکالت جائز ہے اور اگر عقد رہن میں وکالت کی شرط لگادی گئی تو راہن کے لیے وکیل کو وکالت سے معزول کرنے کا اختیار نہیں اگر معزول کر دیا تو معزول نہ ہوگا اور اگر راہن فوت ہو گیا تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا اور مرتہن کو حق ہے کہ راہن سے اپنے حق کا مطالبہ کرے اور اس قرض کی وجہ سے اس کو قید کرائے اگر شی مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہو تو راہن کو اس کے فروخت کرنے پر قدرت نہیں یہاں تک کہ مرتہن اپنا قرض اس رہن کے ثمن میں سے وصول کر لے جب راہن مرتہن کو قرضہ ادا کر دے تو مرتہن سے کہا جائے گا کہ شی مرھون کو راہن کے حوالے کر دو۔"

دَین کی وصولی اور ہلاکت کے بعد کھوٹ کا علم ہونا:

قولہ: ومن کان لہ دین الخ: امام قدروی رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے عمدہ دین کے بدلے میں کھوٹے دین کی وصول یابی اور اس کے بعد اس کے ہلاک ہو جانے کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ کسی نے دین میں عمدہ دراہم دیے لیکن واپسی پر کھوٹے دراہم ملے اور خرچ کر دے یا ہلاک ہو گئے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کھوٹے تھے کیا اس صورت میں مدیون سے کوئی چیز وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے۔

متن میں صاحبین کے موقف کی وضاحت:

امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے امام اعظم کے مقابلے میں صاحبین کے موقف کو ذکر کیا ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں۔ لہٰذا یہ اختلاف طرفین اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ہوا۔ (الترجیح والتصحیح الجوھرۃ النیرۃ، الجامع الصغیر) طرفین کا موقف یہ ہے کہ اس نے اپنا حق وصول کر لیا ہے اور ایک جنس ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں لہٰذا کھوٹے دراہم دینے والے کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ جب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا موقف یہ ہے کہ گھٹیا واپس کرے اور عمدہ لے لے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وزن وعدد کے ساتھ ساتھ مالیت و معیار میں بھی برابر ہونا ضروری ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر دلیل حدیث رسول ہے جو فقہی قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہے "لا ضرر ولا ضرار" "نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسرے کو نقصان دو۔" (ردالمحتار، اللباب، دررالاحکام)

دَین واحد کے عوض دو چیزیں:

قولہ: ومن رھن الخ: اگر کسی نے دین کے عوض دو چیزیں بطور رہن رکھیں مثلاً ایک لاکھ کے عوض دو غلام رکھے پھر دین کا ایک حصہ یعنی 50000 ہزار ادا کر دیے تو جب تک باقی ادا نہیں کرے گا اس وقت تک دونوں غلام رہن میں رہیں گے کیونکہ دونوں غلام لاکھ کے مجموعے کے عوض رہن ہیں ایسا نہیں کہ 50000,50000 ہزار کے عوض رہن کیونکہ اصول ہے کہ "پوری شی مرہون پورے قرضے کے بدلے میں ہوتی ہے" ہاں اگر مرتہن خود اجازت دے تو راہن واپس لے سکتا ہے مگر قانوناً نہیں لے سکتا۔

راہن کی طرف سے توکیل بیع:

قولہ: فاذا وکل الخ: راہن مرہن کا مالک ہے لہٰذا وہ جس کو چاہے وکیل بنائے چاہے مرتہن کو یا عادل شخص کو یا کسی اور کو۔ توکیل مرتہن کے لیے اعتماد ووثیقہ کی بھی ایک صورت ہے۔

عقدرہن میں توکیل کی شرط:

قولہ: فان شرطت الخ: اگر عقدرہن میں مرتہن نے کسی کو وکیل بنانے کی شرط لگائی کہ فلاں شخص وکیل ہوگا کہ اگر دین ادا نہ کرسکا تو فلاں فروخت کرکے دین ادا کرے گا اگر راہن نے اس شرط کو قبول کرلیا تو راہن وکیل کو معزول نہیں کرسکتا کہ وثیقہ واعتماد کے لیے عقدرہن میں جو شرط طے ہوئی ہو راہن اس کو مرتہن کی رضامندی کے بغیر ختم نہیں کرسکتا۔ وکیل کے معزول ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو راہن دین ادا کردے تو معزول ہوجائے گا یا عدم ادائیگی کی صورت میں وکیل رہن فروخت کرکے دین ادا کردے تو معزول ہوجائے گا ورنہ معزول نہ ہوگا۔

قرض کے مطالبے کی صورت:

قولہ: وللمرتھن ان یطلب الخ: شی مرہون مرتہن کے پاس تھی کہ راہن نے ابھی تک قرض ادا نہیں کیا کہ راہن شی مرہون کو واپس لینا چاہتا ہے تو مرتہن کو حق ہے کہ اس سے دین کا مطالبہ کرے جب تک دین ادا نہ کرے تو رہن کو روکے رکھے اگر بلاوجہ ٹال مٹول کرے تو عدالت کے ذریعے جیل میں قید کراسکتا ہے۔

راہن کو بیع سے روکنے کا حکم:

قولہ: وان کان الرھن الخ: اگر راہن شی مرہون کو فروخت کرنا چاہتا ہے حالانکہ ابھی تک دین ادا نہیں کیا تو فروخت نہیں کرسکتا کہ جب تک دین ادا نہ کردے چاہے اپنے پاس سے ادا کرے یا مرہون کی بیع کرکے قیمت سے دین ادا کردے تو مرتہن سے کہا جائے گا کہ اب رہن کو راہن کے حوالے کردو کہ جب تک پورا دین وصول نہیں کرپاتا اس وقت تک رہن کو روک سکتا ہے اور وصول یابی کے بعد حوالے کردے۔

وَاِذَا بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَالْمَبِيْعُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُرْتَهِنُ جَازَ وَاِنْ قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَ اَيْضًا وَاِنْ اَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبْدَ الرَّهْنِ نَفَذَ عِتْقُهُ فَاِذَا كَانَ الرَّاهِنُ مُوسِرًا وَّالدَّيْنُ حَالًّا طُولِبَ بِاَدَاءِ الدَّيْنِ وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ مُؤَجَّلًا اُخِذَ مِنْهُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ فَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهُ حَتّٰى يَحِلَّ الدَّيْنُ وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْعَبْدُ فِي قِيْمَتِهِ فَقَضَى بِهِ الدَّيْنَ وَكَذٰلِكَ اِذَا اسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ وَاِنِ اسْتَهْلَكَهُ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ هُوَ الْخَصْمُ فِي تَضْمِيْنِهِ وَيَاْخُذُ الْقِيْمَةَ فَتَكُوْنُ رَهْنًا فِي يَدِهِ

"اور جب راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن کو فروخت کردیا تو بیع موقوف ہے تو اگر مرتہن اس کو جائز قرار دے تو جائز

ہے اور اگر راہن نے مرتہن کو دین ادا کر دیا تو بھی جائز ہے اور اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر عبد مرہون کو آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا اگر راہن مالدار ہے اور دین کی ادائیگی فوری ہو تو راہن سے دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر دین میں مہلت ہو تو اس سے غلام کی قیمت لے لی جائے گی اس کو رہن کی جگہ رکھ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دین ادا کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہو تو غلام اپنی قیمت میں کوشش کرے اور دین ادا کرے اس کے بعد غلام راہن آقا سے اس کو وصول کرلے اور اسی طرح اگر راہن مرہون چیز کو ہلاک کر دے اور اگر اس کو کسی اجنبی شخص نے ہلاک کر دیا تو اس کو ضامن بنانے میں مرتہن مدعی ہوگا اور مرتہن اس اجنبی شخص سے اس کی قیمت وصول کرے گا اور قیمت مرتہن کے قبضہ میں رہے گی۔"

بغیر اجازت کے رہن فروخت کرنا:

قولہ: واذا باع الراھن الخ: امام قدوری یہاں سے رہن میں تصرف کی صورتوں کا آغاز کر رہے ہیں جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر رہن مرتہن کے قبضہ میں ہے اور راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر رہن کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو بغیر اجازت کے فروخت نہیں کر سکتا کہ فقہی قاعدہ ہے "اِذَا تَعَارَضَ الْمَانِعُ وَالْمُقْتَضِي فَاِنَّهٗ يُقَدَّمُ الْمَانِعُ" یعنی جب دلیل مانع اور دلیل مقتضی کے درمیان تعارض آجائے تو دلیل مانع کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ شی مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق وابستہ ہے۔ لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر بیع کی تو بیع موقوف رہے گی۔ البتہ دو صورتوں میں بیع نافذ ہو سکتی ہے ایک یہ کہ مرتہن خود اجازت دے دے۔ دوسری صورت یہ کہ راہن دین ادا کر دے تو نافذ ہو جائے گی۔

عبد مرہون کو آزاد کرنے کی صورت میں حکم:

قولہ: وان اعتق الخ: رہن میں تصرف کی ایک صورت یہ ہے کہ اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کے بغیر اپنا غلام آزاد کر دیا تو آزادی نافذ ہو جائے گی غلام کی آزادی اور بیع کی صورت میں فرق یہ ہے کہ آزادی انسان کا بنیادی حق ہے اس لیے اس کا شائبہ بھی آجائے تو آزادی نافذ کر دی جائے گی شریعت نے غلام کی آزادی پر بڑا زور دیا ہے اسی وجہ سے مشترک غلام کا ایک حصہ آزاد ہو جاتا ہے حالانکہ غیر کا حق بھی وابستہ ہے جب مشترک غلام بقدر حصہ آزاد ہو سکتا ہے تو اپنا غلام بدرجہ اولیٰ آزاد ہوگا۔ اب دین کی صورت حال کو دیکھا جائے گا کہ فی الحال ادا کرنا واجب ہے یا مہلت کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے بصورت اول راہن سے فی الحال ہی دین کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا بصورت ثانی اگر دین کی ادائیگی میں مہلت ہو تو راہن دو حال سے خالی نہیں کہ مالدار ہے یا تنگ دست اگر مالدار ہے تو اس سے غلام کی قیمت وصول کی جائے گی اور اس کو رہن رکھ دیا جائے گا مدت کے پورا ہونے پر دین کا مطالبہ کیا جائے گا اگر دین ادا کر دیا تو قیمت واپس ہوگی اگر دین ادا نہ کیا تو اس قیمت سے دین کو وصول کیا جائے گا اگر راہن تنگ دست ہو تو غلام کو کہا جائے گا کہ دین کے برابر کمائی کر کے دین کی ادائیگی کرو پھر جب آقا مالدار ہو جائے تو غلام اس سے اپنی قیمت وصول کرلے گا۔ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک اگر راہن غریب ہو تو آزادی نافذ نہ ہوگی۔

رہن کو ہلاک کرنے کی صورت میں حکم:

قولہ: وکذالك ان ستھلك الخ: رہن میں تصرف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ رہن کو ہلاک کر دیا جائے ہلاک کرنے

کی دو صورتیں ہیں یا تو خود راہن نے رہن کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو اس کا حکم وہی ہے جو غلام کی آزادی کا ہے اس کی قیمت بطور رہن رکھی جائے گی اگر رہن کو کسی اجنبی نے ہلاک کیا ہے تو مرتہن خود ضمان لینے کا مدعی ہوگا کیونکہ یہ اصول ہے کہ "جو جس چیز کا ذمہ دار ہوتا ہے وہی ساری کارروائی کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔" لہٰذا مرتہن اجنبی سے اس چیز کی قیمت لے کر رہن رکھے کیونکہ جو حکم اصل کا ہے وہی حکم اس کے نائب کا بھی ہے۔ فقہائے کرام نے کسی بھی فریق کو نقصان سے بچانے کے لیے احادیث سے مستنبط شرائط لگائی ہیں تاکہ آدمی نہ خود نقصان اٹھائے اور نہ دوسرے کو نقصان دے۔

وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُونَةٌ وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تَسْقُطُ مِنْ دَيْنِهِ بِقَدْرِهَا وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ، وَالْمُرْتَهِنِ وَعَلَى أَمْوَالِهِمَا هَدَرٌ وَأُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِي يُحْفَظُ فِيهِ الرَّهْنُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَأُجْرَةُ الرَّاعِي عَلَى الرَّاهِنِ وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ،

"اور راہن کا رہن پر جنایت کرنا ضمان کا سبب ہے اور مرتہن کی جنایت رہن پر دین کو بقدر جنایت ساقط کر دیتی ہے اور رہن کی جنایت راہن اور مرتہن پر اور ان کے مالوں پر غیر معتبر ہے اور اس مکان کی اجرت جس میں رہن کی حفاظت کی جائے مرتہن پر ہے اور چرواہے کی مزدوری راہن پر ہے اور رہن کا کھانا پینا راہن پر ہے۔"

جنایت کا حکم:

قولہ: وجناية الرهن الخ: یہاں سے امام قدوری راہن اور مرتہن کا رہن پر اور رہن کا راھن اور مرتہن پر جنایت کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ اگر راہن نے مرھون میں کوئی جنایت کر دی مثلاً دین کے عوض بیس ہزار کا موبائل رہن رکھا ہوا تھا تو راہن نے اس میں خرابی کر دی کہ اب وہ مالیت میں دس ہزار کا رہ گیا تو راہن پر لازم ہے کہ دس ہزار مرتہن کو دے تاکہ دین کی ادائیگی تک اس کو رہن رکھے اگرچہ موبائل تو راہن کا تھا مگر ابھی تو حق مرتہن کا وابستہ تھا اور یہ اصول ہے کہ "ضمان کے اعتبار سے مالک کی حیثیت اجنبی کی سی ہوتی ہے، اگر مرتہن نے جنایت کی مثلاً موبائل بیس ہزار کا تھا مرتہن نے اس میں خرابی کر کے اس کی مالیت گرا دی کہ اب وہ دس ہزار کا ہے۔ اب جنایت کا تاوان مرتہن کے دین سے وصول کیا جائے گا۔

اگر رہن نے راہن یا مرتہن پر جنایت کی مثلاً غلام نے راہن کا نقصان کر دیا تو نقصان کا بدل نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اگر اس کو فروخت کر کے تاوان وصول کرے گا تو اپنا ہی مال فروخت کرے گا۔ اگر مرتہن کا نقصان کرتا ہے تب بھی تاوان نہیں کیونکہ مرتہن کی ذمہ داری تھی کہ اس کی حفاظت کرتا تاکہ وہ نقصان نہ دیتا لہٰذا غلام کے نقصان کرنے پر غلام پر کوئی تاوان نہیں۔ ہاں اگر غلام مرتہن کو قتل کر دے تو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

رہن کے اخراجات:

قولہ: واجرة البيت الخ: رہن پر ہونے والے اخراجات دو قسم کے ہیں ایک وہ اخراجات کہ جن کا تعلق رہن کی حفاظت سے ہے تو ایسے اخراجات مرتہن پر لازم ہیں کیونکہ شی مرہون کی حفاظت مرتہن کی ضرورت ہے اور یہ اصول ہے کہ "جس کی ضرورت ہو اخراجات بھی اس پر لازم ہوتے ہیں" لہٰذا حفاظت کی اجرت مرتہن پر ہے مثلاً گھر کی حفاظت کا کرایہ محافظ وغیرہ کی

تنخواہ، دوسرے وہ اخراجات کہ جن کا تعلق رہن کی ذات سے ہے تو ایسے اخراجات راہن پر لازم ہیں کیونکہ ”جن چیزوں سے شی مرہون باقی رہتی ہو یا بڑھتی ہو تو اس کی اجرت راہن پر لازم ہوگی مثلاً شی مرہون کو کھلانے اور پلانے کا خرچ راہن پر ہوگا کہ شی مرہون راہن کی ہے لہٰذا اس کی بڑھوتری اور بقا کا خرچ بھی اسی پر ہوگا۔

رہن سے نفع اٹھانے کی شرعی حیثیت:

کوئی چیز مثلاً مکان، دوکان یا زمین وغیرہ رہن (گروی) رکھ کر قرض لینا درست ہے مگر مرتہن کا رہن سے نفع اٹھانا سود ہے جس کی حرمت قطعی ویقینی ہے کیونکہ نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ ”كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفِعَةً فَهُوَ رِبوٰ.“ جو قرض بھی دنیاوی نفع دے وہ سود ہے۔ چونکہ رہن مرتہن کے پاس ایک حیثیت سے امانت ہے اور دوسری حیثیت سے قرض کی وصولی کے لیے ضمانت ہے۔ لہٰذا مرتہن کا کسی بھی طریقے سے نفع اٹھانا اکثر فقہاء کے نزدیک اگرچہ راہن کی اجازت سے ہی کیوں نہ ہو سود ہوگا۔ اگر رہن شرعی کے بجائے اجارہ ہو مثلاً ایک کے پاس کئی مکان یا دوکان ہیں مگر کاروبار کے لیے رقم نہیں۔ اب وہ باہمی یوں عقد اجارہ کرتے ہیں کہ تم میرا مکان لے کر چاہے اس میں رہو یا کرائے پر دو اس سے نفع اٹھاؤ اور مجھے اتنے لاکھ دو اس سے میں نفع اٹھاؤں باقی اصل رقم آپ کی ہوگی تو اس صورت میں مکان و دوکان سے نفع باہمی اجارہ فاسدہ پر ہوگا۔ اور مکان و دوکان کا کرایہ مثلی لازم ہوگا اگر بغیر شرط کے ہو تو فقہاء کرام نے نفع اٹھانے کو جائز قرار دیا ہے۔

وَنَمَاؤُهُ لِلرَّاهِنِ فَيَكُونُ النَّمَاءُ رَهْنًا مَعَ الْأَصْلِ فَإِنْ هَلَكَ النَّمَاءُ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَإِنْ هَلَكَ الْأَصْلُ وَبَقِيَ النَّمَاءُ افْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِهِ وَيُقْسَمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ الرَّهْنِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَعَلَى قِيمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ فَمَا أَصَابَ الْأَصْلَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهِ وَمَا أَصَابَ النَّمَاءَ افْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِهِ وَيَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ وَلَا يَجُوزُ الزِّيادةُ فِي الدَّيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّد رحمهما الله وَلَا يَصِيرُ الرَّهْنُ رَهْنًا بِهِمَا وَقَالَ أَبُويُوسُف جَائِزٌ

”اور رہن کی بڑھوتری راہن کے لیے ہے تو بڑھوتری بھی اصل کے ساتھ رہن ہوگی۔ پس اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی اور اگر اصل ہلاک ہوگئی اور بڑھوتری باقی رہی تو راہن اس کو اس کا حصہ دے کر چھڑائے گا اور دین قبضے کے دن قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن۔ پس اصل کے مقابلے میں جو قیمت پہنچے اس کے مطابق قرضہ ساقط ہو جائے گا اور جو قیمت بڑھوتری کے مقابلے میں آئے راہن اس کے بدلے بڑھوتری کو چھڑالے گا اور رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے اور طرفین کے نزدیک دین میں اضافہ کرنا جائز نہیں اور رہن ان دونوں کے عوض میں نہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔“

حل لغات: نماء بڑھوتری، اضافہ۔ افتلث افتکاک سے ہے بمعنی چھڑانا، آزاد کرانا۔

مرہون میں اضافے کا حکم:

قولہ: ونماؤہ الخ: نماء اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو رہن سے پیدا ہو مثلاً گائے رہن تھی اس نے بچہ دے دیا یا درخت

رہن میں تھا اس پر پھل لگ کے ثمار (بڑھوتری) کا حکم یہ ہے کہ یہ اصل رہن کے ساتھ مل کر مرتہن کے پاس بطور رہن ہی رہے گی اگر مرتہن کے پاس بڑھوتری ہلاک ہوگئی اور اصل باقی ہے تو مرتہن پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا کیونکہ بڑھوتری بطور امانت ہے۔ امانت کے ہلاک ہونے پر ضمان واجب نہیں ہوتا۔ اور اگر اصل ہلاک ہوگئی اور بڑھوتری باقی ہے تو قرض میں سے بڑھوتری کا حصہ ادا کر کے بڑھوتری واپس لے گا کیونکہ یہاں بڑھوتری تابع سے نکل کر مقصود کے درجے میں ہے۔ لہٰذا جب تابع اصل ہو جائے تو اس کے مقابلے میں قیمت آتی ہے۔

اصل اور تابع میں قیمت کا اعتبار کس دن سے؟:

قولہ: ویقسم الخ: اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی کہ جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا جب کہ بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی کہ جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کر کے مرتہن کے قبضے سے چھڑا رہا ہے کیونکہ بڑھوتری ہر دن بڑھ رہی ہے اس پر آخری دن کی قیمت لگے گی اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے بکر سے نو ہزار روپے قرض لیے اور رہن میں دس ہزار کی بکری رکھ دی۔ بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ ہزار تھی گویا اب نو ہزار قرض کے عوض پندرہ ہزار کی مالیت رہن ہے پھر بکری ضائع ہوگئی جو پندرہ ہزار کے مقابلے میں دس ہزار دو تہائی ہوئی تو گویا قرض سے دو تہائی ہلاک ہوئی لہٰذا چھ ہزار قرض میں کاٹ لیے گئے باقی ایک تہائی تین ہزار راہن مرتہن کو دے کر بڑھوتری کو چھڑا لے گا۔

رہن یا دین میں اضافے کا حکم:

قولہ: ویجوز الزیادۃ الخ: امام قدوری فرماتے ہیں کہ رہن میں اضافہ کرنا جائز ہے یہ آئمہ احناف ثلاثہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے مثلاً رہن میں ایک مکان رکھا تھا پھر دوسرا بھی رکھ دیا تو دونوں مکان ایک دین کے عوض میں ہوں گے۔ دین میں اضافہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف کے نزدیک دین میں اضافہ کرنا جائز ہے مثلاً بکری دس ہزار کے بدلے میں رہن رکھی ہے۔ اب اگر اسی بکری کے عوض میں مزید دین لیتا ہے تو طرفین کے نزدیک بعد میں لیا گیا دین رہن کے عوض میں نہ ہوگا جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی پہلے کی طرح رہن کے عوض میں ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس کی دلیل آیت قرآنی ہے کہ آیت میں "رھان مقبوضہ" ہے اس لیے بکری پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے اس لیے دوسرا دین اس میں شامل نہ ہوگا۔ نیز دین اور رہن کے باہمی معاملہ سے وثوق حاصل ہوتا ہے جب کہ زیادتی دین سے اس کا ترک لازم آتا ہے جو عقد کے منافی ہے۔ (تقدیم قول فی ملتقی الابحر، دیگر معون علی قول الامام)

جب کہ امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہن و دین دونوں میں اضافہ جائز نہیں کیونکہ دونوں میں اشتراک لازم آتا ہے جو عقد کے منافی ہے۔

وَاِذَا رَهَنَ عَيْنًا وَّاحِدَةً عِنْدَ رَجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَلَيْهِ جَازَ وَجَمِيْعُهَا رَهْنٌ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَالْمَضْمُوْنُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حِصَّةُ دَيْنِهٖ مِنْهَا فَاِنْ قَضٰى اَحَدُهُمَا

دَيْنَهُ كَانَتْ كُلُّهَا رَهْنًا فِي يَدِ الْآخَرِ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلٰى أَنْ يَرْهَنَهُ الْمُشْتَرِيْ بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهِ فَامْتَنَعَ الْمُشْتَرِيْ مِنْ تَسْلِيْمِ الرَّهْنِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ وَكَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ رَضِيَ بِتَرْكِ الرَّهْنِ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ إِلَّا أَنْ يَدْفَعَ الْمُشْتَرِيْ الثَّمَنَ حَالًّا، أَوْ يَدْفَعَ قِيْمَةَ الرَّهْنِ فَيَكُوْنُ رَهْنًا

"اور جب ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں رہن رکھے تو جائز ہے اور پورا رہن رہن ہوگا دونوں میں سے ہر ایک کے بدلے میں اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر ان کے دین کے حصے کے مطابق ہے پس اگر دونوں میں سے ایک کے دین کو ادا کر دیا تو دوسرے کے ہاتھ میں کل کا کل رہن رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا قرض وصول کرے اور کسی نے غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ خریدار ثمن کے بدلے میں اس کے پاس کوئی متعین چیز رکھے گا تو خریدار رہن کو حوالے کرنے سے رک گیا تو حوالے کرنے پر خریدار کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور فروخت کرنے والے کو اختیار ہوگا چاہے تو رہن کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے، چاہے تو بیع فسخ کر دے مگر یہ کہ خریدار فوراً ثمن ادا کر دے یا اسے رہن کی قیمت دے دے تاکہ رہن ہو جائے۔"

ایک چیز دو آدمیوں کے پاس رہن:

قولہ: واذا رھن عینا الخ: اگر کسی شخص نے دو آدمیوں سے قرض لے کر ایک چیز بطور رہن دونوں کے پاس رکھ دی تو یہ رہن رکھنا جائز ہے اب اگر رہن ہلاک ہو جاتی ہے تو دونوں مرتہن اپنے اپنے قرض کے حصے کے مطابق ضامن ہوں گے نہ کہ ہر ایک کل کا ضامن ہوگا۔

اگر ان میں سے ایک کا قرض ادا کر دیا دوسرے کا باقی ہے تو رہن تمام کا تمام دوسرے کے پاس رہے گا۔ راہن اس وقت تک اپنی چیز کو واپس نہیں لے سکتا کہ جب تک دوسرے کا قرض ادا نہ کر دے کیونکہ دونوں کے قرض کے عوض رہن تھی۔

رہن کی شرط پر بیع:

قولہ: ومن باع الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے غلام فروخت کرتے ہوئے یہ شرط لگائی کہ اس کی قیمت کے بدلے میں فلاں چیز بطور رہن رکھو گے۔ از روئے قیاس یہ عقد تو جائز نہیں کہ بیع کے منافی شرط ہے مگر استحساناً جائز ہے۔ اگر خریدار نے عقد بیع کے بعد وہ چیز بطور رہن نہ رکھی تو آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک اسے رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جب کہ امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وعدہ وفائی کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک اگر خریدار نے کوئی چیز رہن نہ رکھی تو بائع کو اختیار ہے کہ بیع فسخ کر دے لیکن اگر خریدار فوراً ہی غلام کی قیمت ادا کر دیتا ہے یا رہن کی قیمت رہن میں رکھ دیتا ہے تو اس صورت میں بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ختم ہو جائے گا اور رہن کی قیمت ہی رہن کے قائم مقام ہوگی۔

وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَحْفَظَ الرَّهْنَ بِنَفْسِهِ وَزَوْجَتِهِ وَوَلَدِهِ وَخَادِمِهِ الَّذِيْ فِيْ عِيَالِهِ وَإِنْ حَفِظَهُ بِغَيْرِ مَنْ هُوَ فِيْ عِيَالِهِ أَوْ أَوْدَعَهُ ضَمِنَ وَإِذَا تَعَدَّى الْمُرْتَهِنُ فِي الرَّهْنِ ضَمِنَهُ ضَمَانَ

الْغَصْبِ بِجَمِيعِ قِيمَتِهِ وَإِذَا أَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ فَقَبَضَهُ خَرَجَ مِنْ ضَمَانِهِ فَإِنْ هَلَكَ فِي يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَسْتَرْجِعَهُ إِلَى يَدِهِ فَإِذَا أَخَذَهُ عَادَ الضَّمَانُ عَلَيْهِ وَإِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّيْنَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نَصَبَ الْقَاضِي لَهُ وَصِيًّا وَأَمَرَهُ بِبَيْعِهِ۔

''اور مرتہن کے لیے جائز ہے کہ رہن کی خود حفاظت کرے یا اس کی بیوی یا اس کی اولاد یا اس کا ملازم جو اس کی عیال داری میں ہے اور اگر اس کی حفاظت اس شخص نے کی جو اس کی عیال داری میں نہیں ہے یا اس نے اس کو امانت کے طور پر رکھ دیا تو ضامن ہوگا اور اگر مرتہن نے رہن میں زیادتی کی تو وہ اس کا ضامن ہوگا مثل غصب کے ضمان کے تمام قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مرتہن نے راہن کو رہن عاریۃً دے دی اور راہن نے اس پر قبضہ کرلیا تو رہن مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی اب اگر وہ راہن کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو وہ بغیر ضمان کے ہلاک ہوگی اور مرتہن کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے قبضے سے رہن کو واپس لے لے اب اگر رہن کو واپس لے لیا تو ضمان اس پر لوٹ آئے گا اور اگر راہن فوت ہوگیا تو اس کا وصی اسے فروخت کرے اور قرضہ ادا کرے اور اگر اس کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی اس کے لیے وصی مقرر کرے اور اس کو فروخت کرنے کا حکم صادر کرے۔''

مرتہن رہن کی کن سے حفاظت کرائے؟:

قولہ: وللمرتهن ان يحفظ الخ: کہ جس طرح مرتہن اپنے مال کی حفاظت خود کرتا ہے اور اپنی بیوی، اپنی اولاد اور خادم خاص سے کرواتا ہے اسی طرح رہن کی حفاظت بھی خود کرسکتا ہے اور اپنی بیوی، اپنی اولاد اور خادم خاص سے حفاظت کرواسکتا ہے۔ خادم خاص سے مراد وہ ہے کہ جس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے نہ کہ جو ملازم کی طرح آیا کام کیا چلا گیا۔ یہ خادم خاص نہیں۔ لہٰذا ذکر کردہ افراد کی حفاظت میں اگر رہن ہلاک ہوجائے گا تو اسے تعدی شمار نہیں کیا جائے گا۔ اگر مرتہن نے اپنے عیال کے علاوہ سے حفاظت کروائی اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا اسی طرح اگر کسی کے پاس رہن کو بطور امانت رکھا اور وہ ہلاک ہوگئی تو مرتہن ضامن ہوگا کیونکہ عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی ہے۔

مرتہن کا رہن میں تعدی:

قولہ: واذا تعدى المرتهن الخ: اگر مرتہن نے رہن میں تعدی (زیادتی) کی کہ وہ ہلاک ہوگئی تو وہ رہن کی قیمت کا ضامن ہوگا کہ جس طرح غصب شدہ چیز کو ہلاک کرنے پر اس کی قیمت کا ضمان واجب ہوتا ہے اسی طرح رہن میں جان بوجھ کر تعدی کرنے پر مرتہن پر ضمان واجب ہوگا۔ مثلاً نو ہزار قرض دیا اور رہن میں بکری رکھی کہ جس کی قیمت دس ہزار ہے اور بکری کو خود ہلاک کر دیا تو اب پورے دس ہزار کا ضامن ہوگا اگر ہلاک نہ کرتا بلکہ خود ہلاک ہوجاتی تو نو ہزار قرض سے کٹتے اور ایک ہزار بطور امانت ہوتا اور امانت جب بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان نہیں۔ لہٰذا ایک ہزار کا ضمان نہ ہوگا مگر تعدی کی صورت میں ہوگا۔

مرتہن کا راہن کو عاریۃ رہن دینا:

قولہ: واذا عار الخ: جب مرتہن نے رہن کو راہن کے حوالے عاریۃً کر دیا تو شئی جس کی تھی اس کے پاس پہنچ گئی اور مرتہن کے قبضے سے نکل گئی اب اگر ہلاک ہوتی ہے تو راہن کی چیز ہلاک ہوگی کیونکہ اس کے قبضے میں چیز آ گئی ہے۔ اصول یہ ہے کہ ''جو چیز جس کی ہے اس کے پاس ہلاک ہونے پر نہ تاوان ہے اور نہ ضمان'' اب مرتہن کو دین ادا کرے لیکن رہن کی قیمت رکھنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ رہن عقد تبرع ہے کہ جس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

مرتہن کا رہن کو واپس لینا:

قولہ: وللمرتھن الخ: مرتہن کا راہن کو عاریۃ رہن دینے کے بعد رجوع کا بھی حق حاصل ہے کہ عاریۃ دینے کے بعد رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوا ابھی تک وہ شئی رہن میں ہے۔ لہٰذا رہن کو واپس لینے پر ضمان مرتہن پر آ جائے گا۔

راہن کے فوت ہونے کی صورت میں حکم:

قولہ: واذا مات الخ: راہن نے اگر زندگی میں کسی کو رہن فروخت کر کے قرض ادا کرنے کا حکم دیا تھا تو راہن کے مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ وصی کو فروخت کر کے قرض ادا کرنے کا حق حاصل رہے گا۔

وصی نہ ہونے کی صورت میں حکم:

قولہ: فان لم یکن الخ: کہ راہن کا انتقال ہو گیا ابھی تک قرض ادا نہ کر پایا تھا اور رہن کو فروخت کر کے قرض کی ادائیگی کے لیے کسی کو وصیت بھی نہیں کی تو اس صورت میں قاضی وقت رہن کو فروخت کرنے اور قرض کی ادائیگی کے لیے وصی مقرر کرے تا کہ وہ فروخت کر کے قرض ادا کر دے اصول یہ ہے کہ'' جب حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی اس کی نگرانی کرے گا'' تا کہ مرتہن نقصان سے بچ جائے اور راہن قرض کے بوجھ سے آزاد ہو جائے کہ نہ خود نقصان اٹھاؤ نہ دوسرے کو نقصان دو۔

جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: ''لا ضرر ولا ضرار''۔ یہ فقہی قاعدہ حضور نبی کریم ﷺ فرمان ہے جو جوامع الکلام میں سے ایک ہے۔

کتاب الحجر

حجر کا لغوی معنی:

مطلقاً روکنے کو حجر کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے کہ عقل انسان کو افعال قبیحہ کے ارتکاب سے روکتی ہے۔

اصطلاحی معنی:

"مَنْعٌ مِنْ نَفَاذِ تَصَرُّفٍ قَوْلِيٍّ". (لباب، مجمع الانہر)

کسی کو تصرفات قولیہ کے نفاذ (زبان کے تصرف) سے روک دینا حجر کہلاتا ہے مثلاً بیع وشرا اور ہبہ وغیرہ جو قول سے منعقد ہوتے ہیں۔ اور جو تصرفات فعلیہ ہوں مثلاً قتل، مال ضائع کرنا وغیرہ تو ان میں حجر نہیں کیونکہ یہ فعل سے منعقد ہوتے ہیں۔

اَلْاَسْبَابُ الْمُوجِبَةُ لِلْحَجْرِ ثَلَاثَةٌ الصِّغَرُ، وَالرِّقُّ، وَالْجُنُوْنُ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الصَّبِيِّ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيِّه وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْعَبْدِ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِه وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِه بِحَالٍ

"حجر کو واجب کرنے والے اسباب تین ہیں بچپنا، غلامی اور پاگل پن اور بچے کا تصرف جائز نہیں مگر ولی کی اجازت سے اور غلام کا تصرف جائز نہیں مگر اس کے مالک کی اجازت سے اور ایسا مجنون کہ جس کی عقل مغلوب ہو اس کا تصرف کسی حال میں جائز نہیں۔"

حجر کے تین اسباب:

قولہ: الاسباب الموجبة الخ: کہ جن اسباب کی وجہ سے انسان کو تصرفات قولیہ سے روک دیا جاتا ہے۔ وہ تین ہیں:

۱۔ بچپنا۔

۲۔ غلامی۔

۳۔ پاگل پن اور یہ تینوں اسباب متفق علیہ ہیں۔

ان میں سے پہلا سبب بچپنا ہے کہ بچپنے کی وجہ سے عقل کی کمی ہوتی ہے کہ اچھی اور بری چیزی کی تمیز نہیں کر پاتا لیکن اگر بچے کا ولی اس کو خرید وفروخت کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔ اور دوسرا سبب غلامی ہے کہ غلام کی عقل تو کامل ہے لیکن اس کے خرید و فروخت سے مالک کو نقصان کا خطرہ ہے اس لیے اسے مالک کی اجازت کے بغیر معاملہ کرنے سے روکا گیا۔

تیسرا سبب جنون:

قولہ: ولا یجوز الخ: حجر کے اسباب میں سے تیسرا سبب جنون ہے۔ جنون کا معنی پاگل پن ودیوانہ پن ہے شریعت میں مجنون کی علیحدہ تعریف نہیں۔ مجنون کی دو قسمیں ہیں ایک وہ مجنون کہ جس کو کبھی افاقہ نہیں ہوتا ایسے مجنون کی عقل نہیں ہوتی اس لیے

اس کے تصرفات قولیہ ہر حال میں درست نہیں۔ اگر چہ ولی اجازت بھی دے دے اور ایک وہ مجنون ہے کہ جس کو دائمی جنون نہیں پھر اس کی دو صورتیں ہیں کہ افاقے کا وقت معین ہے یا نہیں اگر وقت معین ہے تو اس وقت بیع مثل عاقل کے ہوگی اور اگر وقت معین نہیں تو ایسے کے تصرفات ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے۔

جنون اور معتو میں فرق:

مسلوب الحواس کی اعلیٰ قسم جنون ہے اور ادنیٰ قسم عتہ ہے جنون والے کو مجنون اور عتہ والے کو معتو کہا جاتا ہے ان کے درمیان وجہ اشتراک یہ ہے کہ دونوں کے عقل میں خلل ہوتا ہے وجہ فرق یہ ہے کہ مجنون وہ ہے جو ضرب وشتم کرے اور معتوہ وہ ہے جو ضرب وشتم نہ کرے اور معتو کا حکم بچوں والا ہے۔

وَمَنْ بَاعَ مِنْ هٰؤُلَاءِ شَيْئًا ، اَوْ اشْتَرَاهُ وَهُوَ يَعْقِلُ الْعَقْدَ وَيَقْصِدُهُ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَهُ اِذَا كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ ، وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهُ وَهٰذِهِ الْمَعَانِي الثَّلَاثَةُ تُوجِبُ الْحَجْرَ فِي الْاَقْوَالِ دُوْنَ الْاَفْعَالِ وَالصَّبِيُّ ، وَالْمَجْنُوْنُ لَا تَصِحُّ عُقُوْدُهُمَا وَلَا اِقْرَارُهُمَا وَلَا يَقَعُ طَلَاقُهُمَا وَلَا عَتَاقُهُمَا وَاِنْ اَتْلَفَا شَيْئًا لَزِمَهُمَا ضَمَانُهُ .فَاَمَّا الْعَبْدُ فَاَقْوَالُهُ نَافِذَةٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ غَيْرُ نَافِذَةٍ فِي حَقِّ مَوْلَاهُ فَاِنْ اَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَهُ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ وَلَمْ يَلْزَمْهُ فِي الْحَالِ فَاِنْ اَقَرَّ بِحَدٍّ . اَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهُ فِي الْحَالِ وَيَنْفُذُ طَلَاقُهُ وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰى امْرَاَتِهِ

"اور ان میں سے جس نے کوئی چیز بیچی یا خریدی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا ارادہ بھی رکھتا ہو تو ولی کو اختیار ہے اگر چاہے تو اسے اجازت دے دے جب کہ اس میں فائدہ ہو اور اگر چاہے تو اسے فسخ کردے پس یہ تین اسباب اقوال میں حجر کو ثابت کرتے ہیں نہ کہ افعال میں اور بہر حال بچے اور مجنون ان دونوں کا نہ خرید وفروخت کرنا درست ہے اور نہ ہی ان دو کا اقرار اور نہ دونوں کی طلاق واقع ہوگی اور نہ دونوں کی طرف غلام کی آزادی درست ہے۔ پس اگر دونوں نے کوئی چیز ضائع کردی تو ان دونوں پر اس چیز کی ضمان لازم ہوگی بہر حال غلام تو اس کے اقوال اس کی ذات کے حق میں نافذ ہوں گے اس کے مالک کے حق میں نافذ ہوں گے پس اگر اس نے کسی مال کا اقرار کیا تو اس کی آزادی کے بعد اسے لازم ہوگا اور فی الحال لازم نہ ہوگا اور اگر اس نے حد یا قصاص کا اقرار کیا تو فی الحال ہی لازم ہوگا اور اس کی دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی اور اس کے مالک کی طلاق اس کی بیوی پر واقع نہ ہوگی۔"

محجورین کے تصرفات کے احکام:

قولہ: ومن باع الخ: امام قدوری یہاں سے ان افراد کے تصرفات کے احکام بیان کر رہے ہیں کہ جن کے تصرفات قولیہ پر پابندی لگادی گئی ہے۔ عبارت میں "هٰؤُلَاءِ" کا مرجع بچہ، غلام اور وہ مجنون ہے کہ جس کو جنون دائمی نہ ہو اور جنون سے افاقہ کا وقت بھی متعین نہ ہو تو وہ مثل بچہ کے ہے جو ماتن کی عبارت سے مفہوم مخالف ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان تینوں میں سے کسی ایک نے بیع کو بیع سمجھتے ہوئے اور بیع کا ارادہ کرتے ہوئے بیع کی تو ولی مال کو

اجازت ہے اگر بیع میں فائدہ دیکھے تو بیع نافذ کردے بشرطیکہ نہ غبن فاحش ہو اور نہ کی فاحش ہو ورنہ فسخ کردے۔ اگر نہ بیع کو سمجھتے ہوں اور نہ بیع کا ارادہ کرتے ہوں بلکہ مذاق و کھیل ہے تو سرے سے بیع ہی نہیں۔

ولی مال اور ولی نکاح میں فرق:

امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یوں فرق بیان فرمایا ہے۔ ''ولایت مال صرف سات کو حاصل ہے بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام جب کہ ولایت نکاح ترتیب عصبہ مثلاً بیٹا عاقل و بالغ، وہ نہ ہو تو باپ وہ نہ ہو تو دادا اور وہ نہ ہو تو بھائی وہ نہ ہو تو بھتیجا وہ نہ ہو تو چچا وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا الٰی آخر العصبات۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۹/ ۶۳۵)

حجر صرف تصرفات قولیہ میں:

قولہ: فهذه المعاني الخ: مصنف فرماتے ہیں حجر کے تین اسباب تصرفات قولیہ میں جاری ہوتے ہیں نہ کہ افعال میں اقوال بھی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ اقوال جو نفع اور نقصان دونوں کا احتمال رکھتے ہوں مثلاً بیع و شراء وغیرہ۔

۲۔ وہ اقوال جو صرف نقصان دیتے ہیں۔ مثلاً طلاق و عتاق بچے اور مجنون کے حق میں نہ غلام کے حق میں۔

۳۔ وہ اقوال جو صرف نفع دیتے ہوں جیسے قبول ہبہ و ہدیہ۔

متن میں اقوال سے مراد پہلی دو قسمیں ہیں کہ جہاں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو وہاں حجر، حکم کو اجازت پر موقوف کر دیتا ہے اور جہاں صرف نقصان ہو وہاں حجر حکم کو معدوم کر دیتا ہے۔ لہٰذا جہاں محض نفع ہی ہے وہاں ولی کی اجازت ضروری نہیں مثلاً اسلام قبول کرنا ہبہ یا ہدیہ قبول کرنا وغیرہ۔

اقوال میں عدم اور افعال میں وجود کے اعتبار کی وجہ:

ان کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ اقوال کا وجود خارج میں نہیں ہوتا صرف شرعاً معتبر ہے اس لیے اقوال میں عدم کا اعتبار کیا گیا۔ جب کہ افعال کا خارج میں وجود ہوتا ہے مثلاً قتل، مال ضائع کرنا وغیرہ اس لیے افعال میں ان کے عمل کو تسلیم کیا گیا۔

بچے اور مجنون کے تصرفات:

قولہ: اما الصبي الخ: بچے اور مجنون کو عقل نہیں اس لیے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں یہ خرید و فروخت نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ امور نفع و نقصان کے درمیان دائر ہیں۔ لہٰذا ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے۔ اور نہ ہی کسی چیز کا اقرار، نہ ہی طلاق اور نہ ہی کسی کو آزاد کر سکتے ہیں کیونکہ یہ امور صرف نقصان دہ ہیں اگرچہ ولی اجازت دے بھی دے تب بھی معدوم ہی رہیں گے۔

بچے کی طلاق صرف دو صورتوں میں منحصر:

۱۔ بچے اور بچی کا نکاح حالت کفر میں ہوا۔ پھر بچی اسلام لے آئی اب قاضی بچے پر اسلام پیش کرے گا اگر اسلام لے آتا ہے فبہا ورنہ مذہب صحیح کے مطابق طلاق ہو جائے گی۔

۲۔ بچے کا آلہ تناسل کٹا ہو دعویٰ پر تفریق کردی گی تو مذہب صحیح پر طلاق ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ۱۹/ ۶۳۹)

غلام کے تصرفات:

قولہ واما العبد الخ: غلام اگر بالغ ہے تو عقلمند ہے لہٰذا اس کے اقوال اس کی ذات کے بارے میں نافذ ہوں گے کہ اگر اس نے کسی چیز کا اقرار اپنی ذات کے حق میں کیا تو آزادی کے بعد ادا کرنا لازم ہوگا نہ کہ غلامی کے دوران یا بیوی کو طلاق دی تو یہ اقوال نافذ ہوں گے کیونکہ یہ اس کے ذاتی نقصان ہیں لیکن اپنے مالک کے حق میں اقرار نہیں کر سکتا بشرطیکہ اس کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو اگر تجارت کی اجازت دی ہو تو اقرار کرنا جائز ہے۔ اگر غلام نے کسی حد یا قصاص کا اقرار کیا تو اس کی ذات پر یہ سزائیں فی الحال نافذ کی جائیں گی کیونکہ وہ اپنی جان میں خود مختار ہے اس کے حق میں اقرار کر سکتا ہے۔

مولیٰ کا غلام کی بیوی کو طلاق دینا:

قولہ: ولا یقع الخ: غلام کی بیوی کو اس کا مولیٰ طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ طلاق کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے جب کہ شوہر تو غلام ہے نہ کہ مولیٰ۔ اسی وجہ سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عدالت کی نافذ کردہ طلاق واقع نہ ہوگی کہ طلاق کا اختیار شوہر کو ہے۔ باقی تفصیل کتاب الطلاق میں آئے گی۔

مجبور اور ممنوع میں فرق:

ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ مجور عنہ (جس کو روکا گیا) کا فعل غیر معتبر ہوتا ہے نہ حرام ہوتا ہے اور نہ مکروہ جب کہ ممنوع (جس کو منع کیا گیا) کا فعل معتبر ہوتا ہے خواہ حرام ہو یا مکروہ مثلاً بیع فاسد ممنوع ہے مگر قبضہ کرنے سے ملک ثابت ہو جاتی ہے اور جب کہ نابالغ بچے نے بیع کی تو مشتری کا قبضہ کرنے کے باوجود ملک ثابت نہ ہوگی بشرطیکہ ولی اجازت نہ دے۔

وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَا اَحْجُرُ عَلَى السَّفِيْهِ اِذَا كَانَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا وَّتَصَرُّفُهٗ فِيْ مَالِهٖ جَائِزٌ وَّاِنْ كَانَ مُبَذِّرًا مُّفْسِدًا يُتْلِفُ مَالَهٗ فِيْمَا لَا غَرَضَ لَهٗ فِيْهِ وَلَا مَصْلَحَةَ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ: اِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَمْ يُسَلَّمْ اِلَيْهِ مَالُهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً فَاِنْ تَصَرَّفَ قَبْلَ ذٰلِكَ نَفَذَ تَصَرُّفُهٗ فَاِذَا بَلَغَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً سُلِّمَ اِلَيْهِ مَالُهٗ، وَاِنْ لَمْ يُؤْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ وَيُمْنَعُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيْ مَالِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ اَجَازَهُ الْحَاكِمُ وَاِنْ اَعْتَقَ عَبْدًا نَفَذَ عِتْقُهٗ وَكَانَ عَلَى الْعَبْدِ اَنْ يَّسْعٰى فِيْ قِيْمَتِهٖ فَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً جَازَ نِكَاحُهٗ وَاِنْ سَمّٰى لَهَا مَهْرًا جَازَ مِنْهُ مِقْدَارُ مَهْرِ مِثْلِهَا وَبَطَلَ

الْفَاضِلُ وَقَالَا يُمْنَعُ مَنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيدٍ لَمْ يُدْفَعْ إِلَيْهِ مَالُهُ أَبَدًا حَتّٰى يُؤْنَسَ مِنْهُ الرُّشْدُ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُهُ فِيْهِ

"اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بیوقوف عاقل و بالغ ہو تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا اور بیوقوف کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچ ہو مفسد ہو ایسی جگہ مال ضائع کرتا ہو جس میں نہ کوئی غرض ہو اور نہ کوئی مصلحت جیسے اس کو دریا میں ضائع کرتا ہو یا اس کو آگ میں جلاتا ہو مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر نا سمجھی کی حالت میں بالغ ہوا تو اسے اس کا مال حوالے نہیں کیا جائے گا کہ جب تک وہ پچیس سال کا نہ ہو جائے اور اگر اس سے پہلے اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا پس جب وہ پچیس سال کا ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کیا جائے گا اگرچہ اس میں سمجھداری محسوس نہ بھی ہو۔ اور صاحبین نے فرمایا: بیوقوف پر حجر کیا جائے گا اور اسے مال میں تصرف سے روکا جائے گا پس اگر اس نے بیع کی تو اس کی بیع اس کے مال میں نافذ نہ ہو گی اور اس میں مصلحت ہو تو حاکم اسے اجازت دے دے اور اگر اس نے غلام آزاد کیا تو اس کی آزادی نافذ ہو گی اور غلام پر لازم ہو گا کہ اپنی قیمت کی ادائیگی میں کوشش کرے۔ اور اگر بیوقوف نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کا نکاح جائز ہے پس اگر اس کے لیے مہر مقرر کیا تو مہر مثلی کی مقدار جائز ہے۔ اور زیادتی باطل ہو گی اور صاحبین نے فرمایا کہ اس شخص کے بارے میں جو بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا تو اس کو اس کا مال اس وقت تک نہیں دیا جائے گا کہ جب تک اس میں سمجھداری کے آثار نمایاں نہ ہوں اور اس کا مال میں تصرف جائز نہیں۔"

حل لغات: السفیہ: کی تشریح بعد میں آ رہی ہے۔ مُبَذِّرٌ: فضول خرچ، مُفْسِدٌ: اسراف کرنے والا، یُؤْنَسُ: انس سے ہے۔ بمعنی محسوس کرنا، الرشد: بمعنی دانائی۔

سفیہ پر حجر:

قولہ: وقال ابو حنیفہ الخ: امام قدوری یہاں سے سفیہ کے تصرفات پر حجر کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔

سفیہ کی تعریف:

سفیہ اس بیوقوف و نادان کو کہا جاتا ہے جو اپنا مال ایسے کاموں میں خرچ کرتا ہو جن میں نہ فائدہ ہو اور نہ ہی مصلحت، سفیہ کا مقابل فقہ میں "رشید" ہے احناف اور مالکیہ کے نزدیک سفاہت و رشد کا تعلق امور دنیا سے ہے نہ کہ امور دینیہ سے جب کہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک دونوں سے ہے۔

فضول خرچی سے مراد:

وہ فضول خرچی ہے کہ جس کا نہ عقل سے تعلق ہو نہ شریعت سے۔ امام قدوری نے اس پوری عبارت میں سفیہ کی دو قسموں کے احکام بیان فرمائے۔

۱۔سفیہ بالغ۔ ۲۔سفیہ غیر بالغ۔

سفیہ بالغ کے احکام:

سفیہ بالغ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عاقل و بالغ ہو مگر بیوقوف و نادان ہو ایسے سفیہ پر حجر کے متعلق آئمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے کہ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمی آزاد ہو عاقل و بالغ ہو لیکن بیوقوفی کی وجہ سے زیادہ خرچ کرتا ہو تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا اس کی خرید و فروخت نافذ ہوگی کیونکہ معاملات کرنے کا مدار عقل و بلوغ پر ہے اور وہ اس میں موجود ہے اگر عقل نہ ہو تو جنون کی وجہ سے حجر ہوگا۔ لہٰذا سفیہ بالغ اپنے مال کو اگرچہ دریا میں ضائع کرتا ہو یا جلاتا ہو تو اس پر عقل و بلوغ کی وجہ سے حجر نہیں کیا جائے گا جب کہ صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ ایسے شخص پر حجر کیا جائے گا قاضی اس کو اپنے مال سے روکے گا اور اس بیع میں اگر مصلحت دیکھے تو نافذ قرار دے ورنہ فسخ کردے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ (النساء ۵)

آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سفیہ کا مال سفیہ کو نہیں دیا جائے گا بلکہ ولی اپنے پاس رکھ کر اس پر خرچ کرے گا نیز سفیہ میں عدم شعور کی وجہ سے شفقت و ہمدردی بھی اسی میں ہے کہ اس پر حجر کیا جائے۔ (در مختار، البحر الرائق، اللباب)

اگر سفیہ غلام کو آزاد کرے تو آزاد ہو جائے گا تینوں آئمہ کے نزدیک کیونکہ امام صاحب کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک حجر تو درست ہے مگر غلام کی آزادی میں نہیں کیونکہ یہ اس کا ذاتی حق تھا جو اسے ملا اور چونکہ آزادی کا شائبہ بھی آئے تو شریعت اس کو نافذ کرتی ہے۔ لہٰذا غلام آزاد ہو جائے گا لیکن نقصان کے ازالے کے لیے غلام آزاد ہونے کے بعد اپنی قیمت کما کر اس کو ادا کرے گا۔ اسی طرح سفیہ بالغ نکاح بھی کر سکتا ہے کہ نکاح کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے اور مہر، مہر مثلی ہوگا اگر زیادہ مقرر کیا تو زیادتی باطل ہوگی۔

سفیہ غیر بالغ کے احکام:

وہ شخص جو نابالغی میں سفیہ تھا کہ اسی حالت میں بالغ ہوا۔ تو ایسے شخص پر حجر کے متعلق آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر بالغ ہونے کے بعد پچیس سال تک بھی سمجھ داری کے آثار نمایاں نہیں ہوتے تو اس پر حجر کر دیا جائے گا اسے اس کا مال نہیں دیا جائے گا اور جب پچیس سال کا ہو جائے تو اگرچہ سمجھ داری کے آثار نمایاں نہ بھی ہوں تب بھی مال حوالے کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی پچیس سال میں دادا بن سکتا ہے۔ مثلاً بارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا کہ شادی کر دی بچہ ہوا وہ بارہ سال کا ہوا کہ شادی کر دی تو آدمی دادا بن سکتا ہے اس لیے پچیس سال تک مال نہ دیا جائے۔ لیکن اگر مال میں تصرف کیا تو تصرف نافذ ہوگا۔ پچیس سال کا ہو جائے تو مال دے دیا جائے جب کہ صاحبین کے نزدیک اگرچہ پچیس سال سے عمر بڑھ بھی جائے

اگرچہ بوڑھا کیوں نہ ہو جائے جب تک سمجھداری کے آثار نمایاں نہ ہوں اسے مال نہیں دیا جائے گا اور اس کا کوئی تصرف نافذ نہ ہو گا۔ یہاں بھی مفتیٰ بہ قول صاحبین ہی کا ہے دلیل گزر چکی ہے اور آئمہ ثلاثہ کا مذہب بھی صاحبین والا ہے۔

وَتُخْرَجُ الزَّكَاةُ مِنْ مَالِ السَّفِيْهِ وَيُنْفَقُ عَلٰى اَوْلَادِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَمَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَتُهٗ مِنْ ذَوِي اَرْحَامِهٖ فَاِنْ اَرَادَ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْهَا وَلَا يُسَلِّمُ الْقَاضِي النَّفَقَةَ اِلَيْهِ وَيُسَلِّمُهَا اِلٰى ثِقَةٍ مِنَ الْحَاجِّ يُنْفِقُهَا عَلَيْهِ فِيْ طَرِيْقِ الْحَجِّ فَاِنْ مَرِضَ فَاَوْصٰى بِوَصَايَا مِنَ الْقُرَبِ وَاَبْوَابِ الْخَيْرِ جَازَ ذٰلِكَ فِيْ ثُلُثِ مَالِهٖ

"اور بیوقوف کے مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اس کی اولاد اور اس کی بیوی اور ذوی الارحام میں سے جس کا خرچہ اس پر واجب ہو اس پر خرچ کیا جائے گا اور اگر سفیہ حج کا ارادہ کرے تو اسے منع نہیں کیا جائے گا اور قاضی خرچہ اسے نہیں دے گا بلکہ حاجیوں میں سے کسی معتبر کو دے تاکہ وہ اس پر حج کے راستے میں خرچ کرے پس اگر سفیہ بیمار ہو گیا تو اس نے ثواب اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت کی تو اس کے مال کے تہائی سے جائز ہو گی۔"

بیوقوف کے مال سے زکوٰۃ اور نفقہ:

قولہ: وتخرج الزکاۃ الخ: اگر بیوقوف کے مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس کے مال سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی مگر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نیت ضروری ہے اس لیے بیوقوف کو دی جائے تاکہ زکوٰۃ کو مصرف میں خرچ کرے۔ اسی طرح جن جن افراد کا نان ونفقہ اس پر واجب ہے اس کی ادائیگی بھی اس کے مال سے ہو گی کیونکہ یہ نان ونفقہ حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔ لہٰذا یہ خرچ بیوقوف کے امین کے پاس ہو، تاکہ وہ خرچ کرے۔

بیوقوف کا حج:

قولہ: فان اراد الخ: اگر بیوقوف صاحب استطاعت ہے تو حج سے نہیں روکا جائے گا لیکن زادِ راہ اس کو دینے کے بجائے کسی امانت دار حاجی کو قاضی حوالے کرے تاکہ وہ جائز مقامات پر خرچ کرے۔

بیوقوف کی وصیت:

قولہ: فاذا مرض الخ: اگر حالت مرض میں بیوقوف کسی کار خیر میں مال خرچ کرنے یا زمین کو وقف کرنے کی وصیت کر جائے تو اس کے مال و جائیداد میں سے ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) میں وصیت نافذ ہو گی کیونکہ آخرت کے لیے کار خیر بھی حاجت اصلیہ میں سے ہے باقی دو تہائی مال ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

وَبُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالْاِحْتِلَامِ وَالْاِنْزَالِ وَالْاِحْبَالِ اِذَا وَطِئَ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهٗ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَبُلُوْغُ الْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ وَالْاِحْتِلَامِ وَالْحَبَلِ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهَا سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ : اِذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ ،

وَالْجَارِيَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا وَإِذَا رَاهَقَ الْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَأَشْكَلَ أَمْرُهُمَا فِي الْبُلُوغِ فَقَالَا قَدْ بَلَغْنَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُمَا وَأَحْكَامُهُمَا أَحْكَامُ الْبَالِغِينَ

''اور لڑکے کا بالغ ہونا احتلام اور انزال کے ذریعے اور حمل کر دینے کے ذریعے جب وہ جماع کرے پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں پس یہاں تک کہ اٹھارہ سال پورے ہو جائیں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض اور احتلام کے ذریعے اور حمل ٹھہرنے کے ذریعے پس اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو یہاں تک کہ سترہ سال پورے ہو جائیں۔ اور صاحبین نے فرمایا جب لڑکے اور لڑکی کے پندرہ سال پورے ہو جائیں بس دونوں بالغ ہیں۔ جب لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہوں ان دونوں کا معاملہ بلوغت میں مشتبہ ہو پس وہ دونوں کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو ان دونوں کا قول معتبر ہے اور ان دونوں کے احکام بالغوں والے ہوں گے۔''

حل لغات: بلوغ سے مراد بچپنے کا ختم ہو کر بالغ ہونا الاحبال وطی کے ذریعے حمل ٹھہرانا۔ راهق مراهقة سے بمعنی بلوغت کے قریب ہونا۔

بالغ ہونے کی مدت:

قولہ: وبلوغ الغلام الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے نابالغ لڑکے اور نابالغہ لڑکی کے بالغ ہونے کی مدت بیان کر رہے ہیں لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں۔

۱۔ اسے احتلام ہو جائے۔

۲۔ بیداری کی حالت میں (انزال) منی خارج ہو جائے۔

۳۔ کسی عورت کے ساتھ جماع کرنے کی وجہ سے حمل ٹھہر جائے۔ لہٰذا تینوں کا حاصل ''انزال'' ہی ہے۔ اسی طرح لڑکی کے بالغ ہونے کی بھی تین ہی علامتیں ہیں۔

۱۔ حیض کا آنا۔

۲۔ احتلام کا ہونا۔

۳۔ حمل کا ہونا۔ عورت کے حق میں انزال کا ذکر صراحتاً اس لیے نہیں کیا کہ اس کا علم عورت کو کم ہی ہوتا ہے۔

ان علامتوں کی عدم موجودگی میں بلوغت کی مدت میں اختلاف ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب لڑکا اٹھارہ سال کا اور لڑکی سترہ سال کی ہو جائے تو بالغ شمار ہوں گے جب کہ صاحبین کے نزدیک علامتوں کی عدم موجودگی میں جب دونوں پندرہ پندرہ سال کے ہو جائیں تو بالغ شمار ہوں گے۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس پر دلیل سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ واقعہ ہے کہ جب آپ کی عمر ۱۴ سال کی تھی تو آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں شرکت کی اجازت نہ دی جب آپ کی عمر ۱۵ سال ہوئی تو جنگ خندق میں اجازت دی گئی

نیز بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں اس حدیث کا عنوان "حد بلوغ" سے باندھے گئے ہیں اصول یہ ہے کہ "جن احکام میں نصوص نہ ہوں وہاں عادت بھی حجج شرعیہ میں شمار ہوتی ہے۔" لہٰذا عادۃً پندرہ سال کی عمر میں بلوغت آ ہی جاتی ہے۔ (درمختار، البحر الرائق، فتاویٰ ھندیہ) اور ادنیٰ مدت لڑکے کے بالغ ہونے کی بارہ سال اور لڑکی کے بالغ ہونے کی نو سال ہے اسی کو امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے "مختار" قرار دیا ہے۔ (جد الممتار ۳۲۹/۶)

حبل اور حمل میں فرق:

اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ حبل صرف انسانوں کے ساتھ خاص ہے کہ عورت کو حُبلیٰ، حمل والی کہا جا سکتا ہے مگر گابھن جانور کو نہیں جب کہ حمل عام ہے انسانوں اور بہائم دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

قریب البلوغ کا اقرار بلوغ:

قولہ: واذا راھق الخ: اگر لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہوں اور ان کے بالغ ہونے کا معاملہ مشتبہ ہو تو ان کے اقرار کا لحاظ کیا جائے گا کہ اگر بلوغت کا اقرار کرتے ہیں تو بالغ شمار کیا جائے گا کیونکہ اصول یہ ہے کہ "جہاں ظاہر کے تکذیب کی علامت نہ ہو تو وہاں گواہی قبول کی جائے گی" جیسا کہ عدت گزرنے اور حیض ختم ہونے پر عورت کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ : لَا اَحْجُرُ فِي الدَّيْنِ عَلَى الْمُفْلِسِ وَاِذَا وَجَبَتْ الدُّيُوْنُ عَلٰى رَجُلٍ مُفْلِسٍ وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهُ ، وَالْحَجْرَ عَلَيْهِ لَمْ اَحْجُرْ عَلَيْهِ وَاِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ لَمْ يَتَصَرَّفْ فِيْهِ الْحَاكِمُ وَلٰكِنْ يَحْبِسُهُ اَبَدًا حَتّٰى يَبِيْعَهُ فِيْ دَيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ لَهُ دَرَاهِمَ وَدَيْنَه دَرَاهِمُ قَضَاهُ الْقَاضِي بِغَيْرِ اَمْرِهٖ وَاِنْ كَانَ دَيْنُهُ دَرَاهِمَ وَلَهُ دَنَانِيْرُ ، اَوْ عَلٰى ضِدِّ ذٰلِكَ بَاعَهَا الْقَاضِي فِيْ دَيْنِهٖ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ : اِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُفْلِسِ الْحَجْرَ عَلَيْهِ حَجَرَ الْقَاضِي عَلَيْهِ وَمَنَعَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ ، وَالْبَيْعِ ، وَالْاِقْرَارِ حَتّٰى لَا يَضُرَّ بِالْغُرَمَاءِ وَبَاعَ مَالَهُ اِنِ امْتَنَعَ المفلس مِنْ بَيْعِهٖ وَقَسَمَهُ بَيْنَ غُرَمَائِهٖ بِالْحِصَصِ فَاِنْ اَقَرَّ فِيْ حَالِ الْحَجْرِ بِاِقْرَارِ مالٍ لَزِمَهُ ذٰلِكَ بَعْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ

"اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں قرض کی وجہ سے غریب و نادار پر حجر نہیں کروں گا اور اگر کسی غریب پر قرض ثابت ہو جائے اور اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے اور اس پر حجر کا مطالبہ کریں تو میں اس پر حجر نہیں کروں گا اور اگر اس کے پاس مال موجود ہے تو حاکم اس کے مال میں تصرف نہیں کرے گا لیکن اسے دائمی قید میں رکھے یہاں تک کہ قرض کی ادائیگی میں مال کو فروخت کر دے اور اگر اس کے پاس درہم ہوں اور اس پر قرض بھی درہم ہوں تو قاضی اس کی اجازت کے بغیر ادا کر دے اور اگر اس پر قرض درہم ہوں اور اس کے پاس موجود دینار ہوں یا اس کے برعکس تو قاضی انہیں اس کے قرض میں فروخت کرے اور صاحبین نے فرمایا جب غریب کے قرض خواہ اس پر حجر کا مطالبہ کریں تو قاضی اس پر حجر کرے اور قاضی اسے بیع، تصرف اور اقرار سے روکے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو اور قاضی اس کے

مال کو فروخت کرے جب کہ غریب بیچنے سے کترائے اور قاضی اس کو قرض خواہوں کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کرے پس اگر غریب نے حجر کی حالت میں کسی مال کا اقرار کیا تو یہ اقرار قرضوں کی ادائیگی کے بعد لازم ہوگا۔"

حل لغات: مفلس افلاس سے ہے بمعنی نادار غریب دیون جمع ہے دین کی بمعنی قرض۔ غرماء جمع ہے غریم کی بمعنی قرض خواہ۔ حصص جمع ہے حصہ کی بمعنی حصہ۔

امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نادار پر حجر کا حکم:

قولہ: وقال ابو حنیفۃ الخ جب کسی شخص پر قرضوں کا بوجھ ہو اور قرض خواہ عدالت میں اس پر حجر کا مطالبہ کرتے ہوں تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر حجر نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ عاقل و بالغ ہے اور عاقل و بالغ کو بیع و شراء وغیرہ سے روکنا ظلم ہے۔ جو انسانی اہلیت کو ختم کرنے کے مترادف ہے البتہ قرض خواہوں کے مطالبہ کی وجہ سے حاکم وقت اس کو ہمیشہ قید کردے گا کہ جب تک وہ خود اپنا مال فروخت کر کے قرض ادا نہ کردے لیکن حاکم خود اس کے مال کو فروخت نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو حجر ثابت ہو گا۔ اگر غریب پر قرض دراہم یا دینار (کرنسی) ہوں اور اس کے پاس یہ موجود بھی ہوں مگر ادا نہ کرتا ہو۔ تو قاضی اس کی اجازت کے بغیر قرض خواہوں کو ادا کرے گا کیونکہ قرض خواہوں کا حق بعینہ مقروض کے پاس موجود ہے تو قرض خواہ بغیر اجازت کے لے سکتا ہے تو قاضی بدرجہ اولیٰ اس کا اختیار رکھتا ہے۔ یا قرض تو دراہم ہیں مگر پاس دینار ہیں یا اس کے برعکس ہو تو قاضی فروخت کر کے قرض کی جنس کو جنس سے ادا کرے گا۔

صاحبین کے نزدیک نادار پر حجر کا حکم:

قولہ: وقال ابو یوسف الخ: صاحبین کے نزدیک جب قرض خواہ حجر کا مطالبہ کریں تو قاضی مقروض پر حجر کرے گا تا کہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔ لہٰذا قاضی خرید و فروخت، تصرف اور اقرار سے نادار کو منع کرسکتا ہے اور قاضی اس کے مال کو فروخت کر کے قرض خواہوں کا قرض ادا کرسکتا ہے اور اگر کئی قرض خواہ ہوں تو ان کے حصوں کے مطابق قرض کی ادائیگی کرے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے: اس کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں کے مطالبہ پر حضرت معاذ پر حجر فرمایا۔ نیز قرض خواہوں کے حقوق کی پاسداری اور ان کے مال کو ضائع ہونے سے بچانا اس میں ہے کہ نادار پر حجر عائد کیا جائے۔ لہٰذا قاضی تصرف کرسکتا ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "تَصَرُّفُ الْإِمَامِ الرَّعِيَّةِ مَنُوْطٌ بِالْمَصْلَحَةِ" کہ رعایا کے معاملات میں امام کا تصرف کسی مصلحت کے سبب ہوتا ہے۔ (البحر الرائق، الفقہ الاسلامی وادلتہ)

حالت حجر میں اقرار کا حکم:

قولہ: فان اقر الخ: اگر کسی نادار پر حجر کا حکم عائد ہے کہ اس نے اسی دوران کسی چیز کا اقرار کرلیا تو یہ اقرار درست ہے جیسے فقہی قاعدہ ہے "اَلْمَرْءُ یُؤْخَذُ بِاِقْرَارِہٖ" کہ انسان اپنے اقرار میں پکڑا جاتا ہے مگر اس اقرار کی ادائیگی پہلے قرضوں کی ادائیگی

بعد ہوگی کیونکہ پہلے قرض خواہوں کا حق مقدم ہے۔

وَيُنْفَقُ عَلَى الْمُفْلِسِ مِنْ مَالِهِ وَعَلَى زَوْجَتِهِ وَأَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَذَوِي أَرْحَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ لِلْمُفْلِسِ مَالٌ وَّطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهُ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا مَالَ لِيْ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فِيْ كُلِّ دَيْنٍ الْتَزَمَهُ بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِيْ يَدِهِ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ وَفِيْ كُلِّ دَيْنٍ الْتَزَمَهُ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ وَلَمْ يَحْبِسْهُ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ كَعِوَضِ الْمَغْصُوْبِ وَأَرْشِ الْجِنَايَاتِ إِلَّا أَنْ يُقِيْمَ غَرِيْمُهُ بَيِّنَةً أَنَّ لَهُ مَالًا فَإِذَا حَبَسَهُ الْقَاضِيْ شَهْرَيْنِ، أَوْ ثَلَاثَةً سَأَلَ عَنْ حَالِهِ فَإِنْ لَمْ يَنْكَشِفْ لَهُ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهُ وَكَذٰلِكَ إِذَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ لَا مَالَ لَهُ فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهُ وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ بَعْدَ خُرُوْجِهِ مِنَ السِّجْنِ وَيُلَازِمُوْنَهُ وَلَا يَمْنَعُوْنَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ وَيَأْخُذُوْنَ فَضْلَ كَسْبِهِ فَيُقْسَمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ

''اور غریب مجبور کے مال سے اس پر اور اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے بچوں اور اس کے ذوی الارحام پر مال خرچ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ معلوم نہیں کہ غریب کے پاس مال ہے اور اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا مطالبہ کریں اور غریب بیان دے کہ میرے پاس مال نہیں تو حاکم اس کو ہر اس قرض کے بدلے میں قید میں رکھے جو اس نے ایسے مال کے عوض لازم کیا ہو جو اس کے قبضے میں آ چکا ہے جیسے بیع کا ثمن اور قرض کا بدلہ۔ نیز ہر اس قرض کی وجہ سے بھی جو اس پر کسی عقد سے لازم آیا جیسے مہر اور کفالہ اور حاکم اس غریب کو اس کے علاوہ صورتوں میں قید نہیں کرے گا۔ جیسے غصب کا بدلہ اور جنایت کا تاوان مگر یہ کہ گواہ قائم کیے جائیں کہ اس کے پاس مال موجود ہے اور حاکم اسے دو مہینے یا تین مہینے قید کرے اس کی حالت کے متعلق تحقیق کرتا رہے پس اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کو آزاد کر دے اور اسی طرح جب گواہ قائم کر دیئے اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اور قید سے نکلنے کے بعد قاضی غریب اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہو بلکہ وہ اس کے پیچھے لگے رہیں اور غریب کو تصرف کرنے اور سفر سے نہیں روکیں گے اور اس کی کمائی کی بچت سے لیں گے تو آپس میں حصوں کے مطابق تقسیم کریں گے۔''

حل لغات: کفالۃ ضمانت لینا، البینۃ گواہی خلی تخلیۃ سے ہے بمعنی راستہ آزاد کرنا چھوڑ دینا، یلازمون ملازمۃ سے ہے بمعنی پیچھا کرنا تعاقب کرنا۔

مفلس اور اس کے عیال پر خرچ:

قولہ: وینفق علی الخ: مفلس کے مال سے ایک تو اس کا اپنا خرچہ ادا کیا جائے گا دوسرا ان لوگوں کا خرچہ کہ جو اس کی کفالت میں ہیں۔ مثلاً اس کی بیوی، چھوٹی اولاد اور دیگر رشتہ دار کہ جن کا نفقہ اس پر واجب ہے۔

مفلس کو قید کرنے کا حکم:

قولہ: فان لم یعرف الخ: امام قدوری یہاں سے اس مفلس کے قید کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ جس کے پاس مال موجود نہ

ہو اگر قرض خواہ مفلس کو قید کرانے کا مطالبہ کریں اور مفلس کے پاس مال کی موجودگی کا بھی علم نہ ہو اور مفلس خود بھی بیان دے کہ میرے پاس مال موجود نہیں تو صرف دین کے عوض مفلس کو قید کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وہ دین جو ایسے مال کی وجہ سے لازم ہو جو اسے حاصل ہو مثلاً بیع کی وجہ سے ثمن لازم ہو یا قرض کے بدلے میں قرض کی ادائیگی لازم ہو۔

۲۔ وہ دین جو کسی عقد کی وجہ سے لازم ہو مثلاً کسی عورت سے نکاح کرنے کی وجہ سے اس پر مہر واجب ہوا یا کسی کی ضمانت لی تو ان دو صورتوں میں قاضی مفلس کو قید کروا سکتا ہے۔ ان کے علاوہ نہیں۔ لہٰذا اگر غصب شدہ کی ہلاکت پر ضمان واجب ہوا یا کوئی جنایت کی مثلاً کسی کو خطاً قتل کر دیا دیت واجب ہوئی تو اس صورت میں قید نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان کی وجہ سے مال ہاتھ میں نہیں آتا سوائے اس کے کہ قرض خواہ یہ گواہی پیش کر دیں کہ اس کے پاس مال ہے تو قید کیا جاسکتا ہے۔

کیونکہ ظاہر کے خلاف گواہی لائی گئی جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلْبَیِّنَۃُ لِاِثْبَاتِ خَلَافِ الظَّاھِرِ" کہ گواہی خلاف ظاہر کو ثابت کرنے کے لیے آتی ہے۔

مدت قید:

قولہ: ویحبسہ الحاکم الخ: مفلس کو قید کرنے کا حکم اس لیے تھا تاکہ مال کی تحقیق کی جائے کہ موجود ہے یا نہیں؟ نہ کہ مفلس کو سزا دینے کے لیے لہٰذا حاکم مال کی تحقیق کے لیے مفلس کو دو یا تین ماہ تک قید کرا سکتا ہے کہ اس دوران مال کی چھان بین کرتا رہے یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ واقعی مال نہیں ہے تو اس کو رہا کر دے۔ دو ماہ یا تین ماہ کی قید تحقیقِ مال کے لیے ہے اگر اس سے کم مدت میں علم ہو جائے کہ مال نہیں تو کم مدت میں ہی رہا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مفلس نے دو ماہ سے قبل ہی مال کے نہ ہونے پر گواہ قائم کر دیے تو رہا کر دیا جائے گا۔ لہٰذا حاصل کلام یہ ہے کہ یہ مدت حتمی نہیں بلکہ مفلس کی حالت پر موقوف ہے کہ اگر کم حوصلہ ہو تو جلدی بتا دے گا اگر باہمت واٹر پروف ہے تو زیادہ مدت بھی لگ سکتی ہے لہٰذا مدت، ثبوتِ مال پر موقوف رہے گی یہی مفتی بہ قول ہے۔

مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہونا:

قولہ: ولا یحول الخ: جب تحقیق کے بعد ثابت ہوا کہ مفلس کے پاس مال نہیں تو آزاد کر دیا تو آزاد کرنے کے بعد حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو بلکہ مفلس اور قرض خواہوں کو آزاد چھوڑ دے کہ قرض خواہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں کہ جب مفلس کے ہاتھ میں رقم آئے تو اپنا قرض وصول کر لیں اور قرض خواہوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مفلس کو کاروبار کرنے اور سفر سے روکیں ظاہر ہے کہ حرکت کرے گا تو کچھ کما کر ان کو بھی دے گا اور مفلس کی کمائی اولاً اپنی حاجت اصلیہ میں خرچ ہوگی پھر جو رقم بچے گی وہ قرض خواہوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی تاکہ قرض خواہوں میں نزاع نہ ہو۔

وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: اِذَا فَلَّسَہُ الْحَاکِمُ حَالَ بَیْنَہُ وَبَیْنَ غُرَمَائِہٖ اِلَّا اَنْ یُّقِیْمُوا الْبَیِّنَۃَ اَنَّہٗ قَدْ حَصَلَ لَہٗ مَالٌ وَلَا یُحْجَرُ عَلَی الْفَاسِقِ اِذَا کَانَ مُصْلِحًا لِمَالِہٖ وَالْفِسْقُ الْاَصْلِیُّ

وَالطَّارِئُ سَوَاءٌ وَّمَنْ اَفْلَسَ وَعِنْدَهُ مَتَاعٌ لِرَجُلٍ بِعَيْنِهٖ ابْتَاعَهُ مِنْهُ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ فِيْهِ

"اور صاحبین نے فرمایا کہ جب حاکم نے اس کو مفلس قرار دیا تو اب حاکم مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہو مگر یہ قرض خواہ گواہ قائم کر دیں کہ اس کے پاس مال موجود ہے اور فاسق پر حجر نہیں کیا جائے گا کہ جب وہ مال کی حفاظت کرتا ہو۔ فسق اصلی اور فسق طاری دونوں برابر ہیں اور جو شخص مفلس ہو گیا اور اس کے پاس کسی کا سامان موجود ہے۔ جس کو اس نے اس شخص سے خریدا تھا تو مالک سامان دیگر قرض خواہوں کے برابر ہے۔"

حل لغات: الطاری عارضی جو بلوغت کے بعد عارض ہو، متاع سامان۔

قولہ: وقال ابو یوسف الخ: اس سے قبل امام قدوری نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مذہب بیان کیا تھا کہ حاکم مفلس کو رہا کرنے کے بعد مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہوگا اب صاحبین کا مذہب بیان کر رہے ہیں کہ صاحبین کے نزدیک حاکم فیصلہ کرنے کے بعد ان کے درمیان حائل ہوگا تا کہ مفلس سے مطالبہ نہ کریں اگر مال کی موجودگی پر گواہ قائم کر دیں تو حاکم حائل نہ ہو لوگ مطالبہ کے مجاز ہوں گے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے کہ حاکم مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ (رد المحتار اور متون میں قول امام پر اعتماد کیا گیا ہے۔)

فاسق پر حجر کا حکم:

قولہ: ولا حجر الخ: احناف کے نزدیک اگر فاسق و فاجر مال صحیح طریقے سے کماتا ہے اور درست طریقے سے خرچ کرتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا کیونکہ حجر تو مال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے جب کہ فاسق مال کی حفاظت کرتا ہے باقی رہا فسق وہ دینی امور میں ہے لہٰذا چاہے فسق اصلی ہو یا عارضی دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ڈانٹ ڈپٹ کی خاطر فاسق پر حجر جائز ہے۔

مفلس کے پاس کسی کا سامان ہونے کی صورت میں حکم:

قولہ: ومن افلس الخ: مفلس کے پاس کسی کی بکری تھی کہ جس کی قیمت ادا کرنا ابھی باقی تھی کہ اس پر مفلس (دیوالیہ) کا حکم لگا دیا گیا اب موجود بکری فقط گزشتہ مالک کی نہ ہوگی بلکہ اس میں تمام قرض خواہ شریک ہوں گے کیونکہ بیع کے بعد بکری دیوالیہ کی ملک ہوگی اور اس پر اس کی قیمت قرض ہے۔ لہٰذا دیگر قرض خواہوں کی طرح بکری والا بھی اپنے حصے کے مطابق بکری کو فروخت کرنے کے بعد اپنا حصہ لے گا جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ بکری والے کو بکری کا حقدار قرار دیتے ہیں۔

کتاب الاقرار

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحجر کو بیان کیا کہ جس میں بعض مسائل کا تعلق اقرار سے بھی تھا اب مستقل کتاب الاقرار کے احکام کا آغاز کر رہے ہیں۔

اقرار کا لغوی معنیٰ:

یہ باب افعال کا مضاعف سے مصدر ہے کہ جس کا معنیٰ ثابت کرنا ہے اگر یہ مادہ مجرد (قرار) سے ہوتو بمعنیٰ ثابت ہونا۔

اصطلاحی معنیٰ:

"الاقرار بحق علیه" (لباب)

اپنی ذات پر کسی کے حق کو واجب کرنے کی اطلاع دینا اقرار کہلاتا ہے۔

اقرار کا ثبوت:

اقرار کا ثبوت کتاب اللہ سے (ویملل الذی علیه الحق) اور سنت سے (حضرت ماعز اسلمی کا اقرار زنا) اور اجماع امت سے ہے۔

اقرار کے متعلق اصطلاحات:

اقرار کرنے والے کو "مُقِرّ" جس کے لیے اقرار کیا جائے "مُقَرّلَہٗ" اور جس چیز کا اقرار کیا اسے "مُقَرّبِہٖ" کہا جاتا ہے۔

اقرار کا رکن:

"ہر وہ لفظ کہ جس سے کسی چیز کا اپنے اوپر لازم ہونا ثابت ہو" مثلاً عربی میں کلمہ "عَلَیَّ" ہے مثلاً لِفُلَانٍ عَلَیَّ کذا فلاں کے مجھ پر اتنے درہم ہیں۔ اقرار کی شرائط متن میں آرہی ہیں۔

مُقَرّبِہٖ کی اقسام:

۱۔حقوق اللہ۔ ۲۔حقوق العباد۔

وَ اِذَا اَقَرَّ الْحُرُّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلٰی نفسه بِحَقٍّ لَزِمَهٗ اِقْرَارُهٗ مَجْهُوْلًا كَانَ مَا اَقَرَّ بِهٖ اَوْ مَعْلُوْمًا وَّيُقَالُ لَهٗ : بَيِّنِ الْمَجْهُوْلَ فَاِنْ لَّمْ يبين اجبره الحاكم عَلَى البيان فَاِنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَیَّ شَيْئٌ لَزِمَهٗ اَنْ يُّبَيِّنَ مَا لَهٗ قِيْمَةٌ وَّالْقَوْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ فِيْهِ مَعَ يَمِيْنِهٖ، اِنْ ادَّعَى الْمُقَرُّلَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ

"اور جب کسی آزاد عاقل بالغ شخص نے کسی کے حق کا اقرار کیا تو وہ حق اقرار کرنے والے پر لازم ہوگا۔ جس چیز کا اقرار کیا

ہے چاہے وہ مجہول ہو یا معلوم اور مجہول کے متعلق کہا جائے گا کہ مجہول کو بیان کر پس اگر وہ مجہول کو بیان نہ کرے تو حاکم اس سے بیان کرانے پر سختی کرے پس اگر اس نے کہا کہ فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو اس پر لازم ہے کہ بیان کرے کہ اس چیز کی کیا قیمت ہے اور اس میں اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر مقرلہ نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا ہو۔"

اقرار کی شرائط اور حکم:

قولہ واذا اقرالخ: امام قدوری نے اس عبارت میں اقرار کی تین شرطوں اور اقرار کے حکم کو بیان کیا۔ کہ اقرار کی تین شرطیں ہیں۔

۱۔ مقر آزاد ہو یہ شرط بعض امور میں ہے اور بعض میں نہیں۔

۲۔ مقر بالغ ہو۔

۳۔ مقر عاقل ہو۔ ان دو شرطوں پر سب کا اتفاق ہے۔

کہ اقرار کے لیے ان کا ہونا ضروری ہے اقرار کی اہلیت کے متعلق فقہی قاعدہ ہے۔ "مَنْ قَدَرَ عَلَى الْاِنْشَاءِ قَدَرَ عَلَى الْاِقْرَارِ وَاِلَّا فَلَا (موسوعة القواعد الفقهية)

کہ" جو معاملات پر قادر ہے وہ اقرار پر بھی قادر ہے اگر معاملات پر قادر نہیں تو اقرار پر بھی قادر نہیں۔" متن میں بیان کردہ شرائط کے علاوہ دو شرطیں اور بھی ہیں ایک یہ کہ اقرار رضا مندی کے طور پر ہو نہ کہ جبراً اقرار کرایا گیا ہو کہ جس طرح بعض تھانوں میں جبراً چوری کی واردات کا اقرار کرایا جاتا ہے۔ حالانکہ چوری کی نہیں ہوتی۔ لہٰذا جھوٹے اقرار کی وجہ سے ملنے والا سامان وقرض لینا درست نہیں جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اِقْرَارُ الْمُكْرَهِ بَاطِلٌ"۔ (شرح المجلہ) اگر چوری کے شواہد مل جائیں کہ اسی نے کی ہے پھر انکار کرتا ہو تو تکنیکی طریقے سے جبر کیا جائے گا۔ اقرار کا حکم یہ ہے کہ چاہے کسی معلوم چیز کا اقرار کیا ہو یا کسی مجہول چیز کا اقرار درست ہوگا اور کسی مجہول چیز کا اقرار، اقرار کے منافی نہیں مقر کو کہا جائے گا اس سے کیا مراد ہے؟ کتنی مالیت کی چیز ہے؟ اگر بیان کرنے سے ٹال مٹول کرے تو حاکم اس کو بیان کرانے پر مجبور کرے یہاں تک بیان کر دے کہ فلاں قیمتی چیز ہے اور اگر کسی ایسی چیز کا اقرار کرے جس کی کچھ ویلیو نہ ہو مثلاً گندم کے دانے کی تو اس صورت میں اقرار سے رجوع کر رہا ہے اور اقرار کے بعد رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا تا کہ مُقَرلَہ کا نقصان نہ ہو کہ اقرار کی وجہ سے انسان ماخوذ ہوتا ہے جیسا کہ مشہور فقہی قاعدہ ہے" اَلْمَرْءُ يُؤْخَذُ بِاِقْرَارِهِ"

اقرار اور اعتراف میں فرق:

ایک فرق تو یہ ہے کہ اقرار اس بات کا بولنا جو نفس پر لازم ہے اور نفس اس طرف مائل بھی ہو جب کہ اعتراف میں نفس کی امادگی نہیں ہوتی۔ یا اعتراف وہ ہے جو صرف زبان سے ہو جب کہ اقرار عام ہے چاہے زبان سے ہو یا غیر زبان سے ہو یا قرائن سے ہو۔ (فیروز اللغات)

گواہوں کی عدم موجودگی میں حکم:

قولہ: والقول الخ: اگر مقر کم کا اقرار کرتا ہے جب کہ مقرلہ زیادہ کا دعویٰ کرتا ہے تو اصول یہ ہے کہ "مُدَّعِيْ" پر گواہ پیش

کرنا لازم ہے اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو "مُدَّعیٰ علیہ" کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اور یہاں مقر منکر ہے جو مدعی علیہ ہے۔ لہٰذا یہ قسم اٹھائے گا اسی کی بات کو تسلیم کیا جائے گا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْبَيِّنَةُ لِلْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ" درحقیقت یہ اصول حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَاِنْ قَالَ: لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ فِيْ بَيَانِهٖ اِلَيْهِ وَيُقْبَلُ قَوْلُهٗ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ عَظِيْمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلَاثَةٌ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ اَكْثَرَ مِنْهَا وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ كَذَا كَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَمًا وَاِنْ قَالَ كَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدٍ وَّعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا،

"جب مقر نے کہا کہ فلاں شخص کا میرے ذمہ مال ہے تو مال کی وضاحت میں اس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور مقدار کی قلت و کثرت میں اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کا میرے ذمے عظیم مال ہے تو دوسو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ بہت سارے درہم ہیں تو دس درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمہ اتنے اتنے دراہم ہیں تو گیارہ دراہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے کہا مجھ پر اتنے اور اتنے دراہم ہیں تو اکیس دراہم سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔"

اقرار کی چھ صورتیں:

قولہ: واذا قال لہ: مصنف یہاں سے اقرار کی چھ صورتوں کا حکم بیان کر رہے ہیں۔

۱۔ اگر مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کا مال ہے تو مقر سے پوچھا جائے گا کہ کتنا مال ہے؟ مقرلہ کے پاس گواہوں کی عدم موجودگی میں مقر کی بات کثیر و قلیل مقدار میں تسلیم کی جائے گی۔ لیکن ایک درہم سے کم میں بات نہیں مانی جائے گی کہ ایک درہم سے کم کو مال نہیں کہتے۔

۲۔ اگر مقر نے مال عظیم کا اقرار کیا کہ مال کے ساتھ عظیم کی صفت لگائی تو مفتی بہ قول کے مطابق دوسو درہموں سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ شریعت میں مال عظیم کا اطلاق زکوٰۃ کے نصاب دوسو درہم پر ہوا ہے اگرچہ ایک روایت امام اعظم سے یہ بھی مروی ہے کہ دس درھموں سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ دس درہم بھی مال عظیم ہے تب ہی تو چور کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

۳۔ اگر مقر نے دراھم کثیرہ کا اقرار کیا تو دس سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ دراہم صیغہ جمع کا استعمال کیا ہے اور ساتھ صفت کثیرہ لائی گئی تو جمع قلت کا اعلیٰ درجہ ہے اس کی تاکید کثیرہ سے بھی ہو رہی ہے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک دوسو درہموں سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ شرعاً مال کثیر نصاب زکوٰۃ ہی ہے۔

۴۔ اگر مقر نے دراہم کا اقرار کیا تو تین درہموں سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ دراہم صیغہ جمع ہے جمع قلت کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اگر زیادہ بیان کر دے تو زیادہ لازم ہوں گے کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ کو بھی شامل ہے۔

۵۔اگر مقر نے اتنے اتنے درہموں کا اقرار کیا تو گیارہ سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ اتنے اتنے دو عدد بغیر حرف عطف کے مستعمل ہوئے جو عربی عدد احد عشر کے مشابہ ہیں کہ ان کے درمیان بھی حرف عطف واؤ نہیں اور احد عشر اقل عدد ہے جو یقینی ہے۔

٦۔اگر مقر نے اتنے اور اتنے حرف عطف کے ذریعے دوبار اقرار کیا تو اکیس سے کم میں تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ اتنے اور اتنے کو احد وعشرون کے ساتھ مشابہت ہے کہ ان دو کے درمیان حرف عطف ہے لہٰذا اقل مقدار اکیس درہم مراد ہوں گے جو مقدار یقینی عدد ہے۔

فَإِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ، أَوْ قِبَلِي فَقَدْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ وَإِنْ قَالَ لَهُ عِنْدِي أَوْ مَعِي فَهُوَ إِقْرَارٌ بِأَمَانَةٍ فِي يَدِهِ وَإِنْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ لِي عَلَيْكَ أَلْفُ دِرْهَمٍ قَالَ اتَّزِنْهَا أَوِ انْتَقِدْهَا أَوْ أَجِّلْنِيهَا أَوْ قَدْ قَضَيْتُكَهَا فَهُوَ إِقْرَارٌ وَمَنْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي الدَّيْنِ وَكَذَّبَهُ فِي التَّاجِيلِ لَزِمَهُ الدَّيْنُ حَالًّا وَيُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَهُ فِي الْأَجَلِ.

’’اور اگر کسی نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہیں تو اس نے قرض کا اقرار کیا اور اگر اس نے کہا فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو وہ امانت اقرار ہے جو اس کے قبضے میں ہے اور اگر کسی نے اس سے کہا تیرے ذمہ میرے ایک ہزار درہم ہیں تو اس کے جواب میں کہا تو اس کو تول لے یا اس کو پرکھ لے یا تو مجھ کو اس میں مہلت دے یا میں نے تجھے ادا کر دیا ہے تو یہ اقرار ہے اور جس نے قرض مؤجل کا اقرار کیا تو مقرلہ نے قرض میں تصدیق کر دی اور جھٹلا دیا مؤجل کہنے میں تو اسے فی الحال قرض ادا کرنا لازم ہوگا اور تاجیل کے متعلق مقرلہ سے قسم لی جائے گی۔‘‘

اقرار کے الفاظ:

قولہ: وان قال لہ الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے ان الفاظ کو بیان کر رہے ہیں کہ جن کے ذریعے اقرار ثابت ہوتا ہے۔ان کے متعلق اصول یہ ہے کہ ’’اگر کوئی شخص ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ جو وجوب یا ذمہ داری پر دلالت کرتے ہیں تو ان کے استعمال کرنے پر مقر بہ مقر پر واجب ہو جائے گی۔‘‘ مثلاً ’’لَهُ عَلَيَّ كَذَا‘‘ کہا تو کلمہ علی کی وجہ سے اقرار کہلائے گا کیونکہ کلمہ علی وجوب ولزوم پر دلالت کرتا ہے اسی طرح لفظ قبل بھی ذمہ داری پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی اقرار ثابت ہوگا۔لہٰذا وجوب و ذمہ داری کے الفاظ کے ساتھ دین کا اقرار مراد ہوگا۔اگر ایسا لفظ استعمال کیا جو نہ وجوب پر دلالت کرتا ہو اور نہ ہی ذمہ داری پر تو اس کے استعمال سے دین کا اقرار نہ ہوگا بلکہ وہ کلام امانت کے اقرار پر محمول ہوگا۔لہٰذا یہی سمجھا جائے گا کہ جس چیز کا اقرار کر رہا ہے وہ امانت ہے جو اس کے پاس ہے نہ کہ دین مثلاً لفظ ’’عندی‘‘ استعمال کرتا ہے یا مَعِی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر امانت بغیر تَعَدِّی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

ضمنی طور پر اقرار کا ثبوت:

قولہ: وان قال الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے ضمنی طور پر ثابت ہونے والے اقرار کی ایک صورت بیان کر رہے ہیں کہ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ میرے تیرے ذمہ ایک ہزار درہم ہیں تو جواب میں دوسرے نے کہا تو ایک ہزار درہموں کا

وزن کرلے یا اس نے کہا کہ ان کو پرکھ لے کہ کھرے ہیں یا کھوٹے یا اس نے کہا کہ مجھے آپ ادائیگی میں مہلت دے دیں یا اس نے کہا میں ان کو ادا کر چکا ہوں تو ان چاروں صورتوں میں ایک ہزار کا اقرار کر رہا ہے۔ کیونکہ اصول یہ ہے "اگر کوئی کسی پر قرض کا الزام لگائے تو دوسرا شخص جواب میں ایسے الفاظ استعمال کرے کہ جس سے دین کے اقرار کا اشارہ ملتا ہو تو دین لازم ہو جائے گا۔"

دین کا اقرار مگر تاجیل میں اختلاف:

قولہ: ومَنْ اقرالخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے یہ صورت بیان کر رہے ہیں کہ کسی نے دین مؤجل کا اقرار کیا کہ فلاں شخص کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں لیکن ان کی ادائیگی ایک ماہ بعد ہے جب کہ مقرلہ نے ایک ہزار درہموں کی بطور قرض کے تصدیق کرتے ہوئے تاجیل کا انکار کر دیا کہ مہینے بعد نہیں ابھی ادا کرنے تھے تو مقر پر دراہم کی ادائیگی فوری لازم ہوگی تاخیر قبول نہیں کی جائے گی اس مسئلہ میں مقر نے دو باتوں کا اقرار کیا ایک دین کا دوسرا تاجیل کا جب کہ مقرلہ نے ایک کی تو تصدیق کی کہ دین ہے مگر تاجیل کا انکار کیا تو منکر کہلایا جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر سے قسم لی جائے گی۔ لہٰذا مقرلہ سے عدم تاخیر کے لیے قسم لی جائے گی۔

وَمَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ وَّاسْتَثْنٰى مُتَّصِلًا بِاِقْرَارِهٖ صَحَّ الِاسْتِثْنَاءُ لَزِمَهُ الْبَاقِيْ وَسَوَاءٌ اسْتَثْنَى الْاَقَلَّ اَوِ الْاَكْثَرَ فَاِنِ اسْتَثْنَى الْجَمِيْعَ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِيْنَارًا اَوْ اِلَّا قَفِيْزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهٗ مِائَةُ الدِّرْهَمِ اِلَّا قِيْمَةَ الدِّيْنَارِ اَوِ الْقَفِيْزِ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِائَةٌ وَّدِرْهَمٌ فَالْمِائَةُ دَرَاهِمُ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِائَةٌ وَّثَوْبٌ لَزِمَهٗ ثَوْبٌ وَّاحِدٌ وَّالْمَرجع فِيْ تَفْسِيْرِ المائة اليه

"اور کسی شخص نے کسی قرض کا اقرار کیا اور ساتھ ہی متصلاً اپنے اقرار سے کسی چیز کا استثنا کر دیا تو استثنا درست ہوگا باقی اسے لازم ہوگا چاہے کم کا استثنا کرے یا زیادہ کا پس اگر اس نے تمام کا استثنا کیا تو اس کا اقرار لازم ہو جائے گا اور استثنا باطل ہوگا اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک سو درہم ہیں سوائے دینار کے یا سوائے گندم کی قفیز کے تو اسے سو درہم لازم ہوں گے سوائے ایک دینار یا ایک قفیز کی قیمت کے اور اگر مقر نے کہا فلاں کے مجھے پر سو اور درہم ہیں پس پورے ایک سو درہم لازم ہوں گے اور اگر مقر نے کہا فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اسے ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کی تفسیر کی طرف سے رجوع کیا جائے گا۔"

اقرار میں استثنا:

قولہ: ومن اقربدین الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے اقرار میں استثنا کا حکم بیان کر رہے ہیں اصول فقہ میں استثناء کی بحث بیان کی مشہور سات اقسام میں سے بیان تغییر کے تحت آتی ہے۔ حکم بیان کرنے سے پہلے استثناء کے صحیح ہونے کی دو شرطیں ملحوظ رہیں۔

ا۔ یہ استثنا اقرار کے متصل بعد کیا گیا ہو ورنہ استثنیٰ معتبر نہ ہوگا مکمل اقرار لازم ہوگا۔

۲۔اقرار کے بعض حصے کا استثنا ہوا گر کل کا کیا گیا تو استثنا معتبر نہ ہوگا۔مکمل اقرار لازم ہوگا اب مسئلہ ملاحظہ کیجیے اگر مقر نے کسی دین کا اقرار کیا اور ساتھ ہی بعض خاص مقدار کا استثنا کیا تو استثنا درست ہوگا کہ دونوں شرطیں پائی گئیں کہ کلام متصل بھی ہے اور بعض حصے کا استثنا ہے لہٰذا استثنا کا حصہ نکالنے کے بعد باقی دین کی ادائیگی لازم ہوگی۔استثنا قلیل کے جواز پر تو آئمہ کرام کا اتفاق ہے مگر استثنا کثیر کے جواز پر اختلاف ہے کہ طرفین اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک اکثر کا استثنا درست ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ، امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مالک وشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست نہیں اور متن کا مسئلہ طرفین کے مذہب پر ہے۔

خلاف جنس اقرار میں استثناء:

قولہ:وَاِنْ قَالَ لَه عَلَیَّ الخ: مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر کسی نے استثنا ایسی چیز کا کیا جو مستثنٰی کی جنس سے نہیں تو کیا حکم ہوگا؟اس حکم کو جاننا ایک تمہیدی مقدمہ پر موقوف ہے۔اگر استثناء مستثنٰی کی جنس سے نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ وہ چیز فی نفسہ ذمہ میں ثابت ہوتی ہے یا نہیں اگر ذمہ میں ثابت نہیں ہوتی تو استثنا صحیح نہیں مثلاً کپڑا اور بکری وغیرہ اگر ذمہ میں ثابت ہوتی ہو تو استثنا درست ہے مثلاً مکیلی وموزونی اشیاء۔نیز یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر مستثنٰی اور مستثنٰی منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثنا درست ہے ورنہ نہیں۔اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک سو درہم ہیں سوائے ایک دینار کے یا سوائے گندم کی ایک قفیز کے تو یہ استثناء درست ہوگا۔اور سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت اسی طرح سو درہم میں سے ایک قفیز گندم کی قیمت نکال کر باقی رقم اقرار کی وجہ سے لازم ہوگی کیونکہ درہم اور دینار ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک جنس ہیں جب کہ گندم کی قفیز ثمن بن سکتی ہے اس کو بھی درہم کے ساتھ قربت جنس ہے۔لہٰذا مستثنٰی مستثنٰی منہ کے قریب قریب جنس ہونے کی وجہ سے استثنا درست ہے۔

اقرار میں تمیز وعطف:

قولہ: وان قال له الخ: اگر مقر نے اقرار میں کسی عدد(تین یا تین سے زائد) کا ذکر کیا مگر اس کی تمیز ذکر نہیں کی اس کے بعد حرف عطف ملا کر عدد پر کسی چیز کا عطف کر دیا۔اب عطف کی جانے والی چیز مکیلی وموزونی ہے یا نہیں اگر مکیلی یا موزونی ہو تو معطوف کو معطوف علیہ کی تفسیر سمجھا جائے گا اس کو اصولِ فقہ میں "عطفِ بیان" کہا جاتا ہے۔مثلاً اقرار کرتے ہوئے کہا کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہیں چونکہ درہم کا عطف سو پر کیا ہے اور درہم موزونی چیز ہے۔لہٰذا سو سے مراد درہم ہی ہوں گے۔یوں بھی گنتی بول کر رقم مراد لی جاتی ہے۔مثلاً مجھے ایک سو دے دو اب سو سے مراد بالاتفاق ایک سو روپیہ ہے۔لہٰذا سو سے مراد درہم ہی ہیں۔

اگر معطوف مکیلی یا موزونی اشیا میں سے نہیں تو عدد کی تمیز کے بارے میں مقر سے رجوع کیا جائے گا کہ کیا چیز ہے اس کی وضاحت کریں اور معطوف اس پر لازم ہوگا۔مثلاً کہا سو اور کپڑا تو کپڑا تو لازم ہوگا اور سو کی مراد مقر سے پوچھی جائے گی جو بتائے وہی لازم ہوگی۔یہ مذہب طرفین کا ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جو حکم پہلی صورت کا ہے وہی اس کا ہے۔اس اختلاف کی وجہ اصول الشاشی میں بیانِ عطف کے تحت دیکھیں۔

وَمَنْ اَقَرَّ بِشَیْءٍ وَّقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا بِاِقْرَارِهٖ لَمْ یَلْزَمْهُ الْاِقْرَارُ وَمَنْ اَقَرَّ وَشَرَطَ الْخِیَارَ لِنَفْسِهٖ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْخِیَارُ وَمَنْ اَقَرَّ بِدَارٍ وَّاسْتَثْنٰی بِنَاءَ هَا لِنَفْسِهٖ فَلِلْمُقَرِّ لَهُ الدَّارُ، وَالْبِنَاءُ جَمِیْعًا وَاِنْ قَالَ بِنَاءُ هٰذِهِ الدَّارِ لِیْ، وَالْعَرْصَةُ لِفُلَانٍ فَهُوَ کَمَا قَالَ

''اور کسی شخص نے کسی حق کا اقرار کیا اور اقرار کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہا تو اسے اقرار لازم نہ ہوگا اور جس نے اقرار کیا اور اپنے لیے خیار شرط لگائی اقرار لازم ہوگا اور خیار باطل ہوگا اور جس نے کسی گھر کا اقرار کیا اور گھر کی عمارت اپنے لیے مستثنیٰ کی تو گھر اور عمارت دونوں مقرلہ کے ہوں گے اور اگر کہا اس گھر کی عمارت میری ہے اور صحن فلاں کا ہے تو ایسے ہی ہوگا جیسے کہا۔''

اقرار کو مشیت الٰہی یا خیار کے ساتھ معلق کرنا:

قولہ: ومن اقرالخ: اگر کسی نے اقرار کرتے ہوئے متصلاً ان شاء اللہ کہا تو اقرار باطل ہوگا۔ کیونکہ اقرار کو اللہ تعالیٰ کی چاہت پر معلق کیا ہے اور چاہت الٰہی کسی کو معلوم نہیں نہ معلوم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ اقرار باطل ہوگا اسی طرح اگر مقر نے اقرار کرتے ہوئے اپنے لیے خیار کی شرط لگائی کہ مجھ پر قرض تو ہے مگر مجھے سوچنے کا اختیار ہے تو قرض لازم ہوگا اور خیار کی شرط باطل ہوگی کیونکہ اقرار اخبار کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے تعلیق بالشرط کا احتمال نہیں رکھتا۔ نیز سوچ کر بتانے سے معلوم ہوا کہ قرض نہیں محض احسان کے طور اقرار کر رہا ہے حالانکہ پہلے قرض کا اقرار کیا ہے چاہے مقرلہ خیار کی تصدیق کرے یا تکذیب خیار باطل ہوگا کیونکہ خیار فسخ عقد کے لیے ہوتا ہے جب کہ اقرار فسخ نہیں ہوتا۔

اقرار میں بنیادی چیز کا استثنا:

قولہ: ومن اقرالخ: آنے والا مسئلہ ایک اصول پر مبنی ہے اصول یہ ہے کہ ''جو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہوں اقرار میں ان کا استثنا درست نہیں ہوتا'' لہٰذا اگر کسی نے کسی کے لیے گھر کا اقرار کیا لیکن عمارت کا اپنے لیے استثناء کیا تو گھر اور اس کی عمارت سب مقرلہ کے ہوں گے یہ استثنا درست نہ ہوگا کیونکہ عمارت ہی کا نام گھر ہے کہ عمارت کے بغیر گھر کیسے ہو سکتا ہے لیکن اگر گھر کی عمارت کا استثنا اپنے لیے کرتا ہے اور اس کے صحن کا اقرار غیر کے لیے کرتا ہے تو درست ہے کہ عمارت الگ چیز ہے اور صحن الگ چیز ہے کہ صحن عمارت کی بنیادی چیز نہیں بلکہ مزید فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔

وَمَنْ اَقَرَّ بِتَمْرٍ فِیْ قَوْصَرَةٍ لَزِمَهُ التَّمْرُ وَالْقَوْصَرَةُ وَمَنْ اَقَرَّ بِدَابَّةٍ فِیْ اِصْطَبْلٍ لَزِمَهُ الدَّابَّةُ خَاصَّةً وَاِنْ قَالَ غَصَبْتُهٗ ثَوْبًا فِیْ مِنْدِیْلٍ لَزِمَاهُ جَمِیْعًا وَّاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ ثَوْبٍ لَزِمَاهُ جَمِیْعًا وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ ثَوْبٌ فِیْ عَشَرَةِ اَثْوَابٍ لَمْ یَلْزَمْهُ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ اِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ وَّقَالَ مُحَمَّدٌ یَلْزَمُهٗ اَحَدَ عَشَرَ ثَوْبًا وَمَنْ اَقَرَّ بِغَصْبِ ثَوْبٍ وَّجَاءَ بِعَیْبٍ مَعِیْبٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ فِیْهِ مَعَ یَمِیْنِهٖ وَکَذَا لَوْ اَقَرَّ بِدَرَاهِمَ وَقَالَ هِیَ زُیُوْفٌ وَّاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ خَمْسَةٌ فِیْ خَمْسَةٍ یُرِیْدُ الضَّرْبَ، وَالْحِسَابَ لَزِمَهٗ خَمْسَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ خَمْسَةً مَعَ خَمْسَةٍ لَزِمَهٗ عَشَرَةٌ

''اور کسی نے ٹوکری میں کھجور کا اقرار کیا تو اسے کھجور اور ٹوکری دونوں لازم ہوں گے اور کسی نے گھوڑے کا باڑے میں اقرار کیا تو

صرف گھوڑا لازم ہوگا اور اگر کہا کہ میں نے رومال میں کپڑا غصب کیا تو دونوں لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر کپڑے میں کپڑا لازم ہے۔ تو دونوں لازم ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر دس کپڑوں میں ایک کپڑا ہے تو شیخین کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گیارہ کپڑے اسے لازم ہوں گے اور کسی نے غصب شدہ کپڑے کا اقرار کیا اور وہ عیب دار کپڑا لے آیا تو اس کی بات اس میں قسم کے ساتھ مانی جائے گی اور اسی طرح اگر مقر نے درہموں کا اقرار کیا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں اور اگر مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کے پانچ میں پانچ ہیں اور اس سے وہ ضرب وحساب مراد لیتا ہے تو صرف پانچ لازم ہوں گے اور اگر اس نے کہا پانچ پانچ کے ساتھ ارادہ کیا ہے تو مقر کو دس لازم ہوں گے۔''

حل لغات: القوصرۃ لکڑی سے بنا ہوا ٹوکرا، اصطبل چوپائے باندھنے کی جگہ، باڑہ، مندیل رومال۔

ظرف میں کسی چیز کے اقرار کا حکم:

قولہ: ومن اقر الخ: آنے والے مسائل کی بنیاد ایک اصول پر ہے کہ ''جس چیز میں ظرف بننے کی صلاحیت ہو اور اس کو منتقل کرنا بھی ممکن ہو تو اس صورت میں ظرف اور مظروف اقرار میں دونوں لازم ہوں گے۔'' مثلاً ٹوکری، رومال وغیرہ اور ظرف بننے کی صلاحیت تو ہو مگر اس کو منتقل کرنا ہی ممکن نہ ہو مثلاً اصطبل، زمین وغیرہ تو صرف ظرف لازم ہوگا یہ اصول شیخین کے مذہب پر ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ظرف ومظروف دونوں لازم ہوں گے۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ٹوکری میں کھجوروں کا اقرار کیا اسی طرح رومال میں کپڑے کا اقرار کیا تو ظرف (ٹوکری، رومال) اور مظروف (کھجور، کپڑا) دونوں لازم ہوں گے کہ ظرف منتقل ہو سکتا ہے۔ اگر اصطبل میں گھوڑے کا اقرار کیا تو فقط گھوڑا لازم ہوگا کہ اصطبل کو منتقل کرنا ممکن نہیں یہ شیخین کا مذہب ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھوڑا اور اصطبل دونوں لازم ہوں گے۔ مفتی بہ قول شیخین کا ہے۔

ایک کپڑا دس کپڑوں میں:

قولہ: وان قال لہ الخ: اگر کسی نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا لازم ہے جو دس کپڑوں میں ہے اب کتنے کپڑے لازم ہوں گے؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ شیخین کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا کہ عموماً ایک کپڑے کو دس کپڑوں میں نہیں رکھا جاتا جب کہ امام محمد کے نزدیک گیارہ کپڑے لازم ہوں گے کہ ہو سکتا ہے کہ اتنا عمدہ کپڑا ہو کہ جس کو اتنے کپڑوں میں لپیٹا گیا ہو۔

مفتی بہ قول کی تعین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ فقہی قاعدہ ہے اَلْمُمْتَنِعُ عَادَۃً کَالْمُمْتَنِعِ حَقِیْقَۃً۔ جو چیز عادۃً ممتنع ہوتی ہے وہ حقیقت میں بھی ممتنع ہوتی ہے چونکہ عموماً ایک کپڑے کو دس کپڑوں میں نہیں رکھا جاتا۔ (جوھرہ نیرہ، درر الاحکام)

اقرار کے بعد دعویٰ عیب:

قولہ: ومن اقر الخ: اگر کسی نے اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا ہے بعد میں عیب دار کپڑا لے کر آیا کہ یہ تھا مقر لہ اس

کا انکار کرتا ہے کہ کپڑا درست تھا اب مقرلہ کے پاس گواہ بھی نہیں تو مقر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی کیونکہ لفظ کپڑا عیب اور سالم دونوں کو شامل ہے۔اسی طرح درہموں کا اقرار کیا پھر کہا کہ کھوٹے تھے اس کی صورت حال گزشتہ مسئلہ کی طرح ہے۔

اعداد کو ظرف اور مظروف بنا کر اقرار:

قولہ : وان قال لہ: اگر کسی نے اقرار کرتے ہوئے کہا پانچ میں پانچ ہیں کہ ایک عدد کو ظرف اور دوسرے کو مظروف بنایا تو اس کلام کے تین مطلب اور تین ہی حکم بنتے ہیں۔

۱۔پانچ کو پانچ سے ضرب دینا مراد ہو تو 5x5=25 لازم ہوں گے یہ حسن بن زیاد کا قول ہے۔اس کو مصنف نے بیان نہیں کیا۔

۲۔پانچ کے ساتھ پانچ ہو کہ فی مع کے معنی میں ہو تو 5+5=10 لازم ہوں گے یہ صورت مقر کے مراد لینے پر معتبر ہوگی مصنف نے یہ صورت اَرَدْتُّ سے بیان کی ہے۔

۳۔پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء کرے بڑھائے جائیں تو اس صورت میں عدد تو پانچ رہیں گے مگر اس کے اجزاء بڑھ جائیں گے مصنف نے تیسرا مطلب لیا ہے کہ پانچ ہی لازم ہوں گے۔

وَاِذْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ لَزِمَهٗ تِسْعَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ يَلْزَمُهُ الْاِبْتِدَاءُ وَمَا بَعْدَهٗ وَتَسْقُطُ الْغَايَةُ ,وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَلْزَمُهُ الْعَشَرَةُ كُلُّهَا.وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ اشْتَرَيْتُهٗ مِنْهُ وَلَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهٖ قِيلَ لِلْمُقَرِّ لَهٗ اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَخُذِ الْاَلْفَ وَاِلَّا فَلَا شَيْءَ لَكَ وَاِنْ قَالَ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ لَمْ يُعَيِّنْهُ اِلَّا اَنِّيْ لَمْ اَقْبِضْهُ لَزِمَهُ الْاَلْفُ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَلَمْ يُقْبَلْ تَفْسِيْرُهٗ وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ وَ هِيَ زُيُوْفٌ وَقَالَ الْمُقَرُّ لَهٗ هِيَ جِيَادٌ لَزِمَهُ الْجِيَادُ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِنْ قَالَ ذٰلِكَ مَوْصُوْلًا صُدِّقَ وَاِنْ قَالَهٗ مَفْصُوْلًا لَا يُصَدَّقُ

"اور جب کسی نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمے ایک درہم سے دس تک ہیں تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے نو لازم ہوں گے ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوگا۔اور غایت ساقط ہو جائے گی اور صاحبین نے فرمایا کہ اسے پورے دس لازم ہوں گے اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر اس غلام کی قیمت سے ہزار درہم ہیں جو میں نے اس سے خریدا ہے اور میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا۔پس اگر اس نے متعین غلام کا ذکر کیا تو مقرلہ کو کہا جائے گا اگر تو چاہے تو غلام کو حوالے کر اور ہزار لے لے ورنہ تیرے لیے کوئی چیز نہیں اس پر اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار غلام کی قیمت سے ہیں غلام کو معین نہیں کیا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق اس کو ہزار درہم لازم ہوں گے اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمے شراب یا خنزیر کے ہزار درہم ہیں تو اس کو ہزار لازم ہوں گے اور اس کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی اور اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے میرے ذمے سامان کی قیمت کے ہزار درہم ہیں اور وہ کھوٹے ہیں تو مقرلہ نے کہا کہ کھرے ہیں تو امام اعظم

ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کھرے لازم ہوں گے اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر مقر نے منفصلا کہا تو تصدیق کی جائے گی اور اگر متصلا کہا تو مقر کے قول کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔"

اقرار میں ابتداء اور انتہا کا ذکر:

قولہ: واذا قال لہ الخ: اگر کسی نے اقرار میں ابتدا اور انتہا کو ذکر کر دیا تو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہا شامل نہ ہوگی مثلاً کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر ایک درہم سے دس تک لازم ہیں تو امام اعظم کے نزدیک انتہا دسواں درہم شامل نہ ہوگا۔ نو درہم لازم ہوں گے جب کہ صاحبین کے نزدیک ابتداء کی طرح انتہاء بھی شامل ہوگی لہٰذا صاحبین کے نزدیک دس درہم لازم ہوں گے۔

مفتٰی بہ قول کی تعین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر اصول یہ ہے کہ "غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی" کیونکہ حد محدود کا غیر ہوتی ہے لیکن آغاز کو ضرورت کی بنا پر داخل مانا جاتا ہے ورنہ ایک کے بعد کے عدد کیسے ثابت ہوں گے۔ لہٰذا فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" کی بنا پر اول کو داخل کیا گیا اور آخر کی ضرورت نہ تھی تو اسے خارج مانا گیا۔ (دیگر متون امام صاحب کے قول پر ہیں۔) (درر الاحکام، رد المحتار، التبیین)

مقر بہ کو غلام کا ثمن قرار دینا:

قولہ: وان قال لہ: اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں کہ اگر جس غلام کی ہزار درہم کی قیمت کا اقرار کرتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ میں نے ابھی تک غلام پر قبضہ نہیں کیا اگر اس غلام کی تعین کرتا ہے تو مقر لہ پر لازم ہے کہ اگر قیمت لینا چاہتا ہے تو غلام کو مقر کے حوالے کرے ورنہ مقر پر کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ اقرار شرط کے ساتھ معلق ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ يَجِبُ ثُبُوْتُهٗ عِنْدَ ثُبُوْتِ الشَّرْطِ" کہ اگر کوئی امر کسی شرط کے ساتھ معلق ہو تو وہ شرط کے پائے جانے کے ساتھ ثابت ہوگا۔ لہٰذا مقر پر قیمت غلام کو حوالے کرنے پر ثابت ہوگی۔ اگر غلام کی تعین نہیں کرتا تو امام اعظم کے نزدیک مقر پر ایک درہم لازم ہو جائے گا اور غلام پر ابھی قبضہ نہ کرنے کا قول مطلقاً چاہے متصلاً ہو یا منفصلاً باطل ہوگا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر قبضہ نہ کرنے کا کلام متصلاً کہا تو تصدیق کی جائے گی ورنہ نہیں۔

مفتٰی بہ قول کی تعین:

فتویٰ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ کلام کے آغاز میں کلمہ علیٰ نے ایک ہزار کو واجب و لازم کر دیا جب کہ آخر کلام "انکار قبض" رجوع کا تقاضا کرتا ہے جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ بندوں کے حق میں اقرار سے رجوع مطلقاً جائز نہیں چاہے موصولاً ہو یا مفصولاً۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلرُّجُوْعُ عَنِ الْإِقْرَارِ بَاطِلٌ" (دیگر متون علیٰ قول امام)

اصول الشاشی میں بیان کی آخری فصل میں امام اعظم اور صاحبین کے مابین یہ اختلاف بیان کیا ہے کہ یہ مثال امام اعظم کے

نزدیک بیان تبدیل جب کہ صاحبین کے نزدیک بیان تغییر ہے۔

شراب یا خنزیر کا ثمن قرار دے کر اقرار کرنا:

قولہ: ولو قال الخ: اگر کسی نے اقرار کیا کہ مجھ پر فلاں کے شراب یا خنزیر کی قیمت کے ہزار درہم ہیں تو اس پر درہم تو لازم ہوں گے مگر اس کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ کوئی بھی مسلمان نہ شراب فروخت کرتا ہے اور نہ ہی خنزیر کیونکہ یہ مسلمان کے لیے مال متقوم نہیں یہ ان کا نام لے کر در حقیقت اقرار سے رجوع کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا جہاں مبیع نہ بن سکتی ہو وہاں کہنا کہ مبیع کی قیمت ہے تو اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے اور اقرار سے رجوع بیان تبدیل ہے اور بیان تبدیل کا حق بندوں کو نہیں لہٰذا بندوں کے حق میں رجوع درست نہیں۔ لہٰذا ہزار درہم لازم ہوں گے یہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے چاہے کلام موصولاً ہو یا مفصولاً، یہی مفتی بہ قول ہے جب کہ صاحبین اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر شراب یا خنزیر کا کلام اقرار کے ساتھ متصلاً ہے تو کچھ واجب نہ ہوگا کہ آخری کلام سے یہ بتلا رہا ہے کہ میرا مقصد دراہم کو اپنے اوپر واجب کرنا نہیں گویا ان کے نزدیک یہ ان شاء اللہ کہنے کی طرح ہے۔ ان کے نزدیک یہ بیان تغییر ہوگا۔

کسی چیز کے ثمن کے اقرار کے بعد دعویٰ زیوف:

قولہ: وان قال لہ الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ فلاں سامان کی قیمت کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ درہم کھوٹے ہیں جب کہ مقرلہ کہتا ہے کہ عمدہ ہیں اور مقرلہ کے پاس گواہ بھی ہیں تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہزار کھرے درہم ہی لازم ہوں گے کیونکہ عموماً بیع میں سامان کی قیمت کھرے درہموں سے لازم ہوتی ہے لہٰذا کھوٹے کہہ کر اقرار سے رجوع کر رہا ہے جو کہ درست نہیں یہ بیان تبدیل ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک دراہم دونوں کو شامل ہیں کہ کھوٹے ہوں یا کھرے جب مقر نے ایک احتمال کو لیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ بشرطیکہ کلام متصلاً ہو یہ بیان تغییر ہے ورنہ نہیں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ مقر کا شروع والا کلام مطلقاً وجوب دراہم پر دلالت کرتا ہے اور بیع میں عموماً عمدہ دراہم ہی دیے جاتے ہیں۔ لہٰذا کھوٹے کہنا سابق اقرار سے رجوع کرنا ہے۔ (دیگر متون قول امام پر ہیں۔)

وَمَنْ اَقَرَّ لِغَيْرِهٖ بِخَاتَمٍ فَلَهُ الْحَلْقَةُ وَالْفَصُّ وَاِنْ اَقَرَّ لَهٗ بِسَيْفٍ فَلَهُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ وَمَنْ اَقَرَّ بِحَجَلَةٍ فَلَهُ الْعِيدَانُ وَالْكِسْوَةُ وَاِنْ قَالَ لِحَمْلِ فُلَانَةَ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَاِنْ قَالَ اَوْصٰى بِهَا فُلَانٌ اَوْ مَاتَ اَبُوْهُ فَوَرِثَهٗ فَالْاِقْرَارُ صَحِيْحٌ وَاِنْ اَبْهَمَ الْاِقْرَارَ لَمْ يَصِحَّ وَاِنْ اَقَرَّ بِحَمْلِ جَارِيَةٍ اَوْ بِحَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ الْاِقْرَارُ وَلَزِمَهٗ

"اور جس شخص نے کسی کے لیے انگوٹھی کا اقرار کیا تو اس کے لیے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے اور کسی کے لیے تلوار کا اقرار کیا تو اس کے لیے پھل، نیام اور پر تلہ بھی ہوں گے اور اگر کسی کے لیے ڈولی کا اقرار کیا تو اس کیلئے لکڑیاں اور پردہ بھی ہوگا اور اگر

کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور اگر اس نے یوں کہا فلاں نے اس کے لیے وصیت کی یا اس کا والد فوت ہوا وہ اس کا وارث ہوا تو اقرار صحیح ہے اور اگر اس نے مبہم اقرار کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک درست نہ ہوگا اور امام محمد نے فرمایا درست ہے اور اگر کسی نے لونڈی یا بکری کے حمل کا اقرار کیا کسی شخص کے لیے تو اقرار درست ہے وہ اسے لازم ہوگا۔"

حل لغات: الخاتم انگوٹھی، الفص نگینہ، تعیوہ، النصل تلوار کا پھل، الجفن نیام، الحمائل جمع ہے حمللۃ کی بمعنی پرتلہ، حجلۃ ڈولی، العیدان جمع ہے عود بمعنی لکڑی، الکسوۃ بمعنی لباس یہاں پردہ مراد ہے۔

متبوع کے اقرار میں تابع کی حیثیت:

قولہ : ومن اقر لغیرہ الخ: آنے والے دونوں مسئلوں کا تعلق ایک فقہی قاعدہ سے ہے۔"اَلتَّابِعُ لَایُفْرَدُ بِالْحُکْمِ" کہ تابع کا فیصلہ متبوع سے الگ نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا تابع ہمیشہ متبوع کے حکم میں شامل ہوگا کہ جو شئے کے لیے ضروری تصور کی جاتی ہیں وہ نام لیے بغیر بھی شامل ہوں گی اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کے لیے انگوٹھی کا اقرار کیا تو انگوٹھی کے نام میں اس کا نگینہ بھی شامل ہوگا اسی طرح کسی کے لیے ڈولی کا اقرار کیا تو ڈولی کے لوازمات لکڑیاں اور متعلقہ کپڑا وہ بھی ڈولی میں شامل ہوں گے۔ یہی صورت حال تلوار کے متعلقہ امور کی ہے کہ پھل، نیام اور پرتلہ بھی اقرار میں شامل ہوں گے۔ لہٰذا اگر مقرلہ انگوٹھی کا مالک ہوگا تو نگینہ کا بھی مالک ہوگا جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔"مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ مَاهُوَ مِنْ ضَرُوْرَاتِهٖ" جو کسی چیز کا مالک ہو وہ اس کی ضروریات کا بھی مالک ہوگا۔

حمل کے لیے اقرار:

قولہ: وان قال الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کے حمل کے لیے اقرار کیا پھر اقرار کی دو صورتیں ہیں کہ اس میں دین کے واجب ہونے کے سبب کو بیان کیا ہے یا نہیں اگر بیان کیا ہے مثلاً فلاں آدمی نے مجھے وصیت کی تھی کہ فلاں عورت کے حمل کو اتنا مال دے دینا یا فلاں فوت ہو گیا اس کی وراثت کا مال میرے پاس ہے لہٰذا جب بچہ پیدا ہو جائے گا تو بعد میں اقرار کردہ مال دینا واجب ہے اگر سبب مبہم ہے متعین نہیں کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اقرار درست نہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک اقرار درست ہے۔ کہ جتنے کا اقرار کیا ہے اتنا دینا واجب ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے بعض نے کہا ہے کہ امام اعظم کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مطلق اقرار سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ اس پر قرض ہوگا یا مبیع کا ثمن ہوگا جب کہ حمل کے بارے میں یہ تصور محال ہے کہ جب تک سبب صحیح بیان نہ کیا جائے۔ نیز خود حمل رجنین کے درمیان وجود و عدم میں احتمال ہے۔ لہٰذا شک صحت اقرار سے مانع ہے۔ (عموماً متون قول امام ابو یوسف پر ہیں۔)(المختار للفتوی، کنز، وقایہ)

اگر کوئی شخص کسی کے لیے اپنی لونڈی کے حمل یا اپنی بکری کے حمل کا اقرار کرتا ہے تو یہ اقرار درست ہے۔ لہٰذا دونوں حمل پیدا

ہونے کے بعد مقرلہ کو دینے واجب ہوں گے۔

وَاِذَا اَقَرَّ الرَّجُلُ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ بِدُیُوْنٍ وَّعَلَیْهِ دُیُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ صِحَّتِهٖ وَدُیُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ مَرَضِهٖ بِاَسْبَابٍ مَعْلُوْمَةٍ فَدَیْنُ الصِّحَّةِ وَالدَّیْنُ الْمَعْرُوْفُ بِالْاَسْبَابِ مُقَدَّمٌ فَاِذَا قُضِیَتْ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیْهِ دُیُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ صِحَّتِهٖ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَکَانَ الْمُقَرُّ لَهٗ اَوْلٰی مِنَ الْوَرَثَةِ وَاِقْرَارُ الْمَرِیْضِ لِوَارِثِهٖ بَاطِلٌ اِلَّا اَنْ یُّصَدِّقَهٗ بَقِیَّةُ الْوَرَثَةِ

”اور جب کسی مرد نے مرض موت میں متعدد قرضوں کا اقرار کیا اور اس پر حالت صحت کے قرضے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو مرض وفات میں معلوم اسباب کی وجہ سے لازم ہوئے ہیں تو حالت صحت والے قرضے اور اسباب معلوم والے قرض مقدم ہوں گے پس جب قرض ادا کر دیے جائیں اور جو ان سے بچ جائے وہ اس میں خرچ ہوگا کہ جس کا اس نے مرض الموت میں اقرار کیا اور اگر اس پر ایسے مرض نہ ہوں جو حالتِ صحت میں لازم ہوں تو اس کا اقرار درست ہے اور مقرلہ ورثا سے مقدم ہے اور مریض کا اپنے ورثا کے لیے اقرار کرنا باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثا اس مسئلہ میں تصدیق کریں۔“

مرض الموت میں دین کا اقرار:

قولہ: واذا اقر الخ: مرض الموت سے مراد وہ بیماری ہے کہ ”جس کی وجہ سے فوت ہونے کا غالب گمان ہو کہ وہ اس بیماری میں فوت ہو جائے گا اس کو مرض الموت کہا جاتا ہے۔“ اس شخص پر زمانہ صحت کے بھی قرضے تھے اور مرض الموت میں بھی اسباب معلوم کے سبب قرضے ہیں مثلاً مرض الموت میں بیع کی اس کا ثمن قرض ہے یا نکاح کیا مہر قرض ہے۔ ان قرضوں کی موجودگی میں کسی کے لیے دین کا اقرار کرتا ہے کہ جس کا سبب معلوم نہیں تو پہلے دو قسم کے قرضوں کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچ جائے تو اس سے اقرار کردہ قرض ادا کیا جائے گا۔ اگر مال نہ بچے تو کچھ واجب نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض الموت میں اسباب بتائے بغیر کسی دین کا اقرار کرنا اس بات کا شبہ پیدا کرتا ہے کہ دوسرے قرض خواہوں کو نقصان دینا چاہتا ہے تا کہ مقرلہ کو زیادہ مل جائے۔ اگر حالت صحت کے قرض نہیں اور نہ ہی حالت مرض میں کسی سبب معلوم سے قرض ہے تو مجہول اقرار درست ہوگا کیونکہ کسی قرض خواہ کو نقصان دینے کا شبہ نہیں۔ لہٰذا جس کے لیے اقرار کیا ہے اس کو ورثاء سے پہلے قرض دیا جائے گا۔

وارث کے لیے اقرار:

قولہ: واقرار المریض الخ: اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنے کسی وارث کے لیے اقرار کرے تو یہ اقرار باطل ہوگا کہ اس سے باقی ورثا کا نقصان ہوتا ہے لہٰذا یہ اصول ہوا کہ ”جس اقرار سے کسی کو نقصان ہو وہ اقرار باطل ہے۔“ ہاں اگر باقی ورثا اجازت دے دیں تو درست ہے کیونکہ وہ اپنا حق خود ساقط کرنے پر راضی ہیں۔

وَمَنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِیٍّ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ ثُمَّ قَالَ هُوَ ابْنِیْ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَبَطَلَ اِقْرَارُهٗ لَهٗ وَمَنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِیَّةٍ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ یَبْطُلْ اِقْرَارُهٗ لَهَا وَمَنْ طَلَّقَ زَوْجَتَهٗ ثَلَاثًا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ اَقَرَّ لَهَا بِدَیْنٍ فَمَاتَ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الدَّیْنِ وَمِنْ مِیْرَاثِهَا مِنْهُ

''اور جس نے مرض وفات میں کسی اجنبی کے لیے اقرار کیا پھر اس نے کہا یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہوگا اور اس کے لیے اس کا اقرار باطل ہوگا اور اگر کسی اجنبیہ کے لیے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کیا تو اس کے لیے اس کا اقرار باطل نہ ہوگا اور جس شخص نے مرض وفات میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس کے لیے اقرار کیا اور فوت ہو گیا تو اس عورت کو مقدار قرض اور حصہ میراث سے جو کم ہو وہ ملے گا۔''

اجنبی کے لیے اقرار کے بعد رشتہ دار ہونے کا دعویٰ:

قولہ: ومن اقر الخ: اگر کسی شخص نے کسی اجنبی کے لیے اقرار کیا پھر اس نے اس کے متعلق ایسے رشتہ کا دعویٰ کیا جو شروع (دائمی) سے ہے تو یہ اقرار باطل ہو جائے گا۔ مثلاً بعد میں اس اجنبی کو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ وہ اجنبی ثابت النسب نہ ہو اور اس جیسی عمر کا شخص بیٹا بھی بن سکتا ہو تو یہ اقرار باطل ہوگا اور اس کو بیٹا ہونے کی حیثیت سے وراثت سے حصہ ملے گا۔ اگر اجنبی کے متعلق ایسے رشتہ کا دعویٰ کیا جو شروع سے نہیں بلکہ بعد میں قائم ہو تو یہ اقرار باطل نہ ہوگا۔ مثلاً کسی اجنبی عورت کے لیے اقرار کیا پھر اس کے متعلق کہا کہ یہ میری بیوی ہے تو اقرار درست ہے اس لیے کہ جب اقرار کیا تھا وہ اجنبی تھی اس سے رشتہ اب قائم ہوا ہے۔ بخلاف بیٹا کہنے کے کہ بیٹے کا رشتہ شروع سے شمار کیا گیا۔ اس لیے بیٹے کے حق میں اقرار باطل جب کہ بیوی کے حق میں اقرار صحیح ہے۔ لہٰذا ''اصول یہ ہوا کہ جہاں دوسرے کو نقصان دینے کا شبہ نہ ہو وہاں اقرار درست ہے اور جہاں نقصان کا شبہ ہو وہاں درست نہیں۔''

طلاق کے بعد بیوی کے لیے اقرار:

قولہ: ومن طلق الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے بیوی کو تین طلاقیں یا طلاق بائنہ دی کہ ابھی وہ عدت میں تھی کہ اس نے اس کے لیے قرض کا اقرار کیا پھر شوہر فوت ہو گیا تو عورت کو میراث اور قرض میں سے جو کم ہو وہ ملے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ شبہ ہے کہ شوہر نے بیوی کو اس لیے طلاق دی تا کہ اس کو اقرار قرض کے ذریعے بھاری رقم سے نوازے چونکہ وارث ہونے کی حیثیت سے رقم کم ملتی اس شبہ کی وجہ سے میراث و قرض میں سے کم رقم بیوی کو ملے گی۔

وَمَنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ يُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ وَلَيْسَ لَهٗ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مَرِيْضًا وَّيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ فِي الْمِيْرَاثِ وَيَجُوْزُ اِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ وَالزَّوْجَةِ وَالْمَوْلٰى وَيُقْبَلُ اِقْرَارُ الْمَرْاَةِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلٰى وَلَا يُقْبَلُ اِقْرَارُهَا بِالْوَلَدِ اِلَّا اَنْ يُّصَدِّقَهَا الزَّوْجُ فِيْ ذٰلِكَ اَوْ يَّشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا قَابِلَةٌ

''اور کسی شخص نے ایسے لڑکے کے متعلق اقرار کیا کہ اس کی مثل اس کے لیے پیدا ہو سکتا ہے اور اس کے لیے نسب مشہور نہیں کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اگر مقر بیمار ہو اور وہ لڑکا میراث میں ورثاء کے ساتھ شریک ہوگا اور مرد کا والدین، بیوی، لڑکا اور مولیٰ ہونے کا اقرار جائز ہے اور عورت کا والدین، شوہر اور مولیٰ ہونے کا اقرار قبول کیا جائے گا اور عورت کا لڑکے کا اقرار قبول نہ کیا جائے گا مگر یہ کہ شوہر اس کی تصدیق کر

دے یا دایہ اس کی پیدائش کی گواہی دے دے۔"

حل لغات:۔ غلام لڑکا، قابلۃ دایہ۔

اصول وفروع اور زوج وزوجہ، مولی کا اقرار:

قولہ: ومن اقر بغلام الخ: عبارت سے مسئلہ کی نوعیت واضح ہے تاہم چند اصولی مباحث زیر قلم ہیں۔

۱۔ بیٹے کا نسب اپنے سے منسوب کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے کہ جس طرح نکاح کرنا حاجت اصلیہ میں سے ہے لہٰذا مرض الموت میں بیٹا ہونے کا اقرار کرنا جائز ہے اور ورثا کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا اس میں ورثا کے نقصان کا اعتبار نہ ہوگا جس کو بیٹا کہا ہے وہ عرف وعادت کے مطابق بیٹا بن بھی سکتا ہو۔ مثلاً مقر 25 سال کا ہے اور لڑکا 10 سال کا ہے۔ اور اس کا نسب بھی مشہور نہ ہو اور وہ مقر کی تصدیق بھی کرتا ہو۔ تو اقرار بنوت درست ہے کہ حاجت اصلیہ میں سے ہے۔ اس میں وہی شرطیں ہیں کہ ان کا نسب معلوم نہ ہو اور عرف وعادت کے مطابق والدین بن بھی سکتے ہوں اور یہ اس کی تصدیق بھی کریں۔

۲۔ مولی کے بارے میں شرط یہ ہے کہ وہ تصدیق کرے کہ میں واقعتاً اس کا مولی ہوں۔

۳۔ بیوی کے اقرار کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ نہ کسی کے نکاح میں ہو اور نہ عدت میں ہو عورت بھی بیوی ہونے کی تصدیق کرے اور یہی تفصیل مرد کے اقرار کی بھی ہے۔ کیونکہ ان نسبوں میں دوسروں پر نسب کا الزام نہیں بلکہ اپنے نسب کی نسبت کرنا ہے جو اختیاری فعل ہے۔

۴۔ اگر عورت بیٹے کا اقرار کرتی ہے تو شوہر کی تصدیق کے بغیر یہ اقرار درست نہ ہوگا کیونکہ غیر پر نسبت لگانا اس کی تصدیق کے بغیر جائز نہیں۔ یا دائی اس سے پیدائش کی تصدیق کر دے تب عورت کا بنوت کے متعلق اقرار درست ہوگا کیونکہ جہاں مرد کو دیکھنا حرام ہو وہاں دائی کی گواہی قبول ہوتی ہے۔

وَمَنْ اَقَرَّ بِنَسَبٍ مِنْ غَيْرِ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ مِثْلُ الْاَخِ وَالْعَمِّ لَمْ يُقْبَلْ اِقْرَارُهٗ فِي النَّسَبِ فَاِنْ كَانَ لَهٗ وَارِثٌ مَعْرُوْفٌ قَرِيْبٌ، اَوْ بَعِيْدٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْمُقَرِّ لَهٗ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَارِثٌ اسْتَحَقَّ الْمُقَرُّ لَهٗ مِيْرَاثَهٗ وَمَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُ اَخِيْهِ وَيُشَارِكُهٗ فِي الْمِيْرَاثِ.

"اور جس شخص نے والدین اور اولاد کے علاوہ کے نسبت کا اقرار کیا جیسے بھائی اور چچا تو اس کا اقرار نسب میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ پس اگر اس کا کوئی معروف النسب قریبی یا بعیدی ہو تو وہ میراث کا زیادہ مستحق ہوگا مقرلہ کی بنسبت تو اگر اس کا کوئی رشتہ دار نہیں تو مقرلہ اس کی میراث کا وارث ہوگا اور جس کا والد فوت ہوگیا اور اس نے بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہ ہوگا لیکن میراث میں شریک ہوگا۔"

اصول وفروع وغیرہ کے علاوہ کے نسب کا اقرار:

قولہ: ومن اقر الخ: اصول یہ ہے کہ "ایسے نسب کا اقرار درست نہیں کہ جس کا دوسرے سے ہونا لازم آئے۔" مثلاً بھائی

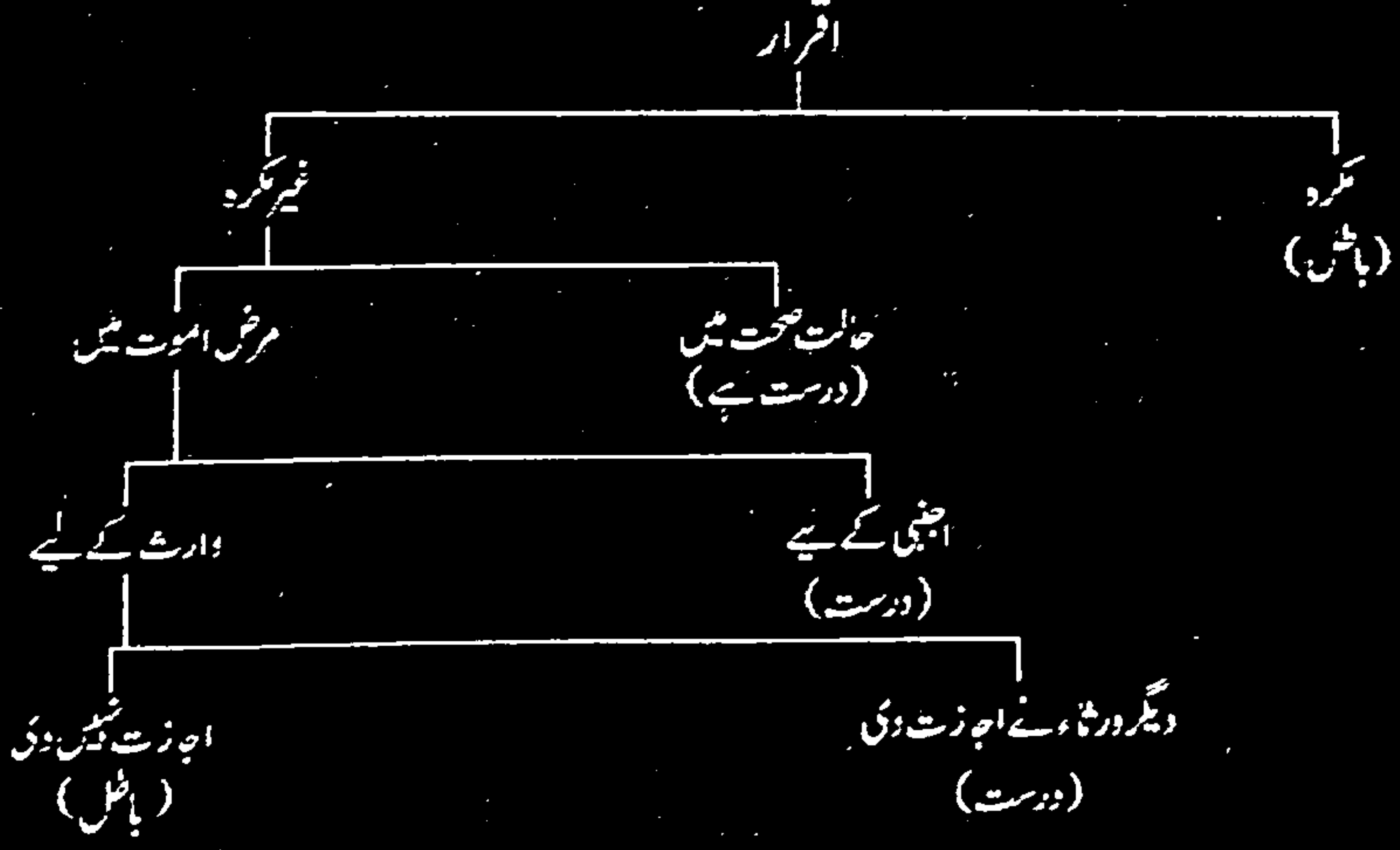
کا اقرار والد کے نسب سے چچا کا اقرار دادا کے نسب سے لہٰذا ثابت شدہ ورثا کی موجودگی میں مقرلہ محروم رہے گا اگر ورثاء نہ ہوں تو اقرار کی وجہ سے (نہ کہ نسب کی وجہ سے) میراث کا مستحق ہوگا۔ اگر والد کے فوت ہونے کے بعد کسی نے اجنبی کے لیے بھائی ہونے کا اقرار کیا تو نسب اس کے والد سے ثابت نہ ہوگا کیونکہ " تحميل النسب على الغير" ہے کہ غیر پر نسب تو ثابت ہوگا مگر مقر کو والد کی میراث سے جتنا حصہ ملے گا اس کا نصف مقرلہ کو ملے گا۔ اصول یہ ہے کہ "اقرار کر کے دوسرے کو نقصان دینا درست نہیں البتہ ذاتی حق میں اس کو جاری کرنا درست ہے۔"

دباؤ کے تحت اقرار کی شرعی حیثیت:

پولیس یا چودھراہٹ کے ذریعے اگر کسی پر دباؤ ڈال کر کسی بات کا اقرار کرا لیا تو شریعت کی روشنی میں اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں نہ اس پر کوئی شرعی حکم لگ سکتا ہے اور نہ ہی اس اقرار کی بنا پر جج فیصلہ دے سکتا ہے۔ دیکھیے کہ نکاح وطلاق کی ایسی نوعیت ہے جو مزاحاً بھی واقع ہو جاتے ہیں اور جبراً بھی کہلانے سے واقع ہو جاتے ہیں مگر جبراً نکاح وطلاق کا اقرار کرا لیا گیا تو اس کا اعتبار نہیں۔

"لَا يَصِحُّ اِقْرَارُهٗ بِطَلَاقٍ وَعِتَاقٍ مُكْرَهًا." (در مختار کتاب الاقرار)

لیکن اگر مکرہ سے انشائی کلام کہلوایا گیا کہ تو یہ کہہ "میری بیوی کو طلاق ہے یا میں طلاق دیتا ہوں" تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یہ اقرار نہیں بلکہ انشاء ہے اور مکرہ کا انشاء درست ہوتا ہے۔



کتاب الاجارۃ

اجارہ کی لغوی تحقیق:

لغت میں اجارہ اُجرۃ کا اسم ہے اور اجرۃ اس مزدوری کو کہا جاتا ہے کہ مزدور جس کا مستحق عمل خیر کے بعد ہوتا ہے اجارۃ فِعَالَةٌ کے وزن پر ہے اور فعالہ کا وزن اِفعال اور مُفاعلہ دونوں کے درمیان مشترک ہے صحیح قول کے مطابق اجارہ دونوں سے آتا ہے تاہم اس کی لغوی تحقیق میں اہل لغت کا اختلاف بھی ہے۔

اجارہ کی شرعی حیثیت:

قیاس کی رو سے اجارہ ناجائز ہے کیونکہ جس چیز پر عقد ہو رہا ہے وہ عقد کے وقت معدوم ہے بعد والی چیز کی طرف تملیکِ اضافت درست نہیں ہوتی مگر ضرورت کی وجہ سے قرآن وحدیث اور اجماع سے اس کا ثبوت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی آٹھ سال بکریاں چرانے کا واقعہ اجارہ کی اصل ہے اسی طرح دودھ پلانے والی دائیہ کی اجرت اور حدیث میں ہے کہ مزدور کو اس کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دو۔ چودہ سو سال سے اس کے جواز پر اجماع چلا آ رہا ہے۔ عقد اجارہ معیشت کا ایک اہم شعبہ ہے کہ جس کے ساتھ معاشرے کی بے شمار ضروریات وابسطہ ہیں۔

عقد اجارہ کے متعلق اصطلاحات:

کرایہ پر دینے والے کو "مُؤجر" (Lessor) اور کرایہ پر حاصل کرنے والے کو "مستاجر" (Lessee) اور جس شی کو کرایہ پر لیا جائے۔ "شئی مستاجر" اور ملازم ومزدور کو "اَجیر" کہا جاتا ہے۔

اَلْاِجَارَةُ عَقْدٌ عَلَى الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ وَلَا يَصِحُّ حَتّٰى تَكُوْنَ الْمَنَافِعُ مَعْلُوْمَةً ، وَالْاُجْرَةُ مَعْلُوْمَةً

"اجارہ ایسا عقد ہے جو کسی عوض کے بدلے میں منافع پر ہوتا ہے اور نہیں ہے درست اجارہ یہاں تک کہ منافع معلوم ہو اور اجرت معلوم ہو۔"

اجارہ کی اصطلاحی تعریف:

قوله: الاجارة عقد الخ: امام قدوری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اجارہ کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا: "منافع پر عوض کے بدلے عقد کا نام اجارہ (Leasing) ہے۔"

امام قدوری نے عوض کو مطلق رکھا ہے۔ لہٰذا عوض عین شی کو بھی شامل ہے مثلاً مکان کو کرایہ پر لیا پیسوں کے بدلے میں یا کسی اور مکیلی وموزونی چیز کے بدلے میں اور عوض منفعت کو بھی شامل ہے کہ ایک طرف سے مکان کی منفعت ہو دوسری طرف سے عوض میں گاڑی کی منفعت ہو۔ لہٰذا اجارہ کی دو صورتیں ہوئیں۔

۱۔ اجارۃ المنفعۃ بالمال. ۲۔ اجارۃ المنفعۃ بالمنفعۃ.

لیکن جب منافع کا منافع کے عوض اجارہ ہو تو شرط یہ ہے ان کے نام و کام جدا جدا ہوں۔ (درمختار باب الاجارہ)

اجارہ کی شرائط:

قولہ: ولا تصح الخ: اجارہ کے انعقاد کے لیے عاقدین کی ذات کے متعلق وہی شرائط ہیں جو بیع میں ہیں بالخصوص اجارہ کے متعلق امام قدوری نے دو شرطیں بیان کی ہیں۔

۱۔ منافع معلوم ہوں۔ ۲۔ اجرت معلوم ہو۔

کہ اس بات کی وضاحت ہو کہ مستاجر کتنی مقدار میں منافع حاصل کرے گا مثلاً گاڑی کرایہ پر لی تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کتنے وقت کے لیے اور کہاں لے جانی ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا کرایہ کتنا ہے اگر یہ مجہول ہوں تو اجارہ درست نہ ہوگا کیونکہ فریقین کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "جَهَالَةُ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تُفْسِدُ الْعَقْدَ" کہ معقود علیہ کی جہالت عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔

ٹریڈ یونین (ہڑتال) کے اسباب:

دور حاضر میں ٹریڈ یونین (ہڑتال) کا عام رواج ہے کبھی مزدوروں کی طرف سے ہوتی ہے اور کبھی سرمایہ داروں کی طرف سے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت نے جو قواعد و ضوابط مقرر کیے ہیں ان سے انحراف کی وجہ سے توازن و اعتدال جانبین سے باقی نہیں رہتا کہ نہ آجر (مالک) میں دیانت داری اور خوف خدا ہے اور نہ ہی اجیر (مزدور) میں یہ وصف ہیں صرف اپنا حق منوانے کے لیے ہڑتال کرتے ہیں لیکن حق کی ادائیگی کا خیال نہ اجیر کو ہے نہ ہی آجر کو ہے ہڑتالوں سے مسائل حل نہیں ہوتے ہیں بلکہ مزید بگڑتے ہیں کہ اجیر کی تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے ادھر سے ٹیکس کا بوجھ بڑھا دیا جاتا ہے یہ حکومت اور ملازمین کی طرف سے غریب عوام پر نیا بوجھ ڈالنا ہے لہٰذا صرف دھوکہ اور فراڈ کا دوسرا نام "اجرت میں اضافہ" ہے اگر اسلامی قانون کے تحت اجارہ کو نافذ کیا جائے تو یہ نوبت نہ آئے۔

وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ ثَمَنًا فِي الْبَيْعِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ اُجْرَةً فِي الْاِجَارَةِ وَالْمَنَافِعُ تَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْمُدَّةِ كَاسْتِئْجَارِ الدُّوْرِ لِلسُّكْنٰى وَالْاَرَضِيْنَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ اَيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالتَّسْمِيَةِ كَمَنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا عَلٰى صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْ خِيَاطَتِهٖ اَوِ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مَعْلُوْمًا اِلٰى مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ اَوْ يَرْكَبَهَا مَسَافَةً سَمَّاهَا وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالتَّعْيِيْنِ وَالْاِشَارَةِ كَمَنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِيَنْقُلَ لَهٗ هٰذَا الطَّعَامَ اِلٰى مَوْضِعٍ مَعْلُوْمٍ

"اور جو چیز بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ اجارہ میں اجرت بن سکتی ہے اور منافع کبھی مدت کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں جیسے مکانوں کو رہائش کے لیے کرائے پر لینا اور زمینوں کو کھیتی کے لیے تو عقد مدت معلومہ پر درست ہوگا مدت کتنی بھی ہو اور کبھی

منافع کام اور نام لینے کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی شخص نے ایک مرد کو کپڑا رنگنے یا کپڑا سینے کے لیے اجرت پر رکھا یا جانور کرایہ پر لیا تا کہ اس کو خاص مقام تک خاص مقدار لادے یا کسی مسافت معلوم تک سوار ہوگا اور منافع کبھی تعیین و اشارہ سے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی شخص نے ایک مرد کو مزدوری پر لیا تا کہ وہ غلہ کو معلوم مقام تک لے جائے۔"

حل لغات: استیجار کرائے پر لینا دور جمع ہے دار کی بمعنی گھر، صبغ رنگنا، خیاطة سینا۔

کون سی چیز اجرت بن سکتی ہے؟:

قولہ: وما جاز الخ: امام قدوری فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بن سکتی ہے وہ اجارہ میں بھی اجرت بن سکتی ہے۔ لہٰذا اصول یہ ہے کہ "اجرت معلوم ہو اور وہ عددی غیر متقارب نہ ہو اور مکیلی وموزونی ہو تو متعین ہو۔"

اجارہ، اعارہ، ہبہ اور بیع میں فرق:

اجارہ تمليك المنفعة بالعوض، اعارہ تمليك المنفعة بلا عوض، ہبہ تمليك العين بلا عوض جب کہ بیع تمليك العين بالعوض کا نام ہے۔

منافع معلوم کرنے کی تین صورتیں:

قولہ: والمنافع الخ: اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے دو شرطیں تھیں ایک یہ کہ اجرت معلوم ہو دوسری یہ ہے کہ منافع معلوم ہو۔ منافع معلوم کرنے کے تین طریقے بیان کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ مدت معلوم ہو تو منافع معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً رہائش کے لیے مکان کرایہ پر لیا اور اس کی مدت بیان کر دی کہ ایک مہینہ کے لیے ہے اسی طرح زمین کھیتی کے لیے لی تو بیان کر دی کہ چھ ماہ کے لیے یا سال کے لیے تو منافع (کرایہ) معلوم ہو جاتا ہے۔ مدت چاہے جتنی بھی ہو۔

۲۔ کام متعین کرنے سے منافع معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً کپڑے رنگنے کے لیے اجرت پر آدمی لیا تو اس کو بتا دیا کہ اتنے کپڑے رنگنے ہیں اور کپڑے کی نوعیت بھی بتا دی یوں ہی درزی اجرت پر لیا تو کپڑے کی سلائی سنگل یا ڈبل اور کپڑے کا سائز بھی بتا دیا ایسے ہی کوئی جانور سامان لادنے کے لیے لیا اور بتا دیا کہ سامان دو من ہے اور فلاں مقام سے فلاں مقام تک لے جانا ہے تو منافع (کرایہ) معلوم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ تعیین اور اشارہ سے بھی منافع معلوم ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس مقام تک سامان لے جانا ہے اس مقام کی طرف اشارہ بھی کر دیا اور سامان کی تعیین بھی کر دی تو اجیر کو کرایہ معلوم ہو جائے گا۔ آج کل گھنٹے یا میل وکلومیٹر کے حساب سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے۔

وَيَجُوْزُ اسْتِيْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ لِلسُّكْنٰى وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَا يَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهٗ اَنْ يَّعْمَلَ فِيْهَا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الْحَدَّادَ وَالْقَصَّارَ وَالطَّحَّانَ وَيَجُوْزُ اسْتِئْجَارُ الْاَرَاضِي لِلزِّرَاعَةِ وَ لِلْمُسْتَاْجِرِ الشِّرْبُ وَالطَّرِيْقُ وَلَا يَجُوْزُ الْعَقْدُ حَتّٰى يُبَيِّنَ مَا يَزْرَعُ فِيْهَا اَوْ يَقُوْلَ عَلٰى اَنْ اَزْرَعَ فِيْهَا مَا

أَشْيَاءَ وَيَجُوْزُ أَنْ يَّسْتَأْجِرَ السَّاحَةَ لِيَبْنِيَ فِيْهَا أَوْ يَغْرِسَ فِيْهَا نَخْلًا أَوْ شَجَرًا فَإِذَا انْقَضَتِ الْمُدَّةُ لَزِمَهُ قَلْعُ ذٰلِكَ وَيُسَلِّمُهَا فَارِغَةً إِلَّا أَنْ يَّخْتَارَ صَاحِبُ الْأَرْضِ أَنْ يَّغْرَمَ لَهُ قِيْمَةَ ذٰلِكَ مَقْلُوْعًا وَّيَكُوْنَ لَهُ أَوْ يَرْضٰى بِتَرْكِهِ عَلٰى حَالِهِ فَيَكُوْنَ الْبِنَاءُ لِهٰذَا وَالْأَرْضُ لِهٰذَا

''اور گھروں اور دوکانوں کو رہائش کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہے اگر چہ یہ بیان نہ بھی کرے کہ اس میں کیا کام کرے گا اور کرایہ دار کے لیے جائز ہے کہ اس میں ہر کام کرے سوائے لوہار، دھوبی اور پسائی کے پیشے کے۔ اور زمینوں کو کھیتی کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہے اور کرایہ دار کے لیے پانی اور راستہ ہوگا اگر چہ کرایہ میں شرط نہ بھی رکھی ہو اور عقد درست تب ہوگا کہ جب وہ جو کاشت کرے گا بیان کر دے یا وہ کہے اس شرط پر جو چاہو کاشت کرو اور خالی زمین کو کرایہ پر لینا جائز ہے تا کہ اس میں عمارت بنائے یا اس میں درخت لگائے۔ کھجور کے یا عام درخت پس جب اجارہ کی مدت مکمل ہو جائے تو لازم ہے اس کے لیے عمارت اور درختوں کو اکھاڑ لے اور زمین کو فارغ کر کے مالک کے حوالے کرے البتہ اگر مالک زمین پسند کرے کہ کرایہ دار کو عمارت اور درختوں کی وہ قیمت دے جو اکھاڑنے کے بعد ہو یا مالک زمین کو اسی حال پر چھوڑنے پر راضی ہو تو عمارت کرایہ دار کی ہوگی اور زمین مالک کی ہوگی۔''

حل لغات: الحوانیت جمع ہے حانوت کی بمعنی دوکان، حدادۃ لوہار کا پیشہ، القصارۃ دھوبی کا پیشہ، الطحان، پسائی کا پیشہ، الاراضی جمع ہے ارض کی بمعنی زمین، یغرم (س) سے ہے۔ بمعنی تاوان دینا، مقلوعاً قلع سے ہے بمعنی اکھیڑنا۔

قوله: ويجوز استيجار الخ:

مکانات اور دوکانوں کا کرایہ:

صورت مسئلہ یہ ہے کہ گھروں اور دوکانوں کو کرائے پر لینا جائز ہے ان میں ہر وہ کام کر سکتے ہیں کہ جس سے مکان و دوکان کی عمارت کو نقصان نہ ہو مثلاً لوہے کا پیشہ اور پن چکی وغیرہ لگانا اگر اجازت ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح اس دور میں کارخانے اور ملیں لگانا اگر مالک کی اجازت شامل حال ہو تو جائز ورنہ ناجائز۔

دوکانوں اور مکانوں کی پگڑی کی شرعی حیثیت:

پگڑی دور حاضر میں ان مسائل میں سے ایک ہے کہ جس کا شمار اکثر و بیشتر شہروں میں رائج پذیر ہے پگڑی کو عربی میں ''خلو'' کہا جاتا ہے اور پگڑی کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص دوکان یا مکان کرائے پر لینا چاہتا ہے تو مالک کرایہ دار سے ایگریمنٹ کرتا ہے کہ مجھے ایڈوانس اتنی رقم مثلاً پانچ لاکھ دو اور ہر مہینہ چار ہزار کرایہ ہوگا۔ جب دوکان واپس کر دو گے تو ایڈوانس رقم مل جائے گی۔ کرایہ کے علاوہ ایڈوانس رقم کا نام پگڑی (خلو) ہے۔

پگڑی کے مختلف نام:

اس پگڑی کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زرضمانت، ایڈوانس رقم، لنگی، مرصد، جلسہ، فرار، کردار، خلوالرجل، حق القرار،

فراغ انزال، خلوالید وغیرہ ہر علاقے کے عرف اور زبان کے مطابق اس کے نام مشہور ہیں۔

پگڑی سب سے پہلے:

اس مسئلہ کا آغاز علامہ علاؤالدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ کے زمانے میں ہوا۔ آج ۱۴۳۸ھ سے قبل تقریباً ساڑھے تین سو سال یہ مسئلہ سب سے پہلے پیش آیا تو آپ نے عرف خاص کی بنا پر جواز کا فتوی دیا درمختار کتاب البیوع باب الصرف کے آخر میں یہ مسئلہ مذکور ہے بعد میں شارحین نے پگڑی کے جواز وعدم جواز کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں۔ پگڑی مالک دوکان اور کرایہ دار دونوں کی ضرورت بن گئی ہے کہ اگر مالک دوکان پگڑی نہیں لیتا تو دوکان میں نقصان ہونے کی صورت میں نقصان پر ہے جب کہ کرایہ دار پگڑی نہیں دیتا تو کسی بھی وقت مالک نکال سکتا ہے کہ جس سے کرایہ دار کو کاروبار جاری رکھنے میں دقت پیش آتی ہے۔

پگڑی کے متعلق اصل مذہب:

فقہا احناف متقدمین کے نزدیک پگڑی ناجائز ہے اس لیے کہ حقوق مجردہ کی بیع متقدمین کے نزدیک جائز نہیں کیوں کہ ان کے نزدیک حقوق مال نہیں (مال کی تعریف کتاب البیوع کے آغاز میں ملاحظہ کیجیے) جب کہ متاخرین فقہا احناف کے دور میں حقوق بھی مال شمار ہوتے تھے مثلاً اس دور میں حق التالیف، حق ایجاد، کہ یہ حقوق مگر فروخت کرنا جائز ہے۔ اور پگڑی میں دو امور ہیں۔

۱۔قبضہ۔ ۲۔تصرف۔

قبضہ حقوق مجردہ میں سے ہے جس کو متاخرین کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہے اس لیے ایڈوانس رقم قبضہ کو فروخت کرنے کے عوض ہے اور ماہانہ کرایہ تصرف ونفع اٹھانے کے عوض ہے۔

مالک اور کرایہ دار کی ملکیت میں فرق:

پگڑی کے بعد مالک نفس دوکان کا تو مالک ہے لیکن قبضہ وتصرف کا مالک نہیں جب کہ کرایہ دار قبضہ وتصرف کا تو مالک ہے مگر نفس دوکان کا مالک نہیں۔ لہٰذا ملکیت دونوں کی ناقص ہے مگر جہت نقصان مختلف ہے۔

پگڑی کے بعد دوکان خالی کرنے کے متعلق حکم:

اگر پگڑی کے بعد حسب معاہدہ کرایہ دار کرایہ ادا کرتا ہے اور دوکان کو نقصان بھی نہیں پہنچاتا تو مالک دوکان کو دوکان خالی کرانے کا اختیار نہیں موجودہ قانون نے بھی پگڑی کو تحفظ دیا ہے اور پگڑی پر لینے والے کو بیچنے، ہبہ کرنے، عطیہ دینے، اجارہ پر دینے کا اختیار ہے لیکن جب بیچے گا تو اول حق مالک کا ہے جو اس کا شریک ہے۔ ایک رائے عدم جواز کی بھی ہے۔ اس کے جواز و عدم جواز پر عصر حاضر میں متعدد مفتیان کرام نے خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ان کی طرف رجوع کریں۔

عامل کے عمل سے اجرت کا حکم:

متن میں چکی کے متعلق بتایا تھا کہ مالک کی اجازت کے بغیر دوکان یا مکان میں پسائی کے لیے پن چکی لگانا جائز نہیں اسی کے

ضمن میں ایک مشہور مسئلے کی وضاحت ہو جائے کہ جس طرح ہمارے ہاں مشہور ہے کہ گندم یا مکئی کے دانے جب پن چکی (جندر، گراٹ) یا مشین پر پسائی کرواتے ہیں تو اس کی مزدوری اسی آٹے سے لی جاتی ہے۔ کتب فقہ میں اس مسئلے کو "قفیز طحان" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کہ اجیر کے عمل سے اجرت ناجائز ہے۔ یہ جمہور فقہا کرام کا موقف ہے۔ جب کہ دوسری رائے جواز کی ہے کہ جس طرح کھیتی کی پیداوار کا چوتھائی حصہ مالک لیتا ہے باقی ٹھیکے والے کے ہوتے ہیں یہاں بھی عامل کے عمل سے اجرت ہے اسی طرح پھلوں میں جائز ہے اور اسی طرح مضاربت میں بھی کہ ایک کا سرمایہ دوسرے کا عمل عامل کے عمل سے اجرت دی جاتی ہے۔ جب کہ ہمارے زمانے میں کاروبار کے متعدد ایسے طریقے مروج ہیں کہ جن میں عامل کو اس کے عمل سے اجرت دی جاتی ہے اور ایسی جہالت کہ جس میں نزاع نہ ہو وہ مضر نہیں۔

قفیز طحان کے مثل مسائل:

جانوروں کی بٹائی، قصاب کو اجرت میں کھال و سری پائے دینا، کھیتی و پھلوں کی کٹائی پر انہی سے اجرت دینا اور مدارس کے لیے چندہ وصول کرنے والوں کو اسی چندہ سے کمیشن دینا۔ لہٰذا جن کے نزدیک قفیز طحان کی صورت ناجائز ہے ان کے نزدیک مذکورہ مسائل بھی ناجائز ہیں اور جن کے نزدیک قفیز طحان عرف و عادت کی وجہ سے جائز ہے ان کے ہاں اس کی مثل مسائل بھی جائز ہیں اور قفیز طحان والی روایت اس صورت پر محمول ہے کہ جب اجرت کی مقدار معلوم نہ ہو اگر معلوم ہے کہ من کے ساتھ اتنا کلو ہے تو جائز ہے۔

زمین کو کھیتی کے لیے کرایہ پر لینا:

قولہ: ویجوز استیجار الارض الخ: زمین کو کھیتی کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہے اور کھیتی کے لیے پانی اور راستہ بھی کرایہ دار کا حق ہے چاہے عقد اجارہ میں ان کا نام نہ بھی لیا ہو کیونکہ فقہی قاعدہ ہے "مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ مَاهُوَ مِنْ ضَرُوْرَاتِهٖ" کہ اگر کھیتی کاشت کرنے کا مالک بنا ہے تو ضرور اس کی بنیادی چیزوں مثلاً راستہ اور پانی کا بھی مالک ہوگا۔ اور زمین کو کرائے پر لیتے وقت یہ بھی ضروری ہے کہ تعیین کر دی جائے کہ کیا کاشت کیا جائے گا کیونکہ بعض چیزوں کی کاشت زمین کو خراب کر دیتی ہے جس کی وجہ سے نزاع پیدا ہو سکتا ہے یا مالک کہے کہ جو چاہو کاشت کرو تب تو بغیر تعیین کے بھی درست ہے اور مدت کی بھی تعیین ضروری ہے کہ کتنے عرصہ کے لیے کرائے پر لی جا رہی ہے۔

پانی کو کرائے پر لینے کا شرعی حکم:

اجارہ یہ ہے کہ عین شی کو باقی رکھ کر اس سے نفع اٹھانا اجارہ ہے جب کہ نہروں اور دریاؤں کا اجارہ آج کل عام ہے جب کہ اصل مذہب میں آب پاشی کے لیے نہروں کا اجارہ جائز نہیں کیونکہ پانی عین شی کو ہلاک کر کے ہی نفع حاصل ہوتا ہے جب کہ دور حاضر میں نہری پانی کا کرایہ گورنمنٹ لیتی ہے لیکن دور حاضر میں عمومِ بلویٰ کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے۔

باغ یا مکان کے لیے زمین کرائے پر لینا:

قولہ: ویجوز الخ: جب زمین کاشتکاری کے لیے کرائے پر لی جا سکتی ہے تو کوئی سالوں کے لیے بھی لے سکتا ہے تاکہ اس

میں باغ یا گھر بنائے اور جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو کرایہ دار پر لازم ہے کہ مدت پوری ہونے پر عمارت اور درختوں کو اکھیڑ کر زمین کو مالک کے حوالے کر دے اگر مالک عمارت اور درختوں کو بعینہٖ رکھنا چاہتا ہو تو ملبے اور اکھیڑے ہوئے درختوں کی مالیت دے کر کرائے دار سے لے لے اس کا تعلق پہلے عقد اجارہ سے نہیں بلکہ الگ سے عقد بیع ہے اگر مدت ختم ہونے کے بعد بھی نئے اجارے پر راضی ہو گئے کہ مزید اتنے سال کے لیے یہ زمین تمہارے پاس ہے تو جائز ہے۔اس کو پٹے پر لینا بھی کہا جاتا ہے۔

وَيَجُوْزُ اسْتِيْجَارُ الدَّوَابِّ لِلرُّكُوْبِ وَالْحَمْلِ فَإِنْ أَطْلَقَ الرُّكُوْبَ جَازَ لَهُ أَنْ يُرْكِبَهَا مَنْ شَاءَ وَكَذَا إِذَا اسْتَأْجَرَ ثَوْبًا لِلُّبْسِ وَأَطْلَقَ فَإِنْ قَالَ عَلٰى أَنْ يَرْكَبَهَا فُلَانٌ أَوْ يَلْبَسَ الثَّوْبَ فُلَانٌ فَأَرْكَبَهَا غَيْرَهُ أَوْ أَلْبَسَ الثَّوْبَ غَيْرَهُ كَانَ ضَامِنًا إِنْ عَطِبَتِ الدَّابَّةُ أَوْ تَلِفَ الثَّوْبُ وَكَذٰلِكَ كُلُّ مَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ فَأَمَّا الْعَقَارُ وَمَا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ فَإِذَا شَرَطَ فِيْهِ سَاكِنًا فَلَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ فَإِنْ سَمّٰى قَدْرًا أَوْ نَوْعًا يَحْمِلُهُ عَلَى الدَّابَّةِ مِثْلُ أَنْ يَقُوْلَ خَمْسَةُ أَقْفِزَةٍ حِنْطَةً فَلَهُ أَنْ يَحْمِلَ مَا هُوَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ فِي الضَّرَرِ أَوْ أَقَلُّ كَالشَّعِيْرِ وَالسِّمْسِمِ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْمِلَ مَا هُوَ أَضَرُّ مِنَ الْحِنْطَةِ كَالْمِلْحِ وَالْحَدِيْدِ وَالرَّصَاصِ وَإِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا قُطْنًا سَمَّاهُ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْمِلَ مِثْلَ وَزْنِهِ حَدِيْدًا،

’’اور جانوروں کو سواری اور سامان لادنے کے لیے کرایہ پر لینا جائز ہے پس اگر سوار ہونے کو مطلق بیان کیا تو کرایہ دار کے لیے جائز ہے کہ اس پر جس کو چاہے سوار کرے اور اسی طرح اگر کپڑے کو پہننے کے لیے کرایہ پر لیا اور پہننے کو مطلق رکھا اور اگر کرایہ دار نے مالک سے کہا کہ اس شرط پر کہ اس پر فلاں سوار ہوگا یا فلاں کپڑے پہنے گا لیکن کرایہ دار نے اس جانور پر کسی اور کو سوار کیا یا وہ کپڑا کسی اور کو پہنا دیا تو اگر کپڑا یا جانور ہلاک ہو گیا تو کرایہ دار ضامن ہوگا اور اسی طرح وہ چیز جو استعمال کرنے والے سے مختلف ہوتی ہو۔ بہر حال زمین اور وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے مختلف نہ ہو تو اگر معین شخص کے رہنے کی شرط لگائی تو اس کے لیے جائز ہے کہ غیر کو اس میں رہائش دے اور اگر کرایہ دار نے قسم اور مقدار کو متعین کر دیا یا جو جانور پر لادے گا جیسے پانچ قفیز گندم کہے تو کرایہ دار کو اختیار ہے کہ ایسی چیز لادے جو بوجھ میں گندم جیسی ہو یا اس سے کم ہو جیسے جو اور تل اور اس کو ایسی چیز لادنے کا اختیار نہیں جو گندم سے زیادہ بوجھ والی ہو جیسے نمک، لوہا اور شیشہ اور اگر جانور کرایہ پر لیا کہ اس پر مقرر کردہ مقدار روئی لادے گا تو کرایہ دار کے لیے جائز نہیں کہ اس پر روئی کے وزن کے برابر لوہا لادے۔‘‘

حل لغات: عَطِبَتْ عطبا سے ہے بمعنی ہلاک ہونا، السمسم تل، الملح نمک، الرصاص شیشہ قطن روئی۔

جانور وغیرہ کو کرایہ پر لینا:

قولہ: ویجوز استیجار الدواب الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے جانوروں اور دیگر اشیاء کو کرایہ پر لینے کے احکام بیان کر رہے ہیں۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جانور مثلاً سواری یا سامان لادنے کے لیے گھوڑے کو کرایہ پر حاصل کیا

کرایہ دار کا گھوڑے کو کرایہ پر لینے کی دو صورتیں ہیں اگر کسی خاص شخص کے لیے سواری یا خاص سامان لادنے کا ذکر نہیں کیا تو مطلق ہونے کی وجہ سے جو چاہے سوار ہو اور جو چاہے لادے۔ بشرطیکہ استعمال کرنے والے سے فرق نہ پڑتا ہو۔ اگر ہلاکت کا غالب گمان ہو تو اس صورت میں احتراز کرے۔ اور اگر سوار یا سامان کی تعیین کر دی تو اب کرایہ دار اگر کسی اور کو سوار کرے گا یا دوسرا سامان لادے تو اس دوران اگر جانور ہلاک ہو جائے تو کرایہ دار ضامن ہوگا کہ جانور کی قیمت دینا لازم ہوگی کیونکہ شرط کے خلاف کرنے پر ہلاکت کی صورت میں تاوان واجب ہوتا ہے۔ یہی حال اس چیز کا بھی ہے جو استعمال کرنے والے کے استعمال سے بدل جائے تو دوسرے کے استعمال کی وجہ سے ہلاک ہونے پر تاوان واجب ہوگا۔ دور حاضر میں جانور کی سواری کے علاوہ سائیکل، موٹر سائیکل، کار، ٹرک اور ہوائی جہاز وغیرہ ہیں ان کا حکم وہی ہے جو جانور کے متعلق ہے۔ کہ ڈرائیوروں میں مہارت بھی مختلف ہوتی ہے۔

ہائر پرچیز کا شرعی حکم:

ہائر پرچیز یہ دو انگریزی کے لفظ ہیں جن کا معنی ''کرایہ اور فروخت'' ہے اجارہ کی یہ صورت انیسوی صدی میں اقتصادی ماہرین نے نئی وضع کی ہے جس کو عربی میں ''البیع الایجاری'' انگریزی میں ''ہائر پرچیز'' اور اردو میں ''معاملہ کرایہ فروخت'' کہا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ بینک یا لیزنگ کمپنی کوئی گاڑی اپنے مقرر کردہ معاہدہ کے تحت یوں دیتی ہے کہ آغاز میں کرایہ دار کو کرائے پر دی جاتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ کرایہ دار گاڑی کا مالک ہو جائے گا۔

عدم جواز کی وجوہات:

دور حاضر کے ماہرین فقہ اسلامی نے اس کے عدم جواز کی کچھ وجوہات بیان کی ہیں۔

۱۔ بینک یا کمپنی گاڑی خریدنے سے قبل عقد اجارہ کرتی ہے اور قبضہ بعد میں بیان کردہ مدت پر دیا جاتا ہے اور کرایہ قبضہ سے پہلے عقد اجارہ سے شروع ہو جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

۲۔ بینک یا کمپنی گاڑی کی مالک ہے لہٰذا عدم تعدی کی صورت میں ضمان (Risk) بھی مالک پر ہونا چاہیے جس طرح اجارہ میں ہوتا ہے جب کہ بینک اور کمپنی ضائع ہونے کی صورت میں ضمان کرایہ دار پر ڈال دیتی ہے۔

۳۔ عقد اجارہ کو بیع کے ساتھ مشروط کیا جاتا ہے کہ کرایہ پر تب ملے گی کہ آخری قسط کے بعد خریدو گے۔

۴۔ دو معاملات عقد اجارہ اور عقد بیع کو بیک وقت کرنا لازم آتا ہے جو کہ حدیث کی روشنی میں جائز نہیں۔

جواز کی صورتیں:

۱۔ بینک یا کمپنی گاڑی کو خرید کر پھر قبضہ دلانے کے بعد کرایہ وصول کرے اور بینک ہی بغیر تعدی کے گاڑی کا ضامن ہو اور کرایہ دار سے نقصان پر شرط بیع کے علاوہ ضمانتیں ہوں اور عقد اجارہ کو بیع کے ساتھ مشروط نہ کیا جائے بلکہ اجارہ کا فارم الگ ہو اور بیع کے وعدے کا فارم الگ ہو اس طرح کہ دو الگ الگ عقد ہو جائیں گے باقی تفصیل کے لیے مفتیان شرع سے رابطہ کریں۔

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت:

کمپنی پہلے ایک شخص کو کوئی چیز مقرر کردہ قیمت پر فروخت کر کے ممبر بنالے پھر ممبر آگے یوں ہی ممبر بنائے یوں ہی یہ سلسلہ ممبر بنانے کا آگے تک چلتا رہتا ہے اور ممبر بنانے پر کمیشن بھی ملتا ہے۔ مفتیان کرام نے اس عقد" اجارہ بہ عقد شرط بیع" کو دھوکہ ضرر اور کمیشن موہوم کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔ (مجلس شرعی کے فیصلے ص ۳۲۴)

آمد ورفت کے ذرائع کا کرایہ:

دور حاضر میں پلوں سے گزرنے کا کرایہ، ضلعی حدود کو کراس کرنے کا کرایہ (ٹیکس) اڈوں کا کرایہ، پارکنگ کا کرایہ، ریلوے اسٹیشن کا کرایہ، جہاز کے ائرپورٹ پر اترنے کا کرایہ ہوتا ہے کہ جن کا ٹائم، کرایہ مقرر ہوتا ہے کرایہ کی تعیین میں باہمی تنازع کی صورت نہ ہو تو شرعا جائز ہے۔

وَاِذَا اسْتَأْجَرَهَا لِيَرْكَبَهَا فَاَرْدَفَ مَعَهُ رَجُلًا آخَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصْفَ قِيْمَتِهَا اِنْ كَانَتِ الدَّابَّةُ تُطِيْقُهُمَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِالثِّقْلِ وَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا مِنَ الْحِنْطَةِ فَحَمَلَ عَلَيْهَا اَكْثَرَ مِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَا زَادَ مِنَ الثِّقْلِ فَاِنْ كَبَحَ الدَّابَّةَ بِلِجَامِهَا اَوْ ضَرَبَهَا فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رحمهما الله لا يضمن

"اور اگر کسی نے جانور کرایہ پر لیا تا کہ وہ اس پر سواری کرے تو اس نے اپنے پیچھے کسی اور کو بھی بٹھالیا جانور ہلاک ہو گیا تو کرایہ دار اس کی آدھی قیمت کا ضامن ہوگا اگر جانور دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ اور بوجھ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اگر جانور کرایہ پر لیا تا کہ اس پر گندم کی معین مقدار لادے تو اس نے معین مقدار سے زیادہ بوجھ لادا جانور ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا زائد بوجھ کا اور اگر جانور کو اس کی لگام کے ساتھ کھینچا یا اسے مارا تو ہلاک ہو گیا ضامن ہوگا امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا ضامن نہ ہوگا۔"

حل لغات: اَرْدَفَ اِرْدَاف سے ہے بمعنی پیچھے بٹھانا كَبَحَ كَبْحٌ سے بمعنی جانور کو روکنے کے لیے لگام کھینچنا۔

جانور پر سواری پیچھے بٹھانا:

قوله: وان ستاجر ها الخ: اس مسئلے کا تعلق عرف عام سے ہے کہ عرف عام میں جانور پر ایک ہی آدمی سوار ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے پیچھے کسی اور کو بٹھالیا تو جانور ہلاک ہو گیا۔ اب ضمان کے سلسلے میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ جانور دو آدمیوں کے اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں بصورت اول جانور کے نصف قیمت کا ضامن ہوگا اس لیے کہ کرایہ دار نے مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو بٹھایا اس لیے آدھی قیمت لازم ہوئی۔ بصورت ثانی پورے جانور کی قیمت لازم ہوگی اس کے لیے کہ اس نے عرف کے خلاف کیا۔ لہٰذا یہی سمجھا جائے گا کہ جان بوجھ کر جانور کو دوسرا آدمی بٹھا کر ہلاک کیا ہے۔ آدمی کے سوار ہونے میں تعداد کا اعتبار ہے آدمی کے وزن کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا تاوان دینے کی صورت میں کرایہ نہیں دینا پڑے گا کیونکہ فقہی قاعدہ ہے " اَلْاَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ " کہ اجرت اور ضمان دونوں ایک ہی جگہ جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ دونوں کے درمیان تضاد ہے کہ اجرت

میں صرف منفعت ہے جب کہ ضمان میں ملکیت کا تصور ہے۔

بوجھ کی مقرر کردہ مقدار کی شرط پر اجارہ:

قولہ: وان استأ جر الخ: اگر جانور سامان لادنے کے لیے کرایہ پر لیا اور سامان لادنے کی مقدار بھی بیان کر دی مثلاً ۲ من بوجھ لادا جائے گا اور کرایہ دار نے اڑھائی من لاد دیا اور جانور ہلاک ہو گیا تو کرایہ دار پر آدھے من کے حساب سے ضمان آئے گا۔ باقی دو من لادنے کی اجازت تھی اس لیے ان کی ضمان نہ ہوگی۔

جانور کی لگام کھینچنے یا مارنے کے سبب سے ہلاکت:

قولہ: وان کبح الخ: اگر کسی جانور کو کرایہ پر سواری کے لیے لیا اور شاہ سوار نے جانور کو روکنے کے لیے لگام کو کھینچا یا مارا تو ہلاک ہو گیا اب کرایہ دار پر ضمان ہے یا نہیں اس میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضمان ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک ضمان نہیں۔

صاحبین کا مذہب مع دلیل:

صاحبین کے نزدیک لگام کھینچنے یا مارنے کے ساتھ اگر جانور ہلاک ہو جائے تو ضمان نہ ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ کرایہ دار نے معروف طریقے سے اپنا حق استعمال کیا ہے کہ جانور کو چلانے اور روکنے کے لیے ان امور کی حاجت ہوتی ہے لہٰذا ضمان نہ ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ کرایہ دار کو لگام کھینچنے اور مارنے کا حق ہے مگر اتنا کہ جانور ضائع نہ ہو۔ لہٰذا جانور کی سلامتی کے ساتھ لگام کھینچنے اور مارنے کی اجازت ہے اگر مسئلہ سلامتی سے بڑھ گیا تو تعدی پایا گیا اور تعدی پر بالاتفاق ضمان ہے۔ لہٰذا یہاں بھی ضمان ہوگا۔

لہٰذا اختلاف کے بنیاد ''سلامتی شرط ہے یا نہیں'' ۔ اس پر موقوف ہے کہ صاحبین کے نزدیک شرط نہیں جب کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرط ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، جوھرہ نیرہ دیگر متون علی قول الامام)

گاڑی اور موٹر سائیکل کو رینٹ پر لینا:

دور حاضر میں جانور کی جگہ گاڑی اور موٹر سائیکل نے لے لی ہے۔ لہٰذا جو قوانین ٹریفک نے مقرر کیے ہیں ان کی خلاف ورزی پر اگر گاڑی یا موٹر سائیکل وغیرہ ضائع ہو جاتی ہے تو تاوان دینا پڑے گا کیونکہ یہ چلانے کے طریقے موجودہ دور میں ایک آئین بن گے ہیں لہٰذا ان کا اعتبار ضروری ہے۔ اگر قانون کی حدود میں رہتے ہوئے بغیر تعدی کے اچانک چیز ضائع ہو جاتی ہے تو جانور کے مسئلہ کی طرح ضمان نہیں ہونا چاہیے جب کہ دور حاضر میں رینٹ پر دیتے وقت ایک معاہدہ طے ہوتا ہے کہ اگر گاڑی کا اگلا حصہ مکمل تباہ ہو جائے تو مکمل گاڑی کی قیمت دینی پڑے گی اگر کم ہے تو باہم فریقین کی رضامندی سے نقصان دینا پڑے گا۔ دور حاضر میں یہی صورت حال اسلامی بینکوں کی بھی ہے کہ وہ گاڑی کی انشورنس کرواتے ہیں کہ بینک سے رینٹ پر لینے والا انشورنس کی رقم جمع کراتا

رہتا ہے جب حادثہ پیش آتا ہے تو کرایہ دار کی جمع کردہ رقم سے پہلے گاڑی کا نقصان پورا کرتے ہیں اگر رقم بچ جائے تو کرایہ دار کو واپس کر دیتے ہیں ورنہ اللہ اللہ خیر سلا۔ بینکوں کا یہ عمل گزشتہ بیان کردہ جانور کے احکام کے سراسر خلاف ہے کہ اجارہ میں عدم تعدی کی صورت میں ہلاکت پر ضمان نہیں جب کہ یہ ضمان لیتے ہیں۔

وَالْأُجَرَاءُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَجِیْرٌ مُشْتَرَكٌ وَاَجِیْرٌ خَاصٌّ فَالْمُشْتَرَكُ کُلُّ مَنْ لَا یَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ حَتّٰی یَعْمَلَ کَالْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَالْمَتَاعُ اَمَانَةٌ فِیْ یَدِهٖ اِنْ هَلَكَ لَمْ یَضْمَنْ شَیْئًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَزُفَرَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ هُوَ مَضْمُوْنٌ. وَمَا تَلِفَ مِنْ عَمَلِهٖ کَتَخْرِیْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ وَزَلَقِ الْحَمَّالِ وَانْقِطَاعِ الْحَبْلِ الَّذِیْ یَشُدُّ بِهِ الْمُکَارِیْ الْحِمْلَ وَغَرَقِ السَّفِیْنَةِ مِنْ مَدِّهَا مَضْمُوْنٌ اِلَّا اَنَّهٗ لَا یَضْمَنُ بِهٖ بَنِیْ آدَمَ مِمَّنْ غَرِقَ مِنْهُمْ فِی السَّفِیْنَةِ، اَوْ سَقَطَ مِنَ الدَّابَّةِ لَمْ یَضْمَنْهُ وَاِذَا فَصَدَ الْفَصَّادُ اَوْ بَزَّغَ الْبَزَّاغُ وَلَمْ یَتَجَاوَزْ مَوْضِعَ الْمُعْتَادِ فَلَا ضَمَانَ عَلَیْهِ فِیْمَا عَطِبَ مِنْ ذٰلِكَ وَاِنْ تَجَاوَزَهٗ ضَمِنَ

"اور اجیر دو قسم پر ہیں۔ اجیر مشترک اور اجیر خاص تو اجیر مشترک وہ شخص ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ کام کر لے جیسے رنگساز اور دھوبی اور سامان اجیر کے پاس امانت ہے اگر وہ ہلاک ہو گیا تو امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ ضامن ہوگا اور جو چیز اجیر مشترک کے کام سے ہلاک ہو جائے جیسے کہ کوٹنے سے کپڑے کا پھاڑ دینا، اٹھانے والے کا پھسل جانا، اس رسی کا ٹوٹ جانا کہ جس سے کرایہ والے نے بوجھ کو باندھا ہوا ہے اور کشتی کے کھینچنے سے کشتی کا ڈوب جانا تو ضمان ہوگا مگر اجیر اپنے عمل کی وجہ سے انسانی جانوں کا ضامن نہ ہوگا تو جو شخص کشتی میں ڈوب جائے یا جانور سے گر جائے تو ضامن نہ ہوگا اور جب سینگی لگانے والے نے سینگی لگائی حجامہ والے نے چیر لگایا اور یہ زخم مقام معتاد سے زائد نہیں تو ان دونوں پر ضمان نہیں اس صورت میں کہ آدمی ہلاک ہو جائے اور اگر مقام معتاد سے تجاوز ہو تو ضامن ہے۔"

حل لغات: اَلْاُجَرَاء جمع ہے اجیر کی بمعنی ملازم و مزدور، تخریق پھاڑنا، دق کوٹنا، زلق پھسلنا، الحمال بوجھ اٹھانے والا، المکاری کرایہ پر دینے والا، بزی بمعنی چیر لگانا، نشتر لگانا، البزاغ نشتر لگانے والا۔

بطور تمہید ملازمین و مزدوروں کے اوصاف:

قولہ: والاجراء الخ: امام قدوری یہاں سے ملازم و مزدور کی اقسام کو بیان کر رہے ہیں لیکن اقسام سے قبل ایک ملازم و مزدور کی کیا صفات ہونی چاہیے ملاحظہ کیجیے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجرت پر رکھنے کی جو صفات بیان کیں وہ "القوی الامین"۔ (القصص، ۲۶)

کہ جو طاقت ور اور امین ہو۔ قوی سے مراد یہ کہ جس میں مطلوبہ کام کرنے کی بھرپور صلاحیت ہو کہ وہ اپنے فن میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ امین سے مراد یہ ہے کہ مطلوبہ فرائض تن دہی اور دیانتداری سے انجام دے۔ لہٰذا ملازم و مزدور کے دو بنیادی اصول مہارت اور دیانتداری ہیں ڈگریاں حاصل کرنا بہتر سے بہتر ہے مگر CV کا حامل ہونا اہل ہونے کی نشانی نہیں۔ مہارت و دیانتداری کو پرکھنے کے لیے بعض اوقات آزمائشی تقرر ہوتا ہے۔ یہ امر بھی معیار پر پورا اترنے کے لیے درست ہے۔

ملازم ومزدور کی اقسام:

قولہ: علی ضربین الخ: امام قدوری فرماتے ہیں کہ اجیر کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔اجیر مشترک۔ ۲۔اجیر خاص۔

اجیر مشترک کی تعریف:

''اجیر مشترک وہ ہوتا ہے کہ جس کا معاملہ اوقات کی بنیاد پر نہیں بلکہ عمل کی بنیاد پر ہوتا ہے۔'' وہ کسی ایک شخص کا ملازم نہیں ہوتا بلکہ مختلف لوگوں یا اداروں کا کام کرتا ہے اور اپنے کام کے مطابق اجرت وصول کرتا ہے۔ جس طرح دھوبی، درزی اسی طرح لیگل فرم جو مختلف اداروں کو مشاورت فراہم کرتی ہے اور آڈٹ فرم جو مختلف اداروں کا آڈٹ کرتی ہے۔

اجیر مشترک کا حکم:

فالمشترك الخ: اجیر مشترک اجرت کا اس وقت مستحق ہوتا ہے کہ جب وہ کام مکمل کر لے اس سے پہلے اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اخلاقی طور پر اگر پہلے لے لے تو الگ بات ہے۔

اجیر مشترک کے پاس شی متاجرہ کا حکم:

قولہ : والمتاع امانۃ الخ: اجیر مشترک کے پاس جو چیز کام کے لیے دی جاتی ہے۔ وہ بطور امانت ہوتی ہے۔ مثلاً درزی کے پاس کپڑا امانت ہے اگر کپڑا درزی کی لاپرواہی کے بغیر ضائع ہو جائے کیا شی متاجرہ کی ہلاکت پر ضمان ہے یا نہیں؟ اس میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ضمان نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک ضمان ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ مالک نے کپڑے بشرط سلامت دیا ہے جب کہ درزی نے ضائع کر دیا لہٰذا ضمان ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

اگر چہ دونوں قولوں کی تصحیح موجود ہے مگر متاخرین فقہاء نے تغیر زمانہ کی وجہ سے استحساناً لوگوں کے مال کی حفاظت کی خاطر ضمان کا فتویٰ دیا ہے کہ اگر درزی وغیرہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ شی متاجرہ کی ہلاکت پر کوئی تاوان نہیں تو وہ شی کی حفاظت میں احتیاط نہیں کریں گے۔ البتہ تفصیل یہ ہے کہ شی ایسے سبب سے ہلاک ہوئی جس سے بچنا ممکن تھا تو ضمان ہے۔ جیسے دھوبی کپڑا کوٹتے ہوئے پھاڑ دے یا مزدور کے پھسلنے سے گر کر سامان ٹوٹ گیا یا گاڑی وغیرہ کو اچانک بریک لگائی سامان ضائع ہو گیا۔ اگر ممکن نہ تھا تو ضمان نہیں۔ (جوھرہ نیرہ، فقہ اسلامی وادلتہ، فتاویٰ عالمگیری)

یہی موقف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بھی ہے۔

اجیر مشترک کی غلطی کی وجہ سے انسان کا ضائع ہونا:

قولہ: والا انہ لا یضمن الخ: اس سے قبل عام سامان کی ہلاکت کا حکم بیان کیا تھا۔ اب انسان کی ہلاکت کا مسئلہ بیان کر

رہے ہیں کہ اگر اجیر مشترک کی غلطی کی وجہ سے جان چلی گئی تو یہ قتل خطا ہے اور قتل خطا کا تاوان اجیر کے عاقلہ پر ہے لیکن یہاں دیت عاقلہ پر نہیں ہوگی کیونکہ یہ قتل خطا جنایت کی وجہ سے نہیں بلکہ عقدِ اُجرت کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے عاقلہ پر دیت نہیں آئیگی اور اجیر پر لازم نہیں کریں گے کہ اتنا ضمان اجیر کہاں دے سکتا ہے۔ لہٰذا چیز کے ہلاک ہونے پر ضمان ہوگا لیکن انسان کی ہلاکت پر ضمان نہ ہوگا مثلاً گاڑی کا ضمان ہوگا مگر انسانی جانوں کا تاوان نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر سواری سے گر کر فوت ہو جاتا ہے تب بھی اجیر پر ضمان نہیں۔

حجامہ یا داغ لگانے کی وجہ سے ہلاکت کا حکم:

قولہ: واذا فَصَدَ الخ: اگر کسی نے علاج کی خاطر پچھنے لگوائے یا داغ لگوایا اب وہ شخص ہلاک ہو جاتا ہے تو لگانے والے پر ضمان لازم ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر فصّاد و بزّاغ نے اتنے ہی مقام کا چیرا دیا اور اتنے ہی مقام کو داغ دیا جو عموماً ان علاجوں میں مشہور و معروف ہے تو ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس نے حدود میں رہ کر یہ عمل کیا ہے۔ اگر مقام معتاد سے بڑھ کر عمل کیا تو ضمان لازم ہے کیونکہ حدود سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اجیر پر ضمان لازم ہوگا۔ یہی صورتِ حال ڈاکٹر کے آپریشن کی بھی ہے۔

اجیر کا کمیشن:

دور حاضر میں ایجنٹ کے ذریعے کاروبار عروج پر ہے اور کمیشن ایجنٹ کے مختلف طریقے ہیں چند ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ مدارس کی جانب سے سفیر مقرر ہوتے ہیں جو امرا کے پاس جا کر چندہ وصول کرتے ہیں پھر انہیں اس کی اجرت دی جاتی ہے۔ تحصیلِ صدقات پر کمیشن یہ عقد اجارہ ہے اور کمیشن پر چندہ کرنے والا اجیر مشترک ہے کہ ماہانہ تنخواہ کی بجائے کل آمدنی سے فیصد کے حساب سے سفیر کو دی جائے۔ اگر ماہانہ تنخواہ دی جائے تو "اجیر خاص" ہے جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔ اس کی وضاحت مجلس شرعی کے فیصلے ص ۳۵۷ پر ملاحظہ کیجیے۔

۲۔ سستا سامان اٹھا کر دوسری جگہ کمیشن کے ساتھ فروخت کیا جاتا ہے کہ ایجنٹوں کو دس فیصد کم قیمت پر چیز ملتی ہے یہی ان کا نفع ہوتا ہے لیکن اس کے جواز کے لیے شرط یہ ہے ایجنٹ پہلے مال پر قبضہ کرے پھر آگے مال دے لیکن عموماً مال پر قبضہ کے بغیر آگے فروخت کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایجنٹ صرف گاہک تلاش کرتا ہے اس ترغیب کے عوض فیصد کے حساب سے نفع ملتا ہے یہ صورت جائز ہے۔

۴۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ غلہ منڈی یا فروٹ منڈی میں کسان اپنا مال لاتا ہے اور آڑھتی کو اپنا مال فروخت کرنے کے لیے کمیشن دیتا ہے۔ عموماً منڈیوں میں فی کلو، فی بوری یا فی پیٹی کے حساب سے کمیشن لیتے ہیں یہ ناجائز و حرام ہے۔ اس لیے کہ کمیشن اجارہ ہے اور اجارہ تو عین شی سے منفعت کے عوض کا مالک بننا ہے جب کہ آڑھتی نظام میں عین شی سے اپنا کمیشن وصول کرتا ہے جو اجارہ فاسدہ کہلاتا ہے لہٰذا جہاں اجارہ فاسدہ ہو وہاں اجرت مثلی ہوتی ہے تو مالک دلال کو وکیل بنا کر سامان فروخت کرنے پر اُجرت متعین کر دے۔ دوسرا درست طریقہ یہ ہے کہ دلال کے ساتھ عقد مضاربت کیا جائے کہ اصل قیمت کے علاوہ، جو نفع ہوگا وہ فیصد کے حساب سے دونوں پر تقسیم ہوگا۔ مضارب کے لیے نفع نصف سے کم ہونا چاہیے۔

اور ڈالی کے نام سے جو تھیلہ میں بولی لگانے والا پھل وغیرہ ڈال لیتا ہے یہ جائز نہیں کہ امانت میں خیانت ہے۔

۵۔ چونکہ عموماً مفتیان شرع کا فیصلہ ہے کہ انشورنس جائز نہیں۔ لہٰذا اس شعبے کا ایجنٹ بننا بھی جائز نہیں کہ گناہ پر تعاون کرنا ہے۔

وَالْاَجِيرُ الْخَاصُّ هُوَ الَّذِي يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ بِتَسْلِيمِهِ نَفْسَهُ فِي الْمُدَّةِ، وَاِنْ لَمْ يَعْمَلْ كَمَنْ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ اَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ وَلَا ضَمَانَ عَلَى الْاَجِيرِ الْخَاصِّ فِيمَا تَلِفَ فِي يَدِهِ وَلَا مَا تَلِفَ مِنْ عَمَلِهِ وَالْاِجَارَةُ تُفْسِدُهَا الشُّرُوطُ كَمَا تُفْسِدُ الْمَبِيعَ

''اور اجیر خاص وہ شخص ہے جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔ مدت میں اپنی ذات کو حوالے کرنے کے ساتھ اگر چہ اس نے کوئی کام نہ کیا ہو جیسا کہ کسی شخص نے کسی مرد کو خدمت کے لیے یا بکریاں چرانے کے لیے ایک مہینہ مزدوری پر لیا اور اجیر خاص پر ضمان نہ ہوگا اس چیز میں جو اس کے قبضہ میں ہلاک ہوئی اور نہ اس چیز میں جو اس کے اپنے عمل سے ہلاک ہوئی مگر یہ وہ خود نقصان کرے تو ضامن ہوگا۔ شرطیں اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں کہ جس طرح بیع کو فاسد کر دیتی ہیں۔''

اجیر خاص کی تعریف:

قوله والا جير الخاص الخ: اجیر خاص اس ملازم و مزدور کو کہا جاتا ہے جو کسی شخص یا ادارے کا مخصوص اوقات کے لیے ملازم ہو مثلاً ۶ گھنٹے ڈیوٹی ہو یا ۸ یا ۱۲ گھنٹے جو ٹائم بھی مقرر کیا گیا ہو خواہ وہ مستقل ملازم ہو یا عارضی طور پر ہو یا کنٹریکٹ کی بنیاد پر ہو شرعی نکتہ نظر سے اجیر خاص کہلاتا ہے ایسی تجارتی کمپنیوں میں کام کرنے والے افراد اجیر خاص ہوتے ہیں۔

اجیر خاص کی اجرت کا حکم:

اجیر خاص اپنے آپ کو وقت مقررہ میں سپرد کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے چاہے کام نہ بھی ہو، اور مقررہ وقت میں مالک کی اجازت کے بغیر دوسرا کام نہیں کر سکتا نہ ذاتی کام کر سکتا ہے سوائے فرائض اور سنتوں کی ادائیگی اور ضروری حاجات مثلاً کھانے، پینے کے باقی وقت میں دیانت داری کے ساتھ ڈیوٹی نبھانا مزاج اسلام ہے۔ مگر دور حاضر میں ہمارے ہاں ڈیوٹی سرانجام دینے میں کام چوری کی وبا عام ہو چکی ہے کہ جس کی وجہ سے معاشی اور مذہبی ہر دونوں صورتوں میں زبوں حالی کا شکار ہیں کہ فضول گپ شپ میں ٹائم ضائع کرتے ہیں اور موبائل کے استعمال نے اور ہی مصروفیات بڑھا دی ہیں۔

اجیر خاص پر ضمان کی شرعی حیثیت:

قوله: ولا ضمان الخ: اگر اجیر خاص سے اس کی طرف سے کوتاہی کے بغیر چیز یا اس کا نفع ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں آئے گا مثلاً بکری چراتے ہوئے ہلاک ہو جائے یا اس کا بچہ تو چرواہے پر کچھ چٹی نہیں آئے گی۔ چونکہ یہ مال اجیر خاص کی ملک میں امانت کے طور پر ہے اور امانت کا بغیر تعدی کے ہلاک ہونے پر ضمان نہیں یہی موقف آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔

شروط فاسدہ:

قوله: والا جارة الخ: کہ جس طرح بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح اجارہ بھی شروط فاسدہ سے فاسد ہو

جاتا ہے۔ کیونکہ اجارہ بھی بیع کی طرح ایک عقد ہے صرف فرق یہ ہے کہ بیع میں عین شی کی بیع ہوتی ہے جب کہ اجارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے چونکہ نفس عقد میں دونوں مشترک ہیں اس لیے شروط فاسدہ کے حکم میں دونوں برابر ہیں مثلاً:

۱۔ وقت کا مقرر نہ ہونا۔

۲۔ اجرت کا مجہول ہونا۔

۳۔ کرایہ پر لی گئی چیز کا مشترک ہونا کہ شریکوں کی اجازت کا نہ ہونا۔

۴۔ شی کا حرام ہونا مثلاً گانے کے لیے کسی کو لینا وغیرہ۔

پراویڈنٹ فنڈ:

ملازمین کی تنخواہوں سے دو طرح کی رقم کاٹی جاتی ہے۔

۱۔ جبری۔ ۲۔ اختیاری۔

جبری کٹوتی تو گورنمنٹ خود کرتی ہے ریٹائر ہونے کے بعد کچھ اضافہ لگا کر ملازم کو مل جاتی ہے اور اختیاری کٹوتی خود ملازم کی طرف سے اختیار سے ہوتی ہے اسی طرح ریٹائر ہونے کے بعد پنشن ملتی ہے علماء عصر کا ان کے جواز پر فتوی ہے کہ کچھ رقم تو اجرت کی ہوتی ہے کچھ انعام کے طور پر ملتی ہے۔

مَنِ اسْتَأْجَرَ عَبْدًا لِلْخِدْمَةِ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يُسَافِرَ بِهِ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ عليه ذٰلِكَ فِي الْعَقْدِ وَمَنْ اسْتَأْجَرَ جَمَلًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمِلًا وَّرَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ جَازَ وَلَهُ الْمَحْمِلُ الْمُعْتَادُ وَاِنْ شَاهَدَ الْجَمَّالُ الْمَحْمِلَ فَهُوَ اَجْوَدُ وَاِنْ اسْتَأْجَرَ بَعِيرًا لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مِقْدَارًا مِنَ الزَّادِ فَاَكَلَ مِنْهُ فِي الطَّرِيْقِ جَازَ اَنْ يَّرُدَّ عِوَضَ مَا اَكَلَ

"اور کسی شخص نے ایک غلام خدمت کے لیے کرایہ پر لیا تو اس کو سفر پر ساتھ لیجانے کا اسے اختیار نہیں سوائے اس کے کہ عقد میں اس کی شرط لگائے اور جس شخص نے اونٹ کرایہ پر لیا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمیوں کو مکہ مکرمہ تک لے جائے تو جائز ہے اور کرایہ دار کے لیے عام چلنے والے کجاوہ کی اجازت ہے اور اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو اچھا ہے اور اگر اونٹ کو کرائے پر لیا تاکہ اس پر نان ونفقہ کی ایک خاص مقدار لادے تو راستے میں اس سے کھانا جائز ہے اور جائز ہے کہ کھائی ہوئی چیز کے بدلے اتنی ہی لوٹائے۔"

غلام کو خدمت کے لیے کرائے پر لینا:

قوله: ومن استاجر الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے حضر میں خدمت کے لیے غلام کرائے پر لیا تو کرایہ دار کو اجازت نہیں کہ وہ اسے سفر پر ساتھ لے جائے کیونکہ سفر میں مشقت ہوتی ہے کیونکہ دونوں میں بڑا فرق ہے اگر لیتے وقت سفر کی شرط بھی لگائی تب تو لے جاسکتا ہے۔

اونٹ کو کرائے پر لینا:

قولہ: ومن استاجر الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے اونٹ کو کرائے پر لیا کہ اس پر دو آدمی بیٹھ کر مکہ مکرمہ جائیں گے تو اس صورت میں اونٹ پر وہ کجاوہ رکھا جائے گا جو رواجین کے مطابق عام چلتا ہو نہ کہ بوجھل کیونکہ اصول ہے "جب چیز طے نہ ہو تو معاشرے میں جاری چیز سے فیصلہ ہوگا۔"

اگر مالک خود چیک کرلے تو زیادہ ہی اچھا ہے تاکہ بعد میں کسی خرابی پر جھگڑا نہ ہو۔ یوں ہی اونٹ کے متعلق دوسرا مسئلہ کہ جتنی مقدار لادنے کا کہا ہے اتنی مقدار لادی جائے اور اس سے کچھ کم ہونے کی صورت میں کم مقدار جتنی اور لادسکتا ہے۔

وَالْأُجْرَةُ لَا تَجِبُ بِالْعَقْدِ وَيُسْتَحَقُّ بِأَحَدِ مَعَانٍ ثَلَاثَةٍ إِمَّا أَنْ يَّشْتَرِطَ التَّعْجِيْلَ أَوْ بِالتَّعْجِيْلِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ أَوْ بِاسْتِيْفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ وَمَنْ اسْتَأْجَرَ دَارًا فَلِلْمُؤَجِّرِ أَنْ يُّطَالِبَهُ بِأُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ إِلَّا أَنْ يُّبَيِّنَ وَقْتَ الْاِسْتِحْقَاقِ فِي الْعَقْدِ وَمَنْ اسْتَأْجَرَ بَعِيْرًا إِلٰى مَكَّةَ فَلِلْجَمَّالِ أَنْ يُّطَالِبَهُ بِأُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ وَلَيْسَ لِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ أَنْ يُّطَالِبَا بِالْأُجْرَةِ حَتّٰى يَفْرُغَا مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا أَنْ يَّشْتَرِطَ التَّعْجِيْلَ وَإِنْ اسْتَأْجَرَ خَبَّازًا لِيَخْبِزَ لَهُ فِيْ بَيْتِهٖ قَفِيْزَ دَقِيْقٍ بِدِرْهَمٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ الْأُجْرَةَ حَتّٰى يُخْرِجَ الْخُبْزَ مِنَ التَّنُّوْرِ وَمَنْ اسْتَأْجَرَ طَبَّاخًا لِيَطْبُخَ لَهُ طَعَامًا لِلْوَلِيْمَةِ فَالْغَرْفُ عَلَيْهِ وَإِذَا اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِيَضْرِبَ لَهُ لَبِنًا اسْتَحَقَّ الْأُجْرَةَ إِذَا أَقَامَهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا يَسْتَحِقُّ الْأُجْرَةَ حَتّٰى يُشَرِّجَهُ

"اور اجرت نفس عقد سے واجب نہیں ہوتی اجیر اجرت کا تین صورتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مستحق ہوتا ہے یا جلدی کی شرط لگانے سے یا بغیر شرط کے جلدی دینے سے یا مقصود علیہ حاصل کرنے سے اور کسی نے گھر کرائے پر لیا تو مالک کو اجازت ہے کہ وہ اس سے ہر دن کی اجرت کا مطالبہ کرے مگر یہ کہ عقد میں استحقاق کا وقت بیان کردے اور کسی نے اونٹ مکہ مکرمہ تک لے جانے کے لیے کرائے پر لیا پس اونٹ والے کے لیے جائز ہے کہ وہ ہر منزل پر اجرت کا مطالبہ کرے اور دھوبی اور درزی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مطالبہ کرے اجرت کا یہاں تک کہ وہ کام سے فارغ ہو جائے مگر یہ کہ پہلے دینے کی شرط لگائے اور کسی نے طباخ کو روٹی پکانے کے لیے مزدوری پر لیا تاکہ وہ اس کے گھر میں روٹی پکائے ایک آٹا ایک درہم میں تو اجرت کا مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ روٹیاں تنور سے نکال لے اور کسی نے باورچی مزدوری پر لیا تاکہ وہ ولیمہ کا کھانا پکائے تو پیالے میں ڈالنا بھی اسی پر ہے اور کسی شخص نے کوئی مرد مزدوری پر لیا تاکہ وہ اس کے لیے اینٹیں بنائے اجرت کا مستحق ہوگا جب ان کو کھڑا کردے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا یہاں تک کہ تہہ بہ تہہ نہ رکھ دے۔"

حل لغات: اَلْغَرْفُ مصدر باب ضرب یضرب بمعنی چمچے سے کوئی چیز نکالنا۔ لَبِنٌ، کچی اینٹیں، یشرج تشریج سے ہے بمعنی تہہ بہ تہہ لگانا۔

اجرت کا مستحق ہونے کی تین ہی صورتیں:

قولہ: والا جرۃ الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں صرف عقد اجارہ سے اجرت واجب نہیں ہوتی بلکہ تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں اجیر اجرت کا مستحق ہوسکتا ہے۔

۱۔ اجیر عقد اجارہ میں یہ شرط لگائے کہ کام سے پہلے مزدوری لوں گا۔

۲۔ اجیر نے شرط تو نہیں لگائی مگر مالک نے پہلے دے دی۔

۳۔ منافع ادا کردیے تو اجرت دینا واجب ہوگا۔

جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف عقد اجارہ کے ساتھ ہی اجیر اجرت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

چھ مسائل:

قولہ ومن استاجر دارا الخ: صورت مسئلہ تو متن میں واضح ہے تاہم چھ کے متعلق اصولی مباحث زیر قلم ہیں۔

۱۔ گھر کا کرایہ ماہانہ یا سالانہ طے نہیں کیا تو ہر دن کا کرایہ طلب کرنا جائز ہے کیونکہ دن رات ایک معتد وقت ہے۔

۲۔ اونٹ کے مسئلے میں ہر منزل پر کرایہ طلب کرنا درست ہے کہ ہر منزل الگ الگ مقام ہے تاہم عرف کی بات ہے کہیں سفر طے ہونے کے بعد اجرت دیتے ہیں کہیں پہلے۔

۳۔ اجیر مشترک دھوبی و درزی کام مکمل کرنے سے قبل مزدوری کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتے۔

۴۔ طباخ (لانگری) تنور سے روٹی نکالنے سے قبل مزدوری کا حق نہیں رکھتا کیوں پہلے تو آٹا ہے نہ کہ روٹی۔

۵۔ ولیمہ پکانے والا برتنوں میں سالن ڈالنے کے بعد اجرت کا مستحق ہوگا۔ اس کا تعلق بھی عرف سے ہے اگر عرف صرف پکانے تک کا ہو تو پکانے کے ساتھ ہی مزدوری کا حقدار ہوگا۔

۶۔ اینٹ بنانے یا بلاک بنانے کے لیے کسی کو مزدوری پر لیا تو مزدوری کا مستحق کب ہوگا اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے۔ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب مزدور نے اینٹوں یا بلاکوں کو سانچے سے نکال کر کھڑا کردیا تو مزدوری کا مستحق ہوگیا جب کہ صاحبین کے نزدیک جب تک ان کو تہہ بہ تہہ نہ لگادے اس وقت تک مستحق نہ ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ تہہ بہ تہہ لگانے سے قبل اینٹوں یا بلاکوں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور عرف عام میں بھی انہی مزدوروں سے تہہ بہ تہہ لگانے کا کام مشہور ہے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ" کہ عرف میں مشہور چیز مشروط کے درجے میں ہوتی ہے۔ (درمختار، ترجیح وتصحیح)

وَاِذَا قَالَ اِنْ خِطْتَ هٰذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَه رُوْمِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَیُّ

الْعَمَلَيْنِ عَمِلَهُ اسْتَحَقَّ الْأُجْرَةَ وَإِنْ قَالَ إِنْ خِطْتَه الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَإِنْ خِطْتَه غَدًا فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَإِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ وَإِنْ خَاطَهُ غَدًا فَلَهُ أُجْرَةُ مِثْلِهِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ لَا يَتَجَاوَزُ بِهِ وَهُوَ نِصْفُ دِرْهَمٍ وَقَالَ أَبُوْيُوسُف و محمد رحمهما الله الشرطان جائزان و ايهما عمل استحق الأجرة وَإِنْ قَالَ إِنْ سَكَّنْتَ هَذَا الدُّكَّانَ عَطَّارًا فَبِدِرْهَمٍ وَإِنْ سَكَّنْتَه حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَأَيَّ الْأَمْرَيْنِ فعل اسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰى فِيْهِ عند ابى حنيفة وَقَالَا رحمهما الله الاجارة فاسدة

''اور جب کسی نے کہا درزی کو اگر تو یہ کپڑا سیے فارسی طرز پر پس ایک درہم ہے اور اگر تو اسے سیے رومی طرز پر تو دو درہم تو جائز ہے اور دو کاموں میں جو بھی کیا اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر اس نے کہا تو اسے آج سیے تو ایک درہم اور اگر کل سیے تو نصف درہم پس اگر آج سی دیا تو اسے ایک درہم اور اگر اس نے کل سی دیا تو مثلی اجرت ہوگی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو نصف درہم سے زائد نہ ہو اور صاحبین نے فرمایا دونوں شرطیں جائز ہیں اور ان میں سے جو کام کرے گا اجرت کا مستحق ہوگا اور اگر مالک نے کہا کہ اگر تو نے اس دوکان میں عطار کو بٹھایا تو فی مہینہ ایک درہم اور اگر اس میں لوہار کو بٹھایا تو دو درہم تو جائز ہے ان دونوں میں سے جو کام کرے گا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی کی اجرت کا مستحق ہو گا اور صاحبین نے فرمایا اجارہ فاسدہ ہے۔''

دو شرطوں میں سے ایک شرط پر اجارہ:

قولہ: واذا قال لاخیاط الخ: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے درزی سے کہا کہ اگر فارسی طرز پر سلائی کرے گا تو ایک درہم اگر رومی طرز پر سلائی کرے گا تو دو درہم درزی جس طرز کا کپڑا سلائی کرے گا اسی کی اجرت پائے گا یہ عقد اجارہ درست ہے کیونکہ دونوں کام الگ الگ ہیں اور اجرت بھی متعین ہے جہالت نہیں کہ جس طرح ہمارے دور میں سنگل سلائی کی اجرت اور ہے اور ڈبل سلائی کی اور ہے اور اسی طرح ڈیزائنگ سلائی کی اجرت اور ہے سادہ کی اور ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ درزی کو کہا کہ آج سلائی کرو گے تو ایک درہم اگر کل کرو گے تو نصف درہم ہے۔ نصف درہم کے مسئلے میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نصف درہم کے بجائے اجرت مثلی ہوگی جو ایڈوانس کے علاوہ چلتی ہے بشرطیکہ اجرت مثلی نصف درہم سے زائد نہ ہو جب کہ صاحبین کے نزدیک جس طرح ایڈوانس سلائی پر درہم کا اجارہ درست ہے اسی طرح تاخیر پر نصف درہم کا اجارہ بھی درست ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ کل سینے پر نصف درہم کہنا تعلیق کے قبیل سے ہے اجارہ تعلیق کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا فساد کی صورت میں اجرت مثلی مراد ہوگی بشرطیکہ نصف درہم سے زائد نہ ہو کیونکہ نصف درہم پر درزی رضا مندی کا اظہار کر چکا ہے۔ مثلاً ایڈوانس سلائی 800 سو ہے اور کل کی سلائی 700 سو بتائی اب امام اعظم

رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر عام سلائی 600 ہے تو 700 سو نہیں دی جائے گی اگر 700 ہی ہے تو بھی دی جائے گی جب کہ صاحبین کے نزدیک 700 ہی دی جائے گی۔ (تقدیم قول الامام فی الفتاوی قاضی خان، ایضاًفی الملتقی الابحر، دیگر معون علی قول الامام، اللباب)

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوکان کرائے پر دیتے ہوئے کہا کہ اگر اس میں عطر فروشی کا کام کریں تو مہینہ ایک درہم اگر لوہے کا کام کریں تو مہینہ دو درہم امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں اجارے درست ہیں جو کام کرے گا اسی کے مطابق کرایہ دینا پڑے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک اجارہ فاسد ہے کہ پتا نہیں کون سا کام کرے گا۔ عقد اجارہ کے وقت اجرت معلوم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہوتا ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ صاحب دوکان نے دو مختلف اجارے کیے ہیں اور ہر ایک کی اجرت بھی مختلف متعین کی ہے باقی رہی کام کی تعیین وہ کام شروع کرتے وقت ہو جائے گی۔ لہٰذا جہالت نہ رہی۔ (دیگر معون علی قول الامام)

وَمَنْ اسْتَأْجَرَ دَارًا كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ فَالْعَقْدُ صَحِيحٌ فِي شَهْرٍ وَاحِدٍ فَاسِدٌ فِي بَقِيَّةِ الشُّهُورِ إِلَّا أَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ شُهُورٍ مَعْلُومَةٍ فَإِنْ سَكَنَ سَاعَةً مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِي صَحَّ الْعَقْدُ فِيهِ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُؤَجِّرِ أَنْ يُخْرِجَهُ إِلَى أَنْ يَنْقَضِيَ الشَّهْرُ وَكَذٰلِكَ يَوْمًا أَوْ سَاعَةً وَإِذَا اسْتَأْجَرَ دَارًا شَهْرًا بِدِرْهَمٍ فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ فَعَلَيْهِ أُجْرَةُ الشَّهْرِ الْأَوَّلِ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِي وَإِذَا كُلُّ شَهْرٍ سَكَنَ فِي أَوَّلِهِ وَإِنِ اسْتَأْجَرَ دَارًا سَنَةً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ جَازَ، وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ قِسْطَ كُلِّ شَهْرٍ مِنَ الْأُجْرَةِ:

"اور جس شخص نے ایک مکان ہر ماہ ایک درہم کے عوض کرائے پر لیا تو عقد اجارہ صرف ایک مہینہ کے لیے درست ہوگا باقی مہینوں میں فاسد ہوگا مگر یہ کہ تمام مہینوں کا نام لے لے پس اگر دوسرے مہینے کی ایک گھڑی بھی مکان میں ٹھہرا اس مہینے میں عقد اجارہ درست ہے اور مالک کو اختیار نہیں کہ اسے نکالے یہاں تک کہ مہینہ پورا ہو جائے اور اسی طرح ہر مہینے کا حکم ہے کہ اس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جائے اور جب کسی نے ایک مکان ایک درہم کے بدلے میں ایک مہینہ کرائے پر لیا تو وہ اس میں دو ماہ رہا تو اس پر پہلے مہینے کی اجرت لازم ہے اور دوسرے مہینے سے کچھ لازم نہیں اور جب کسی نے ایک گھر سال کے لیے دس درہم کے عوض کرائے پر لیا تو جائز ہے اگر چہ ہر مہینے کی اجرت کی قسط کا نام نہ بھی لیا ہو۔"

کل مدت بیان کیے بغیر گھر کا اجارہ:

قولہ: ومن استاجر دار الخ: پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے مکان کرائے پر لیتے ہوئے کہا کہ ہر مہینے ایک درہم کے عوض مکان کرائے پر لیتا ہوں تو صرف ایک مہینے کے کرائے کا اجارہ درست ہوگا بشرطیکہ باقی مہینوں کی تعیین نہ کرے اس لیے جب کُلَّ شَهْرٍ کہا تو اس سے مراد فرد کامل ہے جو ایک ماہ ہے کیونکہ کل کی اضافت شھر کی طرف ہے جس کی انتہا معلوم نہیں۔ لہٰذا ایک ماہ

کے حق میں اجارہ درست ہوگا باقیوں میں جہالت مدت کی وجہ سے فاسد ہوگا اگر کرایہ دار نے دوسرے مہینے کی ایک گھڑی کا بھی قیام کیا تو دوسرے مہینے کا اجارہ درست ہوگا اور مالک کا مہینہ پورا ہونے سے قبل نکالنا جائز نہیں یہ بیع تعاطی کی طرح اشارے میں اجرت طے ہوجاتی ہے اسی طرح ہر اگلے ماہ اگر ایک دن یا ایک گھڑی قیام کیا تو یہی حکم ہوگا کہ اجارہ درست ہوگا بیع تعاطی کے ذریعے اجرت طے ہوئی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے مکان ایک مہینہ کرائے پر ایک درہم کے بدلے میں لیا تو دو مہینے مکان میں رہا تو صرف پہلے مہینے کا کرایہ لازم ہوگا دوسرے کا نہیں کہ اجرت تو ایک مہینے کی تھی۔ لہٰذا دوسرا مہینہ رہنا عاریۃً ہوگا لیکن کرایہ دار کو خوشی سے دوسرے مہینے کی اجرت ادا کر دینی چاہیے۔ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر سالانہ کرایہ طے ہو جائے تو مہینے پر تعین کی ضرورت نہیں مثلاً سالانہ 10 درہم ہیں تو ہر ماہ کتنے دینے ہیں وضاحت کی حاجت نہیں۔

وَيَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ وَلَا يَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ عَسْبِ التَّيْسِ وَلَا يَجُوْزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَى الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْحَجِّ وَلَا يَجُوْزُ الِاسْتِئْجَارُ عَلَى الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ وَلَا يَجُوْزُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ وَيَجُوْزُ اسْتِئْجَارُ الظِّئْرِ بِاُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَيَجُوْزُ بِطَعَامِهَا وَكِسْوَتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَلَيْسَ لِلْمُسْتَاْجِرِ اَنْ يَّمْنَعَ زَوْجَهَا مِنْ وَطْئِهَا فَاِنْ حَبِلَتْ كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّفْسَخُوا الْاِجَارَةَ اِذَا خَافُوْا عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ لَبَنِهَا وَعَلَيْهَا اَنْ تُصْلِحَ طَعَامَ الصَّبِيِّ فَاِنْ اَرْضَعَتْهُ فِي الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا اَجْرَ لَهَا.

"اور حمام اور پچھنے لگوانے کی اجرت لینا جائز ہے اور مادہ کو گابھن کرنے کی اجرت لینا جائز نہیں اور اذان، اقامت، قرآن کی تعلیم اور حج پر اجرت لینا جائز نہیں اور گانے اور نوحہ کرنے پر اجرت لینا جائز نہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ جائز نہیں اور صاحبین نے فرمایا مشترک چیز کا اجارہ جائز ہے۔ اور دائی کا اجرت معلوم کے ساتھ اجرت لینا جائز ہے اور اس کا نان ونفقہ اور لباس جائز ہے اجارہ پر امام اعظم کے نزدیک نہیں کرایہ دار کے لیے جائز کہ دائی سے اس کے شوہر کو وطی سے روکے پھر اگر وہ حاملہ ہوگئی جائز ہے ان کے لیے کہ اجارہ کو فسخ کر دے جب ورثا کو بچے کے دودھ کے متعلق اندیشہ ہو اور دائی پر لازم ہے کہ بچے کا کھانا درست رکھے اور اگر اس نے مدت رضاعت میں بکری کا دودھ پلایا تو اجرت کی مستحق نہ ہوگی۔"

حل لغات: حمام غسل خانہ، عسب التیس نر کا نطفہ المشاع مشترک چیز، الظئر دائی دودھ پلانے والی۔

حمام اور حجام کی اجرت:

قولہ: ویجوز اخذ الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ حمام میں غسل کرنے کا کرایہ اسی طرح پچھنے لگوانے کی اجرت دونوں جائز ہیں آج کل تو غسل خانے میں پردے کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے۔ پہلے دور میں غسل کرنے کی جگہ کھلی ہوتی تھی کہ جس طرح آج کل یورپ میں "سوئمنگ پول" نامی تالاب اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں کہ اکٹھے نہاتے ہیں مگر چونکہ پردے کے ساتھ ان

میں نہانا ممکن ہے اس لیے اجرت جائز ہے اور حجامت کے کام کی اجرت بشرطیکہ غیر شرع امر نہ پایا جائے تو جائز ہے لیکن اگر داڑھی مونڈی جاتی ہو یا ایک مشت سے کم کی جاتی ہو تو علماء نے اس کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ بیوٹی پارلر کے پیشے کی صورت حال یہ ہے کہ اگر جائز پر اجرت لی جاتی ہو تو حلال ورنہ نہیں۔

مادہ کو جفتی کرانے پر اجرت لینا:

قولہ: ولا یجوز عسب الخ: نر کو جفتی پر، دے کر اس کا کرایہ لینا فقہاء احناف کے نزدیک جائز نہیں مثلاً کسی بیل کے ذریعے گائے کو گابھن کرایا گیا تو 500 سو روپے لیے جائیں جو بطور کرایہ ہو یہ ناجائز ہے کیونکہ جفتی کا ہونا مجہول ہے کہ اس سے گابھن ہو یا نہ ہو البتہ جفتی کرانے والا از خود تکریم کے کچھ دے دے تو جائز ہے۔

انجکشن کے ذریعے نر کا نطفہ پیوست کرنے کا جواز:

دور حاضر میں عمدہ نسل تیار کرنے کے لیے یہ طریقہ رائج ہے کہ نر کا نطفہ لے کر مادہ کے رحم میں رکھ دیا جاتا ہے نطفہ کی بیع تو جائز نہیں البتہ اس عمل کی اجرت جائز ہے۔

نیک کاموں پر اجرت:

ولا یجوز الخ: ہر ایسی عبادت جو خود انسان پر ضروری ہے اس کے کرنے پر متقدمین احناف نے اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے کہ جس طرح اذان، اقامت، قرآن کی تعلیم اور حج کرنے پر کسی سے اجرت لی جائے۔ لیکن متاخرین فقہا احناف نے موذنوں اور آئمہ اسی طرح قراء اور علماء کی تنخواہ بیت المال سے نہ ہونے پر اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے تاکہ یہ دینی امور معطل نہ ہو جائیں کہ یہ حضرات کاروبار میں لگ جائیں تو یہ کام کون کرے گا۔

دیکھیے جو کام عہد رسالت میں ممنوع تھا مگر زمانے کے حالات نے علماء کرام کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ جواز کا فتویٰ دیا جائے یہ فتویٰ شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت کے "مصالح ستہ" (۱ ضرورت، ۲ دفع حرج، ۳ عرف، ۴ تعامل، ۵ دینی ضروری مصلحت کی تحصیل اور ۶ کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ از فتویٰ رضویہ) میں سے ایک کے مطابق ہے حج کے علاوہ باقی امور میں تنخواہ جائز ہے۔ (البحر الرائق، تنقیح الحامدیہ، فتویٰ عالمگیری، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

تعویذات کی اجرت:

تعویذات بھی ایک قسم کا علاج ہے جو شخص شرعی قیود کا خیال رکھتے ہوئے تعویذ دے کر اجرت لیتا ہو تو جائز ہے۔

(ردالمحتار، شرح معانی الآثار)

گناہوں والے کاموں کی اجرت:

قولہ: ولا یجوز الخ: ہر وہ کام جو گناہ ہے اس کی اجرت لینی حرام ہے۔ مثلاً گانے بجانے، نوحہ کرنے اور موسیقی وغیرہ پر اجرت لینا حرام ہے کیونکہ اسلام میں یہ امور حرام ہیں۔ اسی طرح سود کی وصولی پر مامور شخص، شراب پیش کرنے پر مامور اور جہاں

بھی حرام کام غالب ہو اس کی اجرت حرام ہے۔اسی طرح ذی روح کی تصویر بنانے پر بھی اجرت کراہت سے خالی نہیں۔سوائے مقامِ ضرورت کے مثلاً شناختی کارڈ پاسپورٹ وغیرہ کے لیے البتہ غیر ذی روح اشیاء کی فوٹوگرافی کی اجرت مطلقاً حلال ہے۔

مشترک چیز کا اجارہ:

قولہ: ولا یجوز الخ:ایک چیز دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔مثلاً گھر تو امام اعظم کے نزدیک اس کو کرائے پر دینا جائز نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے کہ دونوں مل کر اجرت پر رکھ سکتے ہیں۔لہٰذا نزاع سے بچنا ممکن ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعین:

عموماً اہلِ فتویٰ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اجارہ میں یہ اصول ہے ''کرایہ والی چیز کرایہ دار کو سپرد کی جاتی ہے تاکہ وہ نفع اٹھائے'' جب کہ مشترک چیز کے ہر حصہ میں دوسرے شریک کا بھی حصہ ہے اس لیے سپرد کرنا محال ہے۔(فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری، ردالمختار)

دائی کو اجرت پر لینے کا حکم:

قولہ: ویجوز الخ: دودھ والی عورت کو دودھ پلانے کے لیے تنخواہ پر رکھنا جائز ہے کہ جس طرح حضرت سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کو اجرت پر دودھ پلایا اور دائی کو کھانا پینا اور لباس بھی امام اعظم کے نزدیک تنخواہ کی جگہ دینا جائز ہے۔جب کہ دیہاتوں میں پیسے کی کمی کی وجہ سے تعامل ہے۔لہٰذا عرف عام کی وجہ سے جائز ہے اگرچہ کپڑے اور کھانے کی مقدار معلوم نہ بھی ہو جب کہ صاحبین کے نزدیک کھانے اور کپڑے کی مقدار مجہول ہے۔لہٰذا ناجائز ہے اگر مقدار متعین کردی جائے تب جائز ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے دلیل یہ کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ ۲۳۳)

اور تعامل الناس بھی حجت ہے۔(مجلۃ الاحکام، المختار، کنز الوقایہ، اللباب وغیرہ)

تنخواہ پر لینے والی دائی کے شوہر کو اس سے وطی کرنے سے منع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ شوہر کا حق ہے اگر اس وطی سے حمل ٹھہر جائے تو دودھ کی کمی کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتے ہیں کہ نفع میں کمی واقع ہوگئی۔لہٰذا منافع کے حصول میں کمی پر اجارہ ختم کیا جاسکتا ہے اور دائی پر ضروری ہے کہ بچے کا کھانا پینا درست رکھے اور اگر بکری کا دودھ پلارہی ہے تو تنخواہ کی امیدوار نہ ہوگی۔

وَكُلُّ صَانِعٍ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ فَلَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ عَمَلِهٖ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاُجْرَةَ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ وَمَنْ لَيْسَ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ كَالْحَمَّالِ وَالْمَلَّاحِ وَاِذَا شَرَطَ عَلَى الصَّانِعِ اَنْ يَّعْمَلَ بِنَفْسِهٖ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّسْتَعْمِلَ غَيْرَهٗ فَاِنْ اَطْلَقَ لَهُ الْعَمَلَ فَلَهٗ اَنْ يَّسْتَاْجِرَ مَنْ يَّعْمَلُهٗ

''اور ہر وہ کاریگر کہ جس کے کام کا اثر شی میں ظاہر ہو جیسے دھوبی اور رنگساز تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد شی کو روک لے یہاں تک کہ اجرت وصول کر لے اور جس کاریگر کے کام کا اثر ظاہر نہ ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اجرت کی وصولی کے لیے شی کو روکے جیسے بوجھ اٹھانے والا اور کشتی چلانے والا اور جب کاریگر پر یہ شرط لگائے کہ وہ خود کام کرے گا تو کاریگر کے لیے جائز نہیں کہ کسی اور سے کام کرائے اور اگر کام کو مطلق رکھا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے شخص کو ملازم رکھے جو یہ کام کرے۔''

اجرت کی وصولی کے لیے چیز روکنا:

قولہ وکل صانع الخ: امام قدوری یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ مزدور کس کس صورت میں مزدوری کے حصول تک شی کو روک سکتا ہے اس کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ ''اگر کسی شی میں کام کرنے والے کا اثر ظاہر ہو تو اجرت کی وصولی تک روک سکتا ہے۔'' مثلاً، رنگساز وغیرہ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوڈا یا صرف وصابن دھوبی کا اپنا لگا ہے اور یہ چیزیں کپڑے کے ساتھ چپکی ہیں اسی طرح کپڑے کو رنگنے کا مسئلہ بھی ہے اگر وہ عمل ایسا ہے کہ جس کا اثر شی میں دکھائی نہیں دیتا مثلاً بوجھ اٹھانا وغیرہ تو اس صورت میں اجرت کو وصول کرنے کی خاطر قانونی طور پر سامان کو نہیں روک سکتا۔ اگر سامان کی اجرت نہ دے تو عدالت میں مقدمہ دائر کر سکتا ہے مگر دور حاضر میں انصاف ملنا غریب کو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے کہ نام تو عدالت ہے مگر کام نام کے منافی ہے۔ اس لیے امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ فتاویٰ رضویہ میں کچہری کے نام سے عدالتوں کو موسوم کرتے ہیں کہ مزدوری کے حصول کے لیے مزدوری سے کہیں زیادہ سرمایہ کیس میں لگ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر اجرت ملنے کی امید نہ ہو تو ضرورتاً سامان روک سکتا ہے۔

مخصوص شخص کی شرط لگانا:

قولہ: واذا شرط الخ: اگر کسی نے کام کرنے کی شرط لگائی کہ فلاں درزی ہی کپڑے سلائی کرے گا لہٰذا اب دوسرے سے سلائی کرانا جائز نہیں کیونکہ کام کی مہارت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا متعین کردہ شخص ہی کام کرے گا۔ اگر ایسا معاہدہ نہیں ہوا تو دوسرے سے کام کروا سکتا ہے۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الْخَيَّاطُ وَالصَّبَّاغُ وَصَاحِبُ الثَّوْبِ فَقَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلْخَيَّاطِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَعْمَلَهُ قَبَاءً وَقَالَ الْخَيَّاطُ قَمِيصًا اَوْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلصَّبَّاغِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَصْبُغَهُ اَحْمَرَ فَصَبَغْتَهُ اَصْفَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهِ فَاِنْ حَلَفَ فَالْخَيَّاطُ ضَامِنٌ، وَاِنْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهُ لِيْ بِغَيْرِ اُجْرَةٍ وَقَالَ الصَّانِعُ بِاُجْرَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ اِنْ كَانَ حَرِيْفًا لَهُ فَلَهُ الْاُجْرَةُ، وَاِنْ لَمْ يَكُنْ حَرِيْفًا لَهُ فَلَا اُجْرَةَ لَهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ كَانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلًا لِهٰذِهِ الصَّنْعَةِ بِالْاُجْرَةِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ اَنَّهُ عَمِلَهُ بِاُجْرَةٍ

''اور جب درزی، رنگساز اور کپڑے کے مالک کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کپڑے والا درزی سے کہے میں نے تجھے

قبا بنانے کا کہا تھا اور درزی نے کہا قمیص بنانے کا کہا تھا یا کپڑے والے نے رنگ کرنے والے کو کہا میں نے تجھے سرخ رنگ کرنے کا کہا تھا تو نے پیلا رنگ کر دیا ہے تو بات کپڑے والے کی قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔ پس اگر مالک کپڑے نے قسم کھالی تو درزی ضامن ہوگا اور اگر کپڑے والے نے کہا تو نے میرا کام مفت کیا ہے۔ کاریگر نے کہا مزدوری پر کیا ہے تو کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اس کا پیشہ ہے تو مزدوری پر ہے اور اگر پیشہ نہیں تو مفت کام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کاریگر اسی پیشے میں مزدوری کرنے میں مشہور ہے تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ اس نے مزدوری پر کام کیا ہے۔"

حل لغات: حریف پیشہ، معتبذل مشہور۔

اجیر اور مالک میں اختلاف:

قولہ: واذا اختلف الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک اور کاریگر وغیرہ میں یہ اختلاف واقع ہو جائے کہ مالک کہتا ہے کہ میں نے تجھے فلاں طرز کا کپڑا سینے کا کہا تھا یا فلاں رنگ کرنے کا کہا تھا جب کہ کاریگر اس کے خلاف کہتا ہے اور کاریگر کے پاس گواہ بھی نہیں تو مالک کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ کاریگر مدعی ہے اور مالک مدعی علیہ ہے اصول یہ ہے کہ "مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوتی ہے" جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر" یہ اصول حدیث سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا کاریگر ضامن ہوگا کہ اتنا کپڑا لے کر مالک کو دے یا باہمی اتفاق کر لیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کپڑے والا کہتا ہے کہ تو نے مفت کپڑے کی سلائی کی ہے جب کہ درزی کہتا ہے مزدوری پر کی ہے اس میں آئمہ احناف کے تین مذہب ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گواہوں کی عدم موجودگی میں کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر پیشہ ہی یہی ہے کہ اس نے اس درزی سے پہلے اجرت پر سلائی کرائی ہے تو اجرت پر محمول ہے ورنہ مفت پر محمول ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر اس کے کام کی مزدوری پر شہرت ہے تو درزی کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جب اس نے دوکان ہی اسی پیشے کے لیے کھولی ہے یا گھر میں کام مزدوری ہی کے لیے کرتا ہے تو عرفاً یہ سلائی اجرت پر ہی محمول ہوگی جیسے فقہی قاعدہ ہے۔ "المعروف کالمشروط۔" (درمختار، البحر الرائق)

وَالْوَاجِبُ فِي الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ أُجْرَةُ الْمِثْلِ لَا يَتَجَاوَزُ بِهَا الْمُسَمّٰى وَإِذَا قَبَضَ الْمُسْتَأْجِرُ الدَّارَ فَعَلَيْهِ الْأُجْرَةُ، وَإِنْ لَمْ يَسْكُنْهَا فَإِنْ غَصَبَهَا غَاصِبٌ مِنْ يَدِهِ سَقَطَتِ الْأُجْرَةُ

"اور واجب ہے اجارہ فاسدہ میں مثلی اجرت جو مقرر کردہ اجرت سے زیادہ نہ ہو اور جب کرایہ دار نے مکان پر قبضہ کر لیا تو اس پر کرایہ لازم ہو گیا اگرچہ وہ مکان میں رہائش نہ رکھے تو اگر کسی غاصب نے یہ مکان اس سے غصب کر لیا اس کے قبضہ سے تو کرایہ ساقط ہو جائے گا۔"

اجارہ فاسدہ میں اجرت:

قولہ: والواجب الخ: اجارہ فاسدہ اس اجارہ کو کہا جاتا ہے کہ جس میں کوئی شرط لگائی گئی ہو یا اس میں اجارہ کے جواز کی شرط نہ پائی جائے تو ایسی صورت میں کیا گیا اجارہ میں مقرر کردہ اجرت کے بجائے اجرت مثلی ہوگی جو ان کے درمیان فیصل کا حیثیت رکھتی ہے لیکن متعین کردہ اجرت سے اجرت مثلی زائد نہ ہو ورنہ متعین کردہ اجرت ہی دی جائے گی۔

قبضہ کے بعد اجرت کی حیثیت:

قولہ: واذا قبض الخ: جب کسی نے مکان کرائے پر لیا اور اس پر قبضہ بھی کر لیا تو اس پر اجرت واجب ہو جائے گی چاہے وہ اس میں رہائش پذیر نہ بھی ہو کیونکہ صرف قبضہ سے کرایہ کا آغاز ہو جاتا ہے لیکن اگر اس گھر پر کسی اور نے قبضہ کر لیا اب اجرت ساقط ہو جائے گی۔

وَاِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا يَضُرُّ بِالسُّكْنٰى فَلَهُ الْفَسْخُ وَاِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ اَوْ انْقَطَعَ شِرْبُ الضَّيْعَةِ اَوْ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنِ الرَّحٰى انْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَقَدْ عَقَدَ الْاِجَارَةَ لِنَفْسِهٖ انْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَاِنْ كَانَ عَقَدَهَا لِغَيْرِهٖ لَمْ تَنْفَسِخْ وَيَصِحُّ شَرْطُ الْخِيَارِ فِي الْاِجَارَةِ عَلٰى الْبَيْعِ وَتَنْفَسِخُ الْاِجَارَةُ بِالْاَعْذَارِ كَمَنْ اسْتَاْجَرَ دُكَّانًا فِي السُّوْقِ لِيَتَّجِرَ فِيْهِ فَذَهَبَ مَالُهٗ وَكَمَنْ آجَرَ دَارًا اَوْ دُكَّانًا ثُمَّ فَاَفْلَسَ وَلَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰى قَضَائِهَا اِلَّا مِنْ ثَمَنِ مَا آجَرَهٗ فَسَخَ الْقَاضِي الْعَقْدَ وَبَاعَهَا فِي الدَّيْنِ وَمَنْ اسْتَاْجَرَ دَابَّةً لِيُسَافِرَ عَلَيْهَا ثُمَّ بَدَا لَهٗ مِنَ السَّفَرِ فَهُوَ عُذْرٌ وَاِنْ بَدَا لِلْمُكَارِيْ مِنَ السَّفَرِ فَلَيْسَ بِعُذْرٍ۔

"اگر اس گھر میں کوئی ایسا عیب پایا جو رہائش کے لیے نقصان دہ ہے تو کرایہ دار کے لیے فسخ اجارہ جائز ہے اور جب مکان ویران ہو جائے یا سیرابی زمین کا پانی یا پن چکی کا پانی ختم ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا اور جب معاملہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اس حال میں کہ اس نے اجارہ اپنے لیے کیا تھا تو اجارہ فسخ ہو گیا اور اگر اس نے عقد اجارہ غیر کے لیے کیا تھا تو فسخ نہیں ہوگا اور اجارہ میں شرط خیار درست ہے جیسا کہ بیع میں اور اجارہ عذروں کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے کہ جس طرح کسی نے دوکان بازاری کرائے پر لی تاکہ اس میں کاروبار کرے تو اس کا مال ختم ہو گیا اور جیسا کہ کسی نے مکان کرائے پر لیا یا دوکان لی پھر دیوالیہ ہو گیا تو اس پر قرض لازم آئے کہ وہ قادر نہیں کہ ان کو ادا کرے سوائے اس چیز کی قیمت کے جو اس نے کرایہ پر دے رکھی ہے تو حاکم وقت اجارہ کو فسخ کرے اور اس کو قرض میں فروخت کرے اور جس شخص نے کرایہ پر جانور لیا تاکہ اس پر سفر کرے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ عذر ہے اور اگر کرائے پر دینے والے کا ارادہ ملتوی ہو گیا سفر سے تو یہ عذر نہیں۔"

حل لغات: خربت خرابا سے ہے بمعنی ویرانگی، مشرب پانی کا حق، الضیعہ زرعی زمین، الرحی پن چکی۔

فسخ اجارہ کی چند صورتیں:

قولہ: وان وجد العیب: وہ امور کہ جن کی وجہ سے اجارہ فسخ ہوسکتا ہے۔

۱۔ جب کرایہ پر حاصل شدہ چیز قابل نفع نہ رہے تو کرایہ دار اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔ مثلاً چیز میں اتنا عیب آ جائے کہ نفع حاصل کرنے کے مانع ہو اگر عیب دیکھنے کے بعد کرایہ پر حاصل کیا تو اجارہ ختم نہیں ہو سکتا۔ "انفسخت" سے معلوم ہوا کہ خود اجارہ فسخ ہوگا مگر اصح قول کے مطابق کرایہ دار کے فسخ کرنے سے فسخ ہوگا۔

۲۔ اگر کرایہ دار اور مالک میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور کرایہ پر چیز اپنے لیے لی تھی تو اجارہ فسخ ہو جائے گا کیونکہ اب نفع اٹھانے والا نہ رہا لیکن اگر کسی اور کے لیے اجارہ کیا تھا تو غیر کی موجودگی کی وجہ سے اجارہ بحال رہے گا۔ احناف کے نزدیک جس طرح بیع میں خیار شرط جائز ہے اسی طرح اجارہ میں بھی خیار شرط جائز ہے کہ تین دن تک خیار لے سکتا ہے کہ کرائے پر لوں یا نہ لوں۔ شوافع کے نزدیک خیار شرط اجارہ میں نہیں۔

۳۔ کرایہ پر دوکان لینے کے بعد سامان ضائع ہو گیا اب تجارت کرنے سے مجبور ہے تو اجارہ فسخ کر سکتا ہے۔

۴۔ مالک نے مکان کرایہ پر دیا تھا اس کے بعد اس پر اتنے قرض چڑھ گئے کہ مکان کو بیچے بغیر ان کی ادائیگی ممکن نہ رہی تو قاضی عذر شدید کی وجہ سے اجارہ فسخ کر کے مکان کو فروخت کر کے قرض ادا کرے گا۔ قاضی کے فیصلے کی ضرورت وہاں پڑے گی جہاں عذر پوشیدہ ہو اگر عذر ظاہر ہے تو خود بھی توڑ سکتا ہے جیسا کہ مسئلہ نمبر ۳ میں ہے۔

۵۔ کسی نے سفر پر جانے کے لیے کرائے پر گاڑی لی پھر جانے والے کا سفر ملتوی ہو گیا۔ لہٰذا اس عذر کی وجہ سے اجارہ فسخ کر سکتا ہے مگر کرایہ پر دینے والے کے حق میں یہ عذر نہیں کہ اب میں گاڑی کو نہیں لے جا سکتا بلکہ کسی اور ڈرائیور کا بندوبست کر کے رینٹ والی گاڑی کو بھیجے اگر گاڑی خراب ہو یا ڈرائیور قابل اعتماد نہ ملتا ہو تو عذر ہے ورنہ نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب اعذار پائے جائیں تو اجارہ ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْاِجَارَۃُ تَنْقُضُ بِالْاَعْذَارِ" (شرح سیر کبیر لسرخی)

کتاب الشفعۃ

شفعہ کا لغوی معنی:

شفعہ کے اشتقاق میں اختلاف ہے تاہم شفعہ کا معنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔

اصطلاحی معنی:

"تَمَلُّكُ الْعِقَارِ جَبْرًا عَلَى الْمُشْتَرِيْ بِمَا قَامَ عَلَيْهِ" (اللباب)

"خریدار کو اس کا معاوضہ دے کر اس سے جبراً غیر منقولی چیز کو لینا شفعہ (Right of pre-emtion) کہلاتا ہے۔"

شفعہ کی شرائط:

۱۔عقد معاوضہ ہو۔

۲۔مال کا معاوضہ مال کے ساتھ ہو۔

۳۔مبیع غیر منقولی چیز ہو۔

۴۔مبیع بائع کی ملک سے خارج ہو۔

۵۔جس کی وجہ سے شفعہ ہو وہ مشفوعہ چیز کے وقت ملک میں ہوا یضا۔

شفعہ کا رکن:

شفعہ کے لیے ضروری امور کے پائے جانے کے ساتھ شفیع کا حق شفعہ لینا۔

شفعہ کا حکم:

جب سبب ثابت ہو جائے تو شفیع کے لیے حق شفعہ کو طلب کرنا جائز ہے۔

شفعہ کی صفت:

شفعہ کے ذریعے لینا بیع کے درجہ میں ہے۔

شفعہ کا ثبوت:

شفعہ کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ہے۔ ابو بکر اصم کے علاوہ تمام فقہاء شفعہ کی مشروعیت پر متفق ہیں۔

شفعہ کی حکمت:

انسان اجنبی شخص کے پڑوس کی تکلیف سے محفوظ ہو۔

اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ ثُمَّ

لِلْجَارِ وَلَيْسَ لِلشَّرِيكِ فِي الطَّرِيقِ وَالشِّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِيطِ فَإِنْ سَلَّمَ الْخَلِيطُ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِيكِ فِي الطَّرِيقِ فَإِنْ سَلَّمَ أَخَذَهَا الْجَارُ وَالشُّفْعَةُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ وَتُمْلَكُ بِالْأَخْذِ إِذَا سَلَّمَهَا الْمُشْتَرِي. أَوْ حَكَمَ بِهَا حَاكِمٌ.

"شفعہ ثابت ہے شریک کے لیے ذات مبیع میں پھر شریک کے لیے مبیع کے حق میں جیسے پانی اور راستہ پھر پڑوسی کے لیے ذات مبیع میں شریک کی موجودگی میں راستے میں شریک اور پانی میں شریک اور پڑوسی کے لیے حق شفعہ نہیں پس اگر شریک فی المبیع شفعہ حوالے کر دے تو شفعہ راستے میں شریک کے لیے ہے پس اگر وہ حوالے کر دے تو پڑوسی اسے لے لے اور شفعہ عقد بیع کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور گواہ بنا لینے سے پختہ ہو جاتا ہے اور شفیع لینے کے ساتھ مالک ہو جاتا ہے جب اسے خریدار نے حوالے کر دیا یا حاکم نے اس کے لیے فیصلہ کر دیا۔"

حل لغات: واجبة، ثابتة کے معنی میں ہے۔ الخلیط بمعنی شریک، تستقر استقرار سے ہے بمعنی پختہ ہونا، سلم تسلیم سے ہے بمعنی حوالے کرنا لینے سے انکار کرنا۔

شفعہ کے حق دار:

قوله الشفعة واجبة الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تین طرح کے لوگ شفعہ کے حق دار ہیں۔ پہلا حق دار وہ شخص ہے جو ذات مبیع میں شریک ہو مثلاً زمین، مکان یا دوکان وغیرہ میں دوسرے کا بھی حصہ ہے تو ایک حصہ دار کے بیچنے پر دوسرا حصہ دار اولاً شفعہ کا حق دار ہے کیونکہ ذات مبیع میں شریک ہے اس کو "شریك فی المبیع" کہا جاتا ہے۔ دوسرا حق دار وہ شخص ہے جو ذات مبیع میں تو شریک نہ ہو لیکن مبیع کے حقوق میں شریک ہو مثلاً زمین کو سیراب کرنے کا کھال (نالی) یا راستے میں شریک ہو تو اس کو "شریك فی حق المبیع" کہا جاتا ہے۔ تیسرا حق دار وہ شخص ہے جو نہ ذات مبیع میں شریک ہو اور نہ حق مبیع میں شریک ہو بلکہ پڑوسی ہو۔ شریعت نے ان لوگوں کو شفعہ کا حق اس لیے دیا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کے آنے سے ان کو تکلیف نہ ہو جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلضَّرَرُ يُزَالُ" کہ ضرر کا ازالہ کیا جائے گا اس لیے مناسب قیمت پر پہلے انہیں خریدنے کا حق دیا ہے اور یہ حق احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

حق شفعہ کی ترتیب:

قوله وليس للشريك الخ: حق شفعہ کی ترتیب میں اصول یہ ہے کہ "ہر پہلے کی موجودگی میں دوسرا محروم رہے گا بشرطیکہ حق شفعہ استعمال کرے ورنہ حق شفعہ اگلے کی طرف منتقل ہو جائے گا" کہ شریک فی المبیع کے ہوتے ہوئے باقی دو محروم رہیں گے اگر شریک فی حق المبیع شفعہ کے حق سے دستبردار ہو جائے تو شریک فی حق مبیع کو شفعہ کا حق ہے اس کی موجودگی میں پڑوسی محروم رہے گا۔ اگر شریک فی حق المبیع حق شفعہ سے دستبردار ہو جائے تو پڑوسی کو حق ہے۔ امام شافعی کے نزدیک پڑوسی شفعہ کا حق دار نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر آئمہ کرام کے نزدیک شفعہ کے حق دار تین ہی ہیں ان میں سے نہ کسی کو حق سے محروم کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے زائد کسی اور (کرایہ دار) کو حق شفعہ دیا جا سکتا ہے۔

ثبوت شفعہ کا وقت:

قولہ: والشفعة تجب الخ: شفعہ کا ثبوت اس وقت ہوتا ہے جب بائع غیر منقولہ چیز کو فروخت کر رہا ہے اور اپنی ملکیت سے خارج کر رہا ہے بیع شفعہ کا سبب نہیں بلکہ شفعہ تو اتصال ملک کے سبب سے ہے لیکن شفعہ کا ثبوت بعد البیع ہے کہ جس طرح وجوبِ نماز کا سبب امر باری تعالیٰ ہے مگر اس کی ادائیگی کا سبب دخولِ وقت ہے۔

شفعہ کے پختہ ہونے کا وقت:

قولہ: وتستقر الخ: اس سے قبل یہ بیان کیا تھا کہ شفعہ کا ثبوت بیع کے بعد ہی ہوتا ہے اب حق شفعہ کے مضبوط ہونے کے وقت کو بیان کر رہے ہیں کہ شفعہ مضبوط اس وقت ہوگا جب شفیع کو بیع کی خبر ملی تو فوراً ہی اسی مجلس میں طلب شفعہ پر گواہ بنالے کہ تم لوگ گواہ رہو میں شفعہ کر رہا ہوں۔ کیونکہ آگے قاضی کے ہاں فیصلہ کروانا ہے تو قاضی طلب شفعہ پر شفیع سے گواہ طلب کرے گا اگر طلب شفعہ پر گواہ نہیں بنائے تو حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

شفیع کے لیے ملک کی صورتیں:

قولہ: وتملك بالاخذ الخ: جب مشتری نے زمین یا مکان وغیرہ خرید لیا تو وہ مالک ہو گیا اب اس کی ملک سے شفیع کی ملک میں دو صورتوں میں ہی جا سکتے ہیں ایک یہ کہ خود مشتری مبیع سے دستبردار ہو جائے۔ دوسری صورت یہ کہ قاضی شفیع کے حق میں فیصلہ کر دے تو شفیع مشفوعہ چیز کا مالک ہو جائے گا۔

وَإِذَا عَلِمَ الشَّفِيعُ بِالْمَبِيعِ أَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ ثُمَّ يَنْهَضُ مِنْهُ فَيُشْهِدُ عَلَى الْبَائِعِ إِنْ كَانَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ أَوْ عَلَى الْمُبْتَاعِ أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ فَإِذَا فَعَلَ ذَالِكَ اِسْتَقَرت شُفْعَتُهُ وَلَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاخِيرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ شَهْرًا بَعْدَ الْإِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ

"اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو اس مجلس میں شفعہ کے مطالبہ پر گواہ بنائے پھر مجلس سے اٹھے تو بائع کے پاس گواہ بنائے اگر بیع بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے پاس بنائے یا زمین کے پاس تو جب شفیع یہ عمل کر چکا تو اس کا شفعہ مضبوط ہو گیا اور امام اعظم کے نزدیک تاخیر سے شفعہ ساقط نہ ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر شفعہ کو ایک مہینہ بغیر عذر کے گواہ بنانے کے بعد چھوڑے رکھا تو شفعہ باطل ہوگا۔"

حل لغات: اَشْهَدَ اشہاد سے ہے بمعنی گواہ بنانا، ینهض نہوض سے ہے بمعنی اٹھنا۔ اَلْمُبْتَاع خریدار۔

قولہ: وان علم الشفیع الخ:

شفیع کے طلب کی اقسام:

امام قدوری فرماتے ہیں کہ شفیع کے لیے تین قسم کے طلب ضروری ہیں پہلا یہ کہ جوں ہی مبیع کا علم ہو فوراً کہے میں اس مبیع کو

خریدنا چاہتا ہوں اس کو "طلب مواثبت" کہا جاتا ہے۔ اگرچہ شفیع اکیلا ہی ہوتا کہ کل قاضی کے ہاں قسم کھانے میں سچا ہو۔ دوسرا یہ کہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو تو اس کے پاس گواہ بنائے اگر مشتری کے قبضہ میں ہو تو اس کے پاس گواہ بنائے یا مبیع کے پاس گواہ بنائے کہ سن لو میں اس کو حق شفعہ کے تحت خریدنا چاہتا ہوں اس کو "طلب اشہاد" کہا جاتا ہے نیز اس کو "طلب تقریر" اور "طلب استحقاق" بھی کہا جاتا ہے۔

طلب اشہاد شفیع کی ذات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ضرورت کے وقت خط یا کسی آدمی کو بھیج کر بھی کرسکتا ہے لہٰذا دورِ حاضر میں فیکس اور فون کے ذریعے طلب اشہاد جائز ہے۔ ان دو طلب کے بعد حق شفعہ شفیع کے حق میں پختہ ہو گیا اب شفیع اپنا حق لینے کے لیے قاضی کے پاس جا کر کہے گا کہ فلاں زمین یا مکان فلاں شخص نے خریدا ہے میں فلاں سبب سے اس کا شفیع ہوں کہ میں طلب مواثبت اور طلب اشہاد کر چکا ہوں تو جناب مکان کو میرے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے تو اس کو "طلب خصومت" یا "طلب تملیک" کہا جاتا ہے۔

عدالتی آئین:

شفیع، طلب اشہاد یوانی قوانین پاکستان 1984ء کے آرٹیکلز 78، 75، 72 اور 79 کے مطابق اصلی اور قانونی شہادت پیش کرنے کا پابند ہے۔

طلب خصومت کی تاخیر میں حکم:

قوله : ولم تسقط الخ: جب طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد شفعہ تو مضبوط ہو گیا مگر طلب خصومت میں تاخیر ہو جائے تو کیا حکم ہے؟ اس بات پر آئمہ احناف کا اتفاق ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوئی تو حق شفعہ ساقط نہ ہوگا لیکن اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر بغیر کسی عذر کے تاخیر کی تو شیخین کے نزدیک مطلقاً تاخیر سے شفعہ باطل نہ ہوگا متون میں عموماً اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ یہی ظاہر مذہب ہے جب کہ امام محمد اور امام زفر کے نزدیک ایک ماہ تک حق شفعہ رہے گا اس کے بعد ساقط ہو جائے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

متاخرین نے لوگوں کو ضرر سے بچانے کے لیے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ یہ قول "ایسر للناس" اور "اوفق بالزمان" ہے۔ (ھدایه، درمختار، جوھرہ) لہٰذا عذر (بیماری، سفر) کی وجہ سے شفیع ایک مہینہ کے اندر عدالت سے رجوع کرے مہینے کے بعد حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ یہی مفتی بہ قول ہے۔ علامہ شامی نے "وسیلة الزفر" میں مفتی بہ قول امام زفر کا قرار دیا اور فرمایا ایک قول امام محمد کا بھی ہے۔ لہٰذا امام زفر کا مجموعی لحاظ سے "پانچواں" مفتی بہ قول ہے۔

عدالتوں میں طلب خصومت کی میعاد عذر کی بنا پر ایک مہینے سے زیادہ رکھی گئی ہے۔ وہ مفتی بہ قول کے مخالف ہے۔

امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تطبیق:

اگر قاضی یہ سمجھے کہ شفیع نے بائع و مشتری کو نقصان دینے کے لیے تاخیر کی ہے تو باطل ہونے کا فتویٰ دے ورنہ شفعہ کا حق دے اگر دونوں کے مابین ہو تو باطل ہونے کا فتویٰ دے۔ (جد الممتار علی رد المحتار ۶/۴۰۰)

وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَالرَّحَى وَالْبِئْرِ وَالدُّوْرِ وَالصِّغَارِ وَلَا شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ إِذَا بِيعَ بِدُوْنِ الْعَرْصَةِ وَلَا شُفْعَةَ فِي الْعُرُوْضِ وَلَا فِي السُّفُنِ وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ فِي الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ وَإِذَا مَلَكَ الْعَقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ وَلَا شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِي يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا أَوْ يُخَالِعُ امْرَأَتَهُ بِهَا أَوْ يَسْتَأْجِرُ بِهَا دَارًا أَوْ يُصَالِحُ مِنْ دَمِ عَمْدٍ أَوْ يُعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْدًا أَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِإِنْكَارٍ أَوْ سُكُوْتٍ فَإِنْ صَالَحَ عَنْهَا بِإِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ۔

''اور شفعہ زمین میں ثابت ہوتا ہے اگر چہ وہ ان چیزوں میں سے ہو جو تقسیم نہ کی جا سکتی ہوں جیسے حمام، پن چکی، کنواں، چھوٹے مکان، عمارت اور باغ میں شفعہ نہیں جب کہ ان کو بغیر زمین کے فروخت کیا جائے اور نہ ہی شفعہ سامان اور کشتیوں میں ہے اور مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں جب کوئی زمین کا مالک ہوا اس عوض کے ساتھ جو مال ہو تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا اور اس گھر میں شفعہ نہیں جس کے عوض مرد نکاح کرتا ہے یا اس گھر کے عوض عورت سے خلع کرتا ہے یا اس کے بدلے کوئی مکان کرائے پر لیتا ہے یا دم عمد کے عوض صلح پر دیتا ہے یا اس کے عوض غلام کو آزاد کرتا ہے یا اس پر انکار یا سکوت کے بعد صلح کرتا ہے پس اگر اس مکان پر اقرار کے ساتھ صلح کر لی تو اس میں ثابت ہوگا۔''

مشفوعہ چیزیں:

قولہ: والشفعة الخ: جن اشیاء میں شفعہ جائز ہے ان کے متعلق ایک ضابطہ ہے کہ ''ہر وہ چیز جو غیر منقولی ہو تو اس میں شفعہ جائز ہے'' مثلاً زمین اور اس میں بنے والے مکانات و دوکانیں جو ہمیشہ ایک جگہ رہیں گی۔ وہ غیر منقولی چیز چاہے تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس میں شفعہ جائز ہے۔ مثلاً گزشتہ زمانے میں حمام (غسل خانے) کی ایک صورت تھی وہ تقسیم ہونے کے بعد قابل استعمال نہیں رہتے تھے ان میں شفعہ جائز ہے۔ اسی طرح پن چکی (جندر) اس کی زمین کے حصے تقسیم کرنے کے بعد قابل استعمال نہیں رہتی خلاصہ یہ ہے ان اشیاء میں بھی شفعہ کا حق ہوگا۔ حق شفعہ پڑوس کے نقصان کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے یہ صرف غیر منقولی اشیاء میں متصور ہے جب کہ منقولی اشیاء تو منتقل بھی ہو سکتی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقسیم ہونے کے بعد قابل استعمال نہ رہے اس میں شفعہ نہیں۔

جن میں شفعہ جائز نہیں:

قولہ: ولا شفعة الخ: ضابطہ یہ ہے کہ ''ہر وہ چیز جو منقولی ہو اس میں شفعہ جائز نہیں''۔ مثلاً مکان کی عمارت اور باغ جب کہ زمین کے بغیر فروخت کیے جائیں اسی طرح کشتی میں بھی شفعہ نہیں۔ لہٰذا حاصل کلام یہ ہے ساز و سامان، ذرائع مواصلات مثلاً کشتی، گاڑیاں وغیرہ ان میں شفعہ جائز نہیں۔

قولہ: والمسلم الخ: شفعہ کے حق دار ہونے میں مسلمان کی طرح ذمی کافر بھی ہے ذمی کافر وہ شخص ہے جو مسلمان ملک میں ٹیکس دے کر رہتا ہو اس کی جان و مال اور عزت کی حفاظت حکومت وقت پر لازم ہے یہ اسلام کا نظام حکومت ہے کہ جس میں غیر

مسلم کو مسلم کے برابر شفعہ کا حق دیا ہے۔

کس عقد کی وجہ سے شفعہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں ہوتا؟

قولہ واذا ملك العقار الخ: اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ "ہر وہ عقد جس میں کسی مال کے عوض غیر منقولی چیز کا تبادلہ کیا گیا ہو تو شفعہ ثابت ہوگا۔" مثلاً زمین یا مکان کو رقم یا کسی چیز کے عوض فروخت کیا گیا ہو۔ لیکن اگر غیر منقولی چیز کا تبادلہ ایسی چیز کے عوض ہو جو مال نہ ہو تو شفعہ ثابت نہ ہوگا۔ امام قدوری نے دوسری صورت کی چھ مثالیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص مہر میں مکان یا زمین دے تو مہر کے عوض (مکان) میں شفعہ جائز نہیں کیونکہ مہر بضع (شرمگاہ) کا عوض ہوتا ہے اور شفیع بضع نہیں دے سکتا نیز عورت کو مکان یا زمین بغیر عوضِ مال کے ملا ہے جب کہ شفعہ تو اس عقد میں ہوتا ہے کہ جس میں تبادلہ مال کے عوض ہو۔

۲۔ عورت خلع میں مکان دے کر اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے تو خلع کے مکان پر شفعہ نہیں ہوسکتا کیونکہ خلع مال نہیں نیز خلع میں بضع کو آزاد کرنا ہے وہ شفیع کے اختیار میں نہیں۔

۳۔ کسی نے کرایہ پر مکان لیا اب اس نے اپنا مکان کرایہ پر دینے والے کو دے دیا اب اس مکان پر شفعہ جائز نہیں کیونکہ یہ تبادلہ مال سے نہیں کہ جب تک اس عقد کو مال کی حیثیت نہ دے۔

۴۔ قاتل نے مقتول کے ورثا سے قتل عمد میں ایک مکان پر صلح کر لی اور ورثا نے مکان لے لیا تو اس مکان میں شفعہ جائز نہیں اس لیے ورثا کو یہ مکان بغیر مال کے ملا ہے۔

۵۔ آقا نے غلام سے مکان لے کر اس کو آزاد کر دیا تو اس مکان میں شفعہ جائز نہیں کیونکہ غلام آزاد کرنا مال نہیں جو شفیع نہیں دے سکتا۔

۶۔ اگر کسی نے دعویٰ کیا یہ میرا مکان ہے مدعیٰ علیہ نے انکار کیا یا خاموش رہا بعد میں مدعیٰ علیہ نے مدعی کو کچھ مال دے کر صلح کر لی تو اب اس مکان میں شفعہ جائز نہیں کیونکہ انکار کرنے کے بعد یا چپ رہنے کے بعد جو صلح ہوتی ہے وہ مال کے بدلے میں نہیں ہوتی بلکہ دباؤ اور مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا شفعہ جائز نہیں لیکن اگر مکان کا اقرار کرتے ہوئے پھر صلح کر لیتا ہے کہ یہ کہتا ہے کہ مکان تو تیرا ہی ہے مگر اتنی رقم لے کر صلح کر لو تو مکان پر شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ مدعیٰ علیہ نے مدعی کے مکان کی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا عوض ادا کیا ہے۔ لہٰذا جہاں مبادلة المال بالمال پایا جائے اور بیع کی صورت ہو وہاں حق شفعہ ہوگا۔ جب کہ آئمہ ثلاثہ نے ان عوضوں کو قیمتی مال شمار کیا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک شفعہ کا حق ہوگا۔

وَاِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيْعُ اِلَى الْقَاضِى فَادَّعَى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَاَلَ الْقَاضِى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنْهَا فَاِنِ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهِ الَّذِى يَشْفَعُ بِهٖ وَاِلَّا كَانَهُ اِقَامَةَ الْبَيِّنَةِ فَاِنْ عجز مِنَ الْبَيِّنَةِ اسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِى بِاللّٰهِ مَايَعْلَمُ انه مَالِكٌ لِلَّذِىْ ذَكَرَهٗ مِمَّا يَشْفَعُ بِهٖ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ اَوْ قَامَتْ لِلشَّفِيْعِ بَيِّنَةٌ سَاَلَهُ الْقَاضِى هَلِ ابْتَاعَ اَمْ لَا فَاِنْ اَنْكَرَ اِلَّا بِتَبَاعَ قِيْلَ

لِلشَّفِيعِ اَقِمِ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ عَجَزَ عَنْهَا اُسْتُحْلِفَ الْمُشْتَرِيْ بِاللهِ مَا ابْتَاعَ اَوْ بِاللهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلٰى هٰذِهِ الدَّارِ شُفْعَةً مِنَ الْوَجْهِ الَّذِيْ ذَكَرَهٗ

"اور جب شفیع قاضی کے پاس جائے اور خریدنے کا دعویٰ کرے اور شفعہ طلب کرے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے متعلق سوال کرے پس اگر مدعی علیہ نے اعتراف کیا اس ملکیت کا کہ جس کی وجہ سے شفیع نے شفعہ کیا (درست ہے) ورنہ قاضی مدعی کو گواہ قائم کرنے کا کہے پس اگر گواہوں سے عاجز ہو تو خریدار سے قسم لے اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ وہ اس مکان کا مالک ہے کہ جس کا اس نے ذکر کیا ہے ان میں سے ہے جن کی وجہ سے وہ شفعہ کر رہا ہے۔ پس اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے یا شفیع کے لیے گواہ قائم ہو جائیں تو قاضی مدعی علیہ سے معلوم کرے کہ اس نے مکان خریدا ہے یا نہیں۔ پس اگر مدعی علیہ خریدنے کا انکار کر دے تو شفیع کو کہا جائے کہ تم گواہ قائم کرو پس اگر گواہوں سے عاجز آ جائے تو قاضی خریدار سے قسم لے اللہ کی قسم میں نے نہیں خریدا یا کہے اللہ کی قسم شفیع اس مکان پر شفعہ کا اس وجہ سے حقدار نہیں جس کو اس نے ذکر کیا۔"

شفیع جج کی عدالت میں:

قوله: واذا تقدم الخ: جب شفیع عدالت میں جا کر شفعہ کا کیس دائر کرتا ہے تو اس کو فقہ کی اصطلاح میں "طلب خصومت" کہا جاتا ہے تو عدالت میں مقدمہ دائر ہونے کے بعد قاضی (جج) مقدمہ کی کارروائی کرے گا کہ جس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ شفیع نے عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص نے جو زمین خریدی ہے میں فلاں سبب کی وجہ سے شفعہ کرتا ہوں تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے پوچھے گا کہ جس زمین کی وجہ سے یہ شفعہ کر رہا ہے وہ زمین اس کی ملک میں ہے یا نہیں اگر مدعی علیہ اس کی زمین کا اقرار کرتا ہے تو مشفوعہ زمین کا فیصلہ قاضی شفیع کے حق میں کر دے گا اگر مدعی علیہ شفیع کے لیے زمین کا انکار کرتا ہے کہ یہ زمین اس کی نہیں تو قاضی شفیع کو کہے گا کہ اپنی زمین پر گواہ قائم کرو اگر گواہ قائم ہو گئے تو بھی مشفوعہ زمین کا فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے گا اگر گواہ قائم نہ کر سکا تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی کہ اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ جس زمین کی وجہ سے شفعہ کر رہا ہے وہ اس کی ملک میں ہے تو شفعہ کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب شفعہ کی وہ زمین کہ جس کی وجہ سے شفعہ کر رہا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لیے ثابت ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے تحقیق کرے گا کہ یہ زمین آپ نے خریدی ہے یا کسی اور سبب سے ملی ہے؟ اگر مدعی علیہ خریدنے کا اقرار کر لے تو شفیع کے حق میں قاضی فیصلہ دے گا اگر مدعی علیہ خریدنے کا انکار کر دے تو اب مدعی (شفیع) سے زمین خریدنے پر گواہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اگر گواہ پیش ہو جاتے ہیں تو مدعی کے حق میں فیصلہ ہوگا اگر گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی اگر قسم اٹھا لیتا ہے تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا اگر قسم نہ اٹھائے تو شفیع کے حق میں فیصلہ دیا جائے گا۔

عدالت میں شفیع پر جرح کا ایک نمونہ:

۱۔ کیا آپ کو وہ تاریخ دن یاد ہے جس دن آپ نے نقل حاصل کی تھی؟

۲۔ کیا آپ کو انتقال نمبر یاد ہے؟

۳۔ جب آپ نوٹس تحریر کرانے آئے تو کیا آپ کے پاس نقل انتقال موجود تھی؟

۴۔نقل آپ نے کس سے لی؟

۵۔پٹواری سے کس دن نقل انتقال متدعویہ لی تھی؟

۶۔جو نقل آپ نے ہمراہ دعویٰ لف کی ہے کیا وہ مصدقہ تھی؟

۷۔آپ نے کس تاریخ کو نوٹس طلب اشھاد تحریر کرایا تھا؟

۸۔دعویٰ شفعہ کس تاریخ دائر کیا تھا؟

۹۔آپ کو مشفوعہ زمین کی بیع کا علم کب اور کیسے ہوا؟

۱۰۔آپ کا کھیوٹ، خسرہ نمبر کیا ہے؟ کیا آپ نے اعلان شفعہ سے قبل مشورہ کیا تھا؟

۱۱۔کن کن لوگوں کی موجودگی میں اعلان شفعہ کیا؟

۱۲۔وہ آپ کے پاس کیسے اور کیوں آئے تھے؟

۱۳۔انتقال پاس ہونے کے بعد کتنے ماہ بعد آپ کو علم ہوا؟

قارئین: اس طرح کے بیشمار سوالات شفیع سے کیے جاتے ہیں یوں ہی دونوں گواہوں سے بھی اور مدعیٰ علیہ سے بھی۔ یہی وہ جرح ہے جو مقدمہ کو بنا بھی سکتی ہے اور تہس نہس بھی کر سکتی ہے جرح وہ ہتھیار ہے جو سچ دریافت کرنے کے لیے ایجاد کیا گیا ہے۔

وَتَجُوْزُ الْمُنَازَعَةُ فِي الشُّفْعَةِ وَاِنْ لَمْ يُحْضِرِ الشَّفِيْعُ الثَّمَنَ اِلٰى مَجْلِسِ الْقَاضِي فَاِذَا قَضَى الْقَاضِي لَهٗ بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهٗ اِحْضَارُ الثَّمَنِ وَلِلشَّفِيْعِ اَنْ يَّرُدَّ الدَّارَ بِخِيَارِ الْعَيْبِ وَالرُّؤْيَةِ وَاِنْ اَحْضَرَ الشَّفِيْعُ الْبَائِعَ وَالْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يُّخَاصِمَهٗ فِي الشُّفْعَةِ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ حَتّٰى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِيْ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِنْهُ وَيَقْضِيْ بِالشُّفْعَةِ عَلَى الْبَائِعِ وَيَجْعَلُ الْعُهْدَةَ عَلَيْهِ

"اور شفعہ کا جھگڑا جائز ہے اگر چہ شفیع قاضی کی مجلس میں رقم نہ بھی حاضر کرے اور جب قاضی نے شفیع کے حق میں شفعہ کا فیصلہ کر دیا تو شفیع کو رقم حاضر کرنا لازم ہوگی اور شفیع کے لیے جائز ہے کہ مکان خیار عیب اور خیار روایت کی وجہ سے واپس کر دے اور اگر شفیع بائع کو حاضر کر دے حالانکہ مبیع بائع کے قبضے میں ہے تو شفیع کے لیے حق ہے کہ وہ شفعہ میں بائع سے جھگڑا کرے اور قاضی گواہوں کو نہ سنے یہاں تک کہ مشتری عدالت میں حاضر ہو جائے اس کے بعد قاضی مشتری کی موجودگی میں بیع کینسل کر دے اور شفعہ کا فیصلہ بائع پر کر دے اور ذمہ داری بائع پر ڈال دے۔"

حل لغات: المنازعة مقدمہ کرنا، جھگڑا کرنا، احضار حاضر ہونا؛ البينة گواہ، مشهد مصدر میمی موجودگی، العهدة ذمہ داری۔

رقم کی حضوری عدالت میں:

قوله: تجوز المنازعة الخ: جب شفیع شفعہ کا کیس لے کر عدالت میں جائے تو اس وقت ساتھ ہی مشفوعہ چیز کی قیمت کی رقم ساتھ لے جانا ضروری نہیں کیونکہ شفعہ کا فیصلہ ہونے کے بعد جائیداد کو لینا ہے اس لیے جب قاضی شفیع کے حق میں فیصلہ کرے گا تو

تب شفیع پر لازم ہے کہ رقم لے کر قاضی کے ہاں حاضر ہو جائے اور رقم دے کر مشفوعہ چیز لے لے یہی ظاہر روایت ہے۔ لہٰذا قاضی رقم حاضر نہ کرنے کی صورت میں شفعہ کا فیصلہ خارج نہیں کر سکتا۔ اعتماد کی خاطر شفیع عدالت کو ضامن دے دے۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ یہ ہے کہ شفیع رقم لے کر حاضر ہو۔ پھر اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے کیا معلوم کہ وہ مفلس ہو رقم ادا ہی نہ کر سکے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فیصلہ کے بعد دو دن کی مہلت ہوگی جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تین کی مہلت ہوگی۔

شفعہ میں خیار کا حکم:

قولہ: للشفیع الخ: حق شفعہ کے تحت زمین یا مکان وغیرہ لینا خریدنا ہے اس لیے جو خیار بیع میں ملتے ہیں وہی حق شفعہ میں ملنے والی چیز میں بھی ملتے ہیں۔ لہٰذا شفیع کو خیار عیب اور خیار رویت دونوں ملیں گے اگر کوئی عیب نکل آیا تو دیکھنے کے بعد مشفوعہ کو واپس کر کے رقم واپس لے سکتا ہے اور شفیع بائع سے دھوکہ دہی کے ضمان کے مطالبہ کا مجاز نہیں۔

شفیع اور بائع کی خصومت:

قولہ: وان حضر الخ: اگر مبیع بائع کے پاس ہو کہ اس نے مشتری کو قبضہ نہیں دیا۔ تو شفیع کے لیے جائز ہے کہ وہ بائع کو عدالت میں مقدمہ لڑنے کے لیے حاضر کرے لیکن قاضی شفیع کی گواہی مشتری کی موجودگی میں سن سکتا ہے کیونکہ معاملہ تو مشتری سے ہوا تھا۔ لہٰذا مشتری کو بھی حاضر کرے پھر قاضی مشتری کی خریداری کو فسخ کرے نہ کہ مطلق بیع کو کیونکہ اگر مطلق بیع کو فسخ کر دیا تو شفعہ کس پر قائم رہے گا۔ لہٰذا مشتری کی خریداری کو فسخ کر کے شفیع کو خریدار بنا دے گویا اب شفیع بائع سے خرید رہا ہے۔ اب لین دین کا معاملات بائع اور شفیع کے درمیان طے ہوں گے لہٰذا اصول یہ ہے۔ ''جو چیز جس کے قبضہ میں ہو مقدمہ کا رخ بھی اسی کی طرف ہوتا ہے۔''

وَاِذَا تَرَكَ الشَّفِيْعُ الْاِشْهَادَ حِيْنَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَكَذٰلِكَ اَنْ اَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلَا عِنْدَ الْعَقَارِ وَ اِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهٖ عَلٰى عِوَضٍ اَخَذَهٗ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَرَدَّ الْعِوَضَ وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ عَلٰى عِوَضٍ اَخَذَهٗ بِطَلَبِ الشُّفْعَتُهٗ وَيرد الْعِوَضَ وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بِطَلَبِ شُفْعَتُهٗ وَاِذَا مَاتَ الْمُشْتَرِيْ لَمْ تَسْقُطِ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَاعَ الشَّفِيْعُ مَا يَشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى لَهٗ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ وَوَكِيْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ وَهُوَ شَفِيْعٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيْعُ الدَّرَكَ عَنِ الْبَائِعِ وَوَكِيْلُ الْمُشْتَرِيْ اِذَا ابْتَاعَ وَهُوَ شَفِيْعٌ فَلَهُ الشُّفْعَةُ

''اور جب شفیع گواہ بنانا چھوڑ دے جب اس کو بیع کا علم ہوا اور وہ گواہ بنانے پر قادر بھی ہو تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور اسی طرح اگر اس نے مجلس علم میں گواہ بنا لیے بائع و مشتری میں سے کسی ایک کے پاس گواہ نہ بنائے اور نہ ہی زمین کے پاس اور اگر اپنے شفعہ سے کسی عوض پر صلح کر لی تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور عوض واپس لوٹائے گا اور جب شفیع فوت ہو جائے تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور جب مشتری فوت ہو جائے تو شفعہ ساقط نہ ہوگا اور اگر شفیع فروخت کر دے اس زمین کو جس کی

وجہ سے حق شفعہ تھا شفعہ کے فیصلہ سے پہلے تو شفعہ باطل ہو جائے گا اور بائع کا وکیل جب فروخت کر دے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لیے شفعہ نہیں اور اسی طرح اگر شفیع بائع کی طرف سے ضامن ہو عوارض کا اور مشتری کا وکیل جب خرید ے اور وہ شفیع بھی ہو تو اس کے لیے حق شفعہ ہوگا۔"

حل لغات: ابتاع بمعنی خریدنا، الدرك بمعنی جائیداد میں کسی کا حق ثابت ہونا۔

حق شفعہ کے باطل ہونے یا باطل نہ ہونے کی صورتیں:

قولہ: واذا ترك الخ: امام قدوری نے اس عبارت میں وہ صورتیں ذکر کی ہیں کہ جن میں شفعہ کا حق باطل ہوتا ہے اور بعض وہ بھی ہیں کہ حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔

۱۔ جس مجلس میں شفیع کو جائیداد فروخت ہونے کا علم ہوا وہ گواہ بنانے پر قادر بھی تھا لیکن اس نے طلب مواثبت کو چھوڑ دیا تو حق شفعہ باطل ہوگا۔ اگر مجبوری کی وجہ سے گواہ نہ بنا سکا تو حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔

۲۔ شفیع نے طلب مواثبت تو کر لی کہ مجلس علم میں گواہ بنا لیے مگر طلب استشہاد کو ترک کر دیا کہ بائع یا مشتری یا زمین کسی ایک کے پاس گواہ قائم نہ کر سکا تو بھی حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔

۳۔ زید کو حق شفعہ تھا مگر مشتری سے کچھ رقم لے کر شفعہ نہ کرنے پر صلح کر لی تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا مگر زید مشتری کو صلح والی رقم واپس کرے گا۔ حق شفعہ کوئی مال نہیں کہ جس کے بدلے عوض لیا جائے وہ معنوی حق ہے جب وہ باطل ہو گیا تو عوض بھی واپس کیا جائے گا۔

۴۔ اگر شفیع نے عدالت میں شفعہ کا مقدمہ داخل کر رکھا تھا کہ اس دوران فوت ہو گیا تو اس کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا یہ حق شفعہ شفیع کے ورثا کو نہیں مل سکتا کیونکہ یہ معنوی حق ہے۔ ہاں اگر فیصلہ تو شفیع کے حق میں ہوا رقم حاضر کرنے سے پہلے فوت ہو گیا تب تو ورثا کی طرف حق شفعہ منتقل ہوگا کہ اب صرف قیمت ہی ادا کرنی ہے۔ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک مطلقاً ورثا کو حق شفعہ ملے گا اگر مشتری فوت ہو جاتا ہے تو شفیع مشتری کے ورثا کے ساتھ شفعہ کا مقدمہ جاری رکھ سکتا ہے کیونکہ بیع تو ہو چکی ہے اور حق شفعہ والا بھی موجود ہے۔

۵۔ جس زمین کی وجہ سے شفیع نے شفعہ کا مقدمہ دائر کر رکھا ہے اگر فیصلہ سے پہلے ذاتی زمین کو فروخت کر دیا تو شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا، لہٰذا اصول یہ ہے کہ "فیصلہ تک حق شفعہ کے سبب کا بحال رہنا ضروری ہے۔"

۶۔ ایک مکان میں تین شریک ہیں ان میں سے ایک نے دوسرے کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا وکیل بنا لیا اور وکیل بھی اس کا شفیع تھا اب وکیل کے لیے حق شفعہ نہ رہا بلکہ وکیل اور مؤکل کے علاوہ تیسرے حصہ دار کے لیے حق شفعہ رہے گا کیونکہ وکیل نے خریدنے کا اظہار نہیں کیا۔ لہٰذا اس نے لینے سے اعراض کیا اس لیے حق شفعہ سے محروم ہو گیا۔

۷۔ اگر کوئی شخص بائع کی طرف سے اس بات کا ضامن ٹھہرا کہ اگر اس میں کوئی اور حق دار نکل آیا تو میں ضامن ہوں، ضامن ہی شفیع بننے والا تھا تو اس کو حق شفعہ نہیں ملے گا کیونکہ خود ہی کہا کہ اس میں کسی اور کا حق نہیں لہٰذا یہ اعراض کی دلیل ہے۔

۸۔ اگر مشتری کے وکیل نے کوئی مکان خریدا تو وکیل کو حق شفعہ حاصل رہے گا اس لیے مشتری کے لیے خریدنے سے شفعہ سے

اعراض کا علم نہیں ہوتا بلکہ طلب مواثبت کا علم ہوتا ہے اس لیے وکیل کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ فَاِنْ اَسْقَطَ الْبَائِعُ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَاِنْ اشْتَرٰى بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَمَنِ ابْتَاعَ دَارًا شِرَاءً فَاسِدًا فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْفَسْخُ فَاِنْ اَسْقَطَ الْفَسْخَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ وَاِذَا اشْتَرٰى ذِمِّيٌّ دَارًا بِخَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ وَشَفِيْعُهَا ذِمِّيٌّ اَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيْمَةِ الْخِنْزِيْرِ وَاِنْ كَانَ شَفِيْعُهَا مُسْلِمًا اَخَذَهَا بِقِيْمَةِ الْخَمْرِ، وَالْخِنْزِيْرِ وَلَا شُفْعَةَ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ بِعِوَضٍ مَشْرُوْطٍ،

”اور جس نے خیار شرط کے ساتھ فروخت کیا تو شفیع کے لیے حق شفعہ نہیں البتہ اگر بائع خیار کو ختم کردے تو حق شفعہ ثابت ہو جائے گا اور اگر مشتری نے خیار شرط کے ساتھ خریدا تو حق شفعہ ثابت ہوگا اور جس نے مکان فاسد طریقے سے خریدا تو اس میں شفعہ نہیں اور بائع و مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو فسخ کرنے کی گنجائش ہے۔ پس اگر فسخ ہونا ساقط ہوگیا تو شفعہ ثابت ہوگیا اور اگر ذمی نے مکان شراب یا سور کے عوض خریدا اور اس کا شفیع ذمی ہے تو گھر کو شراب کی مثل کے عوض اور سور کی قیمت دے کر لے لے اور اگر اس کا شفیع مسلمان ہے تو شراب اور سور کی قیمت دے کر لے لے اور ہبہ میں حق شفعہ نہیں مگر یہ کہ وہ مشروط عوض کے ساتھ ہو۔“

خیار شرط والی بیع و شرا میں شفعہ:

قولہ: ومن باع الخ: اگر کسی شخص نے زمین فروخت کی ساتھ اپنے لیے تین دن کا خیار شرط بھی لیا کہ مجھے تین دن کا اختیار دیا جائے کہ فروخت کروں یا نہ کروں بیع تو ہوگئی لیکن بائع کے خیار شرط کی وجہ سے بیع مکمل نہ ہوئی نہ اس کی ملکیت سے مبیع نکلی اس لیے حق شفعہ ثابت نہ ہوگا ہاں اگر بائع خود خیار شرط ختم کردے تو حق شفعہ ثابت ہو جائے گا کہ خیار شرط کو باطل کرنے سے بیع تام ہوگئی۔ اگر خریدار خیار شرط کے ساتھ خریدتا ہے تو حق شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ بائع کے بیع مکمل کرنے کے بعد مبیع بائع کی ملکیت سے نکل چکی ہے اگر چہ مشتری کی ملکیت میں داخل نہ بھی ہوئی ہو تو بھی حق شفعہ ثابت ہوگا۔

فاسد خریداری میں شفعہ:

قولہ: ومن ابتاع دار الخ: اگر کسی نے مکان بیع فاسد کے ساتھ خریدا تو حق شفعہ ثابت نہ ہوگا اس لیے حتی الامکان بائع اور مشتری پر لازم ہے کہ ایسی بیع کو ختم کردیں۔ بیع فاسد کی صورت میں مبیع بائع کی ملکیت سے نہیں نکلتی۔ اگر چہ مشتری بھی قبضہ کیوں نہ کرلے۔ اس لیے شفعہ ثابت نہ ہوگا ہاں اگر مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد توڑنے کا امکان نہ رہے مثلاً کسی اور کو آگے مشتری نے فروخت کردیا تو اب بیع مکمل ہوگئی اب شفعہ ثابت ہوگا کیونکہ اب مبیع مکمل طور پر بائع کی ملکیت سے نکل چکی ہے۔

شراب یا سور کے عوض دار مبیعہ میں شفعہ:

قولہ: واذا اشتری الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی ذمی نے کسی ذمی کو شراب یا سور کے عوض مکان فروخت کیا تو یہ بیع ان کے حق میں درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک شراب مشروب کی مانند ہے اور سور بکری کی مانند ہے۔ شراب مثلی صوری ہے اور

سور مثل معنوی (قیمتی) ہے۔ لہٰذا اگر شفیع ذمی ہو تو شراب کی صورت میں شراب دے کر اگر سور کے عوض میں ہو تو اس کی قیمت دے کر شفعہ میں مکان لے سکتا ہے اگر شفیع مسلمان ہو تو ان کی قیمت دے کر مکان لے سکتا ہے کیونکہ مسلمان نہ شراب دے سکتا ہے اور نہ ہی سور کیونکہ مسلمان کے حق میں یہ مال غیر متقوم ہیں۔

ہبہ شدہ مکان میں شفعہ:

قولہ: ولا شفعة الخ: ہبہ میں دی جانے والی زمین یا مکان یا دوکان میں شفعہ جائز نہیں کیونکہ ہبہ مفت دینے کا نام ہے کہ اس میں بیع (مبادلة المال بالمال) کی صورت نہیں پائی جا رہی جو کہ شفعہ کے ثبوت کے لیے شرط ہے اس لیے ایسی موہوب لہ چیز میں شفعہ ثابت نہ ہوگا لیکن اگر ہبہ کرنے والے نے ہبہ کرتے ہوئے یہ شرط لگائی کہ اتنی رقم دو تو تب ہبہ کروں گا تو اس صورت میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔ کیونکہ مبادلة المال بالمال کی صورت پائی گئی اگرچہ ظاہری طور پر ہبہ ہے مگر حقیقۃً بیع ہے۔

وَإِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيعُ وَالْمُشْتَرِيُ فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيُ فَإِنْ اَقَامَا بَيِّنَةً فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الشَّفِيعِ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ اَلْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِيُ وَإِذَا ادَّعَى الْمُشْتَرِيُ ثَمَنًا اَكْثَرَ وَادَّعَى الْبَائِعُ اَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِيعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَكَانَ ذَالِكَ حَطًّا عَنِ الْمُشْتَرِيُ وَإِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِيُ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلٰى قَوْلِ الْبَائِعِ وَإِذَا حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِيُ بَعْضَ الثَّمَنِ يَسْقُطُ ذٰلِكَ عَنِ الشَّفِيعِ وَإِنْ حَطَّ عَنْهُ جَمِيعَ الثَّمَنِ لَمْ يَسْقُطْ عَنِ الشَّفِيعِ وَإِذَا زَادَ الْمُشْتَرِيُ الْبَائِعَ فِي الثَّمَنِ لَمْ تَلْزَمِ الزِّيَادَةُ الشَّفِيعَ

"اور جب شفیع اور خریدار کا ثمن میں اختلاف ہو جائے تو خریدار کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں نے گواہ قائم کر دیے تو طرفین کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خریدار کے گواہ معتبر ہوں گے اور جب خریدار نے زیادہ ثمن کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے کم کا دعویٰ کیا اور اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو اس کو شفیع اس قیمت کے ساتھ لے لے اس قیمت میں جو بائع نے کہی اور خریدار کے ذمہ سے قیمت کم کرنے کے حکم میں ہوگی اور اگر بائع ثمن پر قبضہ کر چکا ہے تو شفیع اس کو اسی قیمت کے عوض لے لے جو خریدار نے کہی اور بائع کی بات کی طرف توجہ نہ دے اور جب بائع خریدار سے کچھ رقم کم کر دے تو شفیع سے بھی ساقط ہو جائے گی اور اگر بائع خریدار سے کل رقم ساقط کر دے تو شفیع سے ساقط نہ ہوگی اور جب خریدار نے بائع کی رقم میں زیادتی کر دی تو شفیع کو زیادتی لازم ہوگی۔"

شفیع اور خریدار میں ثمن کا اختلاف:

قولہ: واذا اختلف الخ: اگر شفیع اور خریدار کے درمیان زمین کی قیمت میں اختلاف ہو جائے۔ مثلاً شفیع کہتا ہے کہ تو نے یہ زمین 50000 ہزار میں خریدی ہے جب کہ خریدار کہتا ہے 80000 ہزار میں خریدی ہے اگر شفیع اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ ہوگا اگر شفیع گواہ پیش نہ کر سکے تو خریدار کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا لیکن اگر شفیع اور خریدار اپنے اپنے دعوے پر گواہ پیش کر دیں تو آئمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ کہ طرفین کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے جب کہ امام

ابو یوسف کے نزدیک خریدار کے گواہ معتبر ہوں گے۔

اختلاف کی بنیاد:

اس مسئلے میں اصل بات یہ ہے کہ مدعی کون ہے؟ اور منکر کون ہے؟ جس امام کے یہاں جو مدعی ٹھہرا اس کی گواہی معتبر ہوئی جو منکر ٹھہرا اس کی بات قسم سے معتبر ہوگی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں مدعی شفیع ہے اس لیے اس کی بات گواہوں کے ساتھ مانی جائے گی کیونکہ مدعی کی تعریف شفیع پر صادق آتی ہے۔ "مدعی وہ ہے کہ جب دعویٰ ترک کردے تو خصومت پر مجبور نہ کیا جاسکے اور مدعی علیہ وہ ہے کہ جس کو خصومت پر مجبور کیا جائے اور نیز چونکہ شفیع بیّنہ ملزمہ کا حامل ہے جب کہ خریدار کی بینہ غیر ملزمہ ہے۔ لہٰذا شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے۔ (اللباب، ھدایہ ودیگر معون علی قول الطرفین) جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دونوں کے گواہ غیر معتبر ہوں گے مشتری کی بات مانی جائے گی اور امام مالک کے نزدیک جس کے گواہ عادل ہوں اس کی بات مانی جائے گی۔

بائع اور مشتری کا ثمن میں اختلاف:

قولہ: واذا ادعی الخ: اگر بائع اور مشتری کے مابین ثمن کی مقدار میں اختلاف ہوجائے کہ بائع کم قیمت کا دعوے دار ہے جب کہ مشتری زیادہ قیمت کا دعوے دار ہے۔ تو دیکھیں گے کہ بائع نے ثمن پر قبضہ کیا ہے یا نہیں اگر ثمن پر قبضہ نہیں کیا ہے تو شفیع کے لیے بائع کا قول معیار ہوگا کہ جو قیمت بائع نے بتائی ہے وہ دے کر شفیع زمین لے لے یہی سمجھا جائے گا کہ بائع نے شفیع کے حق میں ثمن میں کمی کردی اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہے تو شفیع کے لیے مشتری کا قول معیار ہوگا کہ جتنا ثمن مشتری نے بتایا ہے اتنا دے کر زمین لے سکتا ہے شفیع بائع کے قول کی طرف توجہ نہ دے کیونکہ بائع قیمت پر قبضہ کرنے کے بعد اجنبی ہوگیا۔ اور اجنبی کی بات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ لہٰذا اب معاملہ مشتری اور شفیع کا ہے اس صورت میں شفیع مدعی ہے اور مشتری منکر ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

ثمن میں کمی وزیادتی:

قولہ: واذ حط الخ: اگر زمین فروخت کرنے کے بعد طے شدہ قیمت سے کچھ رقم بائع نے مشتری کو چھوڑ دی اب شفیع نے اس پر شفعہ کردیا تو چھوڑی گئی رقم شفیع کے حق میں بھی معاف ہوگی باقی رقم دے کر زمین وصول کرسکتا ہے۔ جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔ لیکن اگر بائع نے تمام رقم ہی مشتری کو معاف کردی اس کے بعد شفعہ کیا گیا تو شفیع کو پہلی طے شدہ رقم دے کر زمین کو وصول کرنا ہوگا کیونکہ کچھ معاف کرنا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتا ہے جب کہ کل معاف کرنا اصل عقد کے نہیں ہوتا بلکہ یہ معاف کرنا الگ سے ہے اگر مشتری بائع کو طے شدہ قیمت سے زیادہ دے تو شفیع کو زیادہ قیمت لازم نہ ہو

گی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مشتری زیادہ رقم دے کر شفیع کو نقصان دینا چاہتا ہو اس لیے شریعت اس کے نقصان کی تلافی کرے گی کہ زیادتی شفیع کو لازم نہ ہوگی کہ فقہی قاعدہ ہے "لاضرر ولا ضرار"

وَاِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَيْنَهُمْ عَلٰى عَدَدِ رُءُوسِهِمْ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاكِ وَمَنِ اشْتَرٰى دَارًا بِعَرَضٍ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِقِيْمَتِهٖ وَاِنِ اشْتَرَاهَا بِمَكِيْلٍ، اَوْ مَوْزُوْنٍ اَخَذَهَا بِمِثْلِهٖ وَاِنْ بَاعَ عَقَارًا بِعَقَارٍ اَخَذَ الشَّفِيْعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِقِيْمَةِ الْاٰخَرِ وَاِذَا بَلَغَ الشَّفِيْعَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ شُفْعَتَهُ، ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْ بِشَعِيْرٍ قِيْمَتُهُ اَلْفٌ اَوْ اَكْثَرُ فَتَسْلِيْمُهُ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ وَاِنْ بَاعَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِدَنَانِيْرَ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اِنَّ الْمُشْتَرِيَ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهُ غَيْرُهُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ

"اور جب کئی شفیع جمع ہوجائیں تو ان میں شفعہ ان کی تعداد کے مطابق ہوگا ملکیتوں کے اختلاف کا اعتبار نہ ہوگا اور جس نے مکان کسی سامان کے عوض خریدا تو شفیع اس کو سامان کی قیمت کے بدلے میں خریدے گا اور اگر اس کو کیلی وموزونی چیز کے عوض خریدا تو شفیع اسی کے مثل کے عوض لے گا اگر زمین کو زمین کے عوض فروخت کیا تو شفیع ان میں سے ہر ایک کو دوسری کی قیمت کے بدلے لے گا اور جب شفیع کو یہ خبر پہنچی کہ مکان ایک ہزار کے عوض فروخت ہوا ہے اس لیے اس نے شفعہ ترک کردیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اس سے کم میں فروخت ہوا ہے یا گندم یا جو کے بدلے میں جن کی قیمت ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہے تو اس کو چھوڑنا باطل ہوجائے گا اور اسے حق شفعہ ہوگا اور اگر معلوم ہوا کہ اتنے دینار کے عوض فروخت ہوا ہے کہ جن کی قیمت ایک ہزار ہے تو اس کے لیے شفعہ نہ ہوگا اور جب کہا گیا کہ خریدار فلاں ہے تو شفعہ ترک کردیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غیر ہے تو اسے شفعہ کا حق ہوگا۔"

کئی شفعا کا اجتماع:

قولہ: واذا اجتمع الخ: اگر ایک زمین فروخت ہوئی اس کے چاروں طرف چار پڑوسی ہیں اور چاروں حصے دار ہیں لیکن کسی کا حصہ کم ہے کسی کا زیادہ تو چاروں کو حق شفعہ برابر ملے گا حصے کی کمی زیادتی سے حق شفعہ میں فرق نہیں آئے گا کیونکہ حق شفعہ اتصال یا شرکت کی وجہ سے ملتا ہے اس میں سبھی برابر ہیں جب کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک حصے کی کمی اور زیادتی کے مطابق مشفوعہ زمین ملے گی۔

کرنسی کے علاوہ کے بدلہ میں شفعہ:

قولہ: من اشتری دارا الخ: اگر موجودہ کرنسی کے علاوہ کسی اور چیز کے عوض گھر فروخت ہوا مثلاً اگر وہ چیز مثلی تھی تو شفیع اس کی مثل دے کر شفعہ میں گھر لے گا۔ مثلاً کیلی اور وزنی چیز مثلی ہے۔ اگر وہ چیز ذوات القیم سے ہے تو اس کی قیمت دے کر گھر لے گا مثلاً ساز وسامان یہ ذوات القیم سے ہے۔

اسی طرح اگر زمین کو زمین کے عوض فروخت کیا گیا تو اگر شفیع نے دونوں پر حق شفعہ قائم کر رکھا ہے تو ہر ایک زمین کو دوسری زمین کی قیمت ادا کر کے وصول کر سکتا ہے کیونکہ زمینوں کا ادلہ بدلہ ہے اگر صرف ایک زمین کا شفیع ہے تو دوسری زمین کی قیمت ادا کر کے اس کو لے سکتا ہے۔

غلط فہمی کی بنا پر ترک شفعہ:

قوله: واذا بلغ الخ: امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ یہاں سے یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر شفعہ کے حق دار کو قیمت کی مقدار یا خریدار کے متعلق غلط خبر ملی کہ جس پر اس نے شفعہ ترک کر دیا پھر درست خبر ملی اب شفعہ کے متعلق کیا حکم ہوگا تو امام قدوری نے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ اگر شفیع کو خبر ملی کہ فلاں مکان پانچ لاکھ کا فروخت ہوا تو اس نے حق شفعہ کو چھوڑ دیا کہ قیمت زیادہ ہے پھر خبر ملی کہ پانچ لاکھ نہیں بلکہ چار لاکھ کا ہے تو اب اس کو حق شفعہ ملے گا۔ پہلا چھوڑنا باطل ہوگا کیونکہ اعراض تو زیادہ قیمت کی وجہ سے تھا جب کم قیمت کا علم ہوا تو دعویٰ کیا۔

۲۔ پہلے شفیع کو خبر ملی کہ مکان نقدی کرنسی کے عوض فروخت ہوا تو شفعہ ترک کر دیا پھر معلوم ہوا کہ کرنسی کے بدلے نہیں بلکہ سامان یا گندم یا جو کے بدلے فروخت ہوا ہے تو حق شفعہ ملے گا کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کسی دیہاتی کے لیے کرنسی فراہم کرنی مشکل ہوتی ہے لیکن گندم وغیرہ ادا کرنی آسان ہوتی ہے کہ اس کی کاشتکاری کرتے ہیں لہٰذا پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے اس لیے دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

۳۔ اگر شفیع کو خبر ملی کہ فلاں مکان فلاں کرنسی کے عوض فروخت ہوا ہے تو اس نے شفعہ ترک کر دیا پھر معلوم ہوا وہ کرنسی نہیں دوسری کرنسی کے عوض فروخت ہوا ہے جو اس کے برابر ہے تو حق شفعہ نہیں ملے گا کیونکہ کرنسی ثمنیت میں برابر ہے جب پہلے انکار کر چکا ہے اب کیسے دعویٰ کر سکتا ہے۔

۴۔ جب شفیع کو علم ہوا کہ فلاں مشتری ہے اس نے شفعہ ترک کر دیا پھر معلوم ہوا کہ وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے اب شفعہ کا حق ملے گا کیونکہ حق شفعہ پڑوسی کو ضرر سے بچانے کے لیے ہے کہ جس کے حق میں اعراض کیا تھا وہ شریف اور نیک آدمی تھا لیکن بعد میں معلوم ہوا وہ تو نہیں بلکہ خریدنے والا تو خطرناک آدمی ہے اس لیے پہلا انکار اعراض کی دلیل نہیں۔

لہٰذا چاروں صورتوں کے متعلق اصول یہ ہوا کہ "ہر وہ حرکت جو اعراض پر دلالت کرے اس سے حق شفعہ باطل ہوگا اور جو حرکت اعراض پر دلالت نہ کرے اس سے حق شفعہ باطل نہ ہوگا۔"

وَمَنِ اشْتَرٰى دَارًا لِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْخَصْمُ فِي الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُّسَلِّمَهَا اِلَى الْمُوَكِّلِ وَاِذَا بَاعَ دَارًا اِلَّا مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِيْ طُولِ الْحَدِّ الَّذِيْ يَلِي الشَّفِيْعَ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ وَاِنْ بَاعَ سَهْمًا مِنْهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِيَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِي السَّهْمِ الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِيْ وَاِذَا ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ اِلَيْهِ ثَوْبًا عِوَضًا عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ وَلَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ فِيْ اِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ

عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَیُکْرَهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ

''اور جس شخص نے کوئی مکان دوسرے کے لیے خریدا تو خریدار شفعہ میں مدعی علیہ ہوگا مگر یہ کہ خریدار مکان کو موکل کے حوالے کردے اور اگر کسی نے مکان فروخت کیا مگر ایک گز کی مقدار اس حد کی لمبائی میں جو شفیع کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو اس کے لیے حق شفعہ نہ ہوگا اور اگر اس مکان کا ایک حصہ ثمن کے عوض فروخت کیا پھر اس کے باقی حصہ کو بھی کسی نے خرید لیا تو شفعہ پڑوسی کے لیے پہلے حصے میں ہوگا نہ کہ دوسرے میں اور جب کسی نے مکان ثمن کے عوض خریدا پھر اسے عوض میں کپڑا دے دیا تو شفعہ قیمت کے عوض ہوگا نہ کہ کپڑے کے عوض اور شفعہ کو ساقط کرنے میں حیلہ کرنا مکروہ نہیں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے۔''

وکیل بالشرا کے ساتھ خصومت:

قوله: ومن اشترى دارا الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے زمین خریدنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تو وکیل نے زمین خریدی اور ابھی تک موکل کے حوالے نہ کی تھی کہ شفیع نے شفعہ کردیا تو وکیل مدعی علیہ بنے گا شفیع اس پر مقدمہ دائر کرے گا کیونکہ دعویٰ وغیرہ کے حقوق خریدار کی طرف لوٹتے ہیں ہاں اگر زمین موکل کے حوالے کردی تھی کہ اس کے بعد شفعہ کیا گیا تو اب مدعی علیہ موکل ہوگا نہ کہ وکیل، خصومت سے مراد مد مقابل اور مدعی علیہ ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک موکل ابتدا سے ہی مدعی علیہ ہوگا۔

شفعہ ساقط کرنے کے چند حیلے:

قوله: واذا باع الخ: کیا شفعہ کو ساقط کرنے کے لیے حیلہ وتدبیر جائز ہے یا نہیں؟ اس بات پر تو بھی آئمہ کرام کا اتفاق ہے کہ شفیع کے لیے حق شفعہ ثابت ہونے کے بعد شفعہ کو ساقط کرنے کا حیلہ کرنا ناجائز ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ شفیع کو حق شفعہ حاصل ہونے سے قبل ساقط کرنے کا حیلہ جائز ہے یا ناجائز اس میں صاحبین کے درمیان اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع سے قبل اسقاط شفعہ کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے کہ جب امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق کوئی روایت نہیں امام محمد کی نگاہ شفیع کے ضرر کی طرف گئی کہ شفیع کو نقصان دینے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ مشتری نے دفع مضرت کے لیے حیلہ کیا ہے کہ اس کو مکان کی ضرورت ہے تاکہ شفعہ کے ذریعے دوسرا نہ لے سکے لیکن شفیع کا نقصان ضمناً ہے کہ مشتری نے اصالۃً نقصان دینے کے لیے مکان نہیں خریدا عموماً اہل فتاویٰ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (در مختار، درر الاحکام، شرح مجلۃ الاحکام، جوھرہ نیرہ)

صاحبین والے اختلاف پر امام قدوری نے تین حیلے بیان کیے ہیں جو امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہیں۔

۱۔ اگر مشتری نے مکان خریدا اور جس طرف شفیع کی ملک ہے اس طرف سے ایک گز لمبائی میں نہ خریدے اب شفیع کو مکان میں شفعہ کا حق نہ ملے گا۔

۲۔مشتری نے مکان کا وہ حصہ خریدا جو شفیع کی ملک کے ساتھ ملا ہوا ہے مثلاً مکان دس لاکھ کا ہے۔مشتری نے لاکھ کا حصہ خرید لیا اس میں شفعہ تو کرسکتا ہے مگر باقی حصے مشتری کے خریدنے پر پڑوسی کو حق شفعہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ اب مشتری شریک بن چکا ہے۔شریک کے ہوتے ہوئے پڑوسی محروم رہتا ہے۔

۳۔کسی نے مکان کرنسی کے عوض خریدا مگر بعد میں کپڑے دے دیئے تو جو کرنسی طے ہوئی ہے وہ دے کر شفیع لے سکتا ہے نہ کہ کپڑے دے کر لے سکتا ہے۔مثلاً زمین کا ثمن دس لاکھ طے ہوا جو دو، گنا زیادہ تھا مگر اس کے عوض مشتری نے کپڑے دے دیئے تو شفیع سے جان چھوٹ جائے گی۔

وَاِذَا بَنَى الْمُشْتَرِيْ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قَضٰى لِلشَّفِيْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعًا وَاِنْ شَاءَ كُلِّفَ الْمُشْتَرِيْ قَلْعَهُ وَاِذَا اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ فَبَنٰى فِيْهَا اَوْ غَرَسَ ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ وَلَا يَرْجِعُ بِقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ وَاِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ اَوِ احْتَرَقَ بِنَاؤُهَا اَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ فِعْلِ اَحَدٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ

"اور جب خریدار نے مکان بنالیا باغ لگالیا پھر شفیع کے لیے شفعہ کا فیصلہ ہوگیا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو ثمن اور عمارت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو خریدار کو ان کے اکھاڑنے پر مجبور کرے اور اگر زمین شفیع نے لے لی پھر اس میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا پھر زمین کا مستحق نکل آیا تو ادا کردہ ثمن واپس لے لے اور عمارت اور درختوں کی قیمت واپس نہیں لے گا اور جب مکان گر گیا یا اس کی چھت جل گئی یا باغ کے درخت خشک ہوگئے بغیر عمل دخل کے تو شفیع کو اختیار ہے تو تمام ثمن دے کر لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔"

حل لغات: مقلوعین تثنیہ ہے مقلوع کی بمعنی اکھاڑا ہوا، انھدمت انھدام سے بمعنی گر جانا، البستان باغ۔

عمارت اور درخت لگانے کے بعد شفعہ:

قولہ: واذا بنی الخ: اگر مشتری نے زمین خرید کر اس میں عمارت بنالی یا درخت لگالیے پھر شفیع نے شفعہ کا مقدمہ کر دیا اور فیصلہ شفیع کے حق میں ہوگیا تو اب شفیع کو دو اختیار ہیں چاہے تو خریدار کو زمین کا ثمن اور عمارت اور درختوں کے ملبے کی قیمت ادا کر کے زمین بذریعہ شفعہ لے لے یا چاہے تو زمین لے لے اور عمارت اور درختوں کو اکھیڑنے پر خریدار کو مجبور کرے کیونکہ حقیقت میں زمین کا حق دار تو شفیع تھا اس کی اجازت کے بغیر کام کیا ہے اس لیے شفیع کو اختیار دیے گئے جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکھاڑنے پر مجبور کرنا درست نہیں بلکہ مکان یا درختوں کی موجودہ قیمت شفیع ادا کرے گا چونکہ شفیع کا حق تو خریدنے کے بعد ظاہر ہوا ہے۔

شفعہ سے حاصل کردہ زمین پر تصحیح کے بعد حق دار کا ظاہر ہونا:

قولہ: وان اخذ ھا الخ: اگر شفیع نے شفعہ کے ذریعے زمین لی اور اس پر عمارت بنا دی یا درخت لگا دیے پھر کوئی اس کا

حق دار ظاہر ہوا کہ اس نے عدالت کے ذریعے بائع اور شفیع سے زمین واپس لے لی اب شفیع بائع سے صرف زمین کی قیمت واپس لے سکتا ہے باقی عمارت اور درختوں کی قیمت کی وصولی کے لیے بائع کی طرف رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ شفیع نے اپنی مرضی سے دھوکہ کھایا ہے اس لیے اس دھوکے کا تاوان غیر سے نہیں لے سکتا۔

گزشتہ دونوں مسئلوں میں وجہ فرق:

پہلے مسئلہ میں بائع نے مشتری کو دھوکہ دیا کہ جس کی وجہ سے عمارت اور درختوں کی قیمت وصول کر سکتا ہے۔ جب کہ دوسرے مسئلہ میں شفیع نے مشتری کو مجبور کیا ہے کہ مجھے زمین دو اس میں مشتری نے دھوکہ نہیں دیا اس لیے عمارت اور درختوں کی قیمت وصول نہیں کر سکتا۔

آفت سے تباہی کے بعد شفعہ:

قوله: واذا انهدمت الخ: اگر مشتری نے زمین یا مکان وغیرہ خریدا پھر کسی آفت سے تباہی ہوگئی کہ سیلاب کی وجہ سے زمین خراب ہوگئی یا مکان گر گیا یا جل گیا یا درخت خشک ہوگئے'' تو جس صورت میں مشتری کا عمل دخل نہ ہو تو شفیع کو دو اختیار ہیں۔

۱۔ مشتری نے بائع کو جتنی رقم دے کر مکان یا زمین لی ہے اتنی ہی رقم دے کر مشتری سے وصول کرے۔

۲۔ شفعہ ہی چھوڑ دے۔

وَاِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِىْ الْبِنَاءَ قِيْلَ لِلشَّفِيْعِ اِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا وَاِنْ شِئْتَ فَدَعْ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ النِّقْضَ وَمَنِ ابْتَاعَ اَرْضًا وَّفِيْ نَخْلِهَا ثَمَرٌ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِثَمَرِهَا فَاِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِىْ سَقَطَ عَنِ الشَّفِيْعِ حِصَّتُهٗ وَاِذَا قَضَى الْقَاضِىْ لِلشَّفِيْعِ بِالدَّارِ وَلَمْ يَكُنْ رَآهَا فَلَهٗ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ وَاِنْ وَجَدَ بِهَا عَيْبًا فَلَهٗ اَنْ يَّرُدَّهَا بِهٖ وَاِنْ كَانَ الْمُشْتَرِىْ شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ

''اور اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع کو کہا جائے گا کہ اگر تو چاہے تو زمین کو اس کے حصے کی قیمت کے ساتھ لے لے اور اگر چاہے تو ترک کر دو اور شفیع کے لیے لازم نہیں کہ وہ ملبہ لے اور جس شخص نے زمین خریدی اور اس کے درختوں پر پھل ہے تو شفیع زمین کو پھلوں سمیت لے لے اور اگر مشتری نے پھل اتار لیے تو شفیع سے ان کی مقدار کے مطابق قیمت کم ہوگی اور جب شفیع کے لیے مکان کا فیصلہ ہو گیا اور شفیع نے اسے دیکھا نہ تھا تو اسے خیار رویت حاصل ہے تو اگر اس نے اس میں کوئی عیب پایا تو شفیع کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے واپس کر دے اگرچہ مشتری نے بری ہونے کی شرط لگائی ہو۔''

حل لغات: نقض نقص سے ہے بمعنی توڑنا، العرصه بمعنی زمین، دع امر ہے مثال واوی وادع سے بمعنی چھوڑنا، جد توڑنے کے معنی میں ہے۔

مشتری کا خود توڑنے کے بعد شفعہ کا حکم:

قوله: وان نقض الخ: اگر مشتری نے زمین مع مکان خریدی کہ جس کی مالیت دس لاکھ تھی پھر مکان کو توڑ دیا اب شفیع کے

لیے دو اختیار ہیں یا تو دس لاکھ میں سے جتنی قیمت زمین کی بنتی ہے مکان کے علاوہ وہ دے کر زمین لے لے یا شفعہ ہی ترک کر دے۔ مکان کے ملبے کی قیمت شفیع کو لازم نہ ہوگی۔ اس لیے کہ مشتری کے مکان توڑنے کی وجہ سے تابع سے نکل کر اصل بن گیا ہے اب مکان توڑنے کی وجہ سے جتنی قیمت کم ہوئی وہ کم ہوگی اور ملبہ زمین کے تابع نہ ہونے کی وجہ سے حق شفعہ سے خارج ہے البتہ اگر شفیع الگ سے قیمت دے کر ملبہ لے تو لے سکتا ہے مگر اس کا شفعہ سے کچھ تعلق نہیں۔

مشفوعہ زمین کے پھل:

قولہ: ومن ابتاع الخ: متن میں ''ارض'' سے مراد وہ زمین ہے کہ جس میں باغ ہو اور اس پر پھل بھی ہوں تو اس زمین میں شفعہ کیا گیا تو قیمت زمین، درختوں اور پھلوں سبھی کی لگائی جائے گی اگر مشتری نے پھل اتار لیے تو جتنی قیمت ان کی بنتی تھی اتنی قیمت شفیع سے کم لی جائے گی اگر چہ درخت کی بیع میں پھل شامل نہیں ہوتا مگر مشتری نے بائع سے پھل بھی خریدا ہے اس لیے پھل زمین کے تابع ہوں گے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ''جو زمین سے متصل ہو اور تابع ہو تو وہ زمین کے شفعہ میں داخل ہوگا۔''

شفیع کے لیے خیار رویت:

قولہ: واذا قضی الخ: شفعہ بھی بیع جدید ہے لہٰذا جس طرح پہلی بیع میں مشتری کو خیار رویت اور خیار عیب حاصل ہوتا ہے اسی طرح شفعہ میں بھی شفیع کے لیے خیار رویت اور خیار عیب حاصل ہوگا۔ مثلاً شفیع نے بن دیکھے مکان پر شفعہ کر دیا۔ اگر چہ مشتری برأت کی شرط لگائے تب بھی شفیع کو خیار رویت اور خیار عیب حاصل رہے گا کیونکہ یہ مشتری اور شفیع کے حق میں بیع جدید ہے۔ لہٰذا اگر پسند نہ آئے یا کوئی خرابی نکل آئے تو مشتری کو واپس کر سکتا ہے۔

وَإِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَالشَّفِيعُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ وَإِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتّٰى يَنْقَضِيَ الْأَجَلُ ثُمَّ يَأْخُذُهَا وَإِذَا قَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ وَإِذَا اشْتَرٰى دَارًا فَسَلَّمَ الشَّفِيعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِيْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ أَوْ شَرْطٍ أَوْ عَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ وَإِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ أَوْ تَقَايَلَا فَلِلشَّفِيعِ الشُّفْعَةُ

''اگر مشتری نے ادھار ثمن کے ساتھ خریدا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو نقد ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک کہ مدت ختم ہو جائے پھر اسے لے لے اور جب شرکاء نے زمین کو تقسیم کر لیا تو ان کے پڑوسی کو حق شفعہ نہ ہوگا اور جب کسی نے کوئی گھر خریدا تو شفیع نے شفعہ ترک کر دیا پھر مشتری نے اسے خیار رویت یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے ساتھ مالک کو واپس کر دیا تو شفیع کے لیے شفعہ کا حق نہیں اور اگر اسے قاضی کے فیصلے کے بغیر واپس کیا یا اقالہ کیا تو شفیع کے لیے حق شفعہ ہوگا۔''

ادھار قیمت مکان پر شفعہ:

قولہ: واذا ابتاع الخ: اگر مشتری نے ایک مکان خریدا جس کی قیمت دس لاکھ ہے مگر یہ رقم سال بعد ادا کرنی ہے بائع نے

مشتری پر اعتماد کی وجہ سے ادھار پر مکان دے دیا اب شفیع نے شفعہ کر دیا تو شفیع کے لیے دو آپشن ہیں یا تو دستی دس لاکھ دے کر مشتری سے مکان لے لے یا ادھار کی مدت ختم ہو جائے اس وقت قیمت دے کر لے لے ہاں اگر مشتری خود اپنی مرضی سے شفیع کو بھی ادھار پر دے تو دے سکتا ہے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا ہے کہ ''ادھار لینے کا معاملہ بائع اور مشتری کے اعتماد اور مرضی پر ہے لیکن بیع میں اصل نقد قیمت ہے۔''

زمین کی تقسیم میں شفعہ کا حکم:

قوله: واذا قتسم الخ: اگر زمین میں چند لوگ شریک ہیں وہ زمین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو تقسیم زمین پر پڑوسی شفعہ نہیں کر سکتا کیونکہ شفعہ کا حق تو مبادلة المال بالمال سے ثابت ہوتا ہے جب تقسیم زمین میں بیع والی صورت نہیں۔

مبیع کو لوٹانے کی صورت میں شفعہ کا حکم:

قوله: واذا اشتری الخ: مشتری نے جب مکان خریدا تو اس وقت شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا لیکن بعد میں مشتری نے خیار رؤیت یا خیار عیب کی وجہ سے مکان بائع کو قاضی کے فیصلے سے واپس کر دیا تو شفیع کو حق شفعہ نہیں ملے گا کہ جب قاضی نے واپسی کا فیصلہ کیا تو پہلے بیع منسوخ ہوگی اور نئی بیع نہیں کہ دوبارہ شفیع کو حق شفعہ مل سکے۔ لیکن اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر بائع کو مکان واپس کیا تو یہ اقالہ کی صورت ہے کہ باہمی رضامندی سے مبیع کو واپس کرنا اگرچہ بائع اور مشتری کے حق میں بیع کو توڑنا ہے لیکن تیسرا آدمی دیکھ رہا ہے کہ مبیع بائع کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جو مبادلة المال بالمال بھی ہے۔ لہٰذا شفیع کے حق میں بیع جدید ہے اس لیے شفیع کو دوبارہ حق شفعہ حاصل ہوگا۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ''جہاں بیع جدید کی صورت ہوگی وہاں حق شفعہ ملے گا اور جہاں فسخ بیع کی صورت ہو وہاں حق شفعہ نہیں ملے گا۔'' جب کہ امام زفر، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع جدید کی صورت میں بھی حق شفعہ نہیں ملے گا۔

کتاب الشرکۃ

سیاق وسباق:

شفعہ کے بعد شرکت کا باب اس لیے لائے کہ بعض مسائل شرکت کے شفعہ میں بھی گزرے ہیں اس لیے شفعہ کے متصل مستقل شرکت کی بحث لائے۔

شرکت کا لغوی معنی:

لغت میں شرکت معنی سانجا، شریک ہونا، حصہ داری اسی سے شریک بھی ہے۔

اصطلاحی معنی:

"هُوَ عَقْدٌ بَيْنَ الْمُتَشَارِكَيْنِ فِي الْأَصْلِ وَالرِّبْحِ" (درمختار)

"دو حصہ داروں کا اصل اور نفع میں باہم شریک ہونا عقد شرکت کہلاتا ہے۔"

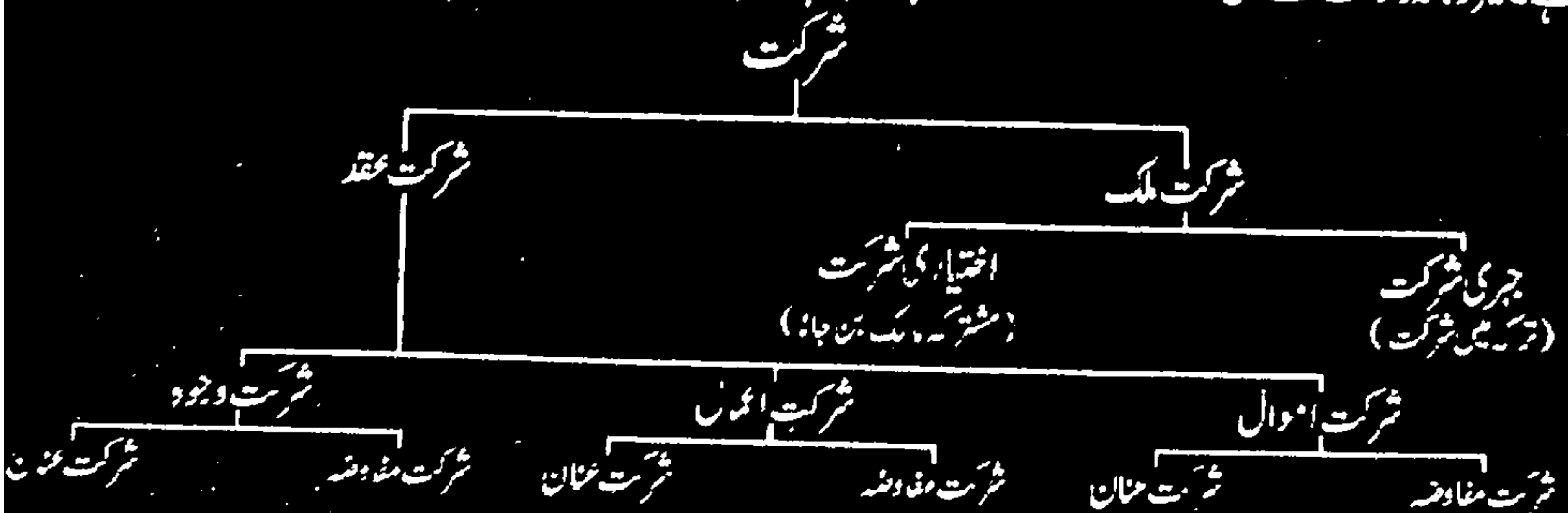
شرکت، مضاربت اور بضاعت میں فرق:

اگر اصل (مال) اور نفع دونوں میں شرکت ہو تو عقد شرکت، اگر صرف نفع میں شرکت ہو تو عقد مضاربت اور اگر صرف مال میں شرکت ہو تو عقد بضاعت کہا جاتا ہے۔

شرکت کا ثبوت:

وراثت میں شرکت کے متعلق ارشاد ربانی ہے۔ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ. (النساء:۱۲)

یعنی اگر ایک سے زائد بھائی ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے۔ اس آیت سے شرکت کا جواز معلوم ہوا نیز احادیث سے بھی شرکت کا جواز ملتا ہے کہ امام ابوداؤد نے "باب فی الشرکۃ" کے نام سے پورا باب باندھا ہے۔ اسی طرح دیگر محدثین نے بھی شرکت کا باب باندھا ہے۔ نیز زمانہ رسالت سے آج تک امت مسلمہ کا تعامل چلا آ رہا ہے کہ شرکت سے کاروبار کیا جاتا ہے یہ بھی شرعی دلیل ہے۔



اَلشِّرْكَةُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ شِرْكَةُ اَمْلَاكٍ وَّشِرْكَةُ عُقُوْدٍ فَشِرْكَةُ الْاَمْلَاكِ الْعَيْنُ يَرِثُهَا الرَّجُلَانِ اَوْ يَشْتَرِيَانِهَا وَلَا يَجُوْزُ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِ صَاحِبِهٖ كَالْاَجْنَبِيِّ وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ شِرْكَةُ الْعُقُوْدِ وَهِيَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ مُفَاوَضَةٍ وَّعِنَانٍ وَّشِرْكَةُ الصَّنَائِعِ وَشِرْكَةُ الْوُجُوْهِ

''شرکت کی دو قسمیں ہیں شرکت املاک اور شرکت عقود شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز میں دو آدمی شریک ہوں یا دونوں مل کر خریدیں پس ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی کی طرح ہے اور دوسری قسم شرکت عقود ہے اور وہ چار قسم پر ہے۔ مفاوضہ، عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ''۔

شرکت کی اقسام:

قولہ: الشركة على الخ: شرکت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱۔ شرکت املاک۔ ۲۔ شرکت عقود۔

شرکت املاک کی تعریف مع اقسام:

قولہ: فشركة الاملاك الخ: شرکت املاک یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد عقد کے بغیر مشترک طور پر کسی چیز کے مالک بن جائیں۔ پھر شرکت املاک کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ جبری شرکت۔ ۲۔ اختیاری شرکت

جبری شرکت یہ ہے کہ بغیر اختیار کے مشترکہ چیز میں ان کی ملکیت آ جائے جیسے والد فوت ہوا تو بیٹے اس کے ترکہ میں غیر اختیاری طور پر شریک ہوں گے اور اختیاری شرکت یہ ہے کہ اپنے ارادے کے ساتھ کسی چیز کے مالک بن جائیں مثلاً دونوں نے مشترک چیز خریدی اسی طرح ہبہ، اختلاط اور استیلا وغیرہ کی وجہ سے دو یا دو سے زائد افراد کا مالک بن جانا۔

شرکت ملک کا حکم:

قولہ: فلا يجوز الخ: ہر شریک دوسرے شریک کے حصہ میں اجنبی کی طرح ہے کہ کوئی شریک دوسرے کے حصہ میں صریح اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ نیز اگر مشترک چیز میں نفع ہو تو اپنے حصے کے تناسب سے نفع ملے گا اور نقصان ہو تو وہ بھی اسی تناسب سے ہوگا۔

شرکت عقود کی اقسام:

قولہ: والضرب الثانی الخ: امام قدوری نے شرکت عقود کی چار اقسام ذکر کی ہیں۔

۱۔ شرکت مفاوضہ۔ ۲۔ شرکت عنان۔ ۳۔ شرکت صنائع۔ ۴۔ شرکت وجوہ۔

جب کہ بعض فقہا کرام نے شرکت عقود کی اولاً تین قسمیں بیان کیں۔

۱۔شرکت اموال ۲۔شرکت اعمال ۳۔شرکت وجوہ

پھران میں سے ہرایک کی دودو قسمیں بیان کیں شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان اسی کے مطابق گزشتہ نقشہ مرتب کیا گیا ہے۔

فَأَمَّا شَرِكَةُ الْمُفَاوَضَةِ فَهُوَ أَنْ يَشْتَرِطَ الرَّجُلَانِ يَتَسَاوَيَا فِي مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدِينِهِمَا فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ الْبَالِغَيْنِ الْعَاقِلَيْنِ وَلَا تَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ، وَالْبَالِغِ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَكُوْنُ عَلَى الشَّرِكَةِ إِلَّا طَعَامَ أَهْلِهِ وَكِسْوَتَهُمْ وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الدُّيُوْنِ بَدَلًا عَمَّا يَصِحُّ فِيْهِ الِاشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ

"بہر حال شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دوشخص یہ شرط لگالیں کہ وہ دونوں اپنے مال اور تصرف اور مذہب میں برابر ہوں گے پس جائز ہے شرکت دوآزاد عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان اور نہیں ہے جائز آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ ہی بچے اور بالغ کے درمیان اور نہ مسلمان اور کافر کے درمیان اور شرکت وکالت اور کفالت پر منعقد ہوتی ہے اور جو چیز ان میں سے ہرایک خریدے گا وہ شرکت پر ہوگی سوائے مشتری کی اولاد کے کھانے کی اشیا اور ان کے کپڑوں کے اور ان میں سے جس کو لازم ہو قرضہ اس چیز کے بدلے میں کہ جس میں شرکت صحیح ہو پس دوسرا ضامن ہوگا۔"

شرکت مفاوضہ کی تعریف:

قولہ: شرکۃ المفاوضۃ الخ: شرکت مفاوضہ وہ شرکت کہلاتی ہے کہ جس میں دونوں شریک، مال، تصرف اور مذہب میں برابر ہوں۔

اہم نوٹ:

بعض شارحین نے دین بمعنی قرض مرادلیا ہے جبکہ صاحب لباب وغیرہ نے دین بمعنی مذہب مرادلیا ہے اور یہی درست ہے۔(۲/۵۴)

شرکت مفاوضہ کی شرائط:

قولہ: فیجوز الخ:

۱۔دونوں آزاد ہوں۔

۲۔دونوں مسلمان ہوں۔

۳۔دونوں بالغ ہو۔

۴۔دونوں عاقل ہوں۔

لہٰذا غلام اور مولیٰ کے مابین، بچے اور بالغ کے مابین اور مسلمان اور کافر کے مابین شرکت مفاوضہ درست نہیں۔ البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک مسلمان اور کافر کے درمیان کراہت کے ساتھ شرکت مفاوضہ جائز ہے۔ نیز بعض شرائط تعریف میں موجود ہیں۔

۵۔ مال میں برابر ہوں کہ اگر ایک کے پاس شرکت میں 5000 ہزار ہے۔ تو دوسرے کا حصہ بھی 5000 ہزار ہونا ضروری ہے۔

۶۔ تصرف میں دونوں برابر ہوں کہ دونوں کو تصرف میں برابر کا اختیار ہو۔

۷۔ دونوں میں سے ہر ایک میں وکیل کی اہلیت ہو۔

۸۔ دونوں میں سے ہر ایک میں کفیل کی صلاحیت ہو کفیل اور وکیل کے لیے پہلی چار شرائط ضروری ہیں۔

۹۔ ہر شریک قابل شرکت مال، شرکت مفاوضہ میں شریک کرے۔ اگر قابل شرکت نہ ہو۔ مثلاً زمین اور قرضے وہ مستثنیٰ ہے اس طرح ہر ایک کے خاندان کا خورد ونوش اور لباس ومکان وغیرہ وہ بھی مستثنیٰ ہوں گے جو ذاتی ضروریات کہلاتی ہیں۔

شرکت مفاوضہ کا حکم:

شرکت مفاوضہ میں شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور کفیل بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر خرید وفروخت میں ایک پر قرض آئے تو دوسرا بھی نصف قرض میں شریک ہے۔

شرکت مفاوضہ کے وجود میں اختلاف:

احناف کے نزدیک شرکت مفاوضہ استحساناً جائز ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں۔

فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَا تَصِحُّ بِهِ الشَّرِكَةُ أَوْ وُهِبَ لَهُ هِبَةٌ فَوَصَلَ إِلَى يَدِهِ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتِ الشَّرِكَةُ عِنَانًا وَلَا تَنْعَقِدُ الشَّرِكَةُ إِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْفُلُوسِ النَّافِقَةِ وَلَا يَجُوزُ بِمَا سِوَى ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِالتِّبْرِ وَالنُّقْرَةِ فَتَصِحَّ الشَّرِكَةُ بِهِمَا فَإِنْ أَرَادَ الشَّرِكَةَ بِالْعُرُوضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَ مَالِهِ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ ثُمَّ عَقَدَا الشَّرِكَةَ

"اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک وارث ہوا ہر اس چیز کا کہ جس میں شرکت درست ہو یا کسی ایک کو ہبہ کی گئی ہو اور ہبہ شدہ چیز اس کے قبضہ میں آ گئی ہو تو شرکت مفاوضہ باطل ہو گئی اور شرکت عنان ہو گئی اور شرکت مفاوضہ صرف درہم اور دینا اور رائج سکوں میں منعقد ہوتی ہے اور اس کے علاوہ میں شرکت جائز نہیں مگر یہ کہ لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرنے لگیں جیسے سونے اور چاندی کی ڈلی تو شرکت ان کے ساتھ درست ہو گی اور اگر سامان کے ساتھ شرکت کا ارادہ ہو تو ان میں سے ہر ایک اپنے نصف مال کو دوسرے کے نصف مال سے فروخت کرے پھر شرکت کا عقد کریں"

شرکت مفاوضہ کا بطلان:

قولہ: فان ورث الخ: شرکت مفاوضہ کے جواز کی ایک شرط مصنف آگے بیان کریں گے کہ مفاوضہ صرف درہم، دینار اور رائج الوقت کرنسی میں جائز ہے اس کے علاوہ نہیں۔ لہٰذا صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں شریکوں میں سے کوئی میراث میں درہم یا دینار

یا کرنسی کا وارث بن گیا یا کسی کو ان میں سے کوئی جنس بطور ہبہ کی گئی اور اس نے اس پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی کیونکہ شرکت مفاوضہ کے درست ہونے کے لیے ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں مال میں برابر ہوں جب کہ وراثت یا ہبہ کی وجہ سے ایک شریک دوسرے سے مال میں بڑھ گیا ہے اس لیے ضابطہ یہ ہے کہ جب ''شرکت مفاوضہ کی شرائط میں سے کوئی بھی شرکت مفقود ہو گی تو وہ شرکت عنان بن جاتی ہے۔'' لہٰذا یہ شرکت عنان ہو جائے گی جس کی وضاحت آگے مستقل حیثیت سے آ رہی ہے۔

شرکت مفاوضہ کی ایک شرط:

قوله: ولا تنعقد الخ: شرکت مفاوضہ کے صحیح ہونے کے لیے ایک شرط یہ ہے کہ مفاوضہ میں درہم، دینار یا کرنسی ہو یا سونے یا چاندی کی ڈلی ہو کیونکہ ان میں ثمنیت جو کہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی۔ تو شرکت مفاوضہ درست ہے لیکن گر سامان ہے تو درست نہیں تو اس کے جائز ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک شریک اپنے آدھے سامان کو دوسرے شریک کے آدھے سامان کے عوض فروخت کرے اس طرح عقد بیع کے ذریعے قیمت میں شریک ہو جائیں گے۔

شرکت مفاوضہ:

شرکت مفاوضہ کے انعقاد کے لیے کڑی شرائط ہیں جن کا بیک وقت پایا جانا ممکن تو ہے مگر مشکل ضرور ہے بلکہ بالخصوص شرکت وجوہ، میں خارج میں اس کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح شرکت اموال میں جب جوں ہی کسی کا سرمایہ بڑے گا شرکت مفاوضہ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔

وَاَمَّا شَرِكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ وَيَصِحُّ اَنْ يَّتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِهِ دُوْنَ بَعْضٍ وَّلَا تَصِحُّ اِلَّا بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِهِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِكَا مِنْ جِهَةِ اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ مِنْ جِهَةٍ وَالْاٰخَرِ دَرَاهِمُ وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِلشَّرِكَةِ طُوْلِبَ بِثَمَنِهِ دُوْنَ الْاٰخَرِ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهِ بِحِصَّتِهِ مِنْهُ

''اور بہر حال شرکت عنان تو اس کا انعقاد وکالت پر ہوتا ہے نہ کہ کفالت پر اور مال میں کمی بیشی درست ہے اور درست ہے کہ دونوں شریک مال میں برابر ہوں اور نفع میں کم و بیش ہوں اور جائز ہے یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک شرکت عنان کا عقد کچھ مال میں کرے اور کچھ میں نہ کرے اور شرکت عنان درست نہیں ہوتی مگر ان چیزوں سے کہ جن کو ہم نے بیان کیا کہ شرکت مفاوضہ اس سے درست ہے اور جائز ہے کہ دونوں شریک ہوں کہ ان میں سے ایک کی طرف سے دینار ہو اور دوسرے کی طرف سے درہم ہوں اور ان دونوں میں سے جو بھی شرکت کے لیے خریدے گا ثمن کا مطالبہ اس سے کیا جائے گا نہ کہ دوسرے سے اور شریک اپنے شریک پر اس کے حصہ کے مطابق رجوع کرے گا۔''

شرکت عنان کی تعریف:

واما شركة العنان: دو یا دو سے زائد اشخاص کا مال اور نفع میں شرکت اختیار کرنا چاہے دونوں کا مال و تصرف برابر ہو یا نہ

ہو۔اسی طرح دین ایک ہو یا نہ ہو۔

شرکت عِنان کی وجہ تسمیہ:

عِنَان عَنَّ سے ہے بمعنی صرف نظر واعراض چونکہ انسان مال اور تصرف کی برابری سے صرف نظر کرتا ہے اس لیے شرکت عنان کہا جاتا ہے۔

شرکت عنان کی شرائط وکوائف:

قوله : فتنعقد الخ: ا۔شرکت عنان میں وکالت تو ہوتی ہے مگر کفالت نہیں ہوتی کہ شرکت میں کفالت سے اعراض ہوتا ہے اسی وجہ سے عنان (اعراض کرنا) کہا جاتا ہے کہ شرکت عنان میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے گا تو آدھا اپنے لیے اور آدھا شریک کے لیے ہوگا مگر کفیل نہیں ہوتا کہ جو قرض ایک شریک پر آئے تو اس کا آدھا دوسرے پر بھی آئے بلکہ پورا قرض اسی پر آئے گا جس نے قرض لیا ہے۔

۲۔**ویصح تفاضل**......شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں دونوں شریکوں کا برابر ہونا ضروری نہیں لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کا مال ونفع برابر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک کا مال زیادہ ہو اور نفع بھی زیادہ ہو یہ بھی ممکن ہے اگر چہ مال تو کم ہو مگر کسی شرط کے ساتھ نفع زیادہ ہو کیونکہ عقلمندی میں سب برابر نہیں۔لیکن اگر ایک شریک کا مال تو ہے مگر اس کی محنت نہیں تو اس کے سرمایہ کے تناسب سے زیادہ نفع طے کرنا جائز نہیں کہ نفع کے استحقاق کے لیے تین ہی صورتیں ہیں۔(ا) مال (ب) عمل (ج) ضمان۔لہٰذا غیر عامل سرمایہ کے تناسب سے زیادہ نفع نہیں لے سکتا۔

۳۔**ویجوز**......شرکت عنان میں ہر شریک کا اپنا پورا سرمایہ لگانا ضروری نہیں بلکہ بعض مال لگائیں بعض نہ بھی لگائیں کوئی حرج نہیں۔

۴۔**ولا یصح**......جن اموال کی (درہم، دینار، کرنسی، سونے، چاندی کی ڈلی) شرکت مفاوضہ میں جائز تھی انہی کی شرکت عنان میں بھی جائز ہوگی۔لہٰذا سامان کے ذریعے شرکت عنان درست نہ ہوگی۔

۵۔**ویجوز**......شرکت عنان میں جانبین سے ثمنیت کی جنس مختلف ہو تب جائز ہے مثلاً ایک طرف سے درہم اور دوسری طرف سے دینار اسی طرح ایک طرف سے روپے اور دوسری طرف سے ڈالر وغیرہ۔

۶۔**وما اشترا**......دونوں میں سے جو بھی کوئی چیز خریدے گا تو اس کی قیمت کا مطالبہ صرف خریدنے والے سے ہوسکتا ہے نہ کہ شریک سے کیونکہ شرکت عنان میں وکیل ہوتا ہے نہ کہ کفیل ہاں جتنی قیمت شریک کے حصے کی بنتی ہے وہ شریک سے وصول کرے گا کیونکہ شریک آدھے مال میں شریک ہے۔

وَاِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ اَوْ اَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّشْتَرِيَا شَيْئًا بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ وَاِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا بِمَالِهٖ وَهَلَكَ مَالُ الْاٰخَرِ قَبْلَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ وَتَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَاِنْ لَّمْ يَخْلِطَا الْمَالَ وَلَا تَجُوْزُ الشَّرِكَةُ اِذَا

شَرَطَا لِأَحَدِهِمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً مِنَ الرِّبْحِ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَفَاوِضَيْنِ وَشَرِيكَيِ الْعِنَانِ أَنْ يُبْضِعَ الْمَالَ وَيَدْفَعَهُ مُضَارَبَةً وَيُوَكِّلَ مَنْ يَتَصَرَّفُ فِيهِ وَيَرْهَنَ وَيَسْتَرْهِنَ وَيَسْتَأْجِرَ الْأَجْنَبِيَّ عَلَيْهِ وَيَبِيعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ أَمَانَةٍ

''اور جب شرکت کا مال یا دونوں سے کسی ایک کا مال کسی چیز کو خریدنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی اور اگر ان میں سے کسی ایک نے کوئی چیز خریدی اور دوسرے کا مال خریدنے سے پہلے ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان شرط کے مطابق مشترک ہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصہ کے مطابق ثمن میں سے وصول کرے گا۔ شرکت جائز ہوگی اگر چہ ان دونوں نے مال نہ ملایا ہو۔ اور شرکت درست نہ ہوگی کہ جب دونوں میں سے کسی ایک کے لیے نفع سے متعین دراہم کی شرط لگائی اور شرکت مفاوضہ کے دونوں شریکوں میں ہر ایک کے لیے اور شرکت عنان کے دونوں شریکوں کے لیے جائز ہے کہ وہ مال بطور بضاعت کے دے دے اور بطور مضاربت کے دے دے اور وکیل بنائے اسے جو تصرف کرے اس مال میں اور رہن رکھ دے اور اپنے پاس رہن رکھ لے اور کسی اجنبی کو اس پر کرائے پر لے لے اور نقد و ادھار خرید و فروخت کرے اور مال میں اس کا قبضہ بطور امانت ہے۔''

مال شرکت کا ہلاک ہونا:

قولہ: واذا هلك الخ: مسئلے کی پہلی صورت یہ ہے کہ اگر شرکت کا تمام مال ہی ہلاک ہو گیا تو شرکت ختم اسی طرح کہ اگر دونوں نے اپنا مال اکٹھا نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی چیز خریدی تھی تب بھی شرکت ختم اگر دوسرے شریک کے مال سے ہلاک ہو گیا تو مال امانت ضائع ہوا اس کی ہلاکت پر کوئی ضمان نہیں۔ مسئلے کی دوسری صورت یہ ہے کہ عقد شرکت کے بعد دونوں شریکوں میں سے کسی ایک نے کوئی چیز خریدی جب کہ دوسرے شریک کا مال خریدنے سے قبل ہی ہلاک ہو گیا تو خریدی گئی چیز میں دوسرے شریک کا بھی حصہ ہوگا اور خریدنے والا دوسرے سے اس کی قیمت کا جو حصہ اس کا بنتا ہو وہ لے گا کیونکہ شرکت عنان وکالت پر ہوتی ہے۔ لہٰذا دوسرا بھی شامل ہوگا۔

مال نہ ملانے کے باوجود شرکت کا جواز:

قولہ: ويجوز الشركة الخ: شرکت عنان میں یہ گنجائش ہے کہ اگر دونوں شریکوں نے اپنا اپنا مال خلط ملط نہ بھی کیا تب بھی شرکت عنان درست ہے کیونکہ شرکت کا مدار تصرف پر ہے۔ لہٰذا جو بھی خریدے گا اس کے نصف میں دوسرا بھی شریک ہوگا اور جب بیچیں گے تو شرط کے مطابق اسی مناسبت سے دونوں کے لیے نفع ہوگا جب کہ امام زفر اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مال کا ملانا ضروری ہے۔

معین فرد کے لیے معین نفع کی شرط:

قولہ: ولا يصح الشركة الخ: عقد شرکت میں نفع کی خاص مقدار کی شرط لگائی جائے مثلاً کہے کہ پہلے نفع پر میرے لیے

100 روپے ہوں گے باقی دوسرے شریک کے تو یہ شرط درست نہ ہوگی۔

نفع معلوم کرنے کے دو طریقے:

عقد شرکت میں نفع کا تناسب معلوم ہونا ضروری ہے اور اس کے دو طریقے ہیں۔

ا۔ فی صد (%) کے اعتبار سے متعین کیا جائے مثلاً 40% نفع ایک کے لیے اور 60% دوسرے کے لیے۔ چھٹی کلاس کی انگلش میڈیم اور اردو میڈیم ریاضی تا آٹھویں کلاس "مالی امور سے متعلق حساب" کا مکمل چیپٹر (سبق) موجود ہے جس میں شراکت (Partnership) اور پرسنٹیج (Percentage) کے فارمولے موجود ہیں۔

۲۔ ہر شریک کے حصے کو دوسرے کے حصے سے معلوم نسبت ہو مثلاً نصف $\frac{1}{2}$، تہائی $\frac{1}{3}$، چوتھائی $\frac{1}{4}$، دسواں $\frac{1}{10}$ وغیرہ۔

نفع ونقصان کے متعلق فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلرِّبْحُ عَلٰی مَا شَرَطَا وَالْوَضِیْعَةُ عَلٰی قَدْرِ الْمَالِ" کہ نفع آپس کی طے کردہ شرط کے مطابق تقسیم ہوتا ہے جبکہ نقصان سرمایہ کے تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔

نفع ونقصان معلوم کرنے کا فارمولہ:

فی صد نفع اور فی صد نقصان قیمت خرید سے معلوم ہوتے ہیں دونوں کا فارمولا یہ ہے:

$$\text{منافع}\ \% = \frac{\text{منافع}}{\text{قیمت خرید}} \times 100 \quad / \quad \text{نقصان}\ \% = \frac{\text{نقصان}}{\text{قیمت خرید}} \times 100$$

شرکا کے جائز تصرفات:

قولہ: ولکل واحد الخ: آنے والے مسائل اس قاعدے پر مبنی ہیں کہ "تجارت کرنے میں جن جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے اور جن جن کاموں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے جو تاجروں کے ہاں معروف ہوں تو ایسے کاموں میں ہر شریک تصرف کر سکتا ہے" مثلاً مال کو بضاعت پر دینا۔ بضاعت یہ ہے کہ کسی کو مال دیا جائے کہ اس کا کاروبار کرو جو نفع آئے وہ میرا ہے میں تجھے کاروبار کرنے کی مزدوری دے دوں گا یا مال کو مضاربت پر دینا۔ مضاربت یہ ہے کہ کسی کو مال دیا جائے اور کہا جائے کہ کاروبار کرو جو نفع آئے گا اس میں دونوں شریک ہوں گے۔ یا مال خریدنے کا کسی کو وکیل بنانا تا کہ وہ اس میں تصرف کرے یا کسی سے قرض لیا تو اس کی وجہ سے شرکت کا مال رہن پر رکھ دیا یا کسی کو شرکت کا مال دیا اور ضمانت کے طور پر اس کی کوئی چیز اپنے پاس رکھ لی یا کام کرنے کے لیے کسی کو ملازم رکھ لیا اسی طرح شرکت کے مال کو نقد بھی فروخت کر سکتا ہے اور ادھار بھی چونکہ بیان کردہ امور کی تجارت میں ضرورت پڑتی ہے جو تاجروں کے ہاں رائج پذیر ہیں۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ "شریک تجارت کے متعلقہ سارے امور میں تصرف کر سکتا ہے۔"

شریک کے پاس مال بطور امانت:

قولہ: ویدہ الخ: دوسرے شریک کے پاس مال بطور امانت ہوتا ہے اور امانت کا مال بغیر تعدی (ظلم) کے ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْجَوَازُ الشَّرْعِیُّ یُنَافِی الضَّمَانَ" کہ جواز شرعی ضمان کے منافی ہے کیونکہ

شریعت نے امانت رکھنے کی اجازت دی ہے۔

شرکہ متناقصہ (Diminishing Mushavakha):

شرکہ متناقصہ کا معنی "تخفیف پذیر مشارکہ" اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو مکان کی ضرورت ہے اس کے پاس فی الحال اتنی مالیت نہیں کہ مکمل قیمت دے کر لے سکے وہ ساتھ کسی اور کاروباری ادارے یا بینک کو ملکیت میں ساتھ شریک کرتا ہے: مثلاً بینک کے دس لاکھ لگائے ہیں تو بینک اس دس لاکھ کو پچاس پچاس ہزار کے بیس یونٹ (حصے) میں تقسیم کر دیتا ہے۔

پھر مکان لینے والا (کلائنٹ) وقفے وقفے سے ایک ایک یونٹ کر کے تمام خرید لیتا ہے اس دوران بینک اس سے ماہانہ کرایہ بھی لیتا ہے جو کے بعد حصے خریدنے سے اسی تناسب سے کم ہوتا رہتا ہے یہاں تک مدت کہ معینہ تک مکان کے تمام حصے خرید کر مالک بن جاتا ہے یہ شرکہ زیادہ تر اسلامی بینکوں میں "ہاوس فنانسنگ" کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ مسئلہ ہائر پر چیز ہی کی مانند ہے جس کی وضاحت اجارہ کے باب میں "ہائر پرچیز" کے نام سے گزری شرکہ متناقصہ کا آغاز مصر سے ہوا ہے۔

یہ شرکت کی کس قسم میں داخل ہے؟:

بعض نے کہا شرکت عنان کے تحت داخل ہے مگر اکثر نے اس دعوے کو رد کیا ہے کیونکہ شرکت عنان میں دونوں شریکوں کا مقصد چیز فروخت کر کے نفع کمانا ہے یہی وجہ ہے ان کے درمیان نفع کا تناسب طے ہوتا ہے جب کہ شرکہ متناقصہ میں نہ ہی کلائنٹ کا مقصد مکان کو فروخت کرنا ہے بلکہ رہائش کے لیے لیتا ہے اور نہ ہی بینک اور کلائنٹ کے درمیان نفع کسی تناسب سے طے ہوتا ہے۔ لہٰذا شرکت عنان کے تحت داخل نہیں۔ لہٰذا بظاہر کارروائی مشارکہ کی ہے مگر حقیقت میں "بینکنگ فنانسنگ" ہے۔

وَاَمَّا شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ فَالْخَيَّاطَانِ وَالصَّبَّاغَانِ يَشْتَرِكَانِ عَلٰى اَنْ يَّتَقَبَّلَا الْاَعْمَالَ وَيَكُوْنَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذٰلِكَ وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيْكَهُ فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْاٰخَرِ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ

"اور بہر حال شرکت صنائع تو دو درزی اور دو رنگ کرنے والے دونوں شریک ہو جائیں اس شرط پر کہ دونوں کام لیں گے اور کمائی دونوں میں تقسیم ہوگی تو یہ جائز ہے اور ان میں سے جو بھی کام کو قبول کرے گا وہ اس پر لازم ہوگا اور اس کے شریک پر لازم ہوگا۔ لہٰذا اگر ان دو میں سے ایک نے کام کیا نہ کہ دوسرے نے تو کمائی ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگی"

شرکت صنائع کی تعریف:

قولہ: واما شرکة الصائع: صنائع صنعت سے مشتق ہے جس کا معنی پیشہ ہے اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو پیشہ ور اس بات پر شرکت کر لیں کہ جو بھی کام لے گا اس میں دونوں شریک ہوں گے جو آمدنی ہوگی وہ نصف نصف تقسیم کریں گے یا شرط کے مطابق تقسیم کریں گے تو یہ شرکت جائز ہے۔ مثلاً دو درزی، دو رنگ کرنے والے، مزدور، بڑھی، معمار وغیرہ۔

شرکت صنائع کے دیگر نام:

چونکہ شرکت صنائع میں صرف محنت اور کاریگری ہوتی ہے اس لیے اسے شرکۃ الاعمال، شرکۃ الابدان اور شرکۃ التقبل بھی کہا جاتا ہے۔ محنت اور کاریگری میں بھی دونوں کا ایک پیشہ ہونا ضروری نہیں بلکہ مختلف پیشے والے بھی شرکت کر سکتے ہیں ایک دھوبی ہو ایک درزی ہو۔

شرکت صنائع کا حکم:

قولہ: وما یتقبلہ الخ: ان شریکوں میں سے ہر شریک دوسرے کا وکیل ہے۔ للہذا ایک شریک نے جو کام وصول کیا اس کو یہ بھی کر سکتا ہے۔ اور دوسرا شریک بھی کر سکتا ہے اور جو بھی کرے گا دوسرا ساتھی کمائی میں شریک ہوگا شرکت صنائع میں برابر کام کرنا ضروری نہیں یہاں تک کہ اگر ایک بیمار ہو جائے کام نہ کر سکے وہ بھی نفع کا مستحق ہوگا جب کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرکت صنائع ناجائز ہے۔

بعض عرب ممالک میں شرکت کی ایک صورت:

بعض عرب ممالک میں یہ قانون بنایا گیا ہے کہ جو خارجی (بیرون ممالک) ہمارے ملک میں کام کریں گے چاہے تعمیراتی ہو یا تجارتی وہ تنہا کام نہیں کر سکتے کہ جب تک ہمارے اتنے افراد کو کام میں شریک نہیں کریں گے اور مقامی باشندہ کا نام شریک کار کی حیثیت سے دیتے ہیں حالانکہ وہ کام نہیں کرتا جب پیمنٹ (Pay) کی تاریخ آتی ہے تو آ جاتا ہے اگر کبھی آگے پیچھے آ بھی گیا تو مہمان کی حیثیت سے آتا ہے۔ متعین کردہ رقم چاہے ماہانہ ہو یا سالانہ، لے کر چلا جاتا ہے۔ یہ صورت ناجائز ہے کہ اصل پیشہ ور اپنی مجبوری کی خاطر رشوت دیتا ہے اور دوسرا شریک برائے نام ہے وہ رشوت اور غصب کا مال کھاتا ہے۔ درست طریقہ یہ ہے کہ مقامی باشندے کو باضابطہ شریک کیا جائے۔

شرکت اور کمپنی میں فرق:

شرکت اور کمپنی کے درمیان وجہ اشتراک یہ ہے کہ دونوں میں مشترکہ طور پر کام کیا جاتا ہے لیکن قانونی اعتبار سے دونوں کے درمیان فرق ہے۔

۱۔ شرکت میں ہر شخص کاروباری اثاثوں کا مشترکہ طور پر مالک ہوتا ہے کہ تجارتی امور میں تصرف کا حق حاصل ہے جب کہ کمپنی کا وجود الگ ہے اور حصہ داروں کا وجود الگ ہے اور کمپنی کے تحلیل سے قبل ان حصہ داروں کو کمپنی کے اثاثوں پر تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

۲۔ شرکت کے کاروبار میں کسی کا حق ہو تو وہ سب شرکاء پر ہوتا ہے جب کہ کمپنی جو خود ایک ”شخص قانونی“ ہے اس کی نمائندگی انتظامیہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ للہذا کسی کا حق انتظامیہ پر عائد ہوتا ہے نہ کہ شرکاء پر۔

۳۔ شرکت میں شریک اپنا حصہ ختم کر کے سرمایہ لے سکتا ہے جب کہ کمپنی سے سرمایہ تو نہیں نکال سکتا البتہ شیئرز فروخت کر سکتا

ہے۔اس طرح اور بھی قانونی فرق پائے جاتے ہیں۔

کمپنی کا تعارف:

کمپنی کے لغوی معنی شرکت کے ہیں کاروباری عرف میں کمپنی کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔اینڈ کے ساتھ اور بغیر اینڈ کے اگر اینڈ کے ساتھ ہو مثلاً بشیر اینڈ کمپنی تو اس سے مراد یہ ہے کہ بشیر اور اس کے ساتھی کاروبار میں شریک ہیں ایک اینڈ کے بغیر جیسے تاج کمپنی بعض اوقات کمپنی کا لفظ نہیں لکھا جاتا صرف کمپنی کا نام لکھا جاتا ہے۔پاکستان پٹرولیم لمیٹڈ (PPC) برطانیہ سے برصغیر میں آنے والی کمپنی ایسٹ انڈیا کمپنی تھی مگر اس دور میں کمپنی بااختیار ہوتی تھی کہ اپنی فوج بھی رکھ سکتی تھی مگر اب صرف کاروبار تک محدود ہے اس کا آغاز ستر ہوی صدی میں یورپ سے ہوا ہے۔

کمپنی کو ہینڈ اوَر کرنے والا ادارہ:

پاکستان میں کوئی بھی کمپنی ہو اس کو کنٹرول کرنے والا ادارہ "سیکورٹیز اینڈ ایکس چینج کمیشن آف پاکستان" جس کا مخفف SEDP ہے۔

کمپنی کی اقسام:

۱۔پبلک (Listed) کمپنی کہ جس کا شیئرز بازار میں عام فروخت ہوتا ہے۔

۲۔پرائیوٹ (Non-Listed) کمپنی کہ جس کا شیئرز عام نہیں فروخت ہوتا پرائیوٹ کمپنی کے لیے ضروری ہے کہ ساتھ پرائیوٹ لکھے۔

وَاَمَّا شَرِكَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَا مَالَ لَهُمَا عَلٰى اَنْ يَّشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَيَبِيْعَا فَتَصِحُّ الشَّرِكَةُ بَيْنَهُمَا عَلٰى هٰذَا وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا وَكِيْلٌ لِلْاٰخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ فَاِنْ شَرَطَا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُشْتَرٰى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَفَاضَلَا فِيْهِ وَاِنْ شَرَطَا اَنَّ الْمشترى بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذٰلِكَ

"اور بہر حال شرکت وجوہ دو ایسے شخص شریک ہوں کہ جن کے پاس مال نہیں کہ اس شرط پر کہ دونوں اپنے اپنے اعتماد و تعارف پر خریدیں گے اور فروخت کریں گے تو اس طرح بھی شرکت درست ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جس کو وہ خریدے گا اور اگر دونوں نے اس بات کی شرط لگائی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں میں نصف نصف ہو گی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور اس میں کمی بیشی جائز نہ ہوگی اور اگر انہوں نے شرط لگائی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں میں تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔"

حل لغات: الوجوه جمع ہے وجہ کی بمعنی چہرہ، بِوُجُوْهِهِمَا بمعنی لوجاهتما اعتماد و تعارف، الربح نفع۔

شرکت وجوہ کی تعریف:

قولہ: واما شرکة الوجوہ الخ: شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو ایسے آدمی کہ جن کے پاس مال نہ ہو اور وہ اس پر شرکت کرلیں کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے تعلقات کی بنا پر لوگوں سے ادھار مال خرید کر آگے نقد فروخت کر کے کمائی کریں تو یہ طریقہ شرکت کا جائز ہے

شرکت وجوہ کی وجہ تسمیہ:

چہرہ اور رعب سے مال خرید رہا ہے اور فروخت کر رہا ہے اس لیے اسے شرکت وجوہ کہا جاتا ہے۔

شرکت وجوہ کا حکم:

قولہ: علی هذا وکل الخ: شرکت وجوہ میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے کہ جو چیز ایک کی ہوگی وہ دوسرے کی بھی ہوگی اس شرکت میں جو دونوں نے مال لینا ہے وہ کم وبیش بھی ہوسکتا ہے۔ برابر بھی ہوسکتا ہے۔ شرکت وجوہ میں نفع کے استحقاق کا سبب ضمان ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے ہر فریق کو نفع بھی اس کی ملکیت کے تناسب سے ملے گا اور اسی طرح نقصان بھی اسی تناسب سے ہر فریق کو اٹھانا پڑے گا جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلْغُرْمُ بِالْغُنْمِ" کہ جو شخص نفع کا حق دار ہوتا ہے وہ نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔

نفع کا اعتبار کب ہوتا ہے؟:

جب تمام اخراجات منہا (نکالے) کیے جائیں مثلاً دوکان کا کرایہ، گیس، بجلی کا بل، ملازمین کی تنخواہیں اور دیگر سفری اور مہمان نوازی کے اخراجات نکال کر جو اصل سرمایہ پر بچے گا وہ صافی نفع ہوگا۔

اسٹاک ایکسچینج:

جہاں کمپنیوں کے شیئرز (حصص) کا لین دین ہوتا ہے اسے "اسٹاک مارکیٹ، اسٹاک ایکسچینج" کہا جاتا ہے دور حاضر میں کسی بھی ملک کی اقتصادی ترقی اور تجارتی گہما گہمی کا تعین بھی اسٹاک ایکسچینج کے اتار چڑھاؤ سے کیا جاتا ہے گویا یہ سرمایہ کاری کا رخ بتانے میں "بیرومیٹر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ زمانہ قدیم میں چند افراد مل کر کاروبار کریں تو شراکت کہا جاتا تھا جب کہ عصر حاضر میں "پارٹنرشپ" کہا جاتا ہے دنیا میں پہلی بار اسٹاک ایکسچینج ہالینڈ میں ۱۶۱۱ء میں قائم ہوا اور برصغیر میں اٹھارہویں صدی کے آخری نصف میں بمبئی میں قائم ہوئی۔ اسٹاک ایکسچینج میں جو شیئرز (حصص) فروخت ہوتے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے اس کی تفصیل میں جائے بغیر بیسویں صدی کے ایک عظیم فقہی سکالر شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول سعیدی متوفی ۲۰۱۶ء کی تحقیق کا خلاصہ پیش خدمت ہے باقی تفصیل ذکر کردہ کتاب میں دیکھ لی جائے۔ اسٹاک ایکسچینج میں دو طرح کے کاروبار ہوتے ہیں۔

۱۔ قانونی کاروبار جس کو کاروبار عام کہا جاتا ہے اس میں شیئرز پر خریدنے والے کو حکمی طور پر قبضہ حاصل ہوجاتا ہے کہ اسٹاک ایکسچینج کے ممبران خریدنے والے کو مخصوص کوڈ نمبر دیتے ہیں پھر اس کوڈ سے خریدنے والے کے اکاونٹ میں اس کی مرضی کے مطابق

کمپیوٹر میں شیئرز درج ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ صورت قبضے کے پائے جانے کی وجہ سے آگے فروخت کرنا درست ہے۔
۲۔ غیر قانونی کاروبار کہ جس میں حکمی قبضہ نہیں پایا جاتا وہ ناجائز ہے کہ قبضہ سے قبل شی کا فروخت کرنا لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں۔

شیئرز کے کاروبار کا شرعی حکم:

جو کمپنی شیئرز کا کاروبار کرتی ہے اور اس کا کاروبار حلال و جائز ہے۔ تو شیئرز خریدنا جائز ہے۔ جیسے پاور پلانٹ، سوئی گیس کمپنی شیل پاکستان وغیرہ اگر کاروبار ناجائز ہے مثلاً بینک وغیرہ جو خالصتاً سودی کاروبار کرتے ہیں ان کے شیئرز خریدنا ناجائز و حرام ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو کاروباری ادارے براہ راست سودی کاروبار میں ملوث ہیں ان کے شیئرز خریدنا حرام ہیں جو بلا واسطہ ایسے کاروبار کرتے ہیں ان کا خریدنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (نعمة الباری شرح صحیح البخاری ۹۹/۴۔۶۹۶) نیز مزید کمپنی اور شیئرز کی تحقیق انیق دیکھیے مجلس شرعی کے فیصلے آف انڈیا ص ۷۸۔۱۳۷۔

وَلَا تَجُوْزُ الشَّرِكَةُ فِي الِاحْتِطَابِ وَالِاصْطِيَادِ وَالِاحْتِشَاشِ وَالْاِصْطِيَادِ وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَوْ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِهٖ وَاِذَا اشْتَرَكَا وَلِاَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِيْ عَلَيْهَا الْمَاءَ وَ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرِكَةُ وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِيْ اسْتَقَى الْمَاءَ وَ عَلَيْهِ اَجْرُ مِثْلِ الرَّاوِيَةِ اِنْ كَانَ الْعَامِلُ صَاحِبَ الْبَغْلِ وَاِنْ كَانَ صَاحِبَ الرَّاوِيَةِ فَعَلَيْهِ اُجْرَةُ مِثْلِ الْبَغْلِ وَكُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٌ فَالرِّبْحُ فِيْهِمَا عَلٰى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ وَيَبْطَلُ شرط التفاضل وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ اَوْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ الشَّرِكَةُ

''اور ایندھن اکٹھا کرنے اور گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں شرکت جائز نہیں اور ان دونوں میں سے جس نے شکار کیا یا ایندھن اکٹھا کیا تو وہ اسی کا ہوگا نہ کہ دوسرے کا اور جب دو شخص شریک ہوں اور ان میں سے ایک کا خچر ہو اور دوسرے کا مشکیزہ ہو کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت جائز نہیں۔ کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے اور اس پر مشکیزے کی اجرت مثل واجب ہوگی اگر عامل خچر والا ہو اور اگر عامل مشکیزے والا ہے تو اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی اور فاسد شرکت میں نفع اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہو جائے گی اور جب دو شریکوں میں سے ایک شریک فوت ہو گیا یا مرتد۔ (العیاذ باللہ) ہو کر دار الحرب میں چلا گیا تو شرکت باطل ہو گئی۔''

حل لغات: الاحتطاب خطب سے ہے بمعنی لکڑی اکٹھی کرنا، احتشاش حشیش سے ہے بمعنی گھاس اکٹھا کرنا، اصطیاد صید سے ہے بمعنی شکار کرنا، بغل خچر، روایة بمعنی پانی کا مشکیزہ، یستقی استقاء سے ہے بمعنی پانی کھینچنا۔

مباح الاصل اشیا میں شرکت:

قوله: ولا تجوز الخ: آنے والا مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ''وہ تمام اشیا جو مباح ہیں کہ جن کو ہر کوئی قبضہ کر کے مفت استعمال کر سکتا ہو ان میں شرکت جائز نہیں۔'' لہٰذا جو جنگل سے لکڑی اکٹھا کرے گا یا گھاس کاٹ کر اکٹھا کرے گا یا جنگل سے شکار کرے گا تو یہ چیزیں اسی کی ہوں گی جو ان کو اپنے قبضے میں لائے گا دوسرا اس کا حق دار نہ ہوگا ہاں اگر دونوں نے مل کر اکٹھا عمل کیا ہے تو دونوں کو ملیں گے

اگر ایک نے جمع کیں اور دوسرے نے کسی طرح مدد کی تو لکڑیاں چننے والے کی ہیں اور اجرت مدد کرنے والے کو ملے گی۔

خچر اور مشکیزے والے کی شرکت:

قولہ: واذا شرکا الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک کے پاس خچر ہے اور دوسرے کے پاس مشکیزہ ہے دونوں نے اس بات پر شرکت کر لی کہ ان کے ذریعے سے کھینچے جانے والے پانی کی اجرت دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی تو یہ شرکت درست نہیں کیونکہ پانی مباح الاصل اشیاء میں سے ہے لہٰذا جس نے پانی کھینچا اور فروخت کیا اس کی اجرت اس کی ہوگی اور دوسرے کو اس چیز (خچر یا مشکیزہ) کی اجرت مثلی دی جائے گی جو اس کام میں استعمال ہوئی۔

شرکت فاسدہ کی تعریف:

قولہ کل شرکۃ الخ: شرکت کے صحیح ہونے کے لیے جو شرائط و کوائف ذکر کیے گئے اگر ان میں سے کوئی ایک بھی شرط مفقود ہوئی تو ایسی شرکت، شرکتِ فاسدہ کہلائے گی۔

شرکت فاسدہ میں نفع کا حکم:

اس میں نفع سرمایہ کے تناسب سے شریکین کے درمیان تقسیم ہوگا طے شدہ اصول کے مطابق تقسیم نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر تمام مال ایک ہی کا ہو تو اسی کو تمام نفع ملے گا دوسرے کو اجرت مثلی ملے گی کیونکہ شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے۔

دور حاضر میں شرکت فاسدہ کی صورتیں:

۱۔ رینٹ کا کاروبار کرنے والے کو گاڑی دی جائے کہ جو اس سے ماہانہ کرایہ وصول ہوگا وہ دونوں کے درمیان اتنے فیصد سے تقسیم کیا جائے گا تو یہ شرکت درست نہ ہوگی بلکہ تمام کرایہ مالک کا ہی ہوگا اور رینٹ کے کاروبار والے کو اجرت مثلی دی جائے گی۔

۲۔ مالک ڈرائیور سے کہے کہ گاڑی چلاؤ اس کی آمدن نصف نصف ہوگی تو یہ شرکت درست نہیں بلکہ یہ درست ہے کہ مالک یومیہ مثلاً 500 سو لے باقی رقم ڈرائیور کی ہو تو یہ درست ہے۔

شرکت ختم ہونے کے اسباب:

قولہ: واذا مات الخ: امام قدوری نے شرکت ختم ہونے کے دو سبب بیان کیے ہیں ایک یہ کہ دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو شرکت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ شرکت کا انحصار وکالت پر ہے جب وکیل فوت ہو جائے تو وکالت ختم ہو جاتی ہے۔ دوسرا سبب یہ کہ جب شریکین میں سے (العیاذ باللہ) کوئی ایک اسلام سے مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا جائے تو شرکت باطل ہو جاتی ہے۔ ان دو کے علاوہ بھی شرکت کے ختم ہونے کے اسباب ہیں۔

۱۔ شریکین یا ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو بتا کر ختم کر دے۔

۲۔ دونوں میں سے کسی پر دائمی جنون طاری ہو جائے۔

۳۔مال شرکت ہی مکمل تباہ ہو جائے۔

وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيْكَيْنِ اَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاةَ مَالِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاِنْ اَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْ يُؤَدِّيَ زَكَاتَهٗ فَاَدَّاهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَالثَّانِيْ ضَامِنٌ سَوَاءٌ عَلِمَ بِاَدَاءِ الْاَوَّلِ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ، عند ابی حنیفة رحمه الله وقالا رحمهما الله ان لم یعلم لم یضمن.

''اور دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کے لیے جائز نہیں وہ دوسرے کے مال کی زکوۃ ادا کرے مگر اس کی اجازت سے پس اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اجازت دے دی کہ وہ اس کی طرف سے زکوۃ ادا کر دے تو ان میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں ادا کرنے والا ضامن ہوگا اگر چہ اس کو پہلے کے ادا کر دینے کا علم ہو یا نہ ہو امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اگر علم نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا۔''

مال شرکت کی زکوۃ:

قوله: ولیس لواحد، الخ: دونوں شریکوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی اجازت کے بغیر اختیار نہیں کہ وہ دوسرے شریک کے مال نصاب سے زکوۃ ادا کرے کیونکہ زکوۃ ادا کرنا تجارت کے اعمال سے نہیں اس لیے اختیار بھی نہیں اگر اجازت دے دے تو جائز ہے اگر اجازت کے بعد دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی زکوۃ بھی اپنی زکوۃ کے ساتھ ہی اکٹھی ادا کر دی تو دونوں ایک دوسرے کے ضامن ہوں گے۔ یہ صورت اتفاقی ہے مگر متن کے مسئلہ کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے کہ یکے بعد دیگرے ادا کی ہو تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضامن ہوگا اگر چہ اسے ادا کرنے کا علم ہو یا نہ ہو جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر علم نہ ہو تو ضامن نہیں اگر یہ علم ہو کہ شریک ادا کر چکا ہے پھر اس کی طرف سے ادا کرتا ہے تو ضامن ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک شریک نے دوسرے کو ایک خاص امر (زکوۃ کی ادائیگی) میں وکیل بنایا ہے جب ایک شریک نے خود وہ کام کر دیا تو اب دوسرا حکمی طور پر معزول ہو گیا۔ لہٰذا دوسرے کی مال شرکت سے ادائیگی پہلے کی عدم رضا سے ہے اس لیے ضامن ہوگا۔ (دیگر معون علی قول الامام، الاقتصار علی قول الامام فی الهندیه، تقدیم قول الامام فی ملتقی الابحر)

کتاب المضاربۃ

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الشرکۃ کو بیان کیا اب کتاب المضاربۃ کا آغاز کر رہے ہیں جو شرکت ہی کی ایک صورت ہے جو اسلامی معیشت میں ایک کلیدی حیثیت کی حامل ہے۔

مضاربت کا لغوی معنی:

مضاربت باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو ضرب سے مشتق ہے اور لغت عرب میں ضرب استعمال کے اعتبار سے مختلف معانی کے آتا ہے ان میں سے ایک معنی حصہ دینے اور دوسرا معنی سفر کرنے کے ہیں۔ اصطلاحی تعریف متن میں آ رہی ہے۔

مضاربت کی وجہ تسمیہ:

پہلے معنی (حصہ دینے) کے لحاظ سے عقد مضاربت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مضاربت کا معاملہ دو فریقوں کے درمیان وجود میں آتا ہے اور دونوں نفع کے "حصہ دار" ہوتے ہیں اور دوسرے معنی (سفر کرنے) کے لحاظ سے عقد مضاربت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مضاربت تجارت کا ذریعہ ہوتی ہے اور تجارت کے لیے عموماً سفر کی ضرورت ہوتی ہے ان دو مناسبتوں کی وجہ سے اسے مضاربت کہا جاتا ہے۔

ثبوت:

اس کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اور بعد میں لوگ معاملہ کرتے رہے آپ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ علامہ کاسانی صاحب بدائع صنائع فرماتے ہیں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک ہر عہد میں مضاربت پر لوگوں کا تعامل رہا ہے جو اس پر اجماع کی دلیل ہے۔

مضاربت کی ضرورت:

عقد مضاربت کے جواز میں بڑی مصلحت ہے یہ کہ کچھ افراد وہ بھی ہیں کہ جن کے پاس سرمایہ (بینک بیلنس) تو بے بہا ہے مگر تجارت اور کاروبار کی صلاحیت یا لوگوں سے مؤثر رابطہ کا شعور کم ہے اور جب کہ کچھ افراد وہ ہیں کہ جن کے پاس سرمایہ تو نہیں مگر کاروباری معاملات میں کمال درجہ کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اس لیے سرمایہ دار اور صلاحیت والا دونوں مل کر اپنا اپنا نفع اٹھائیں کہ ایک کا سرمایہ ہو اور دوسرے کی محنت ہو اور نفع دونوں کا ہو جس سے قوم و سماج ترقی کرتی ہے۔

اَلْمُضَارَبَةُ عَقْدٌ عَلَى الشَّرِكَةِ فِي الرِّبْحِ بِمَالٍ مِنْ أَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ وَعَمَلٍ مِنَ الْآخَرِ وَلَا تَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ إِلَّا بِالْمَالِ الَّذِي بَيَّنَّا أَنَّ الشَّرِكَةَ تَصِحُّ بِهِ وَمِنْ شَرْطِهَا أَنْ يَكُونَ الرِّبْحُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا لَا يَسْتَحِقُّ أَحَدُهُمَا مِنْهُ دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمَالُ مُسَلَّمًا إِلَى الْمُضَارِبِ لَا يَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِيهِ

"مضاربت نفع میں شرکت پر عقد کرنا ہے۔ شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ اور مضاربت درست نہیں ہوگی مگر اس مال سے جن کو ہم نے شرکت میں بیان کیا کہ ان سے درست ہے اور مضاربت کی شرط میں سے یہ کہ نفع ان دونوں کے درمیان مشترک ہو کہ ان میں سے کوئی ایک متعین دراہم کا مستحق نہ ہو اور ضروری ہے کہ مال مضارب کے حوالے کیا گیا ہو اور مال والے پر اس کا قبضہ نہ ہو۔"

مضاربت کی اصطلاحی تعریف:

قوله: المضاربة عقد الخ: "مضاربت اس عقد کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک کا مال ہو اور دوسرے کی محنت ہو اور نفع دونوں میں مشترک ہو۔"

عقد مضاربت میں اصطلاحات:

مال کے مالک کو "رب المال" محنت کرنے والے کو "مضارب" اور جو مال لگایا گیا ہے اسے "مال مضاربت" اور "رأس المال" جب کہ حاصل ہونے والے نفع کو "ربح" کہا جاتا ہے۔ فقہاء عراق اس عقد کو مضاربت جب کہ فقہا حجاز اسے قراض، مقاوضه اور بعض اوقات معامله بھی کہتے ہیں۔

عقد مضاربہ کی صحت کی شرائط:

قوله: ولا تصح المضاربة الخ: عقد مضاربت میں وہی دو ارکان ہیں جو بیع میں گزرے ایجاب وقبول، امام قدوری نے عقد مضاربت کے صحیح ہونے کی تین شرطین بیان کی ہیں۔

۱۔ جس مال میں شرکت درست ہوتی ہے اسی میں مضاربت بھی درست ہوگی اور وہ دراہم، دینار اور مروّجہ کرنسی ہے۔ لہٰذا مضاربت سامان کے ذریعے درست نہ ہوگی البتہ سامان فروخت کرنے کے بعد اس کی قیمت میں درست ہے۔

۲۔ عقد مضاربت میں نفع کی مقدار معلوم و متعین ہو چاہے فیصد (%) کے اعتبار سے ہو کہ رب المال کو پچاس فیصد اسی طرح مضارب کو بھی یا حصوں کے اعتبار سے تہائی حصہ ($\frac{1}{3}$) وغیرہ مگر کسی فریق کے لیے نفع فکسڈ کرنا جائز نہیں مثلاً ایک ہزار رب المال کے لیے۔ کہ ہو سکتا ہے نفع ہی ہزار آئے پھر تو مضارب محروم ہو جائے گا۔

۳۔ رأس المال (مال مضاربت) مضارب کے حوالے کیا جائے کہ جس پر رب المال کا قبضہ نہ ہو اگر قبضہ ہوگا تو عقد درست نہ ہوگا۔ دیگر فقہاء نے اور شرائط بھی ذکر کی ہیں۔

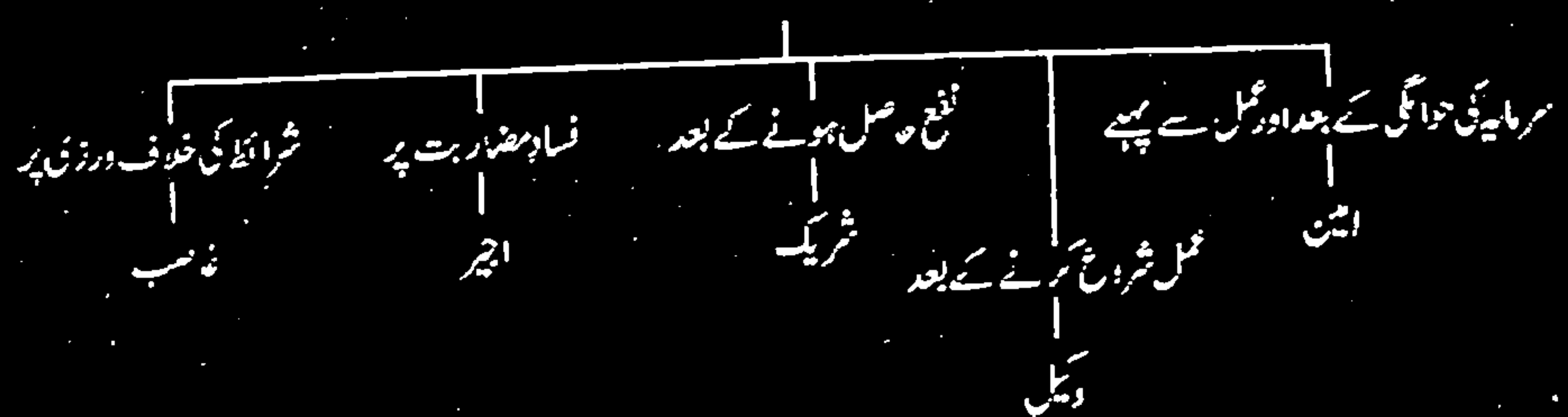
فَإِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَّشْتَرِيَ وَيَبِيْعَ وَيُسَافِرَ وَيُبْضِعَ وَيُوَكِّلَ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّدْفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ فِيْ ذٰلِكَ اَوْ يَقُوْلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ وَاِنْ خَصَّ لَهُ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِيْ بَلَدٍ بِعَيْنِهٖ اَوْ فِيْ سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَّتَجَاوَزَ ذٰلِكَ وَكَذٰلِكَ اِذَا وَقَّتَ لِلْمُضَارَبَةِ مُدَّةً بِعَيْنِهَا جَازَ وَبَطَلَ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهَا

"اور جب مضاربت مطلقاً درست ہو جائے تو مضارب کے لیے جائز ہے کہ وہ خریدے، فروخت کرے اور سفر کرے اور مال بضاعت پر دے اور وکیل بنائے اور مضارب کے لیے جائز نہیں کہ مال کو مضاربت کے طور پر دے ہاں اگر رب المال اس کی اجازت دے دے یا یوں کہہ دے کہ اپنی مرضی سے کام کرو اور اگر رب المال نے مضارب کے لیے تصرف کو کسی متعین شہر یا متعین سامان میں مخصوص کر دیا تو مضارب کے لیے جائز نہیں کہ اس سے تجاوز کرے اور ایسے ہی اگر مضارب کے لیے مدت متعین کر دی تو بھی جائز ہے اور مدت کے گزر جانے سے عقد باطل ہو جائے گا۔"

مضارب کے تصرفات:

قولہ: فاذا صحت الخ: امام قدوری یہاں سے مضارب کے تصرفات کو بیان کر رہے ہیں کہ مضارب کے تصرفات یا تو مضاربت مطلقہ میں ہوں گے یا مضاربت مقیدہ میں۔ مضاربت مطلقہ سے مراد یہ ہے کہ رب المال نے مضارب کے لیے کسی خاص شہر یا خاص سامان یا خاص وقت یا خاص آدمی کی تعیین نہ کی ہو بلکہ مطلقاً تصرفات کی اجازت دی ہو تو حکم یہ ہے کہ مضارب کے لیے وہ تمام امور جائز ہوں گے جو تاجروں کے نزدیک معروف و مشہور ہیں کہ جن امور کی تجارت میں ضرورت پڑتی ہے مثلاً نقد و ادھار فروخت کرنا، وکیل بنانا، دوسری جگہ سفر کرنا اور کسی کو مال بطور بضاعت دینا مگر مضارب تال مضاربت کو دو صورتوں (مالک کی اجازت ہو یا مرضی سے کام کرنے کا کہا ہو) کے علاوہ آگے مضاربت پر نہیں دے سکتا۔ اگر مضارب کے تصرفات مضاربت مقیدہ میں ہوں مقید سے مراد پہلی صورت کے برعکس کہ مالک نے قیود لگائی ہوں تو مضارب ذکر کردہ قیود کے علاوہ تجاوز نہیں کر سکتا کیونکہ مال میں تصرف کا حق مالک کی اجازت سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "لَا يَجُوْزُ لِاَحَدٍ أَنْ يَّتَصَرَّفَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِلَا إِذْنِهٖ" جب کہ مالک مخصوص جگہ یا اوقات کے علاوہ راضی نہیں ہے کہ مال کے ہلاک ہونے یا نفع حاصل نہ ہونے کی بنا پر رضامندی نہیں ہوئی۔ نیز جس طرح مضاربت مکان یا سامان کے ساتھ مقید ہوتی ہے اسی طرح وقت کے ساتھ بھی مقید ہوتی ہے۔ مثلاً رب المال نے کہا کہ تین مہینے تک مضاربت پر مال لے سکتے ہو تو تین مہینے پورے ہونے پر عقد مضاربت خود بخود باطل ہو جائے گا۔

مضارب کی حیثیت



وَلَيْسَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَّشْتَرِيَ اَبَا رَبِّ الْمَالِ وَلَا ابْنَهٗ وَلَا مَنْ يَّعْتِقُ عَلَيْهِ فَاِنْ اشْتَرَاهُمْ كَانَ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهٖ دُوْنَ الْمُضَارَبَةِ فَاِنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّشْتَرِيَ مَنْ يَّعْتِقُ عَلَيْهِ فَاِنْ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ لَهٗ اَنْ

يَّشْتَرِيَهُمْ فَإِنْ زَادَتْ قِيْمَتُهُمْ عَتَقَ نَصِيْبُهُ مِنْهُمْ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئًا وَّيَسْعَى الْمُعْتَقُ لِرَبِّ الْمَالِ فِيْ قَدْرِ قِيْمَةِ نَصِيْبِهٖ مِنْهُ

''اور مضارب کے لیے جائز نہیں کہ رب المال کے والد کو خرید ے اور نہ اس کے بیٹے کو اور نہ اس شخص کو جو رب المال پر آزاد ہو جائے پس اگر مضارب نے ان لوگوں کو خرید لیا تو اپنے لیے خریدنے والا ہوگا نہ کہ مضاربت کے طور پر اور اگر مال میں نفع ہو تو مضارب کے لیے ایسے شخص کو خریدنا جائز نہیں جو اس پر آزاد ہو جائے اور اگر ان لوگوں کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر اس مال میں کوئی نفع نہیں ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ ان لوگوں کو خرید لے پس اگر قیمت بڑھ گئی تو مضارب کا حصہ غلام سے آزاد ہو جائے گا اور مضارب رب المال کا کچھ ضامن نہ ہوگا اور آزاد ہونے والا غلام رب المال کے لیے اس کے حصے کی قیمت میں سعی کرے گا۔''

مال مضاربت سے رب المال کے ذی محرم کو خریدنا:

قولہ : ولیس للمضارب الخ: اصول یہ ہے کہ ''مضارب ایسا کام نہیں کر سکتا کہ جس سے رب المال کو نقصان ہو۔'' لہٰذا مال مضاربت سے رب المال کے ذی رحم محرم کو نہیں خرید سکتا کیونکہ یہ خریدنے کے ساتھ ہی آزاد ہو جائیں گے اور رب المال کو نفع کے بجائے نقصان ہوگا اگر خریدا گیا تو اس کا ضامن مضارب ہی ہوگا۔

مال مضاربت سے مضارب کا ذی رحم محرم خریدنا:

قولہ: وان کان الخ: مضارب اگر اپنے کسی ذی رحم محرم کو خرید ے گا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ مال مضاربت میں اگر نفع ظاہر ہو تو اپنے ذی رحم محرم کو نہیں خرید سکتا کیونکہ اگر نفع ہوگا تو دونوں کا ہوگا مضارب کے نفع کے حصہ کا غلام آزاد ہوگا تو رب المال کو بھی آزاد کرنا پڑے گا یا اس سے سعی کرائے گا اس میں رب المال کو نقصان ہے۔ اور مضارب کو تمام سرمایہ لوٹانا پڑے گا۔ اگر نفع ظاہر نہ ہو تو جائز ہے کہ اس میں رب المال کی ملکیت ظاہر نہ ہوگی اس لیے مضارب کی طرف آزادی لازم نہ آئے گی اگر خریدنے کے بعد غلام کی قیمت بڑھ گئی تو مضاربت کے حصے کی مقدار غلام آزاد ہو جائے گا یہ حصہ خود مضارب کا ہے یہ حادثاتی طور پر آزاد ہوا ہے۔ لہٰذا تاوان لازم نہیں آئے گا البتہ غلام پر لازم ہے کہ رب المال کے حصے کی سعی کرے۔

وَإِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ مُضَارَبَةً وَّلَمْ يَأْذَنْ لَهٗ رَبُّ الْمَالِ فِيْ ذَالِكَ لَمْ يَضْمَنْ بِالدَّفْعِ وَلَا يَتَصَرَّفُ الْمُضَارِبُ الثَّانِيْ حَتّٰى يَرْبَحَ فَإِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ الْمَالَ لِرَبِّ الْمَالِ فَإِذَا دَفَعَ إِلَيْهِ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ وَأَذِنَ لَهٗ أَنْ يَّدْفَعَهٗ مُضَارَبَةً فَدَفَعَهٗ بِالثُّلُثِ جَازَ فَإِنْ كَانَ رَبُّ الْمَالِ قَالَ لَهُ اعْمَلْ عَلٰى أَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِيْ ثُلُثُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ السُّدُسُ وَإِنْ كَانَ قَالَ عَلٰى أَنَّ مَا رَزَقَكَ اللّٰهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَمَا بَقِيَ بَيْنَ رَبِّ الْمَالِ ، وَالْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ نِصْفَانِ وَإِنْ قَالَ لَهٗ عَلٰى أَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ فَلِيْ نِصْفُهٗ وَدَفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً

بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلَا شَيْءَ لِلْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ فَإِنْ شَرَطَ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي ثُلُثَيِ الرِّبْحِ فَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي النِّصْفُ وَيَضْمَنُ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي سُدُسَ الرِّبْحِ فِي مَالِهِ

”اور جب مضارب نے مالِ مضاربت کو کسی غیر کو مضاربت پر دے دیا اور رب المال نے اس کو اس کی اجازت نہ دی تھی تو مضارب صرف دے دینے سے ضامن ہوگا اور نہ ہی مضارب ثانی کے تصرف سے یہاں تک کہ نفع حاصل ہو جائے تو پہلا مضارب مالک کے لیے مال کا ضامن ہوگا اور جب مالک نے مضارب کو نصف نصف کے ساتھ مال دیا اور اسے آگے بطور مضاربت کے مال دینے کی اجازت بھی دی تو مضارب نے یہ مال مضاربت کے طور پر دے دیا ثلث کے ساتھ جائز ہے اب اگر رب المال نے مضارب کو یوں کہا ہو کہ اللہ تعالیٰ جو نفع دے گا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اور مضارب کے لیے ثلث نفع اور باقی مضارب اول اور رب المال کے درمیان نصف نصف ہوگا اور اگر مالک نے کہا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نفع دیا تو میرے لیے اس کا نصف ہوگا جب کہ مضارب نے دوسرے کو بطور مضاربت نصف نصف کے ساتھ دے دیا تو مضارب ثانی کے لیے نصف نفع ہوگا اور مالک کے لیے نصف نفع ہوگا اور مضارب اول کے لیے کچھ نہ ہوگا اور اگر مضارب کے لیے نفع کے دو ثلث کی شرط لگا دی گئی تو رب المال کے لیے نصف نفع اور مضارب ثانی کے لیے بھی نصف نفع ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لیے نفع کے چھٹے حصے کا اپنے مال سے ضامن ہوگا۔“

حل لغات: الثلث تہائی حصہ، السدس چھٹا حصہ۔

مالک کی اجازت کے بغیر آگے عقد مضاربت:

قوله: واذا دفع الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک نے مضارب کو مضاربت کے لیے مال دیا تو مضارب نے مالک کی اجازت کے بغیر آگے کسی اور کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب ضامن ہوگا لیکن کب ہوگا؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف حوالے کر دینے یا کاروبار کرنے سے ضامن نہ ہوگا کہ جب تک دوسرے مضارب کو نفع نہ ہو لہٰذا جب نفع حاصل ہوگا تو مضارب اول ضامن ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ کاروبار شروع کرنے سے قبل وہ مال بطور امانت ہے اور کاروبار کیا مگر نفع نہ ہوا تو بضاعت (اجرت) کے طور پر کام کر رہا ہے لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو شریک ہونے کی وجہ سے حقیقتاً مضارب ثانی بن گیا جس کی مالک نے اجازت نہ دی تھی۔ متن میں امام اعظم ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ جب مضارب ثانی نے کاروبار شروع کر دیا تو مضارب اول مالک کا ضامن ہوگا چاہے نفع حاصل ہو یا نہ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب مضارب اول نے دوسرے کو مال دیا تو وہ امانت ہے لیکن جب اس نے کاروبار شروع کر دیا تو بطور مضاربت متعین ہو گیا تو مالک کی جانب سے آگے مال دینے کی اجازت نہیں تھی۔ لہٰذا مضارب اول مالک کا ضامن ہوگا کہ مضارب اول کی مال میں تعدی (Negligence) شمار ہوگی خواہ نفع ہو یا نہ ہو۔ (تقدیم قول صاحبین فی ملتقی الابحر، در مختار، الفقہ الاسلامی)

مالک کی اجازت سے آگے عقد مضاربت:

قولہ: واذا دفع الیہ الخ: امام قدوری نے اس سے قبل مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو مال مضاربت دینے کا حکم بیان کیا تھا اب مالک کی اجازت کے ساتھ دوسرے کو مال مضاربت دینے کی چار صورتوں کو بیان کر رہے ہیں۔

۱۔ مالک نے مضارب کو مال دیتے ہوئے۔ "ما رزق اللہ تعالیٰ فھو بیننا نصفان" کہا کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ دے گا وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اور مضارب اول نے مضارب ثانی کو مال مضاربت تہائی (ثلث) نفع کے حساب سے دے دیا تو اس صورت میں نفع کی تقسیم تینوں کے درمیان اس طرح ہوگی کہ مالک کل نفع کا نصف لے گا، مضارب ثانی کل نفع کا ایک تہائی لے گا جب کہ مضارب اول کل نفع کا چھٹا حصہ (سدس) لے گا۔ مثلاً اول کو کل نفع کا چھ سو ہوا تو تین سو (۵۰ فیصد) مالک کے، اور دوسو (33.33 فیصد) مضارب ثانی کے اور ایک سو (16.66 فیصد) مضارب اول کا ہوگا۔

۲۔ اگر مالک نے مضارب کو مال دیتے ہوئے کہا جو نفع آپ کو ہوگا اس کا نصف نصف ہوگا۔

پہلی صورت اور اس صورت میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں کہا تھا جتنا نفع ہو اس کا آدھا آدھا جب کہ دوسری صورت میں یہ کہا جتنا نفع تجھے ملے اس کا آدھا لہٰذا اس فرق کی وجہ سے دوسری صورت میں مضارب ثانی کو کل نفع کا ایک ثلث (33.33 فیصد) ملے گا اور باقی دو ثلث (66.66 فیصد) مالک اور مضارب اول کے درمیان تقسیم ہوگا۔ لہٰذا چھ سو نفع سے دو سو مضارب ثانی کو اور باقی چار سو مالک اور مضارب اول دونوں کے درمیان نصف نصف (دو دو) تقسیم ہوں گے۔

۳۔ اگر مالک نے مضارب سے کہا کہ جو بھی نفع ملے اس سب کا نصف میرا ہے اس کے باوجود مضارب نے مال دوسرے کو نصف نفع پر دے دیا اب مالک کے لیے نصف (۵۰ فیصد) ملے گا اور نصف (۵۰ فیصد) ہی دوسرے مضارب کو ملے گا اور مضارب اول نفع سے محروم رہے گا۔

۴۔ اگر مالک نے مال دیتے ہوئے کہا کہ پورے نفع کا آدھا لوں گا اور مضارب اول نے مضارب ثانی کو پورے نفع کی دو تہائی پر دے دیا اگر مضارب اول نے آدھے نفع سے چھٹا حصہ دے دیا تو مضارب اول ضامن ہوگا اسی نے تو دو تہائی (66.66 فیصد) دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی حقیقت:

۱۔ مال مضاربت فقہا حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف تجارت اور اس سے متعلقہ سرگرمیوں میں ہی لگایا جا سکتا ہے اس کے علاوہ زرعی اور صنعتی منصوبوں میں اس کا استعمال درست نہیں جب کہ اسلامی بینکوں میں تجارت کے علاوہ دوسرے منصوبوں میں بھی مال مضاربت کو لگایا جاتا ہے۔

۲۔ بینکوں میں اگرچہ مال مضاربت کا نفع معلوم کرنے کی سہولت موجود ہے کہ اگر کوئی مالک (ڈیپازیٹر) یہ جاننا چاہے کہ نفع کی تقسیم کس تناسب سے ہے تو بینک کے ذمہ دار بتاتے ہیں اور خود بینک کی ویب سائٹ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے مگر جس فارم پر دستخط کراتے ہیں اس پر لکھا ہوتا ہے کہ "بینک تناسب تبدیل کرنے کا مجاز ہے" لیکن تبدیل شدہ تناسب کیا ہے اور کتنی مدت کے لیے

ہے؟ اس کو آویزاں نہیں کرتے کہ نفع کی اس تقسیم کا فارمولا کب تک چلے گا۔

۳۔ نیز نفع کے تناسب کو مدت اور رقم کی کمی بیشی کے ساتھ جوڑنا بھی ربوا کے شبہ سے خالی نہیں۔

۴۔ بینک میں لوگوں کا بھی مال مضاربت ہوتا ہے اور بینک کا اپنا بھی ہوتا ہے مگر لوگوں کے لیے نفع کا تناسب کم رکھا ہے اور بینک کے لیے نفع کا تناسب زیادہ رکھا ہے حالانکہ کھاتہ داروں کا مال بینک کے مال سے زیادہ ہوتا ہے پھر چاہیے بینک اور کھاتا داروں کا ویج برابر ہونا چاہیے۔

وَاِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ اَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَةُ وَاِذَا اِرْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ لطلب المضاربة وَاِذَا عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ فَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهٖ حَتّٰى اشْتَرٰى اَوْ بَاعَ فَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ وَاِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهٖ وَالْمَالُ عُرُوْضٌ فِيْ يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يَّبِيْعَهَا وَلَا يَمْنَعُهُ الْعَزْلُ عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئًا آخَرَوَاِنْ عَزَلَهٗ وَرَأْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ اَوْ دَنَانِيْرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْهَا

"اور جب مالک یا مضارب فوت ہو جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی اور جب مالک اسلام سے پھر گیا اور دارالحرب میں چلا گیا تو مضاربت باطل ہو جائے گی اور اگر مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اسے اپنے معزول ہونے کا علم نہ ہو یہاں تک کہ اس نے کوئی چیز خریدی یا فروخت کی تو اس کا تصرف جائز ہے اور اگر اس کو اپنا معزول ہونا معلوم ہوا اور اس کے قبضے میں مال سامان کی صورت میں ہو تو سامان فروخت کرنا مضارب کے لیے جائز ہے اور اسے معزول کرنا اس سے مانع نہ ہوگا پھر اس کی قیمت سے کوئی اور چیز خریدنا جائز نہیں اور اگر اسے معزول کیا اس حال میں کہ مال مضاربت دراہم یا دنانیر کی صورت میں ہیں تو جو نقدی ہیں تو اس کے لیے جائز نہیں کہ ان میں تصرف کرے۔"

حل لغات: العزل جدا کرنا، نضت نض سے ہے بمعنی سامان کے بعد نقدی ہونا۔

عقد مضاربت کے بطلان کی صورتیں:

قولہ: واذا مات الخ: امام قدوری نے مضاربت کے باطل ہونے کی دو صورتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ مالک یا مضارب میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے کیونکہ مضاربت وکالت پر منعقد ہوتی ہے جب وکیل (مضارب) ہی فوت ہو گیا یا مؤکل (مالک) ہی فوت ہو گیا تو وکالت باطل ہو جاتی ہے۔

۲۔ جب مالک اسلام سے پھر جائے کہ مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا جائے اور قاضی اس کے دارالحرب کے ساتھ ملحق ہونے کا فیصلہ کر دے تب بھی مضاربت باطل ہو جاتی ہے کیونکہ مرتد ہو جانے کے بعد یہی اندازہ ہے کہ وہ اب واپس نہیں آئے گا اس کے علاوہ اور بھی صورتیں ہیں ایک صورت آگے آ رہی ہے اور ایک یہ بھی ہے کہ دائمی جنون ہو یا مال مضاربت ہی ہلاک ہو گیا ہو۔

معزول مضارب کے تصرفات کا حکم:

قولہ: وان عزل الخ: اگر مالک نے مضارب کو کاروبار کرنے سے معزول کر دیا تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔مضارب کومعزول ہونے کا علم ہی نہ ہوتو مضارب کے لیے بیع وشرا کے تصرفات جائز ہیں کہ اصول یہ ہے ”اختیاری معزول کی صورت میں وکیل علم سے پہلے معزول نہ ہوگا۔“

۲۔مضارب کومعزول ہونے کا علم ہواور مال مضاربت اس کے پاس سامان کی شکل میں موجود ہوتو مضارب کوسامان فروخت کر کے کرنسی لینا جائز ہے مگر کرنسی کوخرچ کرنے کی اجازت نہ ہوگی یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ”اگر چہ وکیل کومعزول کردیا ہولیکن نقصان ہورہا ہے تو نقصان کی تلافی تک معزول نہ ہوگا“ کہ کرنسی کی وصولی کے بعد معزول تصور ہوگا۔

۳۔مضارب کے پاس مال مضاربت نقدی کی صورت میں موجود ہے تو اس کو اس میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ورنہ مضاربت کی معیاد بڑھ جائے گی اس لیے تصرف منع ہے۔

وَاِذَا افْتَرَقَا وَفِي الْمَالِ دُيُوْنٌ وَّقَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِيْهِ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُوْنِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ يَلْزَمْهُ الْاِقْتِضَاءُ وَيُقَالُ لَهٗ وَكِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِي الْاِقْتِضَاءِ وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُوْنَ رَاْسِ الْمَالِ وَاِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُضَارِبِ فِيْهِ فَاِنْ كَانَا اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَالْمُضَارَبَةُ بِحَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ كُلُّهٗ اَوْ بَعْضُهٗ تَرَادَّا الرِّبْحَ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَاْسَ مَالِهٖ فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا وَاِنْ نَقَصَ عَنْ رَاْسِ الْمَالِ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُضَارِبِ

”اور جب مالک ومضارب الگ ہوگئے اور مال میں قرضے ہوں اور مال مضاربت میں نفع حاصل ہو چکا ہوتو قاضی مضارب کو قرضوں کے وصول کرنے پر مجبور کرے گا اور اگر مال میں نفع نہ ہوگا مضارب کو وصول کرنا لازم نہیں اور اس کو کہا جائے گا کہ وصولی کے لیے مالک کو وکیل بنادے اور مال مضاربت میں سے جو ضائع ہو جائے وہ نفع سے ہوگا نہ کہ راس اکال سے اور اگر ضائع ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو مضارب پر اس میں کوئی ضمان نہیں اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کرلیا اور مضاربت اپنی حالت پر ہے اس کے بعد پورا مال یا کچھ مال ہلاک ہوگیا تو دونوں نفع لوٹا دیں یہاں تک کہ مالک اصل رقم پوری کرلے اور اگر کچھ رقم بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی اور اگر اصل رقم سے کچھ کم رہ جائے تو مضارب خاص نہ ہوگا۔“

مضاربت کے ختم پر قرضوں کی وصولی:

قولہ: واذا افترقا الخ: جب عقد مضاربت ختم ہو جائے اور مال مضاربت دوسرے لوگوں کے پاس قرضوں کی شکل میں موجود ہوتو مضارب کو وصولی کے لیے مالک مجبور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لیے ایک اصول یہ ہے کہ ”اگر مال مضاربت سے مضارب کو نفع حاصل ہوا ہے تو مضارب کو قرضوں کی وصولی کے لیے مجبور کیا جائے گا ورنہ نہیں“ کیونکہ نفع حاصل کرنے کی وجہ سے وہ اجیر کی مانند ہوگیا لہٰذا اس نے فروخت کرنے، خریدنے اور قرضوں کی وصولی کے لیے اجرت لے لی ہے اس لیے اسی پر وصول کرنا لازم ہے اگر مضارب کو نفع نہیں ہوا تو اسے قرضوں کی وصولی کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس نے مضاربت کا عمل تبرع اور احسان کے طور پر کیا ہے۔تبرع اور احسان میں کام کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔لہٰذا قرضوں کی وصولی کے لیے مالک کو وکیل بنادے تاکہ مالک کا مال ضائع نہ ہو۔

مال مضاربت کی ہلاکت:

قولہ: وما هلك الخ: اگر مال مضاربت ہلاک ہو جائے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔مضارب کو نفع ہوا مگر تقسیم نہیں کیا کہ مال مضاربت ہلاک ہو گیا تو مال مضاربت کے نقصان کو نفع سے پورا کیا جائے گا کہ ہلاکت کو نفع سے پورا کیا جاتا ہے اگر نفع بھی نقصان پورا نہ کر سکے تو مضارب پر کچھ تاوان نہیں آئے گا کہ بغیر تعدی کے مال ہلاک ہوا ہے یہ امین ہے اور امین پر تاوان نہیں ہوتا۔

۲۔نفع مضارب اور مالک دونوں نے تقسیم کر لیا اور عقد مضاربت بھی برقرار ہے پھر مال ہلاک ہو گیا تو تقسیم شدہ نفع سے اصل مال کی مقدار پوری کی جائے گی اس کے بعد جو نفع بچ جائے تو فریقین کے مابین تقسیم کیا جائے گا اگر نفع سے نقصان پورا نہ ہو تو مضارب پر کچھ تاوان نہیں علت پہلی صورت والی ہے۔تیسری صورت اگلی عبارت میں ہے۔

وَاِنْ كَانَا اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَفَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا وَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْأَوَّلَ وَيَجُوزُ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَبِيعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيئَةِ وَلَا يُزَوِّجُ عَبْدًا وَّلَا اَمَةً مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ۔

"اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا اور مضاربت ختم کر دی پھر عقد مضاربت کیا تو مال ہلاک ہو گیا تو پہلا نفع نہیں لوٹائیں گے اور مضارب کے لیے جائز ہے کہ نقد اور ادھار فروخت کرے لیکن مال مضاربت سے کسی غلام یا لونڈی کی شادی نہ کرے۔"

ہلاکت کی تیسری صورت:

قولہ: وان كانا الخ: نفع تقسیم ہونے کے بعد عقد مضاربت ختم کر دی پھر دوبارہ وہ عقد مضاربت کیا گیا پھر اصل مال ہلاک ہو گیا کہ اس سے کچھ نفع نہ ہوا تھا تو اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے پہلی مضاربت کے نفع کو واپس نہیں کیا جائے گا۔کیونکہ پہلا عقد اور ہے جب کہ دوسرا عقد اور ہے لہٰذا پہلے نفع کا دوسرے عقد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

مضاربت میں نقصان:

مضاربت میں نقصان صرف مال والے کا ہوتا ہے بشرطیکہ مضارب کی جانب سے جان بوجھ کر کوتاہی ثابت نہ ہو لہٰذا معاہدہ کرتے ہوئے مضارب کو نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانے کی شرط باطل ہو گی جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔"لَا يَلْزَمُ مَالًا يُسْتَطَاعُ الْاِمْتِنَاعُ مِنْهُ" (المبسوط)

نقد و ادھار کا معاملہ:

قولہ: ويجوز الخ: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جو امور تجارت کے متعلقات میں شمار ہوتے ہیں وہ مضارب کر سکتا ہے۔" نقدی فروخت کرنا یا ادھار پر بیچنا دونوں کا تعلق امور تجارت سے ہے۔لہٰذا مضارب کو دونوں کا اختیار ہے۔مگر مال مضاربت سے خریدے گئے غلام یا لونڈی کا نکاح نہیں کر سکتا کہ جب تک مالک مال کی اجازت نہ ہو اگرچہ شادی کرنے میں فوائد تو ہیں کہ مہر، نفقہ، بچے کا پیدا ہونا مگر یہ امور تجارت سے نہیں۔

کتاب الوکالۃ

سیاق وسباق:

چونکہ مضاربت کو وکالت سے مشابہت ہے اس لیے مضاربت کے بعد وکالت کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

وکالت کا لغوی معنی:

کسی کے کام سپرد کرنا، حفاظت کرنا۔

اصطلاحی معنی:

"اِقَامَۃُ الْغَیْرِ مَقَامَ نَفْسِہٖ فِیْ تَصَرُّفٍ مَعْلُوْمٍ." (جوہرہ نیرہ)

کسی دوسرے شخص کو خاص تصرف کے لیے اپنی جگہ قائم مقام بنانا وکالت کہلاتا ہے۔

وکالت کا رکن:

وہ الفاظ کہ جن کے ذریعے وکالت ثابت ہوتی ہے مثلاً میں نے تجھے فلاں کام کا وکیل بنایا۔

ثبوت:

اس کا ثبوت قرآن مجید سے ہے اصحاب کہف نے اپنا وکیل بنا کر ایک درہم دے کر بازار بھیجا تھا۔ نیز حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے بھیجا تھا۔ عہد رسالت سے آج تک امت کا تعامل ہے کہ اس کے جواز پر اجماع ہے۔ قیاس سے بھی جائز ہے کہ کئی افراد ایسے ہوتے ہیں کہ بذات خود مختلف پہلو میں معاملہ کی صلاحیت نہیں رکھتے اس لیے ان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ان کو قائم مقام کی ضرورت ہوتی ہے باقی وکالت کی شرائط اور حکم وغیرہ کی بحث متن میں تفصیل سے آرہی ہیں۔

وکالت کے متعلق اصطلاحات:

وکیل بنانے والے کو "مُوَکِّل" جس کو بنایا گیا اسے وکیل، جس چیز میں وکیل بنایا اسے مُوَکَّل بہ اور وکیل بنانے کو وکالت اور توکیل کہا جاتا ہے۔

کُلُّ عَقْدٍ جَازَ اَنْ یَّعْقِدَہُ الْاِنْسَانُ لِنَفْسِہٖ جَازَ اَنْ یُّوَکِّلَ بِہٖ غَیْرَہٗ یَجُوْزُ التَّوْکِیْلُ بِالْخُصُوْمَۃِ فِیْ سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَاِثْبَاتِہَا وَیَجُوْزُ بِالْاِسْتِیْفَاءِ اِلَّا فِی الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّ الْوَکَالَۃَ لَا تَصِحُّ بِاسْتِیْفَائِہِمَا مَعَ غَیْبَۃِ الْمُوَکِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ

"ہر وہ عقد جس کو بذات خود انسان کو کرنا جائز ہے اس میں دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز ہے اور خصومت کے لیے تمام حقوق میں اور ان کو ثابت کرنے میں وکیل بنانا جائز ہے اور حقوق کو حاصل کرنے کے لیے جائز ہے مگر حدود وقصاص میں

کیونکہ ان حقوق کو حاصل کرنے کی وکالت درست نہیں ہے۔ موکل کی مجلس سے عدم موجودگی کی صورت میں۔"

وکیل بنانے کے متعلق ایک ضابطہ:

قولہ: کل عقد الخ: امام قدوری نے وکالت کے متعلق ایک فقہی قاعدہ ذکر کیا ہے۔ "كُلُّ عَقْدٍ جَازَ اَنْ يَّعْقِدَهٗ الْاِنْسَانُ جَازَ اَنْ يُّوَكِّلَ بِهٖ غَيْرَهٗ۔" کہ ہر وہ کام جو انسان کے لیے خود کرنا جائز ہے تو اس میں دوسرے کو اپنا نائب و وکیل بنانا بھی جائز ہے۔ مثلاً حلال کی خرید و فروخت خود کر سکتا ہے لیکن حرام اشیاء شراب و خنزیر کی خرید و فروخت نہیں کر سکتا تو یہی حکم وکیل کے لیے بھی ہوگا کہ پہلے امور میں وکالت جائز اور دوسرے امور میں وکالت ناجائز ہے۔

وکالت کی شرعی حیثیت

- کارِ خیر میں ہو — مندوب
- حقیقی نقصان کو دور کرنے کے لیے ہو — واجب
- ناپسندیدہ کام میں ہو — مکروہ
- حرام کام میں ہو — حرام

دورِ حاضر میں وکالت کا پیشہ:

فی نفسہٖ وکالت تو جائز ہے کہ اس کا ثبوت احادیث مبارکہ میں مبرہن ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسیلمہ کذاب کو جواب دینے کے لیے حضرت ثابت بن قیس کو وکیل بنایا یونہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مقدمہ میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وکیل مقرر کرتے وکالت اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ خلاف شرع فیصلہ نہ ہو لیکن دور حاضر میں وکالت کی کیفیت یہ ہے کہ جس کی تصویر فقہ حنفی کی ایک عظیم شخصیت امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں بیان فرمائی "وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اگر اسے وکیل بنانے والا سچ بولنے کی کوشش کرے، تو کہا جاتا ہے کہ سچ کہو گے تو مقدمے میں کامیابی نہ ہو گی۔ جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں۔ حرام قطعی ہے۔" (فتاویٰ رضویہ ۱۹/۹۵، جد الممتار ۶/۳۵۱) تاہم ان کے ذریعے اپنے جائز حقوق لینا اور ظالم کے ظلم سے نجات حاصل کرنا، اور جو قوانین شریعت کے متصادم نہ ہوں ان کے ذریعے فیصلہ کرنے پر فیس لینا جائز ہے یہ فیس خاص وقت اور خاص دن محبوس رہنے کی ہے جو کہ فقہاء کرام کے نزدیک جائز ہے مگر حد سے زیادہ لینا ظلم ہے۔

جواز اور عدم جواز کے دونوں رخ ظاہر ہیں۔

توکیل بالخصومت کا حکم:

قولہ: ویجوز التوکیل الخ: توکیل بالخصومت کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کی عدالت میں اپنے حق کو ثابت (ایفا) کرنے اور حق کو وصول (استیفا) کرنے کے لیے مقدمہ میں کسی کو وکیل بنانا "توکیل بالخصومت" کہلاتا ہے یہ جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر آدمی قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا اس لیے خصومت (جھگڑے) کا وکیل بنانا حقوق کی ادائیگی میں ہو یا وصولی میں جائز ہے۔ سوائے حدود و قصاص کے کہ اگر موکل مجلس میں موجود نہ ہو تو وکالت ناجائز ہے

کیونکہ موکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ موکل (وارث) نے آخری وقت میں حدود وقصاص لینے کو معاف کر دیا ہو چونکہ فقہی قاعدہ ہے "الحدود تندرئ بالشبھات" کہ حدود وقصاص شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اس لیے وکالت کے جواز کے لیے موکل کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح حد یا قصاص جس پر لازم ہے اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کیا جائے کہ اس پر جاری ہو یہ جائز نہیں کیونکہ حد یا قصاص تو مجرم پر جاری ہوتی ہیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ کیس کی پیروی کے لیے وکیل تو کیا جا سکتا ہے مگر حدود وقصاص کا نفاذ وکیل پر نہیں بلکہ مجرم پر ہوگا۔

وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لَا يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ اِلَّا بِرِضَا الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضًا اَوْ غَائِبًا مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِغَيْرِ رِضَا الْخَصْمِ۔

"اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا توکیل بالخصومت مدعیٰ علیہ کی رضامندی کے بغیر جائز نہیں مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر دور ہو اور صاحبین نے فرمایا کہ مدعیٰ علیہ کی رضامندی کے بغیر توکیل جائز ہے۔"

حل لغات: الخصم فریق مخالف، مدعیٰ علیہ، مسیرہ مسافت صاعداً زیادہ۔

توکیل بالخصوت میں مدعیٰ علیہ کی رضا کا حکم:

قولہ: وقال ابوحنیفہ الخ: نفس مسئلہ یہ ہے کہ مقدمہ میں وکیل بنانے پر فریق مخالف کی رضامندی ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف لزوم توکیل اور عدم لزوم توکیل میں ہے نہ کہ جواز توکیل میں لہٰذا سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فریق مخالف کی رضامندی شرط ہے۔ سوائے دو صورتوں کے ایک صورت یہ کہ موکل اتنا بیمار ہو کہ عدالت میں حاضر نہ ہو سکتا ہو، دوسری صورت یہ کہ موکل عدالت سے مسافت شرعی (تقریباً 92 کلومیٹر) کے فاصلہ پر ہو جب کہ صاحبین کے نزدیک فریق مخالف کی رضا وعدم رضا کا کوئی اعتبار نہیں۔ دور حاضر میں اسی پر عمل ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ وکیل بنانا اپنے حق میں تصرف کرنا ہے اس لیے دوسرے (خصم) کی رضا پر موقوف نہ ہوگا۔ (الصحیح قولھما البحر الرائق، خلاصۃ الفتاویٰ)

وَمِنْ شَرْطِ الْوَكَالَةِ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مِمَّنْ يَّمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَيَلْزَمُهُ الْاَحْكَامُ وَالْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَّعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ وَاِذَا وَكَّلَ الْحُرُّ الْبَالِغُ اَوِ الْمَاْذُوْنُ لَهُ مِثْلَهُمَا جَازَ وَاِنْ وَكَّلَا صَبِيًّا مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ اَوْ عَبْدًا مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ جَازَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا الْحُقُوْقُ وَيَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلِهِمَا۔

"اور وکالت کی شرط یہ ہے کہ موکل ان لوگوں میں سے ہو جو تصرف کا مالک ہو اور اس کو احکام لازم ہوں اور وکیل ان لوگوں میں سے ہو جو بیع کی سمجھ رکھتا ہو اور ارادہ رکھتا ہو اور اگر آزاد بالغ یا عبد ماذون اپنے جیسے کو وکیل بنائے تو جائز ہے اور اگر کسی مجور بچے کو وکیل بنایا جو خرید وفروخت کو سمجھتا ہو یا عبد مجور کو وکیل بنایا تو جائز ہے لیکن حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے اور وہ ان کے موکل کے ساتھ متعلق ہوں گے۔"

وکالت کی شرائط:

قولہ : ومن شرط الخ: وکالت کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرطیں مؤکّل کے متعلق ہوتی ہیں، کچھ وکیل کے متعلق ہوتی ہیں اور کچھ مؤکل بہ کے متعلق ہوتی ہیں۔ امام قدوری نے دو شرطیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ وکالت کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وکیل بنانے والا جس کام میں وکیل بنا رہا ہے وہ خود بھی اس کو کر سکتا ہو چونکہ وکالت میں اپنے اختیار کو سونپنا ہوتا ہے خود با اختیار ہوگا تو تب کسی کو اختیار دے سکتا ہے۔

۲۔ وکیل ایسا شخص ہو جو عاقل و بالغ ہو، بیع و شرا کی حقیقت کو جانتا ہو، قصد و ارادہ سے ان کو بجالاتا ہو مذاق و کھیل نہ سمجھتا ہو تو تب وکیل بن سکتا ہے۔

شرطوں پر تفریعات:

قولہ: واذا وکل الخ: لہٰذا اگر آزاد، عاقل، بالغ شخص نے کسی آزاد عاقل، بالغ کو وکیل بنایا یا عبد ماذون (تجارت میں اجازت یافتہ) نے عبد ماذون کو وکیل بنایا تو دونوں میں مذکورہ شرطیں پائی جاتی ہیں لہٰذا توکیل درست ہوگی۔ اگر کسی آزاد، عاقل، بالغ نے کسی ایسے بچے کو وکیل بنایا جو خرید و فروخت کو سمجھتا ہو اور ولی نے اسے خرید و فروخت کی اجازت نہیں دی تو ایسے بچے کی وکالت تو درست ہے لیکن بیع و شرا کے تمام حقوق جو لین دین سے تعلق رکھتے ہیں وہ مؤکل کی طرف لوٹیں گے بچہ ذمہ دار نہ ہوگا اسی طرح حکم اس غلام کا بھی ہے کہ جس کو آقا نے تجارت کی اجازت نہ دی ہو۔ اجازت نہ دینے پر ان کو محجور (روکا ہوا) کہا گیا ہے۔ (باقی تفصیل کتاب الحجر میں بچے اور غلام کے عنوان سے کر دی گئی ہے دیکھ لیجیے۔)

وَالْعُقُوْدُ الَّتِیْ یَعْقِدُھَا الْوُکَلَاءُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ کُلُّ عَقْدٍ یُضِیْفُهُ الْوَکِیْلُ اِلٰی نَفْسِهٖ مِثْلُ الْبَیْعِ وَالشِّرَاءِ وَالْاِجَارَةِ فَحُقُوْقُ ذٰلِكَ الْعَقْدِ تَتَعَلَّقُ بِالْوَکِیْلِ دُوْنَ الْمُوَکِّلِ فَیُسَلِّمُ الْمَبِیْعَ وَیَقْبِضُ الثَّمَنَ وَیُطَالَبُ بِالثَّمَنِ اِذَا اشْتَرٰی وَیَقْبِضُ الْمَبِیْعَ وَیُخَاصِمُ فِی الْعَیْبِ۔ وَکُلُّ عَقْدٍ یُضِیْفُهُ اِلٰی مُوَکِّلِهٖ کَالنِّکَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ فَاِنَّ حُقُوْقَهٗ تَتَعَلَّقُ بِالْمُوَکِّلِ دُوْنَ الْوَکِیْلِ فَلَا یُطَالَبُ وَکِیْلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَا یَلْزَمُ وَکِیْلَ الْمَرْاَةِ تَسْلِیْمُهَا وَاِذَا طَالَبَ الْمُوَکِّلُ الْمُشْتَرِیَ بِالثَّمَنِ فَلَهٗ اَنْ یَّمْنَعَهٗ اِیَّاهُ فَاِنْ دَفَعَهٗ اِلَیْهِ جَازَ وَلَمْ یَکُنْ لِلْوَکِیْلِ اَنْ یُّطَالِبَهٗ بِهٖ ثَانِیًا۔

"اور وہ عقود جن کو وکلاء کرتے ہیں دو قسم پر ہیں ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے بیع، شراء، اور اجارہ تو اس عقد کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے نہ کہ مؤکل سے لہٰذا وکیل مبیع کو حوالے کرے گا اور ثمن پر قبضہ کرے گا اور اسی سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا جب کہ وہ کچھ خریدے اور یہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور عیب میں اسی سے جھگڑا کرے گا۔ اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے مؤکل کی جانب منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع اور دم عمد سے صلح تو ان کے حقوق مؤکل سے متعلق ہوں گے نہ کہ وکیل سے لہٰذا شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور عورت کے وکیل پر عورت کا حوالہ کرنا لازم

نہیں ہوگا اور اگر مؤکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے تو مشتری کو حق ہے کہ وہ مؤکل کو ثمن دینے سے منع کر دے پس اگر مشتری نے ثمن وکیل کو دے دیا تو جائز ہے اور وکیل دوبارہ اس سے مانگ نہیں سکتا۔"

وکیل کے عقود کی اقسام:

قولہ: والعقود التی الخ: امام قدوری یہاں سے وکیل کے عقود کی اقسام اور ان کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ وکیل کے عقود دو قسم پر ہیں۔

۱۔ وہ عقود جن کو وکیل کرتے وقت مؤکل کے بجائے اپنے طرف منسوب کرتا ہے مثلاً خرید و فروخت، اجارہ اور صلح عن الاقرار۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ تمام حقوق وکیل ہی کی طرف لوٹیں گے کیونکہ عاقد ہی یہی ہے اس لیے اس نے اپنی طرف عقد منسوب کیا ہے۔ لہٰذا یہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا ثمن کی وصولی ہو یا مبیع میں عیب نکل آیا یا مبیع پر قبضہ کرنا ہو وکیل کی ذمہ داری ہے نہ کہ مؤکل کی۔

۲۔ وہ عقود جن کو وکیل اپنی طرف منسوب کرنے کے بجائے مؤکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مثلاً نکاح، خلع، صلح عن الدم اور صلح عن الانکار۔ اس قسم کا حکم یہ ہے کہ تمام حقوق مؤکل کی طرف لوٹیں گے۔ کیونکہ وکیل تو ان عقود میں سفیر محض ہے کہ مؤکل کی بات مقابل تک پہنچاتا ہے۔ لہٰذا نکاح کا وکیل یوں کہے گا کہ میں اس عورت کا فلاں سے نکاح کرتا ہوں۔ خلع کا وکیل یوں کہے گا میں تیری بیوی کی طرف سے اتنے مال پر تجھ سے خلع کرتا ہوں، صلح عن دم عمد کا وکیل یوں کہے گا کہ میں قاتل کی طرف سے تم سے صلح عن دم عمد کرتا ہوں اور صلح عن الانکار کا وکیل یوں کہے گا کہ میں مؤکل کی طرف سے آپ سے صلح کرتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان مثالوں میں وکیل اپنی طرف نسبت نہیں کر سکتا۔ جب وکیل عقد کر کے فارغ ہو جائے تو تمام حقوق مؤکل سے متعلق ہوں گے۔

کیا مؤکل ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے؟:

قولہ: اذا طلب الخ: جب وکیل نے کوئی چیز فروخت کی تو کیا مؤکل (مالک) ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ ثمن کے مطالبہ کا حق وکیل کو ہے مؤکل کو نہیں۔ لہٰذا اگر مؤکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے تو مشتری کو اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے لیکن اگر مشتری نے ثمن مؤکل کو ادا کر دیا تو وکیل کا مشتری سے ثمن کا مطالبہ ختم ہو گیا۔

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا لِيَشْتَرِيَ لَهٗ شَيْئًا فَلَا بُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جِنْسِهٖ وَصِفَتِهٖ وَمَبْلَغِ ثَمَنِهَا إِلَّا أَنْ يُّوَكِّلَهٗ وَكَالَةً عَامَّةً فَيَقُوْلَ لَهُ ابْتَعْ لِيْ مَا رَأَيْتَ فَإِذَا اشْتَرَى الْوَكِيْلُ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ فَلَهٗ أَنْ يَّرُدَّهٗ بِالْعَيْبِ مَا دَامَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَإِنْ سَلَّمَهٗ إِلَى الْمُوَكِّلِ لَمْ يَرُدَّهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ فَإِنْ فَارَقَ الْوَكِيْلُ صَاحِبَهٗ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْعَقْدُ وَلَا تُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْمُوَكِّلِ

"اور جو شخص کسی شخص کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنا دے تو اس چیز کی جنس، اس کی صفت اور اس کی قیمت کی مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے مگر یہ کہ مؤکل وکیل کو وکالت عامہ سپرد کر دے اور جب وکیل خرید لے اور قبضہ کر لے پھر کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کے لیے عیب کی وجہ سے اس وقت تک مبیع کو واپس کرنا درست ہے جب تک مبیع اس کے قبضہ میں ہے اور اگر اس نے مبیع مؤکل کے

حوالے کر دی تو مؤکل کی اجازت کے بغیر مبیع واپس کرنے کی اجازت نہیں اور عقد صرف اور عقد سلم میں وکیل بنانا جائز ہے پس اگر وکیل اپنے ساتھی سے قبضہ سے پہلے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا اور مؤکل کی جدائی کا کوئی اعتبار نہیں۔"

خریدنے کی وکالت میں چند شرائط:

قولہ: ومن وکل الخ: جب مؤکل نے کسی کو خریدنے کا وکیل بنایا تو وکالت بالشراء کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم وکالت خاصہ کہ کسی متعین چیز کی خریداری کے لیے وکیل بنایا تو اس کے درست ہونے کے لیے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔جس کو خریدنا ہے اس کی جنس معلوم ہو مثلاً موٹر سائیکل۔

۲۔اس کی صفت معلوم ہو مثلاً سیون ٹی وغیرہ۔

۳۔اس کی قیمت بیان کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شرط نہ پائی گئی تو وکالت درست نہیں وکالت بالشراء کی دوسری قسم وکالت عامہ ہے کہ مؤکل نے کہا جو موٹر سائیکل تجھے مناسب معلوم ہو وہ لے آؤ تو اس صورت میں وکیل جو بھی خریدے گا وہ مؤکل کو لینا پڑے گا اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

وکالتِ عامہ کے متعلق اصول:

"وکالت عامہ (مطلقہ) صرف ان معاملات میں چلے گی جن میں عوض ہوتا ہے۔" لہٰذا طلاق، عتاق اور تبرعات میں وکیل کو اختیار نہ ہوگا۔ (فتاوی رضویہ ۱۹/ ۹۵)

عیب کی وجہ سے مبیع کی واپسی:

قولہ: واذا اشتری الخ: وکیل نے کوئی چیز خریدی بعد میں عیب نکل آیا اگر وہ وکیل کے قبضہ میں ہی ہے تو بائع کو واپس کر سکتا ہے لیکن اگر چیز مؤکل کے حوالے کر دی گئی ہے تو اب مؤکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا کیونکہ چیز حوالے کرنے کے بعد وکالت ختم ہو گئی ہے اس لیے اجازت ضروری ہے اگر وکیل کے قبضہ میں ہے تو وکالت کے باقی ہونے کی وجہ سے اختیار ہے۔

بیع سلم اور بیع صرف میں وکالت:

قولہ: ویجوز التوکیل الخ: بیع صرف اور بیع سلم کی حقیقت تو پیچھے گزر چکی ہے ان دونوں عقدوں میں وکیل بنانا جائز ہے۔ لیکن عقد صرف میں وکیل اور مؤکل دونوں موجود تھے کہ وکیل ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے چلا گیا تو عقد صرف باطل ہو جائے گا مؤکل کی موجودگی یا عدم موجودگی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ عاقد تو وکیل ہے اور عقد صرف میں ثمن اور مبیع پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔

وَاِذَا دَفَعَ الْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مَالِهٖ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ فَلَهٗ اَنْ يَّرْجِعَ بِهٖ عَلَى الْمُوَكِّلِ فَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ قَبْلَ حَبْسِهٖ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ وَلَهٗ اَنْ يَّحْبِسَهٗ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ فَاِنْ حَبَسَهٗ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ كَانَ مَضْمُوْنًا ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَضَمَانَ الْمَبِيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ

"اور اگر خریداری کے وکیل نے اپنے مال سے ثمن ادا کر دیا اور مبیع پر قبضہ کر لیا تو وکیل کو حق ہے کہ مؤکل سے اس کا ثمن وصول کرے اور اگر مبیع وکیل کے قبضہ میں اس کو روکنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو وہ مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی اور ثمن ساقط نہ ہوگا۔ اور وکیل کے لیے مبیع کو روکنا جائز ہے یہاں تک کہ ثمن کو وصول کر لے پس اگر وکیل نے مبیع کو روکا تو اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو وہ مضمون ہوگی ضمان رہن کی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبیع کی ضمان کی طرح۔"

خریداری کا وکیل اپنے پاس سے ثمن ادا کرے تو؟:

قولہ: واذا ادفع الخ: اگر وکیل اپنے مال سے مبیع کی قیمت ادا کر دے اور مبیع پر قبضہ بھی کر لے تو وکیل مؤکل سے قیمت کی وصولی کے لیے رجوع کر سکتا ہے اگر وکیل نے مبیع پر قبضہ کر لیا مگر قیمت ادا نہیں کی تب بھی رجوع کر سکتا ہے۔

وکیل کے قبضہ میں مبیع کی ہلاکت:

قولہ: فان هلك الخ: مبیع کا وکیل کے قبضہ میں ہلاک ہونا دو حال سے خالی نہیں کہ مؤکل نے وکیل سے مبیع کی وصولی کا مطالبہ کیا ہے یا نہیں اگر مطالبہ نہیں کیا تو مبیع کی ہلاکت مؤکل کے مال سے شمار ہوگی اور وکیل پر ضمان نہیں آئے گا۔ مطالبہ نہ کرنے کی صورت میں مبیع وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہے اور امانت اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو تو ضمان نہیں ہوتا۔ لہٰذا قیمت کی ادائیگی مؤکل ہی پر ہوگی۔ اگر مؤکل نے وکیل سے مبیع کی وصولی کا مطالبہ کیا مگر وکیل نے دینے سے انکار کر دیا کہ پہلے اس کی قیمت دو پھر مبیع دوں گا۔ اس کے بعد وکیل ہی کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو اس کی ہلاکت وکیل کے مال سے شمار ہوگی یہ مبیع امانت نہ رہی بلکہ مضمون ہوگئی۔ مبیع کے مضمون ہونے پر آئمہ کرام کا اتفاق ہے مگر تعیین ضمان میں اختلاف ہے کہ وکیل پر ضمان رہن کا ضمان ہوگا یا مبیع کا ضمان ہوگا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا کہ جس طرح کسی نے قرض کے بدلے رہن رکھی اور رہن ہلاک ہوگئی تو یہ دیکھا جائے گا کہ رہن کی قیمت کتنی تھی اور قرض کتنا تھا؟ جتنا قرض تھا اتنی رہن ساقط ہو جائے گی اگر زیادہ قیمت کی ہو تو راہن کو زیادتی واپس کی جائے گی۔ یہی صورت حال مبیع کی بھی ہے کہ اگر مبیع کی بازاری قیمت ادا کردہ ثمن سے کم ہو تو بازاری جتنی قیمت ساقط ہو جائے گی اور جو زائد ثمن ہوگا اس کے لیے وکیل مؤکل سے رجوع کرے گا مثلاً متعین موبائل کی قیمت ۲۰۰۰ ہزار ہے جب کہ اس نے ۲۱۰۰ سو میں خریدا اب سو روپے کے لیے وکیل مؤکل سے رجوع کرے گا۔

مفتی بہ قول کی تعین:

فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ کا بھی ہے لہٰذا فتویٰ طرفین کے مذہب پر ہوا۔ ان کی دلیل قیاس ہے کہ جس طرح کوئی شخص ثمن کی وصولی کے لیے مبیع کو اپنے پاس روک لے مشتری کے حوالے نہ کرے تو اس کے پاس مبیع کے ہلاک ہونے پر ثمن ہی ساقط ہو جاتا ہے اب بائع مشتری سے ثمن نہیں لے سکتا۔ یہی صورت حال اس مسئلے میں بھی ہے۔

(دیگر معون علی قول الامام، تقدیم قول امام فی فتاویٰ قاضی خان، ھدایہ اور اللباب)

وَاِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ فَلَيْسَ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيمَا وُكِّلَا فِيهِ دُوْنَ الْاٰخَرِ اِلَّا اَنْ

يُوَكِّلَهُمَا بِالْخُصُوْمَةِ أَوْ بِطَلَاقِ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ عِوَضٍ أَوْ بِعِتْقِ عَبْدِهِ بِغَيْرِ عِوَضٍ أَوْ بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَهُ أَوْ بِقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْوَكِيْلِ أَنْ يُوَكِّلَ بِمَا وُكِّلَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَّأْذَنَ لَهُ الْمُوَكِّلُ أَوْ يَقُوْلَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ فَإِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ إِذْنِ مُوَكِّلِهِ فَعَقَدَ وَكِيْلُهُ بِحَضْرَتِهِ جَازَ وَإِنْ عَقَدَ بِغَيْرِ حَضْرَتِهِ فَأَجَازَهُ الْوَكِيْلُ الْأَوَّلُ جَازَ وَلِلْمُوَكِّلِ أَنْ يَعْزِلَ الْوَكِيْلَ عَنِ الْوَكَالَةِ وَإِنْ لَمْ يَبْلُغْهُ الْعَزْلُ فَهُوَ عَلَى وَكَالَتِهِ وَتَصَرُّفُهُ جَائِزٌ حَتّٰى يَعْلَمَ.

''اور جب ایک شخص نے دو شخصوں کو وکیل بنایا تو ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ تصرف کرے اس چیز میں جس پر دونوں کو وکیل بنایا گیا دوسرے کے بغیر مگر یہ کہ ان کو خصومت کا وکیل بنایا ہو یا اپنی بیوی کو بغیر عوض کے طلاق دینے کا یا اپنے غلام کو بغیر عوض کے آزاد کرنے کا یا اس کے پاس موجود مال امانت کی واپسی کا یا اپنا قرض ادا کرنے کا۔ اور وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کو اس کام میں وکیل بنائے جس میں اس کو وکیل بنایا گیا مگر یہ کہ اس کو موکل اجازت دے دے یا اس کو کہے کہ اپنی مرضی سے کام کرو پس اگر اس نے موکل کی اجازت کے بغیر وکیل بنایا اور اس کے وکیل نے اس کی موجودگی میں عقد کر لیا تو یہ جائز ہے اور اگر اس نے اس کی عدم موجودگی میں عقد کیا اور پہلے وکیل نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہے اور موکل کے لیے جائز ہے کہ وہ وکالت سے وکیل کو معزول کرے پس اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچی تو وہ اپنی وکالت پر رہے گا اور اس کا تصرف جائز ہوگا یہاں تک کہ اس کو علم ہو جائے۔''

دو شخصوں کی وکالت:

قولہ: واذا وکل الخ: ایک آدمی نے ایک ہی کلمہ کے ساتھ دو شخصوں کو وکیل بنا دیا یہ وکیل بنانا جائز ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ ایک وکیل دوسرے وکیل کی عدم موجودگی میں کسی چیز میں تصرف کر سکتا ہے یا نہیں اس کے متعلق ایک اصول ہے کہ ''ہر وہ کام کہ جس میں نظر و فکر اور مشاورت کی ضرورت ہو تو اس کام میں تصرف دوسرے وکیل کی عدم موجودگی میں نہیں کر سکتا۔'' مثلاً خرید و فروخت کہ جس میں کوالٹی چیک کرنے میں مہارت اور مشورہ کی ضرورت ہے اس میں اجازت کے بغیر تنہا تصرف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ کام ایسا ہے کہ جس میں نظر و فکر اور مشورے کی ضرورت نہیں تو تنہا تصرف کر سکتا ہے جیسا کہ مصنف نے پانچ مثالیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ خصومت کا وکیل بنانا۔

۲۔ اپنی بیوی کو بغیر عوض کے طلاق دینے کا وکیل بنانا۔

۳۔ اپنے غلام کو بلا عوض آزاد کرنے کا وکیل بنانا۔

۴۔ امانت واپس کرنے کا وکیل بنانا۔

۵۔ قرض ادا کرنے کا وکیل بنانا اس طرح جن جن امور میں رائے کی ضرورت نہیں تو تنہا تصرف کر سکتا ہے۔

وکیل کی توکیل:

قولہ: ولیس للوکیل الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ وکیل کو جو کام سونپا گیا ہے وہ اس کام کے لیے کسی اور کو وکیل نہیں بنا

سکتا لیکن اگر موکل نے اجازت دے دی یا یوں کہا جیسے مرضی ہے کام کرو کام ہونا چاہیے تب تو آگے وکیل بنانا جائز ہے۔ لیکن اگر موکل کی اجازت کے بغیر دوسرے وکیل نے کوئی عقد کر لیا تو اس عقد کے درست ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ وکیل اول کی موجودگی میں وکیل ثانی نے عقد کیا ہو کیونکہ وکیل اول کی رائے شامل حال ہے اس لیے درست ہے۔

۲۔ وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں عقد کیا پھر وکیل اول نے اجازت دے دی تو بھی عقد درست ہے۔ بعد میں وکیل اول کی رائے شامل ہو چکی اس لیے یہ عقد جائز ہے۔

وکیل کی معزولیت:

قولہ: للموکل الخ: موکل نے وکیل کو معزول کر دیا اب وکیل کو معزول ہونے کا علم ہے یا نہیں اگر معزول ہونے کا علم نہیں تو اس وقت تک تصرف جائز ہے کہ جب تک اسے معزول ہونے کا علم نہ ہو جائے۔

معزول کی اقسام

- معزول ہونے کا علم نہ ہو — حکم — بغیر علم معزول نہ ہوگا
- قدرتی طور پر معزول ہو — حکم — مطلقاً معزول ہوگا
- موکل نے کام کر دیا ہو — حکم — مطلقاً معزول ہوگا

وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْمُوَكِّلِ وَبِجُنُوْنِهٖ جُنُوْنًا مُّطْبِقًا وَّبِلَحَاقِهٖ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَّاِذَا وَكَّلَ الْمُكَاتَبُ ثُمَّ عَجَزَ اَوِ الْمَاْذُوْنُ لَهٗ فَحُجِرَ عَلَيْهِ اَوِ الشَّرِيْكَانِ فَافْتَرَقَا فَهٰذِهِ الْوُجُوْهُ كُلُّهَا تُبْطِلُ الْوَكَالَةَ عَلِمَ الْوَكِيْلُ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ۔ وَاِذَا مَاتَ الْوَكِيْلُ اَوْ جُنَّ جُنُوْنًا مُّطْبِقًا بَطَلَتْ وَكَالَتُهٗ فَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا اَنْ يَّعُوْدَ مُسْلِمًا وَّمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِشَيْءٍ ثُمَّ تَصَرَّفَ الْمُوَكِّلُ بِنَفْسِهٖ فِيْمَا وَكَّلَ بِهٖ بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ۔

"اور وکالت باطل ہو جاتی ہے موکل کے فوت ہونے سے اور مکمل جنون سے اور مرتد ہو کر دار الحرب میں پائے جانے سے اور جب مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا پھر وہ بدل کتابت سے عاجز آ گیا یا عبد ماذون نے پھر وہ مجور ہو گیا یا دو شریکوں نے پھر وہ جدا ہو گئے پس یہ تمام صورتیں وکالت کو باطل کر دیتی ہیں خواہ وکیل کو علم ہو یا نہ ہو اور جب وکیل فوت ہو جائے یا مکمل جنون ہو جائے تو وکالت باطل ہو جائے گی اور اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب میں چلا گیا تو اس کے لیے تصرف جائز نہیں مگر وہ مسلمان ہو کر واپس آئے اور جس نے کسی کو کوئی کام کرنے کا وکیل بنایا پھر موکل نے وہ کام خود کر دیا جس میں وکالت دی گئی تو وکالت باطل ہو جائے گی۔"

وکالت کے باطل ہونے کی کچھ صورتیں:

قولہ: وتبطل الخ: وکالت کی حیثیت عقد لازم کی نہیں بلکہ عقد جائز کی ہے کہ وکیل و مؤکل کو وکالت پر ہی قائم رہنا ضروری نہیں اب جن جن صورتوں میں عقد وکالت ختم ہو جاتا ہے ان میں سے مصنف نے سات صورتیں بیان کی ہیں۔

۱۔ مؤکل یا وکیل کے فوت ہونے سے۔

۲۔ مؤکل یا وکیل کے بالکل پاگل ہو جانے سے۔ جنون مطبق کی وضاحت نقشے کی صورت میں آ رہی ہے۔

۳۔ مؤکل کے مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جانے سے۔ اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کی وکالت موقوف ہو گئی اس دوران اس کے تصرفات مؤکل کی طرف لوٹیں گے اگر مسلمان ہو کر واپس آ گیا تو تصرفات نافذ ہوں گے ہاں اگر قاضی نے وکیل کے مرتد ہو جانے پر چلے جانے کا فیصلہ کر دیا تو وکالت باطل ہو جائے گی!

۴۔ مکاتب کا کسی کو وکیل بنا کر بدل کتابت سے عاجز آ جانا۔

۵۔ عبد ماذون کو وکیل بنا کر مجور کر دینا۔

۶۔ عقد شرکت کے ختم کرنے سے۔

۷۔ وکیل بنانے کے بعد مؤکل کا خود مؤکل بہ میں تصرف کرنا۔

ساتویں صورت کے متعلق ایک فقہی قاعدہ ہے "اَلْاَصْلُ اَنَّهٗ قَدْ یَثْبُتُ مِنْ جِهَةِ الْفِعْلِ مَالَا یَثْبُتُ مِنْ جِهَةِ الْقَوْلِ" یعنی بنیادی طور پر کوئی حکم فعل سے ثابت ہو جاتا ہے جو قول کی جہت سے ثابت نہ ہو۔ جب کہ دیگر فقہاء نے باطل ہونے کی اور بھی صورتیں بیان کی ہیں۔

جنون مطبق کی مراد میں آئمہ کا اختلاف:

کس امام کے نزدیک	جنون مطبق کا معیار	قول کی حیثیت
امام ابو یوسف	ایک ماہ	مفتی بہ عند القاضی خان
امام محمد	ایک سال	اصح عند البحر

اگر ایک ماہ سے کم دورہ ہو تو جنون مطبق نہیں اس سے وکالت باطل نہیں ہوتی بلکہ اُس جنون سے وکالت باطل ہوتی ہے جو آئمہ کرام کے معیار پر پورا اترتا ہو وہی جنون مطبق کہلائے گا۔

وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّعْقِدَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ مَعَ اَبِيْهِ وَجَدِّهٖ وَوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَعَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ بَيْعُهٗ مِنْهُمْ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اِلَّا فِيْ عَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ.

"اور خرید و فروخت کے وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ عقد کرے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے والد، دادا، بیٹے، پوتے، بیوی، غلام اور اپنے مکاتب سے اور فرمایا صاحبین نے وکیل کی بیع مثلی قیمت کے ساتھ ان کے ساتھ جائز ہے۔ سوائے اپنے غلام اور مکاتب کے۔"

وکیل کو جن سے بیع وشرا کرنا جائز نہیں:

قوله: والوكيل الخ امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ خرید وفروخت کے وکیل کے متعلق یہ بیان کر رہے ہیں کہ جن افراد کی شہادت وکیل کے حق میں قبول نہیں ہوتی کیا ان سے عقد بیع جائز ہے؟ اس بات پر سبھی کا اتفاق ہے کہ قیمت سے کم پر فروخت کیا تو ناجائز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ قیمت سے زیادہ میں فروخت کیا تو بھی آئمہ احناف کے نزدیک جائز ہے۔

مگر اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب وکیل قیمت مثلی کے ساتھ فروخت کرے اور متن میں بھی یہی صورت ہے تو اس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ اور صاحبین کے مابین اختلاف ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک والد، دادا، بیٹا، پوتا، بیوی، غلام اور مکاتب وغیرہ کے ساتھ عقد بیع جائز نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک غلام اور مکاتب کے علاوہ باقی افراد سے بیع وشرا جائز ہے۔ کیونکہ قیمت مثلی پر بیع ہے اور باہر بھی یہی ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اور افراد مذکورہ کے درمیان منافع متصل ہیں اس لیے من وجہ عقد بیع اپنی ذات کے لیے ہوا اور یہ مقامِ تہمت ہے اس لیے اس سے بچنا ہی درست ہے۔ (دیگر متون علی قول الامام، تقدیم قول الامام فی الفتاویٰ قاضی خان، اللباب)

وَالْوَكِيْلُ بِالْمَبِيْعِ يَجُوْزُ بَيْعُهُ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَجُوْزُ بَيْعُهُ بِنُقْصَانٍ لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهٖ وَالْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ يَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَزِيَادَةٍ يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهَا وَلَا يَجُوْزُ بِمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهٖ وَالَّذِيْ لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهٖ مَا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيْمِ الْمُقَوِّمِيْنَ وَاِذَا ضَمِنَ الْوَكِيْلُ بِالْمَبِيْعِ الثَّمَنَ عَنِ الْمُبْتَاعِ فَضَمَانُهٗ بَاطِلٌ۔

''اور وکیل بالبیع کی بیع کمی اور بیشی کے ساتھ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کی بیع اتنی کمی کے ساتھ جائز نہیں جو لوگوں میں رواج نہ ہو اور وکیل بالشرا کا معاملہ برابر قیمت کے ساتھ جائز ہے اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں کے درمیان رواج ہو اور اتنی زیادتی کے ساتھ جائز نہیں کہ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو اور وہ قیمت جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو وہ ہے جو قیمت مقرر کرنے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو اور جب وکیل بالبیع ثمن کا مشتری کی طرف سے ضامن بن جائے تو اس کا ضمان باطل ہوگا۔''

وکیل کا غبن فاحش اور یسیر کے ساتھ بیع کرنا:

قوله: والوكيل بالمبيع الخ: اگر کسی نے کسی کو فروخت کرنے کا وکیل بنایا۔ کیا وکیل غبن فاحش (جتنے کا رواج نہ ہو) اور غبن یسیر (جس کا رواج ہو) کے ساتھ کم قیمت پر فروخت کر سکتا ہے؟ اس بات پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ غبن یسیر کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے لیکن اختلاف غبن فاحش کی صورت میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ وکالت مطلقاً

فروخت کرنے پر ہے۔ لہٰذا مطلق کا تقاضا ہے کہ غبن یسیر کی طرح غبن فاحش کی بھی اجازت ہونی چاہیے جب کہ صاحبین کے نزدیک غبن فاحش کے ساتھ بیع جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ موکل نے اگرچہ مطلق وکالت دی ہے مگر مطلق سے مراد عرف میں مطلق ہے کہ جس پر چیز عام فروخت ہوتی ہو نہ کہ اتنی کم قیمت پر کہ جس کا رواج ہی نہ ہو۔

مفتیٰ بہ قول کی تعین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے اس کی دلیل اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ "اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِہٖ"۔

(اللباب، دیگر معون علی قول الامام)

وکیل بالشرا کا غبن فاحش سے معاملہ:

قولہ: والوکیل بالشرا الخ: خریداری کا وکیل بالاتفاق غبن فاحش کے ساتھ زیادہ قیمت پر چیز نہیں خرید سکتا کیونکہ یہ شبہ ہے کہ وکیل نے اپنے لیے خریدی ہو پھر پسند نہ آئی تو موکل کے حوالے کرنے لگا اس تہمت کی وجہ سے غبن فاحش میں اجازت نہیں۔ صرف مثلی قیمت یا غبن یسیر کی زیادتی کے ساتھ خرید سکتا ہے کیونکہ اس میں تہمت نہیں۔

وکیل فروخت کا خریدار کی طرف سے ضامن بننا:

قولہ: واذا ضمن الوکیل الخ کسی شخص کو فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس نے چیز فروخت کی پھر خود ہی مشتری کی جانب سے قیمت کا ضامن بن گیا تو یہ ضمانت درست نہیں کیونکہ وکیل کے پاس مبیع بطور امانت تھی اور جب اس کی قیمت کا ذمہ دار بنا تو وہ ضمانت کے طور پر ہوگی امانت اور ضمانت دونوں کے درمیان تضاد ہے۔ لہٰذا ضمانت جائز نہیں۔

وَاِذَا وَکَّلَہٗ بِبَیْعِ عَبْدٍ فَبَاعَ نِصْفَہٗ جَازَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاِنْ وَکَّلَہٗ بِشِرَاءِ عَبْدٍ فَاشْتَرٰی نِصْفَہٗ فَالشِّرَاءُ مَوْقُوْفٌ فَاِنِ اشْتَرٰی بَاقِیَہٗ لَزِمَ الْمُوَکِّلَ وَاِذَا وَکَّلَہٗ بِشِرَاءِ عَشَرَۃِ اَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْھَمٍ فَاشْتَرٰی عِشْرِیْنَ رِطْلًا بِدِرْھَمٍ مِنْ لَحْمٍ یُبَاعُ مِثْلُہٗ عَشَرَۃُ اَرْطَالٍ بِدِرْھَمٍ لَزِمَ الْمُوَکِّلَ مِنْہُ عَشَرَۃٌ بِنِصْفِ دِرْھَمٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَقَالَا اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ یَلْزَمُہُ الْعِشْرُوْنَ وَاِنْ وَکَّلَہٗ بِشِرَاءِ شَیْءٍ بِعَیْنِہٖ فَلَیْسَ لَہٗ اَنْ یَّشْتَرِیَہٗ لِنَفْسِہٖ وَاِنْ وَکَّلَہٗ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَیْرِ عَیْنِہٖ فَاشْتَرٰی عَبْدًا فَھُوَ لِلْوَکِیْلِ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلَ نَوَیْتُ الشِّرَاءَ لِلْمُوَکِّلِ اَوْ یَشْتَرِیَہٗ بِمَالِ الْمُوَکِّلِ۔

"اور جب کسی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے اور اگر کسی کو کوئی غلام خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے اس کا نصف حصہ خریدا تو خریداری موقوف رہے گی تو اگر اس نے باقی حصہ بھی خرید لیا تو موکل کو لازم ہو جائے گا اور جب کسی کو دس درہم کے بدلے میں دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے ایک درہم کے بدلے میں بیس رطل ایسا گوشت خریدا کہ اتنا گوشت ایک درہم کے بدلے میں دس رطل ہی فروخت ہوتا ہے تو نصف درہم کے بدلے میں موکل کو دس رطل گوشت لازم ہو جائے گا۔

امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اس کو بیس رطل لازم ہوں گے۔ اور اگر کسی کو کسی متعین چیز کو خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کو اپنے لیے خریدے اور اگر اس کو کسی غیر معین غلام کو خریدنے کا وکیل بنایا اور اس نے کوئی غلام خرید لیا تو وہ غلام وکیل ہی ہوگا مگر یہ کہ وکیل کہے کہ میں نے مؤکل کے لیے خریدنے کی نیت کی ہے یا اس کو مؤکل کے مال سے خریدے۔"

نصف غلام کی خرید وفروخت:

قوله: واذا وكله الخ: اگر کسی نے کسی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے آدھا غلام فروخت کر دیا تو اس بیع کی صحت کے متعلق آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ بیع درست ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر نصف آخر کو اگر خصومت سے پہلے فروخت نہ کیا تو بیع درست نہ ہوگی اگر خصومت سے پہلے فروخت کر دیا تو درست ہے۔ صاحبین کا اصول جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ مطلق کے حکم میں عرف کا اعتبار ہوگا کہ معاشرے میں اس سے کیا مراد ہے۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس پر دلیل اصولِ فقہ کا قاعدہ ہے "**المطلق يجري على اطلاقه**" کہ مطلق لفظ نصف اور مکمل دونوں کو شامل ہے۔

(تقديم قول الامام في الفتاوى قاضي خان ايضا ملتقى الابحر، معون على قول الامام، اللباب)

اگر وکیل بالشراء نے نصف غلام خریدا تو بالاجماع یہ خریداری موقوف رہے گی۔ یہاں تک کہ باقی نصف بھی خرید لے اگر باقی نصف بھی خرید لیا تو خریداری نافذ ہوگی اور اس کی مکمل قیمت مؤکل کے ذمہ لازم ہوگی۔

معین قیمت کے ساتھ معین مبیع سے زیادہ خریدنا:

قوله: واذاوكله بشرء الخ: اگر کسی نے گوشت خریدنے کے لیے کسی کو وکیل بناتے ہوئے کہا کہ دس رطل گوشت ایک درہم میں لے آؤ اب وکیل ایک درہم میں مطلوبہ قسم کا گوشت بیس کلو لے آیا اب مؤکل کو ایک درہم کے بدلے میں بیس رطل گوشت لینا لازم ہوگا یا آدھے درھم میں دس رطل اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤکل پر دس رطل گوشت آدھے درہم میں لینا لازم ہے نہ کہ بیس رطل ایک درہم کے عوض جب کہ صاحبین کے نزدیک بیس رطل لینا ہی لازم ہے ان کی دلیل خرچ کردہ رقم پر ہے کہ ایک درہم کو خرچ کر کے گوشت لانے کا کہا تھا کہ مؤکل کے ذہن میں یہی تھا کہ ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت آئے لہٰذا زیادہ آنے کی صورت میں بھی مؤکل لینے کا پابند ہے۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے ان کی دلیل ایک اصول فقہ کا قاعدہ ہے "**المقيد يجري على تقييده**" کہ مؤکل نے گوشت کو مخصوص وزن کے ساتھ مقید کیا ہے کہ دس رطل لہٰذا زیادہ مقدار خود وکیل کے لیے ہوگی اگرچہ ایک درہم کی بھی قید ہے مگر مؤکل کی ضرورت کے پیش نظر دس رطل کو مقصودِ اصلی مانا ہے اس کی دلیل وہ واقعہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

حضرت عروہ کو ایک دینار میں بکری خریدنے کا وکیل بنایا انہوں نے ایک دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں پھر ایک بکری کو فروخت کر کے بکری کے ساتھ ایک دینار حضور ﷺ کو واپس کر دیا یہاں فقط ایک بکری کی ضرورت تھی باقی ایک دینار واپس کر دیا اس طرح مؤکل کو بھی دس رطل گوشت کی ضرورت ہے اور نصف درہم وکیل مؤکل کو واپس کرے گا۔

(دیکر معون علی قول الامام، تقدیمه قول الامام فی ملتقی الابحر، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں اللباب)

مؤکل بہ کو اپنے لیے خریدنا:

قوله: وان وكله الخ: اگر مؤکل نے کوئی مخصوص چیز خریدنے کے لیے کسی کو وکیل مقرر کیا تو وکیل اس چیز کو اپنے لیے نہیں خرید سکتا۔ لہٰذا اگر اپنے لیے خریدنے کا دعویٰ کرتا ہے تو دعویٰ مردود ہوگا۔ اس کے متعلق ایک فقہی قاعدہ ہے "مَنْ سَعٰی فِیْ نَقْضِ مَاتَمَّ مِنْ جِهَتِهٖ فَسَعْيُهٗ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ" جس نے اس عقد کو توڑنے کی کوشش کی جو اس کی جانب سے مکمل ہوا تو اس کی کوشش مردود ہوگی۔ اگر مؤکل نے غیر متعین غلام خریدنے کا وکیل بنایا تو یہ غلام وکیل کا تصور ہوگا کہ عموماً بندہ اپنے ہی لیے خریدتا ہے لیکن مؤکل کے لیے خریدنے پر علامت ہونی چاہیے یا تو وکیل خریدتے وقت نیت مؤکل کے لیے کرے یا مؤکل کے مال سے خریدے تب وہ چیز مؤکل کی شمار ہوگی۔

وَالْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَكِيْلٌ بِالْقَبْضِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَاِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ وَكِيْلٌ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ عَلٰى مُوَكِّلِهٖ عِنْدَ الْقَاضِيْ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَلَا يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ الْقَاضِيْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ اِلَّا اَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنَ الْخُصُوْمَةِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِيْ

"اور جواب دہی کا وکیل قبضہ کا وکیل ہے آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک اور قرض پر قبضہ کا وکیل قرض کے بارے میں جواب دہی کا وکیل ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور جب جواب دہی کے وکیل نے قاضی کی عدالت میں اپنے مؤکل کے خلاف اقرار کیا تو اس کا اقرار جائز ہوگا اور وکیل کا اقرار قاضی کی عدالت کے علاوہ میں مؤکل کے خلاف طرفین کے نزدیک جائز نہیں مگر وہ جواب دہی سے نکل جائے گا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا اقرار قاضی کے علاوہ کے ہاں بھی مؤکل کے خلاف جائز ہے۔"

وکیل بالخصومت کا وکیل بالقبض:

قوله: والوكيل بالخصومة الخ: اگر کسی کو کسی مقدمہ کا وکیل بنایا تو فیصلے کے بعد وکیل دین اور مقدمہ سے حاصل چیز پر قبضہ کر سکتا ہے کیونکہ خصومت کے لوازمات میں سے قبضہ کرنا بھی ہے یہ مذہب آئمہ ثلاثہ احناف کا ہے جب کہ امام زفر دین پر قبضہ کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

مفتی بہ قول:

متاخرین فقہاء کرام نے فتویٰ امام زفر کے قول پر دیا ہے امام زفر کا یہ "چھٹا" مفتی بہ قول ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ

موجودہ دور میں وکلا میں دھوکہ اور خیانت کا دور دورہ ہے۔(الھدیۃ، الدر المختار، اللباب)

وکیل بالقبض کا مقدمہ کا وکیل ہونا:

قولہ: والوکیل بالقبض الخ: اگر کسی کو قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا گیا تو کیا یہ خصومت (جواب دہی) کا بھی وکیل ہوگا یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وکیل بالقبض مقدمہ کا بھی وکیل ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک وکیل بالقبض مقدمہ کا وکیل نہ ہوگا کیونکہ قبضہ اور خصومت دو الگ الگ کام ہیں۔ لہٰذا ایک پر رضا مندی و اعتماد دوسرے کو مستلزم نہیں نیز یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ جو امانت دار ہو وہ قانون کا بھی ماہر ہو۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل ایک فقہی اصول ہے: "اِذَا ثَبَتَ الشَّئُ ءُ ثَبَتَ مَا فِیْ ضِمْنِہٖ" کہ جب وکیل کے لیے قبضۂ دین کا حق ثابت ہو گیا تو مطالبہ دین جو اس کے ضمن میں آتا ہے تو اس کا استحقاق بھی ثابت ہو گیا۔(المتون علی قول الامام، اللباب)

جواب دہی کے وکیل کا مؤکل کے خلاف اقرار کرنا:

قولہ: واذا اقر الوکیل الخ: اگر کسی نے خصومت کا وکیل بنایا اور وکیل نے مؤکل کے خلاف اقرار کیا مثلاً مؤکل پر دس ہزار ہے۔ تو یہ اقرار دو حال سے خالی نہیں کہ یہ اقرار قاضی کی عدالت میں کیا ہے یا قاضی کی عدالت کے علاوہ کیا ہے ایک صورت تو آئمہ احناف کے نزدیک اتفاقی ہے کہ قاضی کی عدالت میں کیے جانے والا اقرار مؤکل پر لازم ہوگا جب کہ یہ اقرار حدود و قصاص کے علاوہ کا ہو۔ اختلافی صورت یہ ہے کہ عدالت سے ہٹ کر مؤکل کے خلاف اقرار جائز ہوگا یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ طرفین کے نزدیک جائز نہیں وہ مؤکل پر لازم ہوگا جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اقرار جائز ہے اور مؤکل پر لازم ہوگا۔ کیونکہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہے اگر اصل عدالت سے باہر اقرار کر سکتا ہے تو وکیل بھی اقرار کر سکتا ہے۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو خصومت کا وکیل بنایا ہے اور خصومت کی حقیقت تو قاضی کی عدالت میں ہی ظاہر ہوتی ہے اس سے باہر خصومت کا محل نہیں اس لیے عدالت کا اعتبار کیا گیا۔

(دیگر متون علی قول الطرفین، تقدیم قول الطرفین فی ملتقی الابحر، اللباب)

طرفین کے نزدیک قاضی کے علاوہ اقرار کی صورت:

قولہ: الا انہ یخرج الخ: اگر وکیل نے قاضی کے علاوہ مؤکل کے خلاف اقرار کیا اور گواہ سے اس کا ثبوت مل گیا کہ وکیل نے اقرار کیا ہے تو وکالت ہی ختم ہو جائے گی کیونکہ وکیل نے اصول کے خلاف کیا ہے کہ اقرار کا محل تو قاضی کی عدالت تھی اب مؤکل

کے دین پر اس کو قبضہ نہیں دیا جائے گا۔

وَمَنْ اَدَّعٰی اَنَّهٗ وَكِیْلُ الْغَائِبِ فِیْ قَبْضِ دَیْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِیْمُ اُمِرَ بِتَسْلِیْمِ الدَّیْنِ اِلَیْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ وَاِلَّا دَفَعَ الْغَرِیْمُ اِلَیْهِ الدَّیْنَ ثَانِیًا وَیَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْوَكِیْلِ اِنْ كَانَ بَاقِیًا فِیْ یَدِهٖ وَاِنْ قَالَ اِنِّیْ وَكِیْلُ الْغَائِبِ بِقَبْضِ الْوَدِیْعَةِ وَصَدَّقَهُ الْمُوْدَعُ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّسْلِیْمِ اِلَیْهِ

"اور وہ شخص کہ جس نے دعویٰ کیا کہ وہ فلاں غائب شخص کا اس کے قرض کے قبضہ کرنے میں وکیل ہے اور مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو مقروض کو قرض حوالے کرنے کا حکم کیا جائے گا پس اگر وہ غائب آ جائے اور اس کی تصدیق کر دے تو جائز ہے ورنہ مقروض آنے والے قرض خواہ کو دوسری مرتبہ قرض ادا کرے اور اس قرضے کا وکیل سے رجوع کرے گا۔ اگر وہ قرضہ وکیل کے پاس باقی ہو اور اگر کسی نے کہا کہ میں ودیعت وصول کرنے کا وکیل ہوں اور مودع نے اس کی تصدیق بھی کر دی تو اس کو ودیعت دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔"

غائب کی طرف سے وکیل بالقبض کا دعویٰ:

قولہ: ومن ادعی الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مقروض سے جا کر کہا کہ آپ نے فلاں کا اتنا قرضہ دینا ہے وہ یہاں موجود نہیں ہے اس نے قرض کی وصولی کے لیے مجھے وکیل بنایا ہے اب اگر مقروض وکالت کی تصدیق کر دیتا ہے تو مقروض کو قرضہ کی ادائیگی کا حکم دیا جائے گا اگر غائب آ جاتا ہے اور وہ وکالت کی تصدیق کر دیتا ہے تو فبہا ورنہ مقروض کو دوبارہ غائب قرض خواہ کو اس کا قرض دینا پڑے گا اور غائب مقروض سے کہے گا کہ آپ جانے اور فضولی وکیل جانے اگر وکیل کے پاس قرض ہوگا تو مقروض لے لے ورنہ اس سے کچھ نہ ملے گا کیونکہ فضولی کے پاس رقم امانت تھی اس کے ضائع ہونے پر کچھ تاوان لازم نہیں آئے گا۔

ودیعت قبضہ کرنے کی وکالت کا دعویٰ:

قولہ: وان قال انی الخ: اگر کسی نے مُودَع (جس کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی) کے پاس جا کر کہا کہ فلاں کی تیرے پاس امانت ہے وہ موجود نہیں اس نے امانت کی وصولی کے لیے مجھے اپنا وکیل مقرر کیا ہے اگر چہ مودع تصدیق بھی کر دے کہ تم واقعی اس کے وکیل ہو مگر امانت اس کو نہیں دے سکتا۔

قرض اور امانت کے مسئلہ میں وجہ فرق:

چونکہ قرض کے مسئلہ میں مقروض نے وکالت کی تصدیق کر کے خود اپنے اوپر قرض کا اقرار کر لیا جب کہ امانت کے مسئلہ میں اگر چہ وکالت کی تصدیق بھی کرے پھر بھی نہیں دے گا کیونکہ امین کو یہ حق نہیں کہ غیر کی ملکیت پر اقرار کرے۔

ایک صورت فرق کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قرض کے مسئلے میں وکیل کا قرض غائب پر ہو تو غائب نے وکیل کو اپنی رقم لینے کے لیے وکیل بنایا ہو جب کہ امانت خود وکیل کی نہیں بلکہ غیر کی ہے۔ اس لیے دونوں میں فرق ہو گیا۔

کتاب الکفالۃ

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب الوکالۃ کو بیان کیا اس کے بعد کتاب الکفالۃ کا آغاز کر رہے ہیں چونکہ دونوں میں غیر کو نفع دینا ہوتا ہے اس لیے دونوں کو یکے بعد دیگرے ذکر کیا۔

کفالہ کا لغوی معنی:

ملانا۔

اصطلاحی معنی:

"اَلْكَفَالَةُ ضَمُّ الذِّمَّةِ اِلَى الذِّمَّةِ فِي الْمُطَالَبَةِ" (هدایه)

"مطالبہ حق میں ایک شخص کی ذمہ داری کے ساتھ دوسرے شخص کی ذمہ داری کو ملانا کفالت کہلاتا ہے۔"

کفالت کا ثبوت:

کفالت کا ثبوت قرآن مجید، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ سورہ یوسف میں "وَاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۔" (سورہ یوسف:۷۲) زعیم کا معنی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے "کفیل" منقول ہے۔ حدیث میں اَلزَّعِيْمُ غَارِمٌ کہ کفیل ذمہ دار ہے۔ نیز امت کا اس کے تعامل پر اجماع چلا آرہا ہے۔

کفالت کے متعلق اصطلاحات:

جس کی طرف سے کفالت قبول کی جاتی ہے اسے "مکفول عنه" (مقروض ومدیون) کہا جاتا ہے، صاحب حق کو "مکفول له" (قرض خواہ)، حق کو "مکفول به" اور جو ذمہ داری قبول کرتا ہے اسے "کفیل" (ذمہ دار، ضامن، زعیم اور حمیل) کہا جاتا ہے۔

اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَكَفَالَةٌ بِالْمَالِ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ وَالْمَضْمُوْنُ بِهَا اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِهٖ وَتَنْعَقِدُ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِنَفْسِ فُلَانٍ اَوْ بِرَقَبَتِهٖ اَوْ بِرُوْحِهٖ اَوْ بِجَسَدِهٖ اَوْ بِرَاْسِهٖ اَوْ بِنِصْفِهٖ اَوْ بِثُلُثِهٖ وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ ضَمِنْتُهُ لَكَ اَوْ هُوَ عَلَيَّ اَوْ اِلَيَّ اَوْ اَنَا زَعِيْمٌ بِهٖ اَوْ كَفِيْلٌ بِهٖ اَوْ قَبِيْلٌ بِهٖ۔

"کفالت دو قسم پر ہے جان کی کفالت اور مال کی کفالت اور مال وجان کی کفالت جائز ہے اور ضامن پر مکفول بہ کو حاضر کرنا لازم ہے اور کفالت بالنفس منعقد ہوتی ہے جب کہے کہ میں نے فلاں جان یا اس کی گردن یا اس کی روح کی یا اس کے بدن یا اس کے سر یا اس کے نصف یا اس کے تہائی کا کفیل ہوں اور اسی طرح اگر کہے میں اس کا کفیل ہوں یا وہ میرے ذمہ یا میری طرف یا میں اس کا ضامن ہوں یا اس کا کفیل ہوں۔"

حل لغات:تکفلت تکفیل سے ہے بمعنی ضامن ہونا، زعیم، قبیل دونوں کفیل کے معنی میں ہیں۔

کفالت کی اقسام:

قولہ: الکفالۃ ضربان الخ: کفالت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔کفالت بالنفس۔ ۲۔کفالت بالمال۔

کفالت بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مقدمہ میں مطلوب ہے اس کی ذمہ داری لینا کہ میں اسے حاضر کروں گا کفالت بالنفس کہلاتا ہے۔کفالت بالمال کا مطلب یہ ہے کہ فلاں پر جو تیرا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں اگر وہ ادا نہ کرے تو میں خود ادا کروں گا۔

دونوں قسموں کا شرعی حکم:

قولہ: وکفالتہ بالمال الخ: کفالت بالمال اور کفالت بالنفس دونوں جائز ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے "الزعیم غارم" کہ کفیل ذمہ دار ہے لفظ زعیم مطلق ہے جو کفالت بالمال اور کفالت بالنفس دونوں کو شامل ہے نیز حدیث کا یہ جملہ ایک اصول کی غمازی کرتا ہے جو بھی ضامن ہوگا وہ ذمہ دار ہوگا اور کفالت بالنفس میں کفیل پر لازم ہے کہ مکفول بہ کو قاضی کی عدالت میں حاضر کرے یا جہاں بھی حاضر کرنے کی ذمہ داری لی ہو خواہ مکفول بہ کی اجازت ہو یا نہ ہو۔جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کفالت بالنفس کا اعتبار نہیں کرتے کہ دوسرے کو حاضر کرنے میں دقت ہے مگر ہم کہتے ہیں اگر استطاعت ہو تو کفالت بالنفس جائز ہے۔

انعقاد کفالت کے الفاظ:

قولہ: و تنعقد الخ: امام قدوری یہاں سے ان الفاظ کو بیان کر رہے ہیں کہ جن کے استعمال سے کفالت منعقد ہو جاتی ہے۔کفالت بالنفس کے انعقاد کے لیے اصول یہ ہے کہ "ہر وہ لفظ جس سے پورا انسان مراد ہو سکتا ہو مثلاً رقبہ وغیرہ یا ایسا لفظ ہو جو جزو شائع پر دلالت کرتا ہو مثلاً نصف وغیرہ ایسے ہی لفظ صریح کفالت، ضمانت، غرامہ، زعامہ سے بھی کفالت منعقد ہو جاتی ہے اسی طرح عَلَیَّ اور اِلَیَّ سے بھی کفالت منعقد ہو جاتی ہے۔"

فَاِنْ شَرَطَ فِی الْکَفَالَۃِ تَسْلِیْمَ الْمَکْفُوْلِ بِہٖ فِیْ وَقْتٍ بِعَیْنِہٖ لَزِمَہٗ اِحْضَارُہٗ اِذَا طَالَبَہٗ بِہٖ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ فَاِنْ اَحْضَرَہٗ وَاِلَّا حَبَسَہُ الْحَاکِمُ وَاِذَا اَحْضَرَہٗ وَسَلَّمَہٗ فِیْ مَکَانٍ یَقْدِرُ الْمَکْفُوْلُ لَہٗ عَلٰی مُخَاکَمَتِہٖ بَرِئَ الْکَفِیْلُ مِنَ الْکَفَالَۃِ وَاِذَا تَکَفَّلَ بِہٖ عَلٰی اَنْ یُّسَلِّمَہٗ فِیْ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ فَسَلَّمَہٗ فِی السُّوْقِ بَرِیْٔ وَاِنْ سَلَّمَہٗ فِیْ بَرِیَّۃٍ لَمْ یَبْرَأْ.وَاِذَا مَاتَ الْمَکْفُوْلُ بِہٖ بَرِیْٔ الْکَفِیْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْکَفَالَۃِ وَاِنْ تَکَفَّلَ بِنَفْسِہٖ عَلٰی اَنَّہٗ اِنْ لَمْ یُوَافِ بِہٖ فِیْ وَقْتٍ کَذَا فَھُوَ ضَامِنٌ لِمَا عَلَیْہِ وَھُوَ اَلْفٌ فَاِنْ لَمْ یُحْضِرْہُ فِی الْوَقْتِ لَزِمَہٗ ضَمَانُ الْمَالِ وَلَمْ یَبْرَأْ مِنَ الْکَفَالَۃِ بِالنَّفْسِ وَلَا تَجُوْزُ الْکَفَالَۃُ بِالنَّفْسِ فِی الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ.

"اور کفالت میں کسی مخصوص وقت میں مکفول بہ کی حوالگی کی شرط لگائی گئی ہو تو کفیل پر اس کو حاضر کرنا لازم ہے جب مکفول لہ اس وقت میں حاضری کا مطالبہ کرے پس اگر اس کو حاضر کر دیا تو ٹھیک ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے گا اور جب مکفول بہ کو

حاضر کردیا اور حوالے کردیا ایسی جگہ جہاں مکفول لہ فیصلہ کرانے پر قادر ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا اور اگر کفیل نے اس شرط پر کفالت کی کہ وہ قاضی کی مجلس میں سپرد کرے گا پھر اس نے اسے بازار میں سپرد کردیا تو بھی بری ہو جائے گا اور اگر جنگل میں سپرد کردیا تو بھی بری ہو جائے گا اور اگر مکفول بہ فوت ہو گیا تو کفیل کفالت بالنفس سے بری ہو گیا اور اگر کفالت بالنفس کی کفالت کی اس شرط پر کہ اگر فلاں وقت میں حاضر نہ کرسکا تو ضامن ہے اس چیز کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار ہے پس وہ اسے اس وقت میں حاضر نہ کرسکا تو مال کا ضمان لازم ہوگا۔ اور وہ کفالت بالنفس سے بری نہ ہوگا اور امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نزدیک حدود و قصاص میں کفالت بالنفس جائز نہیں۔"

کفالت بالنفس کا حکم:

قولہ: فان شرط الخ: اگر کسی کو حاضر کرنے کا کفیل بنایا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر مکفول بہ کو خاص وقت میں حاضر کرنے کا کفیل بنا تو اس وقت مخصوص میں مکفول بہ کو حاضر کرنا ضروری ہے اگر حاضر نہ کرسکا تو قاضی کفیل کو گرفتار کرلے گا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلْمَوَاعِیْدُ بِاِکْتِسَابِ صُوَرِ التَّعَالِیْقِ تَکُوْنُ لَازِمَۃً" کہ معلق وعدوں کی تکمیل لازمی ہوتی ہے۔ لٰہذا عدم پابندی کی صورت میں ضامن کی پکڑ ہوگی۔ اگر اس مخصوص وقت میں حاضر کردیا یا ایسی جگہ حاضر کردیا جہاں مکفول بہ سے جھگڑا کرسکتا ہے تو کفیل بری الذمہ ہو جائے گا دوسری صورت یہ ہے کہ اگر قاضی کے پاس مکفول بہ کو حاضر کرنے کی شرط لگائی تھی تو اس صورت میں اگر کفیل قاضی کی مجلس میں حاضر کردیتا ہے تو بری الذمہ ہو جائے گا۔

جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ یَجِبُ ثُبُوْتُہٗ عِنْدَ ثُبُوْتِ الشَّرْطِ" کہ جب کوئی حکم شرط پر معلق ہو تو شرط کے پائے جانے سے حکم بھی پایا جائے گا چونکہ شرط پائی گئی تو حکم برأت کا بھی ثابت ہوگا لیکن اگر قاضی کی مجلس کے بجائے بازار میں حاضر کردے تو بری الذمہ ہو جائے گا کیونکہ مصنف کے دور میں قاضی بازار میں بھی محاسبہ کرلیا کرتے تھے اس لیے اس دور کے مطابق حکم ہے۔

مفتٰی بہ قول

فتویٰ امام زفر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے قول پر ہے علامہ شامی نے "وسیلة الظفر" میں اسی کو مفتٰی بہ قرار دیا ہے کہ حق کی معاونت میں لوگوں کی سست روی ہے۔ نیز ہمارے دور میں عدالت کے علاوہ مقدمہ کی سماعت نہیں ہوتی ہے لٰہذا عدالت میں حاضر کرنے سے ہی بری الذمہ ہوگا یہ امام زفر کا "ساتواں" مفتٰی بہ قول ہے۔ (وسيلة الظفر، اللباب، الهدايه)

اگر جنگل میں حاضر کرتا ہے تو بالاتفاق بری الذمہ نہ ہوگا جنگل سے مراد ایسی جگہ جہاں جھگڑا نہ کیا جاسکتا ہے۔

کفالت سے برأت:

قولہ: واذا مات الخ امام قدوری فرماتے ہیں کہ جب مکفول بہ فوت ہو جائے تو کفیل کفالت سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "وَاِذَا سَقَطَ الْاَصْلُ سَقَطَ الْفَرْعُ" کہ جب اصل ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ صورت بھی ہے کہ مکفول بہ خود حاضر ہو جائے یا مکفول بہ کو مطلوب وقت و جگہ پر حاضر کردیا جائے۔ تو بھی کفالت سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

جان ومال دونوں لازم:

قولہ: وان تکفل الخ: اگر کوئی کفیل بالنفس ہو اس نے کہا کہ اگر میں فلاں کو حاضر نہ کر سکا جو اس کے ذمہ قرض ہے اس کا میں ضامن ہوں اگر وہ حاضر نہ کر سکا تو اس پر مال کا ضمان بھی واجب ہوگا اور کفالت بالنفس سے بھی جان نہ چھوٹے گی کیونکہ یہ مال اور جان دونوں کی کفالت ہے کہ مال کی کفالت وقت کے ساتھ مشروط ہے وقت گزر جانے پر مال کفیل پر لازم ہو گیا اور کفالت بالنفس اس لیے باقی ہے کہ مال کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جان ومال دونوں کی کفالت درست نہیں۔

حدود وقصاص میں کفالت:

قولہ: ولا تجوز الخ حدود وقصاص میں کفالت بالنفس امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

حدود وقصاص میں کفالہ بالنفس کے جواز وعدم جواز کا مطلب:

امام اعظم کے نزدیک ناجائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر قاضی اس بات کا مطالبہ کرے کہ مکفول عنہ کی طرف سے کسی کو کفیل مقرر کیا جائے کہ کفیل مقرر کرنے پر جبر کرے تو اس کو امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ ناجائز کہتے ہیں جب کہ صاحبین اجبار کو جائز کہتے ہیں۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدود وقصاص میں کفیل سے ان کا استیفا ممکن نہیں کیونکہ عقوبات میں نیابت جاری نہیں ہوتی کہ نیز حدود وقصاص میں کوشش ہوتی ہے کہ حد جاری نہ ہو جب کفالت کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بھی ہو اور مضبوط کیا جائے۔ حدیث میں ہے "لا کفالۃ فی الحد"۔

(تقدیم قول الامام فی ملتقی الابحر، الاکتفاء علی قول الامام فی الھندیہ، دلیل قول الامام مؤخر فی البحر الرائق، ایضا فی بدائع الصنائع. اللباب)

وَاَمَّا الْكَفَالَةُ بِالْمَالِ فَجَائِزَةٌ مَعْلُوْمًا كَانَ الْمَالُ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ اَوْ مَجْهُوْلًا اِذَا كَانَ دَيْنًا صَحِيْحًا مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ تَكَفَّلْت عَنْهُ بِاَلْفٍ اَوْ بِمَا لَك عَلَيْهِ اَوْ بِمَا يُدْرِكُك مِنْ شَيْءٍ فِيْ هٰذَا الْبَيْعِ وَالْمَكْفُوْلُ لَهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ طَالَبَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَصْلُ وَاِنْ شَاءَ طَالَبَ كَفِيْلَهٗ وَيَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْكَفَالَةِ بِالشَّرْطِ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ مَا بَايَعْت فُلَانًا فَعَلَيَّ اَوْ مَا ذَابَ لَك عَلَيْهِ فعلی اَوْ مَا غَصَبَك فُلان فعلی وَاِذَا قَالَ تَكَفَّلْت بِمَا لَك عَلَيْهِ فَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ بِاَلْفٍ ضَمِنَهَا الْكَفِيْلُ وَاِنْ لَمْ تَقُمِ الْبَيِّنَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْكَفِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهٖ فِيْ مِقْدَارِ مَا يَعْتَرِفُ بِهٖ وَاِنِ اعْتَرَفَ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ بِاَكْثَرَ مِنْ ذٰلِك لَمْ يُصَدَّقْ عَلٰى كَفِيْلِهٖ وَتَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِاَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ وَبِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَاِنْ كَفَلَ بِاَمْرِهٖ رَجَعَ بِمَا يُؤَدِّيْ عَلَيْهِ، وَاِنْ كَفَلَ عَنْهُ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ لَمْ يَرْجِعْ بِمَا يُؤَدِّيْ عَلَيْهِ وَلَيْسَ لِلْكَفِيْلِ اَنْ يُّطَالِبَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُّؤَدِّيَ عَنْهُ فَاِنْ لُوْزِمَ بِالْمَالِ كَانَ لَهٗ اَنْ يُّلَازِمَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ حَتّٰى يُخَلِّصَهٗ

"اور بہر حال کفالت بالمال جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول جب کہ وہ دین صحیح ہو جیسے یہ کہے کہ میں اس کی طرف سے ہزار درہم کا ضامن ہوں یا اس کا جو تیرا اس کے ذمہ ہے یا اس کا جو اس بیع میں تیرا مطالبہ ہوگا اور مکفول لہ کو اختیار ہے اگر چاہے اس شخص سے طلب کرے جس پر اصل دین ہے اور چاہے تو ضامن سے طلب کرے۔ اور شرطوں کے ساتھ کفالت کو معلق کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہے کہ جو فلاں کے ہاتھ فروخت کرے گا تو وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب الادا ہے یا فلاں جو کچھ تیرا غصب کرلے وہ مجھ پر ہے اور جب کسی نے کہا کہ میں اس چیز کا ضامن ہوں جو تیرا اس پر مطالبہ ہے پھر اس پر ایک ہزار ہونے کے گواہ قائم کردے تو ہزار کا ضامن ہوگا اور اگر گواہ قائم نہ ہوئے تو ضامن کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اس مقدار میں جس کا وہ معترف ہے پس اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اعتراف کرے تو اس کی ضامن کے مقابلے میں تصدیق نہیں کی جائے گی اور کفالت مکفول عنہ کے حکم اور حکم کے بغیر بھی جائز ہے اور اگر اس کے حکم سے ضامن بنا تو ضامن سے اس چیز میں رجوع کرے گا جو وہ ادا کرے اور اگر اس کے حکم کے بغیر ضامن ہوا تو وہ اس چیز میں رجوع نہیں کرسکتا جو وہ ادا کرے اور ضامن کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ مکفول عنہ سے اس مال کا مطالبہ کرے اس کی طرف سے ادائگی سے پہلے اور اگر مال کی وجہ سے ضامن کا پیچھا کیا گیا تو ضامن مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ وہ اس کو چھڑا دے۔"

کفالت بالمال کا حکم:

قولہ: واما الکفالۃ بالمال الخ: کفالت بالمال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مدیون (مقروض) کی طرف سے ضامن بن جائے کہ جو اس پر دین ہے اس کی ادائیگی میں کروں گا اور اس کا حکم یہ ہے مال چاہے معلوم ہو یا مجہول دونوں میں ضامن بننا درست ہے کیونکہ مال میں ضامن بننے کی ضرورت بار بار آتی ہے کیونکہ معیشت کا تعلق ہی مال سے ہے۔ مال معلوم میں کفیل بننے کی مثال یہ ہے کہ میں مدیون کی طرف سے ایک ہزار درہم کا ضامن ہوں اور مال مجہول کی مثال یہ ہے کہ مدیون کی طرف سے میں اس مال کا ضامن ہوں جو تمہارا اس پر ہے۔

کفالہ اور بیع میں فرق:

بیع صرف معلوم چیز میں ہوسکتی ہے جب کہ کفالہ مجہول چیز میں بھی ہوسکتا ہے۔

کفالت بالمال کے درست ہونے کی ایک شرط:

قولہ: اذا کان دین الخ: کفالت بالمال کے درست ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس دین کا ضامن بنا ہے وہ دین صحیح ہو۔ دین صحیح "ہر وہ دین ہے جو ادا کرنے یا معاف کرنے کے بغیر ادا نہ ہو" اگر دین صحیح نہ ہو تو کفالت بالمال درست نہیں۔

کفالت کے بعد مطالبہ کس سے؟:

قولہ: والمکفول لہ الخ: جب کفالت بالمال اپنی شرائط کے ساتھ موجود ہو تو مکفول لہ کو اختیار ہے چاہے اصل شخص سے دین کا مطالبہ کرے چاہے ضامن سے مطالبہ کرے کیونکہ کفالت کا مطلب ہی یہی ہے کہ اصل اور ضامن دونوں پر قرض کی ذمہ داری ہو اس لیے دونوں سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔

مشروط کفالت بالمال:

قولہ: ویجوز تعلیق الخ: کفالت جس طرح بغیر کسی شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی ایسی شرط پر معلق کرنا بھی جائز ہے جو شرط کفالت کے لیے سبب ہو اس کی چند مثالیں مصنف نے پیش کی ہیں کہ فلاں شخص کو جو فروخت کرو تو اس کی قیمت میرے ذمہ ہے۔ مجہول کی مثال آپ کا فلاں کے ذمہ جو کچھ ہے وہ میرے ذمہ ہے یا جو کچھ وہ غصب کرے وہ میرے ذمہ ہے اس قسم کی کفالت درست ہے کیونکہ اس کی ضرورت لوگوں کو روزانہ پڑتی ہے۔

لیکن شرط کا معلوم ہونا ضروری ہے اگر شرط مجہول ہے تو کفالت درست نہیں۔ لہٰذا کفالت کے درست ہونے کے لیے مکفول عنہ کا نام یا اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر کہے کہ ہوا چلے تو میں ضامن ہوں یا زلزلہ آئے تو میں ضامن ہوں وغیرہ یہ شرط مجہول ہے اس لیے کفالت درست نہیں۔

مکفول بہ مال کی مقدار میں اختلاف:

قولہ: واذا قال تکفلت الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفیل نے مدیون کی طرف سے مجہول مال کی ضمانت لی پھر مال (مکفول بہ) کی مقدار میں مکفول لہ اور کفیل میں اختلاف واقع ہو گیا کہ مکفول لہ مال کی زیادتی کا مدعی ہے جب کہ کفیل کمی کا مدعی ہے کہ اب دیکھا جائے گا کہ مکفول کے پاس گواہ ہیں یا نہیں اگر گواہ پیش کر گیا تو اسی کی بات مانی جائے گی اگر گواہ پیش نہ کر سکا تو کفیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اگر کفیل قسم سے انکار کر دے یا بات تسلیم کر لے تو مکفول لہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر مکفول عنہ خود زیادتی مال کا اقرار کر لے اگرچہ کفیل منکر ہو تو بات مکفول عنہ کی تسلیم ہوگی کیونکہ مکفول عنہ نے خود اپنے اوپر اقرار کیا ہے۔

کفالت کے جواز کے لیے مکفول عنہ کی اجازت:

قولہ: ویجوز الکفالۃ الخ: کفیل ہونے کے لیے مکفول عنہ کی اجازت ضروری نہیں لہٰذا اجازت اور بغیر اجازت دونوں طرح کفالت درست ہے اگر کفیل مکفول عنہ کی اجازت سے بنا تھا تو کفیل نے جو رقم مکفول لہ کو دی ہے اس رقم کی وصولی کے لیے کفیل مکفول عنہ سے رجوع کرے گا لیکن اگر مکفول عنہ کی اجازت کے بغیر کفیل بنا تو قانوناً رجوع نہیں کر سکتا کیونکہ کفالت عقد تبرع ہے گویا کفیل نے مکفول عنہ کی طرف سے قرض بطور احسان ادا کیا ہے اور جو کام احسان وتبرع کے طور پر ہو اس کا بدلہ وصول نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلْكَفِيْلُ بِغَيْرِ الْاَمْرِ مُتَبَرِّعٌ يَلْزَمُ وَيُؤَدِّيْ" (المبسوط) جب کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق عدم اجازت کی صورت میں کفیل وصول کر سکتا ہے۔

کفیل کا مکفول عنہ سے مطالبہ کا وقت:

قولہ: ولیس للکفیل الخ: کفیل مکفول عنہ سے وصولی کا کب مطالبہ کر سکتا ہے؟ کہ جب کفیل نے اپنے پاس سے مکفول لہ کو رقم ادا کر دی تو قانونی طور پر مکفول عنہ سے رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے لیکن اس سے قبل نہیں۔ اگر خود اپنی مرضی سے کفیل کو دے دے تو جائز ہے۔

مکفول لہ کا کفیل کے پیچھے پڑنا:

قولہ: للوکیل الخ: اگر مکفول لہ نے رقم کی وصولی کے لیے کفیل کا پیچھا کیا کہ اس کو گرفتار کرا لیا لہٰذا کفیل کو بھی یہ اختیار ہے کہ جس کی وجہ سے پریشانی لاحق ہوئی اس کو بھی گرفتار کروا سکتا ہے یہاں تک کہ کفیل رہائی پا جائے۔

وَاِذَا اَبْرَاَ الطَّالِبُ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ اَوْ اسْتَوْفٰى مِنْهُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ وَاِنْ اَبْرَاَ الْكَفِيْلَ لَمْ يُبْرَاَ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ وَلَا يَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْكَفَالَةِ بِشَرْطٍ وَكُلُّ حَقٍّ لَا يُمْكِنُ اسْتِيْفَاؤُهٗ مِنَ الْكَفِيْلِ لَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهٖ كَالْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ وَاِذَا تَكَفَّلَ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ جَازَ وَاِنْ تَكَفَّلَ عَنِ الْبَائِعِ بِالْمَبِيْعِ لَمْ يَصِحَّ وَمَنِ اسْتَاْجَرَ دَابَّةً لِلْحَمْلِ فَاِنْ كَانَتْ بِعَيْنِهَا لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ بِالْحَمْلِ وَاِنْ كَانَتْ بِغَيْرِ عَيْنِهَا جَازَتِ الْكَفَالَةُ.

”اور جب طالب نے مکفول عنہ کو بری کر دیا یا اس سے وصول کر لیا تو کفیل بری ہو جائے گا اور اگر کفیل کو بری کیا تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا اور کفالت سے بری کرنے کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہے اور ہر وہ حق جس کا کفیل سے پورا ہونا ممکن نہ ہو تو اس کی کفالت درست نہیں ہے۔ جیسے حدود اور قصاص اور جب مشتری کی طرف سے ثمن کا کفیل ہوا تو جائز ہے اور اگر بائع کی طرف سے مبیع کا وکیل ہو تو درست نہیں۔ اور کسی شخص نے سواری بوجھ لادنے کے لیے کرائے پر لی پس اگر وہ سواری معین ہو تو بوجھ لادنے کی کفالت درست نہیں اور اگر سواری معین نہ ہو تو کفالت جائز ہے۔“

کفالت سے بری ہونے کی صورتیں:

قولہ: واذا ابرء الخ: امام قدوری نے کفیل کے بری الذمہ ہونے کی دو صورتوں کو بیان کیا۔

۱۔ مکفول لہ (طالب) نے مکفول عنہ کو دین معاف کر دیا تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

۲۔ مکفول عنہ نے اپنا پورا دین ادا کر دیا تو بھی کفیل کفالت سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ ”اذا سقط الاصل سقط الفرع۔“ (الاشباہ والنظائر) لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ”جب اصل پر دین نہ رہے تو فرع سے بھی دین ختم ہو جاتا ہے۔“ اس فقہی قاعدہ کو یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے ”اَلتَّابِعُ يَسْقُطُ بِسُقُوْطِ الْمَتْبُوْعِ“ اگر مکفول لہ نے کفیل کو بری کر دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ اگر کفیل کو دین ہی معاف کر دیا تو مکفول عنہ سے بھی دین معاف ہوگا اگر صرف کفیل کو کفالت سے بری کیا کہ آپ سے دین کا مطالبہ نہیں کروں گا تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا کیونکہ نفس دین اصل پر باقی ہے۔

برأت معلقہ:

قولہ: ولا یجوز الخ: کفالت سے برأت کی شرط کے متعلق اصول یہ ہے کہ ”اگر برأت کو شرط مناسب کے ساتھ معلق کیا تو یہ تعلیق درست ہے“ مثلاً کہا کہ اگر آپ نے دین ادا کر دیا یا مکفول عنہ نے ادا کر دیا تو آپ بری الذمہ ہو لیکن اگر شرط غیر مناسب کے ساتھ معلق کیا تو تعلیق درست نہیں مثلاً آندھی چلی یا بارش ہوئی تو میں کفالت سے بری ہوں کیونکہ اصول یہ ہے کہ ”تملیکات تعلیق بالشرط کو قبول نہیں کرتیں۔“

کفالہ کے صحیح ہونے کی دو شرطیں:

قولہ: وکل حق الخ: کفالت کے صحیح ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ ہر وہ حقوق کہ جن کی کفیل سے وصولی ناممکن ہو تو کفالت درست نہیں جیسے حدود وقصاص۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عین کی کفالت تو درست نہیں جیسا کہ پیچھے امام اعظم کا مفتی بہ قول گزرا ہے۔ مگر دین کی کفالت درست ہے لہٰذا مشتری کی جانب سے ثمن کی کفالت تو درست ہے مگر بائع کی طرف سے مبیع کی مالیت کا کفیل بن جانا درست نہیں کیونکہ بائع پر مبیع کا عین واجب ہوا ہے نہ کہ دین لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ''ہر وہ چیز جس کی مثل اپنی طرف سے دے سکتا ہے وہاں کفیل ہوگا اور جس کی مثل نہیں دے سکتا وہاں کفیل نہ ہوگا'' ہاں اگر مبیع کی حوالگی کی کفالت کی تو جائز ہے مگر مالیت کی نہیں۔

کرائے پر لیے ہوئے جانور کی کفالت:

قولہ: ومن استاجر الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے جانور کرائے پر لیا تا کہ بوجھ لادے اور کرایہ دار نے مالک سے کہا کہ میرا سامان فلاں جگہ پہنچا دینا اب مالک کی طرف سے کفیل بولا کہ اگر مالک نے نہ پہنچایا تو میں پہنچا دوں گا کرائے پر حاصل کردہ جانور کی دو صورتیں ہیں کہ مستاجر نے متعین کیا ہے یا نہیں اگر متعین کیا ہے تو کفالت درست نہیں کیونکہ کفالت کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جانور نہ دیا تو میں اپنی سواری پر لاد کر چھوڑ آؤں گا حالانکہ سواری متعین ہے۔ اس لیے اپنی سواری نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ جو اپنی طرف سے مثل نہیں دے سکتا تو وہ کفیل بھی نہیں بن سکتا اگر جانور کو متعین نہیں کیا تو کفالت درست ہے کہ اپنی طرف سے سواری کے ذریعے سامان پہنچایا جا سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں صرف سامان کا پہنچانا مقصود ہے۔

وَلَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْمَكْفُوْلِ لَهٗ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ اِلَّا فِيْ مَسْاَلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّهُوَ اَنْ يَّقُوْلَ الْمَرِيْضُ لِوَارِثِهٖ تَكَفَّلْ عَنِّيْ بِمَا عَلَيَّ مِنَ الدَّيْنِ فَتَكَفَّلَ بِهٖ مَعَ غَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ فَاِنَّهٗ يَجُوْزُ۔ وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ عَلَى اثْنَيْنِ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَفِيْلٌ ضَامِنٌ عَنِ الْاٰخَرِ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا لَمْ يَرْجِعْ بِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ حَتّٰى يَزِيْدَ مَا يُؤَدِّيْهِ عَلَى النِّصْفِ فَيَرْجِعُ بِالزِّيَادَةِ۔

''اور کفالت درست نہیں مگر مکفول لہ کے مجلس عقد میں قبول کرنے سے سوائے ایک مسئلہ کے کہ بیمار شخص اپنے وارث سے کہہ دے کہ میرے ذمہ جو قرض ہے تو میری طرف سے اس کا کفیل بن جا اور قرض خواہوں کی عدم موجودگی میں کفیل ہو گیا تو جائز ہے اور قرض دو شخصوں پر ہو اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف سے ضامن ہو تو ان میں سے ایک جو کچھ ادا کرے گا اور اپنے شریک سے وصول نہ کرے یہاں تک کہ جو کچھ اس نے ادا کیا ہے اور نصف پر زیادہ ہو جائے تو زائد مقدار کا اس سے رجوع کر لے۔''

کفالت کے درست ہونے کی ایک شرط:

قولہ: ولا تصح الخ: کفالت کے درست ہونے کے لیے جن شرائط کا ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ چاہے کفالت بالنفس ہے یا کفالت بالمال ہر دو میں ضروری ہے کہ عقد مجلس میں مکفول لہ کفالت کو قبول کرے یہ مذہب طرفین کا ہے اکثر نے اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (اللباب) کیونکہ پہلے قرض خواہ کا واسطہ مقروض سے تھا اب درمیان میں نیا شخص وارد ہوا ہے

چونکہ عقد کفالت میں تملیک کے معنی ہیں اس لیے مکفول لہ کی رضامندی کے حصول کے لیے عقد مجلس میں حاضر ہونا ضروری ہے جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک عقد مجلس میں حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ جب اسے اطلاع مل جائے تو قبول کر لے تو کفالت درست ہے کہ مکفول لہ کو فائدہ ہے پہلے تو ایک سے مطالبہ کرتا تھا اب دو سے کرے گا کیونکہ کفالت عقد التزامی ہے تو ملتزم ہی مستقل ہوگا۔

استثنائی صورت:

قولہ: الا فی الخ: طرفین کے نزدیک عقد کفالت کی مجلس میں مکفول لہ کا حاضر ہونا ضروری ہے جیسے پہلے گزرا اب امام قدوری ایک استثنائی صورت بیان کر رہے ہیں کہ جہاں موجودگی ضروری نہیں یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ مکفول لہ کفالت قبول نہ بھی کرے بلکہ مکفول لہ غائب ہو تب بھی کفالت درست ہے مثلاً کوئی شخص مرض الموت میں ہے اس نے اپنے کسی وارث سے کہا کہ مجھ پر جتنے قرض ہیں ان کی ادائیگی میں تو میرا کفیل ہے تو اس صورت میں وارث کا کفیل بننا درست ہے درحقیقت یہ کفیل نہیں بلکہ وصی کے مرض الموت والے نے اپنے قرضوں کی ادائیگی کے لیے ایک شخص کو وصی مقرر کیا ہے۔ نیز یہاں یہ مجبوری بھی ہے کہ اس وقت تمام قرض خواہ موجود بھی نہیں ہوتے لہٰذا اگر کفیل کا وصی نہ بنایا جائے تو قرض خواہوں کے قرض ضائع ہو جائیں گے اس لیے طرفین کے نزدیک بھی مکفول لہ کی اجازت کے بغیر کفالت درست ہے۔

ایک دوسرے کی کفالت:

قولہ: اذا كان الدين الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا قرض دو شخصوں کے ذمہ ہے اب دونوں مقروضوں نے آپس میں کفالت کا عقد کر لیا کہ میرے قرض کا تو کفیل ہے اور میں تیرے قرض کا کفیل ہوں۔ مثلاً دونوں نے مل کر ایک گاڑی خریدی اب اس کا ثمن دین (قرض) ہے تو یہ دین دونوں پر نصف نصف آئے گا۔ لہٰذا اگر ایک نے آدھا دین ادا کر دیا تو یہ ادائیگی ادا کرنے والے ہی کی طرف سے شمار ہوگی نہ کہ دوسرے کی طرف سے کیونکہ نصف دین تو خود اس کی ذات پر ہے اگر نصف سے زائد ادا کیا ہے تو زائد کی مقدار کی وصولی کے لیے دوسرے کی طرف رجوع کرے گا کیونکہ وہ دوسرے نصف میں کفیل ہے جب کہ یہ پہلے نصف میں اصیل تھا۔

وَاِذَا تَكَفَّلَ اثْنَانِ عَنْ رَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ عَلٰى وَّكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَفِيْلٌ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدَّاهُ اَحَدُهُمَا يَرْجِعُ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ قَلِيْلًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا وَلَا تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِمَالِ الْكِتَابَةِ سِوَاءٌ حُرٌّ تَكَفَّلَ بِهَا اَوْ عَبْدٌ وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا فَتَكَفَّلَ عَنْهُ رَجُلٌ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وعندهما تصح

"اور جب دو شخص ایک شخص کی طرف سے ایک ہزار روپے کے کفیل ہو گئے اس طور پر کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا کفیل ہوگا تو ان میں سے جو ایک ادا کرے گا وہ نصف کے ساتھ اپنے ساتھی پر رجوع کرے گا وہ رقم کم ہو یا زیادہ اور مال کتابت کی کفالت جائز نہیں خواہ آزاد ہو جس کی کفالت کی یا غلام ہو اور جب انسان فوت ہو جائے اور اس پر بہت قرضے

ہوں اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا۔ اب ایک شخص اس کی طرف سے قرض خواہوں کے لیے کفیل بن گیا تو یہ کفالت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست نہیں اور صاحبین کے نزدیک درست ہے۔"

ایک کی طرف دو کفیل:

قولہ: واذا تکفل الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر قرض ہو اور اس کی طرف دو شخص کفیل بنے کہ ہم قرض ادا کریں گے پھر دونوں کفیل آپس میں ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو یہ کفالت درست ہے۔ لہٰذا ایک کفیل جتنا قرض ادا کرے گا اس کا نصف اپنے شریک سے وصول کرے گا پھر دونوں مل کر اصیل سے وصول کریں گے۔ چونکہ دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض تو ہے نہیں بلکہ کفالت کی بنا پر ہے جو فرع ہے اور فرع ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ لہٰذا ادا کردہ قرض کا نصف شریک سے وصول کرسکتا ہے۔ بخلاف گزشتہ مسئلہ کے کہ وہاں نصف کی ادائیگی بطور اصالت تھی اور نصف کی بطور کفالت تھی اس لیے وہاں نصف کی ادائیگی پر شریک سے رجوع جائز نہ تھا کہ اصالت کو کفالت پر ترجیح حاصل ہے۔ جب کہ یہاں اس لیے جائز ہے کہ دونوں کفالت میں برابر ہیں کسی ایک کو ترجیح نہیں۔

مال کتابت کی کفالت:

قولہ: ولا تجوز الکفالۃ الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا کہ اتنے پیسے دو تو آزاد ہو جاؤ گے اب کسی نے غلام کی طرف سے ضمانت لی کہ میں ادا کروں گا یہ کفالت درست نہیں چاہے آزاد کفیل بنے یا غلام۔ مصنف کی عبارت "عبداً" سے معلوم ہوا کہ کفالت کا عدم جواز اس بنا پر نہیں کہ آزاد شخص تابع بن رہا ہے کیونکہ مکفول عنہ (غلام) اصیل ہے اور کفیل (آزاد) تابع ہے بلکہ عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ بدل کتابت دین صحیح نہیں جب کہ کفالت دین صحیح میں ہوتی ہے چونکہ جب غلام بدل کتابت سے عاجز آجائے تو دین ساقط ہو جاتا ہے جب کہ دین تو ادا کرنے یا معاف کرنے سے ساقط ہوتا ہے لہٰذا غلام سے دین کے سقوط میں کوئی وجہ نہیں پائی جارہی۔

میت کی طرف سے کفالت:

قولہ: واذا مات الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص مفلس (دیوالیہ) کی حالت میں فوت ہو گیا کہ اس نے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا مگر اس پر کئی قرض ہیں اور اس نے کوئی کفیل مقرر نہیں کیا پھر کسی شخص نے خود ہی میت کی طرف سے قرضوں کی ادائیگی کی کفالت لی تو اس کفالت میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کفالت جائز نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ کفالت جائز ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض کا جنازہ پڑھنے سے انکار فرمایا تو حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرض کی ادائیگی کی کفالت لی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر فقہی قاعدہ یہ ہے "اَلْکَفَالَۃُ بِالسَّاقِطِ لَا تَجُوْزُ" چونکہ مقروض مفلس ہو کر فوت ہوا اس لیے اس سے دین ساقط ہو گیا۔ (دیگر معتون علی قول الامام، اللباب، تقدیمہ قول الامام فی ملتقی الابحر)

کتاب الحوالۃ

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الکفالۃ کو بیان کیا اب کتاب الحوالۃ کو بیان کررہے ہیں دونوں کو یکے بعد دیگرے ذکر کرنے کی وجہ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں وثوق واعتماد کے لیے اس دین کا التزام ہوتا ہے جو مقروض کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔

حوالہ کا لغوی معنی:

منتقلی کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

"هُوَ نَقْلُ الدَّيْنِ مِنْ ذِمَّةٍ إِلَى ذِمَّةٍ" (هدیه)

ایک شخص سے دوسرے شخص کے ذمہ دین کا منتقل ہونا حوالہ کہلاتا ہے۔

حوالہ اور کفالہ میں فرق:

حوالہ میں دین کی اصل ذمہ داری باقی نہیں رہتی جب کہ کفالہ میں دین کی اصل ذمہ داری باقی رہتی ہے اور ساتھ ساتھ کفیل سے بھی تقاضا کرسکتا ہے۔

حوالہ کے متعلق اصطلاحات:

مقروض کو "مُحِيل"، قرض خواہ کو مُحال یا مُحتال له، جو قرض کی ذمہ داری لے اسے "مُحال عليه" یا "مُحتال عليه" اور جس دین کی ذمہ داری لی اسے "مُحال به" یا "مُحتال به" کہا جاتا ہے۔

اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّيُوْنِ وَيَصِحُّ بِرِضَا الْمُحِيْلِ وَالْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ فَإِذَا تَمَّتِ الْحَوَالَةُ بَرِئَ الْمُحِيْلُ مِنَ الدَّيْنِ وَلَمْ يَرْجِعِ الْمُحْتَالُ عَلَى الْمُحِيْلِ إِلَّا اَنْ يَتْوٰى حَقُّهٗ وَالتَّوٰى عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ بِاَحَدِ اَمْرَيْنِ إِمَّا اَنْ يَّجْحَدَ الْحَوَالَةَ وَيَحْلِفَ وَلَا بَيِّنَةَ لَهٗ عَلَيْهِ اَوْ يَمُوْتَ مُفْلِسًا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ هٰذَانِ الْوَجْهَانِ وَ وَجْهًا ثَالِثًا وَهُوَ اَنْ يَّحْكُمَ الْحَاكِمُ بِفَلَسِهٖ فِيْ حَالِ حَيَاتِهٖ

"اور حوالہ قرضوں میں جائز ہے اور حوالہ محیل، محتال لہ اور محیل علیہ کی رضامندی سے درست ہوتا ہے اور جب حوالہ مکمل ہو جائے تو محیل قرضوں سے بری ہو جائے گا اور محتال لہ محیل پر رجوع نہیں کرسکتا مگر یہ کہ اس کا حق ضائع ہو جائے اور حق ضائع ہونا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو امور میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہوتا ہے یا محتال علیہ حوالے کا

انکار کردے اور قسم اٹھالے اور محال کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ حالت افلاس میں فوت ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا دو صورتیں یہ ہیں اور تیسری صورت وہ یہ ہے کہ حاکم اس کی زندگی میں افلاس کا فیصلہ کردے۔"

حل لغات: یعوی باب سمع سے ہے جس کا مصدر تویٰ آتا ہے بمعنی ہلاک ہونا، ضائع ہونا، یجحد جحود سے ہے بمعنی انکار کرنا، افلاس دیوالیہ قرار دینا۔

صحت حوالہ کی شرائط:

قولہ: الحوالہ جائزۃ الخ امام قدوری کی عبارت سے حوالہ کے درست ہونے کے لیے دو شرطوں کا ہونا معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ حوالہ صرف دین میں ہوتا ہے نہ کہ عین میں کیونکہ دین غیر متعین ہوتا ہے۔ اس لیے محتال علیہ سے اس کی ادائیگی ممکن ہے بخلاف عین کے کیونکہ عین تو معین ہوتی ہے اس کو تو وہی ادا کرسکتا ہے کہ جس کے پاس موجود ہے۔ لہٰذا حوالہ فقط دین میں جائز ہے دوسری شرط یہ ہے کہ حوالہ کے جواز کے لیے محیل (مقروض) محتال لہ (قرض خواہ) اور محتال علیہ (ضامن) تینوں کی رضامندی ضروری ہے۔ محتال لہ (قرض خواہ) کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ قرض اس کا حق ہے اور ادائیگی میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ جس کے ذمہ قرض کی ادائیگی کی گئی اس سے قرض خواہ وصول نہ کرسکتے ہوں اس لیے اس کی رضامندی ضروری ہے اور محتال علیہ کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ قرض تو اس نے ادا کرنا ہے جب یہ راضی ہوگا تو اس کی طرف سے ادا کرے گا اور محیل (مقروض) کی رضامندی کے متعلق صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ محیل کی رضامندی ضروری نہیں کیونکہ اس میں محیل کا نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی ہے لیکن دوسرے دو کی رضامندی ضروری ہے۔

حوالہ کی تکمیل کے بعد مطالبہ قرض:

قولہ: واذا تمت الخ امام قدوری فرماتے ہیں کہ جب حوالہ مکمل ہو جائے تو محیل (مقروض) قرض سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ لہٰذا محتال لہ قرض کا مطالبہ محتال علیہ سے کرے گا اور محیل سے مطالبہ صرف اس صورت میں کرسکتا ہے کہ جب قرض خواہ کا قرضہ ڈوبنے کا خطرہ ہو کہ قرضہ کی وصولی بظاہر ممکن نظر نہ آتی ہو اس کو فقہاء کرام کی اصطلاح میں "تویٰ" کہا جاتا ہے۔ تویٰ حق (حق کے ضائع ہونے) کی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو صورتیں ہیں۔

۱۔ محتال علیہ حوالے کا منکر ہو اور قسم کھالے کہ میں نے قرض کی ادائیگی کی کوئی ذمہ داری نہیں لی اور قرض خواہ (محتال لہ) کے پاس اس پر کوئی گواہ بھی نہ ہو کہ قرض کا ذمہ دار یہی تھا تو اس صورت میں قرض کی وصولی کی کوئی صورت نہیں رہی اس لیے اب قرض خواہ براہ راست مقروض سے مطالبہ کرے گا۔

۲۔ محتال علیہ مفلس (دیوالیہ) ہو کر فوت ہو گیا کہ اس نے پیچھے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا کہ اس سے ادائیگی ممکن ہو۔ لہٰذا قرض خواہ مقروض سے مطالبہ کرسکتا ہے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک ایک تیسری صورت بھی ہے کہ جب عدالت نے محتال علیہ کو دیوالیہ قرار دیا ہو تب بھی قرض خواہ مقروض سے دین کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ محتال علیہ حوالہ کا منکر ہے اور مدعی علیہ ہے اور مدعی (محتال لہ) کے پاس گواہ نہ ہونے کی صورت میں بقاعدہ فقہی: "البینة علی المدعی والیمین علی من انکر" کے تحت محتال علیہ سے قسم لی جائے گی اور قاضی کا دیوالیہ قرار دینا "توی" نہیں کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے کہ جس وقت قاضی نے فیصلہ کیا ہو وہ مفلس ہو مگر بعد میں مال آ بھی سکتا ہے اس لیے قاضی کے فیصلے کو "توی" کا سبب قرار دینا درست نہیں ہاں موت تک مفلس رہنا "توی" کا سبب ہے"۔

(تقدیم قول الامام فی الفتاویٰ قاضی خان، ایضاً ملتقی الابحر، الاقتصار علی قول الامام فی الھدیہ، تصحیح قول الامام فی اللباب)

وَاِذَا طَالَبَ الْمُحَالُ عَلَيْهِ الْمُحِيْلَ بِمِثْلِ مَالِ الْحَوَالَةِ فَقَالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتَ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ وَكَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ الدَّيْنِ وَاِنْ طَالَبَ الْمُحِيْلُ الْمُحْتَالَ بِمَا اَحَالَهُ بِهِ وَقَالَ اِنَّمَا اَحَلْتُكَ لِتَقْبِضَهُ لِيْ وَقَالَ الْمُحْتَالُ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُحِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَيُكْرَهُ السَّفَاتِجُ وَهُوَ قَرْضٌ اسْتَفَادَ بِهِ الْمُقْرِضُ اَمْنَ خَطَرِ الطَّرِيْقِ۔

"اور جب محتال علیہ نے محیل سے مال حوالہ کی مقدار مال کا مطالبہ کیا اور محیل نے کہا میں نے اس قرض کے عوض حوالہ کیا ہے جو میرا تجھ پر ہے تو محیل کا قول معتبر نہ ہوگا اور اس پر دین کے برابر مال واجب ہوگا اور اگر محیل نے محتال لہ سے اس مال کا مطالبہ کیا جو اس نے حوالہ کیا تھا اور یہ کہا کہ میں نے حوالہ کیا تھا تا کہ آپ میرے لیے قبضہ کرلیں اور محتال لہ نے کہا کہ بلکہ آپ نے مجھے اس دین کے عوض حوالہ کیا تھا جو میرا آپ کے ذمہ تھا تو محیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور سفاتج مکروہ ہے اور وہ ایسا قرض ہے جس کے ذریعے سے قرضہ دینے والا راستے کے خطرات سے محفوظ ہونے کا فائدہ اٹھائے۔"

محیل اور محتال علیہ کے مابین اختلاف:

قولہ: واذا طالب الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ محتال علیہ محتال لہ کو قرض کی ادائیگی کے بعد محیل سے مطالبہ کرے کہ جو قرض میں نے آپ کی طرف سے ادا کیا ہے وہ مجھے دو اس کے جواب میں محیل نے کہا کہ میں نے اس قرض کا حوالہ کیا تھا جو میرا آپ پر تھا اور محتال علیہ اس کا انکار کرتا ہے اور محیل کے پاس گواہ بھی نہیں تو بات قسم کے ساتھ محتال علیہ کی تسلیم کی جائے گی اگر گواہ پیش کر گیا تو محیل کی بات تسلیم ہوگی۔ لہٰذا ظاہری علامت جس کے لیے ہو اسی کی بات مانی جائے گی۔

محیل اور محتال لہ کے مابین اختلاف:

قولہ: وان طالب الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ محتال لہ نے محتال علیہ سے قرض وصول کرلیا پھر محیل نے محتال لہ سے کہا کہ میرے ذمہ آپ کا کوئی قرض نہ تھا اور یہ حوالہ اس لیے کیا تھا تا کہ آپ میرے وہ قرض وصول کرلیں جو میرا اس پر تھا تو اس کے جواب میں محتال لہ نے کہا کہ نہیں بلکہ جو قرض آپ پر میرا تھا اس کا حوالہ کیا ہے۔ لہٰذا میں نے اپنا قرض وصول کیا ہے تو اگر محتال لہ

گواہ پیش کردے کہ اس نے اپنا قرضہ وصول کیا ہے تو اسی کا قول معتبر ہوگا اگر گواہ پیش نہ کر سکا تو محیل کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کی جائے گی۔ کیونکہ حوالہ کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ محتال لہ کا محیل پر قرض ہو بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حوالہ بول کر محتال لہ کو وکیل بنایا ہوتا کہ وہ وکالت کے طور پر محتال علیہ سے رقم وصول کرکے محیل کو دے۔

قوله: ویکرہ السفاتج الخ: سفتجه کی حقیقت اور اس کا حکم

لفظ سفاتج کی تحقیق:

سفاتج سفتجه کی جمع ہے اور سفتجه کا لفظ سفته فارسی سے مُعَرَّب ہے فارسی میں سفتجه کے معنی مضبوط شی کے آتے ہیں سفتجه کو سَفْتَجَهُ اور سُفْتَجَهُ دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ اصطلاحی طور پر سفتجه یہ ہے کہ کسی کو اقامت والے شہر میں قرض دیا جائے اور اس کی وصولی دوسرے شہر میں اس سے یا اس کے متعلقہ شخص سے کی جائے کہ جہاں وہ جانا چاہتا ہے۔ مثلاً لاہور کا رہنے والا شخص کراچی جانا چاہتا ہے مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ راستے میں رقم چوری ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا یہ رقم یہاں کسی کو دے کر اس کے ذریعے کراچی وصول کی جائے اس صورت کو فقہا نے مکروہ قرار دیا ہے کہ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ اپنی رقم کو راستے کے خطرات سے محفوظ کر لیا لہٰذا ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا گیا وہ بھی ایک سود کی قسم ہے۔ سفتجه کے ثبوت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قرض دینے والا شرط لگائے کہ میں آپ کو یہاں قرض دیتا ہوں آپ اس کی ادائیگی فلاں جگہ کر دیں۔ یا عرف میں یہ بات اتنی عام ہوگئی ہو کہ کسی کو ایک جگہ قرض دینے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ دوسری جگہ مل جائے گا تو ان دو صورتوں میں ایسا کرنا مکروہ ہے اگر ان کے علاوہ بغیر کسی شرط کے اور بغیر عرف کے ہو تو جائز ہے۔ مگر مشکل ہے کہ ایسی صورت پائی جائے۔

بینک ڈرافٹ کا شرعی حکم:

دور حاضر میں بڑی رقوم کی منتقلی ایک جگہ سے دوسری جگہ بذریعہ چیک، ڈرافٹ کے ہوتی ہے۔

اور یہ دستاویزات ماہرین اقتصادیات کی اصطلاح میں تحویل پذیر دستاویزات کہلاتی ہیں ان کو عربی میں "الاوراق التجاریه" اُردو میں "آلات اعتبار" اور انگریزی میں "کمرشل پیپرز" کہا جاتا ہے یہ وہ دستاویزات ہوتی ہیں جو کاروباری لین دین میں زر کا نعم البدل ہوتی ہیں ان دستاویزات پر سفتجه کی تعریف صادق آتی ہے کہ یہ لین دین مکروہ ہونا چاہیے مگر دور حاضر میں امن وامان سے محرومی اور عدم تحفظ کی وجہ سے نیز کاروباری معاملات میں ان دستاویزات کی صورتیں اتنی رائج ہیں کہ ان سے گریز مشکل ہے کہ جس طرح منی آرڈر کی سخت حاجت کی بنا پر جواز کی صورت پیدا کی ہے۔

کتاب الصلح

سباق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے معاملات کے احکامات کو بیان کیا کہ جن میں بسا اوقات اختلاف واقع ہو جاتا ہے اب اس اختلاف کو ختم کرنے کی صورت ''صلح'' کے احکامات کو بیان کررہے ہیں۔

صلح کا لغوی معنی:

مصالحت کرنا جو مخاصمت کی ضد ہے:

اصلاحی معنی:

هُوَ عَقْدٌ يَقْطَعُ الْخُصُوْمَةَ وَالنِّزَاعَ (در مختار)

صلح ایسے عقد کو کہتے ہیں جو خصومت و جھگڑے کو ختم کرے۔

ارکان:

دیگر معاملات کی طرح اس کے بھی دو ارکان ہیں۔ ۱۔ ایجاب ۲۔ قبول۔

صلح کی شرائط:

صلح کرنے والے کے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ عاقل ہو۔ اگر بچہ ہو تو اس کا ولی صلح کرے بشرطیکہ کے بچہ کھلے نقصان سے دو چار نہ ہو اگر بچہ با سمجھ ہے تو خود بھی کر سکتا ہے کہ جس میں نفع ہو یا کم سے کم نقصان ہو لہٰذا صلح میں بالغ ہونا ضروری نہیں اور بدل صلح کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرعاً مال ہو لہٰذا شراب اور مردار بدل صلح نہیں بن سکتے دیگر شرائط آئندہ مباحث کے ضمن میں آئیں گی۔

صلح کی مشروعیت:

اس کا ثبوت قرآن مجید، احادیث رسول اور اجماع امت سے ہے۔

صلح کے متعلق اصطلاحات:

صلح کرنے والے کو ''مصالح'' جس سے صلح کی جائے اسے ''مصالح لهٗ'' جس چیز کی طرف سے صلح کی جائے اسے ''مصالح عنها'' اور جس چیز پر صلح واقع ہوا سے ''مصالح علیه اور بدل صلح'' کہا جاتا ہے۔

اَلصُّلْحُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَضْرُبٍ صُلْحٌ مَعَ اِقْرَارٍ وَّصُلْحٌ مَعَ سُكُوْتٍ وَّهُوَ اَنْ لَّا يُقِرَّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ وَلَا يُنْكِرُ وَصُلْحٌ مَعَ اِنْكَارٍ وَّكُلُّ ذٰلِكَ جَائِزٌ فَاِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَلَى الْاِقْرَارِ اُعْتُبِرَ فِيْهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ اِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ وَّاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعَ اُعْتُبِرَ بِالْاِجَارَاتِ

"صلح تین قسم پر ہے اقرار کے ساتھ صلح اور خاموش رہنے کے ساتھ صلح وہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نہ اقرار کرے اور نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح اور یہ سب صورتیں جائز ہیں پس اگر صلح اقرار سے واقع ہو تو اس میں ان امور کا اعتبار کیا جائے گا کہ جو بیوع میں معتبر ہوتے ہیں"۔

اگر یہ معاملہ مال کا مال کے بدلے میں ہو اور اگر صلح مال کا منافع کے عوض میں ہو تو اس میں اجازت کا اعتبار ہوگا۔

صلح کی اقسام:

قوله: الصلح علی الخ: امام قدوری نے صلح کی تین اقسام بیان کیں۔ ۱۔ صلح مع الاقرار ۲۔ صلح مع السکوت ۳۔ صلح مع الانکار۔ یہ تینوں اقسام حدیث پاک "الصلح جائز بین المسلمین" کے اطلاق کے تحت داخل ہیں۔ صلح مع الاقرار کی صورت یہ ہے کہ کسی نے دعویٰ کیا کہ تیرے پاس فلاں چیز میری ہے تو مدعیٰ علیہ نے کہا واقعی آپ کی ہے بعد میں مدعیٰ علیہ نے مدعی سے صلح کرلی اگر یہ صلح مال کے عوض ہے تو بیع کہلائے گی جیسے کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلصُّلْحُ عَنْ إِقْرَارٍ بَيْعٌ" (موسوعة القواعد الفقهيه) لہٰذا صلح مع الاقرار میں مکان یا زمین (غیر منقولہ) دے کر صلح کی گئی تو جو احکام بیع میں پائے جاتے ہیں خیارات ثلاثہ (عیب، شرط، رویت) اور شفعہ بھی مصالح علیہ جاری ہوں گے لہٰذا شفعہ سے مصالح علیہ چیز مستثنیٰ نہ ہوگی۔ اگر منافع پر ہو مثلاً مکان رہن کے لیے دے دیا تو یہ اجارہ کہلائے گا جو احکام اجارہ کے ہیں وہی یہاں لاگو ہوں گے۔

وَالصُّلْحُ عَنِ السُّكُوْتِ وَالْإِنْكَارِ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ لِافْتِدَاءِ الْيَمِيْنِ وَقَطْعِ الْخُصُوْمَةِ وَفِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ بِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ وَاِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ تَجِبْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَاِذَا صَالَحَ عَلٰى دَارٍ وَجَبَتْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ وَاِذَا كَانَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ رَجَعَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الْعِوَضِ وَاِنْ وَقَعَ عَنْ سُكُوْتٍ اَوْ اِنْكَارٍ فَاسْتُحِقَّ الْمُتَنَازَعُ فِيْهِ رَجَعَ الْمُدَّعِيْ بِالْخُصُوْمَةِ وَرَدَّ الْعِوَضَ وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ ذٰلِكَ رَدَّ حِصَّتَهُ وَرَجَعَ بِالْخُصُوْمَةِ وَاِنِ ادَّعٰى حَقًّا فِيْ دَارٍ لَمْ يُبَيِّنْهُ فَصُوْلِحَ عَنْهُ عَلٰى شَيْءٍ ثُمَّ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الدَّارِ لَمْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنَ الْعِوَضِ

"اور صلح مع السکوت اور مع الانکار مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا ختم کرنے کے طور پر ہوتی ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے طور پر ہوتی ہے اور جب گھر سے صلح کی جائے تو اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا اور جب گھر پر صلح کی جائے تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا اور جب صلح میں اقرار ہو پھر مصالح عنہ کے کچھ حصے کا مستحق نکل آیا تو مدعیٰ علیہ اپنے اس حصے کے مطابق عوض سے واپس لے لے اور جب صلح سکوت یا انکار سے واقع ہوئی تو متنازع فیہ چیز میں کوئی شخص حقدار نکل آیا تو مدعی مقدمہ کے ذریعے رجوع کرے گا اور عوض واپس کرے گا اور اگر اس میں سے بعض کا مستحق ہونا نکل آیا تو اس حصے کے موافق واپس کردے اور مدعی اسی میں خصومت کے لیے رجوع کرے اور اگر مدعی نے کسی گھر میں اپنے حق کا دعویٰ کیا اور اس کو بیان نہیں کیا پھر دعویٰ سے کسی چیز پر صلح کرلی گئی پھر مکان کے کچھ حصے کا کوئی حقدار نکل آیا تو مدعی عوض میں سے

کچھ واپس نہ کرے۔"

سکوت یا انکار پر صلح کا حکم:

قولہ:والصلح عن السکوت الخ: سکوت اور انکار کی بنا پر صلح کے متعلق اصول یہ ہے کہ "یہ صلح مدعی کے حق میں معاوضہ شمار ہوتی ہے جب کہ مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم سے جان چھڑانا اور جھگڑے کو ختم کرنا شمار ہوتی ہے" لہٰذا اگر صلح کی ان دونوں قسموں میں سے کسی بھی قسم میں صلح غیر منقولہ چیز سے ہوئی مثلاً دعویٰ مکان کا تھا مگر مدعیٰ علیہ خاموش رہا یا انکار کر دیا پھر کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ عوض مکان کا نہیں بلکہ قسم اٹھانے اور جھگڑے سے بچنے کے لیے دیا ہے لہٰذا شفعہ اس مکان میں ثابت نہ ہوگا کیونکہ بیع نہیں پائی گئی جب کہ حق شفعہ کے لیے بیع کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن اگر صلح غیر منقولہ چیز پر واقع ہو کہ مدعی کا دعویٰ تھا کہ میرا تجھ پر ایک لاکھ روپے ہیں تو مدعیٰ علیہ خاموش رہا یا انکار کر دیا پھر اس نے زمین کا کچھ حصہ دے کر صلح کر لی تو اس زمین پر شفعہ کا حق ثابت ہوگا کیونکہ حق شفعہ کے لیے بیع کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلشُّفْعَةُ لَا تَثْبُتُ اِلَّا بِعَقْدِ الْبَيْعِ" (شرح المجلہ) اور وہ یہاں پائی جا رہی ہے صلح کی ان دو صورتوں میں یہ حکم حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہے جب کہ شوافع کے نزدیک ان صورتوں میں صلح جائز نہیں۔

مصالح عنہا میں حق دار کا نکل آنا

قولہ:و اذا کان الصلح الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے زمین کا دعویٰ کر دیا کہ آپ کے پاس فلاں زمین میری ہے تو مدعیٰ علیہ نے اقرار کر لیا کہ واقعی آپ کی ہے پھر کچھ رقم دے کر صلح کر لی بعد میں کل زمین (مصالح عنہ) یا بعض زمین کا حق دار نکل آیا تو حکم یہ ہے کہ اگر کل زمین کا حق دار ہو تو پوری رقم مدعیٰ علیہ مدعی سے لے گا۔ اگر صلح سکوت یا انکار سے ہو پھر کل زمین یا بعض کا کوئی حق دار نکل آیا تو مدعیٰ علیہ مدعی سے ادا کردہ رقم واپس لے گا اور مدعی خود حق دار سے نمٹے گا کیونکہ اب حق دار خود مدعیٰ علیہ قرار پایا لہٰذا اب خصومت ان دو کے درمیان ہوگی۔

مجہول دعویٰ پر صلح کے بعد حق ظاہر ہونا:

قولہ:وان ادعی الخ: اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ آپ کے پاس جو مکان ہے اس میں میرا بھی حق ہے مگر حق کی مقدار بیان نہیں کی مکان کا کتنا حصہ اس کا ہے پھر مدعیٰ علیہ نے کچھ رقم دے کر صلح کر لی پھر کوئی اور کچھ حصے کا حق دار نکل آیا تو اب مدعیٰ علیہ مدعی سے رقم واپس نہیں لے سکتا اس لیے کہ ممکن ہے کہ دعویٰ مجہول ہونے کی وجہ سے مدعی کا دعویٰ اسی حصے کا ہو جو حق دار سے باقی بچ کر مالک کے پاس ہے لیکن اگر کل مکان کا حق دار نکل آیا تو مدعیٰ علیہ سے رقم واپس لے گا کہ بغیر کسی حق شرعی کے مدعی نے یہ رقم لی تھی جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "لَا يَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ يَّاْخُذَ مَالَ اَحَدٍ بِلَا سَبَبٍ شَرْعِيٍّ" (الاحکام العدلیہ) لہٰذا مدعی پر واجب ہے کہ لی ہوئی رقم واپس کرے ورنہ غصب شمار ہوگی۔

وَالصُّلْحُ جَائِزٌ فِيْ دَعْوَى الْاَمْوَالِ وَالْمَنَافِعِ وَجِنَايَةِ الْعَمْدِ وَالْخَطَأِ وَلَا يَجُوْزُ فِيْ دَعْوٰى حَدٍّ

وَاِذَا ادَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى امْرَاَةٍ نِكَاحًا وَهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلٰى مَالٍ بَذَلَتْهُ لَهٗ حَتّٰى يَتْرُكَ الدَّعْوٰى جَازَ وَكَانَ فِيْ مَعْنَى الْخُلْعِ فَاِنْ ادَّعَتْ امْرَاَةٌ نِكَاحًا عَلٰى رَجُلٍ فَصَالَحَهَا عَلٰى مَالٍ بَذَلَهٗ لَهَا لَمْ يَجُزْ وَاِذَا ادَّعٰى عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ فَصَالَحَهٗ عَلٰى مَالٍ اَعْطَاهُ اِيَّاهُ جَازَ وَكَانَ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ فِيْ مَعْنَى الْعِتْقِ عَلٰى مَالٍ

''اور صلح اموال، منافع، جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعوؤں سے جائز ہے اور حد کے دعویٰ سے جائز نہیں اور جب کسی مرد نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کر دیا اور وہ عورت انکار کر رہی ہے پھر وہ عورت کچھ مال خرچ کر کے صلح کر لے تا کہ وہ مرد دعویٰ نکاح ترک کر دے تو یہ جائز ہے اور یہ حکم خلع کے حکم میں ہوگا اور جب کسی عورت نے مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا تو مرد نے اس عورت پر کچھ مال خرچ کر کے صلح کر لی تو یہ جائز نہیں اور اگر کسی شخص نے کسی شخص پر دعویٰ کیا کہ وہ اس کا غلام ہے پھر اس نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور یہ مدعی کے حق میں مال کے عوض آزاد کرنے کے حکم میں ہے''۔

دعووں پر صلح کے جواز کی صورتیں:

قولہ:والصلح جائز الخ: امام قدوری نے دعووں پر صلح کے جواز کی چار صورتیں بیان کی ہیں۔

(۱) دعویٰ مال

اگر کوئی مدعی مال کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے بدلے مدعی علیہ نے کچھ دے کر صلح کر لی یہ صلح ''بیع'' کے درجے میں ہوگی۔

(۲) دعویٰ منفعت

اگر کسی مدعی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے مجھے ایک سال فلاں مکان میں رہنے کی وصیت کی تھی تو مدعی علیہ (ورثا) نے کچھ دے کر صلح کر لی تو یہ صلح ''عقد اجارہ'' کے درجے میں ہوگی ان کے جواز کی وجہ واضح ہے۔

(۳) دعویٰ قتل عمد

اگر کسی مدعی نے دعویٰ دائر کر دیا کہ تم نے فلاں کو قتل کیا ہے تو قاتل نے مقتول سے مال پر صلح کر لی قصاص کو چھوڑ دیا تو جائز ہے۔

(۴) دعویٰ قتل خطا

اگر کسی مدعی نے دعویٰ قتل خطا کر دیا اور قاتل نے مال دینے پر صلح کر لی تو جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ثبوت قرآن و حدیث سے واضح ہے۔

قتل عمد اور قتل خطا کی دیت میں زیادتی سے متعلق وجہ فرق:

قتل عمد کی دیت سے زیادہ مال بھی لینا جائز ہے کیونکہ قصاص مال نہیں جب کہ قتل خطا کی دیت سے زیادہ مال لینا جائز نہیں کیونکہ قتل خطا کا عوض مال ہے۔

دعویٰ حد پر صلح کا عدم جواز:

قوله:ولا يجوز ملى الخ: حد پر صلح جائز نہیں کیونکہ حد اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا حق خود ہی معاف کرسکتا ہے بندے کو اختیار نہیں کہ نہ معاف کرسکتا ہے اور نہ ہی اس پر صلح کرسکتا ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلصُّلْحُ عَنِ الْحُدُوْدِ بَاطِلٌ (موسوعة القواعد الفقهية) لہٰذا جب حدود پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں تو صلح سے معاف نہ ہوں گی نیز یہ بات معلوم ہوئی کہ غیر کے حق کا بدلہ لینا جائز نہیں باقی تفصیل حدود و قصاص کے تحت آئے گی۔

دعویٰ نکاح پر صلح کا حکم:

قوله:واذا ادعى الخ: دعویٰ نکاح کی دو صورتیں ہیں کہ مرد کی جانب سے دعویٰ ہوگا یا عورت کی جانب سے اگر مرد کی جانب سے دعویٰ نکاح ہو اور عورت نکاح کا انکار کر رہی ہو پھر عورت نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے مرد کو کچھ مال دے کر صلح کرلی تو مرد کے حق میں یہ صلح "خلع" کے معنی میں ہوگی کیونکہ حتی الممکن مومن کے معاملہ کو اچھے محمل پر محمول کرنا چاہیے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلْاَصْلُ اَنَّ اُمُوْرَ الْمُسْلِمِیْنَ مَحْمُوْلَةٌ عَلَى السَّدَادِ وَالصَّلَاحِ حَتّٰى يَظْهَرَ غَيْرُهٗ" لیکن اگر حقیقۃً نکاح نہیں تھا تو مرد کے لیے یہ مال لینا غصب کے درجے میں ہے کہ جس کو بغیر سبب شرعی کے وصول کیا ہے۔ اگر دعویٰ نکاح عورت کی جانب سے ہو اور مرد عورت سے جان چھڑانے کے لیے کسی مال پر صلح کرے تو یہ جائز نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت اگر مال اس لیے لے رہی ہے کہ وہ مرد سے علیحدگی کی بنا پر وصول کر رہی ہے حالانکہ مرد کی طرف سے علیحدگی پر کوئی مال نہیں ہوتا اگر نکاح کے نہ ہونے پر لے رہی ہے تو وہ ویسے بھی ناجائز ہے کہ لینے کا کوئی شرعی سبب نہیں پایا جا رہا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ قدوری کے بعض نسخوں میں جواز کا ذکر ہے تو یہ عبارت اس پر محمول ہوگی کہ عورت جو مال لے رہی ہے وہ بطور مہر ہے اور مہر میں زیادتی کر کے دے رہا ہے۔

دعویٰ غلام پر صلح کا حکم:

قوله:وان ادعى الخ: اگر کسی نے دعویٰ کر دیا کہ تمہارے پاس جو غلام ہے یہ میرا ہے اس پر مدعیٰ علیہ نے کچھ مال دے کر مدعی سے صلح کرلی تو یہی سمجھا جائے گا کہ مدعی نے اس سے مال لے کر اس کو آزاد کر دیا ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ عَقْدُ الصُّلْحِ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَاِنَّمَا يُحْمَلُ عَلٰى اَنَّهٗ اسْتَوْفٰى بَعْضَ حَقِّهٖ وَاَسْقَطَ بَاقِيَهٗ كَمَنْ لَهٗ عَلٰى رَجُلٍ اَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٌ فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوْفٍ جَازَ وَكَاَنَّهٗ اَبْرَاَهٗ مِنْ بَعْضِ حَقِّهٖ وَلَوْ صَالَحَهٗ عَلٰى اَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَاَنَّهٗ اَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ وَلَوْ صَالَحَهٗ عَلٰى دَنَانِيْرَ اِلٰى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ وَلَوْ كَانَ لَهٗ اَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ جِيَادٌ فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةٍ لَمْ يَجُزْ وَلَوْ كَانَ لَهٗ اَلْفٌ سُوْدٌ فَصَالَحَهٗ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ بِيْضٍ لَمْ يَجُزْ

"ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہو اور وہ عقد مداینت کی وجہ سے واجب ہو تو اسے عقد معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا اور اسے

اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے کچھ حق وصول کرلیا ہے اور باقی ساقط کردیا ہے جیسا کہ کسی شخص کے کسی پر ایک ہزار عمدہ درہم ہوں تو اس نے پانچ سو کھوٹوں کے عوض صلح کرلی تو یہ جائز ہے اور گویا اس نے اپنے بعض حق سے اسے بری کردیا اور اگر صلح کی ایک ہزار پر مدت کے ساتھ تو جائز ہے گویا اس نے اپنے حق کو موخر کردیا اور اگر اس نے صلح کی ایک ہزار دینار پر ایک مہینہ مہلت دینے کے ساتھ تو نا جائز ہے اور اگر اس کے ایک ہزار ادھار ہوں اور اس نے پانچ سو نقدی پر صلح کرلی تو جائز نہیں اور اگر کسی کے ایک ہزار سیاہ درہم ہوں اور پانچ سو سفید پر صلح کرلی تو یہ صلح جائز نہیں"۔

حل لغات: عقد المداينة: ادھار پر فروخت کرنا، إسْتَوْفٰى استیفاء سے بمعنی حق کو پورا کرنا: ابرء، ابراء سے بمعنی بری کردینا۔ موجله تاجیل سے بمعنی مدت مقرر کرنا۔

عقد مداینت کے دین کے عوض صلح:

قوله: وكل شيء الخ: عقد مداینت سے مراد یہ ہے کہ کسی کو درہم یا دینار قرض دیئے ہوں یا کوئی چیز ان کے بدلے میں ادھار فروخت کی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر درہم یا دینار قرض کے عوض صلح کرنا چاہتا ہے کہ قرض کی تعداد یا اس کی صفت یا اس کی مدت میں کمی کرتا ہے تو اولاً اس کی صلح کو معافی پر محمول کریں گے اگر سود کا شائبہ نہ ہو اگر ہو تو معاوضہ پر محمول کریں گے۔

مصنف نے معافی (ابرا) پر محمول کرنے کی دو مثالیں دی ہیں پہلی مثال یہ ہے کہ ایک ہزار عمدہ درہموں کی صلح پانچ سو کھوٹے پر ہوگی تو جائز ہے کہ قرض خواہ نے وصف عمدگی کے حق کو ساقط کردیا ہے دوسری مثال یہ ہے کہ اگر ایک ہزار درہم معجّل (حالی) کی صلح ایک ہزار درہم موجل (ادھار) پر ہو تو جائز ہے کہ قرض خواہ نے اپنے حق تعجیل کو معاف کردیا ہے لہٰذا اصول یہ ہے کہ جہاں کلام کو اچھے محمل پر محمول کرنا ممکن ہو تو اسی پر محمول کیا جائے گا تا کہ فساد سے بچ جائے۔ اگر ممکن نہ ہو تو ابرا کے بجائے معاوضہ پر محمول کیا جائے گا۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلْاَصْلُ اَنَّ اُمُوْرَ الْمُسْلِمِيْنَ مَحْمُوْلَةٌ عَلَى السَّدَادِ وَالصَّلَاحِ حَتّٰى يَظْهَرَ غَيْرُهٗ" (اصول کرخی) شبہ سود کے پائے جانے کی وجہ سے یہ عقد باطل ہوگا۔

جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "باب الربا مبنى على الاحتياط" (المبسوط) اس پر مصنف نے "ولو صالحه على دينار" سے تین مثالیں پیش کی ہیں۔ پہلی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھا تو قرض خواہ نے مقروض سے ایک مہینے کی تاخیر کے ساتھ ایک دینار پر صلح کرلی تو یہ صلح نا جائز ہے اس لیے کہ قرض تو درہم تھے نہ کہ دینار لہٰذا ابرا نہیں اب اگر دینار درہم کے عوض ہو تو ثمنیت میں ہیں اتحاد کی وجہ سے مجلس میں قبضہ ضروری ہے جب کہ صلح تو ایک مہینہ کی تاخیر پر ہے لہٰذا یہ سود ہے لیکن اگر صلح تاخیر کے بجائے فوری پر ہو تو قبضہ کرنے پر صلح جائز ہوتی ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے کسی پر ایک ہزار درہم تاخیر کے ساتھ قرض تھے اب ان کے درمیان فوری ادائیگی پر پانچ سو درہموں پر صلح ہوگی تو یہ صلح نا جائز ہے کیونکہ جلدی کے عوض پانچ سو معاف کیا لہٰذا یہ معاوضہ ہوا جب کہ قدر مع الجنس والے معاوضہ میں کمی وبیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں اور زیادتی و کمی سود کہلاتی ہے۔ تیسری مثال یہ دی کہ کسی کے کسی پر ایک ہزار سیاہ درہم تھے تو قرض خواہ نے مقروض سے پانچ سو سفید درہموں پر

صلح کرلی تو یہ صلح ناجائز ہے کیونکہ درہم و دینار (نقدین) میں اوصاف کا لحاظ نہیں صرف جنس کا لحاظ ہے۔

موجودہ کرنسی کے متعلق حکم:

چونکہ دور حاضر میں کرنسی بھی اصطلاحی ثمن بن چکی ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو درہم و دینار کا ہے ایک ملک کی کرنسی آپس میں قدر مع الجنس کے درجے میں ہے جب کہ ایک ملک کی دوسرے ملک کے ساتھ کرنسی جنسیت (ثمنیت) میں تو متحد ہے مگر قدر (مقدار) میں مختلف ہے۔

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا لِيُصَالِحَ عَنْهُ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيلَ مَا صَالَحَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ وَالْمَالُ لَازِمٌ لِلْمُوَكِّلِ وَإِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلَى شَيْءٍ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَهُوَ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ إِنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَضَمِنَهُ تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهُ الْمَالُ وَكَذٰلِكَ إِذَا قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفِي هٰذِهٖ أَوْ عَلَى عَبْدِي هٰذَا تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهُ تَسْلِيمُهَا وَكَذٰلِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفٍ وَسَلَّمَهَا وَإِنْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى أَلْفٍ وَسَكَتَ فَالْعَقْدُ مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ جَازَ وَلَزِمَهُ الْأَلْفُ، وَإِنْ لَمْ يُجِزْهُ بَطَلَ.

"اور جس شخص نے اپنی طرف سے دوسرے سے صلح کرنے کے لیے کسی شخص کو وکیل بنایا تو اس نے صلح کرلی تو وکیل پر وہ چیز لازم نہ ہوگی جس پر اس نے صلح کی ہو مگر یہ کہ وکیل اس کا ضامن بن جائے اور مال موکل پر لازم ہوگا۔ پس اگر وکیل نے موکل کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر صلح کرلی تو یہ چار طریقوں پر ہے۔ اگر مال پر صلح کرلی اور اس کا ضامن بن گیا تو یہ صلح پوری ہوگی اور اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں ان دو ہزار پر یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو یہ صلح مکمل ہوگی اور اس کو حوالے کرنا لازم ہوگا اور اسی طرح اگر اس نے کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور اس نے یہ ہزار اس کے حوالے کردیا اور اگر اس نے کہا ہزار پر صلح کرتا ہوں اور وہ اس کے حوالے نہ کیا تو عقد موقوف رہے گا کہ اگر مدعی علیہ نے اجازت دے دی تو جائز ہوجائے گی اور اگر اجازت نہ دی تو عقد باطل ہوجائے گا"۔

صلح کے لیے وکالت:

قولہ: ومن وکل وجلا الخ: بنیادی طور پر صلح کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) وہ صلح کہ جس کے ذریعے کچھ حقوق ساقط ہوں (۲) وہ صلح کہ جس کے ذریعے حقوق ساقط نہ ہوں۔ امام قدوری نے پہلی صورت میں وکیل بنانے کا حکم بیان کیا ہے کہ جب کسی نے اپنی طرف سے کسی کو صلح کرنے کا وکیل بنایا مثلاً کسی پر قرض تھا اس سے وصولی کے لیے وکیل مقرر کیا اور وکیل نے کچھ رقم کم کرنے کے ساتھ وصولی پر صلح کرادی یا یوں ہی کسی پر قتل عمد کی وجہ سے قصاص تھا اور وکیل کے ذریعے قصاص ساقط کرکے رقم لینے پر صلح کرلی تو وکیل اس معاملہ میں سفیر محض ہوگا کہ صرف موکل کی بات پہنچا رہا ہے اس پر مال کی ذمہ داری نہ ہوگی کہ جس طرح نکاح کی وکالت میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے کہ مہر، نان ونفقہ کی ذمہ داری موکل (شوہر) پر ہوتی ہے یوں ہی کچھ حقوق ساقط کرنے میں وکالت کا حکم ہوگا لیکن اگر وہ وکیل کے بجائے کفیل ہے کہ مکفول عنہ کی طرف سے عدم ادائیگی پر اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لیتا ہے تو ضمانت (کفالت) کی وجہ سے بدل صلح کفیل پر لازم ہوگا۔ صلح کی دوسری صورت کہ جس میں اسقاط نہیں بلکہ معاوضہ وبدل کی شکل ہوتی ہے کہ

اقرار کے بعد مال کے عوض مال پر صلح ہو تو وکیل ذمہ دار ہوتا ہے کہ یہ بیع کی شکل ہے اور بیع میں وکیل خود ذمہ دار ہوتا ہے اسی کی طرف احکام لوٹتے ہیں اگر چہ ضمانت نہ بھی اٹھائے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "حُقُوْقُ الْعَقْدِ تَتَعَلَّقُ بِالْعَاقِدِ وَكِيْلًا كَانَ اَوْ مُبَاشِرًا لِلتَّفْسِيهِ" (المبسوط)

فضولی کی صلح:

قولہ: فان صالح عنه الخ: امام قدوری نے "فان صالح عنه" سے فضولی کے صلح کی چار صورتیں ذکر کی ہیں کہ جن میں سے پہلی تین صورتیں صلح میں جائز ہیں جب کہ چوتھی صورت میں صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی نے صلح کرانے کے حکم کے بغیر ہی اپنی طرف سے فضولی بن کر صلح کے مال کی ذمہ داری لے لی کہ اس کی ادائیگی میں کروں گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فضولی نے صلح میں اپنے مال کی طرف نسبت کی کہ فلاں چیز ادا کروں گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مطلقاً کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور وہ ہزار حوالے بھی کر دیا ان تین صورتوں میں صلح کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ جس صورت میں فضولی ذمہ داری اپنے اوپر لے لے تو اس صورت میں صلح مکمل ہو جاتی ہے چونکہ گزشتہ تینوں صورتوں میں فضولی نے ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے اس لیے صلح کا جواز مصالح عنہ کی اجازت پر موقوف نہ ہوگا۔ چوتھی صورت کہ جس میں صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ فضولی نے مطلق ہزار پر صلح کی اور وہ ہزار حوالے بھی نہیں کیا اور نہ ہی ذمہ داری اٹھائی تو یہ صلح مصالح عنہ کی طرف سے اجازت پر موقوف ہوگی اگر اجازت دے دیتا ہے تو صحیح ورنہ باطل۔

وَاِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى ثَوْبٍ فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ تَبِعَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بِنِصْفِهٖ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ اِلَّا اَنْ يَّضْمَنَ لَهٗ شَرِيْكُهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ وَلَوِ اسْتَوْفٰى نِصْفَ نَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّشَارِكَهٗ فِيْمَا قَبَضَ ثُمَّ يَرْجِعَانِ عَلَى الْغَرِيْمِ بِالْبَاقِىْ وَاِنِ اشْتَرٰى اَحَدُهُمَا لِنَفْسِهٖ بِنَصِيْبِهٖ مِنَ الدَّيْنِ سِلْعَةً كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّضَمِّنَهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ كَانَ لِشَرِيْكِهٖ اَنْ يُّضَمِّنَهٗ رُبُعَ الدَّيْنِ وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى رَاْسِ الْمَالِ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَجُوْزُ الصُّلْحُ

"اور جب دین دو شریک شخصوں کا ہو تو ان میں سے ایک اپنے حصے کی طرف سے کسی کپڑے پر صلح کر لے تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کا پیچھا کرے کہ جس پر دین ہے اپنے نصف دین کے لیے اور اگر چاہے تو ادھار کپڑا لے لے مگر یہ کہ اس کا شریک اس کے لیے چوتھائی قرض کا ضامن ہو جائے اور اگر ان میں سے کسی نے اپنا نصف دین وصول کر لیا تو اس کا شریک سے اس کے نصف میں شریک ہو سکتا ہے کہ جس پر اس کے ساتھی نے قبضہ کیا پھر دونوں مقروض پر باقی کی وصولی کے لیے رجوع کریں اور اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنے حصے کے دین سے سامان خرید لیا تو شریک کو دین کے چوتھائی حصے کا ضامن بنانے کا اختیار ہے اور جب دو شریکوں کے مابین عقد سلم ہو تو ان میں سے ایک اپنے حصے سے راس المال پر صلح کر لے تو طرفین کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ صلح جائز ہے"۔

شرکاء میں سے ایک کا صلح کرنا:

قولہ:واذا کان الدین الخ: امام قدوری یہاں سے دین میں شریک اشخاص کی صلح کا حکم بیان کررہے ہیں۔

دین مشترک سے مراد:

وہ دین ہے کہ جس کے واجب ہونے کا سبب ایک ہو مثلاً بیع کا ثمن ہو یا مال مشترک کی قیمت جو ہلاک ہو چکا ہو۔تو ایسے دین مشترک میں تصرف کرنے کی تین صورتیں ہیں۔(۱)مثلاً زید اور عمرو کا خالد پر مشترکہ ایک ہزار قرض ہے پھر زید نے اپنے حصے ۵۰۰ سو کے عوض کپڑے پر صلح کرلی اب دوسرے شریک عمرو کو دو اختیار ہیں ایک یہ کہ خالد سے اپنا قرض وصول کرلے یا اپنے شریک کے کپڑے میں شریک ہوجائے پھر دونوں مل کر خالد سے رقم کی وصولی کا تقاضا کریں لیکن اگر کپڑا وصول کرنے والا اپنے شریک کے لیے چوتھائی حصے کا ضامن بن جائے تو اس صورت میں کپڑے میں شرکت نہ ہوگی۔(۲)مثلاً زید نے خالد سے اپنا ادھار قرض بطور رقم وصول کرلیا ہے تو دوسرا شریک وصول کردہ رقم کے نصف میں شریک ہوگا کیونکہ عین قرض میں دونوں شریک تھے لہٰذا وصول کردہ رقم دونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگی پھر باقی رقم کی وصولی کے لیے دونوں مل کر خالد سے تقاضا کریں گے۔(۳)مثلاً زید نے خالد سے اپنے حصے کے قرض کے عوض کوئی چیز خریدلی تو خریدنے والا اپنے شریک کے لیے کل قرض کے چوتھائی کا ضامن ہوگا اور باقی قرض میں دونوں شریک ہوں گے کیونکہ پہلے تو یہ امکان تھا کہ معافی پر صلح ہوجائے مگر جب قرض کے عوض سامان خریدلیا تو وصولی یقینی ہوگئی اور یہ اصول ہے کہ "جب عین قرض وصول کیا ہو تو اس میں سے نصف شریک کا ہوتا ہے" لہٰذا یا تو سامان میں شریک کرلے یا چوتھائی قرض کا ضامن بن جائے۔

بیع سلم میں راس المال پر صلح:

قولہ:واذا کان الصلح الخ: دو شخصوں نے مل کر بیع سلم کی کہ دونوں نے ہزار،ہزار روپے دیئے پھر ایک نے اپنے حصے (ہزار) کے واپس لینے پر مسلم الیہ (بائع) سے صلح کرلی تو اگر یہ صلح دوسرے شریک کی اجازت سے ہو تو بالاتفاق جائز ہے لیکن دوسرے کی اجازت کے بغیر تو طرفین کے نزدیک ناجائز ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اس لیے جائز ہے کہ اس نے اپنے ذاتی حصے میں تصرف کیا ہے کہ اصول یہ ہے کہ "بندہ اپنی چیز میں دوسرے کی مرضی کے بغیر تصرف کرسکتا ہے"۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ دونوں عقد سلم میں شریک تھے اور کسی ایک کا اپنے حصے میں تصرف کرنا دوسرے کے حق میں فسخ ہے جب کہ یہ معاملہ شرکت کا ہے اور شرکت میں دوسرے کی اجازت ضروری ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "لَا يَجُوْزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَصَرَّفَ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ بِلَا إِذْنِهِ" (موسوعة القواعد الفقهيه) لہٰذا اکیلے کو فسخ کا اختیار

نہیں کہ دوسرے کو نقصان ہے۔ بیع سلم میں راس المال پر شریک کے معاملہ کو صلح کہنا مجازاً ہے نہ کہ حقیقۃ (الترجیح والتصحیح دیگر معون علی قول الطرفین، تقدیم قول الطرفین فی الملتقی الابحر)

وَإِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَأَخْرَجُوا أَحَدَهُمْ عَنْهَا بِمَالٍ أَعْطَوْهُ إِيَّاهُ فَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ عَقَارًا أَوْ عُرُوضًا جَازَ قَلِيلًا كَانَ مَا أَعْطَوْهُ أَوْ كَثِيرًا فَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ فِضَّةً فَأَعْطَوْهُ ذَهَبًا أَوْ ذَهَبًا فَأَعْطَوْهُ فِضَّةً فَهُوَ جَائِزٌ وَإِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَبًا وَفِضَّةً وَغَيْرَ ذٰلِكَ فَصَالَحُوهُ عَلَى فِضَّةٍ أَوْ ذَهَبٍ فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مَا أَعْطَوْهُ أَكْثَرَ مِنْ نَصِيبِهِ مِنْ ذٰلِكَ الْجِنْسِ حَتّٰى يَكُونَ نَصِيبُهُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِحَقِّهِ مِنْ بَقِيَّةِ الْمِيرَاثِ فَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ أَكْثَرَ مِنْ نَصِيبِهِ وَإِنْ كَانَ فِي التَّرِكَةِ دَيْنٌ عَلَى النَّاسِ فَأَدْخَلُوهُ فِي الصُّلْحِ عَلَى أَنْ يُخْرِجُوا الْمُصَالِحَ عَنْهُ وَيَكُونَ الدَّيْنُ لَهُمْ فَالصُّلْحُ بَاطِلٌ وَإِنْ شَرَطُوا أَنْ يَبْرَأَ الْغُرَمَاءُ مِنْهُ وَلَا يَرْجِعُ عَلَيْهِمْ بِنَصِيبِ الْمُصَالِحِ فَالصُّلْحُ جَائِزٌ

''اور جب ترکہ کچھ ورثاء کے مابین ہو اور وہ ان میں سے کسی ایک کو کچھ مال دے کر الگ کر دیں اور وہ ترکہ زمین یا سامان ہو تو جائز ہے عطا کردہ مال چاہے تھوڑا ہو یا زیادہ اور اگر ترکہ چاندی ہو تو وہ اسے سونا دیں یا ترکہ سونا ہو وہ اسے چاندی دیں تو یہ بھی جائز ہے اور اگر ترکہ سونا، چاندی اور اس کے علاوہ ہو اور وہ صلح صرف سونے یا چاندی پر کریں تو ضروری ہے کہ جو کچھ اس کو دیا ہے وہ اس کے حصے سے زائد ہو جو اس جنس سے ہوتا کہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد حصہ اس حق کے مقابل ہو جائے جو باقی ماندہ میراث ہے اور اگر ترکہ لوگوں پر قرض ہو اور سب حصہ دار کسی کو صلح میں اس شرط پر داخل کرلیں کہ صلح کرنے والے کو خارج کر دیں گے اور سارا قرض انہی کا ہو جائے گا تو صلح باطل ہے پس اگر قرض داروں نے یہ شرط کرلی وہ شخص تمام قرض داروں کو اپنے حصے سے بری کر دے اور اپنا حصہ ان وارثوں سے نہ لے تو صلح جائز ہے''۔

تخارج کا حکم:

قولہ: واذا کان الدین الخ: تخارج سے مراد یہ ہے ورثاء آپس میں مل کر کسی ایک وارث کو کچھ مال دے کر ترکہ سے خارج کرنے پر صلح کرلیں تو اسے تخارج کہا جاتا ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص فوت ہوا اس نے پیچھے اولاد چھوڑی پھر ان میں سے ایک کو باہمی صلح سے کچھ مال دے کر ترکہ سے فارغ کرنا چاہتے ہیں تو فارغ کرنے کی چار صورتیں مع حکم امام قدوری نے بیان کی ہیں۔

(۱) میت نے ترکہ میں زمین یا سامان چھوڑا تو ورثاء نے ایک وارث کو کچھ سامان دے کر ترکہ سے خارج کر دیا تو یہ صلح جائز ہے اس صلح کو تخارج کہا جاتا ہے۔ بدل صلح خواہ کم ہو یا زیادہ کیونکہ وراثت اور صلح کا بدل ایک جنس سے نہیں اس لیے سود کا شائبہ نہیں۔

(۲) اگر ترکہ میں سونا یا چاندی ہو اور بدل صلح جنس مخالف سے ہو کہ ترکہ میں سونا ہے جب کہ بدل صلح میں چاندی دی یا اس کے برعکس ہو تو کمی وبیشی جائز ہے لیکن قبضہ فی المجلس ضروری ہے۔

(۳) یوں ہی سونا و چاندی کے عوض سونا و چاندی دی تو بھی کمی بیشی جائز ہے کہ سود سے بچنے کے لیے مخالف جنس کے عوض صلح تسلیم کی جائے گی۔

(۴) ترکہ سونا و چاندی اور مال واسباب ہو اور بدل صلح میں سونا و چاندی مقرر کی جائے تو اس صورت میں صلح کے جواز کے لیے شرط یہ ہے کہ صلح میں ملنے والا سونا و چاندی وراثت میں ملنے والے سونے چاندی سے اتنا زیادہ ہو کہ سونا و چاندی کے عوض بھی ہو اور دیگر مال واسباب کے عوض بھی ہو مثلاً وراثت میں ۱۰ درہم چاندی اور ۵ دینار سونا آتا ہے تو بدل صلح میں ضروری ہے کہ ۱۰ درہم اور ۵ دینار سے زائد مقدار ہو تا کہ دیگر سامان وراثت کے عوض بھی ہو کیونکہ جب ہم جنس کی بیع ہو تو برابری ضروری ہوتی ہے تا کہ کمی وبیشی کی صورت میں سود لازم نہ آئے۔

قرضوں سے تخارج کا حکم:

قولہ:واذا کان فی الترکۃ الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میت نے ترکہ میں دیگر افراد پر اپنا قرض چھوڑا ہے اب ورثاء میں ایک وارث کو قرض سے خارج کرنے پر یوں صلح کریں کہ آپ ہم سے کچھ مال لے لیں اور جو آپ کا حصہ قرضوں میں بنتا ہے اسے چھوڑ دیں ہم خود وصول کرلیں گے تو یہ صلح (تخارج) باطل ہے۔ اس صلح کے باطل ہونے کی وجہ ایک فقہی قاعدہ ہے:

"تَمْلِيكُ الدَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ لَا يَجُوزُ"۔ (الاشباہ والنظائر)

کہ قرض کا مالک اسے بنا سکتے ہیں کہ جس پر قرض ہو اس کے علاوہ کو مالک بنانا درست نہیں لہٰذا صلح کرنے والے کا دین کی وصولی کا ورثاء کو مالک بنانا اصولی طور پر جائز نہیں کہ عین شئے کا مالک بنایا جاتا ہے۔ دین کا نہیں دین تو صرف ایک وعدہ ہے۔ صلح کے جواز کی صورت یہ ہے کہ اگر ورثاء مصالح عنہ (وارث) کو کہیں کہ تم اپنے مقروض لوگوں کو اپنا حصہ معاف کردو اور دیگر ترکہ پر ہم سے صلح کرلو تو یہ صورت اس لیے جائز ہے کہ اس میں قرض کو ساقط کرنا ہے یا مقروض کو قرض کا مالک بنانا ہے جو فقہی قاعدہ کے عین مطابق ہے۔

كتاب الهبة

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الصلح کو بیان کیا اب کتاب الهبة کا آغاز کر رہے ہیں۔

ہبۃ کا لغوی معنیٰ:

ہبہ وهب یهب (ف) کا مصدر ہے جس میں ''یعد، یهب'' والے قانون کے تحت واؤ کو حذف کیا گیا اس کے بدلے آخر میں تا لائی گئی۔ لغوی لحاظ سے ہبہ کا معنیٰ تبرع ہے جو قابل نفع ہو۔

اصطلاحی معنیٰ:

عموماً ہبہ کی یہ تعریف ''تمليك العين بلا عوض'' مذکور ہے کہ کسی چیز کا بغیر کسی کے عوض کے مالک بنانا مگر یہ تعریف وصیت پر بھی صادق آتی ہے پھر ان کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے بعض شارحین نے یوں تعریف کی ہے ''تَمْلِيْكُ الْعَيْنِ بِلَاعِوَضٍ فِي الْحَالِ'' جب کہ وصیت میں تَمْلِيْكُ الْعَيْنِ بِلَاعِوَضٍ بَعْدَ الْمَوْتِ۔

ہبہ کی مشروعیت:

ہبہ کا جواز قرآن مجید، احادیث رسول اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ ہبہ دینے اور لینے کے بے شمار فوائد ہیں۔

ہبہ، اعارہ، ہدیہ میں فرق:

ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہبہ میں کسی چیز کا عوض کے بغیر مالک بنانا جب کہ اعارہ میں شے کی منفعت کا بغیر کسی عوض کے مالک بنانا ہے اور ہدیہ، تحفہ، عطیہ یہ ہبہ کے معنیٰ میں ہیں۔ باقی ہبہ اور صدقہ کے درمیان فرق متن میں آرہا ہے۔

ہبہ کے متعلق اصلاحات:

ہبہ کرنے والے کو ''واهب'' جس کو ہبہ کیا جائے اسے ''موهوب له'' اور جو چیز ہبہ کی جائے اسے ''موهوب'' کہا جاتا ہے۔

ارکان وشرائط:

کچھ تو متن میں موجود ہیں باقی حسب ضرورت موقع کی مناسبت سے بیان کی جائیں گی۔

الْهِبَةُ تَصِحُّ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ وَتَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَإِنْ قَبَضَهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ فِي الْمَجْلِسِ بِغَيْرِ أَمْرِ الْوَاهِبِ جَازَ وَإِنْ قَبَضَ بَعْدَ الِافْتِرَاقِ لَمْ يَصِحَّ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ الْوَاهِبُ فِي الْقَبْضِ وَتَنْعَقِدُ الْهِبَةُ بِقَوْلِهِ وَهَبْتُك وَنَحَلْتُك وَأَعْطَيْتُك وَأَطْعَمْتُك هٰذَا الطَّعَامَ وَجَعَلْتُ هٰذَا الشَّيْءَ لَك وَأَعْمَرْتُك هٰذَا الشَّيْءَ وَحَمَلْتُك عَلَى هٰذِهِ الدَّابَّةِ إِذَا نَوَى بِالْحُمْلَانِ الْهِبَةَ

"ہبہ ایجاب وقبول سے درست ہوتا ہے اور قبضہ سے مکمل ہوتا ہے پس اگر موہوب لہ نے مجلس میں واہب کی اجازت کے بغیر قبضہ کرلیا تو جائز ہے اور اگر جدا ہونے کے بعد قبضہ کیا تو ہبہ درست نہ ہوگا مگر یہ کہ واہب نے اسے قبضہ کی اجازت دی ہو اور ہبہ واہب کے کہنے کے ساتھ منعقد ہو جائے گا کہ میں نے ہبہ کیا، میں نے دے دیا، میں نے بخش دیا، میں نے تجھے یہ کھانا کھلا دیا، یہ کپڑا میں نے تیرے لیے ہبہ کر دیا۔ میں نے یہ چیز تجھے عمر بھر کے لیے دے دی اور میں نے تجھے اس جانور پر سوار کر دیا جب کہ سوار کرنے سے ہبہ کی نیت ہو"۔

حل لغات: تَتِمُّ، تَمَّ مصدر سے ہے بمعنی پورا ہونا، اَلْاِفْتِرَاق بمعنی جدا ہونا، نَحلتُ نَحْلٌ سے ہے بمعنی دینا، اَطْعمت اطعام سے ہے بمعنی کھانا کھلانا، اَعْمَرْتُ اِعْمَارٌ سے ہے بمعنی زندگی بھر کے لیے دے دینا۔ اَلْحُمْلَانِ بمعنی سوار کرنا۔

ہبہ کے ارکان اور اس کی شرائط:

قولہ: الھبۃ تصح الخ: ہبہ دیگر عقود کی طرح ایک عقد ہے لہٰذا جس طرح دیگر عقود میں ایجاب وقبول رکن ہیں اسی طرح ہبہ میں بھی ایجاب وقبول رکن ہیں۔ یہ مذہب اکثر مشائخ حنفیہ کا ہے جب کہ بعض مشائخ حنفیہ کے نزدیک ایجاب تو رکن ہے مگر قبول رکن نہیں۔ صاحب قدوری نے اکثر مشائخ کا قول لیا ہے کہ ایجاب وقبول سے ہبہ درست ہوتا ہے لہٰذا جب ایجاب وقبول پایا جائے تو ہبہ درست تو ہو جاتا ہے مگر تام نہیں ہوتا کہ جب تک ہبہ کردہ چیز پر قبضہ نہ کیا جائے موہوب لہ پر قبضہ آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک ہبہ کے مکمل ہونے کے لیے شرط ہے جب کہ امام زفر کے نزدیک رکن ہے۔ لہٰذا اگر موہوب لہ نے مجلس عقد میں موہوب بہ پر قبضہ کرلیا تو ہبہ مکمل ہو گیا اور موہوب لہ کے لیے اس چیز پر ملکیت ثابت ہو گئی اور قبضہ کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ واہب کی اجازت بھی ہو چاہے صراحتاً ہو یا دلالۃً کہ اس کے سامنے قبضہ کیا وہ خاموش رہا لیکن اگر عقد مجلس میں قبضہ نہ کیا واہب کے جانے کے بعد قبضہ کیا تو اس صورت میں اجازت ضروری ہے کہ اگر اجازت دے دے تو ہبہ صحیح ہے ورنہ باطل۔ جب کہ امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے بھی ایجاب کے ساتھ ہی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے انہوں نے بیع پر قیاس کیا ہے۔

ہبہ کے الفاظ:

قولہ: و منعقد الخ: ہبہ کن الفاظ کے ذریعے منعقد ہو سکتا ہے؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ہر وہ لفظ جو کسی چیز کے بلا عوض مالک بنانے میں صریح ہو اس سے ہبہ منعقد ہو جاتا ہے" جیسا کہ مصنف نے سات مثالیں ذکر کی ہیں ساتویں مثال چونکہ ہبہ میں واضح نہ تھی اس لیے ہبہ کی جہت کو ترجیح دینے کے لیے نیت کا ہونا لازمی قرار دیا ہے جب کہ پہلی چھ مثالیں اپنے مفہوم میں واضح تھیں اور جن الفاظ میں کسی کو مالک بنانے کا عارضی معنی ہو تو ان الفاظ کے استعمال سے ہبہ منعقد نہ ہوگا بلکہ عقد عاریت متصور ہوگا۔ ہبہ کن الفاظ سے منعقد ہو سکتا ہے اور کن سے نہیں اس میں قول فیصل اس علاقے کا عرف ورواج بھی ہے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "اَلْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ"

وَلَا تَجُوْزُ الْهِبَةُ فِيْمَا يُقْسَمُ اِلَّا مَحُوْزَةً مَقْسُوْمَةً وَهِبَةُ الْمُشَاعِ فِيْ مَا لَا يُقْسَمُ جَائِزَةٌ وَمَنْ وُهِبَ شِقْصًا مُشَاعًا فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ قَسَّمَهُ وَسَلَّمَهُ جَازَ وَلَوْ وَهَبَ دَقِيْقًا فِيْ حِنْطَةٍ اَوْ دُهْنًا فِيْ سِمْسِمٍ فَالْهِبَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ طَحَنَ وَسَلَّمَ لَمْ يَجُزْ وَاِنْ كَانَتِ الْعَيْنُ الْمَوْهُوْبَةُ فِيْ يَدِ

الْمَوْهُوبِ لَهُ مَلَكَهَا بِالْهِبَةِ، وَإِنْ لَمْ يُجَدِّدْ فِيهَا قَبْضًا وَإِذَا وَهَبَ الْأَبُ لِابْنِهِ الصَّغِيرِ هِبَةً مَلَكَهَا الِابْنُ بِالْعَقْدِ فَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَجْنَبِيٌّ هِبَةً تَمَّتْ بِقَبْضِ الْأَبِ وَإِذَا وُهِبَ لِلْيَتِيمِ هِبَةٌ فَقَبَضَهَا لَهُ وَلِيُّهُ جَازَ وَإِنْ كَانَ فِي حِجْرِ أُمِّهِ فَقَبْضُهَا لَهُ جَائِزٌ وَكَذَلِكَ إِذَا كَانَ فِي حِجْرِ أَجْنَبِيٍّ يُرَبِّيهِ وَإِنْ قَبَضَ الصَّبِيُّ الْهِبَةَ لِنَفْسِهِ جَازَ، وَإِنْ وَهَبَ اثْنَانِ لِوَاحِدٍ دَارًا جَازَ وَإِنْ وَهَبَهَا وَاحِدٌ مِنَ اثْنَيْنِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ,وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَصِحُّ

''اور ہبہ ان چیزوں میں جائز نہیں ہوتا جو تقسیم ہوتی ہوں مگر وہ حقوق سے فارغ تقسیم شدہ ہوں اور مشترک چیز کا ہبہ اس چیز میں جو قابل تقسیم نہیں تو جائز ہے اور جس شخص نے مشترک چیز کے کچھ حصے کا ہبہ کیا تو ہبہ فاسد ہے تو اگر وہ اسے تقسیم کر دے اور اسے حوالے کر دے تو جائز ہے اور اگر گندم کا آٹا یا تلوں کا تیل ہبہ کیا تو ہبہ فاسد ہے پس اگر اس نے پیس لیا اور حوالے کر دیا جائز نہیں اور اگر موہوب چیز موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو وہ ہبہ کے ساتھ مالک بن جائے گا اگرچہ اس پر نیا قبضہ نہ بھی کرے اور جب اپنے چھوٹے بچے کو باپ نے کوئی چیز ہبہ کر دی تو بیٹا عقد کے ساتھ ہی اس کا مالک بن جائے گا اور اگر اس کو کسی اجنبی نے کوئی چیز ہبہ کی تو ہبہ باپ کے قبضہ سے تام ہوگا اور یتیم کے لیے کوئی چیز ہبہ کی گئی تو اس کے ولی نے اس کے لیے قبضہ کر لیا تو جائز ہے اور بچہ ماں کی پرورش میں ہو تو بچے کے لیے ماں نے قبضہ کیا تو جائز ہے اور اسی طرح اگر کوئی بچہ کسی اجنبی کی پرورش میں ہو جو اس کی دیکھ بھال کرتا ہو تو اس کے لیے اس کا قبضہ کرنا جائز ہوگا اور اگر بچے نے خود موہوب پر قبضہ کر لیا اور وہ سمجھ دار ہو تو جائز ہے اور جب دو شخص ایک کو مکان ہبہ کر دیں تو جائز ہے اور اگر ایک شخص دو کو ہبہ کرے تو امام اعظم کے نزدیک درست نہیں اور صاحبین نے فرمایا درست ہے''۔

حل لغات: مُجَوَّزٌ تجویز سے ہے بمعنی وہ چیز جو غیر کی ملک ہو اس کے حقوق سے فارغ ہو۔ اَلْمَشَاعُ مشترک چیز، شِقْصًا ایک حصہ، دَقِیق آٹا، دُھن تیل، سِمْسِم تل، طَحَنَ، طَحْنٌ سے بمعنی پیسنا، حِجْرٌ گود، یربی تربیت سے بمعنی پرورش کرنا۔

مشترک چیز کا ہبہ:

قولہ: ولا تجوز الھبۃ: موہوب لہ چیز پر ملکیت تب حاصل ہوتی ہے کہ جب اس پر قبضہ مکمل ہو اور مشترک چیز دو حال سے خالی نہیں کہ وہ قابل تقسیم ہے یا نہیں اگر قابل تقسیم ہے تو اس پر قبضہ مکمل ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ہبہ کے وقت وہ چیز واہب کی ملک سے مشغول نہ ہو اسی طرح دوسروں کے حقوق سے بھی فارغ ہو لہٰذا درخت پر لگے پھلوں، بھیڑوں کی پشت پر اون اور کھڑی کھیتی کا ہبہ درست نہیں کہ وہ بدستور واہب ہی کے ملک میں رہے گی اگر چہ موہوب لہ قبضہ بھی کرے لیکن اگر بعد میں الگ کر کے موہوب لہ کے حوالے کر دیا تو درست ہے ورنہ نہیں اگر مشترک چیز قابل تقسیم نہ ہو۔ نا قابل تقسیم سے مراد یہ ہے کہ تقسیم کے بعد مطلوبہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے ہوں یا قابل تقسیم ہی نہ ہو تو ایسی چیز کا ہبہ درست ہے۔ اگر تقسیم کی شرط لگائیں تو چیز قابل فائدہ نہ رہے گی۔

معدوم چیز کا ہبہ:

قولہ: ولو وھب دقیقا الخ: اگر کسی نے معدوم چیز کا ہبہ کیا کہ ہبہ کے وقت شے کا وجود ہی نہیں مثلاً یوں کہا کہ اس گندم

میں جو آتا ہے وہ ہبہ کرتا ہوں یا ان تلوں میں جو تیل ہے وہ ہبہ کرتا ہوں تو یہ ہبہ درست نہیں اگر چہ پیسنے اور تیل نکالنے کے بعد قبضہ بھی موہوب لہ کو حاصل ہو جائے کیونکہ ہبہ کے وقت یہ دونوں چیزیں معدوم تھیں اور اصول یہ ہے کہ "معدوم چیز کا ہبہ درست نہیں ہوتا۔" البتہ ان کو نکالنے کے بعد از سر نو ہبہ کرے تو یہ ہبہ درست ہوگا کہ موجود چیز کا ہبہ ہے۔ لہٰذا حاصل کلام یہ ہوا کہ ہبہ میں موجودگی بالفعل ضروری ہے بالقوہ کا اعتبار نہیں۔

موہوب پر قبضہ کی صورتیں:

قولہ: واذا کانت العین الخ: امام قدوری نے موہوب پر قبضہ کی پانچ صورتیں ذکر کی ہیں: ۱۔ موہوب چیز پہلے سے اسی کے قبضہ میں ہے تو دوبارہ قبضہ کرنے کی ضرورت نہیں ۲۔ اگر نابالغ بچے کو والد نے کوئی چیز ہبہ کی تو عقد ہبہ کے ساتھ ہی بچہ مالک بن جائے گا اگر چہ بچے کا اس پر قبضہ نہ بھی پایا گیا ہو کیونکہ بچے کا ولی والد ہے اور بچے کی جانب سے ولی ہی قبضہ کرے گا اور اس چیز پر پہلے سے ولی کو قبضہ حاصل ہے۔ اگر کسی اجنبی نے بچے کو ہبہ کیا اگر بچہ سمجھ دار ہے تو اس کا قبضہ کافی ہے ورنہ والد یا اس کا جو ولی ہو اس کا قبضہ کفایت کرے گا۔ ۳۔ یتیم کے لیے موہوب چیز پر قبضہ اس کے ولی کا معتبر ہے۔ ۴۔ کوئی بچہ ماں کی کفالت میں ہے تو موہوب چیز پر قبضہ ماں کا کافی ہوگا۔ ۵۔ اگر بچہ کسی اجنبی کی کفالت میں ہے تو اس اجنبی کا قبضہ کافی ہے۔

دو کا ایک کو اور ایک کا دو کو ہبہ کرنے کا حکم:

قولہ: واذا وھب اثنان الخ: اگر دو شخصوں نے ایک مکان کسی ایک کو ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ درست ہے کیونکہ اس ہبہ میں شرکت وشیوع نہیں پائی گئی جو ہبہ کے جواز کے مانع ہے۔ اگر اس کے برعکس ہو کہ ایک شخص نے اپنا مکان دو شخصوں کو ہبہ کیا تو اس کے جواز میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک یہ ہبہ درست نہیں اور یہی مذہب امام زفر کا بھی ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ ہبہ درست ہے اور یہی مذہب آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح ایک چیز رہن رکھنا دو شخصوں کے پاس درست ہے اسی طرح دو شخصوں کو ایک چیز ہبہ کرنا بھی درست ہے کہ ہبہ کرتے وقت ایک ہی چیز ہے اور ایک ہی عقد ہے کہ اشتراک وشیوع ہبہ کے وقت نہیں بلکہ وہ ہبہ کے بعد ہے جو ہبہ کے مانع نہیں۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ واہب نے ہر ایک کو نصف نصف گھر ہبہ کیا ہے اور ہر نصف غیر معین، غیر مقسوم ہے۔ جس میں اشتراک وشیوع پایا گیا اور یہ اصول گزر گیا کہ قابل تقسیم چیز میں مشاعًا ہبہ درست نہیں۔

(الترجیح والتصحیح، تقدیم قول الامام فی الفتاویٰ قاضی خان، ایضا ملتقی الابحر، دیگر معون علی قول الامام)

وَاِذَا وَهَبَ هِبَةً لِاَجْنَبِيٍّ فَلَهُ الرُّجُوْعُ فِيْهَا اِلَّا اَنَّهُ يُكْرَهُ اِلَّا اَنْ يُعَوِّضَهُ عَنْهَا اَوْ يَزِيْدَ زِيَادَةً مُتَّصِلَةً اَوْ يَمُوْتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ اَوْ تَخْرُجَ الْهِبَةُ مِنْ مِلْكِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ وَاِنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَلَا رُجُوْعَ فِيْهَا وَكَذٰلِكَ مَا وَهَبَهُ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ لِلْاٰخَرِ وَاِذَا قَالَ الْمَوْهُوْبُ لَهُ

لِلْوَاهِبِ خُذْ هٰذَا عِوَضًا عَنْ هِبَتِكَ اَوْ بَدَلًا مِنْهَا اَوْ فِيْ مُقَابَلَتِهَا فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوْعُ وَاِنْ عَوَّضَهُ اَجْنَبِيٌّ عَنِ الْمَوْهُوْبِ لَهُ مُتَبَرِّعًا فَقَبَضَ الْعِوَضَ سَقَطَ الرُّجُوْعُ

''اور جب کوئی چیز اجنبی کے لیے ہبہ کی تو اس کو واپس لینا جائز ہے مگر یہ کہ موہوب لہ اس کا اسے عوض دے دے یا اس میں کوئی ایسی زیادتی کردے جو متصل ہو یا متعاقدین میں سے کوئی فوت ہو جائے یا موہوب چیز موہوب لہ کی ملکیت سے نکل جائے اور اگر کسی نے اپنے ذی رحم کو چیز ہبہ کی تو اس میں رجوع نہیں کرسکتا اور اسی طرح وہ چیز جو زوجین میں سے ایک دوسرے کو ہبہ کردے اور جب موہوب لہ نے واہب سے کہا تو اپنے ہبہ کا یہ عوض لے لے یا اس کا بدلہ یا اس کے مقابلے میں تو واہب نے اس پر قبضہ کرلیا تو حق رجوع ختم ہو گیا اور اگر کسی اجنبی نے اسے موہوب لہ کی طرف سے تبرعاً عوض دے دیا تو واہب نے عوض پر قبضہ کرلیا تو حق رجوع ختم ہو گیا ہے۔

ہبہ میں رجوع کا حکم:

قوله: واذا وهب لا جنبى الخ: جو چیز ہبہ کی گئی ہو اس کو واپس لینے کا اختیار شریعت نے دیا ہے اگرچہ واہب ہبہ کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ میں نے اپنا رجوع کا حق اس چیز سے ختم کر دیا ہے کہ مجھے رجوع اختیار نہیں لیکن پھر بھی رجوع کا حق باقی رہے گا کہ رجوع شرع کا حق ہے۔ جہاں موانع رجوع نہ ہو تو رجوع درست ہے مگر چیز دے کر واپس لینے کو حضور ﷺ نے کتے کا قے کر کے چاٹ لینے کے ساتھ مثال ارشاد فرمائی ہے۔ امام قدوری نے فرمایا کہ ہبہ کردہ چیز کو واپس لینا جائز ہے مگر سات صورتوں میں واپس لینا جائز نہیں ان سات کو ''موانع رجوع'' کہا جاتا ہے جن کا مخفف فقہاء کرام نے ''دمع خزقة'' سے بیان کیا۔

موانع رجوع:

۱۔ موہوب لہ واہب کو ہبہ کا عوض دے دے مخفف میں ''ع'' سے عوض اس کی طرف اشارہ ہے۔ ۲۔ موہوب لہ موہوب میں ایسی زیادتی کردے جو موہوب میں قیمت کی زیادتی کا باعث ہو مثلاً مکان بنا دیا یا درخت لگا دیئے وغیرہ ''د'' سے زیادتی کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن ایسا اضافہ ہو جو متصل نہ ہو مثلاً جانور نے بچہ جنم دیا تو رجوع جائز ہے یا کمی کر دی تب بھی رجوع جائز ہے۔ ۳۔ متعاقدین میں کسی ایک کی موت واقع ہو جائے ''م'' سے موت کی طرف اشارہ ہے۔ ۴۔ یہ شے موہوب موہوب لہ کی خود ملکیت سے نکل جائے کہ کسی کو ہبہ کر دی یا فروخت کر دی۔ ''خ'' سے خود ملکیت کی طرف اشارہ ہے۔ ۵۔ موہوب لہ واہب کا قرابت ذی رحم محرم ہو یعنی نسب کے اعتبار سے ان میں باہم رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو۔ ''ق'' سے قرابت کی طرف اشارہ ہے۔ ۶۔ موہوب لہ کا واہب سے زوجیت کا تعلق ہو۔ ''ز'' سے زوجیت کی طرف اشارہ ہے۔ ۷۔ موہوب شیء ہلاک ہو جائے۔ ''ح'' سے ہلاک کی طرف اشارہ ہے۔

اہم نوٹ:

فقیروں کو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں لہٰذا مجموعی لحاظ سے موانع رجوع آٹھ ہوئے۔

(فتاویٰ رضویہ ۱۹/ ۱۹۸)

ہبہ بالعوض کا حکم:

قولہ:واذا قال الموھوب لہ ام الخ:اگر موہوب لہ نے واہب کو باضابطہ طور پر کہا کہ یہ ہبہ کا بدلہ ہے اس کو لے لو یا جو بھی کلام بدلہ پر دلالت کرتا ہو اور واہب نے اس چیز پر قبضہ کرلیا ہو تو واہب کو حق رجوع نہیں رہے گا کہ وہ ہبہ کا بدلہ لے کر اپنا حق رجوع ساقط کر چکا ہے۔اسی طرح اگر موہوب لہ کی طرف سے کسی اجنبی نے واہب کو کوئی چیز عوض بطور احسان دے دی اور واہب نے اس پر قبضہ کرلیا تب بھی واہب کو حق رجوع نہیں رہے گا۔

تبرع اور ہبہ میں فرق:

دونوں میں وجہ اشتراک یہ ہے کہ دونوں تملیك العین بلا عوض میں تو شریک ہیں مگر وجہ فرق یہ ہے کہ تبرع میں رجوع جائز نہیں جب کہ ہبہ میں آٹھ موانع کے علاوہ رجوع کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

وَاِذَا اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَاِنْ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْعِوَضِ لَمْ يَرْجِعْ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ مِنَ الْعِوَضِ ثُمَّ يَرْجِعُ فِي الْهِبَةِ وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ اِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا اَوْ بِحُكْمِ الْحَاكِمِ وَاِذَا تَلِفَتْ الْعَيْنُ الْمَوْهُوبَةُ اَوْ اسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ فَضَمِنَ الْمَوْهُوبُ لَهٗ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِشَيْءٍ

''اور جب نصف ہبہ کا حق دار نکل آئے تو نصف ہبہ واپس لے لے اگر نصف عوض کا حق دار نکل آئے تو ہبہ میں سے کوئی چیز واپس نہ لے مگر یہ کہ باقی عوض بھی لوٹا دے پھر کل ہبہ کو واپس لے لے اور ہبہ کا واپس لینا درست نہیں مگر باہمی رضامندی یا حاکم کے فیصلے سے اور جب ہبہ کردہ چیز ہلاک ہو جائے پھر اس کا کوئی حق دار نکل آیا تو وہ موہوب لہ سے ضمان وصول کرلے تو موہوب لہ واہب سے کچھ نہیں لے سکتا''۔

موہوب اور عوض میں حق دار کا نکل آنا:

قولہ:واذا مستحق الخ:صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب واہب نے موہوب کو موہوب لہ کے حوالے کر دیا اور اس کا عوض بھی وصول کرلیا پھر بعد میں کوئی موہوب کے نصف کا دعوے دار نکل آیا تو موہوب لہ واہب سے اس کے حصے کا عوض واپس لے سکتا ہے کہ جو کسی اور کا ہے۔چونکہ عوض کے ساتھ ہبہ بیع کے مشابہ ہو گیا۔

لیکن اگر واہب نے عوض کو وصول کرلیا پھر اس کے کچھ حصے کا کوئی حق دار نکل آیا تو واہب موہوب چیز کے کچھ حصے کو وصول کرنے میں رجوع نہیں کرسکتا مثلاً ہبہ کے عوض گائے دے دی اور گائے کے نصف کا کوئی حق دار نکل آیا تو واہب اس حصے کو واپس نہیں لے سکتا کیونکہ اصول یہ ہے کہ'' کچھ عوض بھی واہب کے پاس موجود ہو تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا'' اگر پورا عوض ہی ہاتھ سے نکل جائے تب تو ہبہ کو واپس لے سکتا ہے۔کچھ عوض کا حق دار نکلنے کی صورت میں واہب کو یہ اختیار حاصل ہے کہ باقی عوض کو واپس کرکے مکمل ہبہ کو واپس لے سکتا ہے۔احناف میں سے امام زفر کے نزدیک واہب کو موہوب کے حصے کی طرف

رجوع کرنا جائز ہے۔

صحت رجوع کی شرط:

قولہ:ولا تصح الرجوع الخ: ہبہ دے کر واپس لینا چونکہ مختلف فیہ امر ہے کہ امام شافعی کے نزدیک تو رجوع سوائے والد کے جائز ہی نہیں جب کہ احناف کے نزدیک بھی کراہت کے ساتھ آٹھ موانع کی عدم موجودگی میں جائز ہے لہٰذا اس اختلاف کے پیش نظر احناف کے نزدیک بھی مطلقاً رجوع درست نہیں جب تک دو شرطوں میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے یا تو واہب اور موہوب لہ دونوں ہبہ کی واپسی پر راضی ہوں یا پھر قاضی کا فیصلہ ہو تب رجوع کرسکتا ہے۔

ضمان کی ادائیگی کے بعد رجوع

قولہ:واذا تلفت الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ موہوب چیز موہوب لہ کے پاس ہلاک ہوگئی بعد میں اس کا کوئی دعوے دار نکل آیا کہ یہ چیز تو میری تھی پھر فیصلہ یہ ہوا کہ موہوب لہ اس چیز کا تاوان دے گا اس نے تاوان ادا کر دیا۔ اب کیا موہوب لہ واہب سے ادا کردہ تاوان کی وصولی کے لیے رجوع کرسکتا ہے؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ واہب کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اس لیے کہ ہبہ بنیادی طور پر تبرع واحسان کے طور پر ہوتا ہے اس لیے واہب ہبہ کی سلامتی کا ذمہ دار نہیں ہوتا بخلاف بیع کے کہ اس کی بنیاد ہی عوض پر ہوتی ہے اس لیے اگر قیمت کا کوئی حق دار نکل آیا تو بائع مشتری سے رجوع کرے گا۔

وَإِذَا وَهَبَ بِشَرْطِ الْعِوَضِ اُعْتُبِرَ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ فَإِذَا تَقَابَضَا صَحَّ الْعَقْدُ وَصَارَ فِي حُكْمِ الْبَيْعِ يُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَتَجِبُ فِيهِمَا الشُّفْعَةُ وَالْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِلْمُعْمَرِ فِي حَالِ حَيَاتِهِ وَلِوَرَثَتِهِ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ وَالرُّقْبٰى بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَمَنْ وَهَبَ جَارِيَةً إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْهِبَةُ وَبَطَلَ الْإِسْتِثْنَاءُ وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ لَا تَصِحُّ إِلَّا بِالْقَبْضِ وَلَا تَجُوزُ فِي مُشَاعٍ يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ وَإِذَا تَصَدَّقَ عَلَى فَقِيرَيْنِ بِشَيْءٍ جَازَ وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوعُ فِي الصَّدَقَةِ بَعْدَ الْقَبْضِ

"اور جب کوئی چیز عوض کی شرط پر ہبہ کی تو عوضین پر جانبین سے قبضہ ضروری ہے اور جب دونوں نے قبضہ کرلیا تو عقد درست ہوگا اور یہ بیع کے حکم میں ہے خیار عیب اور خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کیا جاسکے گا اور اس میں شفعہ ثابت ہوگا اور عمریٰ معمر لہ کے لیے اس کی زندگی میں جائز ہے اور اس کے ورثاء کے لیے اس کے فوت ہونے کے بعد اور رقبی طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے اور جس نے لونڈی کو اس کے حمل کے علاوہ ہبہ کیا تو ہبہ درست ہوگا اور استثناء باطل ہوگا اور صدقہ ہبہ کی طرح ہے صحیح نہیں ہوتا مگر قبضہ کے ساتھ اور صدقہ ایسی مشترک چیز میں نہیں ہوتا جو قابل تقسیم ہو اور جب دو فقیروں پر کوئی چیز صدقہ کی جائے تو جائز ہے اور صدقہ میں قبضہ کے بعد رجوع درست نہیں ہوتا"۔

عوض کی شرط سے ہبہ:

قولہ:واذا وھب الخ: جب کوئی چیز عوض کی شرط کے ساتھ ہبہ کی گئی کہ میں یہ چیز تب ہبہ کروں گا کہ تم اس کا بدلہ دو گے تو

ایسے ہبہ میں دو جہتیں بن گئیں کہ لفظ کے اعتبار سے تو ہبہ ہے مگر معنی کے اعتبار سے بیع ہے اس لیے اس ہبہ میں دونوں جہتوں کا لحاظ ضروری ہے کہ ہبہ ہونے کے لحاظ سے دونوں عوضوں پر قبضہ ضروری ہے کہ دونوں پر قبضہ ہوگا تو عقد درست ہوگا ورنہ نہیں اور بیع ہونے کے لحاظ سے اس ہبہ میں خیار عیب اور خیار رویت جاری ہوں گے ان کی وجہ سے ہبہ واپس ہوسکے گا اگر ہبہ میں غیر منقولی چیز ہے تو ہبہ میں حق شفعہ بھی ثابت ہوگا آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک ہبہ بعوض شرط ابتدا تو ہبہ ہے مگر انتہا بیع ہے جب کہ امام زفر اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں اعتبار سے بیع ہے لہٰذا ان کے نزدیک فقط معنی کا اعتبار ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک حتی الامکان لفظ و معنی دونوں پر عمل ہوگا۔

عُمریٰ اور رُقبیٰ:

قولہ: والعمری جائزۃ الخ: عمریٰ کا معنی یہ ہے کہ کوئی یہ کہے کہ یہ مکان میں تجھے زندگی بھر کے لیے دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کے فوت ہو جانے کے بعد مجھے واپس ملے گا عمریٰ کا حکم یہ ہے کہ یہ بالاتفاق جائز ہے اور واپسی کی شرط باطل ہے کہ ہبہ میں شرط باطل ہو جاتی ہے اور وہ مکان معمرلہ (جس کو دیا ہے) کے فوت ہونے کے بعد ان کے ورثاء میں تقسیم ہوگا اور معمر (دینے والے) کو واپس نہیں ملے گا اور دیگر آئمہ کرام کا بھی قول جدید یہی ہے۔

رُقبیٰ کا معنی یہ ہے کہ کوئی مکان دیتے ہوئے یہ کہے کہ اگر پہلے آپ فوت ہو جائیں تو مکان میرا ہوگا اگر پہلے میں فوت ہو جاؤں تو مکان آپ کا ہوگا طرفین کے نزدیک ہبہ کی یہ صورت ناجائز ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور یہی موقف آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ رقبیٰ میں موہوب چیز کی تملیک ایک امر متردد پر معلق ہوتی ہے کہ کون پہلے فوت ہوگا امر مبہم ہے اور یہ اصول ہے کہ "تملیکات امر مبہم کے ساتھ معلق نہیں ہوتیں" لہٰذا یہ ہبہ درست نہیں۔

(اللباب، تقدیم قول الطرفین فی الفتاویٰ قاضی خان وایضا ملتقی الابحر، دگر معتون علی قول الطرفین)

ہبہ میں شرط فاسد:

قولہ: ومن وھب الخ: اگر کسی نے ہبہ میں شرط فاسد لگائی مثلاً کسی کو لونڈی ہبہ کرتے ہوئے کہا کہ لونڈی تو آپ کو ہبہ کرتا ہوں مگر اس کا حمل ہبہ نہیں کرتا یوں ہی گا بھن گائے وغیرہ میں شرط لگائی تو ہبہ درست ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی کیونکہ ہبہ میں شرط فاسد کے متعلق فقہی قاعدہ ہے: "اَلْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ" لہٰذا ہبہ درست ہوگا اور شروط باطل ہوں گی۔ جب کہ بیع شرط فاسد کی وجہ سے باطل ہو جاتی ہے لہٰذا لونڈی اور اس کا حمل دونوں موہوب لہ کے لیے ہوں گے۔

صدقہ کا حکم:

قولہ: والصدقۃ الخ: صدقہ کی تعریف یہ ہے کہ "کسی فقیر کو بغیر عوض کے ثواب کی نیت سے کسی چیز کا مالک بنانا صدقہ کہلاتا

ہے۔" صدقہ کا حکم یہ ہے کہ صدقہ دو امور میں ہبہ کی طرح ہے کہ جس طرح ہبہ میں قبضہ شرط ہے اسی طرح صدقہ میں بھی قبضہ شرط ہے دوسرا امر یہ کہ جس طرح ہبہ میں مشترک قابل تقسیم چیز کا ہبہ درست نہیں اسی طرح صدقہ میں بھی اسی چیز کا صدقہ درست نہیں۔

صدقہ اور ہبہ میں فرق:

امام قدوری نے صدقہ اور ہبہ میں دو طرح کا فرق بیان کیا ہے۔ ۱۔ ہبہ دو مخصوص کو مشترک طور پر دینا جائز نہیں جب کہ صدقہ دو فقیروں کو مشترک طور پر دینا جائز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ صدقہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے لیے ہوتا ہے جو یکتا ہے اس لیے شرکت نہیں جب کہ ہبہ تو بندوں کے لیے ہوتا ہے۔ ۲۔ ہبہ میں رجوع عدم موانع کی صورت میں جائز ہے جب کہ صدقہ میں مطلقاً رجوع جائز ہی نہیں کیونکہ صدقہ کا مقصد تو ثواب کا حصول ہے جب ثواب حاصل ہو گیا تو گویا صدقہ کا بدل مل گیا اس لیے واپس لینا جائز نہیں۔

وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِمَالِهٖ لَزِمَهٗ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِجِنْسِ مَا يَجِبُ فِيْهِ الزَّكَاةُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِمِلْكِهٖ لَزِمَهٗ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِالْجَمِيْعِ وَيُقَالُ لَهٗ اَمْسِكْ مِنْهُ مَا تُنْفِقُهُ عَلٰى نَفْسِكَ وَعِيَالِكَ اِلٰى اَنْ تَكْتَسِبَ مَالًا فَاِذَا اكْتَسَبَ مَالًا قِيْلَ لَهٗ تَصَدَّقْ بِمِثْلِ مَا اَمْسَكْتَ لِنَفْسِكَ.

"اور جس نے اپنے مال کے صدقہ کرنے کی نذر مان لی تو اس کو اس قسم کے مال سے صدقہ کرنا لازم ہوگا کہ جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور جس نے اپنی ملک صدقہ کرنے کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ تمام مال صدقہ کرے اور اس سے کہا جائے گا کہ تم اپنے مال سے وہ مقدار روکو جو اپنی ذات اور اپنی اولاد پر خرچ کرو گے یہاں تک کہ تم مال کما لو اور جب وہ مال کما لے تو اس سے کہا جائے گا کہ جس مقدار کو آپ نے اپنے لیے روکا تھا اتنی مقدار صدقہ کرو"۔

مال میں صدقہ کی نذر:

قولہ: ومن نذر الخ: اگر کسی نے نذر مانی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا تو ان مالوں کا صدقہ کرنا واجب ہوگا کہ جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے مثلاً سونا، چاندی، روپے اور مال تجارت اور جن مالوں میں زکوۃ واجب نہیں ان کو صدقہ کرنا لازم نہیں اگرچہ عرف عام میں مال تو ہر مال کو کہا جاتا ہے مگر شریعت میں جب مال بولا جائے تو وہ مال مراد ہوتا ہے کہ جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ اگر ملکیت کی نذر مانی کہ جو ملکیت میں ہے وہ صدقہ کروں گا تو تمام مال کو صدقہ کرنا لازم ہوگا کہ جو بھی ملکیت میں ہے مگر اتنا مال باقی رکھنے کا حکم دیا جائے گا کہ جس سے اپنی اور اولاد کی ضرورت پوری ہو سکے پھر جب کمائے گا تو جتنی مقدار مال کی روکی تھی اتنی مقدار صدقہ کر دے تاکہ نذر کے مطابق مال کا صدقہ ہو جائے۔

کتاب الوقف

سیاق وسباق:
اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الھبہ کو بیان کیا کہ جس میں تبرع واحسان پایا جاتا ہے اسی طرح یہی معنی وقف میں بھی پایا جاتا ہے اس لیے اس کے بعد اسے لائے البتہ وجہ فرق یہ ہے کہ ہبہ اور صدقہ میں شخص معین کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے جب کہ وقف میں دونوں طرح کے اشخاص نفع اٹھاتے ہیں۔

وقف کا لغوی معنیٰ:
وَقف بمعنی الحبس روکنے کے ہے کہ وقف کو موقوف، محبوس، مُحتَبَس اور جن ممالک میں فقہ مالکی غالب ہے ان میں مُحبُس یا حُبُس کا لفظ وقف کی جگہ مشہور ہے۔ اصطلاحی تعریف متن کی تشریح میں بیان کریں گے۔

وقف کی مشروعیت:
اگر چہ جزوی طور میں اسلام سے قبل بھی وقف کا رجحان تھا مگر اسلام نے جو وقف کا وسیع مفہوم پیش کیا ہے وہ اسلام کے امتیازات اور خصائص میں شمار ہوتا ہے اور وقف کی اہمیت پر ارشاد نبوی ﷺ روشن دلیل ہے کہ انسان کے فوت ہونے کے بعد تین اعمال کا ثواب منقطع نہیں ہوتا۔ ۱۔ صدقہ جاریہ۔ ۲۔ علم نافع۔ ۳۔ نیک اولاد/ اولاد کی دعا۔ وقف کے استحباب پر امت کا اجماع ہے۔

وقف کے متعلق اصطلاحات:
وقف کرنے والے کو ''واقف'' جس پر وقف کیا جائے اسے ''موقوف علیہ'' اور وقف کردہ چیز کو وقف، موقوف و موقوفہ کہا جاتا ہے۔

لَا يَزُوْلُ مِلْكُ الْوَاقِفِ عَنِ الْوَقْفِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَّحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ اَوْ يُعَلِّقَهُ بِمَوْتِهٖ فَيَقُوْلُ اِذَا مِتُّ فَقَدْ وَقَفْتُ دَارِيْ عَلٰى كَذَا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَزُوْلُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَزُوْلُ الْمِلْكُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهٗ اِلَيْهِ وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلَى اخْتِلَافِهِمْ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوْزُ

''واقف کی ملک وقف سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ختم نہیں ہوتی مگر یہ کہ حاکم اس کے ختم ہونے کا فیصلہ کردے یا خود واقف اس کو اپنے فوت ہونے پر معلق کردے کہ یوں کہے کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا مکان فلاں کے لیے وقف ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ صرف کہنے سے ہی ملک ختم ہو جاتی ہے اور امام زفر نے فرمایا ملک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ کسی کو اس کا متولی بنادے اور وہ اس کے حوالے بھی کردے اور جب وقف ان کے اختلاف کے

مطابق درست ہو جائے تو وقف واقف کی ملکیت سے نکل جائے گا اور موقوف علیہ کی ملک میں داخل نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف کے نزدیک مشترک چیز کا وقف کرنا جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں"۔

وقف کا واقف کی ملکیت سے نکلنے یا نہ نکلنے میں اختلاف آئمہ:

قولہ: لا یزول ملک الخ: جب انسان نے کوئی چیز وقف کی تو وقف کردہ چیز کی ملکیت واقف کے پاس رہے گی یا ختم ہو جائے گی اس میں آئمہ احناف کے مابین اختلاف ہے اور اس اختلاف کا دارومدار وقف کی تعریف پر ہے کہ تعریف میں اختلاف کی وجہ سے ملکیت میں اختلاف واقع ہوا۔

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک وقف کی تعریف:

هُوَ حَبْسُ الْعَيْنِ عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَالتَّصَدُّقُ بِالْمَنْفَعَةِ وَلَوْ فِي الْجُمْلَةِ (در معتار) وقف یہ ہے کہ اصل شیء کو واقف کی ملکیت میں روکے رکھنا اور اس کے نفع کو صدقہ کرنا اگرچہ فی الجملہ سہی۔ لہٰذا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ امام اعظم کے نزدیک وقف غیر لازم ہے کہ وقف کے بعد بھی واقف کی ملکیت وقف شدہ چیز پر باقی رہتی ہے۔ امام اعظم نے اس سے دو صورتوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے ایک صورت یہ کہ حاکم وقت وقف ہونے کا فیصلہ کردے۔ دوسری صورت یہ کہ واقف نے وقف کو اپنی موت کے ساتھ معلق کیا ہو تو ان دو صورتوں میں وقف لازم ہوگا اور مسجد کے حق میں امام اعظم وقف کو لازم ہی تسلیم کرتے ہیں بقیہ اوقاف میں غیر لازم مانتے ہیں۔

صاحبین کے نزدیک وقف کی تعریف

"**هُوَ حَبْسُهَا عَلٰى حُكْمِ مِلْكِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ صَرْفُ مَنْفَعَتِهَا عَلٰى مَنْ اَحَبَّ وَلَوْ غَنِيًّا**" (در معتار)

وقف یہ ہے کہ اصل شیء کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت پر روکے رکھنا اور اس کا نفع خرچ کرنا جس پر چاہے اگرچہ وہ غنی ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ وقف لازم ہے اور واقف کی ملکیت ہر حال میں وقف سے ختم ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور یہی تعریف شافعیہ اور حنابلہ کی ہے جب کہ مالکیہ اس سے زیادہ وسیع مفہوم وقف کا بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ کسی مال کے محض نفع کو بھی وقف کیا جا سکتا ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (هدایه، در معتار)

ملکیت کا خروج محض قول سے یا متولی مقرر کرنے سے:

قولہ: و قال ابو یوسف الخ: جب مسئلہ ثابت ہو گیا کہ مفتیٰ بہ قول صاحبین کا ہے کہ وقف کی ملکیت واقف سے نکل جائے گی لیکن اب صاحبین کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ ملکیت کب نکلے گی؟ امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کے قول سے ہی وقف ملکیت سے نکل جائے گا کہ میں نے یہ مکان فلاں کے لیے وقف کیا ہے اور امام محمد کے نزدیک جب تک واقف

شیء موقوف کے لیے متولی (ناظر) مقرر نہ کرے اور اس کے حوالے نہ کرے اس وقت تک ملکیت ختم نہیں ہوتی جب متولی مقرر کردیا تو ملکیت چلی گئی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

دونوں قولوں کے متعلق ترجیح موجود ہے مگر "احوط" اور "اسھل" کی بنا پر اکثریت کا رجحان امام ابو یوسف کے قول کی طرف ہے اس پر دلیل عقلی یہ ہے کہ وقف اعتاق (آزاد کرنے) کی مانند ہے کہ جس طرح اعتاق فقط قول سے متحقق ہوجاتا ہے تو اسی طرح وقف بھی محض قول سے لازم ہوجاتا ہے دونوں میں قدر مشترک اسقاط ملک ہے۔ (جوھرہ، درہ، اللباب، ھدایہ)

لہٰذا جب آئمہ کرام کے اختلاف کے مطابق وقف درست ہوجائے تو وقف شدہ چیز موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہ ہوگی بلکہ اسی حالت میں اس سے نفع اٹھانے کے حق دار ہوں گے۔

مشترک چیز کا وقف:

قولہ: و وقف المشاع الخ: کیا مشترک چیز کو وقف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مشترکہ چیز دو طرح کی ہے ۱۔ مشترک چیز قابل تقسیم ہو ۲۔ مشترک چیز قابل تقسیم نہ ہو۔ متن میں اختلاف مشترک کی قسم اول سے ہے کہ جو چیز مشترک قابل تقسیم ہو اس کو تقسیم کرنے سے پہلے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ امام محمد کے نزدیک ناجائز ہے اور یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے لہٰذا طرفین کے نزدیک مشترک قابل تقسیم کا وقف جائز نہیں۔ مشترک ناقابل تقسیم کا وقف بالاتفاق جائز ہے۔ مثلاً پن چکی، حمام وغیرہ مگر مسجد و مقبرہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ وقف صدقہ کے مشابہ ہے کہ جس طرح صدقہ کے جواز کے لیے قبضہ شرط ہے اسی طرح وقف کے جواز کے لیے بھی قبضہ شرط ہے جب کہ اشتراک قبضہ کے لیے مخل ہے اور امام ابو یوسف کے قول پر بھی فتویٰ موجود ہے۔ بعض فقہاء نے بیان کیا کہ دونوں قول صحیح ہیں قاضی جس پر چاہے فیصلہ کرے اور جو وقف کے لیے زیادہ نفع بخش قول ہو اسی کو اختیار کرے۔ (اللباب، فتاویٰ قاضی خان)

وَلَا يَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ حَتّٰى يَجْعَلَ آخِرَهُ لِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ أَبَدًا وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ إِذَا سَمّٰى جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ، وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِمْ وَيَصِحُّ وَقْفُ الْعَقَارِ وَلَا يَجُوْزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ إِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَأَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ

"اور طرفین کے نزدیک وقف مکمل نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا انجام کار اس طرح کردے جو کبھی ختم نہ ہو اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جب وہ ایسی صورت کا نام لے جو ختم ہوجائے گی تو جائز ہے اور وہ اس صورت کے بعد فقراء کے لیے

ہوگا اگرچہ اس نے نام نہ لیا ہوا اور زمین کا وقف درست ہے اور ان چیزوں کا وقف جائز نہیں جو منقولی ہیں اور بدل جاتی ہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جب زمین کو اس کے بیلوں اور کاشتکاروں کے ساتھ وقف کیا اور وہ کاشتکار اس کے غلام ہوں تو جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ گھوڑے اور ہتھیار میں وقف جائز ہے"۔

حل لغات۔ آخر: انجام کار۔ العقار: زمین۔ یحول: تحویل سے ہے بمعنی بدل جانا۔ ضیعة: زمین۔ بقر: گائے و بیل۔ اکرة: اکار کی جمع ہے بمعنی کاشتکار۔ عبید: جمع ہے عبد بمعنی غلام۔ کراع: گھوڑے۔ السلاح: اسلحہ۔

وقف تام کی تکمیل میں اختلاف آئمہ:

قولہ: ولا یتم الوقف الخ: امام قدوری وقف کے تمام ہونے کی ایک شرط بیان کر رہے ہیں کہ واقف کا وقف کب مکمل ہوگا اس میں دو مذہب ہیں۔ ا۔ طرفین کے نزدیک وقف کے تام ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ وقف دائمی ہو کہ اس وقف کا مصرف قیامت تک موجود ہو مثلاً فقراء کے لیے وقف ہو یا علماء کے لیے تو یہ ایسا وقف ہے جو قیامت تک رہے گا اگر ختم ہونے والا ہو کہ فلاں کی اولاد کے لیے ہے تو وقف درست نہیں کیونکہ اولاد فوت ہونے کے بعد ختم ہو جائے گی۔ ۲۔ امام ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً وقف درست ہے کہ دائمی وقف کا نام لینا ضروری نہیں اگر فلاں اولاد کے لیے بھی وقف ہو تو بھی جائز ہے کہ ان کے فوت ہونے پر خود بخود وقف فقراء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

دونوں مذہبوں سے بات ثابت ہوئی کہ وقف کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وقف دائمی ہو مگر اختلاف اسی صورت میں ہے کہ وقف دائمی کا نام لینا ضروری ہے یا نہیں؟ طرفین کے نزدیک ضروری ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک وقف دائمی کی صراحت ضروری نہیں کہ خود بخود ہی موقوف علیہ عارضی کے ختم ہونے کے بعد دائمی طرف منتقل ہو جائے گا کیونکہ وقف اور صدقہ کے الفاظ ہی اسی جانب مشیر ہیں کہ یہ دائمی ہوں کہ جو چیز دلالۃً ثابت ہو وہ نص کے درجہ میں ہوتی ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلثَّابِتُ دَلَالَةً كَالثَّابِتِ نَصًّا" اور فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے اس میں احوط اور اسہل کا پہلو ہے۔ (اللباب الدر المنتقی)

منقولی اور غیر منقولی چیز کا وقف:

قولہ: ویصح وقف العقار الخ: غیر منقولی چیز مثلاً زمین وغیرہ اس کا وقف بالاتفاق جائز ہے کیونکہ وقف سے مقصود، اصل چیز موجود رہتے ہوئے اس سے نفع اٹھانا ہے کہ فقراء اصل کے مالک تو نہ ہوں مگر اس سے فوائد اٹھائیں لیکن اختلاف منقولی چیز کے متعلق ہے کہ اس کا وقف جائز ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مطلقاً منقولی چیز کا وقف جائز نہیں کیونکہ منقولی چیز کے اصل کا غرباء مالک بن جائیں گے کہ جس سے وقف بدل کر صدقہ ہو جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک منقولی چیز کا وقف دو صورتوں میں جائز ہے کہ منقولی چیز کو غیر منقولی چیز کے تابع کر کے وقف کیا جائے مثلاً زمین وقف کی تو اس کے متعلقات ہل، بیل اور اگر کاشت کار غلام ہوں تو ان کو بھی وقف کرنا جائز ہے۔ دوسری صورت جس کو امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے یہ موقف امام ابو یوسف

کا بھی ہے کہ جو منقولی چیزیں عرف میں وقف کی جاتی ہوں تو ان کا وقف بھی جائز ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "مَا جَرَی الْعُرْفُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْوَقْفِ فِيهِ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ يَجُوزُ بِاعْتِبَارِ الْعُرْفِ" (المبسوط)

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے: (الهنديه، ملتقى الابحر) لہٰذا جو منقولی چیزیں بطور وقف مساجد یا مدارس وغیرہ میں رکھی جاتی ہیں یہ عرف کے اعتبار سے وقف ہی کہلائیں گی لیکن یہ ضروری ہے کہ جس پر وقف ہو وہ متعین ہو اور وہ کام بھی نیکی کا ہو جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْوَقْفُ لَا يَصِحُّ اِلَّا عَلٰى مَنْ يُعْرَفُ اَوْ عَلٰى بِرٍّ" (موسوعة القواعد الفقهية) لہٰذا وقف چاہے مذہبی اعمال کے لیے ہوں یا غریبوں کی مدد یا تعلیم وطبی امداد کے لیے ہو سب ہی بر کے زمرے میں آتے ہیں۔

وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ وَلَا تَمْلِيكُهُ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُشَاعًا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُهُ وَالْوَاجِبُ اَنْ يَبْتَدِئَ مِنِ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهِ سَوَاءٌ شَرَطَ ذٰلِكَ الْوَاقِفُ اَوْ لَمْ يَشْرِطْ وَاِنْ وَقَفَ دَارًا عَلٰى سُكْنٰى وَلَدِهٖ فَالْعِمَارَةُ عَلٰى مَنْ لَّهُ السُّكْنٰى فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذٰلِكَ اَوْ كَانَ فَقِيْرًا آجَرَهَا الْحَاكِمُ وَعَمَّرَهَا بِاُجْرَتِهَا فَاِذَا عُمِّرَتْ رَدَّهَا اِلٰى مَنْ لَّهُ السُّكْنٰى وَمَا انْهَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَآلَتِهٖ صَرَفَهُ الْحَاكِمُ فِيْ عِمَارَةِ الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَيْهِ ، وَاِنِ اسْتَغْنٰى عَنْهُ اَمْسَكَهُ حَتّٰى يَحْتَاجَ اِلٰى عِمَارَتِهٖ فَيَصْرِفَهُ فِيْهَا، وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّقْسِمَهُ بَيْنَ مُسْتَحِقِّي الْوَقْفِ

"اور جب وقف درست ہو جائے تو اس کی بیع جائز نہیں اور نہ ہی اس کی تملیک جائز ہے مگر یہ کہ وہ مشترک ہو امام ابو یوسف کے نزدیک تو شریک تقسیم کرنے کا مطالبہ کرے تو اس کو تقسیم کر دینا درست ہے اور واجب ہے کہ وقف کی آمدنی سے اس کی مرمت کے ساتھ ابتدا کی جائے واقف نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو اور جب اپنی اولاد کے رہنے کے لیے مکان وقف کیا تو مرمت اسی کے ذمے ہے کہ جس کے لیے رہائش ہے اور اگر وہ اس سے رک جائے یا وہ فقیر ہو جائے تو حاکم اس مکان کو کرائے پر دے دے اور اس کے کرائے کے ذریعے اس کی مرمت کرائے پس جب وہ عمارت کی مرمت ہو جائے تو اسے اسی کو لوٹا دے کہ جن کے لیے رہائش ہے اور جو کچھ وقف کی عمارت اور اسکے آلات سے گر جائیں تو حاکم اسے مرمتی میں صرف کرے اگر اس کی ضرورت ہو اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے محفوظ کر لے یہاں تک کہ عمارت کے لیے ضرورت پڑ جائے تو اس میں صرف کرے اور اسے وقف کے مستحقوں کے درمیان تقسیم کرنا جائز نہیں۔

حل لغات: ارتفاع: منافع، آمدنی۔ العمارة: مرمتی کے معنی میں ہے۔ عمّر: تعمیر سے ہے، تعمیر کرنے کے معنی میں ہے۔

وقف کی بیع:

قولہ: واذا صح الوقف الخ: جب وقف مکمل ہو جائے تو اس کے بعد وقف نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو مالک بنایا جا سکتا ہے اسی طرح نہ کسی کو ہبہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلْوَقْفُ لَا يُمْلَكُ" کہ وقف کسی کا مملوک نہیں ہوتا تو

اس کو نہ بیچا جاسکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ صرف امام ابو یوسف کے نزدیک مشترک قابل تقسیم چیز کو وقف کرنے کے بعد شریک کے مطالبہ پر اس کا حصہ تقسیم کر دینا جائز ہے اسی لیے مصنف نے انہی کا نام ذکر کیا ہے جبکہ طرفین کے نزدیک مشترک قابل تقسیم چیز کا وقف قبل التقسیم جائز ہی نہیں۔

وقف کی آمدنی:

قولہ: والواجب الخ: وقف کردہ چیز سے جو آمدنی ہوگی تو اس کو اولاً اس چیز کی مرمتی اور دیکھ بھال پر خرچ کیا جائے گا کیونکہ وقف کا مقصد تو اس چیز کو قائم رکھنا ہے اور قائم تب ہی رہے گی کہ اس کی مرمتی اور دیگر حفاظتی امور پر آمدنی کو لگایا جائے چاہے واقف نے اس پر خرچ کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو حکم یہی ہے کہ اولاً آمدنی اس کی حفاظت پر خرچ کی جائے گی۔

رہائشی وقف مکان کی مرمت:

قولہ: واذا وقف الخ: اگر کسی شخص نے اپنا مکان اپنی اولاد کے لیے وقف کیا تو اس کی مرمتی اولاد کی ذمہ داری ہوگی جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے جو حضور ﷺ کے جوامع الکلم سے ہے: ''اَلْغَرَاجُ بِالضَّمَانِ'' کہ جو شخص نفع کا حق دار ہوتا ہے وہ نقصان کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ مرمتی نہ کروائیں یا غریب ہو تو قاضی ان سے مکان لے کر کسی کو کرائے پر دے پھر کرائے کی آمدنی سے مرمتی کروائے پھر ان لوگوں کو واپس کیا جائے جو اس کے پہلے رہائشی تھے کیونکہ موقوف علیہ حق مقدم ہے۔ اپنی اولاد کو وقف کے جواز سے معلوم ہوا کہ موقوف علیہ کا فقیر ہونا یا غیر ہاشمی ہونا ضروری نہیں۔

وقف چیز کی اشیا:

قولہ: وما الھدم الخ: اگر وقف کردہ چیز کی کچھ چیزیں الگ ہو جائیں مثلاً عمارت کہ اس سے اینٹیں یا بلاک یا لکڑی الگ ہو جائے اگر ان کے ذریعے مرمتی کی حاجت ہو تو عمارت میں لگا دیا جائے اگر حاجت نہ ہو تو ان کو متولی محفوظ رکھ لے کہ جب حاجت پڑے تو صرف کرے کیونکہ وقف کے مستحقین کا حق نفع میں ہے نہ کہ عین شی میں اس لیے ان چیزوں کو مستحقین میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

وَاِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ اِلَيْهِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَاِذَا بَنٰى مَسْجِدًا لَمْ يَزُلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِدَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِطَرِيْقِهٖ وَيَأْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِذَا صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهٗ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ بِقَوْلِهٖ جَعَلْتُهٗ مَسْجِدًا وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ اَوْ خَانًا يَسْكُنُهٗ بَنُو السَّبِيْلِ اَوْ رِبَاطًا اَوْ جَعَلَ اَرْضَهٗ مَقْبَرَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُهٗ عَنْ ذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَّحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ، وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ بِالْقَوْلِ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوا الرِّبَاطَ وَالْخَانَ وَدَفَنُوْا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ.

''اور جب واقف وقف کے غلے کو اپنے لیے مقرر کرلے یا اس کی تولیت اپنے لیے کرلے تو امام ابو یوسف کے نزدیک

جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں اور جب کسی شخص نے مسجد بنائی تو اس سے اس کی ملکیت ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ اس کو اس کے راستے کے ساتھ الگ کر دے اور اس میں لوگوں کو نماز پڑھنے کی اجازت دے دے تو جب اس میں کسی ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو امام اعظم کے نزدیک اس کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس کے یہ کہنے سے ہی کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا اس کی ملک ختم ہو جائے گی اور جس نے مسلمانوں کے لیے پانی پینے کی جگہ بنائی یا مسافروں کے رہنے کے لیے مسافر خانہ بنایا یا مورچہ بنائے یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اس کی ملک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ حاکم اس کا فیصلہ کر دے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ صرف اس کے کہنے سے ہی ملک ختم ہو جائے گی اور امام محمد نے فرمایا کہ جب لوگ ٹینکی سے پانی لے لیں اور مسافر مسافر خانے میں اور مورچے میں ٹھہر جائیں اور قبرستان میں دفن کرنے لگیں تو ملکیت ختم ہو جائے گی۔''

وقف کی آمدنی کو اپنے لیے مشروط کرنا:

قولہ: واذا جعل الخ: اگر کسی نے کوئی چیز وقف کرتے ہوئے یہ شرط لگائی کہ اس کی کل یا بعض آمدنی میرے لیے ہوگی کہ جب تک میں زندہ ہوں یا یہ کہا کہ اس کی نگرانی میری ہوگی جب تک میں زندہ ہوں تو امام ابو یوسف کے نزدیک یہ وقف جائز ہوگا جب کہ امام محمد کے نزدیک یہ وقف جائز نہ ہوگا اس لیے کہ امام محمد کے نزدیک وقف چیز کی نگرانی دوسرے شخص کے سپرد کرنا ضروری ہے تاکہ قبضہ پایا جائے پھر اس کے بعد متولی بن سکتا ہے۔ نیز وقف کے بعد مال اللہ تعالٰی کی ملک میں چلا جاتا ہے لہٰذا اپنے لیے استعمال کی شرط لگانا جائز ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتوٰی امام ابو یوسف کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جب شرط مخالف شرع نہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: ''شَرْطُ الْوَاقِفِ كَنَصِّ الشَّارِعِ'' کہ اوقاف میں شرط واقف مثل نصِ شارع واجب الاتباع ہوتی ہے (فتاوٰی رضویہ) اس قول کو اکثر فقہاء نے ''ترغیباً للناس'' کی علت کی بنا پر اپنایا ہے۔ (علیہ الفتوٰی ''الدر المختار'' علیہ الفتوٰی ترغیب اللناس، مجمع الانہر، فتح القدیر، البحر الرائق، الدر المختار، مجمع الانہر، اللباب) لیکن جب واقف متولی سے خیانت، عجز یا فسق دیکھے تو ولایت لے لی جائے گی۔

مسجد ملک سے کب نکلتی ہے؟

قولہ: واذا بنی الخ: اگر کسی شخص نے مسجد بنائی تو اس پر مسجد شرعی کا حکم کب لگے گا؟ اس میں طرفین اور امام محمد کا اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اپنی ملک سے نکلنے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اس کو مسجد بنا دیا تو مسجد شرعی کہلائے گی جب کہ طرفین کے نزدیک صرف یہ کہنے سے مسجد شرعی نہیں کہلائے گی کہ جب تک مسجد کا راستہ الگ نہ کیا جائے اور اس میں لوگوں کو نمازیں پڑھنے کی اجازت نہ دی جائے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب تک ایک بار جماعت نہ ہو جائے تو واقف کی

ملک سے نہ نکلے گی کیونکہ طرفین کے نزدیک وقف میں قبضہ کرانا ضروری ہے اور ہر چیز میں قبضہ اس چیز کی شان کے مطابق ہوتا ہے لہٰذا مسجد کا قبضہ مذکورہ صورتوں میں ثابت ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے اس پر دلیل وہی ہے جو اس سے قبل "ملکیت کا خروج محض قول سے یا متولی مقرر کرنے سے" کے تحت مفتی بہ قول میں بیان کی گئی دیکھ لیجئے اور آئمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے البتہ امام شافعی کے نزدیک لفظ وقف کا تلفظ ضروری ہے۔

رفاع عام کے لیے تعمیر:

قولہ: ومن بنی سقایۃ الخ: اگر کوئی رفاہ عامہ کے لیے کوئی عمارت تعمیر کرے مثلاً پانی کے لیے ٹینکی، مسافروں کے لیے جائے آرام گاہ یا قبرستان وقف کرے تو کب وقف کہلائیں گے اس میں آئمہ ثلاثہ کا احناف کا اختلاف ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ چیزیں حاکم (قاضی) کے فیصلہ کے بعد وقف کہلائیں گی، امام محمد کے نزدیک جب تک قبضہ نہ پایا جائے وقف نہ ہوگا لہٰذا ان کے استعمال کرنے پر وقف کا حکم لاگو ہوگا جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک وقف کہہ دینے سے وقف ہو جائے گا اگر زبان سے نہیں کہا بلکہ ان کو استعمال کیا گیا تو بھی وقف ثابت ہو جائے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔

کتاب الغصب

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الوقف کو بیان کیا کہ جس میں موقوف علیہ کے لیے وقف سے نفع اٹھانا جائز تھا جب کہ اب اس کے مقابل غصب کے احکام بیان کررہے ہیں کہ جس میں غاصب کے لیے مغصوب چیز سے نفع اٹھانا جائز نہیں اور ان کے درمیان وجہ مناسبت مقابلہ وضد ہے۔

غصب کا لغوی معنی: کسی دوسرے کی چیز کو زبردستی رکھ لینا۔

اصطلاحی معنی

"اخذُ مَالٍ مُتقوم مُحْتَرَمٍ بِغَيْرِ إِذْنِ الْمَالِكِ عَلَى وَجْهٍ يُزِيلُ يَدَهُ" (اللباب) "مالک کی اجازت کے بغیر اس کے قیمتی محترم مال پر اس طرح قبضہ کرلینا کہ اس کی ملکیت زائل ہوجائے" اس تعریف سے معلوم ہوا کہ غصب تب کہلائے گا جب وہ مال ہو (عند الشیخین) غیر منقولی چیز نہ ہو، شریعت کی نگاہ میں قابل احترام بھی ہو کہ اس کی قیمت ہو اور مالک کی اجازت کے بغیر اس طرح قبضہ ہو کہ مالک کی ملکیت ہی ختم ہوجائے اگر کوئی شرط کم ہوگی تو غصب نہ کہلائے گا۔ غصب کا حکم آگے آرہا ہے۔

غصب کے متعلق اصطلاحات

چھیننے والے کو غاصب، جس سے چھینا جائے اسے مغصوب منہ اور جو چیز چھینی جائے اسے مغصوب کہا جاتا ہے۔

وَمَنْ غَصَبَ شَيْئًا مِمَّا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِي يَدِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهِ إِنْ كَانَ لَهُ مِثْلٌ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهُ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ وَعَلَى الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ وَإِنْ ادَّعَى هَلَاكَهَا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّهَا لَوْ كَانَتْ بَاقِيَةً لَأَظْهَرَهَا ثُمَّ يَقْضِي عَلَيْهِ بِبَدَلِهَا وَالْغَصْبُ فِيمَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ وَإِذَا غَصَبَ عَقَارًا فَهَلَكَ فِي يَدِهِ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَضْمَنُهُ وَمَا نَقَصَ بِفِعْلِهِ وَسُكْنَاهُ ضَمِنَهُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا

"اور جس شخص نے غصب کی کوئی چیز ان چیزوں میں سے جس کی مثل نہیں تو وہ اس سے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو اس پر اس کی مثل کا ضمان واجب ہے اور اگر وہ چیز ان چیزوں میں سے ہو کہ جس کی مثل نہیں تو اس پر اس چیز کی قیمت واجب ہوگی اور غاصب پر عین مغصوب کو واپس کرنا واجب ہے۔ پس اگر اس نے اس کی ہلاکت کا دعویٰ کردیا تو حاکم اس کو قید کردے یہاں تک کہ ظاہر ہوجائے کہ اگر اس کے پاس وہ چیز باقی ہوتی تو ظاہر کرتا پھر اس کے بدلے کا فیصلہ کردے اور غصب ان چیزوں میں ہوتا ہے جو منقولی تبدیل ہوتی ہوں اور جب زمین غصب کی اور وہ غاصب کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو شیخین

کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ وہ ضامن ہوگا اور زمین میں اس کے فعل یا اس کے رہنے کی وجہ سے نقصان ہوگا تو وہ سب کے قول کے مطابق ضامن ہوگا۔

غصب کا حکم

قولہ: ومن غصب الخ: غصب فعل حرام ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر غصب کردہ چیز بعینہٖ موجود ہے تو اس کو مالک کے سپرد کیا جائے گا۔ اس کے عوض اس کی مثل چیز نہیں دی جا سکتی کیونکہ اسی چیز کا ادا کرنا ادا ہے جب کہ اس کی مثل ادا کرنا قضا ہے جب کہ ادائیگی کے باب میں اصل ادا ہے جب تک ادا ممکن ہو تو قضا کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر شی مغصوب ہلاک ہو گئی تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہیں کہ وہ مثلی (کیلی، موزونی، عددی غیر متفاوت) ہے یا قیمی اگر مثلی ہو تو غاصب پر مثلی چیز کا ضمان واجب ہوگا مثلاً گندم ہلاک ہو گئی تو بدلے میں گندم دینی پڑے گی اگر مثلی چیز ناپید ہو جائے تو اس کی قیمت دینی پڑے گی جس دن ناپید ہوئی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا یہ قول امام محمد کا ہے۔ یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔ اگر غصب کردہ چیز قیمی تھی مثلاً گائے (جانور) تو اس کی قیمت دینی پڑے گی یہ اصول فقہ کی اصطلاح میں ''قضا'' ہے۔

غاصب کا دعویٰ ہلاکت

قولہ: فان ادعی الخ: اگر مالک اصل چیز کی واپسی کا مطالبہ کرے جب کہ غاصب یہ دعویٰ کرے کہ غصب کردہ چیز مجھ سے ضائع ہو گئی ہے تو قاضی فوراً اس کی بات پر عمل نہ کرے بلکہ ضائع ہونے پر شواہد طلب کرے اگر شواہد پیش نہ کرے تو اتنا عرصہ قید میں رکھے کہ اگر واقعی ہی چیز اس کے پاس سلامت ہوتی تو ضرور نکالتا مگر اتنے عرصے میں نہ نکالنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہلاک ہو چکی ہوگی اب قاضی مثلی ہونے پر مثلی اور قیمی ہونے پر قیمتی کا فیصلہ کرے کیونکہ اصول یہ ہے کہ ''جب تک ممکن ہو تو عین چیز کا واپس کرنا ہی اصل ہے'' لہٰذا اصل کو ظاہر کرنے اور واپس کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔

غیر منقولی چیز کا غصب

قولہ: والغصب الخ: اگر کوئی غیر منقولی چیز (زمین، مکان وغیرہ) پر ناحق قبضہ کر لے تو اس پر غصب کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟ اس میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے کہ شیخین کے نزدیک غصب کا اطلاق فقط منقولہ اشیاء پر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک غصب کی ماہیت وحقیقت یہ ہے کہ اصل مالک کو قبضہ سے محروم کر دیا جائے اور یہ اس وقت ہی متصور ہے کہ جب اس چیز کو اپنے مقام سے ہٹایا جا سکتا ہو جب کہ غیر منقولی چیز میں یہ بات ممکن نہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک غیر منقولہ اشیاء میں بھی غصب کا تحقق ہوتا ہے اور یہی موقف آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے کہ غاصب کے قبضہ کرنے کے ساتھ مالک بے دخل ہو جاتا ہے اور اسی بے دخلی کا نام غصب ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے اور متن کے مسئلے کی صورت اس زمین کے متعلق ہے جو وقف شدہ نہ ہو بلکہ ذاتی ملکیت ہو اگر وقف شدہ ہو تو امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ غیر منقولہ چیز اپنی جگہ پر قائم ہے اور غاصب نے مالک کو بے دخل کیا ہے

جو کہ تصرف فی المالک ہے نہ کہ تصرف فی المال جب غیر منقولہ چیز پر قبضہ تصرف فی المال نہیں تو جابرانہ قبضہ کرنے والے کے قبضہ سے اگر زمین یا مکان وغیرہ قدرتی طور پر ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم نہیں آئے گا۔ (به یفتی فی الوقف و بقولهما فی غیر الوقف "الدر المنتقی" والصحیح الاول فی غیر الوقف والثانی فی الوقف کما فی العمادی وغیرہ "اللباب") لیکن موجودہ زمانے میں کتنے ہی ایسے مالک ہیں کہ جن کی جائیداد پر غیروں نے قبضہ کر رکھا ہے زر و زمین کے ہوس کا غلبہ ہے فتنہ وفساد کا دور دورہ ہے لوگوں کی تعدی وزیادتی کو دیکھتے ہوئے بعض متاخرین حنفیہ نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے لیکن یہ فتویٰ بھی حقیقت میں قول امام ہی پر ہے کہ چھ اسباب (ضرورت، حرج، عرف، تعامل، اہم مصلحت، فساد) میں سے جس کی وجہ سے بھی متاخرین نے قول امام کے خلاف فتویٰ دیا تو قول امام ہی سمجھا جائے گا۔ (ماخوذ از فتاویٰ رضویہ جلد اول) لہٰذا امام محمد کے قول کے مطابق ہلاکت پر ضامن ہوگا۔

غصب شدہ غیر منقولی چیز میں نقصان کا حکم

قولہ: وما نقص الخ: غیر منقولی چیز پر غصب کے متعلق شیخین کے موقف سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان کے نزدیک مالک کے لیے انصاف کا کوئی راستہ نہیں بلکہ تینوں آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر جبراً قبضہ کی گئی زمین یا مکان وغیرہ میں غاصب نے نقص پیدا کر دیا یا اس کی رہائش کی وجہ سے نقص پیدا ہو گیا تو تاوان واجب ہوگا۔ اختلاف اس صورت میں تھا کہ اگر زمین وغیرہ آفت سماوی کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو شیخین کے نزدیک ضمان نہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک ضمان ہوگا۔

وَاِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوبُ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهٖ ضَمِنَهٗ فَاِنْ نَقَصَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ النُّقْصَانِ، وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهٖ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِيْمَتَهَا وَسَلَّمَهَا اِلَيْهِ، وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ نُقْصَانَهَا وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهٖ خَرْقًا يَسِيْرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهٗ وَاِنْ خَرَقَهٗ خَرْقًا كَثِيْرًا يُبْطِلُ عَامَّةَ مَنَافِعِهٖ فَلِمَالِكِهٖ اَنْ يُّضَمِّنَهٗ جَمِيْعَ قِيْمَتِهٖ،

"اور جب مغصوب چیز غاصب کے قبضہ میں اس کے اپنے عمل یا غیر کے عمل سے ہلاک ہو جائے تو غاصب پر اس کا ضمان ہوگا اور اگر اس کے پاس اس میں نقصان ہو گیا تو نقصان کا ضامن ہوگا اور جس شخص نے کسی کی بکری ذبح کی تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کی بکری کی قیمت کا ضامن بنا دے اور بکری غاصب کو دے دے اور اگر چاہے تو اس غاصب سے نقصان کا تاوان لے لے اور جس شخص نے کسی کا تھوڑا سا کپڑا پھاڑ دیا تو اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اگر زیادہ پھاڑ دیا کہ جس سے اکثر منافع ختم ہو گئے تو مالک کو اجازت ہے کہ اس کو تمام قیمت کا ضامن بنا دے"۔

غصب شدہ منقولی چیز کی ہلاکت ونقصان

قولہ: واذا هلك الخ: امام قدوری نے اس عبارت میں دو مسئلوں کو بیان کیا ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کی چیز غصب کر لی پھر اسی کے قبضے میں اس کے فعل سے یا غیر کے فعل سے وہ چیز ہلاک ہو گئی تو ہلاک شدہ چیز کا ضمان غاصب پر آئے گا مثلاً کسی نے بکری غصب کر لی اس کو غاصب نے یا کسی اور نے ذبح کر دیا تو غاصب پر ضمان واجب ہوگا لیکن ضمان کے وصول کرنے میں مالک کو اختیار ہے چاہے تو ذبح شدہ بکری کو غاصب کے حوالے کر کے پوری قیمت لے لے یا ذبح شدہ

بکری کو رکھ لے ساتھ جتنی کی ہوئی وہ بھی وصول کر لے۔ یوں ہی اگر کسی نے غصب کے بعد کپڑے کو پھاڑ دیا کہ جس سے اکثر منافع ختم ہو گئے تو تمام کپڑے کی قیمت وصول کر لے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر چیز غاصب کے پاس ہلاک تو نہیں ہوئی بلکہ کچھ نقصان پیدا ہو گیا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ بقدر نقصان ضامن ہوگا۔ نقصان معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے کل قیمت معلوم کی جائے پھر یہ معلوم کیا جائے کہ کتنی قیمت رہ گئی ہے ان کے درمیان جو فرق ہوگا وہ تاوان ہوگا مثلاً بکری کی ٹانگ توڑ دی یا تھوڑا کپڑا پھاڑ دیا کہ جس سے اکثر منافع ختم نہیں ہوئے تو بقدر نقصان قیمت لازم ہوگی۔ خرق کثیر (فاحش) کی حد میں فقہاء کرام کے متعدد اقوال ہیں۔ ۱۔ چوتھائی حصہ ۲۔ نصف حصہ ۳۔ لمبائی میں پھٹا ہو ۴۔ باقی کارآمد ہو۔ ۵۔ جس کو درزی کثیر کہیں ان میں سے امام ترمذی نے ایک قول (۴) لیا ہے جب کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ منفعت کے ساتھ عین کا بھی حصہ فوت ہونا ضروری ہے تب خرق کثیر ہوگا۔ (الصحیح ان الفاحش ما یفوت به بعض العین ولبعض المنفعة "الهدایه" الدر المختار، اللباب)

وَإِذَا تَغَيَّرَتُ الْعَيْنُ الْمَغْصُوبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتَّى زَالَ اسْمُهَا وَعُظُمَ مَنَافِعِهَا زَالَ مِلْكُ الْمَغْصُوبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَضَمِنَهَا إِلَى آخِرِهٖ وَلَمْ يَحِلَّ لَهُ الْإِنْتِفَاعُ بِهَا حَتَّى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا وَهٰذَا كَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَشَوَاهَا أَوْغَصَبَ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا أَوْ حَدِيْدًا فَاتَّخَذَهٗ سَيْفًا أَوْصُفْرًا فَعَمِلَهٗ آنِيَةً وَإِنْ غَصَبَ فِضَّةً أَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيْرَ أَوْ آنِيَةً لَمْ يَزُلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ.

"اور جب عین مغصوب غاصب کے فعل سے اتنی بدل جائے کہ اس کا نام اور اس کے بڑے منافع ختم ہو جائیں تو مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور غاصب اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کا تاوان دے گا اور غاصب کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ غاصب اس کا بدلہ نہ ادا کر دے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح کسی نے بکری غصب کی تو اس کو ذبح کر دیا اور اس کو بھون ڈالا یا پکا دیا یا اس نے گندم غصب کی اور اس کو پیس دیا یا لوہا غصب کیا اس کی تلوار بنالی یا پیتل غصب کیا اور اس کا برتن بنا دیا اور اگر چاندی یا سونا غصب کیا اس کو ڈھال کر درہم یا دینار یا برتن بنا ڈالے تو امام اعظم کے نزدیک مالک کی ملکیت ان سے ختم نہ ہوگی"۔

حل لغات: المغصوب عنها: مراد مالک۔ شوی: ماضی ہے تفعیل سے اس نے بھون لیا۔ طحن: اس نے پیس لیا، صفر: پیتل۔ آنیه: برتن۔

مغصوب چیز میں تبدیلی

قوله: اذا تغیرت الخ: اگر غاصب نے غصب شدہ چیز میں اس طرح کی تبدیلی پیدا کر دی کہ جس سے اس کا نام ہی ختم ہو گیا مثلاً گندم غصب کی اس کو پیس دیا تو اب اس کا نام آٹا ہو گیا جب کہ پہلے نام گندم تھا اگر چہ معنوی طور پر گندم موجود ہے اسی طرح اگر منفعت ختم ہو جائے مثلاً پہلے بونے کی منفعت تھی مگر پیسنے کے بعد بونے کی منفعت ختم ہو گئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ مغصوب چیز مالک کی ملکیت سے نکل کر غاصب کی ملکیت میں چلی گئی اور غاصب پر تاوان واجب ہو گیا لیکن غاصب مالک ہونے کے باوجود

ضمان کی ادائیگی سے قبل اس میں تصرف نہیں کرسکتا یہ مذہب طرفین کا ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ضمان کی ادائیگی سے قبل بھی غاصب کو مالک ہونے کی وجہ سے تصرف کا حق حاصل ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک ضمان دینے سے قبل مالک ہی نہ ہوگا۔ امام قدوری نے غصب شدہ چیز کے نام بدل جانے اور بڑے منافع ختم ہونے پر چار مثالیں پیش کی ہیں۔ پہلی مثال بکری کی پیش کی کہ غاصب نے ذبح کے بعد بھون لی یا پکالیا اور دوسری مثال گندم کی دی کہ اسے پیس لیا اور تیسری مثال لوہے کی دی کہ اس سے تلوار بنالی اور چوتھی مثال پیتل کی دی کہ اس سے برتن بنالیا کہ ان چاروں مثالوں میں نام اور منافع بدل گئے نئے نام اور نئے منافع آگئے تو اب غاصب مالک ہوگیا۔ مالک ہونے کے باوجود تین صورتوں میں سے کسی ایک کے پائے جانے کے ساتھ مغصوب میں تصرف کرسکتا ہے۔ ۱۔ عوض ادا کردے۔ ۲۔ مالک عوض سے بری کردے۔ ۳۔ قاضی ضمان کا فیصلہ کردے۔ یہ مذہب امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے اور ایک روایت امام ابو یوسف کی بھی یہی ہے۔

سونے اور چاندی کا غصب

قولہ: وان غصب فضة الخ: اگر کسی نے سونا یا چاندی غصب کی اس سے دینار یا درہم یا برتن بنالیے تو ان سے مالک کی ملکیت ختم ہوگی یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک مالک کی ملکیت ختم نہ ہوگی جب کہ صاحبین کے نزدیک مالک کی ملکیت ختم ہوجائے گی ان کی دلیل یہ ہے کہ نہ نام باقی ہے اور نہ ہی سابقہ منفعت باقی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ سونے اور چاندی کو کسی بھی حال میں ڈھال دیا جائے اس کی اصل من وجہ باقی رہتی ہے کہ نام باقی ہے اور منفعت باقی ہے اور اعظم منافع منفعت ہے وہ موجود ہے اس لیے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی (المعون علی قول الامام، تقدیم قول امام فی الخانیہ ملتقی الابحر تاخیر قول الامام فی الھدایہ۔ اللباب) اگر سونے یا چاندی کو صرف پگھلایا ہے تو سبھی کے نزدیک مالک کی ملکیت باقی ہے۔

وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنَى عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيمَتُهَا ۔ وَمَنْ غَصَبَ اَرْضًا فَغَرَسَ فِيْهَا اَوْ بَنٰى فِيْهَا قِيْلَ لَهٗ اقْلَعْ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَرُدَّهَا اِلٰى مَالِكِهَا فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ تَنْقُصُ بِقَلْعِ ذٰلِكَ فَلِلْمَالِكِ اَنْ يَّضْمَنَ لَهٗ قِيمَةَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعًا وَيَكُوْنُ الْمَقْلُوْعُ لَهٗ وَمَنْ غَصَبَ ثَوْبًا فَصَبَغَهٗ اَحْمَرَ اَوْ سَوِيْقًا فَلَتَّهٗ بِسَمْنٍ فَصَاحِبُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِيمَةَ ثَوْبِهٖ اَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيْقِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ لِلْغَاصِبِ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَهُمَا وَغَرِمَ مَا زَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ فِيْهِمَا

"اور جس شخص نے شہتیر غصب کیا اور اس سے عمارت بنالی تو اس سے مالک کی ملکیت ختم ہوجائے گی اور غاصب پر اس کی قیمت لازم ہوگی اور جس شخص نے زمین غصب کی اور اس میں درخت لگادیے یا عمارت تعمیر کرلی تو اسے کہا جائے گا کہ اس درخت اور مکان کو اکھاڑ لو اور خالی زمین کو مالک کے حوالے کرو اور اگر اس کے اکھاڑنے سے زمین میں نقصان ہوتا ہے تو

مالک کے لیے جائز ہے کہ جلے اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت غاصب کو دے دے اور جس شخص نے کپڑا غصب کیا اور اسے سرخ رنگ سے رنگ لیا یا ستو غصب کیے پھر ان کو گھی میں مکس کر دیا تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو سفید کپڑے یا ویسے ستو کی قیمت کا غاصب کو ضامن بنادے اور کپڑا اور ستو غاصب کو دے دے اور اگر چاہے تو ان کو اس سے واپس لے لے اور جو رنگ اور گھی زیادہ ہوئے ہیں اس کا ضمان دے دے"۔

حل لغات: ساجة: شہتیر، کڑی۔ غَرَسَ: غرس سے بمعنی درخت لگانا۔ بَنٰی: بنا سے بمعنی عمارت بنانا۔ اِقْلَعْ: قلع سے بمعنی اکھیڑنا۔ یُضَمِّنُ: تضمین سے بمعنی ضامن بنانا۔ مَقْلُوْع: اکھیڑا ہوا۔ صَبْغٌ: رنگنا۔

غصب شدہ شہتیر پر عمارت بنانے کا حکم

قوله: ومن غصب ساجة الخ: اگر کسی نے شہتیر (کڑی مثل بیم) غصب کر لی اور اس کو مکان میں لگا لیا تو آئمہ احناف کے نزدیک مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی ملکیت کا زائل ہونا اس اصول پر نہیں کہ چیز ہلاک ہو گئی یا نام و منفعت تبدیل ہو گئے بلکہ اس اصول پر کہ چیز غاصب کے مال کے ساتھ چپک گئی ہے اگر الگ کرتے ہیں تو غاصب کا بڑا نقصان ہوتا ہے اور مال کے نقصان کا تدارک شہتیر کی قیمت دے کر کیا جائے گا کیونکہ مکان کی قیمت شہتیر سے زیادہ ہے۔ شہتیر کو نکالنے کے ساتھ بڑا نقصان ہوگا جہاں ایک طرف کم نقصان ہوا اور دوسری طرف زیادہ نقصان ہو تو فقہی قاعدہ ہے: اِذَا اجْتَمَعَ الضَّرَرَانِ كَانَ اَحَدُهُمَا اَعْظَمَ ضَرَرًا مِنَ الْاٰخَرِ فَاِنَّ الْاَشَدَّ يُزَالُ بِالْاَخَفِّ (موسوعة القواعد الفقهيه) کہ دو نقصانوں میں سے کم نقصان کو برداشت کیا جائے گا لہٰذا شہتیر کی قیمت ادا کرنے میں کم نقصان ہے۔

غصب شدہ زمین میں عمارت یا درخت لگانا

قوله: ومن غصب رضا الخ: اگر کسی نے زمین غصب کر لی اور اس پر عمارت تعمیر کر لی یا اس پر درخت لگا دیے تو زمین اور عمارت وغیرہ کی قیمت کا موازنہ کیا جائے گا اگر زمین کی قیمت زیادہ ہے تو غاصب کو کہا جائے گا کہ اپنی عمارت وغیرہ کو اکھیڑ لو اور زمین مالک کے حوالے کر دو اگر اکھیڑنے کے ساتھ زمین کا نقصان ہوتا ہو تو مالک غاصب سے مکان کو ملبے اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت پر لے لے۔ اگر عمارت کی قیمت زیادہ ہے تو غاصب کو زمین کی قیمت ادا کرنی ہوگی گزشتہ فقہی قاعدہ کی روشنی میں چھوٹے نقصان کو بڑے پر قربان کیا جائے گا نہ کہ بڑے کو چھوٹے پر۔

مغصوبہ چیز میں قیمت بڑھانے والی زیادتی کا حکم

قوله: ومن غصب ثوبا الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کپڑا غصب کیا اور اسے سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کیا اور ان کو گھی میں ملا دیا تو یہ مسئلہ اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ مغصوبہ چیز میں نقص نہیں بلکہ صفت میں اضافہ ہے لہٰذا مالک کو دو اختیار حاصل ہوں گے کہ مغصوبہ چیز کی قیمت لے کر رنگ شدہ کپڑے اور گھی میں مکس ستو کو غاصب کے حوالے کر دے یا اپنی چیز مع صفت کی زیادتی کے لے لے۔ رنگ اور گھی کا خرچہ دے دے تاکہ دونوں نقصان سے بچ سکیں ہر ایک کو اپنا حق مل سکے۔

وَمَنْ غَصَبَ عَيْنًا فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيْمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيْمَةِ وَالْقَوْلُ فِي الْقِيْمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ إِلَّا أَنْ يُقِيْمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِأَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ فَإِذَا ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَ قِيْمَتُهَا أَكْثَرَ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ أَوْ بِبَيِّنَةٍ أَقَامَهَا أَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِيْنِ فَلَا خِيَارَ لِلْمَالِكِ وَهُوَ لِلْغَاصِبِ وَإِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الضَّمَانَ وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ

"اور کسی شخص نے عین چیز کو غصب کیا اور اس کو غائب کر دیا تو مالک نے اس کو اس کی قیمت کا مالک بنادیا تو غاصب اس کی قیمت دے کر مالک ہو جائے گا اور بات قیمت میں غاصب کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ مگر یہ کہ مالک اس سے زیادہ قیمت پر گواہ قائم کر دے پس جب عین چیز ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے جو ضمان دیا ہے حالت یہ ہے کہ اس چیز کا ضمان مالک کے قول یا گواہ قائم کرنے یا غاصب کے قسم اٹھانے کے انکار سے ہے تو مالک کو کچھ اختیار نہ ہوگا اور وہ غاصب کے لیے ہوگی اور اگر چیز کی قیمت غاصب کے کہنے سے دلوائی تھی قسم کے ساتھ تو مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو ضمان کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو مغصوب چیز کو لے لے اور عوض واپس کر دے۔

حل لغات: عین: کوئی چیز۔ نکول: انکار کرنا۔

تاوان کی ادائیگی کے بعد مغصوبہ چیز کا ظہور

قوله: ومن غصب عينا الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو غائب کر دیا اور اس کی جگہ مالک کو قیمت ادا کر دی تو غاصب چیز کا مالک بن جائے گا اگر چہ غصب سبب ممنوع ہے مگر عوض کی ادائیگی کی وجہ سے ملکیت مالک سے غاصب کی طرف منتقل ہو جائے گی لیکن امام شافعی کے نزدیک سبب ممنوع کی وجہ سے مالک نہیں بنے گا۔

قیمت میں اختلاف ہونے کی صورت میں حکم

قوله: والقول في الخ: جب غصب کردہ چیز کو غائب کرنے کے بعد قیمت کی ادائیگی میں غاصب اور مالک کا اختلاف ہو جائے کہ غاصب کم قیمت دے جبکہ مالک زیادہ کا مطالبہ کرے اگر مالک کے پاس قیمت کی زیادتی پر گواہ موجود ہوں تو ان کے ذریعے قیمت کی زیادتی کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور اگر مالک کے پاس گواہ نہ ہوں تو قسم کے ساتھ غاصب کی بات مانی جائے گی کیونکہ یہاں غاصب زیادتی کا منکر ہے لہٰذا مدعی کے پاس عدم بینہ کی صورت میں مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ اَلْيَمِيْنُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ."

تاوان کی ادائیگی کے بعد قیمت کا زیادہ ظاہر ہونا

قوله: فاذا ظهرت العين الخ: جب مالک کو قیمت ادا کر دی پھر مغصوبہ چیز کو ظاہر کیا پھر معلوم ہوا کہ اس کی قیمت ادا کردہ قیمت سے کہیں زیادہ ہے تو دو صورتوں میں سابقہ ہی قیمت بحال رہے گی ایک یہ کہ مالک کے دعویٰ کے مطابق ادا کی ہو اور

دوسری صورت یہ کہ مالک کے پاس گواہ نہیں تھے تو غاصب نے قسم اٹھانے سے انکار کردیا تو مالک کے قول کے مطابق ادا کی گئی ہو۔ چونکہ مالک سابقہ قیمت پر راضی تھا اس لیے اس سے زیادہ قیمت نہیں دلائی جائے گی اور نہ ہی مالک چیز واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے۔ ایک صورت میں مالک کو اختیار حاصل ہوگا کہ جب قیمت مدعی علیہ (غاصب) کے قسم کھانے کے ساتھ ادا کی گئی ہو چونکہ اس صورت میں مالک کے کہنے پر قیمت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا اس لیے اختیار ہے چاہے سابقہ قیمت ہی بحال رکھے یا چیز کو واپس لے کر وصول کردہ قیمت غاصب کو واپس کردے۔

وَوَلَدُ الْمَغْصُوْبَةِ وَنَمَاؤُهَا وَثَمَرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ اِنْ هَلَكَتْ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَتَعَدّٰى فِيْهَا اَوْ يَطْلُبُهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعَهٗ اِيَّاهَا وَمَا نَقَصَتِ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ فَمِنْ ضَمَانِ الْغَاصِبِ فَاِنْ كَانَ فِيْ قِيْمَةِ الْوَلَدِ وَفَاءٌ بِهٖ جُبِرَ النُّقْصَانُ بِالْوَلَدِ وَ سَقَطَ ضَمَانُهٗ عَنِ الْغَاصِبِ وَلَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَهٗ اِلَّا اَنْ يَنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهٖ لَهٗ فَيَغْرَمَ النُّقْصَانَ وَاِذَا اسْتَهْلَكَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِّ اَوْ خِنْزِيْرَهٗ ضَمِنَ قِيْمَتَهُمَا وَاِنِ اسْتَهْلَكَهُمَا مُسْلِمٌ لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ۔

''اور مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل غاصب کے ہاتھ میں امانت ہے اگر اس کے قبضے سے ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں مگر یہ کہ اس کی جانب سے ظلم ہو یا اس کو مالک طلب کرے تو اسے نہ دے اور لونڈی میں ولادت کے وقت جو کمی آئے وہ غاصب کے ضمان میں ہے پس اگر بچے کی قیمت سے ضمان پورا ہوجائے تو بچہ کی وجہ سے نقصان پورا کیا جائے گا اور غاصب سے ضمان ساقط ہوجائے گا اور غاصب غصب شدہ منافع کا ضامن نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کے استعمال کی وجہ سے نقص پیدا ہوجائے تو نقصان کا تاوان دے گا اور جب مسلمان نے ذمی کی شراب کو یا اس کے خنزیر کو ہلاک کردیا تو ان دونوں کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر ان دونوں کو مسلمان نے مسلمان کی ملک سے ہلاک کردیا تو ضمان نہ ہوگا۔

حل لغات: نماء: بڑھوتری۔ وَفَاءٌ: پورا ہونا۔ جَبْرٌ: پورا کرنا۔

مغصوبہ کی بڑھوتری کا حکم

قوله: وولد المغصوبة الخ: نماء کی تعریف: نماء اس زیادتی کو کہا جاتا ہے جو عین شی سے جدا ہو اور اس کو جدا کیا جاسکتا ہو مثلاً مغصوب جانور کا بچہ، لونڈی کا بچہ، باغ کا پھل وغیرہ۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے عین چیز کو غصب کیا پھر غاصب کے پاس بڑھوتری ہوئی تو یہاں دو صورتیں ہیں کہ چیز تو غصب کے حکم میں ہے کیا بڑھوتری بھی غصب کے حکم میں ہے؟ بڑھوتری بطور امانت ہے غصب نہیں کیونکہ یہ چیز غاصب کے پاس آکر بڑھی لہٰذا جب بڑھوتری امانت ہے تو امانت کے متعلق اصول ہے کہ ''امانت کی ہلاکت پر ضمان نہیں ہوتا بشرطیکہ خود ہلاک نہ کرے''، لیکن جب بڑھوتری کو مالک کے مطالبہ پر اس کو نہ دے تو غصب کے طور پر ہوگی اب اگر خود بھی ہلاک ہوگئی تو ضمان واجب ہوگا۔

مغصوبہ لونڈی میں ولادت کی وجہ سے نقصان کا حکم

قولہ:وما نقصت الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غاصب نے لونڈی غصب کی پھر اس نے غاصب کے پاس بچہ جنم دیا تو بچے کے جنم دینے سے لونڈی کی قیمت میں کمی آئی لیکن بچے کے جنم نے فائدہ بھی دیا کہ مالک کا ایک غلام بڑھ گیا چونکہ یہاں نقصان بھی ہے اور فائدہ بھی ہے لہٰذا اصول یہ ہے کہ "جب نقصان اور فائدہ جمع ہو جائیں تو اولاً نقصان کو فائدے سے پورا کیا جائے گا" لہٰذا غاصب پر نقصان کے ضمان کو بچے سے پورا کیا جائے گا تو ضمان ساقط ہو جائے گا۔

مغصوبہ چیز کے منافع کا حکم

قولہ:ولا یضمن الخ: منافع چیز کی اس صلاحیت کو کہتے ہیں کہ جس سے فوائد و منافع حاصل کیے جائیں۔ مثلاً کسی نے کسی کی گاڑی غصب کر لی اور مالک کو سواری سے محروم کر دیا کہ ایک مہینہ گاڑی کو اپنے پاس رکھے رکھا تو ایک مہینے کے منافع کا تاوان غاصب پر نہیں آئے گا جب تک کہ منافع عقد اجرت نہ ہو۔ اگر گاڑی کو استعمال کرنے کی وجہ سے نقصان ہو گیا تو نقصان کا ضامن ہوگا جب کہ امام شافعی کے نزدیک جتنا کرایہ ایک مہینہ گاڑی کا بنتا ہے اتنا دیا جائے گا اور امام مالک کے نزدیک اگر اس سے نفع اٹھایا ہے تو کرایہ دینا پڑے گا۔ اگر ویسے ہی کھڑی رکھی ہے تو کوئی تاوان نہیں۔

مال غیر متقوم کی ہلاکت

قولہ:واذا ستھلك الخ: اگر کسی مسلمان نے ذمی کے شراب یا خنزیر کو ہلاک کر دیا تو چونکہ یہ ذمی کے نزدیک متقوم ہیں لہٰذا ان کی قیمت واجب ہوگی لیکن اگر مسلمان نے مسلمان کی ملک میں شراب یا خنزیر کو ہلاک کر دیا تو مسلمان کے حق میں مال غیر متقوم کی وجہ سے ضمان نہیں آئے گا۔

كتاب الوديعة

سیاق وسباق

اس سے قبل امام قدوری نے كتاب الغصب کو بیان کیا اب كتاب الوديعه سے ودیعت کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ دونوں میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں مال کسی دوسرے کے پاس ہوتا ہے مگر سببیت میں فرق ہے کہ غصب میں بطور غصب ہے جبکہ ودیعت میں بطور حفاظت ہے۔

ودیعت کا لغوی معنی:

ترک کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

هُوَ تَسْلِيْطُ الْغَيْرِ عَلٰى حِفْظِ مَالِهٖ (الهنديه) جو مال دوسرے کے پاس بطور حفاظت رکھا جائے وہ ودیعت کہلاتا ہے۔

ودیعت اور امانت میں فرق:

ان میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے کہ ودیعت وہ ہے جو دوسرے کے پاس بطور حفاظت رکھی جائے جب کہ امانت عام ہے چاہے خود بطور حفاظت رکھی جائے یا کسی کو کہیں سے ملے۔

ودیعت کا ثبوت:

س کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع تینوں سے ہے۔

امانت کے متعلق اصطلاحات:

۱۔امانت رکھنے والے کو مُودِع کہا جاتا ہے۔ ۲۔جس کے پاس امانت رکھی جائے اسے امین اور مُودَع کہا جاتا ہے ۳۔اور جو چیز رکھی جائے اسے ودیعت کہا جاتا ہے۔

ودیعت کے ارکان:

ایجاب وقبول ہیں چاہے دونوں صراحتاً ہوں کہ میں موبائل امانت رکھتا ہوں دوسرا کہے قبول کرتا ہوں یا ایک صراحتاً ہو اور دوسرا دلالۃً ہو مثلاً موبائل تمہارے پاس امانت رکھتا ہوں دوسرا رکھنے پر خاموش رہا یا دونوں طرف سے ایجاب وقبول دلالۃً ہو رکھنے والا بھی امانت کا لفظ استعمال نہ کرے اور وصول کرنے والا بھی استعمال نہ کرے۔

شرائط:

ودیعت رکھی جانے والی چیز قابل قبضہ بھی ہو اور امانت رکھنے والا عاقل وبالغ بھی ہو۔ حکم متن میں آ رہا ہے۔

الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ فِي يَدِ الْمُودَعِ فَإِذَا هَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْهَا وَلِلْمُودَعِ أَنْ يَحْفَظَهَا بِنَفْسِهِ وَبِمَنْ فِي عِيَالِهِ فَإِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ أَوْ أَوْدَعَهَا ضَمِنَ إِلَّا أَنْ يَقَعَ فِي دَارِهِ حَرِيقٌ فَيُسَلِّمَهَا إِلَى جَارِهِ أَوْ تَكُونَ فِي سَفِينَةٍ فَخَافَ الْغَرَقَ فَيُلْقِيَهَا إِلَى سَفِينَةٍ أُخْرَى لَمْ يَضْمَنْ فَإِنْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ بِمَالِهِ حَتَّى صَارَتْ لَا تَتَمَيَّزُ ضَمِنَهَا فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهَا ضَمِنَ وَإِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهِ مِنْ غَيْرِ فِعْلِهِ فَهُوَ شَرِيكٌ لِصَاحِبِهَا فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُودَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهُ فَخَلَطَهُ بِالْبَاقِي ضَمِنَ الْجَمِيعَ

''ودیعت امین کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا امین کو اختیار ہے کہ اس کی حفاظت خود کرے یا اپنے اہل خانہ سے کرائے لیکن اگر ان کے علاوہ سے کروائی تو ضامن ہوگا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے تو اس کو اپنے پڑوسی کے حوالے کر دے یا امانت کشتی میں ہو کہ اس کو ڈوبنے کا خوف ہو تو اس کو دوسری کشتی میں ڈال دے اور اگر امین نے امانت کو اپنے مال میں اس طرح ملا لیا کہ وہ علیحدہ نہیں ہو سکتی تو اس کا ضامن ہوگا اور اگر مالک نے ودیعت طلب کی اور امین نے اس کو روک لیا جب کہ وہ اسے حوالے کرنے پر قادر ہے تو ضامن ہوگا اور اگر امانت اس کے مال میں خود اس کے عمل کے بغیر مل گئی تو امین مالک کے ساتھ شریک ہوگا اور اگر امین نے کچھ خرچ کر دی اور باقی ضائع ہو گئی تو امین اس مقدار کا ضامن ہوگا اور اگر امین نے کچھ مقدار خرچ کر دی اس کے بعد اسی کے برابر لوٹا کر اس کو باقی میں ملا دی تو اس مقدار کا ضامن ہوگا''۔

حل لغات: عیال: جن پر نان و نفقہ واجب ہو۔ حریق: آگ۔ جار: پڑوسی۔ سفینہ: کشتی۔ انفق: انفاق سے خرچ کرنا۔

ودیعت کا حکم

قولہ: الودیعة امانة الخ: ودیعت جس کے پاس رکھی گئی وہ اس کے پاس امانت ہوتی ہے اور امانت کے متعلق اصول یہ ہے ''اگر امانت بغیر تعدی (ظلم) کے ہلاک ہو جائے تو امین پر ضمان نہیں ہوتا'' لیکن جب امین کی جانب سے تعدی پائی گئی تو ضمان ہوگا۔ مثالیں آگے آرہی ہیں۔

مال ودیعت کی حفاظت

قولہ: وللمودع الخ: ودیعت کی حفاظت کے متعلق اصول یہ ہے کہ ''امین ودیعت کی حفاظت کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کر سکتا ہے جو اپنے مال و متاع کے لیے اختیار کرتا ہے'' لہٰذا اپنے زیر کفالت افراد بیوی، بچے، بھائی بہن وغیرہ سے حفاظت کروا سکتا ہے اسی طرح جس کے پاس اپنا عادۃً مال حفاظت کے لیے رکھتا ہو اگر ان کی نگرانی میں بغیر تعدی کے ودیعت ضائع ہو گئی تو ضمان نہیں لیکن اگر تعدی سے ہلاک ہوئی تو ضمان ہے اگر گزشتہ بیان کردہ اصول کے خلاف ودیعت رکھی گئی تو مطلقاً ضمان ہوگا چاہے ہلاکت تعدی سے ہو یا بغیر تعدی کے۔ اگر حفاظت خطرے میں پڑ جائے مثلاً مکان کو آگ لگ گئی تو ودیعت کو اٹھا کر دوسرے کے مکان میں رکھ دیا یا گاڑی کو آگ لگ گئی

ودیعت دوسری گاڑی میں رکھ دی تو حرج نہیں اگر ودیعت ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں کیونکہ حالت اضطراری ہے۔

وجوب ضمان کی بعض صورتیں

قولہ: وان خالطها الخ: امین نے ودیعت کو اپنے مال کے ساتھ یوں ملا لیا کہ اس کا الگ ہونا ممکن نہیں تو ضامن ہوگا۔ لیکن اگر امین کے عمل کے بغیر چیز مکس ہوگئی تو ہلاکت پر ضمان نہیں تو اب مالک اور امین دونوں ہلاکت میں شریک ہیں۔ ۲۔ مالک نے ودیعت کی واپسی کا مطالبہ کیا اور امین واپس کرنے پر قادر ہونے کے باوجود انکار کر رہا ہے تو اس صورت میں بھی ضمان ہوگا کیونکہ انکار کرنے کی صورت میں اس کی حیثیت غاصب کی ہوگئی اور غاصب پر مغصوب مال کا ضمان واجب ہوتا ہے۔ ۳۔ امین نے ودیعت سے کچھ حصہ خرچ کر دیا باقی حصہ ہلاک ہوگیا تو خرچ شدہ مقدار کا ضامن ہوگا۔ باقی کا ضامن نہ ہوگا لیکن اگر خرچ شدہ حصہ کو پورا کر دیا اب یہ باقی ودیعت میں مکس ہوگیا اب ودیعت ہلاک ہوگئی تو کل کا ضامن ہوگا کیونکہ اصول یہ ہے کہ "جب اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملا لیا تو امین ضامن ہوگا" لہٰذا ودیعت کی ہلاکت پر کل کا ضامن ہوگا۔

وَإِذَا تَعَدَّى الْمُودَعُ فِي الْوَدِيعَةِ بِأَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا أَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهُ أَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهُ أَوْ أَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهِ ثُمَّ أَزَالَ التَّعَدِّيَ وَرَدَّهَا إِلَى يَدِهِ زَالَ الضَّمَانُ وَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهُ إِيَّاهَا ضَمِنَهَا فَإِنْ عَادَ إِلَى الْاِعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ مِنَ الضَّمَانِ وَلِلْمُودَعِ أَنْ يُسَافِرَ الْوَدِيعَةِ، وَإِنْ كَانَ لَهَا حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا أَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِيعَةً ثُمَّ حَضَرَ أَحَدُهُمَا يَطْلُبُ نَصِيبَهُ مِنْهَا لَمْ يُدْفَعْ إِلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهَا حَتَّى يَحْضُرَ الْآخَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَدْفَعُ إِلَيْهِ نَصِيبَهُ

"اور جب مودع نے ودیعت میں تعدی کی مثلاً وہ ودیعت کوئی جانور تھا وہ اس پر سوار ہوگیا یا کپڑا تھا تو اسے پہن لیا یا غلام تھا تو اس نے اس سے خدمت لے لی یا اس کو کسی اور کے پاس ودیعت رکھ دیا پھر اس نے تعدی کو ختم کر دیا اور اس کو اپنے پاس لوٹا لیا تو ضمان ختم ہو جائے گا اور اگر مالک نے ودیعت کا مودع سے مطالبہ کیا اور اس نے اس کے ودیعت ہونے سے انکار کر دیا تو اس کا ضامن ہوگا پھر اگر اس نے اس کا اقرار بھی کر لیا تب وہ ضمان سے بری نہ ہوگا اور مودع کے لیے ودیعت کو سفر پر لے جانا جائز ہے اگرچہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو اور جب دو آدمیوں نے کسی آدمی کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی پھر ان میں سے ایک اپنے حصے کا مطالبہ کرنے لگا تو امام اعظم کے نزدیک وہ اس کو کچھ نہ دے گا یہاں تک کہ دوسرا آجائے اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ اس کا حصہ دے دے"۔

تعدی کا زائل ہو جانا

قولہ: واذا تعدی الخ: اصول یہ ہے کہ "جب ودیعت سے تعدی زائل ہو جائے بشرطیکہ کوئی نقص نہ آیا ہو تو ضمان کا حکم اٹھ جاتا ہے" لہٰذا کسی نے کسی جانور یا گاڑی کو ودیعت رکھا اور امین اس پر سوار ہوگیا یا کپڑا تھا کہ اس کو پہن لیا یا غلام تھا کہ اس سے خدمت لے لی یا مال ودیعت کو کسی دوسرے کے پاس رکھ دیا اسی طرح کوئی بھی تعدی کی صورت اختیار کی پھر اس تعدی کو ختم کر دیا

پھر اس کو پہلی ہی حالت پر واپس کر دیا تو جو پہلے ضمان تعدی کی وجہ سے آیا تھا اب ختم ہو گیا لہٰذا اس کے بعد ودیعت کی ہلاکت پر اس کا ضامن نہ ہوگا جب کہ امام شافعی کے نزدیک تعدی ختم کرنے کے باوجود ضامن ہوگا کہ ایک مرتبہ موجب ضمان پایا گیا۔

ودیعت کی واپسی پر انکار

قولہ:فان طلب ھا الخ: اگر مالک نے اس سے ودیعت کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اس نے کہا کہ میرے پاس کب رکھی ہے؟ اگر اب ودیعت اس کے قبضہ سے ہلاک ہو اگرچہ بغیر تعدی کے تب بھی ضامن ہوگا اگرچہ کہتا رہے کہ میری تعدی کے بغیر ہلاک ہوئی ہے کیونکہ جب اس نے ودیعت کا ہی اولاً انکار کر دیا تو وہ امین نہ رہا لہٰذا جب دوبارہ اس کو امین بنایا ہی نہیں تو امین نہ ہوگا تو ضامن ہوگا۔

ودیعت کو سفر پر لے جانا

قولہ:وللمودع الخ: امین ودیعت کو سفر پر لے جانا چاہے تو لے جا سکتا ہے کیونکہ مطلق حفاظت سفر و حضر دونوں کو شامل ہے اگرچہ لے جانے میں مشقت ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ مسئلہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مالک نے سفر پر لے جانے سے صراحتاً منع نہ کیا ہو یا سفر میں چوری ہونے کا خطرہ ہو تو نہیں لے جا سکتا کیونکہ صاحب مال کی طرف سے شرط کے متعلق اصول یہ ہے کہ ''اگر شرط ودیعت کی حفاظت کے لیے مفید اور ممکن العمل ہو تو اس کی رعایت کرنا امین پر واجب ہے'' ورنہ مخالفت پر ضمان واجب ہوگا اگر نہ ہی مفید ہے اور نہ ہی ممکن العمل ہے تو رعایت ضروری نہیں۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک عرف کا اعتبار ہے کہ عرف میں ودیعت کو سفر میں ساتھ نہیں لے جایا جاتا۔

دو افراد کا ایک کے پاس ودیعت رکھنا

قولہ:واذا اودع الخ: اگر دو افراد نے مشترکہ طور پر ایک چیز ایک شخص کے پاس امانت رکھی تو ایک نے آ کر امین سے مطالبہ کیا کہ میرا حصہ مجھے دے دو کیا اس ایک کو دے سکتا ہے؟ اس میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک جب تک دونوں نہ آ جائیں کسی ایک کو اس کا حصہ دینا جائز نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک شریک کو اس کا حصہ دینا جائز ہے بشرطیکہ ودیعت مکیلی یا موزونی چیز ہو اگر غیر مکیلی و موزونی ہو تو ان کے نزدیک بھی شریک ثانی کے بغیر دینا جائز نہیں۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ امین کو مال کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے نہ کہ اس کو تقسیم کرنے پر۔(تقدیم قول الامام فی الملتقی الابحر، الاقتصار علی قول امام فی المعون)

وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَیْنِ شَیْئًا مِمَّا یُقْسَمُ لَمْ یَجُزْ اَنْ تَدْفَعَهُ اَحَدُهُمَا اِلَی الْاٰخَرِ وَلٰكِنَّهُمَا یَقْتَسِمَانِهٖ وَیَحْفَظُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفَهُ، وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَا یُقْسَمُ جَازَ اَنْ یَحْفَظَهُ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ صَاحِبِهٖ وَاِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِیْعَةِ لَا تُسَلِّمْهَا اِلٰی زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَیْهَا لَمْ یَضْمَنْ وَاِنْ قَالَ لَهٗ احْفَظْهَا فِیْ هٰذَا الْبَیْتِ فَحَفِظَهَا فِیْ بَیْتٍ آخَرَ مِنْ تِلْكَ الدَّارِ لَمْ یَضْمَنْ

وَاِنْ حَفِظَهَا فِیْ دَارٍ اُخْرٰی ضَمِنَ،

''اور اگر ایک شخص نے دو کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہے تو یہ جائز نہیں ہے کہ ان میں سے ساری چیز دوسرے کو دے دے اور لیکن وہ اسے تقسیم کر لیں پس ان میں سے ہر ایک اپنے نصف حصے کی حفاظت کرے اور اگر وہ ایسی چیز ہے جو تقسیم نہیں ہو سکتی تو جائز ہے یہ کہ ان میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے ساتھ حفاظت کرے اور جب ودیعت کے مالک نے مودع سے کہا کہ یہ ودیعت اپنی بیوی کے حوالے نہ کرنا پھر اس نے بیوی کو دے دی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے اسے کہا تو اس کی اس گھر میں حفاظت کر تو اس نے اس گھر کے دوسرے کمرے میں حفاظت کی ضامن نہ ہوگا اور اگر اس نے کسی اور گھر میں حفاظت کی تو ضامن ہوگا''۔

ایک کا دو افراد کے پاس ودیعت رکھنا:

قولہ:وان اودع الخ:اگر ایک شخص نے ودیعت دو افراد کے پاس رکھی تو جائز ہے پھر ودیعت کی دو صورتیں ہیں کہ وہ قابل تقسیم ہے یا نہیں اگر قابل تقسیم ہے تو ہر ایک اپنے حصے کی حفاظت کرے گا دوسرے کے پاس رکھنا درست نہ ہوگا یہ مسئلہ امام اعظم کے نزدیک ہے کہ ان کا اصول یہ ہے کہ'' مالک نے دونوں پر اعتماد کیا ہے نہ کہ ایک پر'' لہٰذا دوسرے کو دینا جائز نہ ہوگا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں پر اعتماد کرنا گویا ایک پر اعتماد کرنا ہے لہٰذا دوسرے کے پاس رکھنا جائز ہے فتویٰ متن کے مسئلہ پر ہی ہے جو امام اعظم کا قول ہے اگر وہ چیز نا قابل تقسیم ہے تو مجبوری کے طور پر ایک امین کی اجازت سے دوسرے امین کی حفاظت میں رکھ سکتا ہے۔ مجبوری کی حالت میں ایک پر اعتماد کی ضرورت وحاجت ہے۔

امین کی خلاف ورزی:

قولہ:واذا قال:اگر مالک ودیعت کی حفاظت کے لیے ایسی شرط لگاتا ہے جو ممکن العمل نہ ہو مثلاً کہ اپنی بیوی کی حفاظت میں نہ دینا حالانکہ اس کی بیوی امانت دار اور مستعد ہے تو یہ شرط قابل رعایت نہیں لہٰذا اہل وعیال کو نہ دینے کی شرط لگانا درست نہیں کیونکہ ان سے حفاظت کروانا امین کی مجبوری ہے لیکن ایسی چیز ہے کہ جس کی حفاظت ان کی نگرانی میں دینے سے صراحتاً ہلاکت کا خطرہ ہے تو شرط کا لحاظ ضروری ہوگا۔

یا اس کی شرط مفید نہ ہو مثلاً کہ فلاں کمرے میں رکھنا اور فلاں میں نہ رکھنا حالانکہ حفاظت کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں لیکن اگر حفاظت کے لحاظ سے فرق ہے تو مالک کی شرط کا لحاظ کرنا ضروری ہے ورنہ ہلاک ہونے کی صورت میں اس پر ضمان آئے گا اسی طرح اگر مقرر کردہ گھر کے علاوہ دوسرے میں رکھ دیا تو بھی ضامن ہوگا کہ حفاظت کے اعتبار سے گھروں کی کنڈیشن مختلف ہوتی ہے۔

كتاب العارية

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے كتاب الوديعة کو بیان کیا اب كتاب العارية کا آغاز کر رہے ہیں ان کے درمیان وجہ مناسبت یہ ہے کہ دونوں امانت ہونے میں مشترک ہیں لیکن عاریت کو ودیعت سے اس لیے موخر کیا کہ ودیعت امانت بلاتملیک ہے جب کہ عاریت تملیک المنافع ہے تو ودیعت بہ نسبت عاریت کے اعلیٰ ہے اس لیے پہلے ودیعت کو بیان کیا۔

عاریت کا لغوی معنی:

عاریت کی لغوی تحقیق میں اختلاف ہے۔ صاحب نہایہ نے عاریت کو عار کی طرف منسوب ہونے کو درست کہا ہے کہ حضور ﷺ سے عاریت پر طلب کرنا ثابت ہے اور عاریت کا لغوی معنی عوض سے خالی ہونا۔

اصلاحی معنی:

"تَمْلِيْكُ الْمَنَافِعِ بِلَا عِوَضٍ" بغیر عوض کے نفع اٹھانے کی اجازت دینے کا نام عاریت ہے۔

عاریت کا ثبوت:

عاریت کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس سے ہے۔

عاریت کے ارکان:

ایجاب وقبول ہے کہ شیخین کے نزدیک پیشکش ضروری ہے اور دوسرے کی طرف سے صراحتاً قبول کرنا ضروری نہیں بلکہ عملاً بھی کافی ہے۔

عاریت کی شرط:

جو چیز عاریت پر دی جارہی ہے وہ قابل انتفاع ہو اور مالک کی ملکیت میں باقی رہے۔

عاریت کے متعلق اصطلاحات:

جہاں عاریت ہوگی وہاں دو افراد اور ایک شی ہوگی عاریت پر دینے والے کو "مُعِیر" اور جس کو استعمال کے لیے دی گئی اسے "مُستعیر" اور اس چیز کو "مُستعار" کہا جاتا ہے۔

اَلْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ وَ هِيَ تَمْلِيْكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ وَتَصِحُّ بِقَوْلِهٖ اَعَرْتُكَ وَاَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْاَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ وَاَخْدَمْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ وَدَارِيْ لَكَ سُكْنٰى وَدَارِيْ لَكَ عُمْرٰى سُكْنٰى وَلِلْمُعِيْرِ اَنْ يَّرْجِعَ فِي الْعَارِيَةِ مَتٰى

شَاءَ وَالْعَارِيَّةُ اَمَانَةٌ اِنْ هَلَكَتْ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنْ وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيْرِ اَنْ يُّؤَجِّرَ مَا اسْتَعَارَهُ وَلَهٗ اَنْ يُّعِيْرَهٗ اِذَا كَانَ لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ

''عاریت جائز ہے اور وہ بغیر عوض کے منافع کا مالک بنانا ہے اور عاریت درست ہوتی ہے اس قول سے کہ میں نے تم کو عاریت پر دیا اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے کے لیے دی اور میں نے یہ کپڑا تم کو بخش دیا اور میں نے تم کو اس جانور پر سوار کیا جب کہ وہ اس سے ہبہ کی نیت نہ کرے کہ تم کو یہ غلام خدمت کے لیے دے دیا، یا میرا گھر تیرے رہنے کے لیے ہے، یا میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لیے ہے۔ عاریت پر دینے والے کو حق ہے کہ عاریت کو واپس کر لے جب وہ چاہے اور عاریت مستعیر کے پاس امانت رہے گی اگر ہلاک ہو جائے بغیر زیادتی کے تو مستعیر پر ضمان نہیں آئے گا اور مستعیر کو یہ حق نہیں کہ جس چیز کو عاریت پر لیا ہے اس کو اجرت پر دے پس اگر اس نے اس کو اجرت پر دیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو ضامن ہو گا اور مستعیر کو یہ حق ہے کہ اس شی کو عاریت پر دے جب کہ شی مستعار ایسی چیزوں میں سے ہو جو استعمال کرنے والوں کے اختلاف سے نہ بدلتی ہو''۔

عاریت کی تعریف:

قولہ:العاریۃ الخ: ''منافع کا بغیر عوض کے مالک بنانا عاریت کہلاتا ہے'' لٰہذا اس تعریف سے اجارہ نکل گیا کہ اس میں منافع کا عوض ہوتا ہے اور ہبہ بھی خارج ہو گیا کہ اس میں اصل شی کا بغیر عوض کے مالک بنانا ہے اور بیع بھی نکل گئی کہ عوض لے کر اصل شی کا مالک بنانا ہے۔

انعقاد عاریت کے لیے الفاظ:

قولہ:وتصح لقولها الخ: امام قدوری نے سات ایسے الفاظ ذکر کیے ہیں کہ جن سے عاریت کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ امام قدوری کی ان مثالوں سے یہ اصول مترشح ہوتا ہے کہ عاریت کے لیے خاص لفظ کا استعمال ضروری نہیں بلکہ ''ہر وہ لفظ جو عاریت کے مقصد و منشا کو واضح کرے اس سے عاریت کا انعقاد ہو جاتا ہے''۔

سات مثالوں میں سے دو مثالیں منحتك اور حملتك عاریت اور ہبہ کے درمیان مشترک ہیں ان کے متعلق اصول یہ ہے کہ ''ہر وہ الفاظ جو ہبہ اور عاریت دونوں کا مفہوم رکھتے ہوں تو ان میں قائل کی نیت کا اعتبار ہو گا'' اسی وجہ سے مصنف نے فرمایا کہ اگر ہبہ کی نیت نہ کی ہو تو عاریت پر محمول کریں گے۔ باقی مثالوں کا ترجمہ متن کے ترجمہ سے دیکھ لیا جائے۔

مُعیر کو رجوع کا حق:

قولہ:وللمعیر الخ: چونکہ عاریت پر دی ہوئی چیز کے نفع کا عوض نہیں لیا جاتا اس لیے وہ غیر لازم ہوئی لٰہذا احناف کے نزدیک معیر (عاریت پر دینے والے) کو یہ اختیار حاصل رہے گا کہ وہ جب چاہے شی مستعار کو واپس لے سکتا ہے جب کہ عاریت مطلق ہو۔ اگر عاریت مقید ہے تو شرط کا لحاظ ضروری ہو گا بشرطیکہ مستعیر کو نقصان ہوتا ہو اگر واپس لینا ضروری ہو تو معیر نقصان ادا کرے گا۔

عاریت کے متعلق احکام:

قولہ:والعاریۃ الخ: امام قدوری یہاں سے عاریت کے چند احکام بیان فرما رہے ہیں۔۱۔احناف کے نزدیک عاریت کا مال مستعیر کے قبضہ میں امانت ہے بغیر تعدی کے ہلاک ہونے پر مستعیر پر ضمان نہ ہوگا اگر تعدی ہو تو ضمان ہوگا تعدی کی وہی صورتیں ہیں جو ودیعت میں گزریں۔ نیز عاریت موقت کی صورت میں وقت پر واپس نہ کرنا بھی تعدی ہے جبکہ امام شافعی کے نزدیک ہلاکت پر مطلقاً ضمان آئے گا اور امام احمد کی دو روایتیں ہیں۔

دور حاضر میں عاریت میں لوگوں کا رجحان:

موجودہ دور میں جھوٹ وفراڈ عام ہے، دیانتداری کا فقدان ہے کہ چیز کو خود غائب کر دیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ بغیر کوتاہی کے ہلاک ہوگئی ہے حالات کے تناظر میں بعض اہل علم نے لوگوں کی چیزوں کی حفاظت کی خاطر مصلحۃً مالک کی طرف سے ہلاک ہونے پر ضمان کی شرط کو جائز قرار دیا ہے جو ھرہ نیرہ کے مصنف نے اس کو معتبر مانا ہے۔

۲۔مستعیر عاریت پر دی گئی چیز کو خود استعمال کر سکتا ہے مگر آگے کرائے پر نہیں دے سکتا اگر کرائے پر دی تو بغیر تعدی کی صورت میں ہلاکت پر ضمان لازم ہوگا۔

۳۔مستعیر شی مستعار کو آگے عاریت پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مستعار چیز مستعمل کے بدلنے سے بدل سکتی ہے تو آگے عاریت پر نہیں دے سکتا اگر دے گا تو ضامن ہوگا اگر استعمال سے فرق نہیں آتا تو دے سکتا ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک آگے عاریت پر مطلقاً دینا جائز نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعارہ میں صرف منافع کی اباحت ہے جب کہ احناف کے نزدیک اعارہ میں منافع کی تملیک ہے اس لیے مستعیر دوسرے کو مالک بنانے کا اہل ہے۔

ودیعت اور عاریت میں فرق:

ودیعت کو ودیعت نہیں رکھا جا سکتا جب کہ عاریت کو عاریت اور ودیعت دونوں رکھا جا سکتا ہے۔

وَعَارِيَّةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ قَرْضٌ، وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضًا لِيَبْنِيَ فِيهَا أَوْ يَغْرِسَ نَخْلًا جَازَ وَلِلْمُعِيرِ أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا وَيُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ فَإِنْ لَمْ يُوقِفِ الْعَارِيَّةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَإِنْ وَقَّتَ الْعَارِيَّةَ فَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيرُ مَا نَقَصَ الْبِنَاءُ وَالْغَرْسُ بِالْقَلْعِ وَأُجْرَةُ الْعَارِيَّةِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَأْجَرَةِ عَلَى الْمُؤَجِّرِ وَأُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ وَإِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا إِلَى إِصْطَبْلِ صَاحِبِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ وَإِنِ اسْتَعَارَ عَيْنًا فَرَدَّهَا إِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا إِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ. وَإِنْ رَدَّ الْوَدِيعَةَ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا إِلَيْهِ ضَمِنَ وَاللهُ أَعْلَمُ

''اور دراہم اور دنانیر، مکیلی اور موزونی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے اور اگر کسی نے زمین عاریت پر لی تا کہ اس میں

مکان تعمیر کرے یا اس میں کوئی درخت لگائے تو جائز ہے اور معیر کے لیے جائز ہے کہ اس کو واپس لے لے اور مستعیر کو عمارت گرانے اور درخت اکھاڑنے پر مجبور کرے اور اگر معیر نے عاریت کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا تو معیر پر کوئی ضمان نہیں آئے گا اور اگر عاریت کا کوئی وقت معین کر دیا اور وقت سے پہلے لینے لگا تو معیر مستعیر کے لیے اس نقصان کا ضامن ہوگا جو عمارت توڑنے اور درخت اکھیڑنے سے ہوا ہے اور عاریت واپس کرنے کی مزدوری مستعیر کے ذمہ ہے اور کرائے پر لی ہوئی چیز کی مزدوری موجر پر ہے اور غصب کی ہوئی چیز کی واپسی کی مزدوری غاصب پر ہے اور ودیعت پر رکھی ہوئی چیز کی مزدوری امانت رکھنے والے پر ہے اور اگر کسی نے سواری مانگ کر لی پھر اس کو اصطبل تک پہنچا دیا پھر وہ ہلاک ہو گئی تو مستعیر ضامن نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز عاریت لے لی اور مالک کے گھر پہنچا دیا اور مالک کے حوالے نہیں کی تو ضامن نہ ہوگا اور اگر ودیعت کو مالک کے گھر پہنچا دیا اور مالک کے حوالے نہیں کیا تو ضامن ہوگا"۔ واللہ اعلم۔

حل لغات: یکلف: تکلیف سے بمعنی مشکل کام کا حکم دینا۔ وقت: توقیت سے بمعنی وقت مقرر کرنا۔ اصطبل: گھوڑے باندھنے کی جگہ۔

عاریت حکماً قرض:

قولہ: وعارية الدراهم الخ: اگر کسی نے درہم دینار کرنسی یا مکیلی وموزونی چیز میں سے کوئی چیز عاریۃً لی تو یہ حکماً قرض ہوگی کیونکہ اصول یہ ہے کہ "ہر وہ چیز جس میں نفع اٹھانا عین کے استہلاک کے بغیر ممکن نہ ہو تو ان میں عاریت حکماً قرض ہوتی ہے" چونکہ عاریت میں عین چیز تو باقی رہتی ہے اس سے نفع اٹھایا جاتا ہے جب کہ کرنسی اور آٹا، چینی وغیرہ کو خرچ کر کے ہی نفع اٹھایا جا سکتا ہے لہٰذا یہ چیز عاریت کہہ کر بھی قرض ہی ہوں گی لیکن عین مال کو تلف کرنے کی ضرورت نہیں پھر بعینہ اسی کو واپس کرنا ضروری ہوگا کہ وہ قرض نہیں کیونکہ قرض کو ہلاک کر کے اس کی مثل دیا جاتا ہے۔

زمین عمارت یا درخت لگانے کے لیے عاریۃً لینا:

قولہ: واذا استعار الخ: اگر کسی نے زمین عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لیے عاریۃً لی زمین کا عاریۃً لینا دو حال سے خالی نہیں کہ عاریت مطلقہ ہے یا عاریت مؤقتہ اگر عاریت مطلقہ ہے تو مالک (معیر) کو اختیار ہے کہ مستعیر کو کہے کہ اپنی عمارت اور درختوں کو اکھیڑ لے اور نقصان کا ذمہ دار مالک نہ ہوگا کیونکہ دھوکہ مستعیر نے خود کھایا کہ مالک نے عاریت مطلقہ کے طور پر زمین دی ہے کہ جس پر معیر خود راضی ہوگا لیکن اگر عاریت کا وقت مقرر تھا کہ اتنے سال کے لیے زمین تجھے عاریۃً دیتا ہوں اور بیان کردہ سالوں سے قبل تو وعدہ خلافی ہوگی تاہم واپس تو لے سکتا ہے مگر عمارت توڑنے اور درخت اکھاڑنے کے نقصان کا تاوان معیر مستعیر کو ادا کرے گا مثلاً ۱۵ سال کے بعد مکان اور درختوں کی قیمت بیس لاکھ ہوتی مگر ۵ سال قبل ہی زمین واپس لینا چاہتا ہے تو ۱۰ اور ۱۵ کے درمیان جو فرق قیمت کا آئے گا وہ معیر ادا کرے گا۔ نیز عاریت مطلقہ اور عاریت مقیدہ سے نفع اٹھانے کے متعلق اصول یہ ہے "عاریۃً مطلقہ میں شی مستعار سے نفع اٹھانے کی تحدید عرف پر محمول ہوگی جب کہ عاریت مقیدہ میں مستعیر کی شرط کے

ساتھ مقید ہوگی"۔

واپسی کی اجرت کس پر؟:

قولہ:واجرۃ مرد الخ:امام قدوری یہاں سے یہ بیان کر رہے ہیں کہ چیز کو واپس کرنے کے اخراجات کس پر ہوں گے؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "جس پر شی کی واپسی واجب ہو اسی پر اس کے اخراجات بھی لازم ہوں گے" لہٰذا مستعار چیز کی واپسی مستعیر پر واجب ہے کیونکہ اس نے صفت نفع حاصل کی ہے۔ اسی طرح مستاجر شی کی واپسی کرائے پر دینے والے (موجر) پر واجب ہے اس نے شی کا کرایہ لیا ہے اسی طرح مغصوب چیز کی واپسی غاصب پر واجب ہے اور اسی طرح ودیعت کی واپسی مالک پر ہے لہٰذا جو جس چیز پر واجب ہے اس کی اجرت اور اخراجات بھی اسی پر واجب ہوں گے۔

برأت کا وقت:

قولہ:واذا استعار الخ:اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "شی مستعار کو ایسی جگہ پر پہنچا دیا جہاں مالک کا قبضہ شمار ہوتا ہو تو مستعیر بری الذمہ ہو جائے گا" لہٰذا اگر کسی نے گھوڑا عاریۃً لیا پھر اس کو مالک کے اصطبل تک پہنچا دیا پھر وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا اسی طرح کوئی چیز (کدال) عاریۃً لی پھر اس کو مالک کے گھر تک پہنچا دیا لیکن مالک کے حوالے نہیں کی تو ہلاکت کا ضامن نہ ہوگا کہ مالک کے گھر میں دینا مالک کا قبضہ شمار ہوتا ہے لیکن اگر امانت کی چیز گھر پہنچائی مگر مالک کو سپرد نہ کی اس کی ہلاکت پر ضامن ہوگا کیونکہ امانت رکھنے والے نے مالک کو دینے کے بجائے گھر والوں کو دے دی جو مقصود کے خلاف ہے کہ اس نے اس کے پاس اس لیے رکھائی تھی کہ اس پر اعتماد تھا نہ کہ گھر والوں پر لہٰذا امین ضامن ہوگا۔

کتاب اللقیط

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے عاریت کے احکام کو بیان فرمایا اب لقیط کے احکام کا آغاز کر رہے ہیں۔

لقیط کا لغوی معنی:

لقیط فعیل کے وزن پر اسم مفعول ملقوط کے معنی میں ہے کہ جس طرح جریح بمعنی مجروح اور قتیل بمعنی مقتول وغیرہ۔ لہٰذا لقیط کا معنی گری پڑی چیز۔

اصطلاحی معنی:

شریعت میں لقیط اس نابالغ بچے کو کہا جاتا ہے کہ جس کو والدین نے پرورش سے بچنے یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لیے زندہ پھینک دیا ہو۔

لقیط کو اٹھانے کی شرعی حیثیت:

بچے کو اٹھالینا فرض کفایہ ہے، اگر ہلاکت کا اندیشہ ہو تو واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔

اس کا ثبوت:

لقیط کا ثبوت قرآن مجید، حدیث رسول اور اجماع تینوں سے ہے۔

اَللَّقِيطُ حُرٌّ وَنَفَقَتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ فَإِنِ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ أَنْ يَأْخُذَهُ مِنْ يَدِهِ فَإِنْ ادَّعَى مُدَّعٍ أَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ فَإِنْ ادَّعَاهُ اثْنَانِ وَوَصَفَ أَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِي جَسَدِهِ فَهُوَ أَوْلَى بِهِ وَإِذَا وُجِدَ فِي مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ أَوْ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَاهُمْ فَادَّعَى ذِمِّيٌّ أَنَّهُ ابْنُهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِمًا وَإِنْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى أَهْلِ الذِّمَّةِ أَوْ فِي بِيعَةٍ أَوْ كَنِيسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا،

''لقیط آزاد ہے اور اس کا نان ونفقہ بیت المال سے ہے اور اگر اس کو کسی شخص نے اٹھالیا تو دوسرے کو اختیار نہیں کہ اس کو اس سے لے لے۔ پس اگر کسی نے اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر دیا تو قسم کے ساتھ اس کی بات تسلیم کی جائے گی اور اگر دو شخصوں نے بیٹے کا دعویٰ کیا اور ان میں سے ایک نے جسم میں نشانی بتادی تو وہ بیٹے کا زیادہ حق دار ہے اور جب لقیط مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں پایا گیا یا ان کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں پھر کسی ذمی نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ بچہ اس کا ہے تو نسب ذمی سے ہوگا اور بچہ مسلمان کا ہوگا اور اگر بچہ ذمیوں کے کسی گاؤں میں پایا گیا یا کسی مندر یا کسی گرجا گھر میں تو وہ ذمی ہوگا''۔

حل لغات: اللقیط: لاوارث بچہ۔ التقط اِلْتِقَاط سے بمعنی اٹھالینا۔ اَمصار: جمع ہے مصر کی بمعنی شہر۔ قُرٰی: جمع ہے قریہ کی بمعنی گاؤں۔ بِیعَۃٌ: مندر، کنیسۃ، گرجا گھر۔

لقیط کا حکم:

قولہ: اللقیط حر: امام قدوری نے فرمایا کہ لقیط آزاد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بنی آدم اصل میں آزاد ہے اور غلام ہونا امر عارض ہے جب امر عارض پر دلیل نہ ہو تو شی اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے لہٰذا دارالاسلام میں آزاد ہی تصور ہوگا۔

نان ونفقہ اور لقیط پر ملک:

قولہ: ونفقۃ الخ: لقیط پر خرچ وہی کرے گا جس نے اسے اٹھایا ہے اور یہ خرچ بطور تبرع ہوگا یہ قابل ضمان نہیں لیکن اگر قاضی کی اجازت سے ہو تو قابل ضمان بن جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو تو سرکاری بیت المال سے نان ونفقہ لیا جائے گا اور اس کی میراث بھی بیت المال میں جمع ہوگی اور دیگر جنایات کا تاوان بھی بیت المال سے دلایا جائے گا اور جس نے اٹھایا ہے اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کو دینا جائز نہیں۔

لقیط کے نسب کا دعویٰ

قولہ: فان ادعی الخ: اگر کسی نے دعویٰ کر دیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس کے پاس نہ گواہ ہوں اور نہ ہی ظاہر میں جھوٹ کی کوئی وجہ ہو تو قسم کے ساتھ اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔ چاہے مدعی مسلمان ہو یا کافر۔ اس لیے کہ اس میں بچے کا فائدہ ہے کہ مجہول النسب نہ رہے گا اور شرافتِ نسب بھی حاصل ہو جائے گی اور خود مدعی کا بھی فائدہ ہے کہ اس سے اس کو تقویت ملے گی اصول یہ ہے کہ ''جس دعویٰ میں مدعی کا فائدہ ہو اور دوسرے کا نقصان نہ ہو تو اسے بغیر ثبوت کے بھی قبول کیا جا سکتا ہے'' اگر ملتقط (اٹھانے والا) نسب کا دعویٰ کرے تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا لیکن اگر عورت نسب کا دعویٰ کرے تو تین امور میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔ ۱۔ شوہر تصدیق کرے ۲۔ دائی گواہی دے۔ ۳۔ دو گواہ پیش کرے کیونکہ عورت محض دعویٰ نسب نہیں کر رہی بلکہ شوہر کی طرف باپ ہونے کی نسبت کرتی ہے۔ اگر دو شخصوں نے دعویٰ نسب کر دیا اور ایک نے جسمانی علامت بتا دی تو بچہ اس کا ہوگا بشرطیکہ اس سے قبل نسب کا فیصلہ نہ ہوا ہو۔ اگر مسلمانوں کی آبادی سے بچہ ملا اور کسی ذمی (کافر) نے دعویٰ نسب کر دیا تو بچہ کا نسب ذمی سے ثابت ہو جائے گا اگرچہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ذمی سے نسب ثابت نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس لقیط سے اسلام کی نفی ہوتی ہے حالانکہ مسلمانوں کے علاقے میں پایا گیا مگر استحسان کی بنا پر قیاس کو ترک کر دیا کہ کافر کا دعویٰ دو چیزوں کو شامل ہے ایک تو نسب کا کہ جس میں بچے کا فائدہ ہے کہ معروف النسب ہو جائے گا دوسری چیز اسلام کی نفی ہے کہ جس میں لقیط کو نقصان ہے لیکن کافر سے نسب ثابت ہونے سے لقیط کا کافر ہونا لازم نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ صغیر تو مسلمان ہو مگر والد کافر ہو لہٰذا ہم دعویٰ نسب کی بنا پر نسب کو اسی سے ثابت مانیں گے اور جس پہلو میں لقیط کا نقصان ہے اس کا انکار کریں گے لہٰذا بچہ تو مسلمان ہی رہے گا۔ اگر لقیط ذمیوں کے علاقے میں پایا گیا تو نسب ذمی سے ثابت ہوگا اسی طرح مندر یا گرجا گھر سے ملا تب بھی یہی حکم ہے لیکن ایک روایت یہ بھی ہے کہ اعتبار جگہ کا نہیں بلکہ اٹھانے والے کا ہے اگر اٹھانے والا مسلمان ہے تو بچہ بھی مسلمان اگر اٹھانے والا ذمی ہے تو بچہ بھی ذمی ہوگا اور بعض نے تو بچہ کی بھلائی کا اعتبار کرتے ہوئے اسلام کا اعتبار کیا ہے۔

وَمَنْ ادَّعٰی اَنَّ اللَّقِیطَ عَبْدُهٗ لَمْ یُقْبَلْ مِنْهُ وَاِنْ ادَّعٰی عَبْدٌ اَنَّهُ ابْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَکَانَ حُرًّا وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِیطِ مَالٌ مَشْدُوْدٌ عَلَیْهِ فَهُوَ لَهٗ وَلَا یَجُوْزُ تَزْوِیجُ الْمُلْتَقِطِ اللَّقِیطَ وَلَا تَصَرُّفُهٗ فِیْ مَالِ اللَّقِیطِ وَیَجُوْزُ اَنْ یَّقْبِضَ لَهُ الْهِبَةَ وَیُسَلِّمَهٗ فِیْ صِنَاعَةٍ وَیُؤَجِّرَهٗ.

"اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا لونڈی تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی وہ آزاد ہوگا اور اگر غلام نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط آزاد ہوگا اور اگر لقیط کے ساتھ باندھا ہوا مال پایا گیا تو وہ اسی کا ہوگا اور اٹھانے والے کا اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اور یہ جائز ہے کہ اس کی جانب سے ہبہ میں قبضہ کرے اور اس کو پیشے میں لگائے اور اسے مزدوری پر لگائے"۔

لقیط غلام یا آزاد:

قوله:ومن ادعی الخ: اگر کسی غلام نے بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا کہ میرا ہے تو نسب غلام سے ثابت ہو جائے گا کہ اس میں بچے کا فائدہ ہے مگر بچہ آزاد ہی شمار ہوگا۔

لقیط کے ساتھ پایا گیا مال:

قوله:اذا وجد الخ: اگر لقیط کے ساتھ کچھ باندھا ہوا مال ملا یا اس کے پاس پڑا ملا تو وہ بھی لقیط کا ہی شمار ہوگا کیونکہ اصول یہ ہے کہ "جب مزاحم نہ ہو تو غالب گمان اور علامت کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا" لہٰذا چاہے مال باندھا ہو یا پاس پڑا ہوا ہو ہر دو صورتوں میں مال لقیط ہی کا ہوگا۔ ملتقط لقیط کے ساتھ نہ خود شادی کر سکتا ہے اور نہ ہی دوسرے سے کروا سکتا ہے کیونکہ شادی کرانا تین وجہ سے ہے۔ ۱۔ رشتہ داری کی وجہ سے ۲۔ اس پر ملکیت کی وجہ سے ۳۔ حاکمیت کی وجہ سے جب کہ ملتقط میں تینوں میں سے کوئی بھی وجہ نہیں پائی جا رہی اور بچے کو بھی شادی کی ابھی حاجت ہی نہیں اور ملتقط لقیط کے مال میں صرف اتنا تصرف کر سکتا ہے جس سے اس کی ضروریات زندگی پوری ہو سکتی ہو باقی امور میں جائز نہیں کیونکہ تجارت میں مال لگانے کے متعلق اصول یہ ہے کہ "دو امور کا ہونا ضروری ہے رائے کامل اور شفقت وافر" جب کہ ملتقط میں رائے کامل تو ہے مگر شفقت کامل نہیں جب کہ والدین میں چھوٹے بچے کے حق میں دونوں امور پائے جاتے ہیں بشرطیکہ والدین میں سے کوئی تعدی کرنے والا نہ ہو لیکن وہ چیز کہ جس میں ملتقط کا فائدہ ہو مثلاً لقیط کے لیے ہبہ پر قبضہ یا لقیط کو ہنر سکھانے کے لیے کسی کام پر لگانا یا مزدوری پر لگانا یہ سب امور جائز ہیں کہ یہ لقیط کی زندگی گزارنے کے لیے ضروری ہیں اور ہبہ میں بھی فائدہ ہی ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ نے مزدوری والے مسئلہ میں قدوری کی عبارت کے بجائے جامع الصغیر کی عبارت کو صحیح قرار دیا کہ مزدوری پر لقیط کو لگانا درست نہیں۔ اسی قول کو بحر الرائق، فتاویٰ ھندیه اور دیگر متون میں ترجیح حاصل ہے۔ بعض نے یوں موافقت بیان کی ہے کہ مزدوری کو اپنے ذات پر خرچ کرے تو ناجائز اگر لقیط پر خرچ کرے تو جائز ہے۔

کتاب اللقطۃ

سیاق وسباق:
اس سے قبل امام قدوری نے لقیط بچے کے احکام کو بیان کیا اب گرے پڑے سامان کے احکام کا آغاز کر رہے ہیں۔
لُقطہ کا لغوی معنی: کوئی گری پڑی چیز (افتادہ چیز)

اصطلاحی معنی:
"اَلْمَالُ الضَّائِعُ مِنْ رَبِّہٖ یَلْتَقِطُہٗ غَیْرُہٗ" حاصل تعریف یہ ہے کہ لقطہ ایسے مال محترم ومتقوم کو کہا جاتا ہے جو مالک سے کھو گیا ہوا اور غیر نے اٹھالیا ہو۔

لقطہ اٹھانے کا حکم:
اصل مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھانا مستحب ہے بشرطیکہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ اگر ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اٹھانا مباح ہے اور اس نیت سے اٹھانا کہ خود رکھ لوں تو اٹھانا حرام ہے۔ اگر خود پر اطمینان نہیں تو نہ اٹھانا اولیٰ ہے۔

اَللُّقَطَۃُ اَمَانَۃٌ اِذَا اَشْھَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّہٗ یَاْخُذُھَا لِیَحْفَظَھَا وَیَرُدَّھَا عَلٰی صَاحِبِھَا فَاِنْ کَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَۃِ دَرَاھِمَ عَرَّفَھَا اَیَّامًا، وَاِنْ کَانَتْ عَشَرَۃً فَصَاعِدًا عَرَّفَھَا حَوْلًا کَامِلًا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُھَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِھَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُھَا وَاِلَّا تَصَدَّقَ بِھَا فَاِنْ جَاءَ صَاحِبُھَا وَھُوَ قَدْ تَصَدَّقَ بِھَا فَھُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَی الصَّدَقَۃَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ۔

"لقطہ اٹھانے والے کے پاس امانت ہے جب کہ اٹھانے والا اس بات پر گواہ بنالے کہ وہ اس کو لیتا ہے تاکہ اس کی حفاظت کرے اور یہ کہ اس کو اس کے مالک تک پہنچادے پس اگر وہ چیز دس درہم سے کم کی ہو تو اس کی چند دن تشہیر کرے اور اگر دس درہم یا زیادہ کی ہو تو اس کی پورا سال تشہیر کرے پس اگر مالک آجائے اس حال میں کہ وہ اس کو صدقہ کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو صدقہ کو باقی رکھے اور اگر چاہے تو ملتقط سے ضمان لے لے"۔

حل لغات: اشھاد: گواہ بنانا۔ عَرّفَ تعریف سے معنی اعلان کرنا۔ حول: سال۔

لقطہ کا حکم:
قولہ: اللقطۃ الخ: اگر لقطہ ملتقط نے اس نیت سے اٹھایا ہے کہ مالک تک پہنچاؤں گا تو اس کے پاس امانت ہوگا اگر اس کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا اس کی اس نیت پر ایک علامت یہ ہے کہ لقطہ اٹھانے والا لوگوں کے سامنے اعلان کرے کہ میرے پاس لقطہ ہے اگر کسی کا ہو تو نشانی بتا کر لے سکتا ہے اس پر لوگوں کو گواہ بنائے تو اس کو "اِشھاد" کہتے ہیں اگر لوگ موجود نہ ہوں تو اپنے دل میں یہ نیت کرے کہ مالک کو پہنچاؤں گا یا اس کی نیت کی تصدیق مالک کردے تو ہلاکت پر ضمان نہیں آئے گی۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ "لقطہ کو اپنے لیے اٹھانا بحکم غصب ہے جب کہ مالک کے لیے اٹھانا بحکم امانت ہے"۔

لقطہ

- جس میں جلد فساد طاری ہوجاتا ہو
  - جیسے سیب، امرود وغیرہ اشیائے خوردنی جو پانی میں بہہ کر جاری ہوں
  - **حکم**: ان کو نکال کر کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں فساد طاری ہوجاتا ہے اور نہ نکالیں گے تو بگڑ کر یونہی برباد ہوجائیں گی۔
- جس میں جلد فساد طاری نہ ہوتا ہو
  - جسے لوگ عادتاً پھینکتے نہ ہوں
    - قابل قیمت ہو
      - **حکم**: یہ لقطہ ہے مالک تک پہنچانا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ چیز منتشر ہو اور ایک ایک جمع کر کے قابل قیمت ہوئی ہو۔
    - قابل قیمت نہ ہو
      - **حکم**: اس میں اعلان ضروری نہیں خود کام میں لاسکتا ہے تاہم مالک آکر مانگے تو دینا ضروری ہے۔
  - جسے لوگ عادتاً پھینک دیتے ہوں
    - جیسے کھجور، آم وغیرہ کی گٹھلیاں، پانی کولڈ ڈرنک وغیرہ کی بوتلیں اور سبزی مارکیٹ میں گری پڑی سبزیاں وغیرہ جنہیں لوگ عادتاً پھینک دیتے ہیں۔
    - **حکم**: یہ لقطہ نہیں اگرچہ کافی مقدار میں جمع کرنے کے بعد یہ چیزیں قابل قیمت ہوگئی ہوں پس انہیں استعمال کر سکتا ہے۔

لقطہ کی مقدار اور اعلان کی مدت:

قوله: فان كانت الخ: لقطہ کا اعلان کرنا واجب ہے اور اعلان کی مدت لقطہ کی مقدار کے اعتبار سے کم وبیش ہوگی جس طرح کہ امام قدوری نے فرمایا کہ اگر لقطہ کی مالیت دس درہم سے کم ہو تو چند دنوں تک تشہیر کی جائے کہ یہ مال میرے پاس ہے جس کی علامت بتا کر لے سکتا ہے اور اگر دس درہم یا اس سے زائد کی مالیت کی چیز ہو تو ایک سال تک تشہیر کرے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا "جو مال جتنا قیمتی ہو اور مالک کو تلاش کرنے کا امکان ہو تو تلاش کرنا لازم ہے" بیان کردہ صورت اس وقت ہے کہ جب لقطہ کے خراب ہونے کا خطرہ نہ ہو اگر خراب ہونے کا خطرہ ہو تو صدقہ کر دیا جائے۔ جبکہ بعض فقہاء احناف نے فرمایا کہ لقطہ چاہے قلیل ہو چاہے کثیر، قیمتی ہو یا سستا کوئی مدت لازم نہیں بلکہ اس وقت تک اعلان کرواتا رہے جب تک مالک ملنے کی امید قوی ہو جب ظن غالب

ہو جائے کہ نہیں ملے گا تو اعلان ترک کردے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ اسی قول پر ہے کہ لقطہ کی مقدار اور اعلان کی مدت کوئی مقرر نہیں۔(علیه الفتویٰ شامیه مجمع الانهر، هو الصحیح هندیة)

اعلان کا طریقۂ کار:

اعلان ایسے مقام پر کیا جائے کہ جہاں لوگوں کا ہجوم ہو مثلاً بازاروں میں اور مساجد کے دروازوں پر اعلان کروایا جائے چونکہ مسجد کے اندر گم شدہ چیز کا اعلان کرنا حدیث کی روشنی میں جائز نہیں جب کہ دورِ حاضر میں جدید مواصلاتی نظام نے اور ہی آسانی کردی کہ ریڈیو، ٹی وی، اخبار، نیٹ وغیرہ کے ذریعے لقطہ کی تشہیر کی جاسکتی ہے کہ وقفے وقفے سے پہلے مقامی اخباروں میں خبر دی جائے پھر مواصلات کے نظام کے ذریعے خبر نشر کی جائے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شی کی قیمت معمولی ہے مگر مالک کے لیے قیمتی چیز ہے مثلاً شناختی کارڈ، پاسپورٹ، موبائل، فون ڈیٹا و دیگر دستاویزات وغیرہ۔

مالک آجائے تو:

قوله:فان جاء الخ:اگر لقطہ کا مالک آجائے تو پہلے اس سے گواہ طلب کیے جائیں اگر گواہ نہ ہوں تو اس چیز کی علامات پوچھی جائیں اگر کوئی علامت بتا دیتا ہے جو اس میں پائی جاتی ہے تو اسے دے دی جائے نیز ملتقط کو یہ بھی اختیار ہے کہ مالک ہونے کے دعویٰ کرنے والے سے کفیل طلب کرے کہ اگر کوئی اور دعویٰ دار نکل آئے تو ملتقط کو نقصان نہ اٹھانا پڑے اور اگر اعلان کے باوجود مالک نہ ملے تو صدقہ کردیا جائے اگر خود محتاج ہو تو خود بھی استعمال کرسکتا ہے کہ صدقہ کے حکم میں ہوگا اس لیے کہ اصل چیز مالک کو پہنچنی چاہیے اگر وہ نہ ہو تو اس کا بدل ثواب پہنچنا چاہیے۔

صدقہ کے بعد مالک آجائے تو:

قوله:فان جاء صاحبها الخ: اگر ملتقط نے مالک نہ ملنے پر لقطہ کو کسی فقیر پر صدقہ کردیا یا اس کو محتاج ہونے کی صورت میں خود خرچ کرلیا تو اس کے بعد مالک آجائے تو مالک کو دو اختیار حاصل ہیں۔ ا۔صدقہ کو بحال رکھے کہ اس کو یا اس کا بدل وصول نہ کرے۔ ۲۔اگر چاہے تو لقطہ کو واپس لے سکتا ہے اگر لقطہ موجود نہ ہو تو اس کی قیمت وصول کرسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ملتقط کو اگرچہ شرعاً یہ اجازت تھی کہ مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کردے لیکن صدقہ اس کی اجازت تک موقوف تھا جب مالک نے اجازت نہیں دی تو وصول کا حق رکھتا ہے۔ مالک نے ملتقط یا فقیر میں سے جس سے بھی لقطہ یا قیمت وصول کی تو دوسرے سے رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک مالک کا ضامن تھا کہ ملتقط مالک کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنے پر بسبب کہ فقیر مالک کی اجازت کے بغیر قبول کرنے پر ضامن تھا۔ دورِ حاضر میں کاروباری معاملات میں لقطہ کی صورتیں: مثلاً کسی نے کوئی موبائل، گھڑی، ٹی وی، ریڈیو وغیرہ کسی مکینک کے پاس ٹھیک کروانے کے لیے رکھیں پھر مالک واپس نہیں آیا اسی طرح جو چیز بھی

پیشہ ور کے پاس رکھی جائے اس کا حکم وہی ہوگا جو اس سے قبل امام قدوری کی عبارت کے ضمن میں بیان کیا گیا۔

وَيَجُوزُ الْتِقَاطُ الشَّاةِ وَالْبَقَرَةِ وَالْبَعِيرِ فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ وَإِنْ أَنْفَقَ بِأَمْرِهِ كَانَ ذٰلِكَ دَيْنًا عَلَى صَاحِبِهَا وَإِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ أَنْ تَسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيمَتَهَا بَاعَهَا وَأَمَرَ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا وَإِنْ كَانَ الْأَصْلَحُ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهَا أَذِنَ الْحَاكِمُ فِي ذٰلِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْنًا عَلَى مَالِكِهَا، فَإِذَا حَضَرَ الْمَالِكُ فَلِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَمْنَعَهُ مِنْهَا حَتّٰى يَأْخُذَ النَّفَقَةَ مِنْهُ

''اور بکری، گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا جائز ہے۔ اگر ملتقط نے اس لقطہ پر حاکم کی اجازت کے بغیر خرچ کیا تو وہ احسان کرنے والا ہوگا اور اگر اس کی اجازت کے ساتھ خرچ کیا تو اس کے مالک پر دین ہوگا اور جب یہ مقدمہ حاکم کے پاس آئے تو اس میں غور کرے پس اگر جانور کے لیے منفعت ہو تو اس کو اجرت پر رکھے اور اس پر اس کی اجرت خرچ کرے اور جانور کے لیے منفعت نہ ہو اور خوف ہو کہ خرچ اس کی قیمت سے بڑھ جائے گا تا کہ اسے فروخت کر دے اور اس کی قیمت کو محفوظ رکھنے کا حکم دے اور اگر لقطہ پر خرچ کرنا زیادہ مناسب ہو تو خرچ کرنے کی اسے اجازت دے دے اور جتنا خرچ کیا ہے وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوگا پس جب اس کا مالک آ جائے تو ملتقط کے لیے جائز ہے کہ لقطہ کو روک لے یہاں تک کہ اپنا خرچ وصول کر لے''۔

جانوروں کو لقطہ لینے کا حکم:

قولہ:ویجو من التقاط الخ: اگر کسی کو بکری، اونٹ یا گائے میں سے کوئی مل جائے تو ان کو پکڑ لینا جائز ہے لیکن صاحب جوہرہ نے بیان کیا ہے کہ متن کا مسئلہ اس شرط سے مشروط ہے کہ ان جانوروں کی ہلاکت کا خوف ہو ورنہ پکڑنا جائز نہیں جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر یہ جانور جنگل میں ہوں تو نہ پکڑنا افضل ہے۔ بالخصوص اونٹ کے مسئلہ میں دو طرح کی روایات ہیں کہ اس کو پکڑنا جائز ہے اور دوسری روایات میں منع ہے پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہلاکت کے خوف کی صورت میں پکڑنے کے جواز پر فتویٰ دیا گیا۔

لقطہ اور لقیطہ میں فرق:

لغوی لحاظ سے اس کے مابین کچھ فرق نہیں لیکن بعض فقہاء کے نزدیک ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ جانور کے پکڑنے کو لقیطہ جب کہ دیگر چیزوں کو اٹھانے کو لقطہ کہا جاتا ہے۔

جانور پر خرچ کا حکم:

قولہ:فان انفق الخ: اگر ملتقط نے قاضی کے حکم سے اس جانور کے خورد و نوش پر پیسہ خرچ کیا تو یہ خرچ بطور دین ہوگا اور جب مالک جانور کو لے گا تو اس کو اس کی خرچ کردہ رقم دینی پڑے گی کیونکہ قاضی کی ولایت غائب شخص کے حق میں ولایت تامہ ہوتی ہے اگر قاضی کے فیصلہ کے بغیر از خود ملتقط نے خرچ کیا تو یہ خرچ بطور تبرع و احسان ہوگا۔ اب ملتقط مالک سے کچھ خرچ بھی قانوناً نہیں لے سکتا اگر خود اپنی مرضی سے مالک دے دے تو جائز ہے جب ملتقط جانور پر خرچ کرنے کے متعلق فیصلہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی کو چاہیے کہ پہلے تحقیق کر لے کہ جانور التقاط کا ہے یا غصب کا اگر غصب کا ہے تو فیصلہ نہیں دے گا اگر جانور التقاط کا ہے

تو اس جانور پر خرچ کے متعلق غور وفکر کرے کہ اس پر خرچ کرنے سے جانور کے مالک کو نفع ہوگا یا نقصان اگر نفع ہو تو خرچ کرنے کا حکم دے اور جانور کو کرایہ پر دے کر آمدن کو جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے اگر نفع نہ ہو بلکہ جانور کی قیمت یا اس سے زیادہ کا خرچہ ہو جائے گا تو ملتقط کو کہے اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ رکھو جب مالک آجائے تو ادا کر دینا اور جب مالک آجائے تو قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے خرچ کردہ رقم کی وصولی کے لیے جانور کو روک سکتا ہے کہ پہلے خرچ کردہ رقم دو پھر جانور کو لے جاؤ۔

وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ وَإِذَا حَضَرَ رَجُلٌ وَادَّعَى أَنَّ اللُّقَطَةَ لَهُ لَمْ تُدْفَعْ إِلَيْهِ حَتَّى يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ فَإِنْ أَعْطَى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ أَنْ يَدْفَعَهَا إِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلَى ذٰلِكَ فِي الْقَضَاءِ وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقَطَةِ عَلَى غَنِيٍّ وَإِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَإِنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلَا بَأْسَ أَنْ يَنْتَفِعَ بِهَا وَيَجُوْزُ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا إِذَا كَانَ غَنِيًّا عَلَى أَبِيْهِ وَابْنِهِ وَزَوْجَتِهِ إِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ،

''اور حل اور حرم کا لقطہ برابر ہے اور جب کوئی شخص حاضر ہو تو اس نے دعویٰ کر دیا کہ یہ لقطہ اس کا ہے تو یہ لقطہ اس کے حوالے نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ گواہ پیش نہ کر دے پس اگر اس نے لقطہ کی کوئی علامت بیان کر دی تو ملتقط کے لیے جائز ہے کہ لقطہ کو مدعی کے حوالے کر دے اور ملتقط قضاء اس فعل پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور لقطہ کو مال دار پر صدقہ نہ کرے اور اگر ملتقط مال دار ہو تو جائز نہیں کہ وہ لقطہ سے نفع اندوز ہو اور ملتقط فقیر ہے تو کوئی حرج نہیں کہ اس سے فائدہ اٹھائے اور جائز ہے کہ لقطہ کو صدقہ کرے جب وہ خود مال دار ہو اپنے والد، بیٹے، والدہ اور بیوہ پر جب کہ یہ فقیر ہوں''۔

حل اور حرم کے لقطہ کا حکم:

قولہ: ولقطة الحل الخ: چیز چاہے حرم سے ملی ہو یا حرم کے باہر سے ملی ہو احناف کے نزدیک دونوں کا حکم ایک ہی ہے کہ ملتقط اس وقت تک اعلان کرتا رہے جب تک غالب گمان نہ ہو جائے کہ اب مالک نہیں ملے گا جبکہ امام شافعی کے نزدیک حرم سے ملے ہوئے لقطہ کے متعلق حکم یہ ہے کہ مالک آنے تک اعلان کرنا واجب ہے۔

لقطہ کا دعویٰ:

قولہ: واذا حضر الخ: جب کسی نے آکر لقطہ پر دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا ہے تو ملتقط اس وقت تک حوالے نہ کرے جب تک اپنی ملکیت پر گواہ پیش نہ کر دے کیونکہ ملتقط کے پاس مال امانت ہے لیکن اگر گواہ پیش نہ کر سکے مگر اس کی علامات بتا دیتا ہے تو بھی حوالے کرنا جائز ہے مگر صرف علامت بتانے پر دینے کا فیصلہ نہیں ٹھونسا جا سکتا کیونکہ علامات تو بعض اوقات غیر بھی بتا سکتا ہے۔

لقطہ کا تصدق:

قولہ: ولا يتصدق الخ: اگر ملتقط مال دار ہو تو خود نفع نہیں اٹھا سکتا اگر فقیر ہو تو نفع اٹھا سکتا ہے اور ملتقط اپنے والدین، اولاد اور بیوی پر خرچ کر سکتا ہے جب کہ یہ فقیر ہوں کیونکہ یہ مال خود ملتقط کا نہیں اس لیے ان پر خرچ کرنے میں ممانعت نہیں کہ جب خود فقیر ہونے کی صورت میں اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے تو ان کے فقیر ہونے کی صورت میں ان پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔

کتاب الخُنثیٰ

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے لقیط و لقطہ کے احکام کو بیان فرمایا اب کتاب الخنثیٰ کا آغاز کر رہے ہیں کہ تینوں میں گمشدگی کا پہلو پایا جاتا ہے۔

خنثیٰ کا لغوی معنی:

خنثیٰ فعلی کے وزن پر ہے اور اس کا مادہ (خ، ن اور ث) ہے کہ جس کے مادہ میں لچک اور نرمی کا پہلو پایا جاتا ہے چونکہ خنثیٰ کے جسم، گفتگو میں بھی یہ امور پائے جاتے ہیں خنثیٰ کی جمع خناثی اور خناث آتی ہے۔

خنثیٰ کی اصطلاحی تعریف:

امام قدوری اس کی تعریف متن میں بیان کریں گے اور ایک تعریف یہ بھی ہے کہ "جس کے مرد و عورت کے اعضا تناسل نہ ہو بلکہ ایک سوراخ ہو جس سے پیشاب کرتا ہو" اسے خنثیٰ اور مخنث کہا جاتا ہے۔ (اللباب)

إِذَا كَانَ لِلْمَوْلُودِ فَرْجٌ وَذَكَرٌ فَهُوَ خُنْثَى فَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الذَّكَرِ فَهُوَ غُلَامٌ، وَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ أُنْثَى، وَإِنْ كَانَ يَبُولُ مِنْهُمَا وَالْبَوْلُ يَسْبِقُ مِنْ اَحَدِهِمَا يُنْسَبُ إِلَى الْأَسْبَقِ وَإِنْ كَانَا فِي السَّبْقِ سَوَاءً فَلَا مُعْتَبَرَ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَ مُحَمَّدٌ يُنْسَبُ إِلَى أَكْثَرِهِمَا فَإِذَا بَلَغَ الْخُنْثَى وَخَرَجَ لَهُ لِحْيَةٌ أَوْ وَصَلَ إِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ كَثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ نَزَلَ لَهُ لَبَنٌ فِي ثَدْيِهِ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ الْوُصُولُ إِلَيْهِ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ امْرَأَةٌ فَإِنْ لَّمْ يَظْهَرْ لَهُ إِحْدَى هَذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثَى مُشْكِلٌ

"جب نومولود کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ خنثیٰ ہے اور اگر نومولود ذکر (آلہ تناسل) سے پیشاب کرتا ہو تو وہ لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرتا ہو تو لڑکی ہے اور اگر دونوں سے کرتا ہو اور پیشاب ان میں سے ایک سے پہلے آتا ہو تو ان میں سے پہلے والے کی طرف منسوب ہوگا اور نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کثرت کی طرف منسوب کیا جائے گا اور جب خنثیٰ بالغ ہو جائے اور اس کو داڑھی نکل آئے یا عورت سے صحبت کرے تو وہ مرد ہے اور اگر اس کی چھاتی عورتوں کی چھاتی کی طرح ابھر آئے یا اس کی دونوں چھاتیوں میں دودھ اتر آئے یا اس کو حیض آجائے یا وہ حاملہ ہو جائے یا اس کی فرج کی طرف سے صحبت کرنا ممکن ہو تو وہ عورت ہے پس اگر ان میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔"

خنثیٰ کی تعریف اور اس کے احکام:

قولہ: اذا کان للمولود الخ: امام قدوری نے خنثیٰ کی تعریف یہ کی ہے کہ خنثیٰ وہ ہے کہ جس میں مرد وعورت دونوں کے اعضاء تناسل (ذکر، فرج) ہوں۔ چونکہ اس نومولود کے پیشاب کرنے کے دومخرج ہیں ایک مرد جیسا اور دوسرا عورت جیسا لہٰذا مولود مشتبہ ہوگیا۔ خنثیٰ کے دو دور ہیں ایک نابالغی کا اور دوسرا بلوغت کا۔ اگر خنثیٰ نابالغ ہے تو اس کے پہچان کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ ایک جنس کو ترجیح دینے کے لیے آلہ پیشاب کا اعتبار کیا جائے گا اگر وہ ذکر سے پیشاب کرتا ہے تو مرد تصور ہوگا اگر فرج سے پیشاب کرتا ہے تو لڑکی تصور ہوگی۔ چونکہ علامات تو دونوں موجود ہیں لہٰذا فیصلہ مرد یا عورت ہونے کا پیشاب کرے گا کہ کس راستے سے آتا ہے۔ ۲۔ اگر دونوں راستوں سے پیشاب آتا ہو پھر کیسے پہچان کی جائے گی؟ اس کی پہچان یہ ہے کہ پہلے جس راستے سے پیشاب آئے گا اسی راستے کے لحاظ سے اس کی جنس متعین کی جائے گی پیشاب کا پہلے آنا اس کی جنس پر دلیل ہوگی۔ ۳۔ اگر دونوں راستوں سے برابر پیشاب آتا ہے کسی ایک کو اولیت حاصل نہیں پھر فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟ اس میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اس صورت میں اس پر نہ مذکر اور نہ ہی مونث کا حکم لگایا جاسکتا ہے بلکہ خنثیٰ مشکل کہلائے گا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک اس کی پہچان یہ ہے کہ جس سوراخ سے پیشاب زیادہ آتا ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا لہٰذا جس مخرج سے پیشاب زیادہ آتا ہے اسی طرف نومولود کو منسوب کیا جائے گا۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نفس پیشاب کا برابر دونوں سوراخوں سے نکلنا کسی ایک جہت کو ترجیح دینا ترجیح بلا مرجح ہے کہ قلت وکثرت کا مدار مخرج کی کشادگی اور تنگی پر ہے۔ نیز قلت وکثرت کا ظہور مخرج کے بجائے پیشاب میں ہوتا ہے جب کہ زیر بحث مسئلہ مخرج کے متعلق ہے بخلاف پہلے مسئلے کے کہ جس سے پہلے پیشاب آئے اسی طرف منسوب ہوگا۔ کہ اولیت نے اس جہت کو ترجیح دی ہے جب کہ یہاں کسی ایک مخرج کو ترجیح دے کر حکم نہیں لگایا جاسکتا لہٰذا خنثیٰ مشکل کہلائے گا۔

(اللباب، دیگر معون علی قول الامام)

خنثیٰ کا دوسرا دور بلوغت کا ہے کہ اگر خنثیٰ میں مرد کی علامات پائی جائیں مثلاً داڑھی آجائے یا عورت سے صحبت کرلے اسی طرح اگر عورت کی علامات پائی جائیں، مثلاً عورتوں کی چھاتی کی طرح چھاتی اُبھر آئے یا دودھ اتر آئے یا حمل ٹھہر جائے یا فرج کے راستے سے صحبت کرنا ممکن ہو اگر ذکر کردہ علامات میں سے کوئی بھی نہ پائی جائے تو "خنثیٰ مشکل" ہے کہ جس پر مرد وزن کے لحاظ سے حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

فَإِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْإِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ابْتَاعَ لَهُ الْإِمَامُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ أَمَةً تَخْتِنُهُ فَإِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا الْإِمَامُ وَرَدَّ ثَمَنَهَا فِي بَيْتِ الْمَالِ فَإِنْ مَاتَ أَبُوهُ وَخَلَّفَ ابْنًا وَخُنْثَى فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ

اَبِیْ حَنِیْفَةَ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰی وَهُوَ اُنْثٰی عِنْدَهٗ فِی الْمِیْرَاثِ اِلَّا اَنْ یَّتَبَیَّنَ غَیْرُ ذٰلِكَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لِلْخُنْثٰی نِصْفُ مِیْرَاثِ رَجُلٍ وَّنِصْفُ مِیْرَاثِ اُنْثٰی وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِیِّ وَاخْتَلَفَا فِیْ قِیَاسِ قَوْلِهٖ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اَلْمِیْرَاثُ بَیْنَهُمَا عَلٰی اثْنَیْ عَشَرَ لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَّلِلْخُنْثٰی خَمْسَةٌ

''اور جب خنثیٰ امام کے پیچھے کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا اور اس کے مال سے ایک لونڈی خریدی جائے گی جو اس کا ختنہ کرے گی جبکہ اس کے پاس مال ہو پس اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو حاکم وقت بیت المال سے لونڈی خریدے گا پس جب ختنہ کر چکے تو لونڈی کو فروخت کر دے اور اس کی قیمت بیت المال میں لوٹا دے اور اگر اس کا والد فوت ہو گیا اور اس نے ایک لڑکا خنثیٰ چھوڑا تو امام اعظم کے نزدیک دونوں کے درمیان مال تین حصوں میں تقسیم ہوگا دو حصے لڑکے کے اور ایک حصہ خنثیٰ کا اور وہ میراث میں امام اعظم کے نزدیک عورت ہے مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا خنثیٰ کے لیے ترکہ کی میراث کا آدھا اور مونث کی میراث کا آدھا اور یہی امام شعبی کا قول ہے اور امام شعبی کے قول میں صاحبین کا اختلاف ہو گیا کہ دونوں میں مال سات حصوں پر تقسیم ہوگا چار حصے لڑکے کے اور تین حصے خنثیٰ کے اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں کے درمیان مال بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا سات حصے لڑکے کے اور پانچ حصے خنثیٰ کے ہوں گے۔

جماعت میں خنثیٰ کے کھڑے ہونے کا مقام:

قوله:واذا وقف الخ: اگر علامات کے ذریعے کسی ایک جنس کو ترجیح حاصل ہو جائے تو اسی جنس کے لحاظ سے احکام جاری ہوں گے بلکہ اگر کسی ایک جنس کو ترجیح حاصل نہ ہو تو مرد و عورت دونوں کے درمیانی احکام جاری ہوں گے لہٰذا جماعت میں مردوں اور عورتوں کی درمیانی صف میں کھڑا ہوگا۔

ختنہ کا حکم:

قوله:وتبتاع الخ: اگر خنثیٰ بالغ ہو چکا کہ اس کا ختنہ نہیں کیا گیا تو اب اس کا ختنہ مرد نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے ستر کو مرد کے لیے دیکھنا جائز نہیں کیونکہ وہ عورت ہے اور عورت کے لیے بھی دیکھنا جائز نہیں کہ وہ مرد ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ ''حتی الامکان ستر کو چھپانا فرض ہے'' لہٰذا آخری صورت یہی رہی کہ اگر خنثیٰ کے پاس مال ہو تو اس سے لونڈی خریدی جائے وہ ختنہ کرے گی اور اگر مال نہ ہو تو سرکاری طور پر لونڈی خریدی جائے جو ختنہ کرے پھر اس کو فروخت کر کے قیمت لونڈی کو بیت المال میں جمع کر دیا جائے لیکن دور حاضر میں لونڈی کی صورت بھی مفقود ہے لہٰذا غیر مختون ہی چھوڑ دیا جائے۔ اگر فوت ہو جائے تو اس کو نہ مرد غسل دے سکتا ہے اور نہ ہی عورت اس کو تیمم کرایا جائے اگر تیمم کرانے والا غیر محرم ہو تو ہاتھ پر کپڑا اپہن کر تیمم کرائے اگر محرم ہے تو بغیر کپڑا پہنے تیمم کرا سکتا ہے۔ ریشم وزیورات کے علاوہ باقی احکام عورتوں والے ہی جاری ہوں گے۔

وراثت کے احکام:

قولہ:وان مات الخ: اگر خنثیٰ کا والد فوت ہو گیا اب متوفی (والد) پیچھے ایک خنثیٰ اور ایک لڑکا چھوڑ گیا تو امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک خنثیٰ میراث کے حق میں عورت کے درجہ میں ہے لہٰذا متوفی کا کل مال تین حصوں میں تقسیم ہوگا دو حصے لڑکے اور ایک حصہ خنثیٰ کا ہوگا مثلاً ۱۰۰ روپیہ ہے تو ۶۶.۶۶ روپے لڑکے کے اور ۳۳.۳۳ خنثیٰ کو ملیں گے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک خنثیٰ کو مذکر کی میراث کا نصف اور عورت کی میراث کا نصف ملے گا کہ چونکہ خنثیٰ میں دونوں کی علامات ہیں لہٰذا دونوں کے درمیان رکھیں گے وہ اس طرح کہ مذکر کے حصہ سے آدھا اور عورت کے حصے سے نصف تو دونوں کو ملا کر خنثیٰ کو دیا جائے گا جو مونث سے آگے اور مذکر سے کم ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے اس کی دلیل فقہی قاعدہ ہے:"مَا ثَبَتَ بِالْيَقِيْنِ لَا يَزُوْلُ بِالشَّك" کہ جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ شک سے زائل نہیں ہوتی چونکہ خنثیٰ کی میراث میں اقل بالیقین ثابت ہے جب کہ اکثر میں شک ہے کہ لڑکا شمار ہوگا یا نہیں لہٰذا قاعدہ کی روشنی میں اقل ہی دیا جائے گا۔(علیه الفتویٰ در مختار، مجمع الانهر، اللباب وغیرہ)

امام شعبی کے قول کی تخریج میں صاحبین کا اختلاف:

قولہ:واختلفا الخ:امام اعظم کے استاذ گرامی حضرت امام شعبی کا خنثیٰ کی میراث کے بارے میں یہی قول ہے کہ خنثیٰ کو مرد اور عورت کے حصے کا نصف نصف دیا جائے گا۔امام قدوری اس قول کی تخریج میں صاحبین کے اختلاف کو بیان فرما رہے ہیں کہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ کل ترکہ کے سات حصے کیے جائیں اور ان میں سے چار حصے لڑکے کو اور تین حصے خنثیٰ کو دیے جائیں اس لیے کہ ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث ہونے کی صورت میں بیٹے کو چار اور بیٹی کو دو حصے ملتے ہیں اور چار کا نصف دو اور دو کا نصف ایک ہے لہٰذا خنثیٰ کو تین حصے دیے جائیں۔

جب کہ امام محمد کے نزدیک کل ترکہ کو بارہ حصوں پر تقسیم کیا جائے گا جن میں سے سات لڑکے کو اور پانچ خنثیٰ کو دیے جائیں گے لیکن دونوں کے نزدیک خنثیٰ کو مذکر کا نصف اور مونث کا نصف ہی ملے گا۔

کتاب المفقود

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الخنثیٰ کو بیان کیا کہ جس کی جنسیت نامعلوم تھی اب ایسے شخص کے احکام بیان کر رہے ہیں کہ جس کی موت وحیات نامعلوم ہے جو مفقود الحال کہلاتا ہے۔

مفقود کا لغوی معنی:

مفقود فقدان سے ہے بمعنی معدوم، لاپتہ شخص یہ مادہ لغت میں از قبیل اضداد سے ہے کہ اس کا معنی گم، اور تلاش دونوں آتے ہیں چونکہ مفقود الحال بھی گم ہوتا ہے پھر اس کو تلاش کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

متن میں آرہا ہے اسی طرح حکم بھی آگے بیان کیا جائے گا۔

إِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضِعٌ وَلَمْ يُعْلَمْ اَحَيٌّ هُوَ اَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِي مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُومُ عَلَيْهِ وَيَسْتَوْفِي حُقُوْقَهُ وَيُنْفِقُ عَلَى زَوْجَتِهِ وَاَوْلَادِهِ مِنْ مَالِهِ وَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَاَتِهِ فَاِذَا تَمَّ لَهُ مِائَةٌ وَّعِشْرُونَ سَنَةً مِّنْ يَّوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهِ وَاعْتَدَّتْ امْرَاَتُهُ وَقُسِّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُوْدُ مِنْ اَحَدٍ مَاتَ فِيْ حَالِ فَقْدِهِ

"جب کوئی شخص غائب ہو جائے اس کے ٹھکانے کا علم نہ ہو اور نہ ہی یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے تو قاضی کسی شخص کو متعین کرے جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کا انتظام کرے اور اس کے حقوق وصول کرے اور اس کی بیوی اور چھوٹی اولاد پر اسی کے مال سے خرچ کرے اور اس کے اور اس کی بیوی کے مابین جدائی نہ کرے پھر جب اس کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال مکمل ہو جائے اس کی پیدائش کے دن سے تو ہم اس کی موت کا فیصلہ کر دیں گے اور اس کی بیوی عدت گزارے گی اور اس کا مال اس وقت موجودہ ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اور جو رشتہ دار اس وقت سے پہلے فوت ہو چکے ہوں گے تو وہ کسی چیز کے وارث نہ ہوں گے اور مفقود اس کا وارث نہ ہوگا جو اپنی مفقود حالت میں فوت ہو گیا ہو"۔

مفقود الخبر کی تعریف:

قولہ: اذا غاب الخ: امام قدوری مفقود شخص کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہیں کہ "مفقود ایسے لاپتہ شخص کو کہا جاتا ہے کہ نہ جس کا ٹھکانہ معلوم ہو اور نہ ہی اس کی موت وحیات کی خبر ہو" مثلاً کوئی شخص کسی ضرورت کے لیے بازار گیا یا کاروبار کے لیے کسی ملک چلا گیا یا کسی جنگ میں شامل ہو گیا۔ اس طرح کوئی بھی صورت ہو کہ یقین سے معلوم نہ ہو سکے کہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے

ایسے شخص کو فقہائے کرام "مفقود الخبر" کہتے ہیں۔ مفقود الخبر شخص کے متعلق اصول یہ ہے کہ "اپنی ذات کے حق میں زندہ ہے لیکن دوسروں کے حق میں مردہ ہے" اسی اصول پر اس کے احکام مرتب ہوں گے کہ اس کے چھوڑے ہوئے مال کا کیا حکم ہوگا؟ مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق احکام کیا ہوں گے؟ وراثت کے متعلق کیا احکام ہوں گے؟ ان کی وضاحت آ رہی ہے۔

مفقود کے مال کا حکم:

قوله: نصب القاضی الخ: جیسا کہ اصول گزرا کہ مفقود الخبر اپنی ذات کے حق میں زندہ ہے لہٰذا اس کو اپنے مال کے بارے میں زندہ تصور کیا جائے گا اس کے مال میں وراثت اس وقت تک جاری نہ ہوگی کہ جب تک قاضی موت کا فیصلہ نہ کر دے لہٰذا اس وقت تک اس کے مال کا ولی قاضی ہے وہ اس کے مال کی حفاظت کے لیے کسی کو نگران مقرر کرے جو اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کے قرضوں کی وصولی کے لیے اہتمام کرے اور اگر مال خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت محفوظ رکھے اور جن جن افراد کا نان و نفقہ مفقود الخبر پر لازم تھا اس کے مال سے ان پر خرچ کرے۔ جیسا کہ اصول ہے "ہر وہ افراد جو قاضی کے حکم کے بغیر نفقہ کے مستحق تھے ان پر مفقود کی غیبت میں مال خرچ کیا جائے گا" لہٰذا والدین، چھوٹی اولاد بالخصوص بیوی پر بھی جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "كُلُّ مَنْ كَانَ مَحْبُوْسًا بِحَقٍّ مَقْصُوْدٍ لِغَيْرِهٖ كَانَتْ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ" لیکن امام اعظم کے نزدیک جائیداد فروخت کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ اسے فروخت کر کے نفقہ کو پورا کیا جائے البتہ اگر والد ہو تو اپنے نفقہ کی خاطر قاضی کی اجازت سے فروخت کر سکتا ہے۔ باقی وراثت کا حکم آگے آ رہا ہے۔

مفقود کی بیوی کا فسخ نکاح:

قوله: ولا يفرق الخ: جب تک مفقود الخبر کی موت کے متعلق حتمی خبر نہ آ جائے اس وقت تک زوجین کے مابین تفریق نہیں کی جا سکتی۔ مفقود کی موت کا حکم کب لگایا جائے گا؟ اس کے متعلق احناف کے بارہ اقوال ہیں۔ (۱) جب اس کے ہم عمر لوگ فوت ہو جائیں۔ (۲) ۳۰ سال، (۳) ۶۰ سال (۴) ۴۰ سال (۵) ۸۰ سال (۶) ۹۰ سال (۷) ۱۰۰ سال (۸) ۱۰۵ سال (۹) ۱۰۷ سال (۱۰) ۱۱۰ سال (۱۱) ۱۲۰ سال (۱۲) قاضی کی رائے پر موقوف ہے۔ پھر ان بارہ اقوال میں سے تین اقوال (۱) ہم عمر لوگوں کا فوت ہو جانا (۲) ۹۰ سال (۳) قاضی کی رائے پر موقوف ہونا ان تینوں کے بارے میں تصحیح و ترجیح کے اقوال موجود ہیں۔

مفتیٰ بہ قول:

پھر ان تین اقوال مصححہ و مرجحہ میں سے ظاہر مذہب پہلا قول "ہم عمر لوگوں کا فوت ہونا" ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی پہچان کی حاجت ہو تو شریعت میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس شی کی امثال کی طرف رجوع کیا جائے گا لہٰذا یہاں بھی اس کی موت و حیات میں قول فیصل مفقود کے ہم عمر افراد کا فوت ہو جانا ہے اگر کوئی فرد زندہ ہو تو نادر کا اعتبار نہیں ہوگا چونکہ حکم اکثر پر لگتا ہے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلْعِبْرَةُ لِلْغَالِبِ الشَّائِعِ لَا لِلنَّادِرِ" (هو ظاهر المذهب، مجمع الانهر، اللباب وغيره)

چونکہ دور حاضر میں ۹۰ اور ۱۲۰ سال تک عموماً لوگوں کی عمریں نہیں پہنچتیں اوسطاً عمر ۷۰ سال سے کم ہی ہوتی ہے اس لیے ہم عمر افراد کا فوت ہو جانا ہر دور کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ عموماً سالوں کی تعیین بھی زندہ یا فوت شدہ کی جہت کو متعین کرنے کے لیے ہے۔ لہٰذا یہی احناف کا مفتیٰ بہ قول ہے۔

دور حاضر میں فتویٰ امام مالک کے قول پر:

احناف کا مذہب دلیل واحتیاط کے لحاظ سے نہایت ہی قوی ہے مگر متاخرین فقہاء احناف نے وقت کی نزاکتوں اور فتنوں پر نظر کرتے ہوئے ضرورت شدیدہ کے پیش نظر امام مالک کے قول (چار سال) پر فتویٰ دیا ہے۔ امام احمد رضا قادری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر امام مالک کے مذہب کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''حنفی وقت تحقق ضرورت صحیحہ اس پر عمل کر سکتا ہے'' اگرچہ آپ نے ۷۰ سال والے قول پر فتویٰ دیا مگر آپ کے شہزادے مفتی اعظم ہند مفتی مصطفی رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دور میں ضرورت شرعیہ کی وجہ سے قاضی کو امام مالک کے مذہب پر فیصلے کی اجازت فرمائی اس کے بعد مفتیان اہل سنت اسی قول پر فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اب مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر بیوی تنہائی اور بے کسی کی زندگی بسر نہ کر سکے تو عدالت میں مقدمہ دائر کرے کہ میرا شوہر اتنے عرصہ سے غائب ہے تو قاضی عورت کو چار سال تک مہلت دے گا اس دوران بھی تحقیق وتفتیش کرائے اور بالخصوص قاضی اس کی معلومات کے لیے ہر ذریعہ استعمال کرے چاہے خطوط کا ہو یا اخبارات کا یا مواصلاتی نظام کا ہو جب چار سال مکمل ہو جائیں کوئی خبر نہ ہو تو عورت دوبارہ عدالت میں درخواست دائر کرے جب خبر نہ ملنے پر قاضی شوہر کے مردہ ہونے کا فیصلہ سنا دے گا قاضی کا فیصلہ اس مسئلہ میں شرط ہے یہ فیصلہ نہ طلاق کے حکم میں ہے اور نہ فسخ کے حکم میں بلکہ موت کے حکم میں ہے لہٰذا عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اس کے بعد نکاح کر سکتی ہے لیکن اگر عورت اپنی عزت محفوظ نہ رکھنے کا خطرہ ظاہر کرے یا اتنا مال نہیں کہ چار سال گزار سکے بشرطیکہ اس کا کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو تو چار سال بھی ضروری نہیں لیکن قاضی عورت کی ان دو دعوؤں کی بھی تحقیق کرے گا کیونکہ دھوکہ وفراڈ بھی کر سکتی ہے۔ آخری دو صورتوں میں طلاق کی عدت گزارے گی (ماخوذ از مجلس شرعی کے فیصلے) مذہب غیر پر فسخ نکاح کی دس صورتوں کے خلاصہ کو آگے بیان کریں گے۔

مفقود کے مال میں تقسیم وراثت کا حکم:

قولہ: وقسم الخ: قاضی کے فیصلے کے بعد مفقود کے مال کو موجودہ ورثا میں تقسیم کیا جائے گا اور جو ورثا اس کی موت کا حکم لگنے سے قبل فوت ہو گئے ہوں ان کو وراثت نہیں ملے گی اور اسی فقدان کی حالت میں جو دیگر لوگ فوت ہو گئے کہ جن کا وارث مفقود بھی تھا تو مفقود ان کی میراث سے محروم ہوگا کیونکہ مفقود کے بارے میں یہ اصول میراث ہے: اَلْمَفْقُوْدُ حَیٌّ فِیْ مَالِهٖ حَتّٰی لَا تَرِثُ مِنْهُ اَحَدٌ وَّ مَیِّتٌ فِیْ مَالِ غَیْرِهٖ حَتّٰی لَا تَرِثُ مِنْهُ اَحَدٌ (السراجی)

کہ وہ اپنے مال کے حق میں زندہ ہے اس لیے قاضی کے فیصلہ کے بعد تقسیم کیا جائے گا اور غیر کے حق میں مردہ ہے اس لیے اس دوران فوت ہونے والے افراد سے ترکہ نہ پائے گا۔

کتاب احیاء الموات

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب المفقود اور کتاب الاباق (غلام کا بھاگ جانا) کو بیان کیا اب کتاب احیاء الموات کو بیان کررہے ہیں وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح گزشتہ چیز جب تک اصلی حالت پر نہ آ جائیں مردہ شمار ہوتی ہیں اسی طرح جب تک زمین آباد نہ ہو تو مردہ شمار ہوتی ہے اس لیے اس کے ساتھ بیان کیا گیا۔

احیاء الموات کا لغوی معنی:

احیاء باب افعال کا مصدر ہے جس کا مادہ (ح، ی، ی) ہے جس کا معنی زندہ کرنا چونکہ یہاں زمین کے لیے استعمال ہوا ہے لہٰذا معنی ہوگا زمین کو کاشت کے قابل بنانا۔ موات فعال کے وزن پر ہے جو موت سے ماخوذ ہے۔ بمعنی بنجر زمین۔ اصطلاحی تعریف متن میں آرہی ہے۔

اَلْمَوَاتُ مَا لَا يُنْتَفَعُ بِهٖ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ فَمَا كَانَ مِنْهَا عَادِيًا لَا مَالِكَ لَهٗ اَوْ كَانَ مَمْلُوْكًا فِي الْاِسْلَامِ وَلَا يُعْرَفُ لَهٗ مَالِكٌ بِعَيْنِهٖ وَهُوَ بَعِيْدٌ مِنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ اِذَا وَقَفَ اِنْسَانٌ فِيْ اَقْصَى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ يُسْمَعِ الصَّوْتُ مِنْهُ فَهُوَ مَوَاتٌ مَنْ اَحْيَاهُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ مَلَكَهٗ، وَاِنْ اَحْيَاهُ بِغَيْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ، وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَمْلِكُهٗ وَيَمْلِكُ الذِّمِّيُّ بِالْاِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُ الْمُسْلِمُ وَمَنْ حَجَّرَ اَرْضًا وَلَمْ يَعْمُرْهَا ثَلَاثَ سِنِيْنَ اَخَذَهَا الْاِمَامُ مِنْهُ وَدَفَعَهَا اِلٰى غَيْرِهٖ وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَا قَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعًى لِاَهْلِ الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحًا لِحَصَائِدِهِمْ

"موات وہ زمین ہے کہ جس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکتا ہو اس سے پانی ختم ہونے کی وجہ سے، اس پر پانی کے زیادہ جمع ہونے کی وجہ سے اور اس طرح کی کسی اور چیز کے سبب سے جو زراعت سے مانع ہو پس جو زمین قدیم زمانے سے آباد ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانہ اسلام میں مملوک تھی لیکن اس کا کوئی مالک معلوم نہیں اور وہ زمین آبادی سے اس قدر دور ہے کہ اگر کوئی شخص آبادی کے آخری کنارے سے کھڑے ہو کر آواز لگائے تو اس زمین میں آواز نہ سنائی دیتی ہو تو وہ زمین موات کے حکم میں ہے۔ جس شخص نے اس کو حاکم کی اجازت سے آباد کیا ہو تو اس کا مالک ہوگا اور جس نے حاکم کی اجازت کے بغیر آباد کیا ہو تو وہ امام اعظم کے نزدیک مالک نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ شخص اس کا مالک ہو جائے گا اور ذمی شخص بھی احیاء کے ذریعے اس کا مالک ہو جائے گا کہ جس طرح مسلمان اس کا مالک ہو جاتا ہے اور جس شخص نے پتھر لگا کر علامت لگادی اور اس کو تین سال تک آباد نہ کیا تو حاکم اس زمین کو اس سے لے کر دوسرے کو دے دے اور جو زمین

آبادی کے قریب ہے اس کا احیاء درست نہیں بلکہ بستی والوں کے لیے چراگاہ اور کٹی ہوئی کھیتی کے لیے کھلیان ہوگی"۔

حل لغات:۔ عادیا: قدیم حالت۔ قریہ: بستی۔ اقصیٰ: کنارہ۔ العامر: آباد۔ صاح: صیحاً سے بمعنی آواز لگانا۔ حجر: تحجیر سے بمعنی زمین کے اردگرد پتھر کی دیوار بنانا۔ مرعی: چراگاہ۔ مطرحا: ڈالنے کی جگہ۔ حصائد: جمع حصیدہ کی بمعنی کاٹی ہوئی کھیتی۔

بنجر زمین کی اصطلاحی تعریف:

قولہ: الموات الخ: وہ زمین کہ جس سے زراعت کا نفع اٹھانا کسی مانع زراعت کی وجہ سے ممکن نہ ہو اسے "موات" کہا جاتا ہے۔ مانع زراعت مختلف امور ہو سکتے ہیں مثلاً زمین کا پانی ختم ہو جائے، زمین پر پانی جمع ہو جائے، زمین پر ریت غالب آجائے، پتھر غالب آجائیں، سلائیڈ آجائے، خودرو جھاڑیوں نے ڈیرہ جمالیا ہو اسی طرح کا کوئی بھی عذر پایا جائے تو اسے مانع زراعت کہا جاتا ہے۔ علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع نے موات کی تعریف یہ کی ہے کہ ہر وہ زمین جو گاؤں یا شہر سے باہر ہو اور اس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی حق وابستہ ہو اور نہ ہی گاؤں وشہر والوں کے حقوق وابستہ ہوں تو اس کو موات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جو زمین ان شرائط کے تحت آئیں گی وہ موات ہوں گی ورنہ نہیں۔

موات کا حکم

قولہ: فما کان منھا الخ: ذکر کردہ تعریف کے مطابق زمین ہو یا ایسی زمین ہو جو قدیم زمانے سے غیر آباد ہو کہ اس کا کوئی مالک نہ ہو یا دارالاسلام میں ہو مگر اس کا مالک متعین نہ ہو کافی عرصہ سے غیر آباد ہو اور بستی سے اتنی دور ہو کہ بستی کے آخر سے آواز لگائی جائے اگر بنجر زمین تک نہ پہنچتی ہو۔ بستی سے دوری کی شرط امام قدوری نے امام ابو یوسف اور امام طحاوی کے مذہب پر لگائی ہے جب کہ امام محمد کے نزدیک صرف یہ شرط ہے کہ بستی والے اس زمین سے نفع نہ اٹھاتے ہوں دوری کی شرط نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ تو ایسی زمین کو حکومت کی اجازت سے آباد کرنا امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اور اس کا مالک بھی بن جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک حکومت کی اجازت کے بغیر بھی آباد کر سکتا ہے اور مالک بن جائے گا۔ یہی موقف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا ہے مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر دیگر لوگ اجازت دیں تو مالک بن جائے گا۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ارض موات کو بیت المال کے ساتھ مشابہت حاصل ہے کہ جس طرح بیت المال کے ساتھ تمام مسلمانوں کا حق وابستہ ہوتا ہے یوں ہی ارض موات کے ساتھ بھی سب کا حق وابستہ ہوتا ہے لہٰذا حاکم کو اجازت ہے کہ جس کو مستحق سمجھے اسے عطا کر دے۔ دور حاضر میں حکومت کی رجسٹریشن کے بغیر کوئی بھی زمین کا مالک نہیں بن سکتا لہٰذا اس دور میں عملاً فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (اخذ الطحاوی و علیہ المعون رد المحتار)

سربراہ مملکت کے لیے زمین الاٹ کرنے کی فقہی حیثیت:

فقہی حیثیت سے سربراہ مملکت کو یہ اجازت ہے کہ وہ ملک وقوم کی اجتماعی مصلحت سے اگر مستحق افراد کو زمین الاٹ کردے تو جائز ہے مگر اپنے من پسند افراد میں بانٹنا یہ شرعاً بددیانتی ہے لہٰذا جس کو زمین الاٹ کرے تو اسے بقول امام ابو یوسف ۳ سال کے اندر اندر کاشت کاری کرنے پر پابند کرے یا زمین میں کوئی صنعتی پلانٹ لگائے تاکہ لوگوں کو روزگار فراہم ہو ورنہ الاٹمنٹ کو منسوخ کردے اور حکومت اس کو خود قوم کے لیے سودمند بنائے لیکن دور حاضر میں زمین کے پلاٹوں کو شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر جاتے ہیں یا سیاسی رشوت کے نذر ہو جاتے ہیں۔

غیر مسلم کا آباد کرنا:

قوله: ویملك الخ: کہ جس طرح ایک غیر مسلم ارضِ موات کو آباد کرسکتا ہے اسی طرح دارالاسلام میں رہنے والا حکومتی اجازت سے ذمی بھی آباد کرسکتا ہے۔ لہٰذا ہندو، سکھ، عیسائی وغیرہ حکومت کی اجازت سے مالک متصور ہوں گے۔

بنجر زمین کو نشانی کے ذریعے متعین کرنے کا حکم:

قوله: ومن حجر الخ: اگر کسی نے موات زمین کو دیوار لگا کر گھیر لیا یا دائیں بائیں چاروں طرف نشانی کے لیے پتھر رکھ دیئے اور حاکم کی اجازت سے آباد کرلیا تو مالک ہو جائے گا اگر تین سال تک کوئی کاشت نہ کی یا نفع نہ اٹھایا تو حاکم کو اختیار ہے کہ اس سے واپس لے کر کسی اور کو دے تاکہ وہ کاشت کرے محض دیوار یا نشانات لگانے سے مالک متصور نہ ہوگا۔

لوگوں کے منافع ومرافق کا وابستہ ہونا:

قوله: ولا یجوز الخ: وہ زمین جو بستی کے قریب غیر آباد ہو کہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو مگر اس سے بستی والوں کی حاجات وابستہ ہوں کہ جانوروں کی چراگاہ، سیر وتفریح کے لیے گراؤنڈ، جنگل کہ جس سے لکڑیاں لاتے ہوں اور ایسے سرکاری شاملات کہ جن سے مشترکہ مفاد وابستہ ہوتا ہے تو اس کا احیاء درست نہیں اگر ملی بھگت سے پٹواری وتحصیلدار اجازت دے بھی دیں تب بھی جائز نہیں کیونکہ مفاد عامہ پر حملہ ہے اگر مفاد عامہ نہ ہو تو سرکاری اہل کار دے سکتے ہیں۔

وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ بَرِّيَّةٍ فَلَهٗ حَرِيْمُهَا فَإِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيْمُهَا أَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَإِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَسِتُّوْنَ ذِرَاعًا وَإِنْ كَانَتْ عَيْنًا فَحَرِيْمُهَا ثَلَاثُمِائَةِ ذِرَاعٍ وَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّحْفِرَ فِيْ حَرِيْمِهَا بِئْرًا مُنِعَ مِنْهُمَا تَرَكَ الْفُرَاتُ أَوِ الدِّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ فَإِنْ كَانَ يَجُوْزُ عَوْدُهٗ إِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ إِحْيَاؤُهٗ وَإِنْ كَانَ لَا يَجُوْزُ أَنْ يَّعُوْدَ إِلَيْهِ فَهُوَ كَالْمَوَاتِ إِذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيْمًا لِعَامِرٍ يَمْلِكُهٗ مَنْ أَحْيَاهُ بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَمَنْ كَانَ لَهٗ نَهْرٌ فِيْ أَرْضِ غَيْرِهٖ فَلَيْسَ لَهٗ حَرِيْمٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ إِلَّا أَنْ يُّقِيْمَ بَيِّنَةً عَلٰى ذٰلِكَ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَهٗ مُسَنَّاةٌ يَمْشِيْ عَلَيْهَا وَيُلْقِيْ عَلَيْهَا طِيْنَهٗ

”اور جس شخص نے جنگل میں کنواں کھودا تو اس کے لیے اس کے اردگرد کی جگہ ہے پس اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لیے ہو تو

اس کا حریم چالیس گز شرعی ہے اور اگر وہ کنواں کھیتوں کو پانی دینے کے لیے ہے تو اس کا حریم ساٹھ گز شرعی ہے اور اگر وہ چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو گز شرعی ہے لہٰذا جو شخص اس کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے اس کو روک دیا جائے گا اور جو زمین دریائے فرات یا دجلہ چھوڑ دے اور اس سے پانی ہٹ جائے تو اگر پانی پھر آ سکتا ہو تو وہ موات کی طرح ہے کہ اگر وہ کسی کا حریم نہ ہو تو مالک ہو جائے گا اس کا وہ شخص جو حاکم کی اجازت سے آباد کرے اور جس کی دوسرے کی زمین میں نہر ہو تو امام اعظم کے نزدیک اس کا حریم نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کے پاس گواہ ہوں اور صاحبین کے نزدیک اس کے لیے نہر کی منڈیر ہوگی جس پر وہ چل سکے اور جس پر وہ نہر کی مٹی ڈال سکے"۔

حل لغات: بریة: جنگل۔ حریم: اردگرد کی جگہ۔ العطن: وہ کنواں جس سے اونٹوں کو پانی پلایا جائے۔ الناضح: وہ کنواں جس سے پانی نکال کر زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہو، عین: چشمہ، عدل عنه: جب عدل کا صلہ عن آئے تو معنی ہٹنا، اعراض کرنا۔ البینة: گواہ۔ مسناة: منڈیر، بند۔

کنواں کا حریم:

قوله: ومن حضر الخ: حریم سے کنواں کے اردگرد کی وہ زمین مراد ہے کہ جس میں دوسرے کو کنواں کھودنے کی اجازت نہیں ہوتی صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جنگل میں کنواں کھودا تو تین حال سے خالی نہیں یا تو کنواں عطن ہوگا یا کنواں ناضح ہوگا یا کنواں عین ہوگا لہٰذا اگر کنواں عطن ہو کہ ہاتھوں کے ذریعے رسی اور ڈول کے ساتھ پانی نکالا جائے تو اس کنویں کا اردگرد مربع ۴۰ گز شرعی (۲۰ گز انگریزی) ہوگا اگر کنواں ناضح ہو کہ جس سے جانوروں کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہو تو اس کنویں کا اردگرد مربع ۶۰ گز شرعی (۳۰ گز انگریزی) ہوگا یہ مذہب صاحبین کا ہے جب کہ امام اعظم کے نزدیک ہر جانب سے چالیس (۴۰) گز شرعی ہے جو کہ کنواں عطن تھا۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (بہ یفتی "الھندیہ" یفتی بقول الامام "در مختار مع رد المختار" دیگر متون علی قول الامام)

اگر کنواں عین (چشمہ) ہو کہ چشمہ کی طرح اس کا پانی خود نکلتا ہو تو اس کا حریم ۵۰۰ سو گز شرعی ۲۵۰ گز انگریزی) مربع ہوگا۔ لہٰذا تینوں کنوؤں کے حریم میں کسی دوسرے کو کنواں کھودنے کی اجازت نہ ہوگی۔ جیسا کہ فقہی اصول ہے "لا ضرر ولا ضرار" جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک حریم کی مقدار عرف پر محمول ہوگی۔ کنویں کے اردگرد کی زمین کا اعتبار ایسے ہی ہے کہ جس طرح مکان کے صحن کا ہے۔

دریائی زمین:

قوله: وما ترك الفرات الخ: اگر کسی دریا کے مقام سے پانی ہٹ گیا ہو تو پانی آنے کی توقع ہے یا نہیں؟ اگر توقع ہے تو اس کو آباد کرنا درست نہیں اگر دوبارہ آنے کی توقع نہ ہو تو دو شرطوں کے ساتھ آباد کرنا جائز ہے۔ ۱۔ حاکم کی اجازت کے ساتھ

۲۔اس جگہ کسی اور کا حریم نہ ہو مثلاً پاکستان کے کئی دریا ایسے ہیں کہ جن میں پانی کی مذکورہ صورت حال ہوتی ہے۔

نہر کا حریم:

قوله:ومن کان له نهر الخ:متن کا مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب نہر کسی کی زمین میں ہو تو کیا اسے حریم بھی ملے گا کہ نہیں؟ نہ موات الارض سے کیونکہ موات الارض میں بالاتفاق حریم کا استحقاق ہوگا لہٰذا غیر کی زمین میں نہر کے لیے حریم ہوگا کہ نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک گواہوں کے بغیر حریم نہیں ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک بغیر گواہوں کے بھی حریم کا مستحق ہوگا۔

حریم نہر سے مراد نہر کے اردگرد کی جگہ ہے کہ جس پر چلا جائے اور مٹی اس پر پھینکی جائے اس کو بند اور منڈیر کہا جاتا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتوٰی امام اعظم کے قول پر ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے کی زمین ہے لہٰذا بغیر شہادت کے حریم ثابت نہ ہوگا کیونکہ حریم کا تعلق ارض موات میں ہے جب کہ یہ زمین غیر کی ملک میں ہے اس لیے بینہ ضروری ہیں اور ارض موات میں نہر کے لیے حریم ہوگا جب کہ ارض غیر میں نہر کے لیے حریم مختلف فیہ ہے۔بعض نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے مگر دیگر معون علی قول الامام ہیں۔حلبی نے امام اعظم کے قول کو مقدم کیا کہ جن کا اسلوب یہی ہے کہ قول راجح کو مقدم کرتے ہیں۔

كتاب المزارعة

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب احیاء الموات کو بیان کیا اب کتاب المزارعة کا آغاز کر رہے ہیں۔

مزارعت کا لغوی معنیٰ:

مزارعت باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا مادہ (ز، ر، ع) ہے۔ اسی سے زراعت ہے۔

اصطلاحی معنیٰ:

"هِيَ عَقْدٌ عَلَى الزَّرْعِ بِبَعْضِ الْخَارِجِ" پیداوار کے کسی معین حصے پر کسی کو زمین کاشت کے لیے دینا مزارعت کہلاتا ہے۔

ثبوت:

حضور نبی کریم ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا عقد فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو مخابرہ بھی کہا جاتا ہے اور اس کو محاقلہ اور اہل عراق کی اصطلاح میں قراح بھی کہا جاتا ہے جب کہ ہمارے ہاں اس کو حصے پر زمین دینا کہا جاتا ہے۔ اردو میں بٹائی پر دینا کہا جاتا ہے۔ کاشت کاری کا عمل تو ایک شخص کرتا ہے مگر غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے مفاعلہ (مزارعت) استعمال کیا جاتا ہے۔

ارکان:

اس کے ارکان دوسرے معاملات کی طرح ہی ہیں۔

قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اَلْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَةٌ وَّقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ هِيَ جَائِزَةٌ وَّ هِيَ عِنْدَهُمَا عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِذَا كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَّالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَّالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ اَيْضًا وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَّالْعَمَلُ مِنْ آخَرَ جَازَتْ اَيْضًا وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَّالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِيَ بَاطِلَةٌ

"امام اعظم ابو حنیفہ نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر عقد مزارعت باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے اور یہ مزارعت ان کے نزدیک چار صورتوں پر ہے جب زمین اور بیج ایک کا ہو کام اور بیل دوسرے کا ہو تو مزارعت جائز ہے اور اگر زمین ایک کی ہو کام اور بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو بھی مزارعت جائز ہے اور اگر زمین اور بیج اور ایک بیل ایک اور ایک دوسرے کا ہو تو بھی جائز ہے اور اگر زمین و بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کے ہوں تو باطل ہے"۔

بٹائی (حصے پر دینے) کی شرعی حیثیت:

قوله: قال ابو حنيفه الخ: زمین کو حصے پر دینا کہ تم کاشت کرو مجھے تیسرا یا چوتھا حصہ دے دینا کیا عقد جائز ہے یا

ناجائز؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک حصے پر زمین دینا باطل ہے۔ انہوں نے احادیث سے استدلال فرمایا ہے یہی موقف امام مالک اور امام شافعی کا بھی ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک حصے پر دینا جائز ہے ان کا استدلال بھی احادیث سے ہے اور یہی موقف امام احمد بن حنبل اور جمہور کا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ مزارعت کا عقد فرمایا تھا نیز مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے اس پر جواز کا فتویٰ دیا گیا نیز لوگوں کی ضرورت اور تعامل الناس سے جواز کا متقاضی ہے۔

(الفتویٰ علی قولهما خلاصة الفتاویٰ، الهندیه، قاضی خان وغیرہ)

مزارعت کی اقسام اور ان کے احکام:

قوله: وهي عندهما الخ: مزارعت میں بنیادی طور پر چار عناصر پائے جاتے ہیں: ۱۔ زمین ۲۔ بیج ۳۔ آلہ کاشت (بیل، ٹریکٹر) ۴۔ کاشت کار کا عمل لہٰذا اس لحاظ سے مزارعت کی سات اقسام بنتی ہیں کہ جن میں سے امام قدوری نے چار بیان کی ہیں اور جدول میں پہلی چار صورتیں امام قدوری نے بیان کی ہیں جب کہ باقی تین علامہ شامی نے بیان کی ہیں اب جدول ملاحظہ کیجئے۔

نمبر شمار	مالک زمین کی طرف سے	دوسرے کی طرف سے	حکم
۱۔	زمین، بیج اور آلہ کاشت	عمل	جائز
۲۔	زمین	آلہ کاشت، بیج اور عمل	جائز
۳۔	زمین، بیج	آلہ کاشت، عمل	جائز
۴۔	زمین، آلہ کاشت	بیج، عمل	ظاہر روایت میں ناجائز امام ابو یوسف کے نزدیک جائز
۵۔	زمین، عمل	بیج، آلہ کاشت	"
۶۔	زمین، عمل، آلہ کاشت	بیج	"
۷۔	زمین، عمل، بیج	آلہ کاشت	"

وَلَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ اِلَّا عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ وَّاَنْ يَّكُوْنَ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا مُشَاعًا فَاِنْ شَرَطَ لِاَحَدِهِمَا قُفْزَانًا مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَكَذٰلِكَ اِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِيْ وَاِنْ لَمْ تُخْرِجِ الْاَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ كُلُّهٗ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ وَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْاَرْضِ اَجْرُ مِثْلِ اَرْضِهٖ وَاِذَا عَقَدَ الْمُزَارَعَةَ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ

”اور مزارعت درست نہیں ہوتی مگر مدت معلوم پر اور یہ پیداوار ان دونوں میں مشترک ہو۔ پس اگر ان دونوں نے کسی

ایک کے لیے ایک معین قفیز شرط کرلی تو یہ مزارعت باطل ہے اور اسی طرح اگر ان دونوں نے اس غلہ کی شرط لگائی جو چھوٹے اور بڑے کھالوں پر ہو اور جب مزارعت درست ہو جائے تو پیداوار ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگی اور اگر زمین سے کچھ پیدا نہ ہوا تو کاشت کار کے لیے کچھ نہیں ہے اور جب مزارعت فاسد ہو جائے تو پیداوار بیج والے کی ہوگی لہٰذا اگر بیج زمین دار کی طرف سے تھا تو کاشت کار کے لیے اجرت مثلی ہوگی جو اس مقدار سے زائد نہ ہوگی جو کاشت کار کے لیے پیداوار سے شرط لگائی تھی اور امام محمد نے فرمایا کہ اسے اجرت مثلی ملے گی وہ جتنی بھی ہو اور اگر بیج کاشت کار کی طرف سے ہو تو زمین دار کو اجرت ملے گی اور اگر مزارعت کا عقد طے ہو گیا اور بیج بونے سے رک گیا تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا''۔

حل لغات: العارج: پیداوار۔ مشاع: مشترک۔ قفزان: جمع ہے قفیز کی قفیز بارہ صاع کا ایک پیمانہ ہے۔ الماذیانات: جمع ہے ماذیان کی جو معرّب ہے فارسی سے بمعنی چھوٹی کول، کھالہ۔ السواقی: جمع ہے ساقیہ کی بمعنی بڑا کھالہ، کول۔ المذر: بیج۔

مزارعت کے درست ہونے کی شرطیں:

قوله:ولا تصح الخ: امام قدوری نے مزارعت کے درست ہونے کی تین شرطیں بیان کی ہیں۔ ا۔مزارعت کی مدت متعین ہو کہ کتنے ماہ یا سال تک کاشت کاری کرنی ہے ورنہ باطل ہوگی۔ ۲۔پیداوار میں سے کسی ایک کے لیے معین مقدار یعنی اتنے من فلاں کے لیے ہے تو عقد مزارعت باطل ہوگا۔ لہٰذا کلو اور من کے لحاظ سے شرط درست نہ ہوگی۔ ۳۔زمین کی تمام پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہو یہ نہ ہو کہ کسی خاص مقام کی ایک کے لیے متعین ہو اگر متعین کردی تو عقد باطل ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ زمین دار اور کاشت کار کے مابین بٹائی تناسب کے اعتبار سے متعین ہو مثلاً نصف، تہائی اور چوتھائی وغیرہ۔

مزارعت صحیح کی پیداوار:

قوله:واذا صحت الخ: اگر عقد مزارعت میں مطلوبہ تمام شرائط پائی جائیں اور پیداوار بھی ہو جائے تو طے کردہ تناسب کے اعتبار سے دونوں کے درمیان غلہ تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ فقہی قاعدہ بصورت فرمان نبوی ﷺ ہے: ''اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ'' کہ مسلمان شرط کے پابند ہیں لہٰذا طے کردہ شرط کا لحاظ کیا جائے گا۔ اگر زمین سے پیداوار ہی نہ ہو تو جس طرح زمین دار محروم ہے اسی طرح کاشت کار بھی محروم ہوگا۔

مزارعت فاسدہ کی پیداوار:

قوله:واذا فسدت الخ: اگر فریقین کے درمیان کسی وجہ سے عقد مزارعت فاسد ہو جائے تو جس کی طرف سے بیج تھا پیداوار کا مالک وہی ہوگا اگر بیج مالک زمین نے دیا تھا تو کاشت کار کو اتنی مدت کی اجرت دے گا اگر بیج کاشت کار کی طرف سے تھا تو مالک زمین کو اتنی مدت کا کرایہ دے گا۔ دونوں صورتوں میں اجرت مثلی ہوگی لیکن اگر اجرت مثلی طے شدہ حصے سے زیادہ بنتی ہو تو

اجرت مثلی دی جائے گی یا نہیں؟ اس میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے کہ شیخین کے نزدیک جب اجرت مثلی طے شدہ حصے سے زیادہ بنتی ہو تو زیادہ نہیں دی جائے گی۔ جب کہ امام محمد کے نزدیک زیادہ دی جائے گی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے جیسا کہ فقہی اصول ہے: "اَلسَّاقِطُ لَا يَعُوْدُ" کہ جب ایک دفعہ کم پیداوار پر راضی ہو چکا ہے اور زائد کو ساقط کرنے پر بھی راضی ہو چکا لہٰذا ساقط شدہ مقدار دوبارہ اس کو نہیں ملے گی بلکہ مقرر کردہ مقدار تک ہی ملے گی۔

(تاخیر دلیل الشیخین فی بدائع الصنائع، تقدیم قول الشیخین فی ملتقی الابحر اور دیگر معون علی قول الشیخین)

عقد کے بعد انکار:

قوله: واذا عقدت الخ: اگر عقد مزارعت کے بعد بیج والے نے کاشت کاری سے انکار کر دیا تو اس کو کاشتکاری پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اصول یہ ہے کہ "جس میں پیسے کا نقصان ہو اس کام کو کرنے پر حاکم مجبور نہیں کر سکتا" اگرچہ کوئی عذر نہ ہو تو وعدہ وفائی کرنا چاہیے۔

وَاِنْ امْتَنَعَ الَّذِی لَيْسَ مِنْ قِبَلِهِ الْبَذْرُ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْعَمَلِ ، وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَطَلَتْ الْمُزَارَعَةُ اعْتِبَارًا بِالْاِجَارَةِ وَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْمُزَارَعَةِ وَالزَّرْعُ لَمْ يُدْرَكْ كَانَ عَلَى الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ نَصِيْبِهِ مِنَ الْاَرْضِ اِلٰى اَنْ يُسْتَحْصَدَ وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا عَلٰى مِقْدَارِ حُقُوْقِهِمَا وَاُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالرِّفَاعِ وَالدِّيَاسِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ فَاِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ

"اور اگر ایسا شخص رک گیا جس کی طرف سے بیج نہیں تو حاکم اس کو کام پر مجبور کرے گا اور اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی اور اگر مدت مزارعت گزر جائے اور ابھی کھیتی تیار نہیں ہوئی تو کاشت کار کے ذمہ کرایہ ہوگا جو اس جیسی زمین کا ہوتا ہے کھیتی کاٹنے تک اور کھیتی کا خرچ دونوں کے ذمہ ہوگا ان کے حقوق کے مطابق اور کھیتی کاٹنے، گاہنے، اکٹھا کرنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں کے ذمہ حصوں کے مطابق ہوگی اور اگر دونوں نے مزارعت میں اس خرچ کی شرط عامل پر لگا دی تو مزارعت باطل ہو جائے گی"۔

حل لغات: يستحصد: استحصاد سے بمعنی کاٹنے کے وقت کا قریب ہونا لیکن یہاں مطلقاً کاٹنا مراد ہے۔ النفقة بمعنی خرچہ۔ الحصاد: کاٹنا۔ الدياس: گاہنا۔ الرفاع: کھلیان تک لے جانا۔ التذرية: غلہ صاف کرنا

عمل سے انکار:

قوله: وان متنع الخ: اس سے قبل مسئلہ کی صورت یہ تھی کہ بیج بونے کی ذمہ داری اس پر تھی جب کہ اب مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے ذمہ بیج کی ذمہ داری نہیں تو انکار کرنے پر حاکم اس کو کام کرنے پر مجبور کرے گا کیونکہ اس کے کام کرنے پر پیسے

غرج نہیں ہوتے لیکن اگر کوئی عذر شدیدہ ہو تو حاکم مجبور نہیں کرسکتا۔

احدالمتعاقدین کی موت:

قوله:واذا مات الخ: اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک عقد مزارعت کے بعد زراعت سے قبل فوت ہوجائے تو عقد باطل ہوجائے گا کیونکہ عقود جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں وہ ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوتے لیکن جب وفات کے وقت کھیتی اگ چکی تھی تو عقد استحساناً باقی رہے گا۔

کھیتی تیار ہونے سے قبل مدت کا ختم ہوجانا:

قوله:واذا انقضت الخ: اگر زمین کو حصے پر لیا گیا کہ ابھی تک کھیتی پک کر تیار نہیں ہوئی کہ طے شدہ مدت مزارعت ختم ہوگئی کہ مدت مزارعت چار ماہ تھے جب کہ کھیتی کو تیار ہوتے چھ ماہ لگ سکتے ہیں تو اب حکم یہ ہے کہ دو ماہ کا مالک زمین کو کاشت کار کرایہ دے گا جتنا کرایہ اس جیسی زمین کا دو ماہ کے لیے بنتا ہو لیکن ہر فصل کے تیار ہونے کی مدت تقریباً معلوم ہی ہوتی ہے۔ دس بیس دن اوپر نیچے ہو بھی جائیں تو عرف میں کچھ حرج نہیں لہٰذا اگر مالک زمین مزید مہلت دے دے تو صفقة فی صفقة کے قاعدے کے تحت عقد مزارعت فاسد نہ ہوگا۔

کھیتی کے اخراجات:

قوله:والنفقه الخ: کھیتی پر اخراجات تین قسم کے ہیں ایک وہ اخراجات جو کھیتی پکنے سے قبل مدت مزارعت کے ختم ہونے کے بعد آئے مثلاً کھاد، تیل، دوائی وغیرہ تو مالک زمین اور کاشت کار دونوں کے درمیان اپنے اپنے طے کردہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوں گے کیونکہ مدت مزارعت ختم ہونے کے بعد کاشت کار پر عمل لازم نہیں اب جو خرچ ہوگا دونوں شریک ہوں گے دوسرے اخراجات وہ جو مدت مزارعت کے اندر ہوتے ہیں مثلاً ہل، کھاد، واہی، جڑی بوٹی تلف ادویات وغیرہ ان کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ہر وہ کام جو کھیتی کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے وہ کاشت کار کے ذمہ ہے" لہٰذا ایسے تمام اخراجات کاشت کار کے ذمہ ہوں گے اگرچہ بوقت عقد ان کو بیان نہ بھی کیا گیا ہو۔ تیسرے وہ اخراجات جو کھیتی کے تیار ہونے کے بعد آتے ہیں اگر کاشت کار پر شرط لگا دی تو کیا عقد مزارعت فاسد ہوگا یا نہیں؟ اس کے متعلق حکم یہی ہے کہ ظاہر روایت میں عقد فاسد ہوگیا کیونکہ کاشت کار کے ذمہ دونوں چیزیں لازم نہیں۔

مفتی بہ قول:

امام ابو یوسف کا قول ہے کہ تعامل الناس کی وجہ سے عقد باطل نہیں ہوگا لہٰذا باہمی تعامل کی وجہ سے شرط لگانا جائز ہے کہ کھیتی کی کٹائی، گاہی اور منڈی تک لانے کا خرچ تمہارا ہوگا (علیه الفتویٰ در مختار مع رد المحتار، ملتقی الابحر، المختار للفتویٰ)

كتاب المساقاة

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب المزارعت کو بیان کیا اب کتاب المساقاۃ کا آغاز کر رہے ہیں کہ دونوں میں وجہ مناسبت پیداوار میں مشارکت ہے بس فرق یہ ہے کہ مزارعت کا تعلق کھیتی سے ہے جب کہ مساقات کا تعلق درختوں سے ہے۔

مساقات کا لغوی معنی:

باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا مادہ (س، ق، ی) ہے۔ جس کا معنی سیراب کرنا، اصطلاحی معنی اپنا باغ کسی کو دیکھ بھال اور اصلاح کے لیے دینا مساقات کہلاتا ہے۔

شرائط:

مساقات شرائط تقریباً وہی ہیں جو مزارعت میں گزر چکی ہیں۔

قَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ الْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا بَاطِلَةٌ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ هِيَ جَائِزَةٌ إِذَا ذَكَرَا مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَسَمَّيَا جُزْءًا مِنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا وَتَجُوْزُ الْمُسَاقَاةُ فِي النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَأُصُوْلِ الْبَاذِنْجَانِ فَإِنْ دَفَعَ نَخْلًا فِيْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَالثَّمَرَةُ تَزِيْدُ بِالْعَمَلِ جَازَ، وَإِنْ كَانَتْ قَدْ انْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ وَإِذَا فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ أَجْرُ مِثْلِهِ وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ وَتُفْسَخُ بِالْأَعْذَارِ كَمَا تُفْسَخُ الْإِجَارَةُ

"امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پھل کا کچھ حصہ متعین کر کے مساقات باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ دونوں مدت کو متعین کریں اور مشترک طریقے سے پھل کا کچھ متعین کریں اور مساقات کھجوروں، درختوں، انگوروں، سبزیوں اور بینگنوں میں جائز ہے۔ پس اگر کسی نے کھجوروں کے پھل دار درخت مساقات پر دے دیئے اور وہ پھل بڑھتا ہے تو جائز ہے اگر پھل کا بڑھنا مکمل ہو چکا ہے تو ناجائز ہے اور اگر مساقات فاسد ہو جائے تو مالی کو اجرت مثلی ملے گی اور مساقات فوت ہونے سے باطل ہو جاتی ہے اور عذروں سے فسخ ہو جاتی ہے کہ جس طرح اجارہ فسخ ہو جاتا ہے"۔

حل لغات: النحل: کھجور کا درخت۔ الکرم: انگور کی بیل۔ الرطاب: رطبۃ کی جمع ہے مختلف سبزیاں۔ الباذنجان: بینگن۔

مساقات کا حکم اور شرائط:

قولہ: قال ابو حنیفہ الخ: مساقات کے مسئلہ میں بھی امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین کے مابین وہی اختلاف ہے جو مزارعت میں گزرا۔ امام اعظم کے نزدیک اگر باغ کا مالک مالی سے یہ کہے کہ تم باغ کو پانی لگاؤ اور دیکھ بھال کرو جو پھل آئے گا اس

کا تہائی یا چوتھائی حصہ تمہارا ہوگا یہ صورت آپ کے نزدیک باطل ہے لیکن یہ صورت جائز ہوگی کہ مالی کو اجرت پر رکھے یا جو پھل ٹوٹا ہو وہ دے دے لیکن صاحبین کے نزدیک مالی سے حصے پر عقد مساقات درست ہے بشرطیکہ مدت بھی متعین ہو اور حصے کو بھی بیان کر دیا ہو کہ تہائی یا چوتھائی اور آئمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ مدت کی شرط قیاس کے لحاظ سے ہے ورنہ استحساناً ضروری نہیں کیوں کہ ہر پھل کے پکنے کی مدت معلوم ہی ہوتی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (اللباب، الشامی، حلبی وغیرہ)

کن میں مساقات درست ہے اور کن میں نہیں؟

قولہ: ویجوز المساقات الخ: متن میں ذکر کردہ تمام پھل، سبزیوں وغیرہ میں مساقات درست ہے اور اگر باغ کو ایسی حالت پر دیا کہ ابھی پھل کچے تھے جو بڑھ سکتے ہیں تو عقد درست ہے لیکن اگر پھل تیار ہو چکے ہیں اور ان کا بڑھنا بند ہو چکا ہے تو مساقات کا عقد درست نہیں بلکہ کام کی اجرت مثلی ملے گی کیونکہ عقد مساقات تب کہلاتا ہے کہ اس کے سیراب کرنے سے پھل بڑھتا ہے جب پھل کا بڑھنا موقوف ہو گیا ہے اس لیے اجرت ملے گی اسی طرح اگر کسی وجہ سے مساقات فاسد ہو جائے تو پورا پھل مالک باغ کا ہوگا اور مالی کو اجرت مثلی ملے گی۔

مساقات کا بطلان وفسخ:

قولہ: وتبطل الخ: جس طرح دیگر متود عاقدین میں سے کسی ایک کے فوت ہونے سے باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح مساقات بھی مالک یا مالی کے فوت ہونے سے باطل ہو جائے گا لیکن اگر پھل پکنے کے قریب تھا تو عقد بحال رکھیں تاکہ دونوں کا نقصان نہ ہو۔ ''لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ'' عقد مساقات کسی عذر شدید کی وجہ سے فسخ کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح اجارہ عذر شدید کی وجہ سے فسخ ہو سکتا ہے لہٰذا مالی لاپرواہ ہو یا چور ہو یا بیمار ہو گیا کہ دیکھ بھال کے قابل نہیں تو مساقات کو فسخ کر سکتا ہے۔

کتاب النکاح

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب المزارعت کو بیان کیا اب کتاب النکاح کا آغاز کر رہے ہیں دونوں کے درمیان وجہ مناسبت یہ ہے کہ قرآن مجید میں عورت کو کھیتی (حرث) قرار دیا گیا ہے کہ جس طرح کھیت میں بیج ڈالنے سے کھیتی اگتی ہے اسی طرح جب عورت کے رحم میں نطفہ پڑتا ہے تو اولاد جنم لیتی ہے۔

نکاح کا لغوی واصطلاحی معنی:

ملنا یا ملانا، جب کہ اصطلاح شرع میں نکاح کے دو معنی ہیں۔ ۱۔عقد ۲۔وطی۔ کس معنی میں نکاح کا استعمال حقیقت ہے اس میں چار اقوال ہیں تاہم مشہور یہ ہے کہ وطی کے معنی میں حقیقت ہے اور عقد کے معنی میں مجاز ہے۔

فقہ کی اصطلاح میں ''نکاح مرد وعورت کے درمیان طے ہونے والے اس معاہدے کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفع اٹھانا جائز ہو'' لہٰذا تعریف سے معلوم ہوا کہ مُخَنَّث اور ہم جنس سے نکاح نہیں ہو سکتا لہٰذا جو یورپ میں کلچر مخنث اور ہم جنس پرستی کا رواج ہے اسے نکاح کہنا جائز نہیں۔

نکاح کا شرعی حکم:

چونکہ مختلف حالات ومزاج کے افراد ہوتے ہیں لہٰذا اسی وجہ سے نکاح کا شرعی حکم بھی پانچ اقسام کی طرف تقسیم ہوتا ہے ۱۔مہر اور نان ونفقہ پر قادر ہو اور نکاح نہ کرنے پر زنا میں پڑ جانے کا یقین ہو تو نکاح کرنا ''فرض'' ہے۔ ۲۔جب مہر اور نان ونفقہ دینے پر قادر ہو اور نکاح نہ کرنے پر زنا میں پڑ جانے کا ظن غالب ہو تو نکاح کرنا ''واجب'' ہے۔ ۳۔جب مہر اور نان ونفقہ دینے پر قادر ہو اور زنا میں واقع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو ''سنت موکدہ'' ہے لیکن بعض نے اس صورت میں بھی واجب قرار دیا ہے۔ ۴۔اگر نکاح کرنے کے بعد یقین ہو کہ بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کرے گا تو نکاح ''حرام'' ۔ ۵۔اگر ظن غالب ہو تو ''مکروہ تحریمی'' نکاح کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت جبرائیل نے حضرت حوا کے ساتھ بیس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے عوض پڑھایا۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھ لینا:

اگر خود ممکن ہو تو نکاح کرنے والا ایک نظر سے چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھ سکتا ہے۔ ورنہ کسی معتبر عورت کو بھیج کر اس کے حالات معلوم کیے جا سکتے ہیں تاکہ آئندہ ازدواجی زندگی خوشگوار ماحول میں گزرے۔

اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِي أَوْ يُعَبَّرُ بِأَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِي وَالْآخَرِ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ زَوِّجْنِي فَيَقُولُ قَدْ زَوَّجْتُكَ؛

نکاح منعقد ہو جاتا ہے ایجاب وقبول کے ایسے الفاظ کے ساتھ کہ جن کو ماضی کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہو اور ان میں

سے ایک کو ماضی اور دوسرے کو مستقبل کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہو مثلاً یہ کہے تو مجھ سے نکاح کر تو دوسرا کہے میں نے تجھ سے نکاح کر لیا"۔

حل لغات: ایجاب: سے وہ لفظ مراد ہے جو پہلے کہے کہ وہ دوسرے پر ہاں یا نہ کہنے کو واجب کر رہا ہے۔ ایجاب چاہے پہلے عورت کی جانب سے ہو یا مرد کی جانب سے قبول سے مراد وہ دوسرا لفظ ہے جو دوسرے کی جانب سے صادر ہو۔ المستقبل: سے مراد یہاں صیغہ امر ہے۔

نکاح کے ارکان:

قولہ: النکاح الخ: چونکہ نکاح عقد ہے اور ہر عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے لہٰذا نکاح کے بھی دو رکن ہیں ایجاب جس کو پیشکش کہا جاتا ہے اور دوسرا رکن قبول ہے جس کو قبولِ پیشکش کہا جاتا ہے۔ ایجاب وقبول براہ راست عاقدین خود بھی کر سکتے ہیں اور کسی وکیل کے ذریعے بھی کرا سکتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایجاب وقبول دونوں ایک مجلس میں پائے جائیں اور جس زبان میں مرضی ہوں۔

دونوں کا لفظی طور پر ہونا:

قولہ: بلفظین الخ: اگر عاقدین بولنے پر قادر ہوں تو ایجاب وقبول میں بولنا ضروری ہے تاکہ گواہ سن سکیں اگر گونگے ہوں تو تحریر کے ذریعے ایجاب وقبول کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ نکاح بھی عقد ہے مگر دیگر عقود کی طرح محض لین دین کے ساتھ منعقد نہ ہوگا۔ لہٰذا انسانی عصمت کی وجہ سے زبان سے ایجاب وقبول ضروری ہے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ "نکاح میں ایجاب وقبول لفظاً معتبر ہے نہ کہ فعلاً" ایجاب وقبول کے لیے الفاظ بھی ایسے استعمال کیے جائیں جو فی الفور انعقاد نکاح پر دلالت کرتے ہوں چونکہ زمانے تین ہیں ماضی، حال، مستقبل۔ ان تینوں میں سے ماضی کے صیغہ کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اس پر سبھی کا اتفاق ہے باقی رہا حال واستقبال چونکہ عربی میں دونوں کے لیے ایک ہی صیغہ آتا ہے لہٰذا ایک صیغہ ماضی کا ہو اور دوسرا مستقبل کا ہو یہاں مستقبل سے مراد صیغہ امر ہے کیونکہ مستقبل کے صیغہ کے ساتھ وعدہ ہوگا کہ میں نکاح کروں گا جب کہ نکاح میں انشاء اور پختگی ہوتی ہے لہٰذا دونوں صیغے ماضی کے ہوں "میں نے نکاح کیا" دوسرا کہے "قبول کیا" یا ایک مستقبل (امر) کا صیغہ استعمال کرے کہ میرا نکاح کر دے تو جواباً صیغہ ماضی کا استعمال کرے کہ میں نے نکاح کر دیا تو نکاح ہو جائے گا کیونکہ حقیقت میں یہاں بھی فعل ماضی ہی کا صیغہ استعمال ہوا ہے کہ امر کا صیغہ وکیل بنانے کے لیے استعمال ہوا اور اسی جزئیہ سے ٹیلی فون، میسج یا خط کے ذریعے وکیل بنا کر نکاح کرنے کا ثبوت ہے۔

بیع اور نکاح میں فرد واحد کا وکیل واصیل ہونے میں فرق:

چونکہ بیوع میں احکام وکیل کی طرف سپرد ہوتے ہیں اس لیے ایک شخص دونوں طرف سے وکیل اور ایک طرف سے وکیل اور دوسری طرف سے اصیل نہیں بن سکتا جبکہ نکاح میں وکیل کی ذمہ داری فقط نکاح کرانے کی ہے باقی ذمہ داری زوجین کے سپرد ہوتی ہے۔ اس لیے ایک شخص دونوں طرف سے وکیل اور ایک جانب سے وکیل اور اپنی جانب سے اصیل بن سکتا ہے۔

عاقد اصیل یا وکیل یا فضولی یا ولی

نمبر شمار	عاقد	صورتیں	حکم
۱	اصیل	۱۔ دونوں طرف سے اصیل ہو	محال ہے۔
		۲۔ ایک طرف سے اصیل دوسری طرف سے وکیل	بالاتفاق درست ہے۔
		۳۔ ایک طرف سے اصیل دوسری طرف سے ولی	بالاتفاق درست ہے۔
		۴۔ ایک طرف سے اصیل دوسری طرف سے فضولی	مختلف فیہ
۲	وکیل	۱۔ دونوں طرف سے وکیل ہو	بالاتفاق درست ہے۔
		۲۔ ایک طرف سے وکیل دوسری طرف سے اصیل	مکرر ہے۔
		۳۔ ایک طرف سے وکیل دوسری طرف سے ولی	بالاتفاق درست ہے۔
		۴۔ ایک طرف سے وکیل دوسری طرف سے فضولی	مختلف فیہ
۳	ولی	۱۔ دونوں طرف سے ولی ہو	بالاتفاق درست ہے۔
		۲۔ ایک طرف سے ولی دوسری طرف سے اصیل	مکرر ہے۔
		۳۔ ایک طرف سے ولی دوسری طرف سے وکیل	مکرر ہے۔
		۴۔ ایک طرف سے ولی دوسری طرف سے فضولی	مختلف فیہ۔
۴	فضولی	۱۔ دونوں طرف سے فضولی ہو	مختلف فیہ۔
		۲۔ ایک طرف سے فضولی دوسری طرف سے اصیل	مکرر ہے۔
		۳۔ ایک طرف سے فضولی دوسری طرف سے وکیل	مکرر ہے۔
		۴۔ ایک طرف سے فضولی دوسری طرف سے ولی	مکرر ہے۔

ایجاب وقبول کے الفاظ کے معانی جاننا:

عاقدین اور گواہوں کا یہ جاننا ضروری ہے کہ ان الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے یہ جاننا ضروری نہیں کہ ان کے معانی کیا ہیں۔

وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ مُسْلِمَيْنِ بَالِغَيْنِ عَاقِلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ اَوْ وَامْرَاَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ اَوْ مَحْدُوْدِيْنَ فِي الْقَذْفِ فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَّزُفَرُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ تَشْهَدَ شَاهِدَيْنِ مُسْلِمَيْنِ،

”اور مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو آزاد، بالغ، عاقل مسلمانوں کی موجودگی میں یا ایک مرد اور ایک عورت کی موجودگی میں خواہ وہ عادل ہوں یا فاسق ہوں یا تہمت میں سزا یافتہ ہوں۔ پس اگر کسی مسلمان نے کسی ذمیہ عورت سے دو ذمی افراد کی شہادت پر نکاح کر لیا تو شیخین کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں مگر یہ دو مسلمان گواہ بنا لے“۔

نکاح کی شرط:

قولہ:ولا ینعقد الخ: ایک مسلمان کے نکاح کے لیے شرط یہ ہے کہ دو مسلمان جو آزاد، عاقل، بالغ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو ان کی موجودگی میں ہو چاہے عادل ہو یا فاسق ہو کہ اصول یہ ہے کہ ''جو شخص اپنی ذاتی ولایت سے قبول نکاح کا مالک ہو تو اس کی موجودگی میں نکاح درست ہے'' چونکہ جب فاسق وغیرہ قبول نکاح کے مالک ہیں تو گواہ بھی بن سکتے ہیں کہ نفس شہادت کے تو اہل ہیں مگر ادا شہادت (قاضی کے ہاں) کے اہل نہیں۔لیکن امام شافعی کے نزدیک عادل ہونا شرط ہے۔لہٰذا انعقاد نکاح کے وقت گواہوں کا ہونا حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے جب کہ امام مالک کے نزدیک انعقاد کے وقت یہ شرط نہیں لیکن زوجین کی علیحدگی سے پہلے شرط ہے۔اکثر مشائخ کے نزدیک خالی موجودگی کافی نہیں بلکہ ان کا ایجاب وقبول کو سننا بھی شرط ہے اگر ایک نے سنا دوسرے نے نہ سنا یا ایک، ایک مجلس میں دوسرا دوسری مجلس میں تب بھی انعقاد نکاح نہ ہوا لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ''دونوں گواہوں کا ایک مجلس میں ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے'' لہٰذا معلوم ہوا کہ انٹرنیٹ اور کانفرنس کال میں اگرچہ دونوں گواہ اکٹھے سن سکتے ہیں مگر دونوں کی مجلس الگ الگ ہے۔اور گونگا کی تحریر یا اشارہ قائم مقام ایجاب وقبول کے الفاظ ہے۔

ذمیہ عورت سے نکاح کی صورت میں گواہ:

قولہ:فان تزوج الخ: اگر کسی مسلمان نے ذمیہ عورت (عیسائی یا یہودی ہو) سے نکاح کیا اور دو ذمیوں کو گواہ مقرر کر لیا تو شیخین کے نزدیک جائز ہے جب کہ امام محمد کے نزدیک جائز نہیں یہی مذہب آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ دو مسلمان زوجین کے گواہوں کا مسلمان ہونا اجماع سے ثابت ہے مگر ایک مسلمان اور ذمیہ کے نکاح میں مسلمان ہونے کی شرط لگانا بغیر دلیل کے ہے۔کیونکہ نکاح کے بارے میں اصول یہ ہے: ''كُلُّ مَنْ جَازَ اَنْ يَكُوْنَ وَلِيًّا فِي الْعَقْدِ جَازَ اَنْ يَكُوْنَ شَاهِدًا فِيْهِ'' چونکہ اس عقد میں کافر کا ولی بننا درست ہے لہٰذا اس میں شاہد بھی بن سکتا ہے نیز یہ بھی اصول ہے کہ '' کافر کی گواہی اس وقت معتبر نہیں جب کہ وہ مسلمان کے خلاف ہو اگر حق میں ہو معتبر ہے۔'' جب کہ یہاں مسلمان کے حق میں ہے کہ اس کی ملکیت میں ذمیہ آرہی ہے۔(الصحیح قولھما اللباب، دیگر معنون علی قول الشیخین)

البتہ جب اختلاف زوجین ہو تو نکاح کو ثابت کرنے میں ذمیوں کی گواہی کام نہ دے گی۔

لفظ جواز کے معانی اور محل استعمال کی تحقیق:

عرف فقہ میں لفظ جواز دو معانی میں کثیر الاستعمال ہے۔۱۔جب عقود میں استعمال ہو عموماً صحت کے معنی میں آتا ہے ۲۔اور جب افعال میں استعمال ہو تو عموماً حلت کے معنی میں آتا ہے ۳۔اور بعض اوقات لزوم اور نفاذ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے ان کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ صحت اور حلت کے درمیان خاص من وجہ کی نسبت ہے کہ صحت حلت کو تو لازم ہے مگر حلت صحت کو لازم نہیں، اسی طرح لزوم اور حلت میں بھی خاص من وجہ کی نسبت ہے جب کہ لزوم، صحت نفاذ میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ان کی تفصیل دیکھئے (فتاویٰ رضویہ ۱۱/۳۸۵ رضا فاؤنڈیشن لاہور۔)

وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَلَا بِجَدَّاتِهٖ من قبل الرجال والنساء ولا ببنته ولا ببنت ولده و ان سفلت ولا باخته ولا ببنات اخته ولا بعمته ولا بخالته ولا ببنات اخيه وَلَا بِاُمِّ امْرَاَتِهٖ دَخَلَ بِابْنَتِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ وَلَا بِبِنْتِ امْرَاَتِهِ الَّتِیْ دَخَلَ بِاُمِّهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِیْ حِجْرِهٖ اَوْ حِجْرِ غَيْرِهٖ وَلَا بِامْرَاَةِ اَبِيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَلَا بِامْرَاَةِ ابْنِهٖ وَبَنِیْ اَوْلَادِهٖ وَلَا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ

''اور مرد کے لیے جائز نہیں کہ وہ نکاح کرے اپنی ماں سے، اپنی دادی سے جو مردوں کی طرف سے ہو یا عورتوں کی طرف سے ہو، نہ اپنی بیٹی سے، نہ اپنی پوتی سے اگر چہ نیچے تک ہوں، نہ اپنی بہن سے، نہ اپنی بھانجی سے، نہ اپنی پھوپھی سے نہ اپنی خالہ سے، نہ اپنی بھتیجیوں سے، نہ اپنی ساس سے کہ اس کی بیٹی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، نہ اپنی بیوی کی بیٹی سے کہ جس سے دخول کر چکا ہو وہ لڑکی اس کی پرورش میں ہو یا دوسرے کی پرورش میں ہو، نہ اپنے باپ کی منکوحہ سے، نہ اپنے دادا کی منکوحہ سے، نہ اپنے لڑکے کی بیوی سے، نہ اپنی اولاد کی اولاد کی بیوی سے، نہ اپنی رضائی ماں سے اور نہ ہی رضائی بہن سے''۔

محرمات نکاح:

قوله:ولا يحل الخ: نکاح کے صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ مرد و عورت کے مابین کوئی ایسا سبب (مانع) نہ پایا جائے کہ جس کی وجہ سے شریعت مطہرہ ان کے مابین نکاح کو دائمی یا عارضی طور پر حرام قرار دیتی ہو۔ بنیادی طور پر نکاح کے حرام ہونے کی دو صورتیں ایک صورت یہ کہ جن سے ہمیشہ نکاح حرام ہو اس کو ''حرمت مؤبدہ'' کہا جاتا ہے اس حرمت کے تحت تین اسباب آتے ہیں۔ ۱۔نسبی قرابت ۲۔سسرالی قرابت (مصاہرت) ۳۔ دودھ کا رشتہ (رضاعت) امام قدوری نے وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ'' تک ان تین اسباب کو بیان کیا ہے۔

نسبی قرابت کی وجہ سے حرام رشتے:

اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء آیت نمبر ۲۲ میں چودہ محرمات کا ذکر فرمایا کہ جن میں سے قرابت کی وجہ سے جو رشتے حرام ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔تمام اصول (مائیں، دادیاں، نانیاں کا سلسلہ ۲۔تمام فروع (اپنی اولاد، اولاد کی اولاد کا سلسلہ) ۳۔والدین کے فروع (بہن، بھائی اور ان کی اولاد کا سلسلہ) ۴۔دادا، دادی، نانا، نانی کے فروع (چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ) لیکن ان کی اولاد حرام نہیں۔

مصاہرت کی وجہ سے حرام رشتے:

۱۔اپنی منکوحہ کے تمام اصول منکوحہ چاہے مدخولہ ہو (وطی کی گئی ہو) یا غیر مدخولہ۔ ۲۔بیوی مدخولہ کے تمام فروع ۳۔اپنے اصول کی زوجات (باپ، دادا کی بیویاں) ۴۔اپنے فروع کی زوجات (بیٹوں کی بیویاں) ۵۔احناف کے نزدیک زانیہ کے تمام اصول و فروع زانی پر حرام اور زانی کے تمام اصول و فروع زانیہ پر حرام مگر ان دو کا نکاح آپس میں جائز ہے اور زنا سے مصاہرت کے متعلق یہی موقف حنابلہ کا بھی ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک زنا سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور امام مالک کی دو روایتیں ہیں۔ مصاہرت کے متعلق حاصل کلام یہ ہے کہ وطی کی تین صورتیں ہیں اگر نکاح صحیح کے بعد وطی کی گئی تو بالاتفاق حرمت مصاہرت ثابت ہوگی، اگر شبہہ کی بنا پر وطی ہو کہ بیوی سمجھ کر کسی دوسری عورت سے وطی کی گئی تو بھی بالاتفاق مصاہرت ثابت ہوگی اور اگر زنا کے

طور پر وطی کی گئی تو اس صورت میں اختلاف ہے جس کو نمبر ۵ میں بیان کیا گیا۔

زنا اور دواعی زنا کی وجہ سے حرمت پر نوٹ:

حنفیہ اور حنابلہ نے احتیاط کا پہلو اپناتے ہوئے زنا اور زنا کے دواعی یعنی عورت کو شہوت سے چھونے، بوسہ لینے یا فرج داخل کو دیکھنے سے حرمت مصاہرت کے سبب اس کے اصول وفروع سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے مگر دور حاضر کے جوائنٹ فیملی سسٹم اور مخلوط تعلیم وغیرہ میں پہلے زمانے کی بہ نسبت آزادی ماحول کی وجہ سے حرمت مصاہرت کی یہ صورت زیادہ وقوع پذیر ہے۔ مگر لوگوں کے ہاں اس حرمت کی وجہ کو ظاہر کرنا نہایت ہی مشکل کام ہو گیا ہے کہ ماحول عموماً بے راہ روی کا شکار ہے تاہم اس مسئلے کی نزاکت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس پر اصول آئندہ عبارت کے تحت بیان کریں گے۔

رضاعت کی وجہ سے حرام رشتے:

وہ رشتے کہ جن کا تعلق دودھ سے ہے اس سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو رشتے نسبی قرابت کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں مصنف نے دو مثالیں پیش فرمائیں ایک رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی باقی تفصیل ان شاء اللہ کتاب الرضاع میں آنے والی ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ حلت وحرمت کے متعلق فقہاء کرام کا ایک اصول ہے ''جن دو شخصوں کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ جز کا تعلق ہو تو حرمت ثابت ہوگی'' چاہے نسباً ہو، رضاعاً ہو یا مصاہرۃً ہو۔

وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ أُخْتَيْنِ بِنِكَاحٍ وَلَا بِمِلْكِ يَمِيْنٍ وَطْئًا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا خَالَتِهَا وَلَا بِنْتِ أُخْتِهَا وَلَا بِنْتِ أَخِيْهَا وَلَا يَجْمَعُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ لَوْ كَانَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا رَجُلًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْأُخْرٰى وَلَا بَأْسَ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ امْرَأَةٍ وَابْنَةِ زَوْجٍ كَانَ لَهَا مِنْ قَبْلِهِ وَمَنْ زَنٰى بِامْرَأَةٍ حُرِّمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَابْنَتُهَا وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِأُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا

''اور نکاح کے ذریعے دو بہنوں کو جمع نہ کرے اور نہ ہی ملک رقبہ کے ساتھ بطور وطی کے اور نہ جمع کرے بیوی اور اس کی پھوپھی کو یا اس کی خالہ کو اور نہ اس کی بھانجی اور بھتیجی کو اور نہ جمع کرے ایسی دو عورتوں کو کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہو تو اس کے لیے دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہ ہو اور اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اور اس کے سابق شوہر کی لڑکی کو جمع کرے اور جس شخص نے کسی سے زنا کیا تو زانی پر زانیہ کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو گئیں اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی طلاق بائنہ یا طلاق رجعی تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کی بہن سے نکاح کرے یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے''۔

نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنا:

قوله:ولا يجمع الخ: نکاح کے حرام ہونے کی پہلی صورت یہ بیان کی تھی کہ جہاں دائمی طور پر ان عورتوں سے نکاح حرام تھا اب یہاں سے نکاح کے حرام ہونے کی دوسری صورت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ جہاں عارضی طور پر نکاح کرنا حرام ہے کہ جس کو

"حرمت مؤقتہ" کہا جاتا ہے کہ جس کے تحت تین اسباب آتے ہیں۔ ۱۔جمع ۲۔ملک ۳۔دین سماوی کا نہ ہونا۔

دو کو جمع کرنے کی وجہ سے حرمت:

کن عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے اور کن کو جمع کرنا جائز نہیں؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا مقصود ہو تو ان میں سے ہر ایک کو مرد فرض کریں پھر ہر ایک کا دوسرے کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو دونوں کو جمع کرنا جائز ہے اگر نسب یا رضاعت کی وجہ سے درست نہیں تو جمع کرنا جائز نہیں"۔ لہٰذا دو بہنوں (حرمت نص قرآن سے) بیوی کی خالہ یا پھوپھی، بھانجی یا بھتیجی جب ان میں سے ایک کو مرد تصور کریں تو بہن بھائی، بھانجی ماموں بھتیجی چچا، وغیرہ بنتے ہیں جب ان کا نکاح درست نہیں تو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں۔ ان کا ثبوت حدیث سے ہے۔ البتہ دو بہنوں کو ملک رقبہ میں جمع کرنا تو جائز ہے مگر بطور وطی جائز نہیں۔

سابق شوہر کی پہلی بیوی کی بیٹی:

قولہ: ولا باس الخ: پہلے اصول یہ بیان کیا گیا کہ اگر جانبین سے مرد تصور کریں نکاح حرام ہو تو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں لیکن اگر ایک جانب سے مرد تصور کریں تو جائز اور دوسری جانب سے ناجائز تو ایسی صورت میں دونوں کو جمع کرنا جائز ہے۔ مثلاً پہلے شوہر کی دوسری بیوی سے بیٹی ہے جس کو سوتیلی بیٹی کہا جاتا ہے لہٰذا سوتیلی ماں اور سوتیلی بیٹی کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنا جائز ہے کہ بیٹی کو مرد تصور کریں تو سوتیلا بیٹا ہوا اور سوتیلے بیٹے کا نکاح سوتیلی ماں سے حرام ہے لیکن اگر اس کے برعکس تصور کریں کہ ماں کو مرد تصور کریں تو اجنبی مرد بنتا ہے لہٰذا جمع کرنا جائز ہے جب کہ امام زفر کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ ایک طرف سے تو حرمت ثابت ہوتی ہے۔

زنا سے حرمت مصاہرت:

قولہ: ومن زنی الخ: زنا اور دواعی زنا کی وجہ سے احناف وحنابلہ کے نزدیک حرمت مصاہرت کے ثبوت کی بحث اس سے قبل "حرمت مصاہرت کی وجہ سے حرام رشتے" کے عنوان سے بیان کر چکے ہیں تاہم اس کے متعلق اصول پیش خدمت ہے زنا سے حرمت مصاہرت اس لیے ثابت ہوتی ہے کہ "وطی جزئیت (ولدیت) کے قائم مقام ہے" لہٰذا وطی کو ولدیت کا سبب مان کر اس پر حرمت کا حکم لگایا گیا۔ پھر احتیاطاً دواعی وطی کو وطی کے قائم مقام کر دیا۔ لہٰذا جہاں بھی دو رشتوں کے درمیان جزئیت کا تعلق ہو تو حرمت ثابت ہوگی۔ نیز حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لیے دونوں کا قابل شہوت ہونا ضروری ہے۔ نیز دواعی جماع میں انزال نہ ہونا شرط ہے۔

عدت میں بہن سے نکاح کرنا:

قولہ: واذا طلق الخ: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی چاہے طلاق رجعی ہو یا بائنہ یا مغلظہ (تین) ابھی تک عدت نہیں گزری تو شوہر معتدہ کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ عورت عدت کی وجہ سے من وجہ بیوی ہے جب بیوی ہے تو بہن سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ جمع بین الاختین لازم آتا ہے۔ جب امام شافعی کے نزدیک طلاق بائن یا مغلظہ کی صورت میں عدت کے اندر شادی کر سکتا ہے کیونکہ عورت نکاح سے نکل چکی ہے یہی مذہب امام مالک کا بھی ہے۔

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمَوْلٰى أَمَتَهُ وَلَا امْرَأَةٌ عَبْدَهَا وَيَجُوزُ تَزَوُّجُ الْكِتَابِيَّاتِ وَلَا يَجُوزُ تَزَوُّجُ الْمَجُوسِيَّاتِ وَلَا الْوَثَنِيَّاتِ الْمَجُوسِ وَيَجُوزُ تَزَوُّجُ الصَّابِئَاتِ إِذَا كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِدِينِ وَيُقِرُّونَ بِكِتَابٍ فَإِنْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ وَلَا كِتَابَ لَهُمْ لَمْ تَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ وَيَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ أَنْ يَتَزَوَّجَا فِي حَالِ الْإِحْرَامِ

''اور آقا کے لیے اپنی لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی عورت کو اپنے غلام سے اور کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور آگ پرستوں کو نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ بت پرستوں سے اور صابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اگر وہ کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اور کتاب پڑھتی ہوں اور اگر وہ ستاروں کی عبادت کرتی ہوں اور ان کے پاس کتاب نہ ہو تو ان سے نکاح جائز نہیں اور محرم اور محرمہ کے لیے جائز ہے کہ وہ حالت احرام میں نکاح کریں''۔

لونڈی یا غلام سے نکاح کرنا:

قولہ:ولا یجوز إلخ: حرمت مؤقتہ میں سے دوسرا سبب ''ملک'' ہے لہٰذا آقا کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی لونڈی سے نکاح کرے کیونکہ لونڈی سے بغیر نکاح کے بھی وطی کرسکتا ہے اگر بیوی بنائے گا تو بیوی کے حقوق شوہر کے قریب ہو جاتے ہیں پھر وہ مملوکہ کیسے رہے گی اسی طرح عورت اپنے غلام سے نکاح نہیں کرسکتی کیونکہ غلام کو شوہر بنانا اپنا مالک بنانا ہے جب کہ مالکیت مملوکیت کے منافی ہے۔

کتابیہ اور غیر کتابیہ سے نکاح کا حکم:

قولہ:ویجوز الخ: حرمت مؤقتہ میں سے تیسرا سبب ''عدم دین سماوی'' ہے لیکن اگر کوئی عورت کسی آسمانی کتاب (تورات، زبور، انجیل) پر ایمان رکھتی ہو اور نبی پر بھی ایمان رکھتی ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے کہ اس کے جواز پر نص قرآنی ہے عیسائی یا یہودی عورت سے اس وقت نکاح جائز ہے جب کہ وہ دہریہ نہ ہوں مگر دور حاضر میں عیسائیت اور یہودیت میں ''شتر بے مہار'' جیسا ماحول ہے کہ آوارہ گردی ہے اور شرکیہ امور میں مبتلا ہیں لہٰذا نہ کرنے میں ہی امان ہے۔ کیونکہ اولاد پر والدہ کا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہ عیسائیت یا یہودیت کے کلچر کا اولاد میں فروغ دے گی۔ لہٰذا فقہاء کرام نے دارالاسلام میں ایسے نکاح کو مکروہ تنزیہی اور دارالحرب میں مکروہ تحریمی قرار دیا ہے لیکن کسی مسلمان عورت کو کسی بھی کافر چاہے کتابی ہو یا غیر کتابی مطلقاً نکاح کرنا بالاجماع باطل ہے جب کہ دور حاضر کے بعض آزاد خیال (Librral) اس اجماعی مسئلہ کے برعکس جواز کا فتویٰ دیتے ہیں کہ جب مسلمان کو کتابیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے تو کتابی کو بھی مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز ہونا چاہیے یہ لوگ عموماً یونیورسٹیوں وغیرہ کے لیکچرار ہوتے ہیں کہ ماضی کے علمی اثاثے سے قطع نظر کر کے براہ راست قرآن مجید کو تختۂ مشق بناتے ہیں (العیاذ باللہ)

لہٰذا عدم دین سماوی کی وجہ سے نکاح حرام ہے مثلاً مجوسی عورت کہ جو آگ کو پوجتی ہے اسی طرح بت پرست جو بتوں کی پوجا کرتی ہے ان سے نکاح جائز نہیں لیکن صابیہ عورت سے نکاح میں اختلاف ہے کہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ درحقیقت یہ اختلاف صابیہ کی تعریف میں اختلاف کی وجہ سے واقع ہوا کہ امام اعظم کے نزدیک صابی وہ شخص ہے جو کسی نبی اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار

کرتا ہو لہٰذا یہ کتابی شمار ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک صابی وہ ہے جو ستاروں کی پوجا کرتا ہے کسی نبی یا آسمانی کتاب کا اقرار نہیں کرتا لہٰذا ہر بت پرست شمار ہوگا۔ لہٰذا صابیہ عورت جس تعریف پر پوری اترتی ہو اسی کے مطابق شرعی حکم لگے گا۔

اسباب حرمت نکاح

- ۱: نسب
  - اصول: تمام اصول یعنی باپ، دادا، اوپر تک
  - فروع: تمام فروع یعنی بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی نیچے تک
  - والدین کے فروع: بھائی، بہن اور ان کی اولاد نیچے تک
  - اجداد کے فروع: حقیقی پھوپھی اور خالہ اسی طرح باپ یا ماں کی حقیقی پھوپھی اور خالہ (لیکن ان سب کی اولاد سے نکاح حلال ہے)
- ۲: مصاہرت
  - بیوی کے اصول یعنی مرد کی ساس خواہ بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو محض نکاح سے ہی دائمی حرمت آجائے گی۔
  - بیوی کے فروع یعنی اس کی بیٹی اور پوتی نیچے تک بشرطیکہ بیوی سے دخول کرلیا ہو۔
  - اپنے اصول (باپ، دادا) اور فروع (یعنی بیٹے، پوتے) کی بیویاں
  - مزنیہ (جس عورت سے اس نے زنا کیا ہو) کے اصول و فروع
- ۳: رضاعت
  - رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول یعنی رضاعی دادی، پردادی، نانی اور پرنانی اوپر تک
  - رضاعی اولاد اور ان کے نیچے کے فروع
  - رضاعی بہن بھائی اور اس کی اولاد
  - رضاعی خالہ اور پھوپھی
  - رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی
- ۴: حق للغیر
  - حاملہ ثابت النسب ہونا، کیونکہ وہ غیر کی منکوحہ یا عدت طلاق یا عدت وفات میں ہوگی (زنا سے جو حاملہ ہو اس سے نکاح درست ہے البتہ وضع حمل تک وطی جائز نہیں مگر یہ کہ ناکح خود ہی زانی ہو
  - جیسے غیر کی منکوحہ ہونا
  - غیر کی معتدہ ہونا خواہ عدت وفات میں ہو یا عدت طلاق میں
- ۵: جمع بین المحارم
  - جیسے پھوپھی بھتیجی یا دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا وغیرہ
- ۶: دین سماوی کا نہ ہونا
  - جیسے مجوسیہ یا مشرکہ ہونا وغیرہ
- ۷: تنافی کا ہونا
  - جیسے آقا کا اپنی باندی سے اور آقا کا اپنے غلام سے نکاح کرنا (البتہ آزاد کرنے کے بعد نکاح جائز ہے)

حالت احرام میں نکاح:

قولہ: وللمحرم الخ: حالت احرام میں نکاح کے جواز اور عدم جواز میں دونوں طرح کی روایات ہیں تاہم احناف کے نزدیک نفس جواز ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک عدم جواز ہے۔

وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ بِرِضَاهَا وَإِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَزُفَرَ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا وَلَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ إِجْبَارُ الْبَالِغَةِ عَلَى النِّكَاحِ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا وَإِذَا اسْتَأْذَنَهَا فَسَكَتَتْ أَوْ ضَحِكَتْ فَذٰلِكَ إِذْنٌ مِنْهَا وَإِنِ اسْتَأْذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَاهَا بِالْقَوْلِ وَإِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ أَوْ حَيْضَةٍ أَوْ جِرَاحَةٍ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْأَبْكَارِ وَإِنْ زَالَتْ بِزِنًا فَهِيَ كَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هِيَ فِيْ حُكْمِ الثَّيِّبِ.

''اور آزاد عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی سے منعقد ہو جائے گا اگرچہ ولی نے اس کا عقد نہ کیا ہو امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا اور ولی کو بالغہ باکرہ کو نکاح پر مجبور کرنا درست نہیں اور جب ولی نے باکرہ سے اجازت طلب کی اور وہ خاموش رہی یا ہنسی یا بغیر آواز کے رونے لگی تو یہ اس کی جانب سے اجازت ہوگی اور اگر ثیبہ سے اجازت طلب کی تو رضامندی الفاظ کے ساتھ ضروری ہے اور اگر اس کی بکارت کودنے یا حیض یا زخم یا زیادہ عمر کی وجہ سے ختم ہوگئی تو باکرہ کے حکم میں ہے اور اگر اس کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہوگئی تو وہ امام اعظم کے نزدیک باکرہ ہی ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے''۔

عاقلہ، بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کرنے کا حکم:

قولہ: وینعقد الخ: عاقلہ بالغہ لڑکی اگر ولی کی اجازت کے بغیر از خود نکاح کرے کیا یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر بھی منعقد ہو جائے گا کہ صحتِ عقدِ نکاح کے لیے ولی کی اجازت شرط نہیں۔ نکاح چاہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں یہ ظاہر روایت ہے جب کہ غیر ظاہر روایت کے مطابق شرط یہ ہے کہ وہ نکاح کفو میں ہو اگرچہ کفو کی شرط متن میں مذکور نہیں لیکن اس کا اعتبار ضروری ہے اس کی تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ چند ہی صفحات کے بعد مسئلہ کفو کے تحت پیش کریں گے جب کہ صاحبین کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا بلکہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ امام قدوری نے امام ابو یوسف کو امام محمد کے ساتھ بیان کیا جب کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام ابو یوسف امام اعظم کے ساتھ ہیں۔ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کے الفاظ کے ساتھ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ کے قول پر ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کئی آیات میں کی گئی ہے۔ ۱۔ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۲۔ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

چونکہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے لہٰذا اس پر ولایت ندب و استحباب کے درجے میں ہوگی کہ افضل یہی ہے کہ اولیاء کی اجازت سے عورت

نکاح کرے باقی رہی ولایت اجبار وہ نابالغہ پر ولی کو حاصل ہوتی ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک بالغہ باکرہ پر بھی ولی کو اجبار حاصل ہے کہ ولی نکاح پر مجبور کر سکتا ہے ولایت کس پر ہوگی اس کی اتفاقی اور اختلافی صورتوں کا نقشہ چند ابحاث کے بعد پیش کریں گے۔

اجازت کی صورتیں:

قولہ:واذا استاذنھا الخ: اگر ولی نے باکرہ بالغہ لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کی اور وہ سن کر خاموش رہی یا ہنس پڑی یا بغیر آواز کے رو پڑی یہ امور اس کی طرف سے اجازت کی دلیل ہوں گے کہ وہ ولی سے شرم کرتی ہے صراحتاً اجازت دینے سے کتراتی ہے۔ جیسا کہ فقہی اصول ہے: "اَلسُّکُوْتُ فِیْ مَحِلِّ الْبَیَانِ بَیَانٌ" لیکن اگر غیر ولی ہو تو زبان سے بولنا ضروری ہے کہ خاموشی کی حاجت نہیں۔ اگر ثیبہ (بیوہ یا مطلقہ) سے اجازت طلب کی جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ زبان سے اظہار کرے کیونکہ شوہر کے پاس رہنے کی وجہ سے شرمیلا پن تقریباً کم ہو جاتا ہے لہٰذا گزشتہ امور رضامندی کی دلیل نہ ہونگے۔

باکرہ اور ثیبہ کی تعریف:

قولہ:واذا زالت الخ: باکرہ اور ثیبہ کی تعریف میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ثیبہ وہ عورت ہے کہ جس کا پردہ بکارت نکاح کے بعد وطی سے زائل ہو جب کہ باکرہ وہ عورت ہے کہ جس کا نکاح نہ ہوا ہو چاہے اس کا پردہ بکارت زائل نہ ہوا ہو اگر زائل ہوا ہو تو وطی حلال سے نہ ہوا بلکہ اگر زنا (مخفی کہ جس کی عادی نہ ہو) کی وجہ سے یا کودنے یا حیض یا زخم یا شادی کے بغیر زیادہ عمر ٹھہرنے کی وجہ سے پردہ بکارت زائل ہو تب بھی باکرہ کے حکم میں ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک ثیبہ وہ عورت ہے کہ جس کا پردہ بکارت کسی بھی وطی (حلال یا زنا) کی وجہ سے زائل ہوا گر اس کے علاوہ سے زائل ہو تو باکرہ ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ امام اعظم کی نظر معاشرہ کی طرف گئی کہ معاشرہ میں لوگ اس کو باکرہ سمجھتے ہیں کہ ایسی لڑکی زنا کو چھپاتی ہے لہٰذا اس کا حکم باکرہ ہی والا ہے کہ خاموشی اجازت شمار ہوگی۔ (الصحیح قول ابی حنیفہ "الترجیح والتصحیح" دیگر متون علی قول الامام) جب کہ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک سکوت کافی نہیں بلکہ زبان سے اظہار ضروری ہے۔

وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِلْبِکْرِ بَلَغَکِ النِّکَاحُ فَسَکَتِّ فَقَالَتْ مُجِیْبَةً لَهٗ بَلْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا یَمِیْنَ عَلَیْهَا وَلَا یُسْتَحْلَفُ فِی النِّکَاحِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ یُسْتَحْلَفُ فِیْهِ وَیَنْعَقِدُ النِّکَاحُ بِلَفْظِ النِّکَاحِ وَالتَّزْوِیْجِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ وَالتَّمْلِیْكِ وَلَا یَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْاِجَارَةِ وَالْاِبَاحَةِ وَلَا یَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْوَصِیَّةِ

"اور جب شوہر نے باکرہ سے کہا کہ جب تم کو نکاح کی خبر پہنچی تھی تو تم خاموش رہی تھی اور عورت کہتی ہے بلکہ میں نے انکار کیا تھا تو عورت کی بات مانی جائے گی اور عورت پر قسم نہیں ہوگی اور امام اعظم کے نزدیک عورت سے قسم نہیں لی جائے گی اور صاحبین نے فرمایا کہ قسم لی جائے گی اور نکاح لفظ نکاح، لفظ تزویج، تملیک، ہبہ اور صدقہ سے منعقد ہو جائے گا اور لفظ اجارہ، اعارہ اور اباحت سے منعقد نہ ہوگا۔

رضا اور عدم رضا میں اختلاف زوجین:

قوله: واذا قال الخ: اگر باکرہ لڑکی ہے اس کو نکاح کی خبر دی گئی اور وہ خاموش رہی اور شوہر کہتا ہے کہ تو نکاح کی خبر ملنے پر خاموش رہی جب کہ عورت اس کا انکار کرتی ہے کہ میں نے اسی وقت انکار کیا تھا اب شوہر پر لازم ہے کہ مدعی ہونے کی وجہ سے گواہ پیش کرے اگر پیش نہ کر سکے تو عورت مدعی علیہ کی بات مانی جائے گی لیکن اصول یہ ہے کہ "مدعی کے گواہ پیش نہ کر سکنے پر مدعی علیہ پر قسم آتی ہے" مگر مسئلہ مذکورہ میں اختلاف یہ ہے کہ عورت پر قسم آئے گی یا نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک بغیر قسم کے بات عورت کی تسلیم کی جائے گی امام اعظم کے نزدیک آٹھ مسائل میں منکر پر قسم نہیں آتی ان میں سے ایک مسئلہ مذکورہ بھی ہے۔ تفصیل کتاب الدعویٰ میں ان شاء اللہ آئے گی۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک قسم کے ساتھ تسلیم کی جائے گی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ قسم (نکول) کھانا انکار اقرار کے قائم مقام ہے لہٰذا جب نکاح کے باب میں اقرار جاری ہوتا ہے تو انکار بھی جاری ہوگا اور انکار کی صورت میں منکر (مدعی علیہ) سے قسم لی جاتی ہے۔

(المختار للفتویٰ علی قولهما مجمع الانهر، بحر الرائق، هنديه وغيره)

انعقاد نکاح کے الفاظ:

قوله: وينعقد الخ: انعقاد نکاح کے الفاظ کے متعلق احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ "ہر وہ لفظ جو فی الحال کامل ملکیت پر دلالت کرتا ہو اور نکاح مراد لینے پر کوئی قرینہ بھی ہو اس کے مقصد کو گواہ بھی سمجھتے ہوں تو نکاح ان جیسے الفاظ سے منعقد ہو جاتا ہے" لہٰذا لفظ نکاح، تزویج، ہبہ، تملیک، بیع، شراء، قرض وغیرہ کے ساتھ نکاح منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ متکلم نے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ (مہر کا ذکر، گواہ بنانا، خطبہ نکاح) وغیرہ پایا جائے لیکن وہ الفاظ جو کامل ملکیت پر دلالت نہیں کرتے تو ان سے نکاح منعقد نہ ہوگا مثلاً اجارہ، اعارہ، رہن، اباحت وغیرہ یا فی الحال انعقاد پر دلالت نہ ہو مثلاً وصیت۔

منگنی اور نکاح میں فرق:

ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ منگنی محض وعدہ نکاح ہے جب کہ نکاح عین نکاح ہے۔ نیز منگنی سے انحراف پر قانونی گرفت نہیں اگرچہ بغیر وجہ شرعی کے ایسا کرنا منافقت کی نشانی ہے جبکہ نکاح سے انحراف پر قانون حرکت میں آئے گا۔ نیز اگر ایسے جانبین سے الفاظ بولے جو دونوں کا احتمال رکھتے ہوں تو حکم کا مدار نیت اور ارادہ پر ہے کہ اگر ایجاب و قبول منگنی کے لیے ہو تو منگنی ورنہ نکاح ہوگا۔

خطبہ کب پڑھا جائے؟

سنت یہ ہے کہ خطبہ ایجاب و قبول سے پہلے پڑھا جائے اگر بعد میں پڑھا تو نکاح درست ہے مگر سنت کے خلاف کیا۔

وَيَجُوْزُ نِكَاحُ الصَّغِيْرِ وَالصَّغِيْرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ أَوْ ثَيِّبًا وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ فَإِنْ زَوَّجَهُمَا الْأَبُ أَوِ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ وَإِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْأَبِ

وَالْجَدِّ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْخِيَارُ إِذَا بَلَغَ إِنْ شَاءَ أَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَا وِلَايَةَ لِصَغِيرٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا مَجْنُونٍ وَلَا وِلَايَةَ لِكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمَةٍ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ يَجُوزُ لِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْأَقَارِبِ التَّزْوِيجُ، وَمَنْ لَا وَلِيَّ لَهَا إِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِي أَعْتَقَهَا جَازَ

''اور نابالغ بچے اور بچی کا نکاح جائز ہے جب کہ اس کے ولی نے کیا ہو وہ لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ اور ولی وہ عصبہ ہے پس اگر ان کی شادی باپ یا دادا نے کی تو ان کو خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا اور اگر باپ یا دادا کے علاوہ کسی نے نکاح کیا تو ان میں سے ہر ایک کو خیار بلوغ حاصل ہوگا اگر چاہے تو نکاح کو قائم رکھے اور اگر چاہے تو نکاح کو فسخ کر دے اور غلام، بچے، مجنون اور کافر کو مسلمان عورت پر کوئی ولایت نہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ رشتہ داروں میں عصبات کے علاوہ کے لیے نکاح کرنا جائز ہے جیسے بہن، ماں اور خالہ اور جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو جب اس کا نکاح اس کا وہ آقا کر دے کہ جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو یہ جائز ہے''۔

نکاح میں وِلایت:

قوله:ویجوز نکاح الخ: احناف کے نزدیک نکاح میں ولایت کے دو درجے ہیں۔ ۱۔ ولایت استحباب جو ولی (ولی کی وضاحت آنے والی ہے) کو آزاد عاقلہ بالغہ پر حاصل ہوتی ہے۔ ۲۔ ولایت اجبار وہ ولایت ہے جو ولی کو نابالغہ پر حاصل ہوتی ہے کہ جبراً نکاح کر سکتا ہے۔ بالغہ کے نکاح کے تحت ولایت استحباب کی بحث گزر چکی اب یہاں سے ولایت اجبار کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ نابالغہ لڑکی چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ اس کا نکاح صرف ولی کی اجازت سے ہی منعقد ہو سکتا ہے پھر ولایت اجبار کی علت میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے کہ احناف کے نزدیک ولایت اجبار کی علت صغر (بچپنا) ہے۔ یہ اجماع سے حاصل شدہ علت ہے کہ نابالغ لڑکے پر ولایت اجبار سب کے نزدیک صغر کی وجہ سے ہے اور یہی علت لڑکی میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا بچی چاہے باکرہ ہے یا ثیبہ اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک ولایت اجبار کی علت بکارت (باکرہ ہونا) ہے لہٰذا اگر لڑکی باکرہ ہے چاہے بالغہ ہو یا نابالغہ اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہوگی اگر ثیبہ ہے تو نہیں۔ اسی طرح احناف کے نزدیک بالغہ سے ولایت اجبار ختم ہونے کی علت عقل سے بالغ ہونا ہے کہ جس طرح یہی علت لڑکے میں بھی ہے جب کہ شوافع کے نزدیک ولایت اجبار کے ختم ہونے کی علت ثیبہ ہونا ہے۔ اب ولایت اجبار اور عدم ولایت اجبار کی صورتوں کو احکام کے ساتھ جدول میں ملاحظہ کیجیے۔

عورت کی کیفیت	احناف کے نزدیک علت	احناف کے نزدیک حکم	شوافع کے نزدیک علت	شوافع کے نزدیک حکم	اتحاد واختلاف
باکرہ صغیرہ	صغر	ولایت اجبار	بکارت	ولایت اجبار	اتفاق
باکرہ بالغہ	عدم صغر	عدم ولایت اجبار	بکارت	ولایت اجبار	اختلاف
ثیبہ صغیرہ	صغر	ولایت اجبار	عدم بکارت	عدم ولایت اجبار	اختلاف
ثیبہ بالغ	عدم صغر	عدم ولایت اجبار	عدم بکارت	عدم ولایت	اتفاق

نکاح میں ولی سے مراد:

قوله:والولی الخ: کہ جس ترتیب سے وراثت میں عصبات بنفسہ (جن کی طرف نسبت کرتے ہوئے درمیان میں عورت نہ آئے) کوحق وراثت ملتا ہے اسی ترتیب سے نکاح کرانے (ولایت انکاح) میں نکاح کرانے کا حق ملتا ہے۔مثلاً والد نہ ہوتو دادا، دادا نہ ہوتو بیٹا، بیٹا نہ ہوتو بھائی، بھائی نہ ہوتو چچا، چچا نہ ہوتو چچازاد بھائی اور وہ بھی نہ ہوتو ماں کو نکاح کرانے کا حق ملتا ہے۔لہٰذا ولایت نکاح کے متعلق اصول یہ ہوا کہ "اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو ولایت نکاح نہیں ملے گی بشرطیکہ ولی غیبت منقطعہ پر نہ ہو"۔ غیبت منقطعہ کی وضاحت آنے والی ہے۔

نابالغہ کا نکاح والد یا دادا کے کرانے پر حکم:

قوله:فان زوجها الخ: اگر نابالغ کا نکاح والد یا دادا نے کروایا بشرطیکہ اس سے قبل انہوں نے کسی کا نکاح کرانے میں غلط اختیار استعمال نہ کیا ہوتو نکاح، بالغ ہونے کے بعد بھی نافذ رہے گا ان کو "خیار بلوغ" حاصل نہ ہوگا کہ بالغ ہونے پر قاضی کے ہاں نکاح فسخ کرا سکیں کیونکہ ان کو ولایت اجبار کے ساتھ "ولایت الزام" بھی حاصل ہے لیکن اگر باپ اور دادا کا غلط استعمال مشہور ہو یا ان دو کے علاوہ کسی اور نے ان کا نکاح کردیا تو ان کو بالغ ہونے پر "خیار بلوغ" حاصل رہے گا اور خیار بلوغ دوام نکاح کے لیے مانع بن گیا۔لہٰذا اگر چاہیں تو نکاح کو قائم رکھیں اگر چاہیں تو نکاح کو قاضی سے فسخ کروادیں۔خیار بلوغ کے لیے طریقہ کار یہ ہے کہ جب بالغ ہوتو فوراً کہے کہ میں نکاح کو رد کرتی ہوں، اس پر گواہ بنالے باقی تفصیل بڑی کتب میں موجود ہے۔

ولایت اجبار اور ولایت الزام میں فرق:

جس کو ولایت اجبار کے ساتھ ولایت الزام بھی حاصل ہے مثلاً باپ و دادا کا کیا ہوا نکاح، لازم ہوگا خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا لیکن جن کو ولایت اجبار تو حاصل ہے مگر ولایت الزام نہیں تو ان کا نکاح موقوف رہے گا چاہے نافذ کردیں یا ختم کروالیں لہٰذا نابالغ و نابالغہ کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

عدم ولایت:

قوله:ولا ولاية الخ: عصبہ کو ولایت ملنے کی دو شرطیں ہیں جب دونوں اکٹھی پائی جائیں گی تو ولایت حاصل ہوتی ہے۔

۱۔مسلمان ہونا۔۲۔مجبور نہ ہونا۔لہٰذا غلام، بچہ، دیوانہ اور کافر کو مسلمان عورت پر ولایت حاصل نہ ہوگی۔

عصبہ نہ ہونے کی صورت میں حکم:

قوله:وقال ابو حنيفه الخ: اگر کسی عورت کا عصبہ نہ ہوتو ولایت کس کو حاصل ہوگی؟ اس میں امام قدوری نے امام اعظم کا مذہب بیان کیا ہے کہ عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں ماں، بہن اور خالہ وغیرہ کو قرابت وشفقت کی وجہ سے ولایت حاصل ہوگی۔علامہ شامی کے نزدیک امام ابو یوسف بھی امام اعظم کے ساتھ ہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک عصبات کی عدم موجودگی میں دوسرے رشتہ داروں کو ولایت انکاح حاصل نہیں ہوتی بلکہ حاکم وقت کو حاصل ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ ان کی دلیل استحسان ہے جب کہ امام محمد کی دلیل قیاس ہے۔

(العمل علیہ "شامی" المتون علی قول الامام)

جس کا کوئی ولی نہیں:

قولہ: من لا ولی الخ: اگر کسی نابالغ یا نابالغہ کا کوئی بھی ولی نہ ہو تو آزاد کرنے والے آقا کو ان پر ولایت حاصل ہوگی کہ عصبات میں سے یہ آخری عصبہ ہے۔

وَاِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْاَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ اَبْعَدُ مِنْهُ اَنَّهُ يُزَوِّجُ خِلَافًا لِزُفَرَ وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَا يَصِلُ اِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً

''اور جب ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو گیا تو ایسے شخص کے لیے نکاح کرنا جائز ہے جو ولی ابعد ہو اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک مرتبہ پہنچتے ہوں''۔

غیبت منقطعہ کی تعریف:

قولہ: واذا غاب الخ: اصول یہ ہے کہ ''ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد محروم رہتا ہے'' لیکن اگر ولی اقرب (مثلاً والد وغیرہ) موجود نہ ہو کہ وہ غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو تو ولی ابعد کو نکاح کرانا جائز ہے۔ غیبت منقطعہ کی تعریف امام قدوری نے یہ کی کہ جس شہر میں سال بھر میں ایک ہی قافلہ پہنچتا ہو بعض نے کہا کہ سفر شرعی (۹۲ کلومیٹر) کے فاصلے پر دور ہو۔

مفتی بہ قول:

جب ولی اقرب ایسی جگہ ہو کہ جہاں اس کے پہنچنے یا اس کی رائے معلوم کرنے کا انتظار کیا جائے تو کفو والا رشتہ ہاتھ سے نکل جائے تو غیبت منقطعہ کہلائے گی۔ چونکہ ولی اقرب کی ولایت کا مدار شفقت ہے، شفقت اسی صورت میں ہے کہ جب کفو میں نکاح کیا جائے جب کہ اس کی انتظار میں رشتہ ضائع ہو رہا ہے لہٰذا ولی ابعد کے ذریعے ضرر کو دور کیا جائے گا جیسا کہ فقہی اصول ہے:

''اَلضَّرَرُ يُزَالُ''۔ (المبسوط، منحۃ الخالق، ھذا اقرب الی الفقہ "الھدایہ")

وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ وَّاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْاَةُ مِنْ غَيْرِ كُفْءٍ فَلِلْاَوْلِيَاءِ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَهُمَا وَالْكَفَاءَةُ مُعْتَبَرَةٌ فِي النَّسَبِ وَالدِّيْنِ وَالْمَالِ وَتُعْتَبَرُ فِي الْمَالِ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ مَالِكُهَا لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَتُعْتَبَرُ فِي الصَّنَائِعِ اَيْضًا وَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْاَةُ وَنَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْاَوْلِيَاءِ حَقُّ الْاِعْتِرَاضِ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ حَتّٰى يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا اَوْ يُفَارِقَهَا اَوْ يُفَارِقُهَا وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ ابْنَتَهُ الصَّغِيْرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِهَا اَوْ ابْنَهُ الصَّغِيْرَ وَزَادَ فِيْ مَهْرِ امْرَاَتِهٖ جَازَ ذٰلِكَ عَلَيْهِمَا وَلَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ

"اور نکاح میں کفائت معتبر ہے پس جب عورت نے نکاح غیر کفو میں کرلیا تو ورثا کو اس بات کا حق ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق کرادیں اور کفائت نسب، دین اور مال میں معتبر ہے اور وہ یہ کہ مہر اور نفقہ کا مالک ہو اور کفائت پیشوں میں بھی معتبر ہے اور جب عورت نے نکاح کیا اور مہر مثل سے کم مہر رکھا تو امام اعظم کے نزدیک اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق حاصل ہے یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر مثل پورا کردے یا اس سے جدا ہو جائے اور اگر والد نے چھوٹی لڑکی کا نکاح کیا اور مہر مثل سے کم کردیا یا اپنے چھوٹے لڑکے کی شادی کی اور اس کی بیوی کا مہر زیادہ کردیا تو یہ جائز ہے اور یہ کمی وزیادتی والد اور دادا کے علاوہ کے لیے جائز نہیں"۔

کفو کا لغوی معنیٰ:

قوله: والكفائة الخ: برابری ومساوات کے ہیں۔

اصطلاحی معنیٰ:

"مُسَاوَاتُ الرَّجُلِ لِلْمَرْئَةِ اَوْ كَوْنُ الْمَرْئَةِ اَدْنٰى" نکاح میں کفائت یہ ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی سے چند مخصوص باتوں میں برابر ہونا یا اس سے فائق ہونا۔

کفائت کی شرعی حیثیت:

افضل اور انسب تو یہی ہے کہ رنگ ونسل اور صنعت وحرفت کے امتیازات سے بالاتر ہو کر صرف اسلام اور علم وتقویٰ کی بنیاد پر رشتے کرنے چاہیے لیکن دین اسلام دین فطرت ہے کہ اسلام نے لوگوں کے مزاج اور ان کے ماحول اور ان کی نفسیات کا بھی لحاظ رکھا ہے چونکہ ہر دور میں لوگ نسب وحسب، صنعت وحرفت اور دنیاوی جاہ وجلال وغیرہ سے متاثر رہے اور ان کا دنیاوی امور میں لحاظ کرتے آئے ہیں ان امور میں سے ایک نکاح بھی ہے چونکہ میاں بیوی نے زندگی گزارنی ہوتی ہے اگر دونوں برابر نہ ہوں تو لڑکی کا زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا ہے اور لڑکی والوں کے لیے بھی رشتہ قائم کرنا ننگ وعار، سوسائٹی کی طرف سے طعن وتشنیع کا سبب بنتا ہے اس لیے اسلامی نقطہ نظر سے کفائت کا لحاظ معتبر ہے اور کن امور میں ان کا لحاظ کیا جائے گا۔ امام قدوری نے چار امور بیان کیے ہیں۔ ا۔ نسب ۲۔ دین ۳۔ مال۔ ۴۔ صنعت و حرفت۔ جب کہ دیگر فقہاء نے دو اور بھی بیان کیے ہیں ایک آزاد ہونا دوسرا دین داری وتقویٰ۔

چھ امور کی وضاحت:

ا۔ نسب:

امام اعظم، امام شافعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک نسب میں کفائت معتبر ہے۔ یعنی قریشی غیر قریشی کا اور عربی عجمی کا کفو نہیں لیکن نکاح کے باب میں بنو ہاشم اور قریشی باہم کفو ہیں نسب کا اعتبار ان لوگوں میں ہے کہ جن کا نسب محفوظ ہے خواہ عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں مگر دور حاضر میں برادریوں میں منظم انداز سے کفو کا لحاظ کر کے رشتے طے کیے جاتے ہیں لہٰذا اگر کسی عاقلہ بالغہ لڑکی نے اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر برادری یا غیر کفو میں نکاح کرلیا تو کیا حکم ہے؟ اس کی وضاحت آنے والی ہے۔

۲۔اسلام:

عام فقہاء کرام کے نزدیک تو مسلم عام مسلمانوں کے کفو ہیں۔

۳۔مال:

امام اعظم اور امام شافعی کے نزدیک مال کا بھی اعتبار کیا جائے گا جب کہ امام مالک کے نزدیک مال آنے جانے والی چیز ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ مال کتنا ہونا چاہیے؟ اس کے بارے میں فقہاء احناف کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں کا معاشی اعتبار سے برابر ہونا ضروری نہیں بلکہ مہر مثل اور نان ونفقہ دے سکتا ہو تو وہ متمول ہے متمول خاندان کا کفو ہوگا۔

۴۔پیشہ:

فقہاء احناف نے پیشوں کا بھی لحاظ کیا ہے کہ لڑکے کا ایسا پیشہ نہ ہو جو گھٹیا سمجھا جاتا ہو تاہم پیشے زمانے کے حالات کے بدلنے کے ساتھ اچھائی اور برائی میں ڈھل جاتے ہیں لہٰذا اچھے اور برے پیشے کو پرکھنے کا معیار عرف ہوگا مثلاً پہلے چمڑے کی دباغت، موچی، لوہاری وغیرہ پیشوں کو فقہاء کرام نے حقیر قرار دیا کیونکہ ان کے دور میں ایسی ہی کیفیت تھی لیکن آج کے دور میں چمڑے، جوتے سازی اور لوہار وغیرہ کے اس ترقیاتی دور میں کتنے صنعتی پلانٹ قائم ہیں ان کے کاروبار کو لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لہٰذا پیشے کے حقیر اور اعلیٰ ہونے کا معیار عرف ہوگا۔ عرف میں پیشے تین طرح کے ہیں۔ ۱۔حرام۔ مثلاً چوری، جسم فروشی، شراب فروشی، رشوت ستانی، ظالموں کی نوکری، سودی کاروبار وغیرہ ۲۔گھٹیا پیشے مثلاً گندے نالے، بیت الخلاء کی صفائی کا عمل اسی طرح وہ پیشے کہ جن میں گھن ہوتی ہے۔ ۳۔حلال پیشے، جائز تجارت، صنعت وحرفت، زراعت، جائز ملازمت وغیرہ مگر عرف میں جو پیشہ بھی معزز سمجھا جاتا ہو اگر چہ نا جائز محکمہ ہو تو کفائت میں معتبر ہوگا۔

۵۔دین داری:

رشتہ طے کرنے میں دین داری کا لحاظ ہونا چاہیے کہ کسی صالح اور پرہیزگار کو اپنی بیٹی دینا باعث فخر ہے مگر کسی بدکردار، غیر دین دار کو دینا باعث ننگ وعار ہے مگر اب فسق کی زیادتی اور دین سے دوری بڑھتی جارہی ہے کہ غیر صالح (پیسے والے) کو صالح لڑکی کا رشتہ طے کر دیا جاتا ہے اسے عار کوئی بھی نہیں سمجھتا۔

لیکن دین وعقیدہ کی درستگی نکاح کی صحت کے لیے بہر حال ضروری ہے لوگوں کا حال وخیال جو بھی ہو۔

آزاد ہونا:

چونکہ غلامی کا دور ختم ہو چکا ہے اس لیے یہ مسئلہ بحث سے خارج ہے۔

عورت کا غیر کفو میں نکاح کرنے کی شرعی حیثیت:

قولہ: فاذا تزوجت الخ: کفائت کا اعتبار عورت کی جانب سے ہے اسی پر فتویٰ ہے کہ مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہیے اگر عورت مرد کی کفو نہیں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ شوہر فراش بنانے والا ہے اس لیے فراش کا اونیٰ اور کمتر ہونا کوئی باعث عار نہیں۔ لہٰذا

اگر عاقلہ بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کرلیتی ہے تو اس کے حکم میں احناف کے دو مذہب ہیں ایک مذہب ظاہر روایت کا ہے جس کو امام قدوری نے بیان کیا کہ اگر عورت غیر کفو میں نکاح کرلیتی ہے اور اس کے اولیاء کو اس کا علم نہیں تو قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر کے نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔ کفائت عورت اور اولیاء دونوں کا حق ہے لیکن جب عورت نے اپنا حق چھوڑ دیا اولیاء کے لیے غیر کفو میں نکاح کرنا باعث ننگ و عار ہے لہٰذا اس کا مداوٰی فسخ نکاح سے کرسکتے ہیں۔ لہٰذا ظاہر مذہب سے معلوم ہوا کہ کفو نکاح کے لازم ہونے کی شرط ہے اگر ولی اجازت دے دے تو نافذ ہو جائے گا اگر نہ دے تو فسخ کروا سکتا ہے۔ جب کہ دوسرا مذہب روایتِ نادرہ امام حسن بن زیاد سے ہے کہ غیر کفو میں کیا ہوا نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ کفو نکاح کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ غیر کفو میں اصلاً منعقد ہی نہ ہوگا۔

مفتی بہ قول:

متاخرین نے اصل مذہب سے عدول کر کے روایت نادرہ پر فتوٰی دیا ہے کہ اس پر فتوٰی دینا اقرب الی الاحتیاط ہے اور فساد زمانہ (لوگوں کا باہمی ایسے رشتہ پر جنگ وجدال) کی وجہ سے فتوٰی اسی پر مختار ہے کہ نہ ہر قاضی انصاف کرسکتا ہے اور نہ ہی ایک شریف النفس آدمی کچہریوں کا طواف کرسکتا ہے اور نہ ہی دور حاضر میں لڑکی کے راضی ہونے کی بنا پر عدالت نکاح فسخ کرتی ہے (فتح القدیر البحر الرائق، در مختار مع رد المحتار هنديه وغيره) لیکن موجودہ دور میں کالجوں کی مخلوط تعلیم، موبائل وانٹرنیٹ کے بڑھتے ہوئے روابط، کلبوں اور تفریح گاہوں کی آزادانہ روش نیز کورٹ کے ذریعے نکاح کو قانوناً مضبوط کروالینا پھر ساری زندگی حرام کاری میں مبتلا قرار دینا اربابِ افتا کے لیے کسی آزمائش سے کم نہیں۔

ولی کی اجازت کے بغیر مہر مثل سے کم پر نکاح کرنا:

قوله:واذا تزوجت الخ: اگر لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر مہر مثل سے کم پر نکاح کرلیا تو امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک ولی کو دو اختیار ہیں یا تو مہر مثل مکمل کروائے اور نکاح برقرار رکھے یا نکاح فسخ کروا دے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتوٰی امام اعظم کے قول پر ہے کہ مہر کو کم کرنے پر اولیاء کو ننگ و عار میں مبتلا کر دینا ہے کیونکہ مہر کی زیادتی پر لوگ فخر کرتے ہیں (تقديم قول الامام فى ملتقى الابحر، متون على قول الامام)

ولی کا مہر مثل سے کم مہر مقرر کرنا:

قوله:واذا زوج الخ: اگر کسی ولی نے نابالغہ لڑکی کا مہر، مہر مثل سے کم کردیا اگر ولی باپ یا دادا ہے تو کم کرنا جائز ہے اگر غیر اب اور غیر جد ہے تو ناجائز ہے بلکہ مہر مثل ہی واجب ہوگا کیونکہ اصول یہ ہے کہ ''ولایت کا مدار شفقت کاملہ اور عقل کامل پر ہے'' یہ دونوں چیزیں والد اور دادا میں پائی جاتی ہیں اس لیے کمی قابل برداشت ہے جب کہ ان کے غیر میں عقل تو کامل ہے مگر شفقت ناقص ہے اس لیے کمی قابل برداشت نہیں۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک کمی و بیشی فاحش (زیادہ) کے قبیل سے ہو تو درست نہیں۔

یوں ہی حکم نابالغ لڑکے کی جانب سے مہر مثل سے زیادہ مہر مقرر کرنے کا بھی ہے۔

وَيَصِحُّ النِّكَاحُ إِذَا سَمَّى فِيْهِ مَهْرًا وَيَصِحُّ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيْهِ مَهْرًا وَأَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ وَإِنْ سَمَّى عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَلَهَا الْمُسَمَّى إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا وَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمَّى فَإِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا أَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَنْ لَا مَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا إِنْ دَخَلَ بِهَا أَوْ مَاتَ عَنْهَا فَإِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ ثَلَاثَةُ أَثْوَابٍ مِّنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَهِيَ دِرْعٌ وَّخِمَارٌ وَّمِلْحَفَةٌ

”اور نکاح درست ہو جاتا ہے اگر چہ اس میں مہر کا نام نہ بھی لے اور مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہیں پس اگر دس درہم سے کم مہر مقرر کیا تو عورت کو دس ہی ملیں گے اور اگر دس یا اس سے زیادہ مقرر کیا تو عورت کو مقرر کردہ ملے گا۔ اگر اس عورت سے صحبت کر لی ہو یا اس کا شوہر فوت ہو گیا ہو پس اگر دخول اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی تو اس کے لیے مہر مقرر کا نصف ہو گا اور اگر عورت سے نکاح کیا اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا تو اس عورت کو مہر مثل ملے گا اگر اس سے دخول کر لیا ہو یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور اگر اس کو دخول سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی ہو تو اس کو متعہ ملے گا اور متعہ تین کپڑے اس جیسی عورت کے لباس سے اور وہ کرتا، دوپٹہ اور اوڑھنی ہے“۔

مہر کی شرعی حیثیت:

قوله:ویصح النكاح الخ: اسلام میں میاں بیوی کا رشتہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اسی سے خاندان کا وجود ہے، اسی سے قبائل کی شناخت ہے اور اسی سے نسب کی حفاظت ہے۔ اس رشتہ ازدواج کی اہمیت اور عصمت نسوانی کے احترام کے پیش نظر شوہر کی طرف سے اپنی رفیقہ حیات کو جو تحفہ پیش کیا جاتا ہے وہ مہر ہے۔ مہر کی شرعی تعریف یہ ہے کہ ”جو عقد نکاح یا جنسی ارتباط (نکاح فاسد میں) کی وجہ سے کسی عورت کا مرد پر واجب ہو“ اس کے وجوب پر اجماع ہے اور مہر نکاح کے واجبات میں سے ہے اس لیے امام قدوری نے فرمایا کہ اگر بغیر مہر کے بھی نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر چہ مہر نہ دینے کی بھی شرط لگائی گئی تو تب بھی نکاح ہو جائے گا نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا بلکہ مہر مثل واجب ہو گا۔

مہر کے نام:

صداق، مهر، نحلة، فريضة، حباء، اجر، عقر، علائق.

مہر کی کم از کم مقدار:

قوله:واقل المهر الخ: مہر کون سی چیز بن سکتی ہے اس کے متعلق احناف کا یہ اصول ہے کہ ”ہر وہ چیز جو شریعت کی نگاہ میں قابل قیمت ہو وہ مہر بن سکتی ہے“ اور کم از کم مہر کی حد احناف کے نزدیک دس درہم ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں تاہم مہر میں اعتدال و میانہ روی بہتر ہے جب کہ مالکیہ کے نزدیک کم از کم تین درہم۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کم از کم مقدار متعین نہیں

جس پر زوجین اتفاق کرلیں وہی مہر ہوگا۔

مختلف حالتوں میں مہر کے احکام:

قوله:فان سمى الخ: ۱۔اگر کسی نے عقد نکاح کے وقت دس درہم سے کم مہر مقرر کیا تو آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک دس درہم ملیں گے جب کہ امام زفر کے نزدیک مہر مثل ملے گا۔ ۲۔اگر شوہر نے مہر دس درہم یا اس سے زائد مقرر کیا اور شوہر نے وطی کی یا کوئی ایک فوت ہو گیا تو ان دو صورتوں میں مقرر کردہ پورا مہر ملے گا۔ ۳۔اگر دخول اور خلوت صحیحہ سے (اس کی تعریف آنے والی ہے) پہلے شوہر نے طلاق دے دی تو شوہر پر مہر مسمّی کا نصف واجب ہوگا۔ ۴۔اگر نکاح کے وقت مہر کا نام ہی نہیں لیا یا مہر نہ دینے کی شرط پر نکاح کیا اگر جماع کیا ہو یا کوئی ایک فوت ہو جائے تو احناف کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جب کہ امام شافعی کے نزدیک شوہر کا جماع سے پہلے انتقال ہو گیا تو کچھ واجب نہیں اگر عقد کے بعد جماع سے پہلے طلاق دے دی تو احناف کے نزدیک عورت کو متعہ (تھری پیس کپڑے) دینا واجب ہے جب کہ امام مالک کے نزدیک متعہ دینا مستحب ہے۔امام قدوری کی عبارت "کسوة مثلها" سے معلوم ہوا کہ متعہ کے کپڑے دینے میں عورت کا اعتبار ہوگا، دوسرے قول کے مطابق مرد کا اعتبار ہوگا جب کہ تیسرے قول کے مطابق دونوں کے مالی اعتبار کا لحاظ کیا جائے گا جو تینوں کے متعلق تصحیح موجود ہے۔

مفتٰی بہ قول:

دونوں کی حالت کا لحاظ کیا جائے گا اس پر دلیل یہ ہے کہ ارشاد ربانی ہے: وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ:۲۳۶) آیت میں موسع سے مرد کی حالت کا اعتبار ظاہر ہوتا ہے اور بالمعروف سے عورت کی حالت کا اعتبار ظاہر ہوتا ہے۔نیز متعہ کو نفقہ پر قیاس کیا ہے کہ راجح قول کے مطابق دونوں کا اعتبار کیا جائے گا (عليه الفتوىٰ در مختار مع رد المحتار، البحر الرائق) متعہ کی کم از کم مقدار تھری پیس کپڑے کتب فقہ میں مذکور ہیں تاہم گزشتہ زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہیے کہ امام حسن نے بیس ہزار درہم اور کافی تحائف بطور متعہ پیش کیے تھے اور خود قاضی شریح نے پانچ سو درہم دیئے تھے۔

ازواج مطہرات کا مہر:

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور امہات المومنین کا مہر پانچ سو درہم تھا۔باقی رہا ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا چار ہزار درہم اس کا جواب یہ ہے کہ زائد مقدار نجاشی بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کے پیش نظر دی تھی۔

وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَّلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا فَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا والخلوة فلها المتعة وَاِنْ زَادَهَا فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ ان حل بها اومات عنها وتسقط الزديادة بالطلاق قبل الدحول وَاِنْ حَطَّتْ عَنْهُ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ

"اور اگر مسلمان نے عورت سے شراب یا خنزیر پر شادی کی تو نکاح جائز ہوگا اور عورت کو مہر مثل ملے گا اور اگر عورت سے نکاح کیا اور عورت کے لیے مہر کا ذکر نہیں کیا تو اس کے بعد دونوں مہر کے ذکر پر متفق ہوں گے تو یہ مقرر کردہ مہر عورت کو ملے گا اگر عورت سے وطی کر لی یا فوت ہوگیا اور اگر شوہر نے اس عورت سے دخول سے پہلے یا خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی تو عورت کو متعہ ملے گا اور اگر عقد کے بعد مہر میں اضافہ کر دیا تو اس کو زیادتی لازم ہوگی اگر اس نے دخول کر لیا یا خاوند فوت ہوگیا اور دخول سے پہلے طلاق دینے سے زیادتی ساقط ہو جائے گی اور اگر عورت نے شوہر سے کچھ مہر کم کر دیا تو کمی کرنا صحیح ہے"۔

مال غیر متقوم کا مہر مقرر کرنا:

قولہ: وان تزوجھا الخ: جس چیز کو مہر مقرر کیا جائے اس کا شریعت کی نگاہ میں مال ہونا ضروری ہے جب کہ مسلمان کے حق میں شراب اور خنزیر مال متقوم نہیں لہٰذا اصول یہ ہے کہ "جہاں مال متقوم نہ ہو یا تعیین نہ ہو تو مہر مثل واجب ہوتا ہے" لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا یہ نکاح امام مالک کے علاوہ تینوں آئمہ کے نزدیک جائز ہے۔

نکاح کے بعد مہر مقرر کرنا:

قولہ: وان تزوجھا الخ: اگر عقد نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں کیا پھر نکاح کے بعد زوجین کسی مہر کی مقدار پر متفق ہو گئے تو اس کی صورتوں کا حکم متن میں واضح ہے۔

مہر میں نکاح کے بعد کمی وبیشی:

قولہ: وان زاد الخ: اگر نکاح کے وقت مہر مقرر کیا پھر نکاح کے بعد شوہر نے اس پر اضافہ کر دیا تو یہ اضافہ عورت کے لیے تین صورتوں میں سے کسی ایک میں ملے گا۔ دخول کے بعد یا خلوت صحیحہ کے بعد یا کوئی ایک بحالت نکاح فوت ہوگیا اگر ان میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے اور عورت کو طلاق ہو جائے تو مقرر کردہ مہر کا نصف ملے گا اور اگر عورت مقرر کردہ مہر کی مقدار میں سے کم کر دے تو کمی درست ہوگی کہ عورت نے اپنا حق کم کیا ہے جس کا اسے اختیار ہے۔

وَاِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَاَتِهٖ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِّنَ الْوَطْءِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ فَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضًا اَوْ صَائِمًا فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ اَوْ مُحْرِمًا بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ حَائِضًا فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَاِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ بِامْرَاَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَتُسْتَحَبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلَّا مُطَلَّقَةً وَّاحِدَةً: وَهِیَ الَّتِیْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا۔

"اور جب مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت نشینی کی اور وہاں وطی کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو پھر مرد نے عورت کو طلاق دے دی تو عورت مکمل مہر کی مستحق ہوگی اور اس پر عدت لازم ہوگی اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بیمار ہو یا رمضان میں روزے سے ہو یا حج یا عمرے کا احرام باندھا ہوا ہو یا حائضہ ہو تو خلوت صحیحہ نہیں اور اگر مقطوع الذکر نے اپنی بیوی سے خلوت نشینی کی اس کے بعد طلاق دے دی تو عورت امام اعظم کے نزدیک کامل مہر کی مستحق ہوگی اور متعہ ہر مطلقہ کے لیے مستحب ہے سوائے ایک

مطلقہ کے وہ ایسی مطلقہ ہے کہ جس کو دخول سے قبل شوہر نے طلاق دے دی اور اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا''۔

خلوت صحیحہ کی تعریف مع حکم

قولہ:واذا اخلا الخ: خلوت کے لغوی معنیٰ تنہائی کے ہیں۔خلوت کی دو قسمیں ہیں خلوت صحیحہ اور خلوت فاسدہ۔خلوت صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ ''زوجین کی ایسی تنہائی جس میں جماع کے لیے کوئی مانع جسمانی، (کوئی ایک بیمار،لڑکی قابل جماع نہ ہو) شرعی (فرض روزہ،احرام کی حالت،حیض ونفاس کی حالت) یا طبعی (کوئی تیسرا شخص موجود ہو خواہ سویا ہوا ہو پردہ نہ ہو) نہ ہو'' جب مذکورہ موانع کے ساتھ تنہائی ہو تو ''خلوت فاسدہ'' ہے۔احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ جماع کے حکم میں ہے لہٰذا اگر خلوت صحیحہ کے بعد شوہر نے طلاق دے دی تو عورت کو مکمل مہر ملے گا اور اس پر عدت بھی لازم ہوگی چونکہ مہر کامل اور عدت کے لازم ہونے کی علت تو وطی ہے مگر حقیقی علت (وطی) پر مطلع ہونا دشوار ہے کہ شوہر کہے کہ میں نے وطی نہیں کی جب کہ عورت کہے کہ کی ہے اب اس پر بغیر میڈیکل چیک اپ کے مطلع ہونا مشکل ہے حالانکہ ڈاکٹری رپورٹ عورت کے لیے باعث شرمندگی ہے۔جب حقیقت پر مطلع ہونا مشکل ہو تو اس کے متعلق فقہی قاعدہ ہے: ''دلیل الشئ فی الامور الباطنة يَقُوْمُ مَقَامَهٗ'' تو اس لیے شریعت نے خلوت صحیح (سبب) کو ہی قائم وطی (علت) قرار دے کر شوہر پر کامل مہر اور عدت کو لازم کر دیا اور حقیقی علت (وطی) کا اعتبار ساقط ہوگا چونکہ عورت کی ذمہ داری تو ''تسلیم نفس'' تھی جس کو بجالائی لہٰذا وہ اپنے حق کا مستحق ٹھہری۔اگر خلوت فاسدہ ہے تو نصف مہر واجب ہوگا۔لبرل (Liberol) قسم کے لوگوں نے خلوت صحیحہ کی فقہی تعریف پر انتہائی سوقیانہ اور جارحانہ گفتگو کی ہے جیسا کہ ان لوگوں کا مزاج ہوتا ہے۔امام شافعی کے نزدیک خلوت جماع کے حکم میں نہیں۔احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ کا ہر مقام پر حکم جماع کے حکم میں نہیں اس کی تفصیل بڑی کتب میں موجود ہے۔

مقطوع الذکر کی صورت میں خلوت صحیحہ کا حکم:

قولہ:واذا خلا الخ: اگر کسی ذکر کٹے ہوئے شخص نے خلوت صحیحہ کی تو احناف میں یہ اختلاف ہے کہ مہر کامل ہوگا یا نصف؟ امام اعظم کے نزدیک مہر کامل ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک بیمار کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے نصف مہر واجب ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ مقطوع الذکر شخص کی شادی کرنے کا مقصد تو عورت سے استمتاع ہے اور عورت نے تسلیم نفس کر دیا لہٰذا مکمل مہر لازم ہوگا۔(الصحیح قولہ فی اللباب، معون علی قول الامام)

مطلقہ کے لیے متعہ (لباس وغیرہ دینے) کی شرعی حیثیت:

قولہ:ویستحب المتعة الخ: مطلقہ کی چار اقسام ہیں۔١۔ہر وہ عورت جس کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور اسے دخول یا خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہو جائے تو بالاتفاق متعہ واجب ہے۔جب کہ اس کے علاوہ باقی تین مطلقات کے لیے متعہ مستحب ہے۔٢۔مطلقہ مدخولہ مہر معین ہو۔٣۔مطلقہ مدخولہ مہر غیر معین ہو۔٤۔مطلقہ غیر مدخولہ مہر غیر معین ہو۔اس صورت میں راجح یہی ہے کہ اس کو

بھی متعہ دینا مستحب ہے۔

وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَهُ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ اَوْ اُخْتَهُ لِيَكُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضًا عَنِ الْاٰخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ امْرَاَةً عَلٰى خِدْمَتِهٖ سَنَةً اَوْ عَلٰى تَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ حُرَّةً بِاِذْنِ مَوْلَاهُ عَلٰى خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَاِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِيْ نِكَاحِهَا ابْنُهَا عِنْدَهُمَا ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ اَبُوْهَا

''اور جب کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کیا کہ وہ آدمی اس کا نکاح اپنی بہن یا بیٹی سے کرے گا تا کہ دونوں عقدوں میں سے ایک عقد دوسرے کا عوض ہو جائے تو دونوں عقد جائز ہیں اور لڑکیوں میں سے ہر ایک کو مہر مثل ملے گا اور اگر کسی آزاد مرد نے عورت سے نکاح کیا ایک سال کی خدمت پر یا قرآن مجید کی تعلیم پر تو اس کو مہر مثل ملے گا اور اگر غلام نے آزاد عورت سے اپنے آقا کی اجازت سے شادی کی اپنی ایک سال کی خدمت پر تو عورت کو خدمت لینے کا حق ہے اور جب مجنونہ عورت کا والد اور بیٹا جمع ہوں تو اسکے نکاح کے معاملہ میں بیٹا ولی ہوگا شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ والد ہوگا''۔

نکاح شغار اور اس کا حکم:

قوله:واذا زوج الرجل الخ: شغار کا لغوی معنی ہے اٹھا دینا۔ زمانہ جاہلیت میں نکاح کی ایک قسم مشہور تھی جس کو شغار کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ تھی کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے سے اس شرط پر کرتا تھا کہ دوسرا اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کرائے اور دونوں طرف سے مہر عقد ہو۔ اس نکاح کو حضور ﷺ نے منع فرمایا لہٰذا یہ نکاح ''منهی عنه'' ہوا احناف کے نزدیک دونوں عقد درست ہیں اور دونوں عورتوں کو مہر مثل ملے گا ممانعت تو عدم مہر کی وجہ تھی جب مہر مثل ہے تو ممانعت نہ رہی۔ نیز فقہی قاعدہ ہے: ''النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة'' کہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود شروط فاسدہ باطل ہو جاتی ہیں۔ جب کہ دیگر آئمہ کے نزدیک نکاح ہی نہیں۔

ادلہ بدلہ نکاح کا حکم:

ہمارے معاشرے میں جو ایک رشتہ دے کر دوسرا لیا جاتا ہے یہ نکاح شغار کی تعریف میں نہیں آتا کیوں کہ دونوں عورتوں کا مہر مقرر ہوتا ہے جبکہ شغار میں عدم مہر کی شرط ہوتی ہے۔

تعلیم قرآن یا خدمت کو مہر بنانا:

قوله:وان تزوج الخ: احناف کے نزدیک مہر کے بارے میں اصول یہ ہے کہ ''مہر ہر اس چیز کو بنایا جا سکتا ہے جو شریعت کی نگاہ میں مال ہو'' جب کہ تعلیم قرآن مال نہیں اسی طرح آزاد مرد کا بیوی کی خدمت کو مہر بنانا درست نہیں کیونکہ بیوی تو شوہر کی خدمت کرتی ہے جب کہ یہاں اس کے برعکس ہے اس لیے یہاں یہ اصول جاری ہوگا کہ ''جہاں عدم مہر کی صورت ہو یا مال غیر متقوم کی تعیین ہو تو مہر مثل واجب ہوگا لہٰذا احناف کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جب کہ شوافع کے نزدیک دونوں کو مہر بنایا جا سکتا ہے کہ تعلیم قرآن اور خدمت اجرت کی جگہ پر ہوگی۔ لیکن اگر مرد غلام ہو اور اس کے آقا نے کسی عورت سے خدمت پر نکاح کرنے

کی اجازت دے دی تو جائز ہے کہ عورت کا مہر ہی خدمت ہوگا الگ سے مہر نہ ہوگا۔

مجنونہ پر ولایت:

قولہ: واذا جتمع الخ: اگر کوئی عورت مجنونہ ہے اس کا ایک سابق شوہر سے بیٹا ہے اور اس کا والد بھی ہے اب مجنونہ نکاح کرنا چاہتی ہے اب ولی کون ہوگا؟ اس میں آئمہ احناف کا اختلاف ہے کہ شیخین کے نزدیک حق ولایت بیٹے کو ہے جب کہ امام محمد کے نزدیک والد کو ہے کہ نکاح کرانے کا مدار تجربہ کاری اور شفقت پر ہے اور وہ والد میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتوٰی شیخین کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ولایت تزویج کے متعلق اصول ہے کہ "ولایت ترویج کا مدار عصوبت پر ہے" جب والد اور بیٹا جمع ہو جائیں تو بیٹے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ترجیح ہوگی (تقدیم قول الشیخین فی ملتقی الابحر والعنایۃ دیگر معون علی قول الشیخین)

وَلَا يَجُوْزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ إِلَّا بِإِذْنِ مَوْلَاهُمَا وَإِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِإِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِيْ رَقَبَتِهِ يُبَاعُ فِيْهِ وَإِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ أَمَتَهُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُبَوِّاَهَا بَيْتَ الزَّوْجِ وَلٰكِنَّهَا تَخْدُمُ الْمَوْلٰى وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰى ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا.

"اور غلام اور لونڈی کا نکاح صرف ان دونوں کے مولٰی کی اجازت سے جائز ہے اور غلام اپنے مولٰی کی اجازت سے نکاح کرلے تو مہر غلام پر ہی ہوگا، غلام کو اس میں فروخت کیا جائے گا اور اگر مولٰی نے اپنی لونڈی کا نکاح کر دیا تو مولٰی پر واجب نہیں کہ لونڈی کو شوہر کے گھر میں آباد کرے لیکن لونڈی مولٰی کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب تجھے موقع ملے تو اس سے وطی کرلے"۔

وَإِذَا تَزَوَّجَ امْرَأَةً عَلٰى أَلْفٍ عَلٰى أَنْ لَّا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ أَوْ عَلٰى أَنْ لَّا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا فَإِنْ وَفٰى بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰى وَإِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا أَوْ أَخْرَجَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَإِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسَطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا الْحَيَوَانَ وَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهَا قِيْمَته وَلَمْ تَزَوَّجْهَا عَلٰى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا

"اور اگر عورت سے ایک ہزار پر شادی کی اس شرط پر کہ شوہر اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس شرط پر کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرے گا پس اگر شوہر شرط کو پورا کر دے تو عورت کو مقرر کردہ مہر ملے گا اور اگر اس پر شادی کر لی یا اس کو شہر سے باہر لے گیا تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا اور اگر کسی عورت سے نکاح کیا کسی ایسے حیوان پر جس کی صفت بیان نہیں کی گئی تو یہ مقرر کرنا درست ہے اور عورت کو درمیانہ درجے کا حیوان ملے گا اور شوہر کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو عورت کو یہ درمیانہ جانور دے دے یا اس کی قیمت دے دے اور اگر کسی نے کسی عورت سے ایسے کپڑے پر نکاح کیا جس کی صفت معلوم نہیں تو عورت کو مہر مثل ملے گا"۔

نکاح میں شرطوں کی شرعی حیثیت:

قولہ:وان فروج الخ: نکاح کے باب میں ایک اہم مسئلہ عقد نکاح کے ساتھ لگائی جانے والی شرائط کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کا بھی ہے۔نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہوسکتی ہیں۔۱۔وہ شرطیں نکاح کے مقاصد وحقوق کو ہی پختہ کرتی ہیں۔مثلاً بیوی کا نفقہ،شوہر کی اطاعت وغیرہ۔گویا ان شرطوں کی وجہ سے اپنے اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی کی تجدید وتوثیق ہے۔۲۔وہ شرطیں جو احکام شریعت کے متصادم ہوں مثلاً بیوی کو مہر نہیں ملے گا؟شوہر کے ذمہ نفقہ نہ ہوگا یہ شروط فاسدہ ہیں۔اصول یہ ہے کہ''شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا'' بلکہ شروط خود فاسدہ ہوجاتی ہیں۔۳۔وہ شرطیں جو نہ نکاح کے مقاصد وحقوق کو پختہ کرتی ہوں اور نہ ہی شریعت سے متصادم ہوں بلکہ ان شرائط سے عورت کو نفع پہنچتا ہو اور مرد اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو مثلاً نکاح اس شرط پر ہو کہ شوہر بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا اگر شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو دوگنا مہر دے گا ایسی شرطوں کے ساتھ بالاتفاق نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن احناف میں یہ اختلاف ہے کہ اگر شرط کی خلاف ورزی کی تو کون سا مہر لازم آئے گا۔مثلاً بیوی نے یہ شرط لگائی کہ اگر میری موجودگی میں کسی اور سے نکاح نہ کیا تو ایک لاکھ مہر ہے اگر نکاح کیا تو دولاکھ مہر ہوگا اگر وہ نکاح کرلیتا ہے تو امام اعظم کے نزدیک مہر مثل ہوگا جو ایک لاکھ سے کم اور دولاکھ سے زیادہ نہ ہو۔وہی مہر متصور ہوگا جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی نکاح نہیں کرتا تو ایک لاکھ اگر کرلیتا ہے تو دولاکھ ہوگا۔امام اعظم کا قول مفتی بہ ہے لیکن بعض اہل افتا نے صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی گنجائش نقل کی ہے۔

دور حاضر میں شرائط کی حیثیت:

موجودہ دور میں دوسرا نکاح عموماً سنجیدہ فیصلے کے بجائے محض موجودہ بیوی سے انتقام کے جذبہ کے تحت کیا جاتا ہے جس کے لیے شریعت کا سہارا لیا جاتا ہے کہ اسلام نے چار تک کی اجازت دی ہے لیکن نکاح کرنے کے بعد اسلام ہی کے بیان کردہ اصول عدل کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔جس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے لہٰذا اگر شرط میں مقرر کردہ مہر مثل سے زیادہ بنتا ہے تو شوہر کو بغیر وجہ دوسری شادی کرنے سے روکنے کے لیے صاحبین کا مذہب ہے۔لیکن اگر شرائط میں یوں لکھا جائے کہ اگر مجھے نکاح ثانی کی حاجت پڑی تو قاضی کے فیصلہ کے ساتھ اجازت ہوگی تاکہ نکاح ثانی کرنے میں رکاوٹ نہ بنے۔(ایک وقت میں کتنی زوجات؟)کے عنواں سے بحث آرہی ہے۔

کسی جانور کو مہر بنانا:

قولہ:وان تزوجھا الخ:اگر کسی نے مہر میں کسی جانور کو مقرر کیا تو جائز ہے بشرطیکہ اس کی جنس بیان کردی جائے اگر چہ اوصاف بیان نہ بھی کیے جائیں مثلاً گائے،بھینس وغیرہ لیکن مہر میں متوسط جانور یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔اگر کوئی کپڑا مہر میں مقرر کیا تو اس کی جنس اور اوصاف کو بیان کرنے کے بغیر مہر بنایا تو مہر مثل ہوگا۔یہ اصول ہے کہ''جہاں جہالت کاملہ ہو وہاں مہر مثل ہوتا ہے''۔

وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالنِّكَاحُ الْمُؤَقَّتُ بَاطِلٌ وَتَزْوِيجُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوفٌ

فَإِنْ أَجَازَهُ الْمَوْلَى جَازَ وَإِنْ رَدَّهُ بَطَلَ، وَكَذٰلِكَ لَوْ زَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ وَيَجُوزُ لِابْنِ الْعَمِّ أَنْ يُزَوِّجَ ابْنَةَ عَمِّهِ مِنْ نَفْسِهِ وَإِذَا أَذِنَتِ المرأة للرجل ان يزوجها من نفسه فعقد بحضرة شاهدان جازوَإِذَا ضَمِنَ الْوَلِيُّ الْمَهْرَ صَحَّ ضَمَانُهُ وَلِلْمَرْأَةِ الْخِيَارُ فِي مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا أَوْ وَلِيِّهَا

"اور نکاح متعہ اور نکاح مؤقت باطل ہے اور غلام اور لونڈی کا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا موقوف ہے پس اگر آقا نے اس کی اجازت دے دی تو نکاح جائز ہوگا اور اگر آقا نے اس کو رد کر دیا تو نکاح باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے عورت کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا یا کسی مرد کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کر دیا اور چچا کے لڑکے کے لیے جائز ہے کہ چچا کی لڑکی سے اپنا نکاح کر لے اور اگر عورت کسی کو اس بات کی اجازت دے کہ وہ خود اس سے نکاح کرے اور اس شخص نے دو گواہوں کی موجودگی میں عقد کیا تو جائز ہے اور اگر ولی عورت کے مہر کا ضامن ہو جائے تو اس کی ضمانت جائز ہے اور عورت کو اختیار ہے چاہے مہر کے مطالبہ کا اپنے شوہر سے کرے اور چاہے اپنے ولی سے کرے"۔

نکاح متعہ اور نکاح مؤقت کی شرعی حیثیت:

نکاح متعہ کی تعریف:

قوله:ونکاح المتعة الخ: کسی شخص کا کسی عورت سے مقرر مال کے عوض معینہ مدت تک نفع اٹھانا متعہ کہلاتا ہے۔

نکاح مؤقت کی تعریف:

کوئی شخص دو گواہوں کی موجودگی میں کسی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے ایک ماہ کے لیے نکاح کرتا ہوں۔ یہ نکاح مؤقت ہے۔

متعہ اور مؤقت میں فرق:

اکثر علماء کے نزدیک دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے تاہم بعض نے یوں فرق بیان کیا ہے متعہ میں أَتَمَتَّعُ یا أَسْتَمْتِعُ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب کہ مؤقت میں لفظ نکاح استعمال ہوتا ہے۔ ۲۔ متعہ میں گواہ مقرر نہیں ہوتے جبکہ مؤقت میں گواہ ہوتے ہیں۔ ۳۔ متعہ میں احکام نکاح لازم نہیں ہوتے جب کہ مؤقت میں تمام احکام نکاح نافذ ہوتے ہیں۔ نکاح متعہ آئمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے صاحب ہدایہ نے امام مالک کی طرف جو جواز کی نسبت کی ہے وہ سبھی کے نزدیک صاحب ہدایہ کا سہو ہے۔ فقہاء مالکیہ کی کتب میں بالاتفاق حرام ہونے کی صراحت ہے صرف فقہ جعفریہ میں محض جواز ہی نہیں بلکہ اس پر بڑے بڑے اجر و ثواب کی نوید بھی مرقوم و مسطور ہے۔ یوں ہی نکاح مؤقت بھی سوائے امام زفر کے سبھی کے نزدیک حرام ہے۔

متعہ اور نکاح میں فرق:

۱۔ متعہ عارضی ہوتا ہے جب کہ نکاح دائمی ہوتا ہے۔ ۲۔ متعہ میں منکوحات کی تعداد محدود نہیں ہوتی جب کہ نکاح میں منکوحات کی تعداد (۴) محدود ہوتی ہے ۳۔ متعہ میں نان و نفقہ، سکنی، میراث، ایلا، ظہار، لعان، طلاق، عدت وغیرہ نہیں ہوتے

جب کہ نکاح میں مذکورہ تمام امور ہوتے ہیں۔ حاصل فرق یہ ہے کہ جب متعہ اور نکاح متضاد حقیقتیں ہیں تو نکاح سے متعہ یا متعہ سے نکاح مراد لینا باطل ہے۔

تحریم متعہ کی تاریخ:

شریعت میں یہ منفرد مثال ہے کہ متعہ مباح تھا پھر خیبر (۷ھ) کو حرام قرار دیا گیا پھر غزوہ اوطاس (غزوہ حنین) جو فتح مکہ کے چند دن بعد ہوا اس میں تین دن کے لیے مباح قرار دیا گیا پھر دائمی حرمت آگئی۔ باقی رہی غزوۂ تبوک (۹ھ) یا حجۃ الوداع (۱۰ھ) کی حرمت کی روایات ان کو حرمت کے حکم کو دوہرانے پر محمول کیا جائے گا۔

بغیر اجازت نکاح:

قولہ: و تزویج العبد الخ: اگر غلام یا لونڈی نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا تو نکاح کا جواز اجازت پر موقوف ہوگا اگر اجازت مل جاتی ہے تو نکاح لازم ورنہ فسخ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی عورت یا کسی مرد کا نکاح ان سے پوچھے بغیر کر دیتا ہے تو ان کا نکاح موقوف رہے گا کیونکہ احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ "ہر ایسا عقد جو فضولی سے صادر ہو اور مجلس عقد میں کوئی ایجاب وقبول کرنے والا موجود ہو جو قبول کرے دوسرا اصل ہو یا فضولی یا وکیل تو نکاح اجازت پر موقوف رہے گا" لہٰذا جب عورت یا مرد کی طرف سے اجازت مل گئی تو نکاح لازم ورنہ فسخ ہو جائے گا۔ یہاں جواز بمعنی لازم اس لیے کہا گیا ہے کہ اصول ہے کہ "جب کسی چیز کا جواز اجازت پر موقوف ہو تو لازم نہیں ہوتی باقی صحت، حلت اور نفاذ تو ہوتا ہے"۔ جب کہ امام شافعی اور امام احمد بمطابق ایک روایت فضولی کے تمام تصرفات کو باطل قرار دیتے ہیں اور امام مالک غلام کے مسئلہ میں جواز کے قائل ہیں مگر آزاد کے حق میں باطل کے قائل ہیں۔

نکاح میں فرد واحد کا ایجاب وقبول:

قولہ: ویجوز الخ: اگر کسی عورت کا بیٹا، والد، بھائی، چچا نہ ہو اور اس کا چچازاد بھائی اس کا عصبہ اور ولی بنتا ہے اور اگر اس عورت سے یہی چچازاد بھائی نکاح کرنا چاہے تو عورت کی طرف سے ولی (جبکہ صغیرہ ہو) اور اپنی طرف سے اصیل ہوگا یا اس طرف سے وکیل (جب کہ عاقلہ بالغہ نے اجازت دی ہو) اور اپنی طرف سے اصیل تو دو گواہوں کی موجودگی میں کہے "میں نے فلاں بن فلاں سے نکاح کیا" تو ایجاب وقبول دونوں ادا ہو جائیں گے۔

ولی مہر کا ضامن ہو تو؟:

قولہ: واذا ضمن الخ: اگر ولی نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کیا اور مہر کا ضامن بن گیا تو ضامن بننا درست ہے اب لڑکی کو اختیار ہے چاہے شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے یا ولی سے مطالبہ کرے چونکہ نکاح میں ولی محض سفیر اور معبر ہوتا ہے اس پر مہر کی ذمہ داری نہیں ہوتی لیکن وہ شوہر کی جانب سے کفیل بن سکتا ہے اور کفالت کے متعلق اصول یہ ہے کہ "کفیل (ولی) اور مکفول عنہ (شوہر) دونوں سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے" لیکن اگر لڑکی کفیل (ولی) کو مہر سے بری الذمہ قرار دے دے تو مکفول عنہ (شوہر) بری

الذمہ نہیں ہوسکتا لیکن اس کے برعکس ہوتو بری الذمہ ہوسکتا ہے۔

وَإِذَا فَرَّقَ الْقَاضِي بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَكَذٰلِكَ بَعْدَ الْخَلْوَةِ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَا يُزَادُ عَلَى الْمُسَمّٰى وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِأَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمِّهَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِأُمِّهَا وَلَا خَالَتِهَا إِذَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَبِيلَتِهَا وَيُعْتَبَرُ فِي مَهْرِ الْمِثْلِ أَنْ يَتَسَاوَى الْمَرْأَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ وَالنَّسَبِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ وَالْعِفَّةِ

"اور جب قاضی زوجین کے درمیان نکاح فاسد کی صورت میں دخول سے پہلے فیصلہ کر دے تو عورت کو مہر نہیں ملے گا اور اسی طرح خلوت کے بعد بھی اور جب عورت سے دخول کر لیا تو عورت کے لیے مہر مثل ہوگا اور مقرر مہر سے زیادہ نہ کیا جائے گا اور اس پر عدت واجب ہوگی اور اس کے لڑکے کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اور اس کا مہر مثل اس کی پھوپھیوں اور اس کے چچازاد بہنوں پر قیاس کیا جائے گا اور اس کی والدہ اور خالہ کا لحاظ نہیں کیا جائے گا بشرطیکہ وہ دونوں اس کے قبیلہ سے نہ ہوں اور مہر مثل میں اس بات کا اعتبار کیا جائے گا کہ وہ عورتیں عمر، جمال، مال، عقل، دین، نسب، شہر، زمانہ اور پاک دامنی میں برابر ہوں"۔

نکاح فاسد اور اس کے احکام:

قولہ: واذا فرق الخ: صورت مسئلہ سے قبل یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حکم اور نتیجہ کے اعتبار سے ہر نکاح تین حال سے خالی نہیں نکاح صحیح ہوگا یا نکاح فاسد ہوگا یا نکاح باطل ہوگا۔ نکاح صحیح وہ ہے کہ جس میں نکاح کے مطلوبہ ارکان وشرائط پائی جائیں۔ نکاح فاسد وہ ہے کہ جس کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء کرام متفق نہ ہوں اور نکاح باطل وہ ہے کہ جس کے ناجائز ہونے پر تمام فقہاء کرام متفق ہوں۔ نکاح صحیح کے احکام گزر چکے اور نکاح باطل جب نفس نکاح ہی نہیں تو احکام نکاح بھی متعلق نہ ہوں گے تاہم اگر نکاح فاسد ہو مثلاً گواہوں کے بغیر نکاح، عورت کے اصول وفروع رشتہ دار عورت سے نکاح جب کہ خلوت صحیحہ کے بعد ہو۔ نکاح فاسد کا حکم یہ ہے کہ میاں بیوی خود علیحدگی اختیار کر لیں ورنہ قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے۔ تفریق کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ دخول وخلوت دونوں سے پہلے جدائی کر دی جائے۔ ۲۔ دخول سے پہلے اور خلوت کے بعد کی جائے۔ ان دو صورتوں میں نہ عورت کو مہر ملے گا نہ ہی عدت واجب ہوگی اور نہ ہی بچے کا نسب ثابت ہوگا۔ ۳۔ دخول کے بعد جدائیگی کی جائے تو اس صورت میں مہر مثل ہوگا جو مہر مسمی سے زیادہ نہ ہوگا، عورت پر عدت واجب ہوگی اور عورت کے بچے کا نسب مرد سے ثابت ہوگا۔

مہر مثل کی تعریف:

قولہ: ومہر مثلها الخ: مہر مثل اس مہر کو کہتے ہیں جو عورت کے والد کے خاندان کی لڑکیوں کا ہو مثلاً عورت کی بہنیں، پھوپھیاں، چچازاد، تایازاد بہنیں وغیرہ میں مہر مثل ہیں۔ والدہ کے خاندان کا اعتبار نہ ہوگا بشرطیکہ وہ والد کے خاندان سے نہ ہو اگر والد کے خاندان سے ہو تو اعتبار ہوگا۔ مہر مثل میں فی الجملہ (اکثر) نو امور میں مساوات ضروری ہے۔ ۱۔ عمر ۲۔ حسن وجمال ۳۔ مال وثروت ۴۔ عقل مندی ۵۔ دین داری ۶۔ نسب ۷۔ شہریت ۸۔ ہمعصر ۹۔ عفت وپاکدامنی وغیرہ۔ اگر بالفرض خاندان میں اس

جیسی لڑکی نہ ہوتو اس جیسی اجنبیہ کے مہر کا اعتبار ہوگا۔

وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْأَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ أَوْ كِتَابِيَّةً وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَّتَزَوَّجَ أَمَةً عَلَى حُرَّةٍ وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْحُرَّةِ عَلَى الْأَمَةِ وَلِلْحُرِّ أَنْ يَّتَزَوَّجَ أَرْبَعًا مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَّتَزَوَّجَ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا يتزوج ابعد باكثر من اثنعين فَإِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ إِحْدَى الْأَرْبَعِ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهُ أَنْ يَّتَزَوَّجَ رَابِعَةً غَيْرَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا

"اور لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے چاہے مومنہ ہو یا کتابیہ اور آزاد عورت کی موجودگی میں لونڈی سے نکاح جائز نہیں اور لونڈی کی موجودگی میں آزاد سے نکاح جائز ہے اور آزاد مرد کے لیے چار آزاد عورتوں اور لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور آزاد مرد کے لیے اس سے زائد نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور غلام دو سے زیادہ نکاح نہ کرے اب اگر آزاد مرد نے چار عورتوں میں سے ایک کو طلاق بائن دے دی تو اس مرد کے لیے جائز نہیں کہ چوتھی سے شادی کرے یہاں تک کہ اس کی عدت مکمل ہو جائے"۔

لونڈی سے نکاح کرنا:

قولہ:ویجوز تزویج الخ: احناف کے نزدیک لونڈی چاہے مومنہ ہو یا کتابیہ آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو یا نہ ہو ہر صورت میں مومنہ اور کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز ہے جب کہ امام شافعی، امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک آزاد عورت پر نکاح کی طاقت رکھنے کی صورت میں لونڈی سے نکاح جائز نہیں اور لونڈی بھی مومنہ ہو کتابیہ سے جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لونڈی سے نکاح کا جواز دو صفات سے موصوف ہے ایک آزاد عورت سے نکاح کی طاقت کا نہ ہونا اور لونڈی کا مومنہ ہونا لہٰذا ان کے نزدیک عدم صفت عدم حکم کو مستلزم ہے جب کہ احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ "وجود صفت مثبت حکم تو ہے مگر عدم صفت مانع حکم نہیں" جب کہ دیگر دلائل سے نکاح کا جواز ثابت ہے۔

آزاد پر لونڈی یا لونڈی پر آزاد سے نکاح:

قولہ:ولا یجوز الخ: اگر کسی شخص کے عقد میں آزاد عورت ہو اس پر لونڈی سے نکاح کرنا احناف کے نزدیک جائز نہیں البتہ امام شافعی کے نزدیک صرف غلام کے لیے جائز ہے اور امام مالک کے نزدیک آزاد کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر پہلے عقد میں لونڈی پھر آزاد سے نکاح کرنا چاہے تو بالاتفاق نکاح جائز ہے۔

ایک وقت میں کتنی زوجات؟

قولہ:وللحر الخ: اسلام نے انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے آزاد مردوں کو چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ اس پر عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر ہر مرد ایک عورت سے نکاح کرے تو باقی عورتوں کی تین صورتیں ہیں ا۔ بغیر شادی کے تمام عمر گزاریں یہ فطرت کے خلاف ہے ۲۔ ناجائز طریقے سے خواہشات پوری کریں یہ دین اور قانون دونوں لحاظ سے ناجائز ہے۔ ۳۔ مالی اور جسمانی قوت کے حامل افراد سے نکاح کریں اسی تیسری صورت کو اسلام نے پیش کیا ہے کیونکہ بعض عفت و عصمت کی

حفاظت کے لیے، لڑکیوں کی شرح پیدائش کے اضافہ کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے، نیز بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کے نکتہ نظر سے تعدادازدواج ایک سماجی ضرورت بن جاتی ہے لیکن جہاں اسلام نے چارتک اجازت دی ہے وہاں ان کے درمیان عدل وانصاف کی بھی شرط لگائی ہے کہ اگر انصاف نہ کرسکو تو ایک پر اکتفا افضل ہے اور غلام کے لیے بیک وقت دوعورتوں سے نکاح جائز ہے۔ عورت کی عدت کا زمانہ نکاح میں شامل ہے لہٰذا مطلقہ بائنہ کی بہن سے عدت میں نکاح کرنا یا چوتھی مطلقہ بائنہ کی عدت میں پانچویں سے نکاح کرنا نکاح فاسد ہے کیونکہ مطلقہ بائنہ عدت کے دوران من وجہ نکاح میں ہے یا نہیں؟ اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے لہٰذا نکاح فاسد ہے اگر اتفاق ہوتا تو نکاح باطل ہوتا۔

وَإِذَا زَوَّجَ الْأَمَةَ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَكَذَا الْمُكَاتَبَةُ فَإِنْ تَزَوَّجَتِ الْأَمَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ وَلَا خِيَارَ لَهَا وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِي عَقْدٍ وَاحِدٍ إِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ الَّتِي تَحِلُّ لَهُ وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرَى وَإِذَا كَانَ بِالْمَرْأَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِزَوْجِهَا وَإِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُونٌ أَوْ جُذَامٌ أَوْ بَرَصٌ فَلَا خِيَارَ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهَا الخيار

''اور اگر لونڈی کا نکاح آقا نے کر دیا پھر وہ آزاد ہوگئی تو عورت کے لیے اختیار ہوگا اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام یہی حکم مکاتبہ لونڈی کا ہے اور اگر لونڈی نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا پھر وہ آزاد ہوگئی تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس کو اختیار نہیں ملے گا اور جس شخص نے دوعورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا اور ان میں سے ایک عورت کا نکاح اس مرد سے حلال نہیں ہے تو اس عورت کا نکاح صحیح ہوگا جو اس کے لیے حلال ہے اور دوسری کا نکاح باطل ہو جائے گا اور اگر بیوی میں کوئی عیب ہو تو اس کے شوہر کو اختیار نہ ہوگا اور شوہر کو جنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری ہو تو عورت کو اختیار نہیں ہوگا امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اسے اختیار حاصل ہوگا''۔

لونڈی کا نکاح:

قولہ: واذا زوج الخ: لونڈی کا نکاح دو حال سے خالی نہیں کہ آقا نے خود کسی شخص سے کرایا یا اس کی اجازت کے بغیر لونڈی نے کر لیا اگر آقا نے خود کرایا شوہر چاہے آزاد ہو یا غلام احناف کے نزدیک لونڈی کو آزاد کرنے کے بعد لونڈی کو دو اختیار حاصل ہیں کہ اپنا نکاح برقرار رکھے یا آزادی کے بعد فسخ کرا دے جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اگر شوہر شادی کے وقت آزاد تھا تو خیار عتق ہوگا ورنہ نہیں جب کہ احناف کے نزدیک مطلقاً خیار عتق حاصل ہوگا اور اگر لونڈی نے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا اور آقا نے آزاد کر دیا تو خیار عتق حاصل نہ ہوگا نکاح پر قائم رہے گی۔ اگرچہ لونڈی کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا لیکن آزادی کے بعد مولیٰ کے حق کے ختم ہونے کے ساتھ نکاح نافذ ہوگیا۔ خیار عتق کا مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ''اگر آزادی سے پہلے نکاح نافذ ہو تو خیار عتق ہوگا اگر آزادی کے بعد نکاح نافذ ہو تو خیار عتق نہ ہوگا۔'' اس مسئلہ کا مدار حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا والی حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لونڈی تھیں اور مکاتبہ لونڈی کا مسئلہ بھی مذکورہ بالا ہی کی طرح ہے۔

محرمہ اور محللہ کا اجتماع:

قولہ:ومن تزوج الخ: اگر کسی شخص نے ایک ہی عقد میں ایک حلال اور ایک حرام عورت جمع کر لی تو حلال عورت کا نکاح ہو جائے گا اور حرام عورت سے نکاح نہ ہوگا۔ مثلاً اپنی بہن اور چچازاد بہن سے نکاح کیا تو اپنی بہن سے نکاح نہ ہوگا دوسری سے ہو جائے گا کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شروط فاسدہ باطل ہو جاتی ہیں اس لیے حلال عورت کے نکاح میں فساد سرایت نہیں کرے گا۔

زوجین میں امراض وعیوب کی وجہ سے فسخ نکاح:

قولہ:واذا کان الخ: یوں مرض اور بیماری زندگی کی ساتھی ہے لیکن بعض ایسے امراض وعیوب ہوتے ہیں جو تکلیف دہ اور متعدی اثرات کی وجہ سے لوگوں کے لیے قابل نفرت ہوتے ہیں بالخصوص میاں بیوی کے درمیان عدم دلچسپی اور تفریق کا باعث بنتے ہیں۔ لہٰذا اگر عورت میں کسی قسم کا عیب ہو تو شوہر کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں کیونکہ طلاق دے سکتا ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک خیار عیب حاصل ہے۔ لیکن اگر شوہر میں عیوب ہوں مثلاً پاگل پن، دیوانہ پن، جذام (کوڑھ) برص کا لاحق ہونا، نامرد ہونا، مقطوع الذکر ہونا یا خصی ہونا وغیرہ تو احناف میں سے شیخین کے نزدیک صرف مقطوع الذکر (جب) اور نامرد (عنت) موجب فسخ ہیں۔ ان دونوں کی وضاحت آگے آرہی ہے۔ باقی عیوب جنون، جذام اور برص وغیرہ موجب فسخ نہیں۔ جب کہ امام محمد کے نزدیک مذکورہ امراض وعیوب میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے لہٰذا امام محمد کے نزدیک اصول یہ ہے کہ ہر ”وہ عیب جس کی موجودگی میں رہنا ضرر کا باعث ہو قابل فسخ ہے“ یہی موقف دیگر فقہاء کرام کا بھی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔ (الصحیح قول ابی حنیفہ وابی یوسف ”الترجیح والتصحیح“ قاضی خان ملتقی الابحر وغیرہ)

فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ عِنِّيْنًا أَجَّلَهُ الْحَاكِمُ حَوْلًا كَامِلًا فَإِنْ وَصَلَ إِلَيْهَا وَإِلَّا فَرَّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا إِنْ طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً وَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ إِذَا كَانَ قَدْ خَلَا بِهَا وَإِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَلَمْ يُؤَجِّلْهُ وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ

”اور جب شوہر عنین ہو تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے اب اگر وہ عورت سے صحبت کے قابل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ حاکم ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اگر عورت جدائی کا مطالبہ کرے اور جدائی طلاق بائنہ ہوگی اور عورت کو پورا مہر ملے گا جب کہ شوہر نے اس سے خلوت کر لی ہو اور اگر مقطوع الذکر ہو تو قاضی فوراً ان کے مابین تفریق کر دے اور اسے مہلت نہ دے اور خصی کو مہلت دی جائے گی جیسے کہ عنین کو مہلت دی جاتی ہے“۔

اگر شوہر نامرد ہو تو؟

قولہ:واذا کان الزوج الخ: بیوی کے حقوق میں سے اہم ترین حق اس کے جنسی تقاضوں اور خواہشات کی تکمیل ہے لہٰذا

اگر شوہر عنین ہو، عنین سے مراد نامرد ہونا اسی کو "عنیت" بھی کہا جاتا ہے۔ فقہاء کرام نے عنین (نامردی) کی کوئی مستحکم تعریف نہیں کی کیونکہ ممکن ہے کہ ایک مرد ایک عورت (ثیبہ) کے حق میں نامرد نہ ہو جبکہ دوسری عورت (باکرہ) کے حق میں نامرد ہو لہٰذا عنین سے مراد وہ شخص ہے کہ جس کا عضو تو ہو مگر جماع کے قابل نہ ہو۔ اسی طرح اگر شوہر خصی ہو۔ خصی سے مراد کہ جس کے کپوروں کی گولیاں نہ ہوں اس کو "مخصا" بھی کہا جاتا ہے یہ بھی جماع کے قابل نہیں ہوتا لہٰذا جب ان کی بیوی قاضی کے ہاں مقدمہ درج کرائے کہ یہ میرے حقوق زوجیت کے اہل نہیں تو قاضی ان کے شوہروں کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا کیونکہ ایک سال میں چاروں موسم آتے ہیں اس لیے اتنی مدت کافی ہے اگر درست ہوتے جاتے ہیں تو نکاح قائم رہے گا ورنہ پھر عورت کے مطالبہ پر قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا اور یہ تفریق طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی کیونکہ یہ جدائی شوہر کی جانب سے ہو رہی ہے اور جو جدائی شوہر کی طرف سے ہو وہ طلاق ہوتی ہے اور طلاق بائنہ اس لیے کہ جان تب ہی چھوٹے گی کہ جب طلاق بائنہ ہو۔ ورنہ رجعی میں تو رجوع ہو جاتا ہے اور خلوت صحیحہ پائے جانے پر عورت کو مکمل مہر ملے گا ورنہ نصف مہر ملے گا۔

اگر مقطوع الذکر ہو تو؟

قولہ: وان کا مجبوباً الخ: اگر شوہر کا ذکر کٹا ہوا ہو تو قاضی مقدمہ دائر کرنے پر ہی تفریق کر دے گا کیونکہ یہاں مہلت دینے کا فائدہ ہی نہیں کہ آلہ ہی نہیں۔

ضرورت کی بنا پر دوسرے آئمہ کے مذہب پر فسخ نکاح کا خلاصہ:

علامہ غلام رسول سعیدی متوفی ۲۰۱۶ء ضرورت کی بنا پر دوسرے آئمہ فقہ کے مذہب پر میاں بیوی کے درمیان تفریق کی دس صورتوں کا خلاصہ لکھتے ہیں۔ ۱۔ اگر کوئی شخص افلاس کی بنا پر بیوی کو نفقہ نہیں دے رہا اور اس کو طلاق بھی نہیں دیتا تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے اور قاضی تفریق کر سکتا ہے۔ ۲۔ اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا تو وہ قاضی کے ہاں مقدمہ کرے اور قاضی اس کے مفقود الخبر ہونے کا اطمینان کرنے کے بعد اسے چار سال انتظار کرنے کا حکم دے پھر عدت وفات کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا قدیم قول یہی ہے اسی پر فقہاء شافعیہ کا فتویٰ ہے۔ ۳۔ اگر شوہر مفقود الخبر ہو اور عورت کے گزارے کے لیے بالکل خرچ نہ ہو تو عورت کے مطالبہ پر امام مالک کے نزدیک قاضی فی الفور تفریق کر دے گا اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ ۴۔ اگر شادی کے بعد خاوند کسی طویل المیعاد بیماری میں مبتلا ہو گیا اور عورت کے لیے خرچ کی کوئی سبیل نہیں تو عورت کے مطالبہ پر قاضی فی الفور تفریق کر دے گا یہ بھی امام مالک کا مذہب ہے۔ ۵۔ اگر خاوند کو لمبی مدت کے لیے سزا ہو گئی ہو اور عورت کے لیے خرچ کی کوئی سبیل نہیں ہے تب بھی امام مالک کے نزدیک عورت کے مطالبہ پر قاضی فی الفور طلاق نافذ کر دے گا۔ ۶۔ خاوند غائب ہو، اس کا پتا معلوم ہو اور اس سے ڈاک کا رابطہ بھی ہو اور وہ خوشحال بھی ہو لیکن تنگ کرنے کے لیے عورت کا خرچ نہ دے اور نہ اس کو طلاق دے تو امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قاضی اس کو طلاق دے سکتا ہے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ۷۔ خاوند حاضر اور موجود ہو اور وہ مالدار بھی ہو لیکن عورت کو نفقہ دیتا ہو نہ

طلاق دیتا ہوتو امام مالک کے نزدیک عورت کے مطالبہ پر قاضی طلاق نافذ کردے گا۔ ۸۔عورت یہ ثابت کردے کہ خاوند اس پر ظلم کرتا ہے مثلاً بلاوجہ مار پیٹ یا گالم گلوچ کرتا ہے تو عورت کے مطالبہ پر امام مالک کے مذہب میں قاضی تفریق کرسکتا ہے۔ ۹۔ناچاقی کی صورت میں جب صلح کا امکان نہ رہے تو امام مالک کے نزدیک دو حکم مقرر کیے جائیں اور وہ اپنی صوابدید سے زوجین میں تفریق کرسکتے ہیں۔ ۱۰۔مفقود الخبر جنگی صفوں کے درمیان سے غائب ہوا ہے تو امام مالک کے نزدیک حاکم اس کو ایک سال بعد نکاح کی اجازت دے دے اس میں عدت وفات نہیں'' (شرح صحیح مسلم ۳/۱۱۱۹-۱۱۱۸)

وَاِذَا اَسْلَمَتْ الْمَرْاَةُ وَزَوْجُهَا کَافِرٌ عَرَضَ عَلَیْهِ الْقَاضِی الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَ فَهِیَ امْرَاَتُهٗ وَاِنْ اَبٰی فَرَّقَ بَیْنَهُمَا وَکَانَ ذٰلِكَ طَلَاقًا بَائِنًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسف لیس بِطَلَاقٍ وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهٗ مَجُوْسِیَّةٌ عَرَضَ عَلَیْهَا الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِیَ امْرَاَتُهٗ وَاِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِی بَیْنَهُمَا وَلَمْ تَکُنْ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا فَاِنْ کَانَ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَ

''اور جب عورت اسلام لے آئے اور اس کا شوہر کافر ہو تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے گا پس اگر وہ اسلام قبول کرلے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اگر انکار کردے تو ان دونوں کے درمیان قاضی جدائی کردے اور یہ تفریق طلاق بائن ہوگی طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ طلاق نہیں ہوگی اور اگر شوہر اسلام لے آئے اور اس کے نکاح میں مجوسیہ ہے تو قاضی اس مجوسیہ کے سامنے اسلام پیش کرے گا اب اگر وہ اسلام لے آئے تو یہ عورت اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی اب اگر شوہر نے اس مجوسیہ سے صحبت کرلی ہے تو اس کو پورا مہر ملے گا اور اگر شوہر نے اس سے صحبت نہیں کی تو عورت کو کوئی مہر نہیں ملے گا''۔

زوجین میں سے کسی ایک کا اسلام لے آنا:

قولہ: واذا سلت المرة الخ: نفس مسئلہ سے قبل دارالاسلام کی تعریف ملاحظہ کیجئے: ''وہ ممالک جہاں خالص مسلمانوں کی حکومت ہو مثلاً پاکستان، عرب امارات وغیرہ یا پہلے مسلمان حکومت رہی پھر بعد میں مشرکہ ہو یا خالص غیر مسلموں کی حکومت ہو جیسے انڈیا'' اگر زوجین دارالاسلام میں کافر ہوں پھر عورت اسلام لے آئی شوہر چاہے کتابی (کسی کتاب اور نبی پر ایمان رکھتا ہو) ہو یا غیر کتابی قاضی اس کو اسلام کی حقانیت سمجھا کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دے گا اگر قبول کرلے تو دونوں کا نکاح باقی رہے گا اگر انکار کردے تو دونوں کے درمیان تفریق کردے گا اور یہ تفریق طرفین کے نزدیک ''طلاق بائن'' ہوگی جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ''فسخ نکاح'' ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر اسلام قبول کرکے بیوی کو اپنے نکاح میں روک سکتا تھا مگر اسلام سے انکار کرکے روکنے سے رک گیا۔ (الصحیح قولهما لی الترجیح والتصحیح دیگر معون علی قول الطرفین) جب کہ امام شافعی کے

نزدیک تین حیض تک انتظار کیا جائے گا ورنہ تفریق ہو جائے گی۔ اگر مرد اسلام لے آتا ہے تو عورت دو حال سے خالی نہیں کتابیہ ہے یا مجوسیہ؟ اگر کتابیہ ہے تو نکاح برقرار رہے گا اگر عورت غیر کتابیہ (مجوسیہ یا بت پرست) ہو تو قاضی عورت کو اسلام کی حقانیت پیش کرے گا اگر عورت اسلام لے آتی ہے تو نکاح برقرار رہے گا اگر انکار کرتی ہے تو قاضی تفریق کر دے گا یہ بالاتفاق طلاق نہ ہو گی کیونکہ یہ فرقت عورت کی جانب سے انکار کرنے پر ہے جو فرقت ہوتی ہے طلاق نہیں ہوتی اور اگر صحبت کر لی تو پورا مہر ورنہ نصف ملے گا۔

احناف کے نزدیک ''قبول اسلام'' زوال نکاح کی علت نہیں بلکہ ''انکار اسلام'' زوال کی علت ہے جب کہ امام شافعی نے زوال نکاح کی علت اسلام لانے کے وصف کو قرار دیا ہے کتاب النکاح میں اس کو ''اباء عن الاسلام'' کا مسئلہ کہا جاتا ہے۔

وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعْ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلَاثَ حِيَضٍ فَاِذَا حَاضَتْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِمًا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا وَاِذَا سُبِيَ اَحَدُهُمَا وَقَعَتْ الْبَيْنُوْنَةُ وَاِنْ سُبِيَا مَعًا لَمْ تَقَعْ الْبَيْنُوْنَةُ وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ اِلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ اَنْ تَتَزَوَّجَ وَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا

''اور جب عورت نے دارالحرب میں اسلام قبول کر لیا اس پر جدائی واقع نہ ہو گی یہاں تک کہ اس عورت کو تین حیض آ جائیں۔ اب اگر اس عورت کو حیض آ جائے تو وہ عورت شوہر پر بائنہ ہو جائے گی اور جب کتابیہ کا خاوند اسلام لے آئے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر رہیں گے اور جب زوجین میں سے ایک دارالحرب سے مسلمان ہو کر ہماری طرف آ جائے تو ان دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی اور ان میں سے ایک کو قید کر لیا جائے تو ان کے درمیان جدائی واقع ہو جائے گی اور اگر دونوں قید کر لیے جائیں تو جدائی واقع نہیں ہو گی اور اگر عورت دارالسلام میں ہجرت کر کے آ جائے تو اس کے لیے فی الفور نکاح کرنا جائز ہے اور اس پر امام اعظم کے نزدیک عدت نہ ہو گی اور اگر حاملہ ہو تو نکاح نہ کرے یہاں تک کہ بچہ جنم دے دے''۔

دارالحرب اور قبول اسلام:

قوله: واذا اسلمت المراة الخ: آنے والے مسائل سے قبل دارالحرب کی تعریف سمجھ لیں۔ ''دارالحرب وہ کافروں کا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو امن حاصل نہ ہو اور نہ ہی اپنے مذہبی معمولات کو علانیہ ادا کر سکتے ہوں'' دور حاضر میں شاید دو ہی ایسے ملک (اسرائیل، برما وغیرہ) ہوں ورنہ مسلمانوں کو کافروں کے ملک میں امن بھی حاصل ہے اور اپنے مذہبی معمولات پر آزادی بھی ہے لہٰذا ایسے کفر ممالک کو دارالامن بھی کہا جا سکتا ہے۔ جو دارالکفر تو ہیں مگر دارالحرب نہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے ۱۔ اگر دارالحرب میں عورت اسلام لے آئے تو تین حیض اگر ذات الحیض نہیں تو تین ماہ گزرنے کے ساتھ تفریق ہو جائے گی کیونکہ مسلمانوں کے نظام قضا کے فقدان کی وجہ سے دوسرے فریق پر اسلام کی پیش کش نہیں کی جائے گی لہٰذا ''انکار اسلام'' کو تفریق کا سبب نہیں بنائیں گے بلکہ عدت گزرنے کو تفریق کا سبب بنائیں گے۔ یہی حکم دارالامن کا بھی ہے۔ ۲۔ اگر کتابیہ عورت کا شوہر اسلام لے آئے تو دونوں کا نکاح بدستور قائم رہے گا۔ ۳۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دارالحرب سے نکل کر دارالاسلام آ جائے تو دونوں کے

درمیان اختلاف دارین کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے گا بخلاف دارالامن کے۔ ۴۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک قید ہو کر دارالاسلام لایا جائے تو بھی دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی کیونکہ اختلاف دار پایا گیا۔ ۵۔ اگر زوجین اکٹھے قید ہو کر دارالاسلام آئے تو نکاح بدستور قائم رہے گا کیونکہ اختلاف دارین نہیں پایا گیا۔ ۶۔ اگر کوئی عورت ہجرت کر کے دارالسلام آ جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو امام اعظم کے نزدیک فی الحال اس کا نکاح درست ہے اس پر کوئی عدت نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک عدت گزارنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے یہی موقف آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ عدت، سابق نکاح کے احترام وعظمت کی وجہ سے ہوتی ہے جب کہ ملکِ حربی کی کوئی عظمت نہیں اس لیے عدت واجب نہیں (الصحیح قولہ "الترجیح والتصحیح" تقدیمہ قول الامام فی الغائیہ و ملتقی الابحر و متون علی قول الامام) ۷۔ اگر عورت دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام آئی ہے اور وہ حاملہ ہے تو بالاتفاق عدت وضع حمل ہے۔ اس سے قبل نکاح تو جائز ہے مگر صحبت جائز نہیں۔

وَإِذَا ارْتَدَّ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْإِسْلَامِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا فُرْقَةٌ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا النِّصْفُ وَإِنْ كَانَتْ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَإِنْ كَانَتْ ارْتَدَّتْ بَعْدَ الدُّخُوْلِ فَلَهَا جَمِيْعُ الْمَهْرِ وَإِنْ ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا

"اور جب زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی اور جدائیگی بغیر طلاق کے ہوگی اور اگر شوہر مرتد ہو گیا تھا اور اس نے عورت سے جماع بھی کر لیا تھا تو عورت کو مکمل مہر ملے گا اور اگر عورت سے جماع نہیں کیا تو عورت کو نصف مہر ملے گا اور اگر عورت مرتد ہو گئی اور مرتد ہونا دخول سے پہلے ہو تو اس کو بالکل مہر نہیں ملے گا اور اگر عورت دخول کے بعد مرتد ہو گئی تو اس کو مکمل مہر ملے گا اور زوجین ایک ساتھ مرتد ہو گئے پھر دونوں ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو دونوں نکاح پر قائم ہیں"۔

مرتدین کے نکاح کے احکام:

قولہ: ولا یجوز الخ: پہلے مرتد کی تعریف اور حکم ملاحظہ کیجئے۔ "مرتد وہ شخص ہے جو اسلام کو قبول کرنے کے بعد دین حق سے پھر جائے۔" اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ جو دارالاسلام میں رہتے ہوئے ارتداد کا ارتکاب کرے اس کی سزا قتل ہے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے تو فی الفور ہی کافر ہونے کی وجہ سے نکاح ٹوٹ جائے گا طلاق شمار نہ ہوگی۔ اگر شوہر مرتد ہوا تو دو حال سے خالی نہیں کہ بیوی سے صحبت کر چکا ہے یا نہیں بصورت اول مہر کامل اور بصورت ثانی نصف مہر لازم ہوگا۔ اگر عورت مرتدہ ہوئی تو دو حال سے خالی نہیں کہ اس کا ارتداد صحبت سے قبل ہے یا بعد، بصورت اول تو کوئی مہر نہیں بصورت ثانی کامل مہر لازم ہوگا اگر دونوں اکٹھے مرتد ہوئے اور اکٹھے ہی اسلام لے آئے تو نکاح باقی ہے کہ جس طرح سیدنا صدیق

اکبر کے دورِ خلافت میں بنی حنیفہ کے لوگوں کی یہی کیفیت تھی کہ بعد میں صحابہ کرام نے کسی کا نکاح نہیں پڑھایا۔

وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَّلَا كَافِرَةً وَّلَا مُرْتَدَّةً وَّكَذٰلِكَ الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَّلَا كَافِرٌ وَّلَا مُرْتَدٌّ وَّاِنْ كَانَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِمًا فَالْوَلَدُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَكَذَا اِذَا اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا وَلَهٗ وَلَدٌ صَغِيْرٌ صَارَ وَلَدُهٗ مُسْلِمًا بِاِسْلَامِهٖ فَالْوَلَدُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَاِذَا كَانَ اَحَدُ الْاَبَوَيْنِ كِتَابِيًّا وَّالْاٰخَرُ مَجُوْسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ وَّاِذَا تَزَوَّجَ الْكَافِرُ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ اَوْ فِيْ عِدَّةٍ مِّنْ كَافِرٍ وَّذٰلِكَ جَائِزٌ عِنْدَهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَيْهِ وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ اُمَّهٗ اَوْ بِنْتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَتْ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا

''اور مرتد شخص کے لیے جائز نہیں کہ کسی مسلمان عورت سے نکاح کرے اور نہ ہی مرتدہ عورت سے اور نہ ہی کافرہ عورت سے اور اسی طرح مرتدہ عورت کے لیے جائز نہیں کہ کسی کافر اور مرتد مرد سے نکاح کرے۔ اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو بچہ اسی کے دین پر ہوگا اور اسی طرح زوجین میں سے کوئی ایک اسلام لے آئے اور اس کے پاس ایک چھوٹا بچہ ہو تو اس کا بچہ اس کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا اور اگر والدین میں سے کوئی ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی ہوگا اور اگر کافر شخص گواہوں کے بغیر یا کسی کافرہ کی عدت میں اس عورت سے نکاح کرے اور یہ ان کے مذہب میں جائز ہوگا پھر دونوں اسلام لے آئیں تو ان دونوں کو اس نکاح پر برقرار رکھا جائے گا اور آتش پرست اپنی والدہ یا بیٹی سے نکاح کر لے پھر دونوں اسلام لے آئیں تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی''۔

مرتد اور مرتدہ کا نکاح:

قوله:ولا یجوز الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرتد مرد نہ ہی مسلمان عورت، نہ ہی کتابیہ عورت اور نہ ہی کافر عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اسی طرح مرتدہ عورت بھی تینوں قسم کے مردوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مرتد کو اسلام لانے کی طرف دعوت دی جائے گی اگر اسلام نہ لائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا تو اسے نکاح کی مہلت کہاں دی جائے گی لیکن مرتدہ عورت کو قتل کے بجائے قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کر لے اس لیے اسے بھی نکاح کرنے کی مہلت نہیں ملے گی۔

بچہ کس کے تابع ہوگا؟

قوله:اذا کان الخ: اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو اور ساتھ چھوٹا بچہ بھی ہو تو وہ مسلمان کے تابع ہوگا کہ مسلمان ہونے میں بچے کو فائدہ ہے کہ آخرت میں جنت میں جائے گا اور دارالاسلام سے سہولتیں ملیں گی اسی طرح اگر دونوں کافر تھے پھر کوئی ایک مسلمان ہو گیا تب بھی یہی حکم ہے لہٰذا اصول یہ ہوا کہ ''زوجین میں سے جو مذہب کے اعتبار سے اچھا ہوگا بچہ اسی کے تابع ہوگا'' یونہی اگر زوجین میں سے ایک مجوسی (آتش پرست) ہو دوسرا کتابی ہو تو بچہ گزشتہ اصول کی روشنی میں کتابی کے تابع ہوگا۔

حالت کفر کے نکاح کا حکم:

قوله:واذا تزوج الکافر الخ: حالت کفر میں نکاح دو حال سے خالی نہیں کہ غیر محرمہ سے ہے یا محرمہ سے، اگر نکاح غیر

محرمہ سے ہے چاہے گواہوں کے بغیر کیا ہو یا عدت کے اندر نکاح کیا ہو مگر جب دونوں اسلام لے آئے تو نکاح برقرار رہے گا کہ مذکورہ صورتیں ان کے مذہب پر جائز تھیں لیکن اگر محرمہ (ماں، بیٹی وغیرہ) سے نکاح ہے تو اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی اس لیے کہ اصول ہے "کوئی ایسا کام کرے جو اسلام لانے کے بعد بحال رکھنا حرام ہو تو تفریق کردی جاتی ہے" چونکہ اسلام میں محرمات کے ساتھ نکاح ہی حرام ہے۔

وَاِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ امْرَأَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ اَنْ يَّعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا اَوْ ثَيِّبَتَيْنِ اَوْ اِحْدَاهُمَا بِكْرًا وَالْاُخْرٰى ثَيِّبًا فَاِنْ كَانَتْ اِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَالْاُخْرٰى اَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ مِنَ الْقَسْمِ وَلِلْاَمَةِ الثُّلُثُ وَلَا حَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ فِي حَالِ السَّفَرِ وَيُسَافِرُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ وَالْاَوْلٰى اَنْ يُّقْرِعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرَ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا وَاِذَا رَضِيَتْ اِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قَسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ وَلَهَا اَنْ تَرْجِعَ فِي ذٰلِكَ،

"اور اگر کسی شخص کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس شخص پر دونوں کے درمیان باری میں انصاف کرنا لازم ہے دونوں باکرہ ہوں یا ثیبہ یا ان میں سے ایک باکرہ ہو یا دوسری ثیبہ اور اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری لونڈی تو آزاد کے لیے دو راتیں ہوں گی اور لونڈی کے لیے ایک رات ہوگی اور بیویوں کے لیے سفر میں باریوں کا حق نہیں اور ہر بیویوں میں سے جن کے ساتھ چاہے سفر کرے اور بہتر یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے اور اس بیوی کو سفر پر ساتھ لے جائے جس کے حق میں قرعہ نکلا اور اگر بیویوں میں سے ایک اپنی باری اپنی سوکن کو دینے پر راضی ہو جائے تو جائز ہے اور اس کے لیے رجوع کرنا بھی جائز ہے"۔

عورتوں کے درمیان باری کے احکام:

قوله:وان كان الخ:اگر کسی شخص کے عقد میں پہلے سے بیوی ہے اب دوسری کنواری عورت سے نکاح کیا تو ان کے درمیان رات گزارنے کے لحاظ سے کس طرح تقسیم کی جائے گی؟ احناف کے نزدیک دنوں کی تقسیم کے معاملے میں نئی اور پرانی کا کوئی فرق نہیں بیویوں میں تقسیم واجب ہے اگر نئی کے ساتھ تین دن رہے تو پرانی کے ساتھ بھی تین دن رہے جبکہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اگر نئی بیوی کنواری ہے تو سات دن اگر نئی ثیبہ ہے تو تین دن اس کے بعد برابر تقسیم کرے۔

پہلے کس سے آغاز کرے؟

احناف اور مالکیہ کے نزدیک شوہر کو اختیار ہے جب کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک قرعہ اندازی سے تعیین کی جائے گی۔ حضور ﷺ پر باری مقرر کرنا واجب نہ تھی بلکہ رخصت تھی مگر پھر بھی آپ باری مقرر فرماتے تھے۔ اگر کسی کے عقد میں ایک آزاد اور ایک لونڈی ہو تو دو ثلث اور ثلث کے لحاظ سے باری تقسیم کی جائے۔

رفاقت سفر:

قوله:ولا حق الخ: احناف کے نزدیک بیویوں کے لیے سفر میں باری کا کوئی حق نہیں بلکہ شوہر کو اختیار ہے جس کو چاہے

سفر میں لے جائے مگر بہتر یہ ہے کہ قرعہ اندازی کر لے تا کہ سب کی دلجوئی رہے۔ احناف کے نزدیک قرعہ اندازی مستحب ہے۔ شریعت میں قرعہ اندازی کے تین پہلو ہیں ا۔ بعض کے حق کو ثابت کیا جائے اور بعض کے حق کو ختم کیا جائے ۲۔ حق تو برابر ہو مگر حصے کے انتخاب کے لیے قرعہ اندازی کی جائے ۳۔ قرعہ اندازی کا مقصد محض دلجوئی ہو جیسا کہ رفاقت سفر کے لیے قرعہ اندازی کرنا آخری دو صورتیں جائز ہیں جب کہ پہلی ناجائز ہے لیکن امام شافعی کے نزدیک رفاقت سفر کے لیے قرعہ اندازی واجب ہے۔

اپنی باری سے دستبردار ہونا:

قولہ: واذا رضیت الخ: اگر چند بیویوں میں سے کوئی ایک بیوی اپنی باری سے دستبردار ہو جائے تو ایسا کرنا جائز ہے لیکن اس دستبرداری کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے محروم نہ ہوگی بلکہ جب چاہے وہ دوسری بیویوں کے ساتھ اپنی باری میں شریک ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق رجعی دی پھر آپ نے رجوع فرمالیا چونکہ آپ شارع ہیں آپ کا عمل امت کے لیے اسوہ حسنہ ہے لہٰذا کوئی امتی طلاق رجعی دے تو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے پر آپ کی سنت پر عمل کرنے کا ثواب پائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدد ازواج پر شبہات کا ازالہ:

بعض عیسائی اور سوشلسٹ یہ کہتے ہیں مسلمانوں کے نبی نے خود تو نو (۹) سے بھی زیادہ شادیاں کیں مگر امتی کو صرف چار تک اجازت دی؟

درحقیقت یہ لوگ سیرت نبی اور مقام نبی سے باخبر نہیں کہ ایک نبی کو چالیس (۴۰) جنتی مردوں کی طاقت ہوتی ہے اور ایک جنتی مرد کی طاقت دنیاوی سو (۱۰۰) مردوں کے برابر ہوتی ہے تو اس لحاظ سے گویا آپ کی طاقت چار ہزار (۴۰۰۰) مردوں کے برابر تھی لیکن پھر بھی آپ نے ترپن (۵۳) سال تک ایک بیوہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ شادی کر کے زندگی گزاری ان کے وصال کے بعد باقی ازواج سے نکاح فرمائے جن کی متعدد حکمتیں تھیں نیز ان میں سے کنواری صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ مزید دیکھئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ننانوے شادیاں کیں جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین سو آزاد عورتوں سے شادیاں کی تھیں اور سات سو آپ کی لونڈیاں بھی تھیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیک وقت نو بیویاں رکھ کر عدل وانصاف کا بول بالا کیا جب کہ ہم سے دو کے درمیان بھی عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

کتاب الرضاع

رضاع:

رضاع کی را پر کسرہ (رِضاع) اور فتح (رَضاع) دونوں پڑھنا جائز ہے یوں ہی رضاعت اور رضاعت دونوں طرح جائز ہے۔

رضا کا لغوی معنی:

پستانوں کو چوسنا۔

اصطلاحی معنی:

مدت رضاعت میں عورت کے دودھ کا بچے کے معدہ تک پہنچ جانا۔

حرمت کا ایک رشتہ:

شریعت میں جن اسباب کی بنا پر مرد وعورت کے درمیان حرمت کی دیوار کھڑی ہوتی ہے ان میں سے ایک ''رضاعت'' بھی ہے۔

قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ إِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَمُدَّةُ الرَّضَاعِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ثَلَاثُونَ شَهْرًا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ سَنَتَانِ فَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ تَحْرِيمٌ وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ إِلَّا أُمَّ أَخِيهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أَخِيهِ مِنَ النَّسَبِ أُخْتَ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُخْتَ اِبْنِهِ مِنَ النَّسَبِ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ وَامْرَأَةَ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا لَا يَجُوزُ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ

''دودھ کا تھوڑا پینا اور زیادہ جب رضاعت مدت رضاعت میں حاصل ہو تو اس میں حرمت متعلق ہو جاتی ہے اور امام اعظم کے نزدیک مدت رضاعت تیس (۳۰) مہینے ہے اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہے اور اگر مدت رضاعت گزر جائے تو رضاعت سے تحریم ثابت نہ ہوگی اور رضاعت سے وہ چیز حرام ہوتی ہے جو نسب سے حرام ہوتی ہے سوائے رضائی بہن کی ماں کے کہ اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں اور رضائی بیٹی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے اور اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور اپنے رضائی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جس طرح اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔

مقدار رضاعت:

قولہ: قلیل الرضاع الخ: مدت رضاعت میں بچہ کتنی مقدار دودھ پیئے تو رضاعت ثابت ہوگی؟ اس میں آئمہ کرام کا اختلاف ہے کہ احناف کے نزدیک مطلقاً دودھ پینے یا پلانے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے چاہے دودھ کی مقدار کم ہو یا زیادہ بشرطیکہ دودھ پیٹ تک پہنچ گیا ہو کیونکہ آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے: ''وامھتکم التی ارضعنکم'' ارضعن صیغہ

عام ہے جس میں عموم ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک پانچ چسکیوں سے کم دودھ پینے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی ان کی دلیل حدیث ہے یہ خبر واحد ہے جو کتاب کی قطعیت میں تخصیص نہیں کر سکتی نیز آیت مطلقاً حرمت کو ثابت کرتی ہے جب کہ آیت پانچ چسکیوں سے کم میں حلت کو ثابت کرتی ہے لہٰذا اصول ہے کہ "جب حلت اور حرمت کے دلائل میں تعارض ہو تو حرمت والے دلائل کو ترجیح ہوتی ہے"۔ لہٰذا مطلقاً دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

مدت رضاعت:

قوله: مدة الرضاع الخ: مدت رضاعت میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک اڑھائی سال (۳۰ ماہ) مدت رضاعت ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک دو سال مدت رضاعت ہے اور آئمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے جب کہ امام زفر کے نزدیک تین سال ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے ارشاد ربانی ہے: وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرة: ۲۳۳) (هوالاصح وبه يفتى "الدر المختار"، مجمع الانهر الترجيح والصحيح) صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں "دو برس کے بعد اگر چہ دودھ پلانا حرام ہے مگر اڑھائی برس کے اندر دودھ پلا دے گی تو حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد پیا تو حرمت نکاح نہیں اگر چہ پلانا جائز نہیں" (بہار شریعت حصہ ۷)

حرمت رضاعت کے متعلق اصول:

قوله: ويحرم من الرضاع الخ: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب "حرمت رضاعت کے متعلق آپ کا یہ فرمان ایک اصول ہے کہ" جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں" پھر اس اصول سے عقلاً دو صورتیں مستثنیٰ تھیں ان کو مصنف نے بیان کیا ا۔ رضاعی بہن کی ماں (نسباً ہو یا رضاعاً) ۲۔ رضاعی بیٹی کی بہنیں (نسباً ہوں یا رضاعاً) ان دو صورتوں میں ان سے نکاح جائز ہے جب کہ نسبی بہنوں کی مائیں (سگی ہوں یا سوتیلی) اسی طرح نسبی بیٹے کی بہنیں (سگی ہوں یا سوتیلی) ان سے نکاح حرام ہے۔ رضاعت کے متعلق بنیادی اصول یہ ہے کہ "دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی اور اس کے شوہر کے تمام اصول و فروع نسباً ہوں یا رضاعاً ہوں یا صہراً حرام ہوں گے جب کہ دودھ پینے والے کی جانب سے شوہر، بیوی اور ان کے فروع نسبی ہوں یا رضاعی دودھ پلانے والوں پر حرام ہوں گے" لیکن دودھ پینے والوں کے اصول اور اسی طرح فروع قریبہ ہوں یا بعیدہ ان سے نکاح جائز ہے کیونکہ جب دودھ پلانے والوں کو دودھ پینے والے کے اصول (ماں یا باپ وغیرہ) کے ساتھ کچھ تعلق نہیں تو فروع قریبہ یا فروع بعیدہ کے ساتھ بدرجہ اولیٰ تعلق نہ ہوگا لہٰذا ثابت ہوا کہ دودھ پینے والے کی طرف سے باعث حرمت دو علاقے ہیں ا۔ زوجیت ۲۔ فرعیت۔ رضاعت کے اصول کو فقہاء کرام نے ایک فارسی شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند　　　　وز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع

کہ دودھ پلانے والی کی طرف سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیر خوار کی جانب سے زوجین اور اس کے فروع حرام ہوں

گے۔ امام قدوری نے جن رشتوں کی حرمت کا ذکر کیا ہے ان کو اصول کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے نیز کچھ ابحاث انہیں کے متعلق "ولبن الفحل" سے آرہی ہیں۔

وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيمُ، وَهُوَ اِنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى آبَائِهِ وَاَبْنَائِهِ وَيَصِيرُ الزَّوْجُ الَّذِي نَزَلَ مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَةِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُخْتَ اَخِيهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَجُوْزُ مِنَ النَّسَبِ وَذٰلِكَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَ لَهُ اُخْتٌ مِنْ اُمِّهِ جَازَ لِاَخِيهِ مِنْ اَبِيهِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا

"اور مرد کا دودھ کہ جس کے ساتھ حرمت وابستہ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عورت ایک بچی کو دودھ پلائے پس یہ بچی اس عورت کے شوہر پر حرام ہوگی اور اس کے آباء پر اور اس کے ابناء پر اور وہ شوہر جس سے اس مرضعہ کو دودھ اترا ہے تو دودھ پینے والی کا باپ ہوگا اور جائز ہے کہ مرد اپنی رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرے کہ جس طرح یہ جائز ہے کہ اپنے نسبی بھائی کی بہن سے نکاح کرے اور یہ باپ شریک بھائی کی مثال ہے بشرطیکہ اس کی ایک ماں شریک بہن ہو تو باپ شریک بھائی کے لیے جائز ہے کہ اس سے نکاح کرے"۔

کس مرد سے حرمت رضاعت متعلق ہوتی ہے؟:

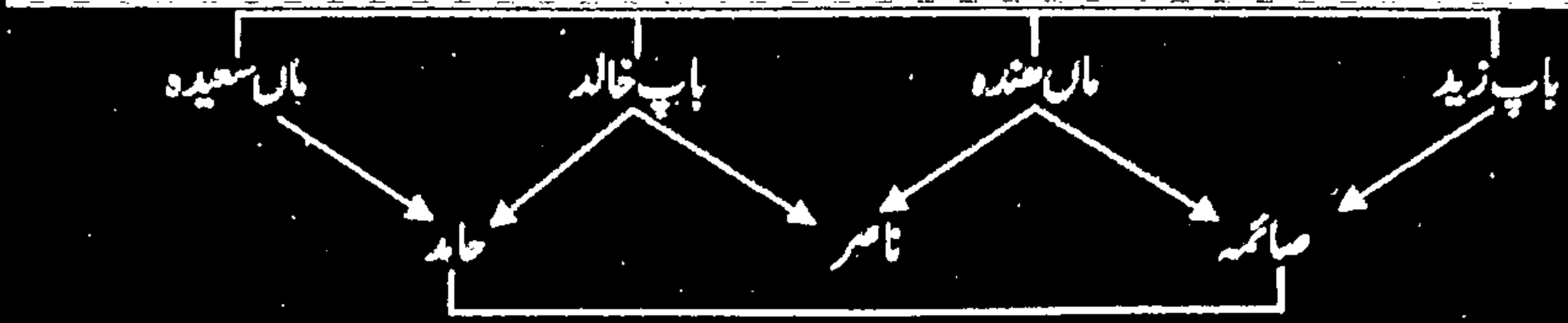
قولہ: ولبن الفحل الخ: الفحل کا معنی سانڈ اور ہر جانور کے نر کو فحل کہا جاتا ہے مگر یہاں مرد مراد ہے۔ رضاعی باپ وہ بنے گا کہ جس کی وطی سے اولاد کی وجہ سے عورت کو دودھ آئے تو دودھ پینے والی بچی پر اس مرد (شوہر) کے اصول (باپ، دادا وغیرہ) اور فروع (بیٹا، پوتا وغیرہ) حرام ہوں گے جس طرح کہ نسبی قرابت میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر وطی سے دودھ تو اترا مگر اولاد نہیں ہوئی تو عورت رضاعی والدہ ہوگی مگر شوہر رضاعی والد نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر دودھ پہلے شوہر کی وطی سے ہو تو پہلا شوہر رضاعی باپ کہلائے گا دوسرا شوہر کہ جس کے عقد میں دودھ پلانے والی ہے یہ رضاعی باپ نہیں کہلائے گا کیونکہ رضاعی باپ کہلانے کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کی وطی سے حمل کے بعد دودھ آیا ہو۔

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا جواز:

قولہ: ویجوز ان یتزوج الخ: رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً زید اور خالد نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا اب خالد کی اپنی بہن جو زید کے لیے اجنبیہ ہے اس لیے رضاعی بھائی (خالد) کی بہن سے زید کا نکاح جائز ہے البتہ اگر تیسری عورت کا دودھ پینے والے بچے، بچی ہوں تو ان کا آپس میں رضاعی بہن بھائی کی وجہ سے نکاح حرام ہوگا یہ صورت آگے متن میں موجود ہے۔

بھائی کی بہن سے نکاح کا جواز:

قولہ: کما یجوز الخ: اس کی صورت یہ ہے کہ جب ایک والد کے دو بیٹے دو بیویوں سے ہوں تو ایک بیٹے کا دوسرے بیٹے کی ماں شریک (اخیافی) بہن سے نکاح جائز ہے جو دوسرے باپ سے ہو حاصل کلام یہ ہے کہ سوتیلے بھائی کی ماں شریک بہن سے نکاح جائز ہے



لہٰذا حامد کا نکاح ناصر کی ماں شریک بہن صائمہ سے جائز ہے۔

وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلَى ثَدْيٍ وَّاحِدٍ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْآخَرِ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَةَ أَحَدٌ مِنْ وَلَدِ الَّتِيْ أَرْضَعَتْهَا وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ بِأُخْتِ الزَّوْجِ؛ لِأَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِبًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ

”اور ہر ایسے دو بچے جو ایک پستان پر جمع ہو جائیں ان کے لیے ایک دوسرے سے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ ہی جائز ہے کہ دودھ پینے والی نکاح کرے اس عورت کے بچوں سے کہ جس نے اسے دودھ پلایا اور دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے نکاح نہ کرے اور اگر دودھ پانی میں مل جائے اور دودھ ہی غالب ہو تو دودھ سے تحریم متعلق ہوگی اور اگر دودھ کھانے میں مل جائے تو تحریم متعلق نہ ہوگی اگرچہ دودھ غالب ہو۔ امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اس دودھ سے تحریم متعلق ہوگی اور اگر دودھ دوا میں مل جائے اور دودھ غالب ہو تو تحریم ثابت ہوگی“۔

محرمات رضاعت کی مزید مثالیں:

قوله: وکل صبیین الخ: کہ دو رضاعی بہن بھائی، اسی طرح دودھ پلانے والی کی اولاد سے اور رضاعی پھوپھی سے نکاح حرام ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جونسی رشتہ کے تعلق (بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ) کی بنا پر حرام ہے وہ رضاعی رشتہ کے تعلق (رضاعی بہن، رضاعی بیٹی، رضاعی خالہ، رضاعی پھوپھی وغیرہ) کی بنا پر بھی حرام ہے۔

دودھ کا کسی چیز میں ملنا:

قوله: واذا اختلط الخ: اگر دودھ نکال کر بغیر پکائے کھانے میں ملا کر بچے یا بچی کو کھلا دیا کہ دودھ غالب تھا اور کھانا مغلوب تھا کیا حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟ اس میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک دودھ غالب ہونے کی صورت میں بھی حرمت ثابت نہ ہوگی جب کہ صاحبین کے نزدیک غالب ہونے کی صورت میں حرمت ثابت ہوگی۔

مفتٰی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ ان کی دلیل ایک اصول پر ہے: ”العبرۃ للغالب“ کہ اعتبار غالب کا ہے کہ اگرچہ دودھ کھانے پر غالب ہے مگر کھانے میں دودھ ملنے کی وجہ سے کھانے نے دودھ کی قوت کو سلب کر لیا لہٰذا دودھ کے ظاہری غلبہ کے باوجود

معنیٰ مغلوب ہوگا کہ جس طرح آگ پر پکانے کے ساتھ بالاتفاق رضاعت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا اسی طرح کھانے میں ملنے کی تبدیلی کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (تقدیمہ قول الامام لی الهدایہ و ملتقی الابحر، دیگر معون علی قول الامام)

اگر دودھ پانی یا دوا میں ملایا گیا اگر دودھ غالب ہو تو بالاتفاق حرمت ثابت ہوگی اگر دودھ مغلوب ہو تو حرمت متعلق نہ ہوگی۔

دودھ کے غلبہ میں اعتبار:

دودھ غالب اسی وقت ہوگا کہ جب رنگ، بو اور ذائقہ تینوں باقی ہوں اگر باقی نہ ہو تو دودھ مغلوب ہوگا جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک رنگ اور ذائقہ کا تغیر بھی کافی ہے۔ دودھ کو دوسری چیز میں ملانے کا دار و مدار اس اصول پر ہے کہ "اگر دودھ اصل بن کر بھوک کو دور کر رہا ہو تو اس سے حرمت ثابت ہوگی اگر تابع بن کر پیا جا رہا ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی" یہ اصول اس حدیث سے ماخوذ ہے کہ "الرضاعة من المجاعة" کہ رضاعت بھوک کے دور میں ہے۔

وَاِذَا حَلَبَ اللَّبَنَ مِنَ الْمَرْاَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَوْجَرَ بِهِ الصَّبِيَّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَاِنِ اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِلَبَنِ شَاةٍ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ وَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيمُ وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَاَتَيْنِ تَعَلَّقَ التَّحْرِيمُ بِاَكْثَرِهِمَا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ ,وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَتَعَلَّقُ بِهِمَا وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَتْ بِهِ صَبِيًّا تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ

"اور جب عورت کی وفات کے بعد دودھ نکالا گیا اور اس کو بچے کے منہ میں ڈال دیا گیا تو اس سے حرمت متعلق ہوگی اور اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ مل گیا عورت کا دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت متعلق ہوگی پس اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی اور اگر دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو حرمت ان میں سے اکثر کے ساتھ متعلق ہوگی امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں سے متعلق ہوگی اور اگر باکرہ سے دودھ اتر آیا تو اس نے کسی بچے کو پلا دیا تو حرمت ثابت ہوگی"۔

فوت شدہ عورت کے دودھ کا حکم:

قولہ: واذا حلب الخ: اگر فوت شدہ عورت کا دودھ نکال کر مدت رضاعت میں پلایا گیا تو حرمت کے احکام لاگو ہوں گے کیونکہ اس دودھ میں بھوک دور کرنے کی کوالٹی ہے۔

جانور کے دودھ میں مخلوط:

قولہ: واذا اختلط الخ: اگر عورت کے دودھ کو کسی جانور کے دودھ میں ملا دیا گیا اگر عورت کا دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی اگر صورت حال اس کے برعکس ہے تو ثابت نہ ہوگی اس پر دلیل گزشتہ اصول ہے۔

دو عورتوں کا مخلوط دودھ:

قولہ: واذا اختلط الخ: اگر دو عورتوں کا دودھ لے کر مکس کر دیا تو حرمت کے متعلق کیا حکم ہے؟ اس میں صاحبین کے مابین اختلاف ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جس کا دودھ اکثر ہے اس کے ساتھ حرمت رضاعت متعلق ہوگی جب کہ امام محمد کے

نزدیک دونوں کے ساتھ حرمت رضاعت متعلق ہوگی جب کہ امام اعظم کی دو روایتیں ہیں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ان کی دلیل ایک فقہی اصول ہے۔"الجنس لا یغلب الجنس" ضابطہ یہ ہے کہ جنس جنس پر غالب نہیں ہوتی کیونکہ جنس ہم جنس میں مل کر قوت و کثرت ہی میں اضافہ کرتی ہے لہٰذا حرمت کا تعلق دونوں کے دودھ کے ساتھ ہوگا (احوط فی باب المحرمات "اللباب" الاشباہ والنظائر، ملتقی الابحر)

باکرہ کا دودھ:

قولہ: واذا نزل للبکر الخ: عورت سے دودھ دو طرح سے اترتا ہے ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد اور دوسرا کچھ دوائی کھانے کے بعد لہٰذا صحبت کے بغیر محض دوائی استعمال کرنے کے ساتھ بھی باکرہ کو دودھ آ سکتا ہے اس لیے اس کے دودھ کا بھی وہی حکم ہوگا جو بچہ کے پیدا ہونے کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت کے ثابت ہونے کا ہے۔

وَاِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَ بِهٖ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهٖ تَحْرِيْمٌ وَاِذَا شَرِبَ صِبْيَانٌ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ فَلَا رَضَاعَ بَيْنَهُمَا وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِيْرَةً وَكَبِيْرَةً فَاَرْضَعَتِ الْكَبِيْرَةُ الصَّغِيْرَةَ حَرُمَتَا عَلَى الزَّوْجِ فَاِنْ كَانَ لَمْ يَدْخُلْ بِالْكَبِيْرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلِلصَّغِيْرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْكَبِيْرَةِ اِنْ كَانَتْ تَعَمَّدَتِ الْفَسَادَ وَاِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا ،وَلَا تُقْبَلُ فِي الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَاِنَّمَا يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَاَتَيْنِ،

"اور جب کسی مرد کو دودھ اتر آیا اور اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو اس کی وجہ سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی اور اگر دو بچوں نے بکری کا دودھ پی لیا تو ان کے درمیان کوئی رضاعت ثابت نہ ہوگی اور اگر مرد نے ایک صغیرہ اور ایک کبیرہ سے نکاح کر لیا تو اس کے بعد کبیرہ نے صغیرہ کو دودھ پلا دیا تو دونوں شوہر پر حرام ہو جائیں گی اب اگر شوہر نے کبیرہ کے ساتھ دخول نہیں کیا تو اس کے لیے مہر نہ ہوگا اور صغیرہ کے لیے نصف مہر ہوگا اور شوہر کبیرہ سے نصف مہر کے لیے رجوع کرے گا بشرطیکہ کبیرہ نے اس سے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو اور اگر کبیرہ نے فساد نکاح کا ارادہ نہ کیا ہو تو کبیرہ پر کچھ واجب نہ ہوگا اور رضاعت میں تنہا عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور رضاعت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگی"۔

مرد یا بکری کا دودھ:

قولہ: واذا نزل الخ: رضاعت کی حرمت کے متعلق اصول یہ ہے کہ "عورت کا دودھ ہو تو رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں" لہٰذا کسی مرد یا بکری کے دودھ سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

دو بیویوں کے درمیان رضاعت:

قولہ: واذا تزوج الخ: اگر کسی مرد نے ایک بڑی عورت سے شادی کی اور ایک چھوٹی بچی سے جو مدت رضاعت کے اندر

تھی کہ بڑی بیوی نے چھوٹی بیوی کو مدت رضاعت میں دودھ پلا دیا دونوں شوہر پر حرام ہو جائیں گی کہ دونوں آپس میں رضاعی ماں، بیٹی بن گئیں کہ جس طرح نسب میں ایک مرد کے عقد میں ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح رضاعت میں بھی رضاعی ماں اور رضاعی بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے۔ اب رہا مسئلہ مہر کا اگر بڑی عورت سے دخول کر چکا ہے تو مہر کامل ملے گا اگر دخول نہیں کیا تو بڑی مہر سے محروم ہوگی کیونکہ فرقت اسی کی جانب سے ہوئی ہے اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا کہ اگر چہ دودھ پینا تو اس کا فعل ہے مگر اسقاط حق میں اس کا اعتبار نہیں۔ کیا شوہر بڑی عورت سے اس نصف مہر کا مطالبہ کرسکتا ہے جو اس کی وجہ سے چھوٹی کو دیا؟ اگر بڑی نے نکاح کو فاسد کرنے کی نیت سے چھوٹی کو دودھ پلایا تھا تو اس سے وصول کرے گا کیونکہ فقہی اصول ہے: ''اَلْمُتَسَبِّبُ لَا يَضْمَنُ اِلَّا بِالتَّعَمُّدِ'' کہ سبب بننے والا عمد کی صورت میں ضامن ہوگا لیکن اگر نکاح کو فاسد کرنے کی نیت سے دودھ نہیں پلایا بلکہ بچی کا بھوک کی وجہ سے ہلاکت کا خدشہ تھا اس لیے دودھ پلایا تو بڑی سے نصف مہر لینے کا حق نہیں۔

دودھ پینے کی گواہی کا معیار:

قوله: ولا تقبل الخ: احناف کے نزدیک رضاعت کے ثبوت کے لیے اصول یہ ہے کہ ''جس حجت سے مال ثابت ہوتا ہے اسی حجت سے رضاعت ثابت ہوگی'' لہٰذا دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ نیز حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح کا فساد حقوق العباد سے ہے اور حقوق العباد کو ثابت کرنے کے لیے وہی اصول ہے جو پہلے بیان کیا گیا جبکہ امام مالک کے نزدیک ایک عادلہ عورت کی گواہی سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لیکن احناف یہ کہتے ہیں کہ صرف عورتوں کی گواہی رضاعت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں مگر بہتر جدائی کر لینے میں ہے۔

نکاح کے بعد کسی نے رضاعت کی خبر دی تو؟

اگر کسی نے نکاح کے بعد خبر دی کہ جس سے تم نے نکاح کیا ہوا ہے وہ تو تم پر حرام ہے اب جس سے نکاح کیا وہ دو حال سے خالی نہیں کہ دودھ پیتی بچی ہے یا جوان اگر بچی ہے تو خبر کی تصدیق کی جا سکتی ہے کہ ابھی بچی مدت رضاعت میں ہے کہ ظاہر کے خلاف نہیں لیکن اگر جوان عورت کے متعلق خبر دی گئی تو اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی کیونکہ خبر کے متعلق اصول یہ ہے کہ ''جب خبر ظاہر کے خلاف ہو تو رد کی جائے گی'' کیونکہ یہ خبر ظاہر کے خلاف ہے کہ جب عقد نکاح ہوتا ہے تو اس وقت جم غفیر ہوتا ہے اس وقت کسی کا خبر نہ دینا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خبر جھوٹی ہے۔

عورتوں کے متعلق اہم نوٹ:

عورتوں کا شوہر کی اجازت کے بغیر کسی اور کے بچہ و بچی کو دودھ پلانا مکروہ ہے۔ البتہ ہلاکت کا اندیشہ ہو تو بلا کراہت درست ہے مگر بغیر کسی وجہ کے نہیں پلانا چاہیے اگر کسی کو پلا دیا ہے تو خود بھی یاد رکھیں اور اپنے خاندان والوں کو بھی مطلع کر دیں تاکہ مسئلہ رضاعت خفا کے پردوں میں نہ رہے۔

کتاب الطلاق

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے نکاح اور اس کے احکام کو بیان کیا اب قید نکاح (طلاق) کو ختم کرنے کے احکام بیان کر رہے ہیں۔

طلاق کا لغوی معنی:

طلاق باب تفعیل کا سلام کے وزن پر تطلیق کے معنی میں مصدر ہے۔ علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں۔ (۱) نکاح کی گرہ کھول دینا (۲) چھوڑ دینا۔

اصطلاحی معنی:

"هُوَ رَفْعُ قَيْدِ النِّكَاحِ حَالاً أَوِ الْمَآلاً بِلَفْظٍ مَخْصُوْصٍ" الفاظ مخصوصہ (طلاق کے الفاظ صریح یا کنایہ) کے ساتھ فی الفور (طلاق بائن) یا از روئے مآل (طلاق رجعی) نکاح کی قید کو اٹھا دینا طلاق ہے۔

طلاق کا پس منظر اور پیش منظر:

طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے خالص اسلامی اصطلاح نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت میں بھی بیوی کو جدا کرنے کے لیے مستعمل تھا۔ البتہ اسلام نے آ کر طلاق میں افراط (جتنی بار طلاق دی جاتی تو رجوع کر لیا جاتا) اور تفریط (ہندوؤں، یہود و نصاریٰ میں تصور طلاق ہی نہ تھا) سے پاک میانہ روی پر مبنی طلاق کا قانون دیا۔

حلال چیزوں میں ناپسندیدہ عمل:

ارشاد نبوی ہے: "أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ الطَّلَاقُ" کہ حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے۔

طلاق کی مشروعیت:

کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

طلاق کی مشروعیت کیوں؟:

اسلام کا تو منشا یہی ہے کہ عقد نکاح کے بعد اس رشتہ کو بحال رکھا جائے اگر بالفرض زوجین کے درمیان ناچاقی ہو بھی جائے تو اولاً شوہر پند و نصیحت سے کام لے، اگر بات نہ بنے تو اس کا بستر الگ کر دے، اگر پھر بھی بات نہ بنے تو ڈانٹ ڈپٹ (بغیر ضرب شدید کے) کرے، اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو اپنے خاندان کے معزز لوگوں کے ذریعے مسئلہ حل کرائے، اگر پھر بھی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو آخری حل شریعت نے طلاق کا دیا ہے جب کہ موجودہ معاشرہ میں اولاً ہی اس کا استعمال کیا جاتا ہے جو ظلم عظیم ہے۔

حالات کے اعتبار سے طلاق کا حکم:

اگر نان نفقہ نہ دے سکنے کا یقین ہو تو طلاق واجب، عورت پاک دامن ہو تو مستحب، عورت بد مزاجی، نافرمانی کرتی ہو تو مباح، بغیر ضرورت شدیدہ کے مکروہ۔ طلاق دینے کے نتیجہ میں زنا میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہو تو حرام، حالت حیض میں حرام۔

اَلطَّلَاقُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَوْجُهٍ فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ وَطَلَاقُ السنةِ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ اَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ تَطْلِيقَةً وَّاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ وَاحدلَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكُهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَطَلَاقُ السُّنَّةِ اَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُولَ بِهَا ثَلَاثًا فِيْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُطَلِّقَهَا ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ اَوْ ثَلَاثًا فِيْ طُهْرٍ وَّاحِدٍ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَبَانَتْ مِنْهُ وَكَانَ عَاصِيًا

"طلاق تین قسم پر ہے طلاق احسن، طلاق حسن اور طلاق بدعت۔ طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے کہ جس میں اس نے بیوی سے قربت نہ کی ہو اور اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور طلاق سنت یہ ہے کہ اپنی مدخول بہا بیوی کو تین طلاقیں دے تین طہروں میں اور طلاق بدعت یہ ہے کہ بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاق دے یا ایک طہر میں تین طلاق دے اور جب اس نے یہ کر لیا تو اب طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی اور شوہر گنہگار ہوگا"۔

طلاق دینے کے اعتبار سے طلاق کی اقسام:

قوله: الطلاق الخ: اسلام نے جس طرح نکاح میں موجود عورت کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی تلقین فرمائی اسی طرح جب علیحدگی کا فیصلہ کریں تو بھی بہتر رویہ کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا (تسریح بالاحسان البقرہ:۲۲۹) لہٰذا طلاق دینے کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ طلاق احسن ۲۔ طلاق حسن ۳۔ طلاق بدعی۔ احسن اور حسن طلاق سنی کی قسم ہیں اور سنی بدعی کا مقابل ہے اس لحاظ سے سنی کی اقسام کو احسن اور حسن سے تعبیر کیا ورنہ طلاق تو سب سے زیادہ مبغوض ہے۔

(ا) طلاق احسن:

"وہ ایک طلاق ہے جو شوہر ایسے طہر میں دے کہ جس میں بیوی سے قربت نہ کی ہو۔ اس کے بعد نہ ہی اور طلاق دے اور نہ ہی اس سے وطی کرے بلکہ چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔" اس کو احسن اس لیے کہا گیا ہے کہ عدت گزرنے تک بیسیوں بار شوہر کو سوچنے کا موقع ملے گا کہ شاید رجوع کر لے۔ دوسری طلاق پڑنے کا خطرہ ٹل جائے لیکن اگر عدت گزر جائے تو عورت بائنہ ہو جائے گی اگر حالات سازگار ہو گئے تو دوبارہ نکاح کی گنجائش ہے کسی حلالہ کی ضرورت نہیں یہ سب کے نزدیک بغیر کراہت کے ہے۔

(ب) طلاق حسن:

اسی کو مصنف نے طلاق السنة سے تعبیر کیا ہے۔ وہ تین طلاقیں ہیں جو مدخول بہا بیوی کو تین ایسے طہروں میں دی جائیں کہ جن میں قربت نہ کی ہو جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت مغلظہ ہو جائے گی اب شرعی حلالہ کے بغیر دوبارہ عقد نہیں ہو سکتا۔

اسی لیے اس کا درجہ پہلی قسم سے کم ہے۔ امام مالک کے نزدیک طلاق حسن بدعت ہے کہ مباح تو صرف ایک طلاق تھی جب کہ امام شافعی کے نزدیک ہر طلاق مباح ہے۔

(ج) طلاق بدعی:

طلاق بدعی کی تین صورتیں ہیں۔ ا۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں چاہے ایک کلمہ کے ساتھ ہوں ''تجھے تین طلاقیں ہیں'' یا الگ الگ کلمات کے ساتھ تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے، تجھے طلاق ہے۔ ۲۔ حالت حیض میں ۳۔ جن ایام میں قربت کی ہو ان میں طلاق دینا۔ طلاق بدعی کسی بھی صورت میں ہو دینے والا گنہگار ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

بیک وقت تین طلاقوں کی شرعی حیثیت:

امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا بدعت اور گناہ ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا مستحب کے خلاف ہے تاہم گناہ نہیں اور امام احمد بن حنبل سے دونوں طرح کی روایات ہیں۔ تین طلاقوں کا تین ہی واقع ہونا خلفاء ثلاثہ (حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی) عبادلہ اربعہ (عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو) اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یوں ہی آئمہ اربعہ (امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد) اور جمہور فقہاء کرام کا مذہب ہے۔ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینا ابن تیمیہ اور اس کے متبعین کا مذہب ہے۔ اسی طرح فقہ جعفریہ میں بھی اکثر کے نزدیک تین طلاقیں ایک ہی واقع ہوتی ہیں۔

قرآن مجید سے اکٹھی تین طلاقوں کے مؤثر ہونے کی دلیل:

ارشاد ربانی ہے: ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'' (البقرہ:۲۲۹) کہ طلاق رجعی دو مرتبہ دی جاسکتی ہے اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا: ''فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجا غيره'' ''پس اگر بیوی کو تیسری طلاق دے دی تو اس کے بعد بیوی کے لیے جائز نہیں یہاں تک وہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے''۔ فان طلقها کے شروع میں حرف ''فا'' داخل ہے جو بالاتفاق اہل لغت اور اہل اصول کے نزدیک تعقیب مع الوصل (کسی چیز کا بغیر فاصلے کے پیچھے آنا) کے لیے آتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر شوہر نے دو طلاقیں رجعی دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو وہ عورت اب اس کے لیے شرعی حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی۔ اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق دلیل اس طرح بنی کہ دو طلاقیں دینا عام ہے چاہے ایک مجلس میں ہو یا دو طہروں میں اس کے بعد فوراً (بتقاضاء فا) تیسری طلاق دے دی گئی تو اس کی بیوی حرام ہو جائے گی لہٰذا چاہے یوں کہے کہ تم کو طلاق ہے، تم کو طلاق ہے یا یوں کہے کہ تمہیں تین طلاقیں ہیں۔

احادیث سے ثبوت:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عویمر العجلانی نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله لم فانفذها رسول الله (سنن ابی داؤد) کہ حضرت

عویمر نے اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دے دیں اور حضور ﷺ نے ان کو نافذ فرما دیا۔ یہی حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں یہ بات معروف تھی کہ عورت تین طلاقوں سے حرام ہو جاتی ہے۔ تب ہی تو حضرت عویمر نے تین طلاقیں دیں لیکن ان کو یہ علم نہ تھا کہ لعان سے بھی تفریق ہو جاتی ہے اس لیے حضور ﷺ کے حکم دینے سے قبل ہی تین طلاقیں دے دیں اور حضور ﷺ نے نافذ فرما دیں۔

تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والوں کے پاس دلائل:

ان کے پاس صرف تین روایات ہیں ایک صحیح مسلم کی روایت جو طاؤس کا وہم اور شاذ روایت ہے، دوسری مسند احمد کی روایت جو مضطرب، منکر، معلل اور ضعیف ہے اور تیسری سنن ابوداؤد کی روایت جو مجہول، منکر اور متروک کی روایت ہے۔ حاصل یہ کہ ابن تیمیہ کے متبعین کا نظریہ صریح قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے خلاف ہے کہ جو تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دے کر اسی بیوی کے ساتھ رہنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے فتویٰ کی وجہ سے دونوں ساری زندگی حرام کاری میں مبتلا ہوتے ہیں (العیاذ باللہ)

وَالسُّنَّةُ فِي الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ سُنَّةٌ فِي الْوَقْتِ وَسُنَّةٌ فِي الْعَدَدِ فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيْهَا الْمَدْخُولُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي حَقِّ الْمَدْخُولِ بِهَا خَاصَّةً وَهُوَ اَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَغَيْرُ الْمَدْخُولِ بِهَا يُطَلِّقُهَا فِي حَالَةِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ وَاِذَا كَانَتِ الْمَرْاَةُ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ وَّاَرَادَ اَنْ يُطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَاِذَا مَضٰى شهر طَلَّقَهَا اُخْرٰى فَاِذَا مضى شَهْرٌ طَلَّقَهَا اُخْرٰى وَيَجُوْزُ اَنْ يّطلقها وَلايفصل بين وطئها وطلاقها بزمان وَطَلَاقُ الْحَامِلِ يَجُوْزُ عَقِيبَ الْجِمَاعِ وَيُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ ثَلَاثًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ تَطْلِيقَتَيْنِ بِشَهْرٍ عِنْدَهُمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَّزُفَرُ لَا يُطَلِّقُهَا لِلسُّنَّةِ اِلَّا وَاحِدَةً

"اور طلاق میں دو طریقے سنت ہیں ایک وقت میں سنت ہے اور ایک عدد میں سنت ہے اور عدد میں جو سنت ہے اس میں مدخولہ اور غیر مدخولہ عورت برابر ہے اور وقت میں جو سنت ہے وہ خاص طور پر مدخولہ کے حق میں ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں شوہر نے اس سے جماع نہ کیا ہو اور غیر مدخولہ کو حالت طہر یا حیض میں طلاق دے اور اگر عورت کو حیض نہیں آتا ہے بچپنے کی وجہ سے یا عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اور اس کو طلاق سنت دینے کا ارادہ کرے تو اس کو طلاق دے جب ایک ماہ گزر جائے تو اس کو دوسری طلاق دے پھر جب ایک ماہ گزر جائے تو اس کو تیسری طلاق دے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کی وطی اور اس کی طلاق کے درمیان فصل نہ کرے اور حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے جماع کے بعد اور حاملہ کو سنت کے مطابق تین طلاقیں دے اور ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ کرے۔ شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اس کو سنت کے مطابق صرف ایک ہی طلاق دے"۔

سنت طلاقوں کی اقسام:

قولہ: والسنة فی الطلاق الخ: سنت طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) سنت فی الوقت (ب) سنت فی العدد۔

سنت فی الوقت:

عورت کو ایسے طہر میں طلاق دی جائے کہ جس میں جماع نہ کیا ہو۔

سنت فی العدد:

مدخولہ اور غیر مدخولہ کو ایک مرتبہ ایک ہی کلمہ کے ساتھ ایک طلاق دی جائے۔ منکوحہ عورت کی پانچ اقسام ہیں۔ ۱۔ مدخولہ ۲۔ غیر مدخولہ ۳۔ حائضہ ۴۔ غیر حائضہ ۵۔ حاملہ۔ لہٰذا مختلف اقسام کی حیثیت سے احکام بھی مختلف ہوں گے۔ سنت فی الوقت یہ مدخولہ عورت کے لیے ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے کہ جس میں وطی نہ کی ہو اور نہ ہی حالت حیض میں طلاق دی جائے جب کہ غیر مدخولہ کے حق میں طہر اور حیض دونوں برابر ہیں دونوں میں طلاق جائز ہے کیونکہ اس کی عدت نہیں۔ اگر عورت غیر حائضہ ہے تو اس کو ہر تین مہینوں میں ہر ماہ طلاق دی جائے۔ طلاق والے مہینے میں وطی اور طلاق کے درمیان فاصلہ کی ضرورت نہیں کیونکہ حمل ٹھہرنے کا احتمال نہیں کہ حائضہ نہیں لہٰذا جماع کے فوراً بعد طلاق دی جاسکتی ہے۔ یوں ہی حاملہ سے جماع کے بعد فوراً طلاق دی جاسکتی ہے کہ دوسرا حمل ٹھہرنے کا احتمال نہیں۔ حاملہ عورت کو طلاق سنت دینے میں شیخین اور امام محمد کا اختلاف ہے کہ شیخین کے نزدیک ہر دو طلاق کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ کرے جب کہ امام محمد اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک حاملہ کو طلاق سنت صرف ایک طلاق ہے۔ طلاق کے بعد چھوڑ دے کہ وضع حمل کے بعد بائنہ ہو جائے گی اور عدت بھی گزر جائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔ ان کی دلیل قیاس ہے کہ جس طرح آئسہ (جس کو حیض کا خون نہ آتا ہو) کو سنت طلاق دینا ہو تو دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ کیا جاتا ہے یوں ہی حاملہ کی طلاقوں میں بھی ایک ماہ کا فاصلہ کیا جائے گا (تقدیم قول الشیخین فی ملتقی الابحر الاقتصار علی قول الشیخین فی الہندیہ)

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ فِیْ حَالِ الْحَیْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَیُسْتَحَبُّ لَهٗ اَنْ یُّرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ ثُمَّ طَهُرَتْ فَهُوَ مُخَیَّرٌ فَاِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَكَهَا وَیَقَعُ طَلَاقُ كُلِّ زَوْجٍ اِذَا كَانَ بَالِغًا عَاقِلًا وَلَا یَقَعُ طَلَاقُ الصَّبِیِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ ثُمَّ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ وَقَعَ طَلَاقُهٗ وَلَا یَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلَی امْرَأَتِهٖ،

"اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مرد کے لیے عورت سے رجوع کرنا مستحب ہے اب اگر وہ پاک ہو جائے پھر اس کو حیض آجائے اس کے بعد پھر پاک ہو جائے تو مرد کو اختیار ہے چاہے اس کو طلاق دے دے اور چاہے تو اس کو روک لے اور ہر شوہر کی طلاق واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ عاقل، بالغ ہو۔ اور بچہ، مجنون اور سونے والے کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کر لیا پھر طلاق دے دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کے مولا کی اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔"

حالت حیض میں طلاق دینا:

قولہ:واذا طلق الخ: حالت حیض میں طلاق دینا بدعت ہے لیکن اگر دے دی تو واقع ہو جائے گی کیونکہ حالت حیض میں طلاق دینا منہی عنہ ہے اور طلاق دینا فعل شرعی ہے اور فعل شرعی پر نہی نفس جواز کا تقاضا کرتی ہے۔ نفس طلاق کو اٹھانا ناممکن ہے لیکن شوہر کو رجوع کر لینا مستحب ہے جب کہ دیگر فقہانے فرمایا کہ رجوع واجب ہے۔

مفتی بہ قول:

رجوع کر لینا واجب ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ "عبداللہ کو حکم دو کہ رجوع کرے" صیغہ امر مطلقاً وجوب کے لیے آتا ہے نیز حالت حیض میں طلاق دینا معصیت ہے اور رفع معصیت واجب ہے۔ نیز عورت کی عدت لمبی ہو جائے گی۔ لہٰذا اس کو ضرر سے بچایا جائے گا جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔"لاضرر ولا ضرار"(الاصح ان الرجعة واجبة "الهنديه" الدر المختار مع رد المحتار) جب حالت حیض میں طلاق یافتہ عورت حیض سے پاک ہو جائے پھر اس کو حیض آئے اس کے بعد طہر میں شوہر کو اختیار ہے چاہے طلاق دے چاہے طلاق نہ دے یہی ظاہر روایت ہے جب کہ امام اعظم سے ایک روایت یہ ہے کہ جس حیض میں طلاق دی ہے اسی حیض کے بعد طہر میں طلاق دے سکتا ہے۔

کن لوگوں کی طلاق واقع ہوتی ہے؟:

قولہ:ویقع طلاق کل الخ: بنیادی طور پر طلاق واقع ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ا۔طلاق دینے والا مرد اس کا اہل ہو ۲۔جس پر طلاق واقع کی وہ اس کا محل ہو۔طلاق کی اہلیت کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ طلاق دینے والا شوہر ہو یا اس کی طرف سے طلاق دینے کا مجاز ہو لہٰذا آقا اپنے غلام کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا۔ عدالتی طلاق کی بحث آگے آئے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل ہو لیکن اگر پاگل ہو یا سویا ہوا ہو یا بے ہوش ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی اسی طرح جس کو اکثر دماغی دورہ پڑتا رہتا ہو تو دورہ کے دوران اس کی طلاق واقع نہ ہوگی اور تیسری شرط یہ ہے کہ بالغ ہو اگر نابالغ ہو اگرچہ باشعور ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ عقل اور بلوغ کے بغیر عقود اور فسوخ واقع نہیں ہوتے۔

وَالطَّلَاقُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ صَرِيحٌ وَكِنَايَةٌ فَالصَّرِيحُ قَوْلُهٗ اَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَقَدْ طَلَّقْتُكِ فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهٖ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَلَا يَفْتَقِرُ اِلٰى نِيَّةٍ وَاَنْتِ الطَّالِقُ وَاَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقِ وَاَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقًا فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ اَيْضًا وَاِنْ نَوٰى ثَلَاثًا فَهِيَ ثَلَاثٌ وَاِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ لَمْ يَقَعْ اِلَّا وَاحِدَةٌ

"اور طلاق دو قسم پر ہے صریح، کنایہ، پس صریح یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے، تو طلاق یافتہ ہے، میں نے تجھے طلاق دی پس ان سے طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور ان سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور نسبت کی حاجت نہیں اور شوہر کا قول "انت الطلاق"، انت طالق الطلاق، یا انت طالق طلاقا پس اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو تو ایک طلاق رجعی

واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت ہو تو بھی ایک واقع ہوگی اور اگر ان کلمات سے تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی"۔

الفاظ طلاق:

قولہ:والطلاق الخ: طلاق کے واقع ہونے اور واقع نہ ہونے اور طلاق کی نوعیت میں الفاظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور طلاق کا تعلق زبان کے فعل سے ہے لہٰذا وقوع طلاق کے لیے اصول یہ ہے کہ "الفاظ طلاق کم از کم اتنے آواز سے کہے جائیں کہ بندہ خود سن سکے" لہٰذا اگر دل میں طلاق کا ارادہ کیا یا ہونٹ تو حرکت کریں مگر آواز کانوں تک نہ پہنچتی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر کسی نے ایک طلاق کا تلفظ کیا کہ دوسری کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ طلاق کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ دو طرح کے ہیں۔ ا۔صریح ۲۔کنایہ۔ صریح کی تعریف: "الصریح ما غلب فی العرف استعماله فی الطلاق بحیث لا یستعمل عرفا فیه من ای لغة کانت" (رد المحتار) صریح "وہ لفظ ہے جس کا عرف میں غالب استعمال طلاق کے لیے ہو اور کسی بھی لغت میں وہ عرفاً بغیر نیت کے صرف طلاق کے لیے استعمال ہو۔" جیسا کہ طلاق اور اس مادہ سے مشتق الفاظ کہ تو طلاق والی ہے، تو مطلقہ ہے، تو طلاق یافتہ ہے وغیرہ۔ اسی طرح ہندوستان میں امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دور میں "فارغ خطی" کا لفظ صرف طلاق کے لیے مستعمل تھا یوں ہی فتاوی ہندیہ میں ہے کہ ہمارے عرف میں "میں نے تجھے چھوڑ دیا" صرف طلاق کے لیے مستعمل ہے لہٰذا جس عرف میں جو لفظ بغیر نیت کے طلاق کے لیے مستعمل ہو وہ صریح ہوگا۔ اگر وہی لفظ کسی دور میں صریح طلاق کے لیے مستعمل نہ ہو تو صریح نہیں رہے گا چونکہ عرف بدل چکا ہے۔ "کنایہ بدرجہ صریح میں نیت اور تعیین طلاق کی تحقیق" آگے آرہی ہے۔

صریح کا حکم:

قولہ:فھذا یقع الخ: الفاظ صریح سے صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس میں نیت کا اعتبار نہیں کیونکہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے: "الصریح لا یحتاج الی النیة" کہ صریح نیت کا محتاج نہیں ہوتا لہٰذا چاہے قصداً ہو یا مزاحاً یا خطأ ہر صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ صریح میں یہ اصول ہے کہ "نسبت کا تو اعتبار ہے مگر نیت کا نہیں"

ایک سے زائد کی نیت کی تحقیق:

قولہ:انت طالق اور انت طالق الطلاق الخ: اگر شوہر نے طلاق دینے میں لفظ مصدر استعمال کیا مثلاً انت طالق الطلاق (مصدر کو معرفہ لانے کے ساتھ) یا انت طالق طلاقا (نکرہ لانے کے ساتھ) کلام کیا تو تین صورتوں میں ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ ا۔کوئی نیت نہ کی ہو ۲۔طلاق نہ دینے کی نیت کی ہو ۳۔دو کی نیت کی ہو۔ ایک صورت میں تین طلاقیں واقع ہوسکتی ہیں جب کہ تین کی نیت کی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصدر بمنزلہ اسم جنس ہے اور اسم جنس کے بارے میں اصول یہ ہے "اسم جنس کا موجب (بغیر نیت کے) فرد حقیقی ہوتا ہے اور محتمل (نیت کے ساتھ) فرد حکمی ہوتا ہے" اور چونکہ طلاق مصدر ہے اور طلاق کا فرد حقیقی ایک طلاق ہے جو بغیر نیت کے ثابت ہوگی کیونکہ فرد حقیقی اسم جنس کا موجب ہے اور چونکہ کل طلاق تین ہیں لہٰذا

مصدر فرد حکمی (تین طلاقوں) کا محتمل ہے کہ نیت کرے گا تو فرد حکمی (تین طلاقیں) ثابت ہوگا باقی رہی دو وہ عدد محض ہے نہ فرد حقیقی ہے اور نہ ہی فرد حکمی ہاں لونڈی کے حق میں فرد حکمی ہے۔لیکن اگر صرف انت طلاق کہا تو تین کی نیت بھی کی تو بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی کیونکہ یہاں مصدر بقدر ضرورت مقدر مانا تھا اس لیے کہ طالق مشتق ہے اور ہر مشتق کا مشتق منہ (مصدر) ہوتا ہے اور یہ اصول ہے کہ "جو بقدر ضرورت مقدر ہو اس میں عموم جاری نہیں ہوتا لہٰذا انت طالق سے تین کی نیت درست نہ ہوگی۔

وَالضَّرْبُ الثَّانِي الْكِنَايَاتُ لَا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ إِلَّا بِنِيَّةٍ أَوْ دَلَالَةِ حَالٍ وَهِيَ عَلَى ضَرْبَيْنِ مِنْهَا ثَلَاثَةُ أَلْفَاظٍ يَقَعُ بِهَا الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةٌ، وَهُوَ قَوْلُ اعْتَدِّي وَاسْتَبْرِئِي رَحِمَكِ وَأَنْتِ وَاحِدَةٌ وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ إِذَا نَوَى بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَإِنْ نَوَى ثَلَاثًا كَانَ ثَلَاثًا وَإِنْ نَوَى اثْنَتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً وَهٰذَا مِثْلُ قَوْلِهِ أَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلَى غَارِبِكِ وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ وَخَلِيَّةٌ وَبَرِيَّةٌ إِلَى آخِرِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ لَمْ يَقَعْ بِهٰذِهِ الْأَلْفَاظِ طَلَاقٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَا فِي مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَيَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِي الْقَضَاءِ وَلَا يَقَعُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللهِ تَعَالَى إِلَّا أَنْ يَنْوِيَهُ وَإِنْ لَمْ يَكُونَا فِي مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ وَكَانَا فِي غَضَبٍ أَوْ خُصُومَةٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِكُلِّ لَفْظَةٍ لَا يَقْصِدُ بِهَا السَّبَّ وَالشَّتِيمَةَ، إِلَّا أَنْ يَنْوِيَهُ

"اور دوسری قسم کنایات ہے اور ان کے ذریعے صرف نیت یا دلالت حال سے طلاق واقع ہوتی ہے اور یہ الفاظ دو قسم پر ہیں ان میں سے تین الفاظ ایسے ہیں جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے ان کے ذریعے صرف ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں "تو عدت کے دن گزار" "تو رحم صاف کر لے" "تو اکیلی ہے" اور باقی کنایات کے الفاظ سے اگر ایک کی نیت کرے گا تو ایک بائن واقع ہوگی اور اگر تین کی کرے گا تو تین واقع ہوں گی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی اور وہ الفاظ یہ ہیں مثلاً ا۔تو مجھ سے جدا ہے ۲۔تو مجھ سے قطع تعلق ہے ۳۔تو حرام ہے۔ ۴۔تجھے اپنا اختیار ہے ۵۔تو اپنے عزیزوں سے جا مل ۶۔تو بالکل چھوڑ دی گئی ۷۔تو بالکل بری ہے ۸۔تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کر دیا ۹۔میں نے تجھے چھوڑ دیا ۱۰۔خود مختار ہو جا ۱۱۔میں نے تجھے جدا کر دیا۔ ۱۲۔تو آزاد ہے، ۱۳۔تو چادر اوڑھ لے ۱۴۔تو پردہ کر لے ۱۵۔دور ہو جا اور ۱۶۔شوہروں کو تلاش کر لے۔ پس اگر ان کلمات سے طلاق کی نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہ ہوگی مگر یہ کہ زوجین کے مابین طلاق کا مذاکرہ ہو ان کلمات سے قضاءً طلاق واقع ہو جائے گی مگر دیانۃً واقع نہ ہوگی مگر یہ کہ طلاق کی نیت کر لے اور اگر زوجین مذاکرہ طلاق میں نہ ہوں بلکہ دونوں غصہ اور جھگڑے کی حالت میں ہوں تو طلاق ہر اس کلمہ سے واقع ہو جائے گی جس سے گالی دینا مقصود نہ ہو اور ہر کلمہ سے طلاق واقع نہ ہوگی کہ جس سے گالی مقصود ہو مگر یہ کہ اس سے طلاق کی نیت کر لے"۔

الفاظ طلاق کی دوسری قسم کنایہ:

قولہ: والضرب الثانی الخ: "کنایہ طلاق وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق مراد لینا ظاہر نہ ہو بلکہ طلاق کے علاوہ اور معانی کے لیے بھی مستعمل ہوں"۔

کنایہ کا حکم:

قولہ:ولا یقع الخ: چونکہ کنایہ کے مرادی معنیٰ میں متعدد امکانات کی وجہ سے پوشیدگی ہوتی ہے لہٰذا کنایہ کے ذریعے حکم تب ثابت ہوگا کہ جب دو امور میں سے کوئی ایک پایا جائے یا تو الفاظ کنایہ بولتے وقت نیت کی ہو یا دلالت حال (قرینہ) پائی جائے کہ میاں بیوی طلاق کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے کہ اسی حالت میں شوہر نے الفاظ کنایہ استعمال کیے کہ جن میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہوتا تھا تو دلالت حال کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی کون سی واقع ہوگی آگے بحث آ رہی ہے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ "الفاظ کنایہ کے تردد کو زائل کرنے کے لیے نیت (معنوی قرینہ) یا دلالت حال (لفظی قرینہ) میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے" ورنہ کوئی حکم لاگو نہ ہوگا۔

الفاظ کنایہ کی اقسام:

قولہ:وھی علی ضربین الخ: الفاظ کنایہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ جن سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی:

امام قدوری نے تین الفاظ کنایہ بیان کیے کہ جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔ ۱۔ اعتدی تو شمار کر ۲۔ اِسْتَبْرِئِي تو اپنا رحم صاف کرلے۔ ۳۔ انت واحدۃ تو اکیلی ہے۔ کہ ان تینوں الفاظ میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہے مگر قرائن (نیت یا دلالت حال) کے پائے جانے کی وجہ سے جہت طلاق کو ترجیح حاصل ہوئی پھر طلاق بائن اس لیے نہیں کہ ان تین الفاظ میں بینونت اور تحریم کی طرح معانی میں شدت نہیں لہٰذا اقتضاء النص کے طور پر دو سے پہلے اَنْتِ طَالِقٌ مقدر ہے اور اَنْتِ وَاحِدَةٌ میں طلاق مقدر ہے اور فقہی قاعدہ ہے۔ "اَلْمُقَدَّرُ كَالْمَلْفُوْظِ" کہ مقدر ملفوظ کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح انت طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے ایسے ہی ان تین الفاظ کنایہ سے بھی طلاق رجعی واقع ہوگی۔ لیکن ان میں دو یا دو سے زیادہ کی نیت کی تب بھی ایک طلاق رجعی ہی واقع ہوگی بخلاف آنے والے الفاظ کنایہ کے۔ یہ الفاظ کنایہ تو ہیں ہی اور مجاز بھی ہیں کہ ان سے طلاق مراد ہے جو عدت گزارنے کا سبب بن رہے ہیں۔

الفاظ کنایہ سے طلاق بائن:

قولہ:وبقیۃ الکنایات الخ: الفاظ کنایہ میں نیت کہاں ضروری ہے اور کہاں نہیں؟ اس کے متعلق وجہ حصر یہ ہے کہ الفاظ کنایہ تین حال سے خالی نہیں کہ وہ سوال کا جواب بننے کا احتمال رکھتے ہیں مثلاً تقنعی، استبری، اغربی، یا گالم گلوچ بننے کا احتمال رکھتے ہیں۔ مثلاً خلیۃ، بریۃ، حرام، بائن، بتۃ، بتلۃ یا دونوں سے خالی نہ جواب بنتے ہیں اور نہ ہی گالی بلکہ جواب کے لیے متعین ہیں۔ مثلاً اعتدی، استبرئی رحمك، انت واحدۃ، انت حرۃ، اختاری، فارقتك، سرحتك، ابتغی الازواج بصورت اولیٰ (جواب بننے کا) صرف نیت کی صورت میں ان سے طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں بصورت ثانی (گالی

بننے کا) طلاق کا مذاکرہ تھا تو نیت کی حاجت نہیں ورنہ خوشی اور غضب میں نیت ضروری ہے۔ بصورت ثالث (فقط جواب) خوشی میں نیت ضروری جب کہ غضب و مذاکرہ طلاق کے وقت بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ گزشتہ بیان کردہ تین الفاظ کنایہ کے علاوہ باقی الفاظ کنایہ کے بولتے وقت نیت یا دلالت حال پائی جائے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگر کوئی قرینہ (نیت یا دلالت حال) نہ پایا جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر دو کی نیت کی تو دو واقع نہ ہوں گی بلکہ ایک ہی بائن واقع ہوگی کہ "دو" طلاق کا نہ فرد حقیقی ہے اور نہ ہی فرد حکمی اگر تین کی نیت کرے گا تو تین واقع ہو جائیں گی کہ تین فرد حکمی ہیں۔ لہٰذا امام قدوری کے بیان کردہ الفاظ کنایہ تین (۳) طلاق رجعی والے اور سولہ (۱۶) طلاق بائن والے بیان کردہ وجہ حصر کے تحت داخل ہیں۔

نیت کہ متعلق حاصل کلام:

الفاظ کنایہ کہتے وقت شوہر تین حال سے خالی نہیں کہ حالت اعتدال (فرش موڈ) میں ہے یا حالت غصہ میں ہے یا حالت مذاکرہ طلاق میں بصورت اول کنایہ کی تینوں اقسام میں نیت شرط ہے، بصورت ثانی (حالت غضہ میں) پہلی اور دوسری صورت میں نیت شرط ہے، بصورت ثالث (حالت مذاکرہ طلاق) پہلی قسم میں نیت شرط ہے، باقی دو میں نیت شرط نہیں۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک تمام الفاظ کنایہ سے طلاق رجعی ہی واقع ہوگی۔

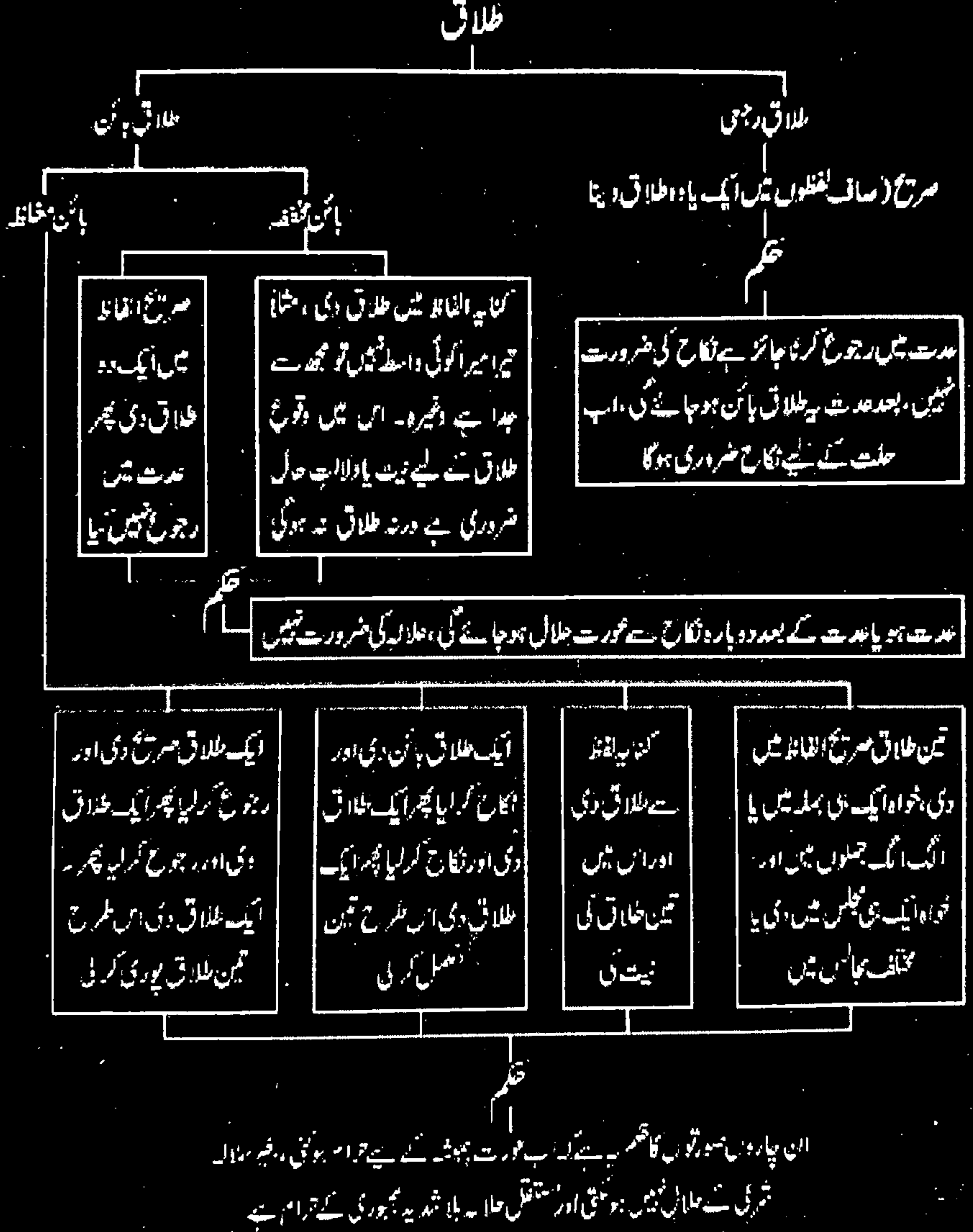
سیدی امام احمد رضا قادری کی الفاظ طلاق میں تحقیق:

آپ نے الفاظ طلاق پر مکمل ایک رسالہ "رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق" تحریر فرمایا کہ جس میں کل دوسو ترپن (۲۵۳) الفاظ بیان کیے ہیں جن میں سے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) سے طلاق بائن اور ترانوے (۹۳) سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔
(فتاویٰ رضویہ حاشیہ ص ۵۵۲، جلد نمبر ۱۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

کنایہ بدرجہ صریح میں نیت اور تعیین طلاق کی تحقیق:

اگر کوئی لفظ اپنی اصل وضع کے لحاظ سے کنایہ ہو لیکن طلاق کے لیے اس کا استعمال اس کثرت سے ہونے لگا کہ اس کے استعمال سے ذہن طلاق کی طرف ہی جاتا ہو تو لفظِ کنایہ کو صریح کا درجہ دیا جائے گا کہ شوہر اگر چہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی مگر طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً لفظ حرام اپنی اصل وضع کے لحاظ سے تو کنایہ ہے مگر جب شوہر اپنی بیوی کی طرف نسبت کرتے ہوئے یوں کہے کہ "تو مجھ پر حرام ہے" (اس پر مزید تحقیق ایلا کے آخر میں دیکھیں) یہ لفظ ہمارے عرف میں بکثرت شوہر زوجہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں اس کو صریح کا درجہ دیا ہے اب تعیین یہ کرنی ہے کہ کنایہ بدرجہ صریح سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟ اس میں مشائخ احناف کے دو گروہ ہیں کہ بعض کے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوگی کہ صریح کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے نیت کی حاجت نہ رہی اسی وجہ سے فتاویٰ ھندیہ اور فتاویٰ رضویہ میں عرف کی بنا پر کہ "میں تجھے چھوڑتا ہوں" سے طلاق رجعی کا حکم لگایا ہے اسی طرح فتاویٰ شامی میں بھی ترکی زبان کا لفظ "سن بوش" بمعنی چھوڑنا، خالی کرنا (خلیۃ) پر متعدد مشائخ سے طلاق رجعی پر فتویٰ موجود ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۱۲ میں الفاظ کنایہ کے تحت مفصل تحقیق موجود ہے البتہ حرام اور فارغ خطی سے بغیر نیت کے طلاق بائن واقع ہوگی اگر کسی صاحب افتاء کی تحقیق اس کے برعکس ہو تو عرف کی بنا پر

ہوگی اور بعض کے نزدیک الفاظ کنایہ سے مطلقاً طلاق بائن واقع ہوگی صرف فرق یہ ہوگا کہ جو الفاظ طلاق کے لیے کثیر الاستعمال ہوتے ہیں وہاں نیت کا اعتبار نہ ہوگا باقیوں میں نیت یا دلالت حال میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔



وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ وَبِضَرْبٍ مِّنَ الزِّيَادَةِ وَالشِّدَّةِ كَانَ بَائِنًا مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ اَوْ طَالِقٌ

أَشَدَّ الطَّلَاقِ أَوْ أَفْحَشَ الطَّلَاقِ أَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ أَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ أَوْ كَالْجَبَلِ أَوْ مِلْءَ الْبَيْتِ

"اور اگر طلاق کو کسی زائد وصف کے ساتھ منسلک کیا تو طلاق بائن ہوگی مثلاً یوں کہے کہ تو طلاق بائن والی ہے یا تو بہت سخت طلاق والی ہے یا تو بدترین طلاق والی ہے یا تجھ پر شیطان کی طلاق ہے یا تجھ پر بدعت طلاق ہے یا تجھ پر پہاڑ کی مثل طلاق ہے یا تجھ پر گھر بھرنے کی مثل طلاق ہے"۔

طلاق کو سخت صفت کے ساتھ موصوف کرنا:

قوله: واذا وصف الخ: اصول یہ ہے کہ "جب صریح طلاق کے ساتھ شدت کے الفاظ ملائے جائیں تو طلاق بائن ہوگی" لہٰذا متن میں مذکور شدت والے الفاظ کی وجہ سے ایک طلاق بائن ہوگی لیکن اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی کیونکہ طلاق تین کا محتمل تو ہے کہ جس طرح ایک اس کا موجب ہے۔

وَإِذَا أَضَافَ الطَّلَاقَ إِلَى جُمْلَتِهَا أَوْ إِلَى مَا يُعَبَّرُ بِهِ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلَ أَنْ يَقُوْلَ أَنْتِ طَالِقٌ أَوْ رَقَبَتُكِ طَالِقٌ أَوْ عُنُقُكِ أَوْ رُوْحُكِ أَوْ جَسَدُكِ أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ وَكَذَا إِنْ طَلَّقَ جُزْءًا شَائِعًا مِثْلَ أَنْ يَقُوْلَ نِصْفُكِ طَالِقٌ أَوْ ثُلُثُكِ وَإِنْ قَالَ يَدُكِ طَالِقٌ أَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ وَإِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيقَةٍ أَوْ ثُلُثَ تَطْلِيقَةٍ كَانَتْ طَالِقًا وَاحِدًا وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ وَيَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا قَالَ نَوَيْتُ بِهِ الطَّلَاقَ وَيَقَعُ طَلَاقُ الْأَخْرَسِ بِالْإِشَارَةِ

"اور جب طلاق کو عورت کے کل کی طرف منسوب کیا یا جز کی طرف منسوب کیا کہ جس سے کل کو تعبیر کیا جاتا ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی جیسے یوں کہے کہ تو طلاق والی ہے یا تیری گردن کو طلاق ہے یا تیری روح کو طلاق ہے یا تیرے بدن کو طلاق ہے یا تیرے جسم کو یا تیری شرم گاہ کو یا تیرے چہرے کو اسی طرح اگر طلاق دی ایسی جز کو شائع ہو جیسے تیرے نصف حصہ یا تیرے ثلث حصہ کو طلاق ہے اور اگر اس نے کہا کہ تیرا ہاتھ یا تیرا پاؤں طلاق والا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر عورت کو آدھی طلاق دی یا ثلث طلاق دی تو ایک طلاق واقع ہوگی اور زبردستی کیے ہوئے شخص کی طلاق اور نشے میں مست کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور طلاق واقع ہو جاتی ہے جب کسی نے کچھ کہہ کر کہا میں نے طلاق کی نیت کی ہے اور گونگے کی طلاق اشارے سے واقع ہو جاتی ہے"۔

طلاق کی نسبت عورت کے کل یا جز کی طرف:

قوله: واذا اضاف الخ: امام قدوری نے متن میں ایک اصول تو یہ بیان کیا کہ "جب طلاق کو عورت کے کل جسم یا ایسے عضو کی طرف منسوب کیا جائے کہ جس کو بول کر کل کو تعبیر کیا جاتا ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے" جیسے تیرے جسم کو طلاق ہے یا تیری گردن کو طلاق ہے وغیرہ اگر ایسا عضو نہیں تو طلاق نہ ہوگی جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ لیکن امام زفر اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔

دوسرا اصول یہ بیان کیا کہ "جب جز شائع کی طرف طلاق کو منسوب کیا جائے تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے" جز شائع سے مراد حصے مثلاً آدھا حصہ، دو حصے اور تہائی حصے وغیرہ کیونکہ ان کا تعلق جسم کے تمام جز و غیر معین کے ساتھ ہوتا ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

مجبور کی طلاق کی تحقیق:

قولہ:وطلاق المکرہ: مُکرَہ سے مراد وہ شخص ہے کہ جس پر جبر (زبردستی) کرکے طلاق لی جائے۔ جبراً طلاق لینے کی دو صورتیں ہیں کہ قولاً (الفاظ کہلواکر) لی جائے یا کتابۃً (لکھواکر) اگر قولاً لی جائے تو اس کے متعلق احناف کا اصول یہ ہے کہ "وہ امور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ان میں مجبور شخص کے تصرفات قولیہ نافذ ہوں گے" لہٰذا جبراً کیا ہوا نکاح، عتاق اور طلاق لازم ہو جائیں گے لیکن بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ اگر بیوی کی طرف نسبت کیے بغیر صرف یوں کہے۔ طلاق، طلاق، طلاق یا ساتھ ان شاء اللہ کہے لیکن اگر مکرہ سے نسبت بھی کہلوادی یا ان شاء اللہ بھی نہ کہنے دیا تو بچنے کا کوئی حیلہ نہیں۔

حسی مثال سے وضاحت:

طلاق کی مثال پتھر کی ہے اور نکاح کی مثال شیشہ کی ہے کہ جس طرح شیشہ پر پتھر چاہے خوشی سے ارادۃً پھینکیں، چاہے حالت غضب میں پھینکیں، چاہے مزاحاً پھینکیں، چاہے غلطی سے پھینکیں یا کسی کے جبر سے پھینکیں تو شیشہ ہر حال میں ٹوٹ جائے گا یہی صورت طلاق کی بھی ہے کہ جس حال میں دی جائے واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اصول یہ ہوا کہ "طلاق میں ظاہری الفاظ کا تو اعتبار ہے مگر رضامندی کا نہیں" حاصل یہ کہ مطلقاً فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لیے قضاءً وقوع طلاق کا فیصلہ کیا جاتا ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مکرہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ باقی رہی مجبور سے کتابۃً طلاق لی جائے کہ جس کو "طلاق نامہ" کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جبر کی دو قسمیں ہیں جبر شرعی اور جبر غیر شرعی۔ جبر شرعی یہ ہے کہ شوہر کو قتل کرنے یا کسی عضو کو کاٹنے کی دھمکی دی جائے اور دھمکی دینے والا اس فعل پر قادر بھی ہو یا قید و بند اور مار پٹائی کی دھمکی دی ہو کہ غالب گمان ہو کہ اگر لکھا نہ تو کر گزرے گا۔ تو طلاق لکھنے پر طلاق واقع نہ ہوگی بشرطیکہ زبان سے الفاظ نہ کہے ہوں کیونکہ اصول ہے کہ "کتابت تلفظ کے قائم مقام حاجت کے مقام پر ہوتی ہے" جب کہ یہاں شوہر کو حاجت ہی نہیں۔ لیکن اگر محض کسی کے سخت اصرار پر طلاق لکھ دی تو طلاق ہو جائے گی۔

نشہ کی حالت میں طلاق کی تحقیق:

قولہ:والسکران: نشہ کسے کہا جائے گا؟ اس میں مشہور دو تعریفیں ہیں ایک یہ کہ انسان زمین و آسمان، مرد و عورت کے مابین فرق نہ کر سکے تو نشہ کہا جائے گا جب کہ دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ عقل پر یوں غلبہ آ جائے کہ انسان بے سروپا باتیں کرنے لگے اور عام نشہ کی حالت یہی ہوتی ہے۔ پہلی تعریف ہائی لیول نشہ پر دلالت کرتی ہے۔ نشہ کی چیز دو حال سے خالی نہیں کہ پی یا پلائی گئی اگر پی پھر دو حال سے خالی نہیں کہ از خود پی یا کسی کے اصرار پر پی ہر دو صورتوں میں نشہ آنے پر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔ اگر جبرِ شرعی کے طور پر پلائی گئی پھر نشہ کی حالت میں طلاق دی تو صحیح قول کے مطابق طلاق واقع نہ ہوگی۔

عبارت کا سیاق وسباق:

قولہ:اذا قال الخ: اس عبارت کا تعلق کس مسئلہ سے ہے؟ اس میں علامہ حداوی الزبیدی، صاحب جوہرہ نے چار احتمال بیان کیے ہیں۔ ۱۔ امام قدوری نے یہ عبارت اس لیے لائی کہ جب مجبور اور نشہ والا بعد میں یہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت کی تھی تو

طلاق واقع ہوگی اس سے امام کرخی اور امام طحاوی کے مذہب کو ترجیح دی۔ ۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ عبارت کاتب کی غلطی سے لکھی گئی ورنہ جمہور کے نزدیک لفظ صریح نیت کا محتاج نہیں۔ ۳۔ نیز احتمال یہ کہ یقع الطلاق کے بعد بالکتاب کا لفظ ہے یہ بات تو ظاہر ہے کہ کنایات نیت کے محتاج ہوتے ہیں اور ۴۔ چوتھا احتمال یہ ہے بعض نسخوں میں یقع الطلاق بالکتاب کی عبارت ہے کہ عورت کو خط لکھا تو شوہر نے کہا میں نے طلاق کی نیت کی ہے۔

تحریر سے طلاق

- تحریر مستبینہ (ٹھوس چیز پر تحریر ہو مثلاً کاغذ و موبائل وغیرہ)
  - مرسومہ (باضابطہ عنوان کے ساتھ جیسے طلاق نامہ)
    - مطلقاً طلاق
  - غیر مرسومہ (بغیر عنوان کے کہ عورت کی طرف نسبت نہ ہو)
    - نیت کے ساتھ طلاق ورنہ نہیں
- غیر مستبینہ (غیر ٹھوس چیز پر تحریر ہو مثلاً پانی، ہوا وغیرہ)
  - عدم طلاق

لہٰذا تحریر سے طلاق کے متعلق اصول یہ ہوا "تحریر مستبینہ مرسومہ کے ساتھ طلاق مطلقاً واقع ہو جاتی ہے اور مستبینہ غیر مرسومہ میں نیت کی شرط کے ساتھ ہوگی" غیر ٹھوس پر لکھنے کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔

موبائل فون اور میسج (SMS) کی تاریخ ایجاد اور طلاق:

موبائل فون ایک جدید مواصلاتی ٹیکنالوجی ہے کہ جس کا آغاز ۱۹۴۷ء میں امریکی کمپنی نے ۳۶ کلووزن پر مشتمل موبائل کی صورت میں کیا تھا پھر ۱۹۷۳ء میں موٹرولا نے دستی موبائلز تیار کیے اسی طرح SMS کا موبائل ٹو موبائل آغاز ۱۹۹۳ء میں پہلی مرتبہ فن لینڈ میں ہوا۔ اس تمہیدی تعارف نامہ کے بعد مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے فون کے ذریعے یا SMS کے ذریعے بیوی کو طلاق دی تو کیا حکم ہے؟ چونکہ کال میں آواز ہوتی ہے اور میسج (SMS) میں خط (تحریر) ہوتی ہے۔ آواز اور خط کے متعلق فقہاء کرام سے اصول منقول ہے "اَلصَّوْتُ يَشْبَهُ الصَّوْتَ وَالْخَطُّ يَشْبَهُ الْخَطَّ" کہ آواز، آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ طلاق دینے والا شوہر کا کوئی دوست ہو یہی شبہ میسج میں بھی پایا جاتا ہے جب کہ بیوی کا شوہر کی زوجیت میں ہونا یقینی امر ہے یہ فقہی اصول ہے کہ "الیقین لا یزول بالشك" کہ یقین شک وشبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا لہٰذا کال یا میسج میں اس بات کا یقین درکار ہے کہ کال یا میسج شوہر کی طرف سے ہے یا نہیں؟ تو یقین کے حصول کے لیے یا تو گواہ ہوں یا شوہر خود اقرار کرے تو میسج گزشتہ نقشہ میں تحریر کی قسم اول (کتابت مستبینہ) کی صورت اول (مرسومہ) سے ہو مثلاً "بعد از سلام تجھے طلاق ہے" تو مطلقاً طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ فقہی قاعدہ ہے: "اَلْكِتَابُ كَالْخِطَابِ" تحریر خطاب کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر بصورت ثانی (غیر مرسومہ) سے ہو مثلاً "طلاق" تو نیت کے ساتھ طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ اگر دوسرے کو طلاق کا میسج لکھنے کو کہا تو اقرار طلاق کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ چونکہ میسج کے الفاظ طلاق میں کئی احتمالات ہوتے ہیں اس لیے خود فیصلہ

کرنے کی بجائے کسی بھی اہل سنت و جماعت کے مستند اہل افتاء سے رابطہ کرنا چاہیے۔

گونگے کی طلاق:

قولہ: ویقع الخ: زبان و تحریر کی طرح اپنے مدعٰی کے اظہار کا ایک ذریعہ اشارہ بھی ہے اور یہ قسم بالخصوص ان افراد کے حق میں معتبر ہے جو نہ بولنے پر قادر ہوں نہ ہی لکھنے پر قادر ہوں لہٰذا ایسے افراد کے اشارہ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ ''اِشَارَۃُ الْاَخْرَسِ الْمَعْهُوْدِ کَالْبَیَانِ بِاللِّسَانِ'' تین کا اشارہ کیا تو تین اگر کم کا کیا تو ایک رجعی لیکن اگر گونگا لکھنا جانتا ہو تو اشارہ معتبر نہیں بلکہ تحریر سے ہی طلاق واقع ہو سکتی ہے۔

وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ لِامْرَاَتِهٖ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَلَا يَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكًا اَوْ يُضِيْفَهٗ اِلٰى مِلْكٍ فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تَطْلُقْ.

''اور جب طلاق کو نکاح کی طرف منسوب کیا تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی مثلاً یوں کہا اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے یا یوں کہا کہ جس عورت سے بھی نکاح کروں اسے طلاق ہے اور طلاق کو جب کسی شرط کی طرف منسوب کیا تو طلاق شرط کے بعد واقع ہو جائے گی مثلاً یوں کہا اپنی بیوی سے کہ اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اور طلاق کو منسوب کرنا درست نہیں مگر یہ کہ قسم اٹھانے والا مالک ہو یا ملک کی طرف منسوب کرے لہٰذا اگر کسی نے اجنبیہ عورت سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر اس عورت سے نکاح کر لیا اور وہ گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق نہ ہوگی''۔

تعلیق طلاق:

قولہ: واذا اضاف الخ: فقہاء کی اصطلاح میں طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے کو ''تعلیق طلاق'' کہا جاتا ہے اور اہل اصول اس کو ''بیان تغیر'' کی ایک صورت قرار دیتے ہیں۔ تعلیق کے درست ہونے کے لیے اصول یہ ہے کہ ''طلاق کو جس محل کی طرف منسوب کیا ہے یا وہ محل طلاق ہو یا طلاق کو سبب ملک کی طرف منسوب کیا ہو'' مثلاً اپنی بیوی سے کہا اگر تو فلاں کے گھر گئی تو تجھے طلاق ہے یہاں تعلیق درست ہے کہ تعلیق طلاق کے وقت محل طلاق (بیوی) تھی یوں ہی اگر کسی اجنبیہ عورت سے کہا کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے یہاں بھی تعلیق درست ہے کیونکہ تعلیق طلاق کو سبب ملک (نکاح) کی طرف منسوب کیا ہے۔ تعلیق بالشرط کب حکم کا سبب بنتی ہے؟ اس میں احناف و شوافع کا اختلاف ہے کہ احناف کے نزدیک فقہی اصول یہ ہے کہ ''اَلْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ يَجِبُ ثُبُوْتُهٗ عِنْدَ ثُبُوْتِ الشَّرْطِ'' معلق بالشرط وجود شرط کے وقت سبب بنتا ہے کہ اس سے پہلے نہیں لہٰذا جب شرط پائی جائے گی تو حکم بھی پایا جائے گا جب کہ شوافع کے نزدیک ''معلق بالشرط فی الحال ہی حکم کا سبب بنتا ہے لیکن شرط کے نہ پائے جانے سے حکم نہیں پایا جاتا لہٰذا احناف کے نزدیک سبب ملک (اگر میں تجھ سے نکاح کروں الخ) کے پائے جانے

پر طلاق واقع ہو جائے گی جب کہ شوافع کے نزدیک سبب ملک کے پائے جانے کے باوجود طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک تعلیق صرف ملک (عقد نکاح) کی صورت میں درست ہے اور جب تعلیق کے وقت نہ ملک ہو اور نہ ہی سبب ملک ہو تو بالاتفاق شرط کے پائے جانے کے ساتھ حکم ثابت نہ ہوگا مثلاً کسی اجنبیہ سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر اس عورت سے نکاح کر لیا اور اس کے بعد اس گھر میں بھی داخل ہوگئی تو کسی کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوئی۔

وَأَلْفَاظُ الشَّرْطِ إِنْ وَإِذَا وَإِذَا مَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتَى وَمَتَى مَا وَكُلُّ هٰذِهِ الشُّرُوطِ إِذَا وُجِدَتْ انْحَلَّتْ الْيَمِيْنُ إِلَّا فِي كُلَّمَا فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَتَكَرَّرُ بِتَكَرُّرِ الشَّرْطِ حَتّٰى يَقَعَ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ فَإِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَيْءٌ وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِيْنِ لَا يُبْطِلُهَا فَإِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ وَهِيَ فِي مِلْكِهِ انْحَلَّتْ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَإِنْ وُجِدَ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ انْحَلَّتْ الْيَمِيْنُ وَلَمْ يَقَعْ شَيْءٌ

"اور شرط کے الفاظ ان، اذا، اذا ما، کل، کلما، متی اور متی ما ہیں پس ان تمام الفاظ میں شرط پائی جائے تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی مگر لفظ کلما کہ اس سے شرط کے مکرر ہونے کی وجہ سے طلاق مکرر ہوگی یہاں تک کہ تین طلاقیں ہو جائیں گی پس اگر اس کے بعد اسی عورت سے نکاح کیا تو شرط کا تکرار ہوا تو طلاق واقع نہ ہوگی اور ملک کا زائل ہونا یمین کے بعد یمین کو باطل نہیں کرتا اب اگر ملک میں شرط پائی جائے تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر غیر ملک میں پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور کوئی چیز واقع نہ ہوگی"۔

الفاظ شرط:

قوله: والفاظ الشرط الخ: جن الفاظ کے ذریعے تعلیق منعقد ہوتی ہے ان کو "الفاظ شرط" کہا جاتا ہے۔ امام قدوری نے سات کلمات شرط بیان کیے جن میں سے چھ عمومیت کا تقاضا نہیں کرتے لہٰذا ایک مرتبہ شرط کے پائے جانے کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی اور قسم ختم ہو جائے گی جب کہ کلما کی وضع میں تکرار کا معنی ہے لہٰذا تین طلاق واقع ہونے تک قسم باقی رہے گی جب تین پوری ہو جائیں تو اس کے بعد اگر دوبارہ شرعی طریقہ سے اسی عورت سے نکاح کیا جائے تو اب طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کلما کے لیے اصول یہ ہے کہ "ملک اول تک کلما تکرار کا تقاضا کرتا رہتا ہے اس کے بعد ختم"، لیکن اگر مطلقاً کسی بھی عورت سے نکاح کو کلما (جب بھی) کے ساتھ معلق کیا تو جب بھی کسی عورت سے نکاح کرے گا تو طلاق ہوتی رہے گی۔

تعلیق کے بطلان وعدم بطلان پر اصول:

قوله: و زوال الملك الخ: یہ بات یاد رہے کہ جب فقہا تعلیق کے باب میں یمین (قسم) کا لفظ استعمال کریں تو تعلیق طلاق ہی مراد ہوتی ہے یہ ایک علمی اصطلاح ہے اس سے یمین (قسم) کا مشہور معنی مراد نہیں جس میں عدم تکمیل پر کفارہ لازم آتا ہے اب مقصد بحث یہ ہے کہ تعلیق کب باطل ہوتی ہے کب نہیں؟ اصول یہ ہے کہ "تعلیق حلت کے زوال سے تو باطل ہوتی ہے لیکن ملکیت کے زوال سے باطل نہیں ہوتی" مثال سے قبل یہ بات پیش نظر رہے کہ تین سے کم طلاقوں میں عدت کے ختم ہونے پر اگر چہ ملکیت تو ختم ہو جاتی ہے مگر حلت باقی رہتی ہے کہ بغیر حلالہ شرعی کے دوبارہ اسی عورت سے نکاح جائز ہے اب مثال یہ ہے کہ کسی شوہر

نے بیوی سے کہا ''اگر تو زید کے گھر میں داخل ہوئی تو طلاق ہے'' کہ بیوی ابھی تک زید کے گھر میں داخل نہ ہوئی تھی کہ شوہر نے بیوی کو ایک یا دو منجز بائن طلاقیں (فوری طلاقیں بغیر تعلیق کے) دے دیں پھر اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا پھر اس نے چھوڑ دیا پھر پہلے مرد سے نکاح ہو گیا اس کے بعد بیوی زید کے گھر میں داخل ہوگئی تو جتنی طلاقیں معلق کی تھیں وہ واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ شوہر ثانی کے ساتھ صرف نکاح کی وجہ سے شوہر اول نئی تین کا مالک بنا۔ یہاں تعلیق کے بعد منجز طلاقوں سے ملکیت تو ختم ہوئی تھی مگر حلت ختم نہ ہوئی تھی اس لیے تعلیق اپنے حال پر باقی رہی۔ اگر دوسرے سے نکاح کے بغیر از خود نکاح کر لیا تو وجود شرط پر تین میں سے باقی واقع ہوں گی۔ لیکن اگر تعلیق کے بعد منجز تین طلاقیں دے دیں تو تعلیق باطل ہو جائے گی کیونکہ تین طلاقوں کے بعد حلت ہی ختم ہوگئی لہٰذا اب حلالہ شرعی کے بعد اگر دوبارہ نکاح کیا تو دخول دار کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تعلیق کا وقوع صرف حلت کی صورت میں ہی ہوگا کیونکہ تعلیق حلت کے زوال سے باطل ہو جاتی ہے لیکن ملک نکاح جانے سے تعلیق باطل نہیں ہوتی۔

وَاِذَا اخْتَلَفَا فِیْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ اِلَّا اَنْ تُقِیْمَ الْمَرْاَۃُ بَیِّنَۃً فَاِنْ کَانَ الشَّرْطُ لَا یُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِھَتِھَا فَالْقَوْلُ قَوْلُھَا فِیْ حَقِّ نَفْسِھَا مِثْلَ اَنْ یَّقُوْلَ اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طَلُقَتْ، وَاِذَا قَالَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَّفُلَانَۃُ مَعَكِ فَقَالَتْ حِضْتُ طَلُقَتْ ھِیَ وَلَمْ تَطْلُقْ فُلَانَۃُ وَاِذَا قَالَ لَھَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَاَتِ الدَّمَ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰی یَسْتَمِرَّ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَۃُ اَیَّامٍ حَکَمْنَا بِالطَّلَاقِ مِنْ حِیْنِ حَاضَتْ وَاِذَا قَالَ لَھَا اِنْ حِضْتِ حَیْضَۃً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تَطْلُقْ حَتّٰی تَطْھُرَ مِنْ حَیْضَتِھَا۔

''اور جب شرط کے وجود میں زوجین کا اختلاف ہو جائے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا مگر یہ کہ عورت گواہ پیش کر دے پس اگر شرط ایسی ہو جو صرف عورت کی طرف سے معلوم ہو سکتی ہو تو عورت کا قول اس کے حق میں معتبر ہوگا مثلاً مرد نے یوں کہا کہ اگر تجھے حیض آیا تو تجھے طلاق ہے پھر عورت نے کہا کہ مجھے آ گیا ہے تو عورت مطلقہ ہو جائے گی اور اگر عورت سے یہ کہا کہ جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور تیرے ساتھ فلاں عورت کو پھر عورت نے کہا کہ مجھے حیض آ گیا ہے تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی فلاں عورت کو نہ ہوگی اور جب شوہر نے عورت سے کہا جب تجھے حیض آ جائے تو تجھے طلاق ہے پھر عورت نے خون دیکھا تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ خون تین دن تک جاری رہے پس جب تین دن پورے ہو جائیں تو ہم طلاق کے واقع ہونے کا حکم لگائیں گے جب سے وہ حائضہ ہوئی اور اگر شوہر نے عورت سے کہا کہ اگر تجھے حیض آ جائے تو تجھے طلاق ہے تو عورت کو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے''۔

وجود شرط میں زوجین کا اختلاف:

قولہ: واذا اختلفا الخ: اگر شوہر بیوی کے مابین یہ اختلاف واقع ہو جائے کہ بیوی کہے شرط پائی گئی جب کہ شوہر کہے نہیں پائی گئی تو کیا حکم ہے؟ شرط کی دو صورتیں ہیں اگر طلاق کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے کہ جس کا علم کسی کے ساتھ خاص نہیں مثلاً اگر تو فلاں کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ تو حکم یہ ہے کہ عورت مدعی ہے اور مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہیں ورنہ مدعیٰ علیہ (شوہر) کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کی جائے گی لیکن اگر طلاق کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا کہ جو عورت کے ساتھ خاص ہو مثلاً اگر

تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے" تو حکم یہ ہے کہ استحساناً عورت کا قول معتبر ہوگا کہ وجود شرط کا علم صرف اسی کی جانب سے ہوسکتا ہے ورنہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ شوہر کی بات قسم سے مانی جاتی۔ اگر ساتھ دوسری بیوی کا بھی نام لیا تو اس کو طلاق واقع نہ ہوگی کہ غیر کے حق میں اس کا قول معتبر نہیں اور خون نظر آنے سے مراد تین دن کامل ہیں اسی حیضۃ سے مراد حیض سے پاکی ہوگی۔

وَطَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا أَوْ عَبْدًا وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثَلَاثًا وَقَعْنَ عَلَيْهَا فَإِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْأُوْلٰى وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ وَإِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ وَإِنْ قَالَ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ أَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ

"اور لونڈی کے لیے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے تین طلاقیں دیں تو وہ واقع ہو جائیں گی اور اگر طلاق دینے میں تفریق کی تو پہلی طلاق سے بائن ہو جائے گی دوسری اور تیسری واقع نہ ہوگی اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ایک طلاق ہے اور ایک تو اس عورت پر ایک واقع ہوگی اور اگر کہا ایک طلاق ہے ایک سے پہلے تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر کہا ایک ہے اس سے پہلے بھی ایک ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر کہا کہ ایک طلاق ہے ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ یا اس کے ساتھ ایک ہے تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

طلاق کی تدریج میں مرد اور تحدید میں عورت کا اعتبار:

قولہ: وطلاق الامة الخ: اسلام نے لونڈی کے لیے دو طلاقیں اور عدت دو حیض مقرر فرمائے جب کہ آزاد عورت کے لیے تین طلاقیں اور عدت تین حیض مقرر فرمائے آزاد عورت کے حق میں تدریجاً تین طلاقیں مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کا اختیار ہے لیکن تیسری طلاق کے بعد بغیر حلالہ شرعی کے پہلے شوہر کے پاس نہیں آسکتی۔ شوہر کو تیسری طلاق سے قبل سوچ و بچار کا موقع مل جاتا ہے تاکہ بعد میں کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور اپنا مذہب چھوڑ کر غیر مقلدیت کے دامن میں پناہ لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ جب کہ تحدید میں عورت کی رعایت کی گئی تاکہ عورت کو ضرر سے بچایا جاسکے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں طلاق کی تحدید (تعداد) نہ تھی کہ طلاق دیتے رجوع کرتے رہتے تھے لیکن اسلام نے عورت کی گلوخلاصی کے لیے تین کی تحدید فرمائی۔ لہٰذا احناف کے نزدیک چونکہ طلاق کی تحدید میں عورت کی رعایت ہے لہٰذا اگر عورت آزاد ہے تو تین طلاق کا محل ہے چاہے شوہر آزاد ہے یا غلام اور لونڈی کا محل ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق میں مرد کا اعتبار ہے اس لیے اگر شوہر آزاد ہے تو تین چاہے عورت آزاد ہے یا لونڈی اگر شوہر غلام ہے تو دو کا چاہے عورت آزاد ہے غلام۔

غیر مدخولہ کو کئی طلاقیں:

قولہ: واذا طلق الرجل الخ: اگر کسی غیر مدخولہ کو طلاقیں جمع کرنے کے ساتھ دی جائیں تو کیا حکم ہے؟ اس کی امام قدوری نے آٹھ صورتیں بیان کی ہیں۔ لیکن غیر مدخولہ کی طلاق کے متعلق یہ اصول پیش نظر رہے "غیر مدخولہ کے لیے ہر طلاق، طلاق بائن ہوتی ہے خواہ

صریح لفظ سے ہو یا کنایہ سے"۔ ۱۔اگر تینوں کو اکٹھا کیا مثلاً تجھے تین طلاقیں ہیں، تو تینوں ہی واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ اصول ہے کہ "جب وصف عدد کے ساتھ ذکر کیا جائے تو طلاق عدد سے واقع ہوتی ہے" کیونکہ "انت طالق ثلاثا" میں ثلاثا سے قبل طلاقا مصدر محذوف ہے جو ثلاثا کی صفت ہے لہٰذا ایک وقت دی گئی تین ہی واقع ہوں گی۔ ۲۔اگر الگ الگ تین دیں تو پہلی کے واقع ہونے کے ساتھ ہی عورت بائنہ ہوگئی محل طلاق نہ رہی لہٰذا باقی دو لغو ہو جائیں گی۔ ۳۔اگر لفظ واو (اور) کے ساتھ جمع کیا گیا "انت طالق واحدۃ و واحدۃ" تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی کہ عطف سے پہلی کے ساتھ ہی بائنہ ہوگئی۔ ۴۔لفظ قبل پہلے کے ساتھ جمع کیا "انت طالق واحدۃ قبل واحدۃ" تب بھی ایک ہی واقع ہوگی وجہ نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔ ۵۔اگر قبل کے ساتھ ضمیر (ہا) کو ملایا "انت طالق واحدۃ قبلها واحدۃ" تو دو واقع ہوں گی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے کلام میں قبلها کا تعلق مابعد واحدہ سے ہوگا کہ پہلے طلاق کا وقوع ماضی میں ہو پھر حال میں ہو چونکہ یہ اصول ہے کہ "ایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال ہوتا ہے" لہٰذا دونوں طلاقیں زمانہ حال میں واقع ہو جائیں گی۔ ۶۔اگر کلمہ بعد کو لایا "انت طالق واحدۃ بعد واحدۃ" تو دو طلاقیں واقع ہوں گی کہ بعد کا ماقبل سے تعلق ہے لہٰذا گزشتہ اصول کے مطابق دونوں ہوں جائیں گی۔ ۷۔اگر بعدها لایا تو "انت طالق واحدۃ بعدها واحدۃ" تو ایک واقع ہوگی پہلی کے واقع ہونے کے ساتھ ہی بائنہ ہوگی ۸۔مع کے ساتھ چاہے ضمیر ہو یا نہ ہو "انت طالق واحدہ مع واحدہ یا معها واحدۃ" دو واقع ہو جائیں گی کیونکہ "مع" "اقتران واتصال کے لیے آتا ہے۔

وَاِنْ قَالَ بِهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةٌ وَّوَاحِدَةٌ فَدَخَلَتِ الدَّارِ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِيْ كُلِّ الْبِلَادِ وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ بِمَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ وَاِنْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ غَدًا وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ

"اور اگر کسی نے غیر مدخولہ سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے ایک طلاق ہے اور ایک پھر وہ گھر میں داخل ہوگئی تو امام اعظم کے نزدیک ایک واقع ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ دو واقع ہوں گی اور اگر کہا کہ تجھ کو طلاق ہے مکہ مکرمہ میں تو یہ فی الحال تمام شہروں میں واقع ہو جائے گی اور اسی طرح اگر کہا کہ تو طلاق والی ہے گھر میں۔ اگر اس عورت سے کہا کہ اگر تو مکہ میں داخل ہوگئی تو طلاق ہے تو طلاق واقع نہ ہوئی یہاں تک کہ مکہ میں داخل ہو جائے اور اگر اس عورت سے کہا کہ تجھے کل طلاق ہے تو اس پر فجر ثانی کے ساتھ واقع ہو جائے گی"۔

غیر مدخولہ کو دو طلاقیں معلق بالشرط:

قوله: وان قال الخ: اگر شوہر نے غیر مدخولہ کی دو طلاقوں کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا تو شرط دو حال سے خالی نہیں کہ مقدم ہے یا موخر اگر مقدم ہے "ان دخلت الدار فانت طالق واحدۃ و واحدۃ" تو امام اعظم کے نزدیک ایک واقع ہوگی اگر شرط موخر ہے "انت طالق واحدۃ وواحدۃ ان دخلت الدار" تو دو واقع ہوں گی جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں واقع ہو جائیں گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے: ''الواو للجمع المطلق'' کہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے لہٰذا دونوں طلاقیں واقع ہوں گی (قولهما ارجح فی فتح القدير، رد المحتار، البحر الرائق)

زمان یا مکان کے ساتھ تعلیق طلاق:

قوله: وان قال الخ: اگر کسی شخص نے بیوی کی طلاق کو کسی زمان یا مکان کے ساتھ معلق کیا تو شرط کے وجود کے ساتھ طلاق ہوگی پہلے نہ ہوگی مثلاً کہا اگر تو مکہ میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے لیکن اگر طلاق کو کسی کے ساتھ معلق نہیں کیا تو مطلقاً واقع ہوجائے گی کسی زمان اور مکان کے ساتھ خاص نہ ہوگی مثلاً تجھے مکہ میں طلاق ہے۔

اگر زمان کے ساتھ معلق کیا ہو مثلاً ''انت طالق غدا'' تجھے کل طلاق ہے تو فجر ثانی کے آنے کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ طلاق کو تمام غد کی طرف منسوب کیا ہے لہٰذا جزاول کے ساتھ ہی واقع ہوجائے گی۔

وَإِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ اخْتَارِي نَفْسَكِ يَنْوِي بِذٰلِكَ الطَّلَاقَ أَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا ذٰلِكَ فَإِنْ قَامَتْ مِنْهُ أَوْ أَخَذَتْ فِي عَمَلٍ آخَرَ خَرَجَ الْأَمْرُ مِنْ يَدِهَا فَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِي قَوْلِهِ اخْتَارِي نَفْسَكِ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَلَا يَكُونُ ثَلَاثًا وَإِنْ نَوَى الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِي كَلَامِهِ أَوْ كَلَامِهَا مَا دَامَتْ فِي مَجْلِسِهَا فَإِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا فِي قَوْلِهِ طَلِّقِي نَفْسَكِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ فَإِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَقَدْ أَرَادَ الزَّوْجُ ذٰلِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا وَإِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِي نَفْسَكِ مَتَى شِئْتِ فَلَهَا أَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَإِنْ قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقِ امْرَأَتِي فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهُ وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ وَإِنْ قَالَ طَلِّقْهَا إِنْ شِئْتَ فَلَهُ أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي الْمَجْلِسِ خَاصَّةً

''اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو اختیار کر لے وہ شخص اس سے طلاق کی نیت کرتا ہے یا اس عورت سے کہا کہ خود کو طلاق دے دے تو اس عورت کو اختیار ہے کہ خود کو طلاق دے دے جب تک وہ اسی مجلس میں ہے اب اگر مجلس سے کھڑی ہوگئی یا دوسرا کام شروع کر دیا تو اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا اب اگر عورت اپنے آپ کو اختیار کرے تو اس کے قول اختاری نفسك سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور تین نہ ہوں گی اگرچہ شوہر تین کی نیت کرے مرد یا عورت کے کلام میں لفظ نفس کا ذکر ضروری ہے اور اگر عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی اور شوہر نے بھی نیت کر لی تو اس عورت پر تینوں طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر اس عورت نے کہا تو اپنے آپ کو طلاق دے جس وقت چاہے تو عورت کو اختیار ہے کہ خود کو مجلس میں طلاق دے اور مجلس کے بعد بھی اور اگر کسی مرد سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دے دو تو اس کو اختیار ہے کہ عورت کو مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد اور اگر کسی سے کہا تو اس کو طلاق دے دے اگر تو چاہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو صرف مجلس میں طلاق دے۔''

تفویض طلاق کی تحقیق:

قولہ: وان قال لا مرتہ الخ: شریعت مطہرہ میں طلاق کا اختیار عورت کی حفاظت وکفالت کی وجہ سے مرد کو حاصل ہے لیکن مرد اپنے اختیار میں دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے اس کے نیابت کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ تفویض ۲۔ وکالت ۳۔ رسالت۔ تفویض کا لغوی معنی سپرد کرنا، حوالے کرنا ہے جب کہ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ "بیوی یا کسی دوسرے کو حق طلاق سپرد کرنا" "تفویض طلاق" کہا جاتا ہے۔" اس کو تملیک طلاق بھی کہا جاتا ہے اور ایک توکیل طلاق بھی ہے اس کی وضاحت اس کے بعد کریں گے۔

تفویض طلاق کا مسئلہ:

مسلم خاندانی قوانین کے آرڈیننس مجریہ ۱۹۶۱ء کے تحت "نکاح نامہ" کی شق نمبر ۱۸ میں ہے "آیا شوہر نے طلاق کا حق بیوی کو تفویض کر دیا ہے اگر کر دیا ہے تو کون سی شرائط کے تحت؟" تفویض طلاق کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں ایک کہ جس میں کسی شرط کا ذکر نہ (غیر معلق بالشرط) ہو اس کو تفویض مرسل اور تفویض منجز بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً شوہر نے بیوی سے طلاق کی نیت سے کہا "اختاری نفسك" یا اسے "طلقی نفسك" کہا کہ ان میں نہ وقت کی قید ہے اور نہ ہی شرط کا ذکر ہے تو حکم یہ ہے کہ یہ اختیار پہلی مجلس میں یا جس مجلس میں تفویض کا علم ہوا کہ مجھے طلاق کا مالک بنایا گیا اسی تک محدود ہے اگر حق اسی مجلس میں استعمال کر لیا تو طلاق ہو جائے گی لیکن اگر مجلس برخاست ہو گئی یا کسی اور کام میں مشغولیت پائی گئی تو اختیار ختم ہو جائے گا لیکن توکیل کا مسئلہ اس کے برعکس ہے وضاحت آگے آ رہی ہے۔ اختاری نفسك کی صورت میں عورت کا "اخترت نفسی" کہنے پر ایک طلاق بائن واقع ہو گی کیونکہ طلاقِ رجعی میں شوہر عورت کی مرضی کے بغیر بھی رجوع کر سکتا ہے جب کہ عورت نے پسند عدمِ رجوع کو کیا ہے۔ اور اختیار کے ساتھ "نفس" کا لفظ ہونا دونوں میں سے کسی ایک کلام میں ضروری ہے تاکہ ذات عورت کو ترجیح ہو اور اگر عورت نے تین واقع کیں تو ایک ہی واقع ہو گی اگرچہ شوہر نے تین کی نیت کی ہو تب بھی کیونکہ اختیار خلاصی کی خبر دیتا ہے جو جزئی (ایک طلاق) اور سختی (تین طلاقوں) کی طرف تقسیم نہیں ہوتا (اللباب) بخلاف بینونہ کے کہ اس میں تین کی نیت کی تین واقع ہو جاتی ہیں اختیار اور دیگر الفاظ کنایہ میں فرق واضح ہے۔ اور طلقی نفسك کے جواب میں ایک طلاق رجعی ہو گی کیونکہ طلقی لفظ صریح ہے اگر تین واقع کیں تو واقع ہو جائیں گی بشرطیکہ شوہر نے بھی تین کی نیت کی ہو۔ تفویض کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شرط سے مشروط ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں کہ وقت کا ذکر ہو گا یا نہیں؟ اگر وقت کا ذکر ہو گا تو پھر دو حال سے نہیں کہ دائمی وقت کا ذکر ہو گا یا بعض کا اگر دائمی وقت کا ذکر ہو مثلاً "طلقی نفسك متی شئت" کہ اپنے آپ کو طلاق دے جب چاہے تو حکم یہ ہے کہ کل وقت طلاق کا اختیار حاصل رہے گا مجلس تفویض کے ساتھ خاص نہیں اگر وقت محدود کے ساتھ مشروط ہے تو اسی میں اختیار رہے گا اگر شرط کا تو ذکر ہے مگر وقت کا ذکر نہیں مثلاً تو اپنے آپ کو طلاق دے جب تو تنگ آ جائے" تو حکم یہ ہے کہ پہلی مجلس کہ جس میں تنگی ظاہر ہو اس میں طلاق کا اختیار ہے اس کے بعد اختیار نہیں کیونکہ معلق بالشرط وجود شرط کے وقت مرسل (غیر معلق تفویض) کے حکم میں ہوتی ہے۔

تفویض کے متعلق خلاصہ بحث:

یہ ہے کہ تفویض مرسل اور تفویض معلق بالشرط جو مطلق الوقت (غیر معین وقت) ہو اس میں اختیار مجلس کے ساتھ خاص ہے جب کہ تفویض معلق بالشرط کہ جس میں کل وقت یا محدود وقت کا ذکر ہو تو کل وقت کی صورت میں کل وقت اور محدود وقت کی صورت میں محدود وقت تک اختیار رہے گا۔ نکاح فارم پر تفویض کی عبارت کب لکھی جائے؟ تفویض طلاق کے الفاظ ایجاب وقبول کے بعد

ہونا ضروری ہیں لہٰذا ایجاب وقبول کے بعد نکاح فارم پر تفویض کی عبارت لکھی جائے اور شوہر سے کہلوائے جائیں یا اسے پڑھ کر سنائے جائیں اور وہ تسلیم کرے۔ اب اس اختیار کو شوہر اور کوئی عدالت بھی ختم نہیں کرسکتی کیونکہ تعلیق یمین کا حکم رکھتی ہے جس کو باطل کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔

توکیل طلاق:

قولہ: واذا قال الخ: اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے کسی کو وکیل بنایا اور کہا ''طلق امرأتی'' تو میری بیوی کو طلاق دے تو وکیل کو طلاق دینے کا اختیار مجلس تک محدود نہ رہے گا مگر بعد میں بھی دے سکتا ہے۔

تفویض اور توکیل میں فرق:

ان کے درمیان چند وجوہ سے فرق ہے۔ ۱۔ تفویض میں طلاق کا مالک بنایا جاتا ہے جب کہ توکیل میں طلاق دینے کا حکم جاتا ہے۔ ۲۔ تفویض میں رجوع اور عزلت جائز نہیں جبکہ توکیل میں دونوں جائز ہیں ۳۔ تفویض کا حکم بقاء مجلس تک رہتا ہے جب کہ توکیل میں حکم عام ہے۔ ۴۔ تفویض میں دوسرے کی قبولیت شرط نہیں جب کہ توکیل میں اس کی تمامیت کے لیے قبول وکیل شرط ہے۔

دوسرے کی مشیت پر تعلیق:

قولہ: وان قال الخ: اگر شوہر نے کسی کو کہا ''طلقها إن شئت'' اگر تم چاہو تو میری بیوی کو طلاق دے دو تو طلاق دینے کا اختیار صرف مجلس کے اختتام تک رہے گا بعد میں نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شئت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو ابھی طلاق دے دیں یہ تفویض طلاق ہے۔ نیابت کی تیسری صورت رسالت ہے کہ جس کے معنی پیغام کے ہیں کہ اس میں قاصد صرف شوہر کا کلام نقل کرتا ہے کہ تیرا شوہر تجھ کو طلاق دے رہا ہے جب کہ تفویض وتوکیل میں انشاء طلاق ہوتی ہے۔

وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ كُنْتِ تُحِبِّيْنِيْ اَوْ تُبْغِضِيْنِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ اَنَا اُحِبُّكَ اَوْ اَبْغَضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهَا بِخِلَافِ مَا اَظْهَرَتْ وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهٖ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْ مِنْهُ وَاِنْ مَاتَ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ عِدَّتِهَا فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا وَاِذَا قَالَ لِامْرَاَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِلَّا وَاحِدَةً طُلِّقَتْ اثْنَتَيْنِ وَاِنْ قَالَ ثَلَاثًا اِلَّا اثْنَتَيْنِ طُلِّقَتْ وَاحِدَةً وَاِنْ قَالَ ثَلٰثًا اِلَّا ثَلٰثًا يَقَعُ ثَلٰثًا وَاِذَا مَلَكَ الزَّوْجُ امْرَاَتَهٗ اَوْ شِقْصًا مِنْهَا اَوْ مَلَكَتْ امْرَاَةٌ زَوْجَهَا اَوْ شِقْصًا مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا

''اور اگر بیوی سے کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو طلاق والی ہے تو بیوی نے کہا میں محبت رکھتی ہوں یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اس کے دل میں اس کے خلاف ہو جو اس نے ظاہر کیا ہے اگر کسی نے بیوی کو مرض الموت میں طلاق بائن دی پھر وہ فوت ہو گیا اور عورت ابھی عدت میں تھی تو عورت اس کی وارث ہوگی اور اگر وہ شخص عورت کی عدت مکمل ہونے کے بعد فوت ہوا تو عورت کو میراث نہیں ملے گی اور اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا تو طلاق والی ہے اگر اللہ چاہے، متصلاً کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے عورت سے کہا تو تین طلاق والی ہے مگر ایک تو دو طلاق واقع ہو گئیں اور

اگر کہا تین مگر دو تو ایک واقع ہوگی اور اگر کہا تین مگر تین تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور اگر شوہر اپنی بیوی کا مالک بن جائے یا اس کے کچھ حصے کا یا عورت اپنے شوہر کی یا اس کے کچھ حصے کی تو ان دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی"۔

دل کے فعل کے ساتھ تعلیق:

قولہ:وان قال الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا اگر تو مجھ سے محبت کرتی ہے یا کہا اگر تو مجھ سے بغض رکھتی ہے تو طلاق ہے اور جواب میں بیوی کہے کہ میں تجھ سے محبت رکھتی ہوں یا یہ کہے کہ تجھ سے بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ عورت نے جھوٹ بولا ہو کیونکہ دل کے میلان پر مطلع ہونا مشکل ہے لہٰذا عورت کی زبان کا لحاظ کیا جائے گا جب کہ امام محمد کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی۔

مرض الموت میں طلاق:

قولہ:وان طلق الخ: اگر شوہر نے مرض الموت میں بیوی کو طلاق بائن دی تو شوہر کی فوتگی دو حال سے خالی نہیں کہ عورت کی عدت میں ہوئی یا عدت کے بعد بصورت اول (عدت میں) عورت میراث کا حق پائے گی بصورت ثانی (عدت کے بعد) میراث کا حق نہیں پائے گی جب کہ امام شافعی کے نزدیک طلاق بائن والی عدت میں بھی میراث کی حقدار نہیں رہتی۔ باقی میراث کی تفصیل کتاب کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

طلاق کی تعلیق مشیت باری تعالیٰ پر:

قولہ:واذا قال لامراتہ الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا "تجھے طلاق ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا" اگر شوہر نے اس جملے "اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا" کو طلاق کے ساتھ ملا کر استعمال کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ تعلیق بیان تغییر ہے اور بیان تغیر متصلاً تو درست ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک طلاق ہی باطل ہے اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق ہو جائے گی جیسا کہ طرفین کا مذہب ہے۔ لیکن اگر طلاق اور تعلیق کے درمیان فاصلہ کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی کہ فاصلہ کی وجہ سے بیان تغیر نہ بنا۔

تعلیق میں استثنا:

قولہ:وان قال الخ: اگر شوہر بیوی کو ایک سے زائد طلاقیں دیتا ہے اور ساتھ کچھ استثنا کا بھی ذکر کرتا ہے لہٰذا اگر تین میں سے ایک نکالی تو دو اگر تین میں سے دو نکالیں تو ایک واقع ہوگی کیونکہ احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ "استثنا کے بعد جو مقدار بچتی ہے اسی کا اعتبار ہوتا ہے" لیکن اگر تین میں سے تین کو نکالا تو استثنا درست نہ ہوگا تینوں ہی واقع ہو جائیں گی کیونکہ کل کا کل سے استثنا نسخ کے درجہ میں ہے جب کہ نسخ کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ "صاحب شریعت" کے علاوہ بندوں کو نسخ کا اختیار نہیں"۔ اس استثناء کی بحث کو اہل اصول کی اصطلاح میں "بیان تبدیل" اور بعض کے نزدیک بیان تغییر کہا جاتا ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کا ملک میں آنا:

قولہ:واذا ملک الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی ملک میں آ گئے تو نکاح باطل ہو جاتا ہے کیونکہ زوجین کے حقوق میں برابری ہوتی ہے جب کہ مالک اور مملوک میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔

باب الرجعة

سیاق وسباق:
اس سے قبل طلاق کے احکام کو بیان کیا جو اصل ہے اب رجعت کو بیان کر رہے ہیں جو وضع کے اعتبار سے موخر ہے تاکہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔

رجعت کا لغوی معنی:
رجعت کی را پر کسرہ (رِجعت) اور فتحہ (رَجعت) دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اس کا معنی لوٹنا، واپس ہونا۔

اصطلاحی معنی:
"اِسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ الْقَائِمِ" (بدائع الصنائع البقرہ:۱۲۹) پہلے سے قائم نکاح کو برقرار رکھنے کا نام ہے۔

رجعت کا ثبوت:
قرآن مجید (الطلاق مرتان فامساك بمعروف الخ)، حدیث رسول (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رجوع کا حکم فرمایا تھا) اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے۔

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ تَطْلِيقَةً رَجْعِيَّةً اَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهٗ اَنْ يُّرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ اَوْ لَمْ تَرْضَ وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَّقُوْلَ رَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ امْرَاَتِيْ اَوْ يَطَاَهَا اَوْ يُقَبِّلَهَا اَوْ يَلْمِسَهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرَ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُّشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وَاِذَا لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ.

"اور جب مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دے دی تو شوہر کے لیے حق ہے کہ عورت سے اس کی عدت کے اندر رجوع کرے اس پر عورت راضی ہو یا نہ ہو اور رجوع کرنا یہ ہے کہ مرد یوں کہے کہ میں نے تجھ سے رجوع کر لیا یا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے یا اس سے وطی کرے یا اس کو بوسہ دے یا اسے شہوت کے ساتھ چھوئے یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھے اور یہ مستحب ہے کہ رجوع کرنے پر دو گواہ بنا لے اور اگر گواہ نہ بنائے تو تب بھی رجوع صحیح ہے۔"

رجوع کا حکم:
قولہ: واذا طلق الخ: رجوع طلاق کی تین اقسام (رجعی، بائن، مغلظہ) میں سے فقط طلاق رجعی میں اس وقت تک جائز ہے کہ جب تک بیوی عدت میں ہو اس میں ازدواجی تعلقات قائم کرنے کے لیے رجعت کافی ہے اسی وجہ سے صریح طلاق چاہے ایک دی ہو یا دو اس کو "طلاق رجعی" کہا جاتا ہے۔

رجوع کا طریقہ کار:

قوله:فله ان يراجعها الخ: رجوع کرنے کے دو طریقے ہیں ا۔رجوع قولی ۲۔رجوع فعلی۔ان دونوں طریقوں میں سے رجوع قولی بہتر طریقہ ہے کہ عورت کو خطاب کر کے یا بغیر خطاب کے کہے کہ میں نے تم کو لوٹا لیا یا میں نے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا اس طریقہ کار کو فقہاء نے ''رجعت سنی'' کا نام دیا ہے جس طرح صریح کلمات کے ساتھ رجوع جائز ہے اسی طرح الفاظ کنایہ سے مثلاً تو میرے نزدیک ویسے ہی ہے جیسے پہلے تھی رجوع ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ رجوع کی نیت کی ہو ورنہ نہیں۔رجوع فعلی یہ ہے کہ مرد ایسا کام کرے جو بیوی ہی کے ساتھ ہو سکتا ہو مثلاً صحبت،شہوت کے ساتھ بوسہ اور چھونا اور شہوت کے ساتھ فرج داخل کو دیکھنا اور اگر عورت کی طرف سے ایسے افعال کی تحریک ہوئی اور شوہر میں بھی شہوت جاگ اٹھی تو بھی رجوع ثابت ہو جائے گا لہٰذا حاصل کلام یہ کہ صحبت کے بغیر جتنے بھی امور ہیں ان میں شہوت شرط ہے شرط کی عدم موجودگی میں رجعت ثابت نہ ہوگی اور رجوع میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں اور گواہ بنانا مستحب ہے اگر نہ بنائے جائیں تب بھی رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔اگر زبان سے رجعت نہ ہو اور نہ ہی گواہ ہوں یا گواہوں کو تو خبر ہو مگر بیوی کو خبر نہ ہو تو اس طریقہ کار کو فقہاء ''رجعت بدعی'' کا نام دیتے ہیں کہ یہ طریقہ بہتر نہیں۔

وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ وَإِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ

''اور جب عدت گزر گئی پھر شوہر نے کہا کہ میں نے اس سے عدت میں رجوع کر لیا تھا عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو رجعت ہوگئی اور اگر عورت نے شوہر کے قول کی تکذیب کر دی تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس عورت پر قسم لازم نہ ہوگی امام اعظم کے نزدیک اور اگر شوہر نے کہا کہ میں نے تم سے رجوع کر لیا تھا تو عورت نے شوہر کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت گزر چکی تھی تو امام اعظم کے نزدیک رجوع صحیح نہ ہوگا''۔

زوجین کا رجوع میں اختلاف:

قوله:واذا انقضت الخ: زوجین کے درمیان رجوع کے متعلق دو صورتوں میں اختلاف ہو سکتا ہے ایک یہ کہ عورت کی عدت مکمل ہونے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اگر عورت تصدیق کر دے تو رجوع ثابت ہو جائے گا اگر انکار کر دے تو امام اعظم کے نزدیک عورت کا قول بغیر قسم کے معتبر ہوگا یہ مسئلہ ان آٹھ مسائل میں سے ایک ہے کہ جن میں امام اعظم کے نزدیک قسم واجب نہیں جب کہ جمہور کے نزدیک عورت کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اس کی وضاحت کتاب الدعویٰ میں آئے گی۔دوسری صورت یہ ہے کہ شوہر کہے کہ میں نے تجھ سے عدت میں رجوع کر لیا تھا تو عورت فوراً جواب دیتی ہے کہ میری عدت تو گزر چکی تھی تو ایسی صورت میں امام اعظم کے نزدیک رجوع درست نہیں جب کہ صاحبین،امام

شافعی اور امام احمد کے نزدیک رجوع درست ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ جب یہ مسلمہ اصول ہے کہ ''عدت کے ختم ہونے کے بعد رجعت ثابت نہیں ہوتی'' تو رجوع درست نہ ہوگا (الصحیح قول ابی حنیفه الهندیه، اللباب الترجیح والتصحیح)

وَإِذَا قَالَ زَوْجُ الْأَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فَصَدَّقَهُ الْمَوْلَى وَكَذَّبَتْهُ الْأَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَإِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ أَيَّامٍ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَإِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَإِنِ انْقَطَعَ لِأَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ أَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتَّى تَغْتَسِلَ أَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ الصَّلَاةِ أَوْ تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِذَا تَيَمَّمَتْ انْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَإِنْ لَمْ تُصَلِّ فَإِنِ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَإِنْ كَانَ عُضْوًا كَامِلًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ انْقَطَعَتْ وَ الْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتَّى يُؤْذِنَهَا أَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ، وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْءَ وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُونَ الثَّلَاثِ فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا وَبَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا

''اور جب لونڈی سے شوہر نے لونڈی کی عدت ختم ہونے کے بعد کہا کہ میں اس سے رجوع کر چکا ہوں اس پر آقا نے تصدیق کر دی اور لونڈی نے تکذیب کر دی تو لونڈی کا قول امام اعظم کے نزدیک معتبر ہوگا اور اگر تیسرے حیض کا خون دس دن پر ختم ہو جائے تو رجوع نہیں ہوگا اگر چہ غسل نہ کرے اور اگر دس دن سے کم پر خون ختم ہو تو رجوع ختم نہ ہوگا یہاں تک کہ عورت غسل کر لے یا اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے یا وہ تیمم کر لے اور نماز پڑھ لے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ جب وہ تیمم کر لے تو رجعت ختم ہو جائے گی اگر چہ نماز نہ پڑھے اور اگر عورت نے غسل کیا اور بدن سے کوئی حصہ بھول گئی کہ جس پر پانی نہ بہا ہو تو اگر ایک کامل عضو ہو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت ختم نہ ہوگی اور اگر عضو سے کم ہو تو رجعت ختم ہوگئی اور مطلقہ رجعیہ بناؤ سنگار اور زینت اختیار کر لے اور اس کے شوہر کے لیے مستحب ہے کہ اس کے پاس داخل نہ ہو یہاں تک کہ اس کو اطلاع کر دے اور اپنے جوتوں کی آہٹ سنا دے اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی اور اگر تین سے کم طلاق بائن دی تو اس کو اختیار ہے کہ عدت یا عدت کے بعد اس عورت سے نکاح کر لے''۔

لونڈی سے رجعت میں اختلاف:

قولہ: واذا قال الخ: اگر لونڈی کا شوہر لونڈی کی عدت گزر جانے کے بعد کہے کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا اگر لونڈی تصدیق کرے تو رجوع ثابت ہو جائے گا ورنہ ثابت نہیں اور آقا کی تصدیق وتکذیب کا کوئی اعتبار نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہے۔ مفتی بہ قول امام اعظم کا ہے کہ رجعت عدت پر موقوف، عدت بیوی کے قول پر موقوف ہے لہٰذا رجعت

بیوی کے قول پر موقوف ہے۔

رجوع کے ساقط ہونے کا وقت:

قولہ: واذا انقطع الخ: شوہر کے رجوع کا حق اس وقت ختم ہو جاتا ہے کہ جب عدت ختم ہو جائے اگر معتدہ حیض والی ہے تو اس کے حیض کے ساتھ عدت کے مکمل ہونے کی دو صورتیں ہیں کہ تیسرا حیض دس دن پر مکمل ہوا تو تیسرا حیض ختم ہوتے ہی عدت ختم اور اگر حیض کا عرصہ دس دن سے کم میں ختم ہوا تو عدت کے ختم ہونے کے لیے تین امور میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔ ۱۔ عورت غسل کر لے ۲۔ حیض کے ختم ہونے کے بعد عورت پر ایک فرض نماز کا کامل وقت گزر جائے ۳۔ شیخین کے نزدیک پانی نہ ملنے کی صورت میں عورت تیمم کر کے نماز ادا کر لے جب کہ امام محمد کے نزدیک تنہا تیمم کرنے سے بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک جب تیمم طہارت مطلقہ ہے اور تیمم غسل کے قائم مقام بھی ہے جب غسل سے عدت ختم ہو جاتی ہے تو صرف تیمم کرنے کے ساتھ بھی عدت ختم ہو جائے گی۔ (قول محمد فی الرجعة احسن من قولهما فتح القدير، شامی)

غسل ناقص کی صورت میں رجوع:

قولہ: وان اغتسلت الخ: اگر عورت نے دس دن سے پہلے حیض ختم ہونے پر غسل کر لیا پھر معلوم ہوا کہ بدن کا کچھ حصہ خشک تھا اگر وہ حصہ عضو کامل یا زیادہ ہے تو رجوع کا حق باقی ہے اگر عضو کامل سے کم ہے تو رجوع کا حق ختم ہو گیا لہٰذا یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ "غسل مکمل کر لیا تو رجعت کا وقت ختم اگر غسل مکمل نہیں کیا تو رجعت کا وقت باقی ہے"۔

طلاق رجعی کی عدت میں امور:

قولہ: والمطلقة الخ: مطلقہ رجعیہ کا نکاح چونکہ قائم ہے اگر رجوع کی امید ہو تو عورت کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو سنوار کر رکھے تاکہ شوہر اس کی طرف رجوع کرے اور ازدواجی زندگی کا نظام بحال ہو جائے اگر رجوع کی امید نہ ہو تو بناؤ سنگار نہ کرے۔ چونکہ مطلقہ رجعیہ شوہر کے گھر میں عدت گزار رہی ہے لہٰذا جب رجوع کے بغیر گھر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو پہلے اس کو اطلاع کرے تاکہ اپنے آپ کو ستر میں کر لے لیکن اگر رجوع کی غرض سے جا رہا ہو تو بغیر اطلاع کے بھی جا سکتا ہے۔ اگر طلاق بائن یا مغلظہ والی عورت ہے تو بناؤ سنگار نہ کرنے کا حکم ہے اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی لیکن جیسے ہی وطی کرے گا تو رجوع ثابت ہو جائے گا۔

مطلقہ بائنہ سے نکاح:

قولہ: وان كان الخ: اگر شوہر نے تین سے کم طلاق بائن دیں تو دونوں کی رضامندی سے دوران عدت اور عدت کے بعد

دونوں صورتوں میں نکاح درست ہے اور مہر بھی نیا ہوگا۔

وَإِذَا كَانَ الطَّلَاقُ ثَلَاثًا فِي الْحُرَّةِ أَوِ اثْنَتَيْنِ فِي الْأَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ نِكَاحًا صَحِيحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا أَوْ يَمُوتَ عَنْهَا وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيلِ كَالْبَالِغِ وَوَطْءُ الْمَوْلٰى أَمَتَهُ لَا يُحِلُّهَا لَهُ وَإِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوهٌ فَإِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْئِهَا حَلَّتْ لِلْأَوَّلِ وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ الْحُرَّةَ تَطْلِيقَةً أَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا آخَرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ إِلَى الْأَوَّلِ عَادَتْ بِثَلَاثِ تَطْلِيقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِي مَا دُوْنَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثلث عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوْسُف رحمهما الله وَقَالَ مُحمد رحمه الله لا يهدم الزوج الثانی مادون الثلث

"اور اگر آزاد عورت کو تین طلاقیں اور لونڈی کو دو طلاقیں ہو جائیں تو یہ عورت خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ کسی اور خاوند سے نکاح صحیح کرلے اور وہ اس سے وطی کرلے پھر اس کو طلاق دے دے یا وہ اس کو چھوڑ کر فوت ہو جائے، بالغ ہونے کے قریب لڑکے کا حلالہ بالغ کی طرح ہے اور جب عورت سے حلالہ کی شرط سے نکاح کیا تو نکاح مکروہ ہے پس اگر اس سے وطی کے بعد طلاق دے دے تو پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی اور جب مرد نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں دے دیں اور اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا پھر شوہر نے اس سے دخول کرلیا پھر وہ شوہر اول کے پاس آئی تو تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی اور دوسرا شوہر تین سے کم طلاقوں کو ختم کر دیتا ہے جیسا کہ تین کو ختم کر دیتا ہے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ دوسرا شوہر تین سے کم کو ختم نہیں کرتا"۔

تین طلاقیں اور حلالہ کی شرعی حیثیت:

قوله: وان كان الطلاق الخ: اگر آزاد عورت کو تین طلاقیں یا لونڈی کو دو طلاقیں دے دی جائیں تو وہ عورت شوہر پر اس وقت تک حلال نہ ہوگی کہ جب تک دوسرے شوہر سے نکاح صحیح کے بعد جماع نہ کرالے اس پر دلیل قرآن پاک کی آیت ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ط (البقرہ: ۲۳۰) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ صرف دوسرے شوہر کے ساتھ فقط نکاح کرنے کے ساتھ پہلے شوہر پر حلال ہو جائے چونکہ حدیث رسول ﷺ قرآن مجید کی تفسیر ہوتی ہے اور حدیث میں حلالہ شرعیہ کے لیے دوسرے شوہر کا وطی کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے اور واقعہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی کا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دے دیں پھر عدت کے بعد حضرت عبدالرحمن بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کرلیا پھر ان کے متعلق بیوی نے کہا کہ نامرد ہیں میں رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہوں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ "یہاں تک کہ تم اس کا ذائقہ اور وہ تمہارا ذائقہ چکھ لے" یہ صحاح ستہ کی حدیث ہے اور حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کے مطلق پر زیادتی جائز ہے اور اس حدیث کو "حدیث عُسیلہ" بھی کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طلاق مغلظہ والی بیوی شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی کہ جب تک اولاً اس کی عدت نہ گزر جائے۔

ثانیاً عدت کے بعد کسی دوسرے سے مستقل شرعی نکاح نہ کرلے۔ ثالثاً پھر شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے۔ رابعاً عدت گزرنے کے بعد پھر پہلے شوہر کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے۔

مراہق کا حلالہ:

قوله: والصبی الخ: اگر لڑکا قریب البلوغ ہو طلاق مغلظہ کے بعد اس سے نکاح ہو گیا اور اس نے جماع کرلیا تو مراہق کا حلالہ معتبر ہوگا جب کہ امام مالک کے نزدیک معتبر نہیں اور مولیٰ کی وطی سے لونڈی شوہر اول پر حلال نہ ہوگی کہ مولیٰ شوہر نہیں۔

غیر شرعی حلالہ:

قوله: واذا تزوجها الخ: امام قدوری نے شرعی حلالہ میں نکاح صحیح کی قید لگائی ہے اور نکاح صحیح وہ ہوتا ہے کہ جس میں طلاق دینے کی پیشگی شرط نہ ہو لیکن اگر دوسرے شوہر سے نکاح سے پہلے یہ شرط لگائی جائے کہ دوسرا شوہر جماع کے بعد طلاق دے گا تو یہ ایک ایسی شرط ہے کہ جس سے سلیم الفطرت شخص نفرت کرتا ہے۔ اس جیسی شرط کی وجہ سے حلالہ کرانے والے اور حلالہ کرنے والے پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے نیز پیسوں کے عوض حلالہ کرنے والے کو کرائے کا سانڈ اور بکرا کہا گیا ہے۔ تو ایسا نکاح امام اعظم اور امام زفر کے نزدیک اگرچہ مکروہ تحریمی ہے مگر مفید حلت ہے۔ جب کہ آئمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک تحلیل کی شرط پر نکاح ہی فاسد ہے اور امام محمد کے نزدیک شوہر ثانی کا نکاح تو درست ہے مگر شوہر اول کے لیے حلال نہ ہوگی۔

سابقہ طلاقیں ختم:

قوله: واذا طلق الخ: اگر کسی عورت کو تین طلاقوں سے کم طلاقیں دی گئیں پھر عدت گزارنے کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اگر دوسرے جماع کے بعد از خود طلاق دے دے تو پہلا شوہر نکاح کے بعد کتنی طلاقوں کا مالک ہوگا باقی ماندہ کا یا از سر نو تین کا؟ اس میں آئمہ احناف کے درمیان اختلاف ہے کہ شیخین کے نزدیک تین کا مالک ہوگا جب کہ امام محمد اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک باقی ماندہ طلاقوں کا مالک ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر ثانی کو محلل کہا جاتا ہے کہ حلت جدیدہ کو ثابت کرنے والا لہٰذا جس طرح زوج ثانی تین طلاقوں کو کالعدم کر دیتا ہے اسی طرح بدرجہ اولیٰ تین سے کم طلاقوں کو بھی کالعدم کر دیتا ہے (هو الصحيح كذا في المضمرات "الهنديه" الترجيح والصحيح تنقيح الفتاوىٰ الحامديه)

وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَقَالَتْ قَدْ انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ وَدَخَلَ بِیْ الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِیْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ یُّصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ فِیْ غَالِبِ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ

"اور جب بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر بیوی نے کہا کہ میری عدت گزر گئی ہے پھر میں نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا اور دوسرے شوہر نے مجھ سے دخول بھی کرلیا اور طلاق دے دی اور میری عدت گزر گئی اور مدت اس کا احتمال بھی رکھتی ہو تو پہلے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی تصدیق کرے جب کہ اس کو غالب گمان ہو کہ عورت سچی ہے"۔

عورت دو عدتوں کے گزرنے کی خبر دے تو؟:

قوله:واذا طلقها الخ: اگر مدخول بہا عورت کو تین طلاقیں دیں پھر وہ ایک مدت کے بعد واپس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے دوسرے شوہر سے شادی کی اس نے وطی کی پھر مجھے طلاق دے دی اور میری عدت بھی گزر گئی ہے لہٰذا آپ مجھ سے نکاح کرلیں اگر پہلے شوہر کی طلاق اور واپس آنے کے درمیان اتنی مدت بنتی ہے تو پہلا شوہر عورت کی تصدیق کرسکتا ہے مثلاً وہ ۹۳ دنوں کے بعد واپس آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن ہے اور تین حیض کے ۹ دن ہوئے اور دو حیضوں کے درمیان ۱۵ دن طہر کے اور تین حیضوں کے درمیان دو طہر کے ۳۰ دن ہوئے لہٰذا ۳۹ دن کے بعد جو طہر آئے گا اس میں دوسرے سے نکاح کرے گی اس کے ۱۵ دن ہوئے پھر دوسرے شوہر کی طلاق کی عدت ۳۹ دن جس کے ساتھ ۱۵ دن طہر کے تو ۵۴ دن ہوئے لہٰذا ۳۹ + ۵۴ = ۹۳ دن ہوئے لہٰذا ترانوے دنوں کے بعد عورت آئے تو تصدیق کی جاسکتی ہے بشرطیکہ غالب گمان ہو کہ سچ کہتی ہے ورنہ نہیں۔

کتاب الایلاء

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے عورت کا شوہر پر حرام ہونے کے چار طریقوں (طلاق، ایلا، ظہار، لعان) میں سے طلاق کو بیان کیا کیونکہ تحریم میں طلاق اصل ہے اس کے بعد ایلا کو بیان کیا جو طلاق کے قریب ہے۔

ایلا کا لغوی معنیٰ:

یہ باب افعال کا مصدر مہموز الفا اور ناقص یائی ہے جس کا معنیٰ محض قسم (یمین) کے ہیں۔

اصطلاحی معنیٰ:

شوہر کا چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے لیے عورت سے وطی نہ کرنے کی قسم کھانا ایلا کہلاتا ہے۔

ایلا کا پس منظر اور پیش منظر:

اسلام سے قبل عہد جاہلیت میں ایلا کو ایک قانونی حیثیت حاصل تھی ایلا کے ساتھ ہی طلاق واقع ہو جاتی تھی اور وہ عورت "حرمت مؤبدہ" کے طور پر حرام ہو جاتی تھی مگر اسلام نے اس قانون کی تہذیب کی جس کی وضاحت متن میں آ رہی ہے۔

إِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِامْرَأَتِهِ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَوْ وَاللّٰهِ لَا أَقْرَبُكِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَهُوَ مُولٍ فَإِنْ وَطِئَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ حَنِثَ فِي يَمِينِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَسَقَطَ الْإِيْلَاءُ وَإِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتّٰى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيْقَةٍ وَاحِدَةٍ فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلٰى أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَقَطْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ وَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْأَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَإِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْإِيْلَاءُ فَإِنْ وَطِئَهَا وَإِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ أُخْرٰى فَإِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَ الْإِيْلَاءُ وَوَقَعَتْ عَلَيْهَا بِمُضِيِّ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ تَزَوَّجَ بَعْدَ زَوْجٍ لَمْ يَقَعْ بِذٰلِكَ الْإِيْلَاءِ طَلَاقٌ وَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَإِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ

"اور جب شوہر نے بیوی سے کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھ سے جماع نہیں کروں گا یا اللہ کی قسم میں تجھ سے چار مہینے تک جماع نہیں کروں گا تو وہ شخص ایلا کرنے والا ہوگا اب اگر شوہر نے بیوی سے چار ماہ کے اندر جماع کر لیا تو وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس کو کفارہ لازم ہو جائے گا اور ایلا ساقط ہو جائے گا اور اگر اس عورت سے جماع نہیں کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر چار مہینے کی قسم کھائی تو قسم ساقط ہو جائے گی اور اگر ہمیشہ کے لیے قسم کھائی تو قسم باقی رہے گی اب اگر اس نے لوٹ کر اس سے نکاح کر لیا تو ایلا لوٹ آئے گا پس اگر اس شوہر نے اس سے جماع کر لیا ورنہ چار مہینے گزر جانے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اب اگر اس نے عورت سے تیسری مرتبہ نکاح کر لیا تو ایلا لوٹ آئے گا اس پر چار مہینے گزرنے پر تیسری طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر پھر اس شوہر نے دوسرے شوہر کے بعد اس عورت سے نکاح کر لیا تو اس ایلا سے طلاق واقع نہ ہوگی اور قسم باقی رہے گی اور اگر اس عورت سے وطی کر لی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے گا۔

ایلا کی تعریف مع اقسام:

قولہ فاذا قال الخ: امام قدوری نے ایلا کی تعریف کے ضمن میں ایلا کی دو اقسام بیان کردیں۔ ایلا کرنے والے کو "مولی" کہا جاتا ہے۔ ایلا کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ایلاء مؤبد ۲۔ ایلاء مؤقت: ایلا مؤبد یہ ہے کہ جس میں ہمیشہ کے لیے جنسی عمل سے پرہیز کی قسم کھائی جائے کہ اللہ کی قسم میں تم سے کبھی مباشرت نہیں کروں گا اور ایلاء مؤقت یہ ہے کہ چار ماہ یا زیادہ مدت کی قسم کھائی جائے۔ ایلا کی دونوں قسموں میں احکام کے اندر فرق ہے۔

ایلاء مؤقت کا حکم:

اگر شوہر نے چار ماہ کی مدت کے اندر جماع کرلیا تو شوہر پر کفارہ یمین (قسم) لازم آئے گا اور ایلا ساقط ہوجائے گا اور اگر چار ماہ کے اندر جماع نہ کیا تو عدت گزرنے پر عورت کو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں اور یمین ساقط ہوجائے گی اس سے دوبارہ نکاح کرنے کی صورت میں ایلا نہیں تو یمین بھی نہیں۔

ایلاء مؤبد کا حکم:

اگر کسی نے ہمیشہ کی قسم کھائی کہ اللہ کی قسم میں بیوی سے کبھی بھی جماع نہیں کروں گا تو اس کے حکم کا سمجھنا دو قاعدوں پر موقوف ہے۔ ۱۔ ہمیشہ کی قسم کھانے پر جب بھی بیوی سے جماع کرے گا تو کفارہ لازم ہوگا کہ قسم باقی ہے۔ ۲۔ ایلا کا انعقاد دوسرے شوہر سے پہلے پہلے ہوگا اگر دوسرے شوہر سے ہوکر آئے تو ایلا کا انعقاد نہ ہوگا اب مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے ہمیشہ جماع نہ کرنے کی قسم کھائی اگر چار ماہ کے اندر جماع کرلیا تو ایلا ختم مگر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اگر جماع نہیں کیا تو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی پھر اس سے نکاح کیا تو ایلا بحال ہوجائے گا کیونکہ قسم ہمیشہ کی تھی اگر چار ماہ کے اندر جماع کرلیا تو ایلا ختم مگر کفارہ لازم اگر نہیں کیا تو مدت گزرنے پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی اگر پھر نکاح کرلیتا ہے تو گزشتہ ہی صورت حال پیش آئے گی کیونکہ اصول یہ ہے کہ "ایلاء مؤبد تین طلاقوں تک مؤثر رہتا ہے جب کہ ایلاء مؤقت ایک طلاق کے بعد بے اثر ہوجاتا ہے"۔ جب تین طلاقیں ہوجائیں تو دوسرے شوہر سے شرعی حلالہ کے بعد ہی پہلے کے لیے حلال ہوسکتی ہے اب حل جدید اور نکاح جدید کے ساتھ پہلے کے پاس آئے گی البتہ جب بھی صحبت کرے گا تو کفارہ یمین لازم آئے گا چونکہ ہمیشہ کی قسم باقی ہے۔

فَاِنْ حَلَفَ عَلٰی اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ صَوْمٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ وَاِنْ آلٰی مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِيًا وَاِنْ آلٰی مِنَ الْبَائِنِ لَا يَكُوْنُ مُؤْلِيًا وَمُدَّةُ اِيْلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ وَاِنْ كَانَ الْمَوْلٰی مَرِيْضًا لَا يَقْدِرُ عَلَی الْجِمَاعِ اَوْ كَانَتِ الْمَرْاَةُ مَرِيْضَةً اَوْ رَتْقَاءَ اَوْ صَغِيْرَةً لَا يُجَامَعُ مِثْلُهَا اَوْ كَانَ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا يَقْدِرُ اَنْ يَّصِلَ اِلَيْهَا فِيْ مُدَّةِ الْاِيْلَاءِ فَفَيْئُهٗ اَنْ يَّقُوْلَ بِلِسَانِهٖ فِئْتُ اِلَيْهَا فَاِذَا قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَ الْاِيْلَاءُ وَاِنْ صَحَّ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذٰلِكَ الْفَيْءُ وَصَارَ فَيْئُهُ الْجِمَاعَ

"پس اگر شوہر نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی تو ایلا کرنے والا نہ ہوگا اور اگر حج یا روزہ یا صدقہ یا آزاد کرنے یا طلاق کی قسم کھائی تو وہ ایلا کرنے والا ہوگا اور اگر مطلقہ رجعیہ سے ایلا کیا تو وہ ایلا کرنے والا ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلا کیا تو ایلا نہ ہوگا اور لونڈی

کے ایلا کی مدت دو ماہ تک ہے اور اگر ایلا کرنے والا بیمار ہو جماع پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا ایسی ہو کہ پیشاب کے راستے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو یا اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے ساتھ جماع نہ کیا جاسکتا ہو یا ان کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ مدت ایلا میں وہاں تک نہ پہنچ سکے تو اس کا ایلا سے رجوع کرنا یہ ہے کہ مرد اپنی زبان سے کہے کہ میں نے اس کی طرف رجوع کرلیا ہے اگر کہہ دے تو ایلا ساقط ہو جائے گا اور اگر مدت کے اندر صحت یاب ہو جائے تو رجوع باطل ہو جائے گا اور اس کا رجوع جماع کرنا ہوگا۔

حل لغات: رتقا: ہڈی کی وجہ سے بند ہو۔ فَیْءٌ: رجوع کرنا۔

ایلا کے انعقاد کے لیے شرائط:

قولہ: فان حلف الخ: امام قدوری ایلا کے انعقاد کے لیے کچھ شرطوں کو بیان کررہے ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایلا کی مدت چار ماہ یا زیادہ ہو اگر چار ماہ سے کم ہو تو ایلا نہ ہوگا دوسری شرط ''ان حلف'' سے معلوم ہوئی کہ ایلا اسی وقت ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کے اسماء یا صفات میں سے کسی کے ساتھ قسم کھائی جائے یا ایلا کے انعقاد کے لیے یہ بھی اصول ہے ''ہر وہ چیز جس کی ادائیگی میں ایک گونہ مشقت ہو اس پر جماع کو معلق کرنے سے ایلا ہو جاتا ہے'' مثلاً اگر میں چار ماہ تک بیوی کے پاس جاؤں تو حج لازم۔ تو ایلا منعقد ہو جائے گا اسی طرح روزہ، صدقہ، طلاق وغیرہ۔ اگر مذکورہ شرطیں نہ پائی جائیں تو امام اعظم کے نزدیک ایلا نہ ہوگا تیسری شرط یہ ہے کہ جس سے ایلا کیا جائے وہ عقد نکاح میں ہو لہٰذا مطلقہ رجعیہ سے ایلا درست ہے چونکہ نکاح باقی ہے۔ لیکن اگر عدت چار ماہ سے قبل مکمل ہوگئی تو ایلا ختم ہو جائے گا۔ جب کہ مطلقہ بائنہ سے ایلا درست نہیں کیونکہ نکاح باقی نہیں۔ نیز ان تین شرطوں کے علاوہ بھی کچھ شرطیں ہیں کہ شوہر عاقل و بالغ ہو اور ایلا کی مدت بیان کرنے کے بعد کسی کا استثنا نہ ہو مثلاً اللہ کی قسم میں ایک سال تک مباشرت نہ کروں گا سوائے ایک دن کے کہ ہوسکتا ہے چار ماہ میں یہ دن بھی شامل ہو۔ نیز لونڈی کی مدت ایلا دو ماہ ہے۔

جماع پر عدم قدرت:

قولہ: وان کان مولی الخ: اگر ایلا (مولی) کرنے والا کسی مانع حسی، طبعی یا شرعی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو تو جماع کرنا ضروری نہیں بلکہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کرلیا ہے تو اتنے کہہ دینے سے ایلا ساقط ہو جائے گا اور قسم کا کفارہ لازم آئے گا لیکن اگر مدت ایلا میں جماع پر قادر ہوگیا تو رجوع باطل اب رجوع کے لیے جماع کرنا ضروری ہے کیونکہ فقہی اصول ہے ''ما جاز لعذر بطل بزوالہ'' کہ جو امر کسی عذر کی وجہ سے جائز ہو وہ عذر کے ختم ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا لہٰذا جماع کرنا رجوع کے لیے ضروری ہے جب کہ امام شافعی اور امام طحاوی کے نزدیک ایلا میں قول کے ساتھ رجوع کا اعتبار نہیں بلکہ جماع ہی معتبر ہے۔

وَاِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهٖ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِیَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الْكَذِبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ قَالَ نَوَیْتُ الطَّلَاقَ فَهِیَ تَطْلِیْقَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ یَّنْوِیَ الثَّلَاثَ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَّاِنْ قَالَ اَرَدْتُ التَّحْرِیْمَ اَوْ لَمْ اُرِدْ بِهٖ شَیْئًا فَهُوَ یَمِیْنٌ یَصِیْرُ بِهَا مُوْلِیًا

''اور جب اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے متعلق پوچھا جائے گا پس اگر وہ کہہ دے کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا تھا تو ایسے ہوگا جیسا اس نے کہا اور اگر وہ کہہ دے میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو عورت کو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی مگر یہ کہ وہ تین کی نیت کرے اور اگر وہ کہہ دے کہ میں نے اس سے ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہوگا اور اگر وہ

کہے کہ میں نے اس سے حرمت کا ارادہ کیا ہے یا کچھ ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم نہ ہوگی کہ جس سے وہ ایلا کرنے والا ہو جائے''۔

تو مجھ پر حرام ہے کہنے کی تحقیق:

قوله: واذا قال الخ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''تو مجھ پر حرام ہے'' لفظ حرام چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ۱۔ طلاق بائن ۲۔ ظہار ۳۔ ایلا ۴۔ قسم۔ جب لفظ حرام چار معانی کا محتمل ہے تو قائل کی نیت کا اعتبار کیا جائے گا اگر کہے جھوٹ بولا ہے تو کچھ واقع نہ ہوگا اگر کہے کہ اس سے طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اگر تین کی نیت کی تو تین اگر دو کی نیت کی تو ایک واقع ہوگی اگر ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا لہٰذا اگر نہ جھوٹ بولنے کی نیت کی، نہ ہی طلاق کی نیت کی، نہ ہی ظہار کی نیت کی بلکہ حرام کرنے کی نیت کی یا کسی بھی چیز کی نیت نہیں کی تو ان دو صورتوں میں لفظ حرام سے قسم ہوگی تو ایلا بھی ہوگا۔

''تو مجھ پر حرام ہے'' دور حاضر کے عرف میں:

دور حاضر میں شوہر عموماً یہ لفظ بول کر طلاق ہی مراد لیتے ہیں لہذا جب عرفاً یہ لفظ صریح طلاق بائن ہے تو اس لفظ سے طلاق بائن بغیر نیت واقع ہو جاتی ہے۔ مفتٰی بہ قول یہی ہے کہ بغیر نیت کے بولنے پر طلاق بائن ہی مراد ہوگی جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: ''العادة محكمة'' کہ حکم شرعی میں عرف معتبر ہے (الهنديه الشامی، فتاوىٰ رضويه وغيره)

بائن کو بائن، بائن کو صریح، صریح کو بائن کے ساتھ ملانے کی تحقیق:

لیکن اگر کوئی تین بار ''تو مجھ پر حرام ہے'' کہے تو بھی ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ الفاظ کنایہ کے ذریعے طلاق بائنہ کے متعلق فقہی قاعدہ ہے: ''اَلْبَائِنُ یَلْحَقُ الصَّرِیْحَ لَا الْبَائِنَ'' کہ بائن طلاق، صریح طلاق پر واقع تو ہو سکتی ہے مگر بائن، بائن پر واقع نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا دوسرا اور تیسرا لفظِ حرام طلاق بائن کی خبر ہوں گے۔ لیکن اگر خبر بنانا ممکن نہ ہو مثلاً تو دوسری بار مجھ پر حرام ہے یا تیسری بار تو انشاء طلاق ہوگی مگر یہاں صورت حال خبر (تو مجھ پر حرام حرام حرام ہے) پر محمول کرنے کی ہے۔ لیکن اگر پہلے حرام سے تین کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی مگر لفظ حرام کو تین بار کہنا اس بات پر قرینہ ہے کہ اگر پہلے حرام سے تین کی نیت کرتا تو بار بار حرام حرام کیوں کہتا لہٰذا ایک ہی واقع ہوگی۔ لیکن اگر بائن حالی (تو مجھ پر حرام ہے) سے قبل طلاق بائن معلق بالشرط ہے (اگر تو فلاں کے گھر میں داخل ہوئی تو مجھ پر حرام ہے) اور وہ شرط طلاق بائن حالی کی عدت میں پائی گئی تو دوسری طلاق بائن واقع ہو جائے گی کہ معلق کو غیر معلق کی خبر بنانا ممکن نہیں نیز اصول ہے ''اَلصَّرِیْحُ یَلْحَقُ الصَّرِیْحَ وَالْبَائِنَ'' کہ صریح، صریح اور بائن پر واقع ہو سکتی ہے۔

قسم کے بغیر جماع نہ کرنے کا عزم:

چونکہ احناف اور شوافع کے نزدیک ایلا کے انعقاد کے لیے قسم کا ہونا ضروری ہے لہٰذا اگر کوئی مرد بغیر کسی عذر کے قسم کھائے بغیر چار ماہ یا زیادہ کی مدت کے لیے جماع نہ کرنے کا عزم کر لے تو ایلا نہ ہوگا جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایلا ہوگا کہ ان کے نزدیک ایلا کا مقصد یہاں بھی حاصل ہے کہ عورت کو صبر و آزمائش میں مبتلا کرنا پایا گیا تو ایسی صورت کو پہلے علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ''ضرورت کی بنا پر دوسرے آئمہ کے مذہب پر فسخ نکاح کا خلاصہ'' کے تحت شق نمبر ۸ میں بیان کر آئے ہیں۔

کتاب الخلع

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے ایلا کے احکام بیان کیے جو مال سے خالی ہونے کی وجہ سے بمنزلہ مفرد کے ہے جب کہ خلع مال کے عوض ہونے کی وجہ سے بمنزلہ مرکب کے ہے اس لیے مرکب کو مفرد سے موخر کیا۔

خلع کا لغوی معنی:

اتارنے کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

"اِزَالَةُ مِلْكِ النِّكَاحِ الْمُتَوَقِّفَةِ عَلٰی قُبُوْلِهَا بِلَفْظِ الْخُلْعِ اَوْ مَا فِیْ مَعْنَاهُ" لفظ خلع یا اس کے ہم معنی لفظ سے عقد نکاح کو ختم کرنا جو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہو۔

خلع کا ثبوت:

خلع کا ثبوت قرآن مجید، احادیث رسول اور اجماع تینوں سے ہے۔ بغیر حاجت وضرورت کے خلع کا مطالبہ کرنا حرام ہے۔ اگر حاجت وضرورت ہو کہ ازدواجی زندگی کو قائم رکھنا ممکن نہ ہو تو خلع کا مطالبہ درست ہے۔

اِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا اَنْ لَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ اَنْ تَفْتَدِیَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهٖ فَاِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ فَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ كُرِهَ لَهٗ اَنْ يَّأْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا وَاِنْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهَا كُرِهَ لَهٗ اَنْ يَّأْخُذَ مِنْهَا اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ جَازَ فِی الْقَضَاءِ وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِی الْخُلْعِ مِثْلُ اَنْ يُّخَالِعَ الْمُسْلِمَةَ عَلٰی خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَیْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِی الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا

"جب زوجین میں ناچاقی ہو جائے اور دونوں کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنی نفس کے عوض کچھ مال فدیہ دے کر اس سے خلع کر لے پس جب وہ یہ خلع کر لے تو خلع کی وجہ سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال لازم ہو جائے گا اور اگر شرارت مرد کی طرف سے ہو تو اس کے لیے مکروہ ہے کہ وہ عورت سے عوض لے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ہو تو مرد کے لیے مکروہ ہے کہ اس مقدار سے زیادہ لے جو اس نے عورت کو دی ہے پس اگر مرد نے ایسا کر لیا تو یہ قضاءً جائز ہے اور اگر عورت کو مال کے عوض طلاق دی اور عورت نے قبول کر لی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کو مال لازم ہو جائے گا اور طلاق بائن ہوگی اور اگر خلع میں عوض باطل ہو مثلاً مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر خلع کرتی ہے تو شوہر کے لیے کچھ نہ ہوگا اور فرقت بائنہ ہوگی اور اگر طلاق میں عوض باطل ہو تو طلاق رجعی ہوگی"۔

خلع کا حکم:

قولہ:اذا تشاق الخ: شریعت اسلامی میں مطلوب تو یہ ہے کہ رشتہ ازدواج قائم ہونے کے بعد توڑا نہ جائے مگر جب زوجین کے درمیان اختلاف اس شدت کا ہو کہ ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنا مشکل ہو جائے کہ اتفاق ومصالحت کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو شوہر کو چاہیے کہ طلاق دے دے اگر طلاق نہیں دیتا تو بیوی کو یہ اختیار ہے کہ شوہر کو کچھ مال دے کر خلع کر لے کہ جب خلع کر کے شوہر مال لے لے تو خلع کرتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی الگ سے طلاق دینے کی حاجت نہیں کہ احناف کے نزدیک خلع خود طلاق بائن ہے کہ عورت کی جان طلاق بائن کی صورت میں ہی چھوٹ سکتی ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے۔ اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہے تو عورت سے خلع کے نام پر مال لینا مکروہ ہے لیکن اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو معاوضہ لیا جا سکتا ہے مگر اتنا لے جتنا مہر اس کو دیا ہے زیادہ لینا مکروہ ہے تاہم اگر زیادہ لے لیا تو قضاءً جائز ہے۔

مال کے عوض طلاق:

قولہ:وان طلقها الخ: اگر شوہر نے مال کے عوض طلاق دی کہ تجھے ایک لاکھ کے عوض طلاق ہے عورت نے اس کو قبول کر لیا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک طلاق رجعی ہوگی۔

مال غیر متقوم پر طلاق یا خلع:

قولہ:وان اهل الخ: اگر کسی مسلمان عورت نے خلع میں مال غیر متقوم (شراب، خنزیر) کو عوض ٹھہرایا تو مرد نے قبول کر لیا تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور خلع کے لفظ کی وجہ سے طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا اگر خلع کے علاوہ طلاق کا لفظ استعمال کیا تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور بدل باطل ہوگا مرد کو کچھ نہ ملے گا۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوگی۔ امام زفر کے نزدیک مہر دیا جائے گا جب کہ امام شافعی کے نزدیک مہر مثل دیا جائے گا۔

وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُونَ مَهْرًا جَازَ اَنْ يَّكُونَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ وَاِذَا قَالَتْ لَهٗ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهٗ عَلَيْهَا وَاِنْ قَالَتْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ رَدَّتْ عَلَيْهِ مَهْرَهَا وَاِنْ قَالَتْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَهٗ عَلَيْهَا ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ وَاِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلَاثًا عَلٰى اَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَا شَيْءَ لَهٗ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاِنْ قَالَ لِزَوْجِ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ

''اور وہ چیز جس کا نکاح میں مہر بننا جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ خلع میں عوض بن جائے اور اگر بیوی نے شوہر سے کہا کہ تم مجھے خلع دے دو اس چیز پر جو میرے ہاتھ میں ہے تو شوہر نے اس کو خلع دے دیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت پر شوہر کے لیے کچھ نہ ہوگا اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھے اس مال پر خلع دے دو جو میرے ہاتھ میں ہے تو شوہر نے عورت کو خلع دے دیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت شوہر کو اپنا مہر واپس کر دے اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھ کو ان دراہم پر خلع دے دو جو

میرے ہاتھ میں ہیں تو شوہر نے ایسا کر دیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت کے ذمہ تین دراہم لازم ہوں گے اور اگر عورت نے کہا کہ تم مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے عوض دے دو تو شوہر نے اس عورت کو ایک طلاق دے دی تو عورت کے ذمہ ایک ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا اور اگر عورت نے کہا کہ مجھے ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دو تو شوہر نے ایک طلاق دے دی تو امام اعظم کے نزدیک عورت کے ذمہ کچھ واجب نہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ عورت کے ذمہ ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا"۔

بدل خلع:

قولہ:وما جاز الخ: امام قدوری نے بدل خلع کے متعلق ایک ضابطہ بیان فرمایا کہ "ہر وہ چیز جو نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع میں بھی بدل بن سکتی ہے اور جو چیز مہر نہیں بن سکتی وہ بدل خلع بھی نہیں بن سکتی" لہٰذا نقد رقم، کپڑا، غلہ وغیرہ بدل خلع بن سکتا ہے جب کہ خنزیر، مردار، شراب وغیرہ بدل خلع نہیں بن سکتے لیکن خلع درست ہو جائے گا، عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا۔

مجہول چیز پر خلع:

قولہ:فان قالت الخ: اگر بیوی نے مجہول کے عوض اس کی طرف اشارہ کر کے خلع کیا تو اس کی تین صورتیں ہیں۔ ا۔ مجہول چیز کی طرف مال کی نسبت کیے بغیر اشارہ کیا یا کہا کہ جو مٹھی میں ہے اس کے عوض خلع کر لو حالانکہ عورت کی مٹھی میں کچھ نہیں تو عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ ۲۔ مجہول چیز کو مال کی طرف منسوب کیا تو بدل خلع میں مہر کی مقدار دینا لازم ہے۔ ۳۔ مجہول چیز کی وضاحت دراہم جمع کے ساتھ کی تو کم از کم تین دراہم دینا لازم ہوں گے۔

مقدار معین کے عوض طلاقوں میں کمی کی صورت میں حکم:

قولہ:وان قالت الخ: اگر عورت نے معین مال کے عوض معین طلاق کا مطالبہ کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مال کو طلاق کا عوض بنا کر ذکر کیا کہ تم مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے عوض دے دو تو شوہر نے ایک طلاق دے دی تو عورت پر ایک ہزار کا تیسرا حصہ (۳۳۳.۳۳) لازم ہوگا اگر پوری طلاقیں دیں تو ہزار لازم ہوگا یہ مسئلہ اس اصول پر متفرع ہے کہ "عوض مُعَوَّض پر تقسیم ہوتا ہے"۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مال کو طلاق کی شرط بنا کر ذکر کیا کہ تم مجھے ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دو اگر تین طلاقیں دے دیں تو عورت پر ہزار لازم ہوگا اگر کم دیں تو امام اعظم کے نزدیک عورت پر کچھ لازم نہیں جیسا کہ صاحبین کے نزدیک ایک ہزار طلاقوں پر تقسیم ہوگا۔ کہ جس طرح عوض اپنے معوض پر تقسیم ہوتا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عورت نے مال کو طلاق کی شرط پر معلق کیا اور یہ اصول ہے کہ "شرط مشروط پر تقسیم نہیں ہوا کرتی" لہٰذا تین سے کم طلاق دینے پر عورت کے لیے کچھ دینا لازم نہ ہوگا کہ شرط (تین طلاقیں) نہ پائی گئی۔

(الصحیح قولہ "الترجیح والصحیح" دیگر معون علی قول الامام وغیرہ)

وَاِنْ قَالَ لِزَوْجِ طَلِّقِي نَفْسَكِ ثَلَاثًا بِاَلْفٍ اَوْ عَلٰى اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ عَلَيْهَا وَالْمُبَارَاةُ كَالْخُلْعِ شَيْءٌ وَالْخُلْعُ وَالْمُبَارَاةُ يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى

الاٰخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُف المبارأة تسقط وَقَالَ محمد لا تسقطان اِلَّا سميا.

''اور اگر شوہر نے کہا کہ تم خود کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دو تو اس عورت نے خود کو ایک طلاق دی تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور ایک دوسرے کو بری الذمہ کرنا خلع کی مانند ہے اور مبارات اور خلع دونوں زوجین میں سے ہر ایک کے حق کو جو دوسرے پر ہے ساقط کر دیتے ہیں ان حقوق میں سے جو نکاح کے متعلق ہوں امام اعظم کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مبارات ساقط کرتا ہے خلع ساقط نہیں کرتا ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں ساقط نہیں کرتے مگر جس کو ان دونوں نے متعین کر دیا ہو''۔

بیوی کو مال کے عوض تین طلاقیں سپرد کرنا:

قولہ:ولو قال الخ: اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار کی شرط پر اپنی ذات پر واقع کرنے کو کہا تو بیوی نے ایک طلاق واقع کی تو طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ ہی عوض لازم ہوگا کہ جب تک شوہر کی مرضی کے مطابق طلاق نہ دے لے۔

مبارات کی تعریف اور حکم:

قولہ:والمبارأة الخ: مبارات یہ ہے کہ بیوی شوہر کے تمام حقوق سے بری اور شوہر بیوی کے تمام حقوق سے بری ہو مبارات خلع کی مانند ہے کہ جس طرح خلع کرنے سے زوجین ایک دوسرے کے نکاح سے متعلقہ حقوق سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں اسی طرح مبارات سے بھی بری الذمہ ہو جاتے ہیں اگر چہ صراحتاً ذکر نہ بھی کریں یہ مذہب امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے مثلاً مہر اور گزشتہ نفقہ البتہ عدت کا نفقہ برات کی شرط کے بغیر ساقط نہ ہوگا معتدہ کی رہائش کسی حال میں ساقط نہ ہوگی کہ یہ شریعت کا حق ہے۔البتہ عورت رہائش کا کرایہ اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔نیز بچے کی پرورش سے دست بردار ہونا درست نہیں کہ یہ بچے کا حق ہے۔نکاح کے علاوہ باقی حقوق مثلاً خرید و فروخت میں لین دین وہ ذمہ لازم رہیں گے۔امام یوسف کے نزدیک خلع کی وجہ سے حقوق ساقط نہیں ہوتے صرف مبارات کی وجہ سے ساقط ہوتے ہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک مبارات اور خلع کے وقت ذکر کردہ امور ہی ساقط ہوں گے باقی ساقط نہ ہوں گے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے ان کی دلیل ہے کہ مبارات اور خلع کے معنیٰ میں سقوط اور جدائی کا مفہوم ہے ان دونوں کا مقصد ہی حقوق نکاح کو ساقط کرنا ہوتا ہے (الصحیح قول ابی حنیفہ "الترجیح والتصحیح" الاختصار علی قول الامام فی الھندیہ)

خلع اور طلاق میں فرق:

جو شرائط و احکام طلاق کے ہیں وہی خلع کے ہیں صرف دو امور میں فرق ہے۔۱۔خلع کی صحت میں عورت کی رضامندی شرط ہے جب کہ طلاق میں عورت کی رضامندی شرط نہیں۔۲۔خلع میں وقت کی تحدید نہیں کہ حالت حیض اور جس طہر میں وطی کی ہو اس میں خلع بلا کراہت جائز ہے جب کہ طلاق مذکورہ اوقات میں مکروہ ہے۔

کتاب الظہار

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الخلع کو بیان کیا کہ جس میں تحریم بدرجہ اکمل ہے اس کے بعد کتاب الظہار کو اس لیے بیان کیا کہ اس میں حرمت تو ثابت ہوتی ہے مگر نکاح باقی رہتا ہے۔

ظہار کا لغوی معنی:

ظہار کا لفظ ظہر سے ماخوذ ہے ظہر کے معنی پشت کے ہیں اور ظہار کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب شوہر بیوی کو کہے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے"۔

اصطلاحی معنی

"شوہر کا اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا کہ جس سے نکاح دائمی طور پر حرام ہو۔" اس کی وضاحت شرح میں آئے گی۔

ظہار کا پس منظر:

زمانہ جاہلیت میں جس طرح طلاق، ایلا کے الفاظ استعمال ہوتے تھے اسی طرح ظہار کی اصطلاح بھی مستعمل تھی کہ ظہار سے طلاق واقع ہو جاتی تھی۔ عہد رسالت میں سب سے پہلے اوس بن صامت نے اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ سے ظہار کیا پھر ان کے حق میں سورۃ مجادلہ کی آیت نمبر ۲ نازل ہوئی کہ نکاح تو باقی ہے مگر قربت سے قبل کفارہ ظہار ادا کیا جائے۔

إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ وَلَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا وَلَا لَمْسُهَا وَلَا تَقْبِيلُهَا حَتَّى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ فَإِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ اسْتَغْفَرَ اللهَ تَعَالَى وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ غَيْرُ الْكَفَّارَةِ الْأُولَى وَلَا يَعُودُ حَتَّى يُكَفِّرَ وَالْعَوْدُ الَّذِي يَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ أَنْ يَعْزِمَ عَلَى وَطْئِهَا وَإِذَا قَالَ أَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ أُمِّي أَوْ كَفَخِذِهَا أَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ وَكَذٰلِكَ إِذَا شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ مُنَاكَحَتُهَا عَلَى التَّأْبِيدِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ مِثْلُ أُخْتِهِ أَوْ عَمَّتِهِ أَوْ أُمِّهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ أَوْ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَكَذَا إِذَا قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي أَوْ فَرْجُكِ أَوْ وَجْهُكِ أَوْ بَدَنُكِ أَوْ رَقَبَتُكِ أَوْ نِصْفُكِ أَوْ ثُلُثُكِ

"اور جب شوہر بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہے کہ وہ اس پر حرام ہو گئی کہ اس سے وطی حلال نہیں اور نہ اس کو چھونا اور نہ اس کو بوسہ لینا یہاں تک کہ وہ شخص اپنے ظہار کا کفارہ ادا کر دے۔ اب اگر شوہر نے بیوی سے کفارہ ادا کرنے سے قبل جماع کر لیا تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے اور اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کوئی اور چیز واجب

نہیں ہوگی اور وہ شخص جماع کا اعادہ نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ ادا کردے اور شوہر کی طرف نہ لوٹے یہاں تک کہ وہ کفارہ ادا کردے اور وہ لوٹنا کہ جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے وہ یہ کہ بیوی سے جماع کرنے کا پختہ ارادہ کرلے اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے یا اس کی ران کی طرح ہے یا اس کی شرمگاہ کی طرح ہے تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہوگا اور اسی طرح اگر شوہر نے اپنی بیوی کو محارم میں سے ایسی عورت سے تشبیہ دی کہ اس کے لیے اس کی طرف دیکھنا حلال نہیں دائمی طور پر مثلاً اپنی بہن، پھوپھی اور رضاعی ماں اور اسی طرح اگر کہا تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا تیرا تہائی"۔

ظہار کا حکم:

قولہ: واذا قال الخ: جب شوہر بیوی سے ظہار کرلے تو حکم یہ ہے کہ بیوی سے جماع اور دواعی جماع اس وقت تک جائز نہیں کہ جب تک کفارہ ادا نہ کردے لیکن اگر کفارہ کی ادائیگی سے قبل یہ امور پائے گئے تو گنہگار رہوگا اور بارگاہ الٰہی میں توبہ واستغفار کرے اس پر ظہار کا ایک ہی کفارہ واجب ہوگا اور کچھ واجب نہ ہوگا اور دوبارہ جماع نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ ادا کردے اور عورت پر لازم ہے کہ شوہر کو کفارہ سے پہلے جماع نہ کرنے دے۔

کفارہ کے وجوب کا سبب

قولہ: ولا یعاودھا الخ: کفارہ ظہار کے واجب ہونے کا اصل سبب ظہار یا عود یا دونوں کا مجموعہ ہے امام قدوری نے راجح قول ذکر کیا کہ کفارہ ظہار کا سبب عود ہے کہ اسی ارادہ صحبت کو قرآن مجید نے عود (ثم یعودون الخ) سے تعبیر کیا ہے۔ عود کی تعریف یہ ہے کہ جب شوہر بیوی سے جماع کرنے کا پختہ ارادہ کرلے۔

ظہار کی صورتیں:

قولہ: واذا قال انت الخ: امام قدوری نے ظہار کی تین صورتیں بیان کی ہیں جن کو ایک تعریف میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ "شوہر کا اپنی منکوحہ کو اپنی محرمہ موبدہ کے کل جسم یا غیر معین حصے (نصف، چوتھائی) یا ایسے عضو کہ جس کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہو اور اسے دیکھنا بھی جائز نہ ہو اس سے تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے" لہٰذا ظہار کی صورتوں سے معلوم ہوا کہ ظہار کے لیے اصول یہ ہے کہ "حرف تشبیہ کا ہونا ضروری ہے" مثلاً مانند، طرح، جیسی، جگہ وغیرہ اگر تشبیہ نہیں تو ظہار نہ ہوگا۔ احناف کے نزدیک ظہار میں یہ بھی اصول ہے کہ "جس عورت سے تشبیہ دی ہے وہ نسبی یا سسرالی یا رضاعی رشتہ کی وجہ سے دائمی حرام ہو" اگر عارضی حرام ہو مثلاً سالی یا دوسرے کی منکوحہ تو ظہار نہ ہوگا اور جس عضو سے تشبیہ دی ہے اس میں بیک وقت دو باتوں کا پایا جانا ضرور ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کو دیکھنا جائز نہ ہو لہٰذا ماں کے سر اور چہرہ سے تشبیہ دے تو ظہار نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس عضو سے کل کو تعبیر کیا جاتا ہو لہٰذا ہاتھ، پاؤں، بال، ناخن، دانت، کان وغیرہ سے تشبیہ دینے پر ظہار نہ ہوگا جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہار ہوگا لیکن جس عضو کو تشبیہ دی جائے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے کل سے تعبیر کیا جاتا ہو مثلاً بیوی سے کہا کہ تیرا چہرہ میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے تو

ظہار ہوگا لیکن اس کے برعکس نہیں۔ ظہار کے لیے دوطرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ا۔ صریح ۲۔ کنایہ پھر صریح کی دو صورتیں ہیں۔ ا۔ غیر معین حصے سے تشبیہ ۲۔ عضو سے تشبیہ جب کہ اس کی تعبیر کل جسم سے ہوتی ہو۔ صریح میں نیت کی حاجت نہیں۔

وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ مِثْلُ اُمِّی اَوْ کَاُمِّی رُجِعَ اِلٰی نِیَّتِهٖ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ به الكرامة فهو كما قال وان قال اَرَدْتُّ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ نِیَّةٌ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ وَلَا یَکُوْنُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِهٖ وَاِنْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِهٖ لَمْ یَکُنْ مُظَاهِرًا وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهٖ اَنْتُنَّ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّی کَانَ مُظَاهِرًا مِنْ جَمِیْعِهِنَّ وَعَلَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدَةٍ کَفَّارَةٌ۔

''اور اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا پس اگر اس نے کہا کہ میں نے اس سے بزرگی کی نیت کی تھی تو ایسا ہی ہوگا جیسا اس نے کہا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا تھا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر اس میں کوئی نیت نہیں تھی تو کچھ بھی واقع نہ ہوگا اور ظہار صرف اپنی بیوی سے ہوتا ہے اگر اس نے اپنی لونڈی سے ظہار کیا تو مظاہر نہ ہوگا اور جس شخص نے اپنی بیویوں سے کہا کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو یہ ان سب سے ظہار کرنے والا شمار ہوگا اور اس شوہر پر ان میں سے ہر ایک کے لیے کفارہ ہوگا''۔

الفاظ کنایہ سے ظہار کی تعبیر:

قوله:وان قال انت الخ: اس سے قبل الفاظ صریح (حصے، عضو) سے ظہار کی تعبیرات بیان کیں کہ جن میں ظہار کے سوا کسی اور معنی کی گنجائش نہ تھی اب ظہار کے لیے الفاظ کنایہ کی تعبیر کہ جن سے ظہار اور غیر ظہار کا مفہوم نکلتا ہے ان کو بیان کر رہے ہیں۔ مثلاً شوہر نے کہا کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے'' شوہر کا یہ کلام تین معانی کے درمیان مشترک ہے۔ ا۔ کرامت و بزرگی ۲۔ ظہار ۳۔ طلاق۔ اور تینوں معانی کو بیک وقت مراد لینا جائز نہیں کیونکہ امام اعظم کا یہ اصول ہے ''عموم مشترک جائز نہیں'' لہٰذا مشترک کے معانی میں سے کسی معنی کو ترجیح دینے کے لیے قرینہ کی ضرورت ہے لہٰذا شوہر سے پوچھا جائے گا کہ تم نے کلام کرتے وقت کس کی نیت کی ہے کیونکہ مشترک کے معانی میں سے کسی ایک معنی کو ترجیح دینے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ نیت بھی ہے۔ اگر شوہر کہے کہ میں نے بزرگی کی نیت کی ہے یا کسی کی بھی نیت نہیں کی تو کچھ واقع نہ ہوگا اگر کہے کہ میں نے ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار اگر کہے کہ طلاق کی نیت کی ہے تو الفاظ کنایہ کی وجہ سے طلاق بائن واقع ہوگی جب کہ امام محمد، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مطلقاً ظہار ہوگا۔ لیکن اگر بلا تشبیہ یوں کہے کہ تو میری ماں، بہن ہے تو کلام لغو ہوگا کہ نہ ظہار ہے نہ طلاق مگر ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے نیز اگر یوں کہا کہ تم سے جماع کروں تو ماں سے زنا کروں تب بھی صرف توبہ و استغفار لازم ہوگا۔

شرط ظہار:

قوله:ولا یکون الخ: ظہار میں عورت کے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ بیوی ہو اگر کسی اجنبی سے ہو تو ظہار نہ ہوگا اسی طرح لونڈی سے بھی ظہار نہ ہوگا البتہ امام مالک کے نزدیک لونڈی سے ظہار درست ہے۔

متعدد بیویوں سے ظہار:

قولہ: ومن قال الخ: اگر کسی شخص کے عقد میں متعدد بیویاں ہیں سب کے متعلق کہا کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو سب سے ظہار کرنے والا ہوگا لہٰذا جس جس سے جماع کا ارادہ کرے گا تو اس کی طرف سے کفارہ پہلے ادا کرے گا جب کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک ہی کفارہ کافی ہے۔

وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ صَامَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا كُلُّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَيُجْزِئُ فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ وَلَا تَجُوْزُ الْعَمْيَاءُ وَلَا مَقْطُوْعَةُ الْيَدَيْنِ أَوِ الرِّجْلَيْنِ وَيَجُوْزُ الْأَصَمُّ وَلَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعُ إِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ وَلَا الْمَجْنُوْنُ الَّذِيْ لَا يَعْقِلُ وَلَا يَجُوْزُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَلَا الْمُكَاتَبُ الَّذِيْ أَدّٰى بَعْضَ الْمَالِ فَإِنْ أَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ، فَإِنِ اشْتَرٰى اباه او ابنه بالشراء الكفارة جاز عنها

''اور کفارہ ظہار ایک غلام آزاد کرنا ہے پس اگر غلام نہ پائے تو مسلسل دو ماہ روزے رکھے پس اگر روزوں کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائے اور ہر ایک جماع سے پہلے ہو اور آزاد کرنے میں غلام کا آزاد کرنا کافی ہے۔ مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا اور کفایت نہیں کرے گا اندھا اور نہ ہی جس کے دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں اور بہرہ جائز ہے اور نہیں جائز کہ جس کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں اور نہیں جائز ایسا غلام جس کی عقل نہ ہو اور ام ولد اور مدبر کا آزاد کرنا جائز نہیں اور ایسے مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو اب اگر مکاتب کو آزاد کر دیا جس نے کچھ ادا نہیں کیا تو جائز ہے اور اگر باپ یا بیٹے کو کفارہ کی نیت سے خرید ا تو کفارہ ظہار کی طرف سے جائز ہے''۔

کفارہ ظہار:

قولہ: وكفارة الظهار الخ: قرآن مجید میں کفارہ کی تین قسمیں بیان کی گئیں۔ ۱۔ غلام آزاد کرے اور کفارہ میں مطلق غلام کی آزادی کفایت کرتی ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا کیونکہ نص مطلق ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر کو آزاد کرنا کفارہ کے لیے کفایت نہ کرے گا۔ ۲۔ اگر غلام میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے ۳۔ اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلائے۔ باقی مسئلہ متن میں دیکھ لیں۔

وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ عَنِ الْكَفَّارَةِ وَضَمِنَ قِيْمَةَ بَاقِيْهِ وَأَعْتَقَهُ لَمْ يُجْزِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ عَنْهَا جَازَ وَإِنْ أَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ أَعْتَقَ بَاقِيَهُ لَمْ يُجْزِ هٰذَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ

''اور اگر مشترک غلام کا نصف آزاد کر دیا اور باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہو گیا پھر اس کو آزاد کر دیا تو امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں اور اگر اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ کی طرف سے آزاد کر دیا یا اس کے بعد باقی غلام کو آزاد کر دیا تو جائز ہے اور اگر

اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ کی طرف سے آزاد کردیا پھر اس شخص نے اس عورت سے جماع کرلیا جس سے ظہار کیا تھا اس کے بعد باقی غلام آزاد کیا تو امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں۔

قولہ:وان اعتق الخ: مسئلہ متن میں واضح ہے فتویٰ دونوں مسئلوں میں امام اعظم کے قول پر ہے۔

وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُ فَكَفَّارَتُهٗ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ فَاِنْ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا اَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَهُمَا وَاِنْ اَفْطَرَ فِيْ يَوْمٍ مِّنْهَا لِعُذْرٍ اَوْ لِغَيْرِ عُذْرٍ اسْتَأْنَفَ وَاِذَا ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يُجْزِهٖ فِي الْكَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى عَنْهُ اَوْ اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يُجْزِهٖ وَاِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا نِصْفَ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَةَ ذٰلِكَ فَاِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلًا اَكَلُوْا اَوْ كَثِيْرًا وَاِنْ اَطْعَمَ مِسْكِيْنًا وَّاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا اَكْلَتَيْنِ مُشْبِعَتَيْنِ اَجْزَاَهٗ وَاِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَّاحِدٍ طَعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لَمْ يُجْزِهٖ اِلَّا عَنْ يَّوْمِهٖ ذٰلِكَ فَاِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الْاِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ

”پس اگر مظاہر نہ پائے اس کو جسے آزاد کرے تو اس کا کفارہ لگاتار دو ماہ روزہ رکھنا ہے جس میں نہ رمضان ہو نہ عید الفطر ہو نہ عید الاضحیٰ ہو اور نہ ہی ایام تشریق ہوں پس اگر مظاہر نے بیوی سے جماع کرلیا دو ماہ کے دوران رات میں جان بوجھ کر یا بھول کر تو از سر نو روزے رکھے گا۔ طرفین کے نزدیک اور اگر ایک دن بھی ان ایام میں روزہ چھوڑ دیا عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو بھی از سر نو روزے رکھے اور اگر غلام نے ظہار کرلیا تو اس کے لیے کفارہ میں سوائے روزوں کے اور کچھ نہیں اب اگر آقا نے غلام کی طرف سے ایک غلام آزاد کردیا یا اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا تو اسے یہ کافی نہ ہوگا اور اگر مظاہر کو روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر مسکین کو آدھا صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت دے پس اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح کھانا دے دیا یا شام میں تو جائز ہے خواہ انہوں نے کم کھایا یا زیادہ اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو کافی ہے اور اگر ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مساکین کا کھانا دے دیا تو صرف ایک دن کا ادا ہوگا اور اگر اس نے عورت سے کھانے کے درمیان وطی کرلی جس سے ظہار کیا تھا تو از سر نو نہیں کھلائے گا“۔

روزہ سے کفارہ:

قولہ:فان لم یجد الخ: چونکہ غلاموں کا دور ختم ہو چکا ہے لہٰذا مظاہر کفارہ ظہار لگاتار دو ماہ روزے رکھ کر ادا کرے کہ روزوں کے درمیان وہ ایام نہ ہوں کہ جس میں روزہ رکھنا جائز نہیں مثلاً ماہ رمضان، عیدین اور ایام تشریق۔ لگاتار کا مطلب یہ ہے کہ اگر چاند کے حساب سے رکھتا ہے تو چاند چاہے انتیس کا ہو یا تیس کا ہو مثلاً ایک مہینہ انتیس کا اور دوسرا تیس کا تو انسٹھ روزے بنے تو کفارہ ادا ہو جائے گا لیکن اگر مہینے کے درمیان سے رکھنا شروع کرے تو ساٹھ دن پورے کرنا لازم ہیں۔ دو ماہ کے روزوں کے

درمیان جماع کرنا جائز نہیں اگر کرلیا تو از سرنو روزے رکھے گا۔ یہ مذہب طرفین کا ہے جب کہ امام ابو یوسف اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ازسرنو روزے رکھنا ضروری نہیں آگے جاری رکھے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے "من قبل ان یتماسا" کی قید لگائی ہے کہ جماع سے قبل ادائیگی ہو جیسا کہ اصول فقہ کا قاعدہ ہے۔ "المقید یجری علی تقییدہ" کہ مقید اپنی قید پر باقی رہے گا۔ یوں ہی اگر عذر یا بغیر عذر کے روزہ افطار کرلیا تب بھی ازسرنو روزے رکھے گا۔ (الصحیح قولنا "الترجیح والتصحیح، اللباب دیگر متون علی قول الطرفین)

غلام کا ظہار:

قولہ: وان ظاھر الخ: غلام کفارہ میں فقط روزے رکھ سکتا ہے باقیوں کا یہ مالک ہی نہیں آقا کی ادائیگی سے ادا نہ ہوگا۔

کفارہ کھانا کھلانے سے:

قولہ: وان لم یستطع الخ: اگر مظاہر روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانا چاہے تو اس کی تین صورتیں ہیں ۱۔ ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار غلہ یا رقم دے یہ ضروری ہے کہ ساٹھ الگ الگ کو دے یا ایک کو ساٹھ دن دے یا ایک کو ساٹھ دفعہ دے۔ اس صورت میں مالک بنانا ضروری ہے اگر سارا مال ایک دن میں ایک مسکین کو دے دیا تو صرف ایک دن کا کفارہ ادا ہوگا۔ ۲۔ پکا ہوا کھانا کھلایا جائے تو دو وقتوں کا کھانا ہوگا چاہے صبح وشام ساٹھ کو کھلایا جائے یا ایک کو ساٹھ دن صبح وشام کھلایا جائے کھانا چاہے کم کھائیں یا زیادہ اس صورت میں اباحت کافی ہے۔ لیکن اگر پکا کر ان کو دے دیا جائے تو تملیک ہے۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک کھانے میں اباحت کافی نہیں بلکہ مالک بنانا ضروری ہے۔ اگر کھانا کھلانے کے درمیان جماع کرلیا تو ازسرنو کھانا کھلانا ضروری نہیں کیونکہ کفارہ کی یہ صنف "من قبل ان یتماسا" کی قید سے خالی ہے۔

وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَا يَنْوِي إِحْدَاهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَكَذٰلِكَ إِنْ صَامَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَوْ أَطْعَمَ مِائَةً وَعِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَ وَإِنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً وَصَامَ شَهْرَيْنِ جَازَ أَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ أَيِّهِمَا شَاءَ

"اور وہ شخص کہ جس پر ظہار کے دو کفارے واجب ہوں اور وہ دو غلام آزاد کرے کہ ان میں سے کسی ایک کی تعیین نہ کرے تو دونوں کی طرف سے کفایت کر جائے گا اور اسی طرح اگر اس نے چار مہینے روزے رکھے اور ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے اور اگر اس نے ایک غلام آزاد کر دیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو اسے اختیار ہے کہ کفارہ کو دونوں ظہار میں سے جس کی طرف سے چاہے قرار دے"۔

كتاب اللعان

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے میاں بیوی کی جدائیگی کے تین طریقے ۱۔طلاق ۲۔ایلا ۳۔خلع کو بیان کیا اب آخری طریقہ لعان کو بیان کررہے ہیں۔

لعان کا لغوی معنی:

لعان باب مفاعلة کا مصدر ہے جس کا معنی لعنت، محرومی ودوری کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

قسموں کے ساتھ چار شہادتوں کا نام لعان ہے۔

لعان کا پس منظر:

آیت لعان (النور:۶۔۱۰) کے نزول سے قبل یہ حکم تھا کہ بیوی پر زنا کی تہمت لگانے پر چار گواہ پیش کرنا ضروری ہیں ورنہ تہمت لگانے پر حد قذف ۸۰ کوڑے مارے جائیں گے کہ جس طرح اجنبیہ عورت کے متعلق حکم ہے آیت لعان کا نزول حضرت ہلال بن امیہ یا عویمر العجلانی کے اپنی بیوی سے لعان کرنے پر ہوا کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے پر لعان کیا جائے گا نہ کہ چار افراد کی گواہی طلب کی جائے گی۔

إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا أَوْ نَفَى نَسَبَ وَلَدِهَا فَطَالَبَتْهُ بِمُوجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ فَإِنِ امْتَنَعَ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتَّى يُلَاعِنَ أَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ فَيُحَدَّ فَإِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ فَإِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتَّى تُلَاعِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ فَتَحِلَّ وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا أَوْ كَافِرًا أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ ، وَهِيَ أَمَةٌ أَوْ كَافِرَةٌ أَوْ مَحْدُودَةٌ فِي قَذْفٍ أَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا بِأَنْ كَانَتْ صَبِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً أَوْ زَانِيَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ فِي قَذْفِهَا وَلَا لِعَانَ

”اور جب مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور دونوں شہادت کے اہل ہوں اور عورت ان میں سے ہو کہ جن کے تہمت لگانے والوں پر حد لگائی جاتی ہو یا اس کے بچہ کے نسب کی نفی کی اور عورت نے حد قذف کا مطالبہ کیا تو مرد پر لعان کرنا واجب ہے پس اگر شوہر لعان سے رک جائے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا خود کو جھٹلائے پھر اس کو حد لگائی جائے اب اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہے اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کردیا تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ عورت لعان کرے یا مرد کے قول کو سچا بتائے اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا محدود فی

القذف ہو اور اس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو اس پر حد واجب ہوگی اور اگر شوہر اہل شہادت میں سے ہو جب کہ بیوی، لونڈی ہو یا کافرہ یا کسی کو تہمت لگانے پر حد کھا چکی ہو یا ایسی عورت کہ جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہ لگائی جاتی ہو تو تہمت لگائے جانے میں اس پر حد جاری نہ ہوگی اور نہ لعان ہوگا''۔

لعان کی شرائط کا حکم:

قولہ: واذا قذف الخ: لعان کی شرائط کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ ''اگر کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے یا بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا انکار کرے اور دونوں گواہ بننے کے اہل ہوں اور نیز بیوی ان عورتوں میں سے ہو کہ جن پر تہمت لگانے والے پر حد قذف بھی جاری کی جاسکتی ہو اور بیوی کو اس تہمت کا اقرار نہ ہو اور بیوی نے شوہر پر حد قذف جاری کرنے کا مقدمہ کر دیا تو شوہر پر گواہ پیش نہ کرسکنے پر لعان واجب ہے'' اگر مرد الزام تو لگائے مگر لعان نہ کرے تو قاضی قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرلے یا جھوٹ کا اقرار کرلے اور اس پر حد قذف (۸۰ کوڑے) جاری کی جائے پھر عورت سے لعان لیا جائے اگر انکار کرے تو مرد جیسا معاملہ کیا جائے اگر شوہر کی تصدیق کر دے تو حد زنا جاری کی جائے گی۔ جب کہ انکار پر آئمہ ثلاثہ کے نزدیک بیوی پر حد زنا اور شوہر پر حد قذف جاری ہوگی۔ اگر زوجین میں اصول کے تحت بیان کردہ شرائط (زوجین کا اہل شہادت ہونا، عورت کا پاکدامن ہونا) نہ پائی جائیں تو ایسی بیوی پر زنا کی تہمت کی وجہ سے شوہر پر نہ حد جاری ہوگی اور نہ ہی لعان ہوگا زوجین کا اہل شہادت نہ ہونا اس لیے ضروری ہے کہ لعان شہادت کے حکم میں ہے کہ زوجین آزاد ہوں، عاقل، بالغ مسلمان ہوں، گونگے نہ ہوں اور تہمت میں سزا یافتہ نہ ہوں اور عورت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ زنا سے محفوظ ہو اگر زنا میں معروف ہے تو حد قذف واجب نہ ہوگی اسی طرح صغیرہ یا مجنونہ ہے تب بھی نہ حد قذف اور نہ ہی لعان''۔

وَصِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَبْتَدِءَ الْقَاضِى بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ فَيَقُوْلَ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللهِ اَنِّىْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْاَةُ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ تَقُوْلُ فِىْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللهِ اَنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِىْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَتَقُوْلُ فِى الْخَامِسَةِ اَنَّ غَضَبَ اللهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ، فَاِذَا الْتَعَنَا فَرَّقَ الْحَاكِمُ بَيْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ تَحْرِيْمًا مُؤَبَّدًا فَاِنْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِىْ نَسَبَهٗ وَاَلْحَقَهٗ بِاُمِّهٖ فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ فَاَكْذَبَ نَفْسَهٗ حُدَّ حَدَّ الْقَذْفِ وَحَلَّ لَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا وَكَذٰلِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ وَكَذٰلِكَ اِذَا زَنَتْ فَحُدَّتْ

''اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی ابتدا کرے شوہر سے پس وہ چار بار گواہی دے کہ ہر مرتبہ وہ کہے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں سچا ہوں اس میں جو میں نے زنا کی تہمت لگائی ہے پھر پانچویں بار کہے اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس پر اگر وہ (میں) جھوٹا ہے اس عورت پر الزام لگانے میں اور ان تمام امور میں اس عورت کی طرف اشارہ کرے اس کے بعد عورت چار مرتبہ گواہی دے اور ہر مرتبہ کہے اللہ تعالیٰ کی قسم بیشک وہ جھوٹا ہے اس بات میں جو اس نے مجھ پر زنا کا الزام لگایا ہے

اور پانچویں مرتبہ کہے اللہ کا غضب ہو اس (مجھ) پر اگر وہ شخص سچا ہے اس بات میں جو اس نے مجھ پر زنا کا الزام لگایا ہے اور جب دونوں لعنت کر چکیں تو قاضی ان دونوں کے درمیان جدائی ڈال دے اور یہ جدائیگی طرفین کے نزدیک طلاق بائن ہوگی اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ حرمت مؤبدہ ہوگی اور اگر تہمت لگانا بچے کے ذریعے ہو تو قاضی اس کے نسب سے نفی کرے گا اور اس بچے کو ماں کے ساتھ ملا دے اور اگر شوہر رجوع کرے اور خود کی تکذیب کرے تو قاضی اسے حد قذف لگائے گا اس مرد کے لیے جائز ہے کہ اس عورت سے نکاح کر لے۔ اسی طرح اگر کسی اور کو تہمت لگادی اور اس کو حد لگادی گئی یا عورت نے زنا کیا اور اس کو حد لگادی گئی"۔

لعان کا طریقہ کار:

قولہ: وصفة اللعان الخ: آیت لعان میں جس طرح تفصیل ہے وہی اس کا طریقہ ہے۔ لعان کا طریقہ کار یہ ہے کہ قاضی اولاً شوہر سے لعان کا آغاز کرے گا اور شوہر چار دفعہ یوں کہے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں فلاں عورت پر زنا کا دعویٰ کرنے میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے اگر میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہر بار عورت کو مخاطب کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے۔ پھر قاضی عورت سے لعان کرائے وہ چار بار کہے میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ فلاں شخص مجھ پر زنا کا الزام لگانے میں جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے اگر وہ اپنے الزام میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو عورت بھی مرد کو ہر بار مخاطب کرے یا اس کی طرف اشارہ کرے۔

لعان کے بعد:

قولہ: واذا التعنا الخ: جب زوجین لعان کر چکیں تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا کہ از خود لعان کی وجہ سے جدائیگی نہ ہوگی اور اس قاضی کی تفریق سے جو فرقت ہوگی وہ طرفین کے نزدیک طلاق بائن ہوگی جب کہ امام یوسف کے نزدیک دائمی حرمت ہوگی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس پر دلیل حضرت عویمر العجلانی کا اپنی بیوی سے لعان کا قصہ ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ "ہر وہ فرقت جو قاضی کی جانب سے ہو تو وہ طلاق کے حکم میں ہے کہ جس طرح عنین میں ہے"۔ (الصحیح قولھما "الترجیح والتصحیح")

بچے کے نسب کا انکار:

قولہ: وان کان القذف الخ: اگر شوہر نے بچے کے نسب کا انکار کیا کہ یہ مجھ سے نہیں تو قاضی لعان کے بعد اس بچے کے نسب کو اس مرد سے ختم کر دے گا اور بچے کو والدہ کے حوالے کر دے گا اگر بعد میں شوہر نے رجوع کر لیا تو حد قذف جاری ہوگی اور اس عورت سے نکاح جائز ہے۔ اگر کسی شخص نے اجنبیہ عورت پر زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے مرد پر حد لگائی گئی ان کے درمیان لعان نہ ہوگا لہٰذا یہ مرد اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح عورت پر حد زنا جاری کی گئی تو لعان سے خارج ہوگئی۔

وَإِذَا قَذَفَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ صَغِيرَةٌ أَوْ مَجْنُونَةٌ فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَقَذْفُ الْأَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ لِعَانٌ وَإِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّي فَلَا لِعَانَ وَعِنْدَهُمَا إِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَهُوَ قَاذِفٌ فَيُلَاعِنُ وَإِنْ قَالَ زَنَيْتِ، وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلَاعَنَا وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِي الْحَمْلَ وَإِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهِ عَقِيبَ الْوِلَادَةِ فِي الْحَالِ الَّتِي يَقْبَلُ فِيهَا التَّهْنِئَةَ وَيَبْتَاعُ لَهُ آلَةَ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهُ وَلَاعَنَ بِهِ وَإِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَاعَنَ وَثَبَتَ النَّسَبُ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ فِي مُدَّةِ النِّفَاسِ وَإِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِي ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَحُدَّ الزَّوْجُ وَلَا لِعَانَ وَإِنِ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِي ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلَاعَنَ؛

"اور اگر کسی نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا اس حال میں کہ وہ بچی یا دیوانی ہے تو ان دونوں کے درمیان نہ لعان ہوگا اور نہ ہی حد اور گونگے کا عیب لگانا اس کے ساتھ بھی لعان متعلق نہ ہوگا اور جب شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں تو لعان نہ ہوگا اور اگر کہا کہ تو نے زنا کیا اور یہ حمل زنا کا ہے تو دونوں لعان کریں گے اور قاضی حمل کی اس سے نفی نہیں کرے گا اور جب مرد اپنی بیوی کے بچے کی نفی کردے ولادت کے بعد یا اس حالت میں کہ جب مبارک باد قبول کی جاتی ہے اور اس کے لیے ولادت کا سامان خریدا جاتا ہے تو اس کی نفی صحیح ہوگی اس کی وجہ سے وہ لعان کرے گا اور اگر اس کے بعد نفی کی تو لعان کرے گا اور نسب ثابت ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کی نفی نفاس کی مدت میں درست ہے اور اگر ایک بطن سے دو بچے عورت نے جنم دیئے پہلے کی نفی کردی اور دوسرے کا اعتراف کرلا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور شوہر کو حد لگائی جائے گی اور اگر پہلے کا اعتراف کیا اور دوسرے کی نفی کی تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور لعان کرے گا۔

عدم لعان کی چند صورتیں:

قولہ: وان قذف الخ: شوہر نے کم سن زوجہ یا مجنونہ زوجہ پر زنا کی تہمت لگائی ۲۔ گونگے نے اشارے کے ساتھ تہمت لگائی تو نہ حد جاری ہوگی نہ ہی لعان ہوگا جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک لعان تو نہ ہوگا قذف کی حد جاری ہوسکتی ہے۔

حمل کی نفی:

قولہ: واذا قال الخ: اگر شوہر زنا کی تہمت لگائے بغیر اپنی طرف سے حمل کے نسب کی نفی کرتا ہے تو لعان نہ ہوگا نہ ہی حد یہ مذہب امام اعظم کا ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک اگر بچہ جننے اور تہمت کے درمیان چھ ماہ سے کم کا عرصہ ہے تو حمل کی نفی کرنے سے لعان واجب ہوگا۔ اگر شوہر حمل کی نفی کے ساتھ زنا کی تہمت لگاتا ہے تو اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان ہوگا لیکن لعان کے بعد قاضی نسب کی نفی نہیں کرے گا بلکہ پیدائش کا انتظار کرے گا جنم کے بعد نفی کرے گا۔

نسب کی نفی کی مدت:

قولہ: واذا نفی الخ: بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کی نفی شوہر کتنے عرصے میں کرے تو معتبر ہوگی؟ اس میں دو

مذہب ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک شوہر بچے کا انکار اس وقت کرے کہ جب بچے کی ولادت کے لیے آلات خریدے جا رہے ہوں یا مبارک بادیاں دی جا رہی ہوں یا پیدائش کے بعد خاموش رہا ہو تو اس وقت کی نفی معتبر نہ ہوگی ان کے درمیان لعان ہوگا اور تفریق بھی ہو جائے گی نسب شوہر ہی سے ثابت ہوگا۔ حاصل یہ کہ امام اعظم کے نزدیک دن مقرر نہیں۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک نفاس کی مدت (۴۰ دن) کے اندر اندر نفی معتبر ہوگی بعد میں نہیں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ جب اقرار پر دلالت کرنے والے امور پائے گئے تو اصول یہ ہے کہ "اقرار کے بعد انکار قبول نہیں ہوتا" (الصحیح قول ابی حنیفۃ "الترجیح والصحیح" دیگر معون علی قول الامام)

دو میں سے ایک بچے کی نفی:

قولہ: وان ولدت الخ: اگر ایک حمل سے دو بچے پیدا ہوئے پہلے بچے کے نسب کا شوہر انکار کرتا ہے اور دوسرے کا اقرار تو دونوں کے نسب ثابت ہوں گے اور دونوں کا نسب اس لیے ثابت ہوگا کہ ایک کے اقرار سے دوسرے کا اقرار لازم آتا ہے کیونکہ دونوں ایک حمل ایک منی سے پیدا ہوئے اور حد اس لیے لگے گی کہ پہلے بچے کا انکار کر کے بیوی پر تہمت لگائی بعد میں دوسرے کا اقرار کر کے اپنی تکذیب کی۔ اگر پہلی صورت کے برعکس ہو کہ پہلے بچے کے نسب کا اقرار ہو دوسرے کا انکار ہو تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور حد اس لیے نہیں لگے گی کہ دوسرے بچے کے نسب کے انکار کے بعد اپنی تکذیب نہیں کی البتہ بعد والے کے انکار کی وجہ سے عورت پر تہمت لگی اس لیے لعان واجب ہے۔

كتاب العدة

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے نکاح کے ختم ہونے کی مختلف صورتیں بیان کیں اب جدائیگی کے بعد عدت گزارنے کے احکام کا آغاز کررہے ہیں۔

عدت کا لغوی معنی:

شمار کرنا۔

اصطلاحی معنی:

عدت سے مراد وہ ایام ہیں جن کو ملک نکاح کے زائل ہونے کے بعد عورت (مدخول بہا، متوفی عنہا زوجہا) پر گزارنا ضروری ہے۔

عدت کا ثبوت:

عدت وفات ہو یا عدت طلاق ہر دو صورتوں کا ثبوت قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ہے۔

عدت مقرر کرنے کی حکمت:

عدت مقرر کرنے کا بنیادی مقصد تو نسب کا تحفظ ہے جس کی اسلام بہت اہمیت دیتا ہے ایک شوہر سے جدائی کے بعد وقفہ رکھا جائے تا کہ نسب کا اختلاط نہ ہو۔ نیز اور بھی اخلاقی مقاصد ہیں کہ میاں بیوی کا رشتہ ایک عرصہ سے قائم رہا اس کی جدائیگی پر کم از کم مدت معینہ تک حسرت وافسوس میں گزارے۔

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ ثَلَاثًا أَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ، وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ وَالْأَقْرَاءُ الْحَيْضُ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ وَإِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنِ امْرَأَتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرَةٌ، وَإِنْ كَانَتْ أَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ أَيَّامٍ وَإِنْ كَانَتْ حَامِلَةً فَعِدَّتُهَا أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا

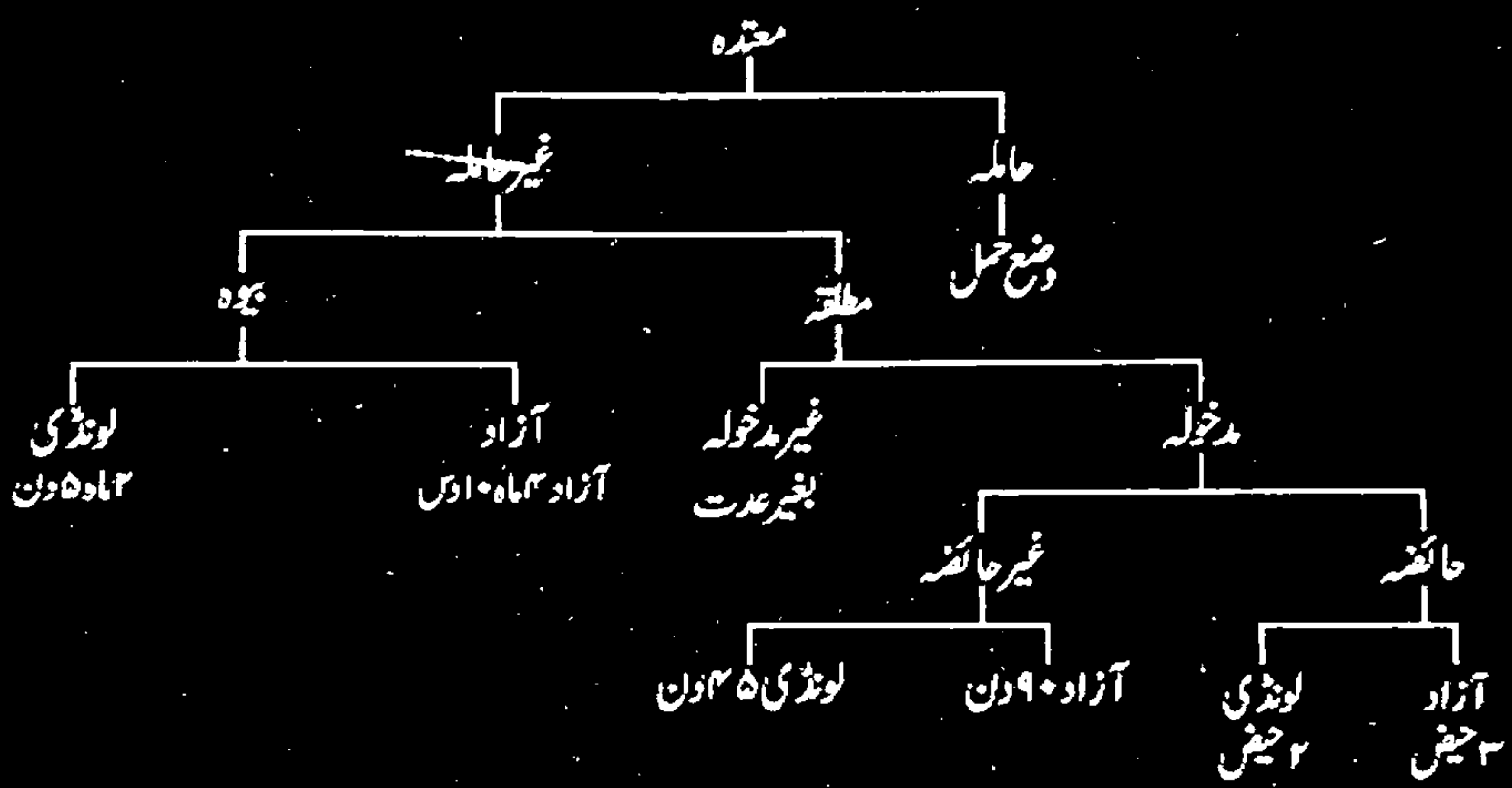
"جب شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دے دی یا طلاق رجعی دے دی یا دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی حالانکہ یہ آزاد عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اقراء حیض ہیں اور اگر عورت کو صغر سنی یا بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر عورت لونڈی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہے اور اگر لونڈی کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی مدت ڈیڑھ ماہ ہے اور

جب شوہر اپنی آزاد بیوی کو چھوڑ کر فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے اور اگر وہ عورت لونڈی ہے تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے اور اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے"۔

معتدہ کی اقسام:

قولہ: اذا طلق ارجل الخ: معتدہ کی چار قسمیں ہیں۔ ا۔معتدہ حائضہ ۲۔معتدہ غیر حائضہ ۳۔معتدہ حاملہ ۴۔معتدہ متوفی عنہا زوجہا۔

نقشہ



فرقت بغیر طلاق:

مثلاً خیار بلوغ، خیار عتق، غیر کفو کی وجہ سے، زوجین میں سے کسی ایک مالک بننے کی وجہ سے، نکاح فاسد اور عورت کے مرتدہ ہونے کی وجہ سے فرقت بغیر طلاق ہوتی ہے۔

اَقراء جمع ہے قرءٌ کی بمعنی حیض۔ احناف کے نزدیک عورت حیض کے لحاظ سے عدت گزارے گی جب کہ امام شافعی کے نزدیک (قرء بمعنی طہر) طہر کے لحاظ سے عدت گزارے گی۔

متوفی عنہا زوجہا کی عدت میں مہینے سے مراد:

قولہ: اربعة اشهرا الخ: عدت وفات میں مہینہ سے مراد چاند کا مہینہ مراد ہے اگر مہینہ کے آغاز سے عدت وفات شروع ہوتی ہے تو چار مہینوں کا اعتبار ہے چاہے ۲۹ کے ہوں یا ۳۰ کے ہوں اگر مہینے کے درمیان سے عدت کا آغاز ہوا تو ۱۳۰ دن پورے کرنا لازم ہیں۔

وَاِذَا وَرِثَتْ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ وَاِنْ اُعْتِقَتْ الْاَمَةُ فِي عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ انْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَاِنْ اُعْتِقَتْ ، وَهِيَ مَبْتُوتَةٌ اَوْ مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ وَاِذَا كَانَتْ آيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ رَأَتْ الدَّمَ انْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَكَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَسْتَاْنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ

"اور جب مطلقہ مرض الموت میں وارث ہو جائے تو اس کی مدت وہ جو دو مدتوں میں سے لمبی ہو اگر لونڈی کو طلاق رجعی کی مدت میں آزاد کر دیا گیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی اور اگر لونڈی کو اس حال میں آزاد کیا گیا کہ وہ مطلقہ بائنہ ہے یا متوفی عنہا زوجہا ہے تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہ ہوگی اور اگر آیسہ ہو اور اس نے اپنی عدت مہینوں سے شروع کر دی پھر اس نے خون دیکھا تو اس کی عدت سے جو زمانہ گزر گیا وہ عدت ٹوٹ جائے گی اور اس عورت پر لازم ہے کہ اپنی عدت از سر نو حیض سے شروع کرے"۔

متفرق مسائل:

قولہ: واذا ورثت الخ: ۱۔ مرض الموت میں شوہر نے عورت کو طلاق بائن یا مغلظہ دی پھر شوہر عدت کے اندر ہی فوت ہو گیا تو وہ وارث بنے گی اور دو عدتوں (عدت طلاق، عدت وفات) میں سے جو لمبی ہوگی وہ گزارے گی یہ مذہب طرفین کا ہے جب کہ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک تین حیض عدت ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے اس پر دلیل ہے کہ جب میراث کے حق میں نکاح باقی ہے تو عدت کے حق میں بھی بدرجہ اولیٰ باقی ہوگا کیونکہ عدت ان احکام میں سے ہے جن میں احتیاط کا پہلو پیش نظر ہوتا ہے لہٰذا "ابعد الاجلین" والی عدت واجب ہوگی۔ (الصحیح قولھما "الترجیح والتصحیح" دیگر معون علی قول الطرفین) اگر مطلقہ رجعیہ ہے تو بالاتفاق عدت وفات ہی گزارے گی۔ ۲۔ لونڈی کو دوران عدت آزاد کر دیا تو لونڈی معتدہ دو حال سے خالی نہیں کہ اگر مطلقہ رجعیہ ہے تو آزاد عورت والی عدت (تین حیض) گزارے گی اگر مطلقہ بائنہ یا متوفی عنہا زوجہا ہے تو لونڈی ہی والی عدت گزارے گی۔ کیونکہ من وجہ نکاح باقی نہیں۔ ۳۔ مطلقہ عورت آیسہ تھی کہ مہینوں کے لحاظ سے عدت گزار رہی تھی اسی اثناء میں حیض شروع ہو گیا تو اب اصل کے لوٹ آنے سے فرع (مہینوں کے لحاظ سے) باطل ہو جائے گی لہٰذا از سر نو حیض سے عدت گزارے گی۔

وَالْمَنْكُوْحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْءَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ وَاِذَا مَاتَ مَوْلٰى اُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا اَوْ اَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلَاثُ حِيَضٍ وَاِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنْ امْرَاَتِهِ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَاِنْ حَدَثَ الْحَبَلُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيْعًا وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ فِي حَالِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِي وَقَعَ فِيْهَا الطَّلَاقُ وَاِذَا وُطِئَتْ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ اُخْرٰى وَتَتَدَاخَلُ

الْعِدَّتَانِ فَيَكُونُ مَا تَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا بِهِ مِنْهُمَا جَمِيْعًا فَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ مِنَ الْأَوَّلِ وَلَمْ تُكْمِلِ الثَّانِيَةَ فَإِنَّ عَلَيْهَا تَمَامَ عِدَّةِ الثَّانِي.

''اور جس عورت سے فاسد نکاح کیا گیا اور جس عورت سے شبہ میں وطی کی گئی توان دونوں کی عدت فرقت اور موت میں حیض ہے اور اگر ام ولد کا سرداراس کو چھوڑ کر فوت ہو جائے یا اس کو آزاد کر دے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو چھوڑ کر فوت ہو جائے حالانکہ اس کی بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر حمل انتقال کے بعد ظاہر ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو عدت کا شمار اس حیض سے نہ ہوگا جس میں طلاق دی گئی اور اگر معتدہ عورت سے شبہ کی وجہ سے وطی کی گئی تو اس پر ایک اور عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی اور عورت جس حیض کو دیکھے گی اس کا دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہو گئی مگر دوسری پوری نہیں ہوئی تو اس پر دوسری عدت پوری کرنا واجب ہے''۔

نکاح فاسد اور وطی بالشبہ میں عدت:

قولہ: والمنكوحة الخ: اگر بغیر گواہوں کے نکاح کیا گیا جو نکاح فاسد ہے یا وطی بالشبہ کہ دوسری عورت کے ساتھ شبہ کی وجہ سے وطی کر دی گئی تو ان دونوں صورتوں میں عدت فقط تین حیض ہے۔اگر چہ وطی کرنے والا فوت بھی ہو جائے کیونکہ نکاح فاسد کو توڑنا واجب تھا اور وطی بالشبہ میں غیر عورت سے وطی ہے اس لیے عدت وفات نہیں لیکن عدت وقت (تین حیض) اس لیے ہے کہ رحم کو چیک کیا جا سکے کہ حمل ہے یا نہیں؟

ام ولد کی عدت:

قولہ: واذا مات الخ: اگر ام ولد کا مولیٰ انتقال کر گیا یا اسے آزاد کر دیا تو احناف کے نزدیک ام ولد کی عدت تین حیض ہے جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک حیض ہے۔

مراہق لڑکے کی بیوی کی عدت:

قولہ: واذا مات الخ: نابالغ قریب البلوغ لڑکا انتقال کر گیا کہ اس کی بیوی حاملہ ہے تو طرفین کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہے اور بچہ ثابت النسب ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک چار ماہ دس دن ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے لیکن اگر وفات کے وقت حمل ظاہر نہ ہو بعد میں ظاہر ہوا تو عدت وفات گزارے گی اگر بچہ قریب البلوغ نہیں تو حمل ٹھہرانے کے قابل نہیں تو عدت وفات گزارے گی۔

حالت حیض میں طلاق:

قولہ: واذا طلق الخ: اگر حالت حیض میں طلاق دی گئی تو عورت ان ایام حیض کو عدت میں شمار نہیں کرے گی بلکہ الگ سے

تین کامل حیض سے عدت مکمل کرے گی تا کہ تین (ثلثہ) میں کمی نہ آئے۔

معتدہ کے ساتھ وطی بالشبہ کی وجہ سے عدت:

قولہ: واذا وطئت الخ: کہ عورت طلاق بائن یا مغلظہ کی عدت گزار رہی تھی کہ اس سے کسی نے شبہ کی وجہ سے وطی کر لی تو اس عورت پر ایک اور عدت واجب ہو جائے گی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا۔ تداخل یہ ہے کہ وطی بالشبہ کے بعد جو حیض آئے گا وہ پہلی اور دوسری دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر دونوں عدتوں کی ابتداء ایک حیض سے ہے تو دونوں کی تکمیل اکٹھی ہوگی اگر دوسری عدت ایک حیض کے بعد شروع ہوئی تو طلاق کی عدت دو حیض اور گزارے اور وطی بالشبہ کی عدت مزید حیض کے ساتھ مکمل کرے۔

وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيبَ الْوَفَاةِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوْ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَدْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيبَ التَّفْرِيقِ بَيْنَهُمَا أَوْ عِنْدَ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْئِهَا

''اور طلاق میں عدت کی ابتداء طلاق کے بعد ہے اور وفات میں وفات کے بعد ہے پھر اگر عورت کو طلاق یا وفات کا علم نہ ہو یہاں تک کہ مدت عدت گزر جائے تو اس کی عدت پوری ہو چکی ہے اور نکاح فاسد میں عدت تفریق کے بعد سے یا وطی کرنے کی وطی نہ کرنے کا ارادہ کرنے کے بعد سے ہوگی''۔

عدت کا ابتدائی وقت:

قولہ: وابتدا العدۃ الخ: عدت کا وقت کب شروع ہوگا؟ چونکہ عدت کے اسباب میں سے ایک سبب طلاق ہے لہٰذا طلاق کے بعد سے عدت کا آغاز ہوگا اسی طرح دوسرا سبب وفات ہے لہٰذا وفات کے بعد سے عدت کا آغاز ہوگا لیکن اگر بیوی کو نہ طلاق کا علم ہوا اور نہ ہی شوہر کے وصال کا علم ہو کہ جب علم ہوا تو عدت گزر چکی تھی تو حکم یہ ہے کہ عدت پوری ہو چکی یہی آئمہ اربعہ کا مذہب ہے اور نکاح فاسد میں عدت کی ابتدا قاضی کے فیصلے کے بعد سے ہوگی یا شوہر نے جس تاریخ سے وطی نہ کرنے کا عزم کر لیا اس تاریخ سے عدت شروع ہو جائے گی کیونکہ نکاح صحیح نہیں اس لیے وطی نہ کرنے کا عزم تفریق کے مشابہ ہے فرق یہ ہے کہ پہلے قاضی نے تفریق کر دی اب از خود تفریق کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔ اس کو ''متارکہ'' کہا جاتا ہے۔ جب کہ امام زفر کے نزدیک عدت کی ابتدا آخری وطی سے ہوگی۔

احناف کے نزدیک ممتدۃ الطہر کی عدت پچپن سال تک:

اکثر فقہاء نے سن ایاس ۵۵ سال قرار دی ہے اگر کسی عورت کی عدت حیض سے شروع ہوئی کہ اس کے بعد حیض بند ہو گیا تو احناف کے نزدیک سن ایاس تک عدت میں بیٹھی رہی گی جب کہ مالکیہ کا معتبر قول ایک سال کا ہے کہ تین ماہ تو اصل عدت ہے باقی عدت شبہ حمل کو دور کرنے کے لیے ہے۔ علامہ شامی نے بزازیہ سے نقل کیا ہے ''الفتویٰ فی زماننا علی قول مالك'' اسی طرح ایک عورت ''ممتدۃ الحیض'' بھی ہے کہ مسلسل خون جاری ہو بند نہ ہو تو سات ماہ عدت ہے۔

وَعَلَى الْمَبْتُوتَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا كَانَتْ بَالِغَةً عَاقِلَةً مُسْلِمَةً الْإِحْدَادُ وَالْإِحْدَادُ أَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَّاءِ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا بِعُصْفُرٍ وَلَا بِزَعْفَرَانٍ وَلَا وَرْسٍ وَلَا إِحْدَادَ عَلَى كَافِرَةٍ وَلَا صَغِيْرَةٍ وَعَلَى الْأَمَةِ الْإِحْدَادُ وَلَيْسَ فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَلَا فِي عِدَّةِ أُمِّ الْوَلَدِ إِحْدَادٌ وَلَا يَنْبَغِيْ أَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَأْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ

”اور معتدہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا پر جب کہ وہ عاقلہ بالغہ مسلمان ہو سوگ منانا ہے اور سوگ منانا یہ ہے کہ عورت خوشبو لگانا، زینت کرنا، تیل لگانا اور سرمہ لگانا ترک کر دے مگر عذر کی وجہ سے اور مہندی نہ لگائے اور نہ پہنے عصفر یا ورس یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا اور کافرہ عورت اور بچی پر سوگ منانا نہیں ہے اور لونڈی پر سوگ منانا ہے اور نہ ہی نکاح فاسد کی عدت میں اور نہ ہی ام ولد کی عدت میں سوگ منانا اور مناسب نہیں ہے معتدہ کو پیغام نکاح دینا اور کنایۃً پیغام نکاح دینے میں کوئی حرج نہیں“۔

عدت میں سوگ

قولہ: وعلى المبتوتة الخ: صرف مطلقہ رجعیہ پر سوگ نہیں بلکہ زیب و زینت کرنی چاہیے تا کہ مرد کی طبیعت کا میلان ہو اور وہ اس کی طرف رجوع کرلے۔ متوفی عنہا زوجہا کے شوہر کے انتقال پر سوگ منانے پر سبھی کا اتفاق ہے نیز مطلقہ بائنہ اور مطلقہ مغلظہ پر بھی احناف کے نزدیک احداد (سوگ) ہے۔ احداد کا مطلب یہ ہے کہ زیب و زینت کی تمام چیزیں مثلاً خوشبو، تیل، سرمہ، مہندی، کاجل، خضاب، ریشمی لباس، کریم اور پوڈر وغیرہ اسی طرح لباس مثلاً شوخ زعفرانی، سرخ رنگ وغیرہ سے اجتناب کرے بلکہ سیاہ و سفید لباس استعمال کرے البتہ عذر کی وجہ سے ممنوع چیز کو استعمال کرنے میں حرج نہیں۔ سوگ کا حکم دن و رات دونوں کے حق میں برابر ہے سوگ کرنا حقوق شرعیہ میں سے ہے سوگ کو ”حداد، احداد“ کہا جاتا ہے۔

جن پر سوگ نہیں:

قولہ: ولا احداد الخ: سات عورتوں پر سوگ نہیں۔ ۱۔ کافرہ ۲۔ صغیرہ ۳۔ مجنونہ ۴۔ معتدۃ العتق ۵۔ معتدۃ النکاح الفاسد ۶۔ معتدۃ الرجعیہ ۷۔ معتدۃ موطوءہ بالشبہ۔

معتدہ کو پیغام نکاح:

قولہ: ولا ینبغی الخ: عدت کی حالت میں صراحتاً پیغام نکاح دینا جائز نہیں البتہ معتدہ رجعیہ کے علاوہ باقی معتدہ کو اشارۃً پیغام نکاح دینا درست ہے مثلاً میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے نیک بخت خاتون نصیب فرمائے وغیرہ جب پیغام نکاح ناجائز ہے تو خود نکاح کی حرمت واضح ہے۔ پیغام نکاح کو ”خطبہ نکاح“ کہا جاتا ہے۔

وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا

زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَلَا تَبِيتُ عَنْ مَنْزِلِهَا وَعَلَى الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِي يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنَى حَالَ وُقُوعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ وَاِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ يَكْفِيهَا فَلَيْسَ لَهَا اَنْ تَخْرُجَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَاِنْ كَانَ نَصِيبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيهَا فَاَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ

''اور مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ کے لیے اپنے گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں نہ ہی رات میں اور نہ ہی دن میں اور متوفی عنہا زوجہا دن کو نکل سکتی ہے اور رات کو کچھ حصہ میں اور اپنے گھر کے علاوہ رات نہ گزارے اور معتدہ پر واجب ہے اس گھر میں عدت گزارنا جو اس کی رہائش کی طرف منسوب ہے جدائیگی اور موت کے وقت پس اگر اس کا حصہ میت کے مکان سے اتنا ہو جو اس عورت کے لیے کافی ہو تو عورت کے لیے نکلنا جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے اور اگر اس کا حصہ میت کے گھر سے اتنا ہو جو اسے کافی نہ ہو اور ورثا اپنے حصے سے نکال دیں تو وہ منتقل ہو جائے اور جائز نہیں کہ شوہر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرے''۔

عدت طلاق میں گھر سے نکلنا:

قوله:ولا يجوز الخ: عدت طلاق (رجعی ہو یا بائنہ) کے دوران دن و رات شوہر کی مہیا کی ہوئی رہائش میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے یہاں تک کہ اگر عورت ماں باپ کے گھر گئی ہوئی تھی کہ اسی دوران طلاق واقع ہو تب بھی حکم ہے کہ واپس آ کر شوہر کی فراہم کردہ رہائش میں عدت گزارے ہاں اگر شوہر کی فراہم کردہ رہائش میں عدت گزارنے پر جان و مال، عزت و آبرو کا خطرہ ہو تو دوسرے مکان میں عدت گزار سکتی ہے۔ مطلقہ کی عدت کے دوران نان ونفقہ شوہر پر لازم ہے۔

عدت وفات میں گھر سے نکلنا:

قوله:والمتوفى الخ: معتدة الوفات یا معتدہ طلاق دونوں کا شوہر کی فراہم کردہ رہائش میں عدت گزارنا ضروری ہے کیونکہ شوہر کے گھر میں عدت گزارنا شریعت کا حق ہے۔ البتہ نفقہ کے لحاظ سے فرق یہ ہے کہ مطلقہ کی عدت کے دوران کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے جب کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کے دوران کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں لہٰذا اگر متوفی عنہا زوجہا کے پاس چار ماہ دس دن کا خرچہ ہے تو باہر نکلنا ہرگز درست نہیں اگر اتنا خرچہ نہیں تو دن کو روزگار کے لیے باہر جا سکتی ہے مگر رات اسی گھر میں گزارے اگر گھر سے جبراً نکال دیا جائے یا مکان کا کرایہ اتنا ہے کہ ادا نہیں کر سکتی یا اس مکان میں عزت و آبرو کے لٹ جانے کا شدید خطرہ ہے تو اس مکان کے قریب ترین جگہ پر منتقل ہو سکتی ہے۔

معتدہ کو سفر پر نہ لے جانا:

قوله: ولا يجوز الخ: اگر عورت کو طلاق بائن یا طلاق مغلظہ دی گئی ہو تو اسے کسی بھی سفر پر لے جانا جائز نہیں چاہے سفر حج ہی کیوں نہ ہو اور لے جانے والا چاہے شوہر ہو یا محرم یہی حکم متوفی عنہا زوجہا کا ہے۔ اگر طلاق رجعی دی تھی رجوع کا ارادہ ہے تو ساتھ لے جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔

وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِي عِدَّتِهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبَلَةٌ عِنْدَهُمَا ,وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الْأُولَى،

''اور جب شوہر نے بیوی کو طلاق بائن دی پھر عدت میں اس سے نکاح کر لیا پھر اس کو قبل الدخول طلاق دے دی تو شوہر پر پورا مہر واجب اور مکمل عدت واجب ہوگی اور امام محمد نے فرمایا کہ شوہر پر نصف مہر اور پہلی عدت کو پورا کرنا لازم ہے''۔

مطلقہ بائنہ کو عدت میں نکاح کے بعد طلاق دینا:

قوله:واذا طلق الخ: معتدہ بائنہ سے عدت میں شوہر نے نکاح کر لیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو آئمہ احناف میں اختلاف ہے کہ مہر کامل ہوگا یا نصف یوں ہی عدت کامل ہوگی یا گزشتہ کی باقی ماندہ؟ شیخین کے نزدیک دوسرے نکاح کی وجہ سے پورا مہر اور عورت پر دوسری مکمل عدت واجب ہوگی جب کہ امام محمد کے نزدیک نصف مہر اور پچھلی عدت کو پورا کیا جائے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ یہاں اگر چہ جماع نہیں پایا گیا مگر جماع اول کا اثر باقی تسلیم کر کے اس پر مہر بھی پورا لازم اور عدت بھی پوری لازم ہوگی۔(الصحیح قولهما "الترجیح والصحیح" دیگر معون علی قول الشیخین)

وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا فَإِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْهُ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَكَانَتْ رَجْعِيَّةً وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ وَإِذَا جَاءَتْ بِهِ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ يَوْمِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَهُ وَيَثْبُتُ نَسَبُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا مَا بَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ سَنَتَيْنِ وَإِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ لِاحْتِمَالِ الْحُدُوثِ بَعْدَ الْعِدَّةِ

''اور مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب ثابت ہوگا جب کہ وہ اس کو دو سال یا اس سے زیادہ میں جنم دے جب تک عورت عدت گزارنے کا اقرار نہ کرلے اور اگر عورت نے اس کو دو سال سے کم میں جنم دیا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور عورت اس سے بائنہ ہو جائے گی اور اگر عورت نے دو سال سے زیادہ میں جنم دیا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور یہ رجعت ہوگی اور بائنہ طلاق والی عورت کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب کہ وہ اس کو دو سال سے کم میں جنم دے اور جب وہ اس کو دو سال مکمل ہونے پر جنم دے جدائی کے دن سے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا مگر یہ کہ شوہر اس کا دعویٰ کرے اور متوفی عنہا زوجہا کے بچے کا نسب وفات کے وقت سے دو سال کے اندر ثابت ہو جائے گا۔ اگر معتدہ بائنہ نے اپنی عدت پوری کرنے کا اعتراف کر لیا پھر چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر اس عورت نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا

تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا"۔

ثبوت نسب:

قولہ: ویثبت النسب الخ: اسلام نسب ونسل کی بھرپور حفاظت کی تاکید کرتا ہے کہ حتی المقدور عورت کو زنا کی تہمت سے بچایا جاسکے۔ اسلام میں ثبوت نسب کے چار طریقے (نکاح صحیح، نکاح فاسد، وطی بالشبہ، ملکیت) ہیں کہ جس طرح نکاح صحیح کے بعد نسب شوہر سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح طلاق اور وفات کے بعد بھی ممکن حد تک بچے کا نسب اسی سے ثابت کیا جائے گا لہٰذا مطلقہ اور متوفی عنہا زوجہا کے بچوں کے نسب کے متعلق امام قدوری نے چند صورتیں بیان کی ہیں۔ ۱۔ مطلقہ رجعیہ عدت گزار رہی تھی کہ دو سال یا زیادہ تک عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا اس دوران اس نے بچہ جنا تو شوہر سے نسب ثابت ہوگا کہ جب تک عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے تو بچہ صاحب فراش ہی کا ہوگا تاکہ بچے کو ولد الزنا (حرامی) کی تہمت سے بچایا جاسکے۔ اگر دو سال سے کم عرصہ میں بچہ جنا تو یہی سمجھا جائے گا کہ طلاق کے وقت عورت حاملہ تھی وضع حمل کے ساتھ عورت بائنہ ہوگئی کیونکہ حدیث سے حمل کی مدت زیادہ سے زیادہ دو سال ثابت ہے۔ لیکن اگر دو سال سے زیادہ عرصہ میں بچہ جنا تو معلوم ہوا کہ عورت طلاق کے وقت حاملہ نہ تھی بعد میں عدت کے دوران وطی سے حاملہ ہوئی اور طلاق رجعی کی عدت میں وطی سے رجعت ہو جاتی ہے۔ ۲۔ مطلقہ بائنہ اگر دو سال کے اندر بچہ جنم دے تو بچے کا نسب ثابت ہوگا کہ وقت طلاق حاملہ تھی لیکن اگر دو سال کے بعد بچہ جنم دے تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ مطلقہ بائنہ کی عدت میں وطی حرام ہے اگر شوہر خود دعویٰ کرے تو نسب ثابت ہوگا کہ یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے عدت میں شبہ حلت کی بنا پر وطی کی ہوگی۔ ۳۔ متوفی عنہا زوجہا انتقال زوج کے دن سے دو سال کے اندر اندر بچہ جنم دے تو وہ نسب ثابت ہوگا کہ وقت وفات حاملہ تھی اگر دو سال کے بعد بچہ جنم دے تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ ۴۔ اگر معتدہ بائنہ نے یہ اعتراف کرلیا کہ میری عدت گزر گئی اس کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ جنم دیا تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اعتراف کے وقت وہ یقینا حاملہ تھی اس لیے عدت گزرنے کا اعتراف درست نہیں تھا لہٰذا چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہونے پر نسب ثابت ہوگا لیکن اگر عدت کے ختم ہونے کے اعتراف کے چھ ماہ بعد بچہ جنم دیا تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ اعتراف کے وقت بچے کا پیٹ میں ہونا ضروری نہیں کیونکہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے ہوسکتا ہے کہ کسی اور کی وطی سے حمل ٹھہرا ہو۔

وَاِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌ اَوْ اِعْتِرَافٌ مِّنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ وَّقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَثْبُتُ فِي الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ وَاِذَا تَزَوَّجَ امْرَاَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِّنْ يَّوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا ثَبَتَ نَسَبُهُ اِذَا اعْتَرَفَ بِهِ وَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ ثَبَتَ نَسَبُهُ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَّاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ

"اور جب معتدہ بائنہ نے بچہ جنم دیا تو اس کا نسب امام اعظم کے نزدیک تب ثابت ہوگا کہ جب دو مرد یا ایک مرد اور دو

عورتیں پیدائش کی گواہی دیں مگر یہ کہ وہاں حمل بالکل ظاہر ہو یا شوہر کی جانب سے اقرار ہو تو نسب گواہی کے بغیر بھی ثابت ہو جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام صورتوں میں نسب ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گا اور اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا عورت نے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا جب سے اس کا نکاح ہوا تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ میں بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ شوہر اس کا اقرار کر لے یا خاموش رہے اور اگر شوہر نے ولادت کا انکار کر دیا تو ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا جو ولادت کی گواہی دے"۔

نسب کو ثابت کرنے کے طریقے:

قولہ: واذا ولدت الخ: نسب کو تین طریقوں (نکاح، نسب کا اقرار، شہادت) سے ثابت کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر عورت عدت میں تھی کہ اس نے بچہ جنم دیا کہ حمل پہلے سے ظاہر تھا یا شوہر نے اقرار کیا تو ان دونوں صورتوں میں بغیر شہادت کے نسب ثابت ہوگا لیکن اگر شوہر نے ولادت کا انکار کر دیا تو امام اعظم کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی بچہ کی ولادت پر گواہی شرط ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک تمام صورتوں میں صرف دایہ کی شہادت بچے کے نسب کے ثبوت کے لیے کافی ہے چاہے حمل ظاہر ہو یا نہ ہو، شوہر اقرار کرے یا انکار یہی قول امام احمد بن حنبل کا بھی ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی اور امام مالک کے نزدیک دو کی گواہی شرط ہے۔ اس بات پر سبھی کا اتفاق ہے کہ سن کر یا عام شہرت کی بنا پر گواہی دینا کافی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عورت عدت گزار رہی ہے وہ مکمل شوہر کی فراش نہیں اس لیے ثبوت نسب کے لیے حجت کاملہ شرط ہے اور حجت کاملہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہے۔ (تقدیم قول الامام فی الفتاوٰی القاضی خان و ملتقی الابحر، الاقتصار علی قول الامام فی الھندیہ و دیگر متون علی قول الامام) جب کہ منکوحہ عورت کے بچے کی تعیین کے لیے بالاجماع دایہ یا صرف ایک عورت کی گواہی کفایت کرتی ہے کہ یہی بچہ اس عورت سے پیدا ہوا۔

وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَاَقَلُّهُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَاِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يَطَؤُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا

"حمل کی اکثر مدت دو سال ہے اور کم از کم مدت چھ ماہ ہے اگر کسی ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی تو اس پر کوئی عدت نہیں اور اگر نکاح کیا ایسی عورت سے جو زنا سے حاملہ ہے تو اس کا نکاح درست ہے مگر اس سے وضع حمل تک وطی درست نہیں"۔

مدت حمل:

قولہ: واکثر مدۃ الخ: حمل کی مدت کا مسئلہ نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے اس لیے ثبوت نسب کا دار و مدار ہی مدت حمل پر ہے۔ مدت حمل کم از کم چھ ماہ ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی کہ جس نے شادی کے بعد چھ ماہ میں بچہ جنم دیا تو آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اسی اثناء میں اس کی خبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوگئی تو آپ نے سنگسار کرنے سے منع

فرمایا اور آپ نے قرآن مجید کی آیت وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا (الاحقاف:۱۵) سے استدلال فرمایا کہ مدت رضاعت دوسری آیت سے دو سال ثابت ہے لہٰذا مدت رضاعت ۲ سال نکالنے کے بعد حمل کی مدت چھ ماہ بنتی ہے اسی اجتہادی غلطی کی بنا پر مشہور مقولہ "لولا علی لهلك عمر" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے جاری ہوا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر (غلط فیصلے کی وجہ سے) ہلاک ہو جاتے۔ مشہور بنو امیہ کا بادشاہ عبدالملک بن مروان چھ ماہ کی مدت پر پیدا ہوا۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت

احناف کے نزدیک	......	۲ سال
مالکیہ کے نزدیک	......	۴ سال دوسرا قول، ۵ سال
شافعیہ، حنبلیہ کے نزدیک	......	۴ سال
امام زہری کے نزدیک	......	۶ یا ۷ سال تک
اصحاب ظواہر کے نزدیک	......	۹ ماہ
اہل تشیع کے نزدیک	......	۹ یا ۱۰ ماہ

ذمیہ پر عدت:

قوله: واذا طلق الخ: اگر ذمی مرد نے ذمیہ عورت کو طلاق دے دی تو عدت نہیں کیونکہ عدت ایک قسم کی عبادت ہے جس کی مخاطب مسلمان عورت ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک عدت ہے۔

زنا سے حاملہ کا نکاح:

قوله: وان تزوجت الخ: اگر زنا سے حاملہ عورت سے نکاح کیا جائے تو نکاح جائز ہے باقی رہی وطی اگر خود زانی نے حاملہ سے نکاح کیا ہے تو اس سے وطی جائز ہے کہ پہلا حمل بھی اسی کے نطفہ سے ہے اگر دوسرے سے نکاح ہوا ہے تو دوسرا وطی نہ کرے کہ پیٹ میں دوسرے کا بچہ ہے نکاح تو اس لیے جائز ہے تا کہ گناہ چھپ جائے۔

کتاب النفقات

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب العدت کو بیان کیا اب کتاب النفقات کا آغاز کر رہے ہیں۔نفقات جمع ہے نفقہ کی۔

نفقہ کا لغوی معنی:

نفقہ یا تو نفوق بمعنی ہلاک ہونے سے ماخوذ ہے یا نفاق بمعنی خرچ سے ماخوذ ہے۔علامہ زمخشری نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جس مادہ کا پہلا حرف ''ن'' اور دوسرا ''ف'' ہو تو اس میں نکلنے اور جانے کا معنی ہوتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

''ھی الطعام والکسوۃ والسکنی'' خوراک، پوشاک اور رہائش کے انتظام کو نفقہ کہا جاتا ہے۔

اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا فِیْ مَنْزِلِهٖ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا يُعْتَبَرُ ذٰلِكَ بِحَالِهِمَا جَمِيْعًا مُوْسِرًا كَانَ الزَّوْجُ اَوْ مُعْسِرًا وَكِسْوَتُهَا فَاِنْ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيْمِ نَفْسِهَا حَتّٰى يُوَفِّيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَاِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰى تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِهٖ .وَاِنْ كَانَتْ صَغِيْرَةً لَا يَسْتَمْتِعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَاِنْ سَلَّمَتْ اِلَيْهِ وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْءِ وَالْمَرْاَةُ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهٖ وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَاَتَهٗ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِیْ عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ الطَّلَاقُ اَوْ بَائِنًا وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا

''نفقہ بیوی کے لیے شوہر پر لازم ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافر بشرطیکہ بیوی اپنے آپ کو شوہر کے گھر سپرد کر دے تو شوہر پر اس بیوی کا نفقہ، لباس اور سکنی واجب ہے اور نفقہ کی مقدار میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کا اعتبار ہوگا شوہر مالدار ہو یا تنگ دست۔اگر بیوی نے خود کو سپرد کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ شوہر اس کو اس کا مہر دے دے تو عورت کے لیے نفقہ واجب ہے اور اگر عورت نے نافرمانی کی تو اس کے لیے نفقہ نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے شوہر کے گھر لوٹ آئے اور اگر بیوی اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے جماع نہیں ہو سکتا تو اس کے لیے نفقہ نہ ہوگا اگرچہ وہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کر دے اور اگر شوہر چھوٹا ہو کہ وطی کرنے پر قادر نہ ہو اور عورت بڑی ہو تو عورت کے لیے شوہر کے مال سے نفقہ ہوگا اور اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس عورت کو عدت میں نفقہ، سکنی ملے گا۔طلاق رجعی ہو یا بائن اور جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا تو اس عورت کے لیے نفقہ نہیں''۔

نفقہ:

قولہ: النفقه الخ: ا۔سب سے پہلے تو انسان پر خود اپنا نفقہ واجب ہے پھر دوسرے شخص کا نفقہ اس پر تین اسباب کے

تحت واجب ہوگا۔ا۔زدواجی رشتہ ۲۔قرابت داری ۳۔ملکیت۔ بیوی کا نفقہ بالاتفاق شوہر پر واجب ہے جس کا ذکر خود قرآن مجید میں ہے بیوی کا نفقہ نکاح صحیح کی وجہ سے شوہر پر واجب ہو جاتا ہے بیوی چاہے مسلمہ ہو یا کافرہ بشرطیکہ بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں سپرد کر دیا ہو۔

نفقہ کی مقدار اور معیار:

قولہ:یعتبر الخ: نفقہ کی مقدار کے متعلق اصول یہ ہے کہ ''ہر زمانہ کے عرف ورواج اور زیر کفالت شخص کے حالات کے مطابق مختلف ہو سکتا ہے'' زوجین کی حالت کی چار صورتیں ہیں۔ا۔دونوں خوشحال ہوں ۲۔دونوں تنگ دست ہوں ۳۔شوہر مالدار ہو اور بیوی تنگ دست ہو ۴۔بیوی مالدار ہو اور اگر شوہر تنگ دست ہو تو پہلی صورت میں خوشحالی کا نفقہ واجب، دوسری صورت میں تنگ دستی کا نفقہ واجب جب کہ تیسری اور چوتھی صورت میں درمیانے درجہ کا نفقہ واجب ہوگا یہی مفتٰی بہ قول ہے اسی کو امام حصاف نے اختیار کیا اور نفقہ میں وہ تمام بنیادی ضروریات شامل ہیں جو ہر زمانہ کے عرف اور حالات کے متقاضی ہوں چاہے ضرورت کا تعلق خوراک سے ہو یا پوشاک سے، رہائشی انتظام ہو یا آرائشی اشیاء۔

کب بیوی نفقہ کی حق دار رہتی ہے؟:

قولہ:وان امتعت الخ: امام قدوری نے فرمایا کہ اگر مہر معجل ہو اور اس کی ادائیگی نہیں ہوئی اور وہ مطالبہ کی وجہ سے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہیں کر رہی تو وہ ناشزہ نہیں کہلائے گی بلکہ نفقہ کی حق دار ہے۔ متن میں بیان کردہ صورت کے علاوہ بھی صورتیں ہیں۔ مثلاً عورت نکاح کے بعد ماں باپ کے ہی گھر ہے شوہر نے رخصتی کا مطالبہ نہیں کیا، نیز شوہر کے گھر میں ہو اور بیمار ہو، اپنے والدین کے گھر ہو مہر معجل کی ادائیگی نہیں ہوئی ادائیگی کے بعد جانے پر رضامند ہو اسی طرح کسی بھی جائز حق کی بنا پر اپنے آپ کو روکنے پر نفقہ سے محروم نہیں ہوگی۔

کب بیوی نفقہ کی حق دار نہیں رہتی ہے؟:

قولہ:وان نشزت الخ: جن صورتوں میں بیوی نان ونفقہ کا حق دار نہیں رہتی ا۔جب عورت ناشزہ ہو۔ ناشزہ کا معنی نافرمان اور اصطلاح فقہ میں وہ عورت ہے جو کسی جائز حق کے بغیر شوہر کے گھر سے باہر رہے اس میں وہ عورت بھی داخل ہے جو ہو تو اپنے گھر میں مگر شوہر کو اپنے گھر آنے سے روک دے لہٰذا ناشزہ کی اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوا کہ عورت ناشزہ اس وقت کہلائے گی کہ جب شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر رہتی ہو مثلاً شوہر راضی نہیں کہ وہ باہر ملازمت کرے تو اگر وہ رات کو گھر سے دور ہونے کی وجہ سے باہر رہتی ہو تو ناشزہ کہلائے گی کہ دن ورات کے نفقہ کی حق دار نہ ہوگی اگر دن کو تو باہر رہتی ہے مگر رات کو شوہر کے گھر میں رہتی ہے تو رات کے نفقہ کی حق دار ہے نہ کہ دن کے نفقہ کا شوہر شرعی حدود میں رہتے ہوئے اسے سمجھائے اگر شوہر کی اجازت سے باہر رہتی ہے تو ناشزہ نہیں۔ ۲۔اگر عورت اتنی چھوٹی ہے کہ جس سے جماع ممکن نہیں اگرچہ یہ شوہر کے پاس ہو تب بھی شوہر پر نفقہ واجب نہیں۔ لیکن اس کے برعکس (عورت بڑی ہو شوہر چھوٹا) ہو تو نفقہ ہوگا۔ ۳۔اسلام سے پھر گئی ۴۔طلاق سے قبل

شوہر کی دوسری بیوی کے لڑکے سے جماع کرالیا ہو ۵۔ کسی وجہ سے جیل میں بند ہو ۶۔ اسے کوئی اغوا کر کے لے گیا ہو ۷۔ شوہر کے علاوہ کسی غیر محرم کے ساتھ حج پر چلی گئی تب بھی نفقہ کی حق دار نہیں لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک حج فرض میں شوہر کے علاوہ کے ساتھ جانے پر نفقہ سے محروم نہ ہوگی۔

معتدہ کے لیے نفقہ:

قوله: واذا طلق الرجل الخ: معتدہ اگر طلاق رجعی والی ہے تو بالاتفاق نفقہ وسکنی شوہر پر واجب ہے۔ اگر عورت حاملہ ہے اور طلاق واقع ہوگئی تب بھی نفقہ واجب ہے لیکن اگر معتدہ مطلقہ بائنہ یا مغلظہ ہے تو احناف کے نزدیک شوہر پر نفقہ اور سکنی دونوں واجب ہیں جب کہ امام شافعی کے نزدیک مطلقہ بائنہ، مغلظہ اور خلع والی کے لیے شوہر پر کوئی نفقہ اور سکنی نہیں یہی موقف امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے۔

متوفی عنہا زوجہا کے لیے نفقہ:

قوله: ولا نفقة الخ: احناف کے نزدیک جس عورت کا شوہر انتقال کر گیا ہو تو اس کی عدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں یہی قول امام احمد کا ہے اور ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے اس لیے کہ بیوہ کا عدت گزارنا شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں اس لیے دنوں (چار ماہ دس دن) کے لحاظ سے عدت گزارتی ہے نہ کہ حیض کے لحاظ سے اور شوہر کے فوت ہونے کے بعد اس کا متروکہ ورثا کا حصہ ہے دوسروں کے مال میں کسی کا نفقہ مقرر کرنا جائز نہیں لہٰذا اپنے نان ونفقہ کا انتظام خود کرے۔

وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْاَةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَاِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ ارْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا وَاِذَا حُبِسَتِ الْمَرْاَةُ فِيْ دَيْنٍ اَوْ غَصَبَهَا رَجُلٌ كُرْهًا فَذَهَبَ بِهَا اَوْ حَجَّتْ مَعَ غَيْرِ مُحْرِمٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَاِذَا مَرِضَتْ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ وَيُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ اِذَا كَانَ مُوْسِرًا نَفَقَةُ خَادِمِهَا وَلَا يُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَّعَلَيْهِ اَنْ يُّسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُنْفَرِدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ

''اور ہر وہ فرقت جو عورت کی طرف سے معصیت کی وجہ سے ہو تو عورت کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے اور اگر عورت کو طلاق دے دی اس کے بعد وہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے او پر قابو دے دے اب اگر یہ قابو دینا طلاق کے بعد ہو تو اسے نفقہ ملے گا اگر یہ قابو دینا طلاق سے پہلے ہو تو اس عورت کو نفقہ نہیں ملے گا اور اگر عورت کسی قرض میں قید کرلی گئی یا کسی نے زبردستی اس کو اغواء کرلیا اور اس کو لے کر چلا گیا یا کسی نا محرم کے ساتھ حج کے لیے چلی گئی تو اس عورت کے لیے نفقہ نہیں ہوگا اور اگر عورت گھر میں بیمار ہوگئی تو اس کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر شوہر دولت مند ہے تو عورت کے خادم کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے اور ایک خادم سے زائد کا نفقہ واجب نہ ہوگا اور شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو الگ مکان میں ٹھہرائے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ ہو مگر یہ کہ عورت ان کے ساتھ رہنے کو پسند کرلے''۔

قوله: وكل فرقة الخ: اس عبارت کا مفہوم اس سے قبل ''کب عورت نفقہ کی حقدار نہیں رہتی ہے'' کے تحت گزر چکا ہے۔

نیز عبارت سے بھی واضح ہے۔

وَلِلزَّوْجِ اَنْ يَّمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَيْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظْرِ اِلَيْهَا وَلَا مِنْ كَلَامِهِمْ مَعَهَا فِيْ اَيِّ وَقْتٍ شَاءُ وا وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ زَوْجَتِهٖ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِيْ عَلَيْهِ ، وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهٗ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ مُعْتَرِفٍ بِهٖ وَ بِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَوَالِدَيْهِ وَيَأْخُذُ مِنْهُمْ كَفِيْلًا بِذٰلِكَ وَلَا يَقْضِيْ بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ الْغَائِبِ اِلَّا لِهٰؤُلَاءِ وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ ثُمَّ اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ اِلَى الْقَاضِيْ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقْ عَلَيْهَا الزَّوْجُ فِيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذٰلِكَ فَلَا شَيْءَ لَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَا النَّفَقَةَ اَوْ صَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارِهَا فَيَقْضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ مَا مَضٰى

''اور شوہر کو یہ اختیار ہے کہ بیوی کے والدین، اس کے پہلے شوہر کے لڑکے اور اس کے گھر والوں کو بیوی کے پاس آنے سے روک دے البتہ ان لوگوں کو بیوی کی طرف دیکھنے اور گفتگو کرنے سے منع نہ کرے جب وہ چاہیں اور جو شخص بیوی کو نان ونفقہ دینے سے عاجز آجائے تو ان دونوں کے درمیان جدائی نہیں کی جائے گی بلکہ کہا جائے گا کہ شوہر کے ذمہ قرض لے لے اور مرد غائب ہے اور اس کا مال کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے جو اس کا اعتراف کر رہا ہے اور بیوی ہونے کا بھی تو قاضی اس کے مال میں سے اس کی بیوی، اس کے چھوٹے بچوں اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کر دے اور قاضی اس عورت سے ایک کفیل لے گا اور قاضی غائب شخص کے مال میں کسی کے نفقہ کا فیصلہ نہیں کرے گا سوائے مذکورہ افراد کے اور اگر قاضی نے بیوی کے لیے تنگی کا فیصلہ کر دیا پھر اس کا شوہر مال دار ہو گیا اس پر بیوی کے شوہر کے خلاف مقدمہ کر دیا تو قاضی عورت کے لیے مالداری کا نفقہ پورا کرے گا اور اگر اتنی مدت گزر گئی کہ شوہر نے بیوی کو نفقہ ہی نہیں دیا اور بیوی نے مطالبہ کر دیا تو اس کے لیے کچھ نہ ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لیے نفقہ مقرر کیا ہو یا شوہر نے بیوی سے کسی مقدار پر صلح کر لی ہو تو اب عورت کے لیے گزشتہ نفقہ کا فیصلہ ہوگا''۔

بیوی کے رشتہ داروں کو روکنے کا اختیار:

قولہ: وللزوج ان یمنع الخ: شوہر کو یہ اختیار ہے کہ بیوی کے والدین، بیوی کی پہلے سے اولاد اور دیگر رشتہ داروں کو گھر میں ملنے، ٹھہرنے سے روک دے کیونکہ زیادہ آنے جانے سے فتنہ وفساد کا دروازہ کھلتا ہے لیکن ان رشتہ داروں کو بات چیت اور دیکھنے سے نہیں روک سکتا کیونکہ اس میں قطع رحمی ہے اور قطع رحمی حرام ہے اور قاطع رحم جنت میں داخل نہیں ہوگا البتہ شوہر کو چاہیے کہ والدین کے ساتھ ہفتہ میں ایک بار بیوی کو ملنے کی اجازت دے اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ سال میں ایک دفعہ چاہے وہ آکر ملیں یا یہ جا کر ملے۔

تنگ دست نفقہ نہ دے سکے تو؟:

قولہ:ومن اعسر الخ:اگر شوہر اتنا غریب ہو کہ بیوی کو نفقہ نہ دے سکے تو فقہاء احناف کے نزدیک تنگ دستی کی بنا پر قاضی فسخ نکاح نہیں کر سکتا بلکہ بیوی کو کہا جائے گا کہ تم شوہر کے نام پر قرض لے کر گزارہ چلاؤ۔ یہ شق اس صورت میں ہے کہ جب عورت کو کوئی قرض دیتا ہو اگر حالات کے پیش نظر قرض نہ دیتا ہو یا دیتا تو ہو مگر قرض کی آڑ میں عفت لوٹنے کا اندیشہ ہو تو "ضرورت کی بنا پر دوسرے آئمہ کے مذہب پر فسخ نکاح کا خلاصہ" کی شق نمبر ا میں دیکھیے۔

شوہر کے غائب ہونے کی صورت میں نفقہ:

قولہ:واذا غاب الخ:اگر کوئی شخص غائب ہو اور اس کا مال کسی کے پاس امانت ہو چاہے بنک میں ہو یا کسی فرد کے پاس ہو اور وہ مال کا بھی اقرار کرتا ہو اور غائب شخص کی بیوی، بچوں اور والدین کا اقرار کرتی ہو۔تو قاضی بیوی کے مقدمہ پر اولاً یہ کرے گا کہ ان سے قسم لے گا کہ غائب ان کو نفقہ نہیں دیتا اور ثانیاً ان کی جانب سے ایک کفیل مقرر کرے گا کہ اگر غائب شخص بعد میں آ کر کہے میں تو نفقہ دیتا رہا ہوں تو اس خرچ کردہ مال کا ضامن کفیل ہو جائے گا لہٰذا دو باتوں کے پائے جانے پر قاضی صرف بیوی، بچوں اور والدین کے لیے غائب کے مال سے نفقہ کا فیصلہ دے گا باقی رشتہ داروں کے حق میں نہیں لیکن اگر غائب کا مال ہی نہ ہو تو پہلی صورت والا حکم ہوگا۔

نفقہ کی مقدار کے فیصلہ کے بعد شوہر کا مالدار ہونا:

قولہ:واذا قضی القاضی الخ: قاضی نے جب بیوی کے لیے نفقہ کی مقدار کا فیصلہ کیا تھا اس وقت شوہر تنگ دست تھا مگر بعد میں خوشحال ہو گیا تو عورت کے مقدمہ پر درمیانہ نفقہ قاضی مقرر کرے گا لیکن اگر عورت بھی مالدار ہوگئی تو مالداروں والا نفقہ مقرر کرے گا۔

گزرے ہوئے ایام کا نفقہ:

قولہ:واذا مضت الخ: بیوی کے نفقہ کے باب میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ گزشتہ دنوں کا نفقہ اگر شوہر نے ادا نہ کیا تھا مثلاً شادی کے بعد ایک سال گزر گیا کہ شوہر کی طرف سے کوئی خرچ نہیں دیا گیا کیا عورت کے مطالبہ پر اس کی ادائیگی واجب ہوگی؟ احناف کے نزدیک صرف تین صورتوں میں گزشتہ نفقہ ادا کرنا واجب ہے۔جن میں سے امام قدوری نے دو صورتیں ذکر کی ہیں۔ا۔اگر قاضی کے فیصلہ سے ماہانہ خرچ مقرر کیا گیا ہو ۲۔شوہر غائب ہو قاضی کے فیصلہ پر عورت قرض لے کر خرچہ چلاتی رہی ہو ۳۔زوجین کے باہم صلح سے جو ماہانہ خرچ مقرر کیا گیا ہو پھر ان تین صورتوں میں سے دوسری صورت قرض والی میں مطلقاً نفقہ کی ادائیگی واجب ہوگی چاہے زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے یا بیوی کو طلاق ہو جائے جب کہ پہلی اور تیسری صورت میں زوجین میں سے کسی ایک کی فوتگی یا عورت کو طلاق (اگر چہ رجعی ہی ہو) ہو تو ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ حنفیہ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ نان ونفقہ شرع اور صلہ رحمی کی وجہ سے ہے نہ کہ بطور عوض اس لیے خصوصی صورتوں کے علاوہ نفقہ واجب نہیں جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک

مطلقاً گزشتہ ایام کا خرچہ واجب الادا ہوگا مگر بیوی معاف کردے۔

وَاِذَا مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَمَا قَضَى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ اَوْ مَضَتْ شُهُوْرٌ سَقَطَتْ وَاِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ مَاتَتْ قَبْلَ مُضِيِّهَا لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا شَيْئٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ تُحْسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضَى وَمَا بَقِيَ لِلزَّوْجِ وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيْهَا وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً فَبَوَّاَهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ فَنَفَقَتُهَا عَلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يُبَوِّئْهَا مَعَهُ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا

”اور اگر شوہر نفقہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد فوت ہو جائے اور کچھ ماہ گزر جائیں تو نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر شوہر بیوی کو ایک سال کا نفقہ پہلے دے دے پھر فوت ہو جائے تو بیوی سے نفقہ واپس نہیں لیا جائے گا اور امام محمد نے فرمایا کہ گزشتہ دنوں کے نفقہ کا عورت کے لیے حساب کیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ شوہر کا ہوگا اور جب غلام نے آزاد عورت سے شادی کی تو اس کا نفقہ غلام پر قرض ہوگا کہ جس میں اس کو فروخت کر دیا جائے گا اور جب کسی مرد نے لونڈی سے نکاح کیا اور لونڈی کے آقا نے اسے شوہر کے ساتھ بھیج دیا تو اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اگر شوہر کے ساتھ نہ بھیجا تو نفقہ ذمہ نہ ہوگا“۔

پیشگی نفقہ:

قوله:فان مات الخ: اگر شوہر نے ایک سال کا خرچہ پہلے ادا کر دیا پھر شوہر فوت ہو گیا یا طلاق ہو گئی یا عورت مستحق نفقہ نہ رہی تو پیشگی وصول شدہ خرچہ شیخین کے نزدیک واپس نہیں لیا جا سکتا جب کہ امام محمد کے نزدیک جو خرچہ جدائیگی کے بعد باقی بچتا ہے وہ واپس کیا جائے گا یہی رائے دوسرے فقہا کی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے نفقہ ہبہ ہے لہٰذا شوہر کا بیوی کو دینے کے بعد رجوع جائز نہیں (علیه الفتوی فی الهندیه والشامی، الفتوی علی قولهما فی فتح القدیر)

غلام کا آزاد عورت سے یا کسی لونڈی سے نکاح کرنا:

قوله:واذا تزوج العبد الخ: اس کی صورت متن میں واضح ہے۔

وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهَا اَحَدٌ كَمَا لَا يُشَارِكُهُ فِيْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ اَحَدٌ وَاِنْ كَانَ الْوَلَدُ رَضِيْعًا فَلَيْسَ عَلٰى اُمِّهِ اَنْ تُرْضِعَهُ وَيَسْتَاْجِرُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهُ عِنْدَهَا فَاِنْ اسْتَاْجَرَهَا ، وَهِيَ زَوْجَةٌ اَوْ مُعْتَدَّةٌ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا مِنْهُ لَمْ يَجُزْ اَوْ مُعْتَدَّةً وَاِنْ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاْجَرَهَا عَلٰى اِرْضَاعِهِ جَازَ وَاِنْ قَالَ الْاَبُ لَا اَسْتَاْجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتْ الْاُمُّ بِمِثْلِ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِيَّةِ، وَتَجِبُ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ عَلٰى اَبِيْهِ وَاِنْ خَالَفَهُ فِيْ دِيْنِهِ،

”اور چھوٹی اولاد کا نفقہ والد پر واجب ہے کہ جس میں کوئی شریک نہیں کہ جس طرح شوہر کے ساتھ بیوی کے نفقہ میں کوئی

شریک نہیں اور اگر بچہ شیر خوار ہو تو والدہ پر دودھ پلانا لازم نہیں کہ اس کو دودھ پلائے بلکہ اس کے لیے والد کسی ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو اس بچہ کو اس کی والدہ کے پاس اس بچے کو دودھ پلائے اور اگر اجرت پر لیا ایسی عورت کو جو اس کی بیوی ہے یا اس کی معتدہ ہے تاکہ وہ دودھ پلائے تو ایسا کرنا جائز نہیں اور اگر اس عورت کی عدت گزر چکی ہے اور بچے کو دودھ پلانے کے لیے اس عورت کو اجرت پر رکھ لے تو جائز ہے اور اگر والد کہے کہ میں اس کو اجرت پر نہیں لیتا اور وہ کسی دوسری کو لے آئے اور ماں راضی ہو جائے اجنبیہ عورت کی اجرت کے برابر تو یہ زیادہ حق دار ہوگی اور اگر والدہ زیادہ اجرت طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بچے کا نفقہ والد پر واجب ہے اگر چہ بچہ باپ کے مذہب پر نہ ہو کہ جس طرح بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگر چہ بیوی شوہر کے مذہب کے خلاف ہو"۔

اولاد کا نفقہ:

قولہ: ونفقة الاولاد الخ: اس سے قبل رشتہ ازدواجی کی بنا پر نفقہ کے احکام بیان کیے اب نفقہ کے واجب ہونے کے سبب "قرابت داری" کو بیان کر رہے ہیں کہ جس میں اہم قرابت ولاد ہے جو اولاد اور والدین دونوں کو شامل ہے کہ دونوں کی آپس میں حیثیت ایک وجود کے ایک حصے کی ہے تاہم نابالغ اولاد کا نفقہ صرف والد پر واجب ہے اس میں کوئی اور شریک نہیں کہ جس طرح بیوی کا نفقہ فقط شوہر پر واجب ہوتا ہے لیکن اگر اولاد بالغ ہو مگر کسب معاش نہ کر سکتے ہوں مثلاً تعلیم میں مشغول ہوں اسی طرح نکاح کرانے تک بالغ اولاد کا خرچہ بھی والد کے ذمہ ہے۔

بچے کو دودھ پلانے کا حق کس کو؟:

قولہ: وان کان الولد الخ: اولاد کے نفقہ کی بحث سے معلوم ہوا کہ شیر خوار بچے کو دودھ پلانا اس کی والدہ پر ضروری نہیں جب کہ شوہر متبادل انتظام کرنے پر قادر ہو کیونکہ بچے کا دودھ بھی نفقہ کے درجہ میں ہے اور بچے کا نفقہ باپ پر ہے نہ کہ ماں پر لیکن اگر شوہر سے متبادل حل نہ ہو سکے تو ماں پر دودھ پلانا اخلاقی فریضہ ہے یہی وجہ ہے کہ اگر بچے کی والدہ نے نکاح میں رہتے ہوئے یا طلاق کے بعد یہ چاہا کہ دودھ پلانے کی اجرت لے کر بچے کو دودھ پلاؤں تو شوہر پر اجرت دینا لازم نہیں کہ اگر چہ قانوناً دودھ پلانا اس پر لازم نہیں لیکن دیانۃً (عنداللہ) دودھ پلانا عورت پر واجب ہے لیکن اگر طلاق کی عدت ختم ہوگئی ہے تو اجرت لے سکتی ہے کہ اب بیوی ہونے کے لحاظ سے نفقہ شوہر سے نہیں لے سکتی کہ نکاح سے ہی نکل چکی ہے اگر عورت عدت گزار کر اجنبیہ ہو چکی تھی کہ بچے کے والد نے کہا کہ اب میں اس سے بچے کو دودھ نہیں پلاؤں گا کسی اور عورت کا انتخاب کیا لہٰذا جتنی اجرت پر اجنبیہ عورت کو دودھ پلوانے کے لیے رکھ رہا ہے اگر اتنی اُجرت پر بچے کی والدہ راضی ہوتی ہے تو والدہ کو ترجیح دی جائے گی کہ جو شفقت و پیار والدہ دے گی وہ غیر سے نہ ملے گا۔ اگر والدہ اجرت زیادہ طلب کرتی ہے تو والد کو زیادہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

بچے کے مذہب کا مخالف ہونا:

قولہ: ونفقة الخ: اگر بچے کا مذہب والد کے مخالف ہو تب بھی نفقہ والد پر واجب ہے مثلاً نابالغ بچے نے اسلام قبول کر لیا اور والد کافر ہے کہ جس طرح بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگر چہ دونوں کا مذہب ایک نہ ہو مثلاً شوہر مسلمان ہے اور عورت عیسائی

ہے کیونکہ عورت کا نفقہ احتباس کی وجہ سے لازم آتا ہے۔

وَإِذَا وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ وَبَيْنَهُمَا وَلَدٌ صَغِيرٌ فَالْأُمُّ أَحَقُّ بِهِ مَا لَمْ تَتَزَوَّجْ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ أُمٌّ أَوْ كَانَتْ إِلَّا أَنَّهَا تَزَوَّجَتْ فَأُمُّ الْأُمِّ أَوْلَى مِنْ أُمِّ الْأَبِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَأُمُّ الْأَبِ أَوْلَى مِنَ الْأَخَوَاتِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ جَدَّةٌ فَالْأَخَوَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ وَتُقَدَّمُ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ وَالْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأُمِّ ثُمَّ الْأُخْتُ مِنَ الْأَبِ ثُمَّ الْخَالَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَيَنْزِلْنَ كَمَا تَنْزِلُ الْأَخَوَاتُ، وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَقَطَ حَقُّهَا إِلَّا الْجَدَّةُ إِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِهِ وَاخْتَصَمَ فِيهِ الرِّجَالُ فَأَوْلَاهُمْ بِهِ أَقْرَبُهُمْ تَعْصِيبًا

''اور جب زوجین میں جدائی واقع ہو جائے تو والدہ بچے کی زیادہ حق دار ہے اگر بچے کی والدہ نہ ہو تو نانی دادی سے زیادہ حق دار ہے اگر بچے کی نانی نہ ہو تو بہنوں سے زیادہ دادی حق دار ہے اگر دادی نہ ہو تو بہنیں زیادہ حق دار ہیں۔ یہ پھوپھی اور خالاؤں سے مقدم ہوں گی حقیقی بہن پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہنیں پھر خالہ پھوپھیوں سے اولیٰ ہے یہ اسی ترتیب سے حق دار ہونے میں اتریں گے کہ جس ترتیب سے بہنیں اتری تھیں پھر پھوپھیاں بھی اسی ترتیب سے اتریں گی اور ان عورتوں میں سے جس سے بھی کسی نے نکاح کر لیا تو اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا سوائے نانی کے جب کہ اس کا خاوند بچے کا دادا ہو اور اگر بچے کے لیے اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی عورت نہ ہو تو اس میں مرد جھگڑا کریں تو ان میں سے زیادہ حق دار قریبی عصبہ ہو گا''۔

پرورش کا حق:

قوله:واذا وقعت الخ: پرورش کو عربی میں ''حضانت'' کہا جاتا ہے جب کہ اصطلاح فقہ میں نابالغ اولاد یا کم عقل بالغ اولاد کی پرورش اور زندگی کی ضروریات کی تکمیل کا نام حضانت ہے۔ امام قدوری نے اولاً حضانت کے حق دار افراد کو بیان کیا۔ حق پرورش کے معاملہ میں شریعت نے عورتوں کی طبعی نرمی، شفقت اور چھوٹے بچوں کی طبعی صلاحیت کا لحاظ کرتے ہوئے حضانت میں عورتوں کو ترجیح دی ہے پھر عورتوں میں سے بالاتفاق حق پرورش اولاً والدہ کو حاصل ہے پھر اس کے بعد نانی پرنانی وغیرہ پھر اس کے بعد دادی پردادی وغیرہ پھر اس کے بعد بہنیں اولاً حقیقی ثانیاً مادری ثالثاً پدری پھر خالہ پھر پھوپھی ان میں بہنوں والے تین درجات بالترتیب ہیں۔

حق پروش کی ایک شرط:

قوله:وكل من تزوجت الخ: عورتوں کے حق میں حق پرورش کی ایک شرط تو پیچھے گزر چکی کہ عورت بچے کی محرم رشتہ دار ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ جس عورت کو حق پرورش حاصل ہے اس نے ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو جو زیر پرورش بچے کا محرم نہ ہو اگر کسی اجنبی سے نکاح کر لیا تو حق پرورش ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب اجنبی سے زوجیت ختم ہو جائے تو حق حضانت لوٹ آئے گا کہ جس طرح پانچ سے زائد نمازیں قضا تھیں تو ترتیب ساقط پھر کم کرتے کرتے پانچ تک لے آیا تو پھر ترتیب لوٹ آئی۔ اگر نیا شوہر بچے کا محرم ہو جیسے بچے کے چچا سے نکاح یا نانی کا نکاح بچے کے دادا سے ہو تو حق پرورش باقی رہے گا۔

صرف مرد ہوں تو:

قولہ:فان لم تکن الخ:اگر گزشتہ بیان کردہ عورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حضانت کا حق ان مردوں کو حاصل ہوگا جو عصبہ ہوں اور عصبہ میں وہی ترتیب ہے جو حق وراثت میں ہے۔ باپ، دادا، حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، حقیقی بھائی کی اولاد وغیرہ۔ پھر ان میں بھی لڑکی کے حق میں محرم اور قابل اعتماد ہو۔

وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَأْكُلَ وَحْدَهُ وَيَشْرَبَ وَحْدَهُ وَيَلْبَسَ وَحْدَهُ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهُ وَبِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيضَ وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهٰى وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَهِيَ فِي الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ وَلَيْسَ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ،وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا مِنْ زَوْجِهَا الْمُسْلِمِ مَا لَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ وَيُخَافُ عَلَيْهِ اَنْ يَّأْلَفَ الْكُفْرَ وَاِذَا اَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ اِلَّا اَنْ تُخْرِجَهُ اِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ

"اور ماں اور دادی لڑکے کے حق دار ہیں یہاں تک کہ لڑکا خود کھانے لگے اور خود پینے لگے اور خود استنجا کرنے لگے اور لڑکی کی یہاں تک کہ لڑکی کو حیض آجائے اور ماں اور نانی کے علاوہ عورتیں، لڑکی کی حق دار ہیں یہاں تک کہ وہ لڑکی اس حد کو پہنچ جائے کہ وہ قابل شہوت ہو جائے اور لونڈی کو جب آزاد کر دیا اس کے آقا نے اور ام ولد جب آزاد ہوگئی تو وہ بچے کے حق میں آزاد کی طرح ہے اور لونڈی اور ام ولد کے لیے آزادی سے پہلے بچے میں کوئی حق نہیں ہے اور ذمی عورت اپنے بچے کی زیادہ حق دار ہے اپنے مسلمان شوہر کی بہ نسبت جب تک بچے کو دین سمجھ نہ آجائے اور اس پر اندیشہ ہو اس بات کا کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا اور جب مطلقہ عورت اپنے بچے کو شہر سے باہر لے جانے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ اس بچے کو اپنے اس وطن میں لے جائے جہاں شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا"۔

مدت حضانت:

قولہ:والام الخ: ماں اور نانی کو لڑکوں کا حق پرورش اس وقت تک حاصل ہوگا کہ جب تک لڑکے خود کھا پی اور استنجا نہ کرلیں اسی طرح خود کپڑے نہ پہن سکیں تو حق حضانت باقی رہتا ہے۔ مفتی بہ قول کے مطابق سات سال بنتے ہیں اس کے بعد اداب و اخلاق اور تعلیم و تربیت کے لیے باپ کے حوالے کر دیں اور لڑکی کا حق پرورش اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک لڑکی بالغ (حیض نہ آجائے) نہ ہو جائے بالغ ہونے کی عمر نو سال ہے۔

قولہ:ولامة الخ: لونڈی کے لیے حق حضانت اور ذمیہ کے لیے حق حضانت متن سے دیکھ لیں۔

مطلقہ کے لیے بچہ کو باپ سے دور کرنا:

قولہ:واذا ارادت الخ: جب زوجین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہو اور عدت بھی گزر چکی ہو تو ایسی صورت میں عورت بچے

کو معمولی سفر پر لے جاسکتی ہے جہاں باپ روزانہ بچے کو دیکھ کر واپس آسکتا ہو البتہ اگر عورت بچے کو اس جگہ لے جانا چاہتی ہو جہاں زوجین کے درمیان عقد ہوا تھا تو لے جاسکتی ہے اگر چہ جتنا بھی دور ہو اگر مقام عقد نہیں اگر چہ میکہ ہے تو لے جانا جائز نہیں اسی طرح شہر سے دیہات میں لے جانا جائز نہیں کہ دیہات کے اخلاق بہ نسبت شہر کے کمزور ہوتے ہیں۔

وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِيْ دِيْنِهٖ وَلَا تَجِبُ نَفَقَةٌ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ اِذَا كَانَ صَغِيْرًا فَقِيْرًا اَوْ كَانَتْ امْرَاَةٌ بَالِغَةٌ فَقِيْرَةً اَوْ كَانَ ذَكَرًا زَمِنًا اَوْ اَعْمٰى فَقِيْرًا اَوْ مَجْنُوْنًا فَقِيْرًا فَيَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ فَيَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْاِبْنِ الزَّمِنِ وَالْاِبْنَةِ الْبَالِغَةِ عَلَى الْاَبَوَيْنِ اَثْلَاثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ، وَلَا تَجِبُ عَلٰى فَقِيْرٍ

"اور مرد پر واجب ہے کہ اپنے والدین، دادوں اور دادیوں پر خرچ کرے بشرطیکہ یہ لوگ غریب ہوں اگر چہ یہ لوگ اس کے دین کے خلاف ہوں اور اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نفقہ واجب نہیں ہے مگر بیوی، والدین، دادوں، دادیوں، بیٹوں اور پوتوں کا اور بچے کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہے اور ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے بشرطیکہ وہ چھوٹے اور نادار ہوں یا عورت بالغ اور نادار ہو یا کوئی مرد اپاہج ہو یا اندھا نادار ہو تو یہ نفقہ بقدر میراث واجب ہوگا اور بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ اس کے والدین پر بطریق اثلاث واجب یعنی باپ پر دو ثلث اور ماں پر ایک ثلث اور ان کا نفقہ اختلاف دین کی موجودگی میں واجب نہیں ہے اور فقیر پر واجب نہیں"۔

اصول کا نفقہ:

قولہ: ولی الرجل الخ: اگر آدمی کے اصول (والدین، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ) غریب ہوں تو ان کا نفقہ اس پر واجب ہے اگر چہ یہ دین میں نفقہ دینے والے کے مخالف ہوں کیونکہ والدین ہونے کی حیثیت سے واجب الاحترام ہیں اور اصول کا نفقہ اس فروع کے علاوہ کسی اور پر واجب نہ ہوگا۔ اختلاف دین کی صورت میں صرف تین صورتوں میں نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ا۔ زوجہ ۲۔ اصول (والدین، دادا وغیرہ) ۳۔ فروع (اولاد)

محارم اولاد کا نفقہ:

قولہ: والنفقة الخ: ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ تین شرطوں پر واجب ہے۔ ا۔ نفقہ دینے والے کے پاس مال ہو ۲۔ ذی رحم محرم کے پاس نفقہ کی مقدار کا مال نہ ہو ۳۔ خود کام کر کے نفقہ حاصل کرنے پر قادر نہ ہو جس کی چند مثالیں امام قدوری نے پیش کی ہیں۔ ان کو ملاحظہ کرلیں اور ذی رحم محرم کا نفقہ اس کو میراث میں ملنے والے حصے کے تناسب سے بنتا ہے مثلاً ایک حصہ میراث میں سدس (چھٹا) بنتا ہے دوسرے کا ربع (چوتھائی) بنتا ہے تو ان حصوں کے مطابق نفقہ کا حق دار ہوں گے۔ اگر بالغ اولاد اپاہج ہو یا

نابینے ہوں اور مالدار نہ ہوں اور نہ شادی شدہ ہوں تو امام قدوری کی بیان کردہ روایت کے مطابق والد پر دو حصے اور والدہ پر ایک حصہ نفقہ دینا واجب ہے جب کہ ظاہر روایت کے مطابق صرف والد پر نفقہ واجب ہے۔

مفتی بہ قول:

فتوٰی ظاہر روایت پر ہے کہ صرف والد پر نفقہ واجب ہے (بہ یفتی "الدر المختار" الترجیح والصحیح)

اِذَا كَانَ لِلابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ فَاِنْ بَاعَ اَبَوَاهُ مَتَاعَهُ فِيْ نَفَقَتِهِمَا جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاِذَا كَانَ لِلابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِيْ يَدِ اَبَوَيْهِ فَاَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا وَاِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ فَاِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ اَجْنَبِيٍّ وَاَنْفَقَ عَلَيْهِمَا مِنْهُ بِغَيْرِ اَمْرِ الْقَاضِيْ ضَمِنَ وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَذَوِي الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ اِلَّا اَنْ يَّأْذَنَ الْقَاضِيْ فِي الْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ وَعَلَى الْمَوْلٰى اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ فَاِنِ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا عَلٰى اَنْفُسِهِمَا فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمَا كَسْبٌ اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى نَفَقَتِهِمَا اَوْ بَيْعِهِمَا۔

''اور اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہو تو اس میں اس کے والدین کے لیے نفقہ کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر بیٹے کے والدین نے غائب بیٹے کے سامان کو اپنے نفقہ میں فروخت کر دیا تو امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اور اگر والدین نے زمین فروخت کر دی تو جائز نہیں اور اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں ہو اور اس مال کو خرچ کر دیں تو والدین ضامن نہ ہوں گے اور اگر غائب بیٹے کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اس اجنبی کے لیے اس مال کو غائب شخص کے والدین پر قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کر دیا تو اجنبی شخص ضامن ہوگا اور اگر قاضی نے اولاد، والدین اور ذی رحم محرم کے لیے نفقہ کا فیصلہ کر دیا اور مدت گزر گئی تو ساقط ہو جائے گا مگر یہ کہ قاضی اس کے ذمہ قرض لینے کا حکم کر دے اور آقا پر لازم ہے کہ اپنے غلام اور لونڈی پر خرچ کرے اگر آقا اس سے رکا رہا اور جو مال ان دونوں نے کمایا تھا ان دونوں نے اس میں سے اپنی ذات پر خرچ کر لیا اور اگر دونوں کی کوئی کمائی نہ ہو تو مالک کو ان کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا''۔

غائب بیٹے کے مال سے والدین کے نفقہ کا حکم:

قولہ: واذا کان للابن الخ: اگر بیٹا غائب ہے اور اس نے پیچھے مال چھوڑا ہے تو قاضی یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ بیٹے کے مال سے والدین نفقہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اگرچہ قاعدہ تو یہ ہے کہ ''غائب شخص پر فیصلہ کرنا جائز نہیں'' مگر یہ یہاں فیصلہ نہیں بلکہ پہلے سے لازم چیز کو لینے کا حکم دیا ہے اگر مال نقدی ہے تو ان کو نفقہ میں خرچ کر سکتے ہیں اگر غیر نقدی ہے مگر زمین کے علاوہ تو اسے فروخت کر کے نفقہ میں خرچ کر سکتے ہیں مگر زمین کو فروخت کرنا جائز نہیں یہ مذہب امام اعظم کا ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک منقولہ اور غیر منقولہ (زمین) دونوں کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ منقولہ چیز کو فروخت کرنے پر دلیل یہ ہے کہ والد کو غائب بیٹے کے مال پر ولایت حاصل ہے کہ ضائع ہونے سے بچائے کہ لہٰذا جب ضائع ہونے سے بچانے کے لیے مال فروخت کر کے رقم محفوظ کر سکتا ہے تو چونکہ نفقہ کے طور پر اس کو بیٹے کا مال دینا شرعاً جائز ہے (الاعتصار علی قول الامام فی الهندیه دیگر معتون علی قول الامام) اگر والدین نے قاضی کے فیصلہ کے بغیر از خود اپنے بیٹے کے مال سے اپنے نفقہ پر خرچ کر دیا تو والدین ضامن نہ ہوں گے گویا کہ انہوں نے اپنا حق وصول کیا ہے جیسا کہ حدیث پاک ہے: ”اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ“ کہ تو اور تیرا مال دونوں تیرے والد کا ہے لیکن مال اجنبی کے پاس ہو تو قاضی کے فیصلہ کے بغیر والدین پر خرچ کر دیا تو اجنبی ضامن ہوگا۔ اگر قاضی کے فیصلہ کے ساتھ خرچ کیا تو ضامن نہ ہوگا۔

نفقہ کا ساقط ہونا:

قوله: واذا قضى الخ: اگر قاضی نے والدین کے لیے بیٹے کے مال سے نفقہ لینے کا فیصلہ دیا تھا کہ والدین نے ایک عرصہ تک نفقہ نہیں لیا تو بعد میں اس عرصہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ نفقہ مزدوری نہیں بلکہ صلہ ہے لیکن اگر قاضی کے فیصلہ کے مطابق قرض لے کر خرچ چلاتے ہوں تو وہ قرض بیٹے پر لازم ہوگا۔

غلام اور لونڈی کے نفقہ کے احکام:

قوله: وعلى المولى الخ: آقا پر اس کی لونڈی اور غلام کا نفقہ واجب ہے لیکن اگر آقا نفقہ خرچ کرنے سے اعراض کر رہا ہے تو اگر ان کی اپنی کمائی کا مال ہے تو اپنے اوپر خرچ کرتے رہیں گے اور اگر کمائی کا مال نہ ہو تو اگر کمانے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو قاضی ان کو کہے گا کہ کماؤ اور خرچ چلاؤ اور اگر کمانے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو قاضی آقا کو مجبور کرے گا کہ ان کو نفقہ دو یا ان کو فروخت کر دو۔

نوٹ: کتاب العتاق، کتاب المکاتب اور کتاب الولا کو شرح ترک کر دیا گیا ہے۔

کتاب الجنایات

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب العتاق اور اس کے متعلقات کو بیان کیا کہ جس میں زندہ کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے جب کہ جنایات میں ہلاک کرنے کا پہلو پایا جاتا ہے نیز جنایات میں اولاً قصاص کو بیان کیا اور قصاص میں زندگی ہے دونوں طرح (تقابل، تساوی) کی مناسبت کی وجہ سے یکے بعد دیگرے احکام بیان فرمائے۔

جنایات:

جنایات جمع ہے جنایۃ کی جو جنی یجنی کا مصدر ہے جس کا معنی زیادتی وقصور اور پھل توڑنے کے ہیں۔

لفظ جنایات کا استعمال:

دو مقام پر ہوتا ہے۔ ا۔ افعال حج میں ۲۔ جان واطراف میں۔

جنایت کا اصطلاحی معنی:

فقہاء کرام کے نزدیک اس مقام پر دوسرے استعمال کے مطابق تعریف یہ ہے "جنایت اس فعل ممنوع کو کہتے ہیں جو جان یا اس کے اعضاء پر واقع ہو"۔

جنایات کا دائرہ کار:

جنایات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ ا۔ نفس پر جنایت (قتل) ۲۔ عقل پر جنایت (شراب نوشی) ۳۔ مال پر جنایت (چوری و غصب) ۴۔ نسب پر جنایت (زنا) ۵۔ عزت وآبرو پر جنایت (قذف) ۶۔ ڈاکوؤں اور باغیوں کی جنایت ۷۔ مذہبی جنایت (ارتداد) وغیرہ

سزاؤں کی بنیادی اقسام:

تین ہیں۔ حدود، قصاص اور تعزیرات۔ مصنف نے پہلے قصاص کے احکام بیان کیے ہیں۔

اَلْقَتْلُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ عَمْدٍ وَّشِبْهِ عَمْدٍ وَّخَطَأٍ وَّمَا اُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأِ، وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ فَالْعَمْدُ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ بِسِلَاحٍ اَوْ مَا اُجْرِيَ مُجْرَى السِّلَاحِ فِيْ تَفْرِيْقِ الْاَجْزَاءِ كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ، وَالْحَجَرِ، وَالنَّارِ مَا تَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ وَمُوجَبُ ذٰلِكَ الْمَاْثَمُ، وَالْقَوَدُ وَلَا كَفَّارَةَ فِيْ قَتْلِ الْعَمْدِ عِنْدَنَا اِلَّا اَنْ يَّعْفُوَ الْاَوْلِيَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ فِيْهِ، وَشِبْهُ الْعَمْدِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنْ يَّتَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ بِمَا لَيْسَ بِسِلَاحٍ وَّلَا مَا اُجْرِيَ مَجْرَى السِّلَاحِ وَشِبْهُ الْعَمْدِ عِنْدَهُمَا اَنْ يَّتَعَمَّدَ ضَرْبَهٗ بِمَا لَا يَقْتُلُ غَالِبًا وَمُوجَبُ ذٰلِكَ عَلَى الْقَوْلَيْنِ الْمَاْثَمُ، وَالْكَفَّارَةُ وَلَا قَوَدَ فِيْهِ

وَفِيهِ الدِّيَةُ الْمُغَلَّظَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ

"قتل پانچ اقسام پر ہے قتل عمد، قتل شبہ عمد، قتل خطا، قتل قائم مقام خطا اور قتل بالسبب۔ پس قتل عمد یہ ہے کہ مارنے کا ارادہ کرے کسی ہتھیار سے یا کسی ایسی چیز سے جو قائم مقام ہتھیار ہو جو اجزا کے ٹکڑے کرے مثلاً دھاری دار لکڑی یا پتھر یا آگ اور اس کی سزا گناہ ہے اور قصاص مگر یہ کہ ورثاء معاف کر دیں اور اس میں کفارہ نہیں اور شبہ عمد امام اعظم کے نزدیک یہ ہے کہ کسی ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو اور صاحبین نے فرمایا کہ شبہ عمد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز سے مارنے کا ارادہ کرے کہ جس سے عام طور پر قتل نہیں کیا جاتا اور اس کی سزا دونوں اقوال کے مطابق گناہ اور کفارہ ہے اور اس میں قصاص نہیں اور اس میں عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے"۔

حل لغات: أَوْجُهٍ: جمع ہے وجہ کی بمعنی صورت و قسم۔ عمد و تعمد: بمعنی ارادہ کرنا۔ أُجْرِيَ مَجْرَى الخطا: خطا کے قائم مقام۔ محدد: تیز دھار۔

قوله: القتل: شریعت اسلامی کی نگاہ میں کفر کے بعد ناحق قتل سب سے بڑا گناہ ہے کہ جس کی سزا دائمی دوزخ ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ ایک مومن کا قتل ہو جانا دنیا کا تباہ ہو جانا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن و حدیث میں قتل ناحق پر مختلف وعیدیں موجود ہیں۔

فقہائے احناف کے نزدیک قتل کی پانچ اقسام

قوله: على خمسة اوجه الخ: فقہائے احناف نے قتل کی پانچ اقسام بیان فرمائی ہیں۔ (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) قائم مقام قتل خطا (۵) قتل بالسبب۔

قتل عمد کی تعریف:

"قتل عمد سے مراد وہ قتل ہے کہ جس میں ہتھیار یا ایسی کوئی چیز استعمال کی جائے کہ جس سے بدن کے اجزا کے ٹکڑے ہو جاتے ہوں" درحقیقت قتل عمد میں مجرم کا ارادہ قتل ہوتا ہے اور ارادہ ایک مخفی امر ہے اس لیے ظاہری علامت ایسی چیز کا استعمال ہے کہ جس سے عموماً موت کا واقع ہو جاتا ہے لہٰذا ہتھیار، کسی دھاری دھار لکڑی، کرنٹ لگا کر ہلاک کرنا، زہر دے کر ہلاک کرنا، زہر کا انجکشن لگانا وغیرہ سے کسی کو مارنا قتل عمد کے زمرے میں آتا ہے اور صاحبین کے نزدیک اگر چہ دھاری دار نہ بھی ہو مگر ظن غالب ہو کہ موت واقع ہو جاتی ہے تو بھی قتل عمد ہوگا مثلاً پتھر کی سل یا لکڑی وغیرہ۔

قتل عمد کا حکم:

قوله: وموجب ذالك الخ: ۱۔ قاتل گنہگار ہوگا۔ قرآن مجید نے دائمی عذاب کی وعید سنائی۔ ۲۔ قتل عمد میں کفارہ نہیں کیونکہ کفارہ ان گناہوں کے لیے ہوتا ہے کہ جن کی تلافی ممکن ہو لہٰذا یہ کتنا سنگین جرم ہے۔ ۳۔ قتل عمد کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید نے "ولكم في القصاص حيوة" اسلام کا قانون قصاص معاشرے میں امن کی ضمانت ہے کہ جس

کی وجہ سے لوگ قتل کرنے سے باز رہیں گے مگر دور حاضر کے ساج نے سزائے موت کی مخالفت کر کے قتل کا بازار گرم کرا دیا ہے کئی ممالک میں قانون قصاص ہی منسوخ ہے اور اگر جہاں کہیں ہے بھی تو عملاً مفلوج و معطل ہے۔ احناف کے نزدیک قصاص حد نہیں جب کہ دیگر آئمہ کے نزدیک قصاص حد ہے ان کا فرق حد کی بحث کے تحت بیان کریں گے۔ ۴۔ شریعت نے مقتول کے ورثاء کو یہ بھی حق دیا ہے کہ وہ معاف کر دیں۔

قتل عمد کا عدالتی قانون:

تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۳۰۱ میں قتل عمد کی تعریف، دفعہ ۳۰۲ میں قتل عمد کی سزا اور قتل عمد کے متعلق دیگر جزئیات دفعہ ۳۰۳ تا ۳۱۴ میں بحث کی گئی ہے۔ قصاص کو "قود" بھی کہا جاتا ہے۔

قتل شبہ عمد کی تعریف:

قوله: وشبه العمد الخ: شبہ عمد کی تعریف میں امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک شبہ عمد ایسی چیز سے حملہ کرنے کا نام ہے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہتھیار کے قائم مقام ہو کہ جس سے مقصد ضرر پہنچانا ہو نہ کہ قتل کرنا لیکن قتل ہو جائے مثلاً پتھر، لکڑی وغیرہ سے کہ اس میں ارادہ تو قتل کا نہیں کہ اس کی دلیل ایسے آلہ کا استعمال ہے جو آلہ قتل نہیں لیکن خطاً قتل ہو جانا عمداً کے مشابہ ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک کسی ایسے آلہ سے جان بوجھ کر مارنا کہ جس سے عموماً قتل نہ ہونا ہو ظن غالب ہو لہٰذا صاحبین کے نزدیک پتھر، لکڑی وغیرہ سے قتل شبہ عمد ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (الصحیح قول ابی حنیفة "الترجیح والتصحیح، الهندية ودیگر معون علی قول الامام)

قتل شبہ عمد کا حکم:

قوله: وموجب الخ: قتل شبہ عمد میں قاتل گنہگار ہوتا ہے اور اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے چونکہ شبہ عمد قتل خطا کے مشابہ ہے اور قاتل کی دیت عاقلہ پر دیت مغلظہ ہوتی ہے جن کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی۔ عدالتی قانون میں قتل شبہ عمد کی تعریف دفعہ ۳۱۵ اور حکم دفعہ ۳۱۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَالْخَطَأُ عَلَى وَجْهَيْنِ خَطَأٌ فِي الْقَصْدِ وَهُوَ اَنْ يَّرْمِيَ شَخْصًا يَظُنُّهُ صَيْدًا فَاِذَا هُوَ آدَمِيٌّ وَخَطَأٌ فِي الْفِعْلِ وَهُوَ اَنْ يَّرْمِيَ غَرَضًا فَيُصِيبُ آدَمِيًّا وَمُوجَبُ ذٰلِكَ الْكَفَّارَةُ ، وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا مَأْثَمَ فِيهِ وَمَا اُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأِ مِثْلُ النَّائِمِ يَنْقَلِبُ عَلَى رَجُلٍ فَيَقْتُلُهُ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْخَطَأِ .واما القتل بسبب کحافر البئر وواضع الحجر فی غیر ملکه و موجبه اذا تلف فیه آدمی الدية على العاقلة ولا كفارة عليه.

"اور قتل خطا دو صورتوں پر ہے ایک خطا فی القصد ہے کہ کسی شخص کی طرف تیر پھینکے یہ خیال کر کے کہ وہ شکار ہے حالانکہ وہ

انسان ہے دوسری خطائی الفعل ہے کہ کسی نشانہ پر تیر پھینکے اور وہ کسی انسان کو لگ جائے۔ اس کا حکم کفارہ اور رشتہ داروں پر دیت ہے البتہ اس پر گناہ نہیں ہے۔ قتل قائم مقام خطا مثلاً سونے والا کسی پر کروٹ لے اور اس کو مارڈالے اس کا حکم خطا کا ہے اور قتل بالسبب مثلاً کنواں کھودنے والا، پتھر کسی دوسرے کی ملکیت میں رکھنے والا اور اس کا حکم کہ جب انسان ہلاک ہوجائے تو عاقلہ پر دیت ہے اور اس پر کفارہ نہیں"۔

قتل خطاء کی تعریف:

قولہ: والخطاء الخ: "جس کو قتل کرنے کا قصد کیا ہو اس کے بجائے کوئی اور قتل ہو جائے۔" قتل خطا کی دو صورتیں ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ کسی شکار کو یا ویسے ہی کسی کو نشانہ بنا رہا تھا کہ کسی انسان کو لگ گیا اس کو "خطائی الفعل" کہا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے کسی کو حربی کافر سمجھ کر نشانہ لگایا یا شکار سمجھ کر نشانہ لگایا تو کسی مسلمان یا ذمی کو لگ گیا اس کو "خطائی الظن" کہا جاتا ہے۔

قتل خطا کے احکام:

قولہ: وموجب الخ: ۱۔ کفارہ واجب ہوگا۔ ۲۔ دیت مغلظہ عاقلہ پر واجب ہوگی۔ ۳۔ قتل کا گنہگار تو نہ ہوگا مگر غفلت و کوتاہی کا گناہ ہوگا۔ ۴۔ قاتل مقتول کا وارث ہو تو وراثت سے محروم ہوگا۔

عدالتی قانون:

دفعہ ۳۱۸ میں قتل خطا کی تعریف اور دفعہ ۳۱۹، ۳۲۰ میں حکم بیان کیا گیا ہے۔ قتل خطا کی سزا کے تحت تیز رفتار اور لاپرواہی کی صورت میں گاڑی چلاتے ہوئے ہلاکت پر دیت کے ساتھ ساتھ ۵ سے ۱۰ سال قید بطور تعزیر میں مقرر کی گئی ہے۔

قتل قائم مقام خطا:

قولہ: وما اجری الخ: "قتل قائم مقام خطا یہ ہے کہ جس میں قاتل کے فعل اختیاری کو دخل نہ ہو" مثلاً کوئی سویا ہوا تھا کہ کروٹ بدلی تو کوئی ہلاک ہو گیا۔

قولہ: فحکمہ الخ: قتل قائم مقام خطا کا وہی حکم ہے جو قتل خطا کا ہے۔

قتل بالسبب کی تعریف

قولہ: واما قتل بسبب الخ: جو بالواسطہ ہلاکت کا سبب ہو مگر عمد، شبہ عمد، خطا اور قائم خطا سے خالی ہو مثلاً دوسرے کی زمین میں بلا اجازت کنواں کھود دیا یا راستے میں لکڑی وغیرہ رکھ دی اسی طرح کوئی سواری پر سوار ہوا کہ سواری راستے میں کسی کو ہلاک کردے، تیز رفتار گاڑی کے نیچے آ کر کوئی ہلاک ہو جائے یا نشہ کی حالت میں گاڑی چلاتے ہوئے کوئی گاڑی کے نیچے آ جائے۔

قتل بالسبب کے احکام:

قولہ: وموجبہ الخ: ۱۔ انسانی خون کو رائیگاں ہونے سے بچانے کے لیے دیت ہے۔ ۲۔ کفارہ واجب نہ ہوگا۔

۳۔قاتل اگر وارث ہے تو وراثت سے محروم نہ ہوگا۔

عدالتی قانون

دفعہ ۳۲۱ میں قتل بالسبب کی تعریف اور دفعہ ۳۲۲ میں سزا (دیت) کو بیان کیا گیا ہے۔

وَالْقِصَاصُ وَاجِبٌ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَى التَّابِيْدِ اِذَا قَتَلَ عَمَدًا وَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْحُرُّ بِالْعَبْدِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْمُسْلِمُ بِالذِّمِّيِّ وَلَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْمُسْتَأْمِنِ وَيُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ وَلَا يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِهٖ وَلَا بِعَبْدِهٖ وَلَا بِمُدَبَّرِهٖ وَلَا بِمُكَاتَبِهٖ وَلَا بِعَبْدِ وَلَدِهٖ وَمَنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلَى اَبِيْهِ سَقَطَ وَلَا يُسْتَوْفَى الْقِصَاصُ اِلَّا بِالسَّيْفِ

”ہر دائمی محفوظ الدم شخص کو قتل کرنے کی وجہ سے قصاص واجب ہوتا ہے جب کہ وہ عمداً قتل کرے اور قتل کیا جائے گا آزاد کے بدلے میں آزاد کو، آزاد کو غلام کے بدلے میں، غلام کو غلام کے بدلے میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں اور مسلمان کو مستامن کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور انسان کو نہ اس کے بیٹے کے بدلے میں نہ اس کے غلام کے بدلے میں نہ اس کے مکاتب کے بدلے میں اور نہ اس کے بیٹے کے غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور جو اپنے والدین میں قصاص کا وارث ہو گیا تو ساقط ہو جائے گا اور قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا“۔

قصاص کے واجب ہونے کی شرائط:

قولہ:والقصاص الخ: قصاص کے واجب ہونے کی کچھ شرائط قاتل کے متعلق ہیں اور کچھ مقتول کے متعلق ہیں۔اولاً مقتول کے متعلق ایک شرط یہ ہے کہ مقتول کا قتل کرنا مباح نہ ہو جس کو فقہ کی اصطلاح میں ”معصوم الدم“ کہا جاتا ہے۔لہٰذا کافر حربی کو قتل کر دیا گیا یا مرتد کو قتل کر دیا گیا تو قصاص لازم نہیں کہ یہ مباح الدم افراد میں سے ہیں۔متن میں تابید (دائمی) کی قید سے مستامن خارج ہو گیا کہ وہ جب تک دارالاسلام میں امن لے کر رہ رہا ہے اس کے عوض مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔دوسری شرط یہ ہے کہ مقتول پر مالک کو ملکیت حاصل نہ ہو جیسے غلام کو قتل کرنا تعزیر تو ہوگی مگر مالک پر قصاص نہ ہوگا اور تیسری شرط یہ ہے کہ مقتول قاتل کا جزو نہ ہو مثلاً بیٹا، بیٹی اگر جزو کو قتل کر دیا تو قصاص نہیں یہی موقف شوافع اور حنابلہ کا بھی ہے جب کہ امام مالک کے نزدیک اگر والد کے ظالم ہونے کا علم ہو کہ ارادہ قتل ہو تو قصاص ورنہ نہیں۔قاتل کے لیے پانچ شرطیں ہیں۔۱۔بالغ ہو ۲۔عاقل ہو پاگل نہ ہو۔۳۔اپنے اختیار سے قتل کیا ہو ۴۔قتل کے ارادہ سے مقتول پر حملہ کیا ہو ۵۔ارادہ قتل میں ذرہ بھر شبہ نہ ہو۔

قصاصاً قتل کیے جانے والے افراد:

قولہ:ویقتل الخ: آزاد کو آزاد کے، غلام کو غلام کے، آزاد کو غلام کے، غلام کو آزاد کے، عورت کو مرد کے اور مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا اسی طرح احناف کے نزدیک ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا جائے گا یہی رائے اسلام کے عادلانہ مزاج اور سماجی مصلحتوں کے قریب تر ہے جب کہ شوافع کے نزدیک ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اور جن افراد کو قتل نہیں کیا جائے گا

ان کی مثالیں شرائط کے تحت احترازی مثالوں میں دیکھیے۔

قصاص میں آلہ قتل

قوله: ولا یسعوفی الخ: قتل قصاص میں کون سا آلہ استعمال کیا جائے گا اس میں احناف کا موقف یہ ہے کہ صرف تلوار سے قاتل کو قتل کیا جائے گا جب کہ دیگر آئمہ کے نزدیک جیسا آلہ قاتل نے استعمال کیا ویسا ہی قاتل کے لیے استعمال کیا جائے گا سوائے طریقہ غیر شرعی (لواطت وزنا) کے۔

تلوار سے مراد:

تلوار سے مراد صرف نفس تلوار نہیں بلکہ ہتھیار ہے چونکہ عہد رسالت میں قتل کے لیے تلوار ہی استعمال ہوتی تھیں اس لیے تلوار سے مراد آلہ قتل ہے۔لہٰذا احناف کے نزدیک حدیث "لا قود الا بالسیف" میں تلوار سے مراد ایسا آلہ ہے جو سہولت اور سرعت کے ساتھ قتل کردے اسی وجہ سے دور حاضر کے اہل علم حضرات نے مقصلہ، برقی کرسی، گیس چیمبر اور دیگر جدید تیز ترین آلہ قتل کے ذریعے قصاص کو جائز قرار دیا ہے بلکہ بعض نے تو تیز ترین ہونے کی وجہ سے انسب قرار دیا ہے تاہم پھانسی میں بنسبت تلوار وغیرہ کے زیادہ اذیت ہے۔

وَإِذَا قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ لَمْ يَجِبِ الْقِصَاصُ حَتَّى يَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ، وَالْمُرْتَهِنُ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمْدًا فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ وَمَنْ قَطَعَ يَدَ غَيْرِهِ مِنَ الْمَفْصِلِ عَمْدًا قُطِعَتْ يَدُهُ، وَلَوْ كَانَتْ أَكْبَرَ مِنْ يَدِ الْمَقْطُوعِ وَكَذٰلِكَ الرِّجْلُ وَمَارِنُ الْأَنْفِ، وَالْأُذُنُ، وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلَا قِصَاصَ فِيهِمَا فَإِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَذَهَبَ ضَوْءُهَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ،

"اور جب مکاتب کو عمداً قتل کردیا گیا اور مولی کے علاوہ کوئی اس کا وارث نہیں تو مولیٰ کو قصاص کا حق حاصل ہوگا اگر مکاتب نے مال نہ چھوڑا ہو اور اگر مکاتب نے مال چھوڑا ہو اور مولیٰ کے علاوہ کوئی اور اس کا وارث ہو تو اس کو قصاص کا حق نہیں ہے اگرچہ لوگ مولی کے ساتھ مل جائیں اور اگر عبد مرہون قتل کردیا گیا تو قصاص واجب نہیں یہاں تک کہ راہن اور مرتہن جمع ہوجائیں اور جس شخص نے کسی مرد کو عمداً زخمی کردیا اور مسلسل صاحب فراش رہا یہاں تک کہ فوت ہوگیا تو اس پر قصاص واجب ہے"۔

زخم کے سبب موت:

قوله: ومن جرح الخ: اگر کسی نے کسی کو اتنا زخمی کردیا کہ کچھ مدت بعد اسی زخم کی وجہ سے چل بسا تو زخمی ہونے کے بعد صاحب فراش رہنے کی حالت میں فوت ہوا تو قصاص لیا جائے گا۔

وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ أَوْ جَرَحَهُ جَائِفَةً وَإِنْ كَانَتْ يَدُ الْمَقْطُوعِ صَحِيحَةً وَيَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ أَوْ نَاقِصَةَ الْأَصَابِعِ فَالْمَقْطُوعُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ الْيَدَ الْمَعِيبَةَ وَلَا

شَیْءٌ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ کَامِلًا ۔ وَاَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ کَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِیْ غَیْرِ مِلْکِهٖ وَمُوْجِبُ ذٰلِكَ اِذَا تَلِفَ فِیْهِ آدَمِیٌّ اَلدِّیَةُ عَلَی الْعَاقِلَةِ وَلَا کَفَّارَةَ فِیْهِ وَوَاضِعُ الْحَجَرِ وَالْقِصَاصُ وَاجِبٌ بِقَتْلِ کُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَی التَّأْبِیْدِ، وَیُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ، وَالْحُرُّ بِالْعَبْدِ وَیَکُوْنُ الْقِصَاصُ لِسَیِّدِهٖ وَالْعَبْدُ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَیُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالذِّمِّیِّ وَلَا یُقْتَلُ بِالْمُسْتَاْمَنِ وَیُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْاَةِ، وَالْکَبِیْرُ بِالصَّغِیْرِ، وَالصَّحِیْحُ بِالْاَعْمٰی وَالزَّمِنِ وَلَا یُقْتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِهٖ وَلَا بِعَبْدِهٖ وَلَا بِمُدَبَّرِهٖ وَلَا بِمُکَاتَبِهٖ وَلَا بِعَبْدِ وَلَدِهٖ، وَمَنْ وَرِثَ قِصَاصًا عَلٰی اَبِیْهِ سَقَطَ وَلَا یُسْتَوْفَی الْقِصَاصُ اِلَّا بِالسَّیْفِ وَاِذَا قُتِلَ الْمُکَاتَبُ عَمْدًا وَلَیْسَ لَهٗ وَارِثٌ اِلَّا الْمَوْلٰی فَلَهُ الْقِصَاصُ ۔ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا شَجَّةً فَاسْتَوْعَبَتِ الشَّجَّةُ مَا بَیْنَ قَرْنَیْهِ وَهِیَ لَا تَسْتَوْعِبُ مَا بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّاجِّ فَالْمَشْجُوْجُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهٖ یَبْتَدِئُ مِنْ اَیِّ الْجَانِبَیْنِ شَاءَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ کَامِلًا وَلَا قِصَاصَ فِی اللِّسَانِ وَلَا فِی الذَّکَرِ اِذَا قُطِعَ اِلَّا اَنْ یُقْطَعَ الْحَشَفَةُ

”اور جس شخص نے کسی کا ہاتھ کلائی سے عمداً کاٹ دیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسی طرح پاؤں، ناک کا نرم حصہ اور کان بھی اور جس شخص نے کسی کی آنکھ پر مارا اور اس کو نکال دیا تو اس پر کوئی قصاص نہیں اب اگر آنکھ باقی ہے مگر روشنی چلی گئی تو اس پر قصاص واجب ہے۔ قصاص کے لیے شیشہ گرم کیا جائے گا اور مارنے والے کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے گی اور گرم شیشہ کو اس کی آنکھ کے بالمقابل رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کی آنکھ کی روشنی چلی جائے اور دانت میں قصاص ہے اور ہر ایسے زخم میں جس میں مماثلت ممکن ہو قصاص لازم ہے اور ہڈی میں قصاص نہیں سوائے دانت کے اور جان سے کم تر میں شبہ عمد نہیں وہ تو عمد یا خطا ہے اور مرد و عورت کے درمیان جان سے کم تر میں قصاص نہیں اور نہ ہی آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے درمیان اور مسلمان اور کافر کے درمیان اعضاء میں قصاص واجب ہے اور جس نے کسی شخص کا ہاتھ نصف بازو سے کاٹ دیا یا اس کو پیٹ تک زخمی کر دیا اور وہ اس سے اچھا ہو گیا تو اس پر قصاص واجب نہیں اور اگر کٹا ہوا ہاتھ درست ہو اور کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو یا انگلیاں کم ہوں تو مقطوع الیہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو عیب دار ہاتھ کاٹ دے تو اس کے لیے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا اور چاہے تو مکمل دیت وصول کر لے اور جس نے کسی کو زخمی کر دیا اور زخم نے سر کے دونوں جانبوں کو گھیر لیا اور یہ زخم جارح کے سر کے دونوں جانبوں کو نہیں گھیرتا تو زخمی کو اختیار ہے چاہے تو اپنے زخم کی مقدار کے مطابق قصاص لے لے اور جس جانب سے چاہے شروع کرے اور چاہے تو مکمل دیت وصول کر لے اور زبان اور ذکر میں قصاص نہیں بشرطیکہ حشفہ نہ کٹے۔“

حل لغات: المفصل: کلائی۔ مارن: ناک کا نرم حصہ۔ تحمی احماء: سے بمعنی تیز گرم کرنا۔ المراۃ: شیشہ۔ قطن: روئی۔ رطلب: گیلی۔ الشجه: زخم۔ سواعد: جمع ساعد کی بمعنی بازو۔ جوائف: جمع جائفہ کی وہ زخم جو پیٹ تک پہنچ جائے۔ قرنیہ تثنیہ قرن کی بمعنی سر کا ایک حصہ۔ الحشفه: ختنے کا حصہ۔

جزوی نقصان کا قصاص:

قولہ:ومن قطع الخ: اس سے قبل گفتگو اس صورت میں تھی کہ جب کسی شخص نے دوسرے کو ہلاک کر دیا اب جزوی نقصان کی صورتوں کا بیان ہے۔ جزوی صورتوں میں قصاص کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ہر وہ اعضاء کہ جن میں مماثلت و برابری کو قائم رکھنا ممکن ہو اور زخم لگانے سے تجاوز کی صورت اختیار نہ کرے تو قصاص لیا جائے گا ورنہ نہیں"۔ مثلاً ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، ایسے ہی کان اور ناک کی نرم ہڈی وغیرہ اور ہڈیوں میں سے فقط دانت کے بدلے میں دانت اگر آنکھ کا ڈھیلا نکال دیا تو قصاص نہیں اگر صرف روشنی ختم کر دی تو قصاص میں روشنی ختم کی جائے گی جیسا کہ مصنف نے بیان کیا کہ دوسری آنکھ و چہرے پر تر روئی رکھی جائے اور جس کا قصاص لیا ہے اس کے سامنے گرم کردہ شیشہ رکھ دیا جائے تو بینائی ختم ہو جائے گی جب کہ موجودہ دور میں اس کے متبادل جدید طریقے آ گئے ہیں۔

نفس کے علاوہ شبہ عمد کا نہ ہونا:

قولہ:ولیس الخ: نفس کو مارنے میں شبہ عمد کی صورت تو ہو سکتی ہے کہ غیر ہتھیار سے قتل کر دے مگر جزوی صورت میں غیر ہتھیار سے زخمی کرنا عمداً ہوگا یا خطاً لیکن شبہ عمد نہیں ہوگا۔

عورت کے اعضاء کے بدلے قصاص:

قولہ:ولا قصاص الخ: اگر مرد نے عورت کے اعضاء کاٹ دیئے اسی طرح دو غلاموں اور آزاد و غلام کے درمیان اعضاء کاٹنے پر قصاص نہیں بلکہ دیت لازم ہوگی جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قصاص ہوگا لیکن اگر ذمی کے اعضا کاٹ دیئے تو احناف کے نزدیک اعضاء میں قصاص ہوگا جب کہ شوافع کے نزدیک قصاص نہیں کیونکہ نفس ذمی کے قتل پر قصاص نہیں۔

درست ہونے کے بعد حکم:

قولہ:ومن قطع الخ: اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا یا پیٹ میں زخم کر دیا پھر علاج معالجہ سے درست ہو گئے تو قصاص نہیں بلکہ دیت لازم آئے گی۔

قاتل کا ہاتھ شل ہو:

قولہ:واذا کانت الخ: اگر قاتل کا وہ ہاتھ جس کو قصاص میں کاٹنا ہے وہ شل ہو یا اس کی انگلیاں خراب ہوں تو ہاتھ کاٹنے والے کو دو اختیار ہیں یا اسی ہاتھ کو کاٹ دے کہ اس کو اور کچھ نہیں ملے گا یا ہاتھ کی دیت نصف لے لے۔

سر کی دونوں جانب زخمی:

قولہ:ومن شجع الرجل الخ: اگر سر کی دونوں جانب زخمی کر دی گئیں تو زخمی کو اختیار ہے چاہے تو قصاص میں دونوں جانب سے اتنی ہی مقدار زخمی کرے چاہے تو پوری دیت لے لے۔

دیگر اعضاء میں قصاص:

اگر ذکر یا زبان کو کاٹ دیا تو دیت لازم ہوگی قصاص نہ ہوگا۔ سکڑنے اور لمبا ہونے کی وجہ سے مساوات ممکن نہیں لیکن اگر حشفہ (ختنہ کی جگہ) کاٹ دیا ہے تو قصاص میں کاٹا جائے گا اسی طرح خصیتین کو بھی قصاص میں کاٹا جاسکتا ہے۔

وَإِذَا اصْطَلَحَ الْقَاتِلُ وَأَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ عَلٰى مَالٍ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَوَجَبَ الْمَالُ قَلِيلًا كَانَ أَوْ كَثِيرًا وَإِنْ عَفَا أَحَدُ الشُّرَكَاءِ فِي الدَّمِ أَوْ صَالَحَ مِنْ نَصِيبِهِ عَلٰى عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ الْبَاقِينَ مِنَ الْقِصَاصِ وَكَانَ لَهُمْ نَصِيبُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ وَإِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَاحِدًا أُقْتُصَّ مِنْ جَمِيعِهِمْ وَإِذَا قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً فَحَضَرَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِينَ قُتِلَ بِجَمَاعَتِهِمْ وَلَا شَيْءَ لَهُمْ غَيْرُ ذٰلِكَ وَإِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ لَهُ وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِينَ وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ

"اور جب قاتل مقتول کے اولیاء سے مال پر صلح کرلے تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہوگا مال تھوڑا ہو یا زیادہ پس اگر شریکوں میں سے کوئی ایک خون معاف کر دے یا اپنے حصے سے کسی عوض پر صلح کرلے تو باقی لوگوں کے قصاص کا حق ساقط ہو جائے گا اور اس کا دیت میں حصہ ہوگا اور جب ایک جماعت نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو سب سے قصاص لیا جائے گا اور جب ایک نے جماعت کو قتل کر دیا اور مقتولین کے اولیاء حاضر ہو گئے تو پوری جماعت کے لیے اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے علاوہ ان کے لیے کچھ نہ ہوگا اور اگر ان میں سے ایک حاضر ہو گیا تو اس کے لیے قتل کیا جائے گا باقیوں کا حق قصاص سے ساقط ہو جائے گا اور جس شخص پر قصاص واجب ہوا اور وہ فوت ہو جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا"۔

قصاص ساقط ہونے کی صورتیں:

قولہ: واذا اصطلح الخ: بعض صورتوں میں قصاص واجب ہونے کے باوجود ساقط ہو جاتا ہے۔ سقوط قصاص کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ قاتل کے ساتھ مقتول کے ورثاء کسی مال پر صلح کرلیں مال چاہے دیت کی مقدار کا ہو یا کم و بیش تو حق قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ ۲۔ مستحقین قصاص یا ان میں سے کوئی ایک خون معاف کر دے تو حق قصاص ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ معاف کرنے والا عاقل، بالغ ہو اور جنہوں نے معاف نہیں کیا وہ اپنے حصے کے مطابق دیت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ۳۔ قصاص کا محل باقی نہ رہے کہ قاتل فوت ہو جائے۔

جماعت کو قتل کرنا یا جماعت کا ایک کو قتل کرنا:

قولہ: واذا قتل جماعت الخ: اگر ایک جماعت نے مل کر ایک شخص کو قتل کر دیا تو تمام کو قصاص میں قتل کیا جائے گا یہی جمہور کا موقف ہے اسی میں امن کی مصلحت ہے ورنہ لوگوں کو نیا طریقہ قتل کرنے کا ہاتھ آجائے گا۔ اگر ایک شخص کئی افراد کے قتل کا مجرم ہے تو سب کی طرف سے اس کو قتل کر دیا جائے گا جب محل باقی نہ رہا تو باقی مقتولین کا حق ساقط ہو جائے گا۔

وَإِذَا قَطَعَ رَجُلَانِ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا فَلَا قِصَاصَ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِذَا

قَطَعَ وَاحِدٌ يُمْنَى رَجُلَيْنِ فَحَضَرَا فَلَهُمَا اَنْ يُقْطَعَا يَمِيْنَهُ وَيَأْخُذَا مِنْهُ نِصْفَ الدِّيَةِ يَقْتَسِمَانِهَا نِصْفَيْنِ وَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا قَطَعَ يَدَهُ وَلِلْاٰخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ دِيَةٍ وَاِذَا اَقَرَّ الْعَبْدُ بِقَتْلِ الْعَمْدِ لَزِمَهُ الْقَوَدُ وَمَنْ رَمٰى رَجُلًا عَمْدًا فَنَفَذَ مِنْهُ السَّهْمُ اِلٰى اٰخَرَ فَمَاتَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ لِلْاَوَّلِ، وَالدِّيَةُ لِلثَّانِيْ عَلٰى عَاقِلَتِهِ

”جب دو شخصوں نے ایک کا ہاتھ کاٹ دیا تو دونوں میں سے کسی پر قصاص نہ آئے گا اور ان پر نصف دیت آئے گی اور ایک دو کا ہاتھ کاٹ دے اور دونوں حاضر ہوں گے تو ان کے لیے دائیں ہاتھ کاٹنے کا حق ہے اور یہ کہ نصف دیت لیں اور نصف نصف تقسیم کرلیں اور اگر دونوں میں سے ایک حاضر ہوگیا تو وہ ہاتھ کو کاٹ دے اور دوسرے کے لیے نصف دیت ہوگی اور جب غلام قتل عمد کا اقرار کرلے تو اس پر قصاص لازم آئے گا اور کسی شخص نے جان بوجھ کر تیر مارا وہ تیر اس سے پار ہوکر دوسرے کو لگ گیا دونوں فوت ہوگئے تو اس پر پہلے کا قصاص ہوگا اور دوسرے کے لیے عاقلہ پر دیت ہوگی۔

قصاص کے متفرق احکام:

قولہ:واذا قطع الخ:۱۔دو نے مل کر ایک کا ہاتھ کاٹ دیا تو دونوں میں سے کسی ایک کا بھی ہاتھ قصاص میں نہیں کاٹا جائے گا دونوں کا کاٹنے سے تعدی اور کسی ایک کا کاٹنے سے ترجیح بلا مرجح ہوگی لہٰذا یہی صورت باقی رہی کہ دونوں پر ایک ہاتھ کی دیت نصف نصف آئے گی جب کہ شوافع کے نزدیک دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ ۲۔اگر ایک شخص نے دو کے داہنے ہاتھ کاٹ دیئے اور دونوں ہی قصاص کے لیے حاضر ہوگئے تو قصاص میں قاطع کا ایک ہاتھ کاٹا جائے گا اور نصف دیت دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی کیونکہ داہنا ہاتھ ایک ہے جو کٹ چکا ہے اگر کسی ایک نے قصاص کا مطالبہ کیا تو یہ قصاص مکمل اس کی طرف سے ہوگا اور بعد میں دوسرے کے آنے پر اسے ہاتھ کی دیت ملے گی۔ ۳۔اگر غلام نے قتل عمد کا اقرار کرلیا تو قصاص میں قتل کیا جائے گا آقا کی تصدیق وتکذیب کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۴۔اگر ایک شخص نے ایک کو تیر مارا تیر اس سے پار ہوتے ہوئے دوسرے کو لگا تو وہ بھی ہلاک ہوگیا۔یہی کیفیت گولی کی بھی ہے تو پہلا قتل عمد ہے لہٰذا قصاص لازم ہوگا جب کہ دوسرا قتل قتل خطاء ہے کہ اس کو مارنے کی نیت نہ تھی تو دیت عاقلہ پر لازم ہوگی۔

کتاب الدیات

جسمانی نقصان پر جو مالی تاوان فقہاء نے واجب قرار دیا ہے وہ تین طرح کے ہیں۔ ا۔ دیت ۲۔ ارش ۳۔ حکومۃ عدل۔

دیت کی تعریف:

مکمل ہلاکت یا کسی ایسے نقصان کا تاوان دیت ہے جس کو شریعت نے قتل کے حکم میں رکھا ہے۔

ارش کی تعریف:

جزوی نقصان پر جو دیت سے کم تاوان عائد ہو وہ ارش ہے۔

حکومت عدل کی تعریف:

جو دیت اور ارش کے علاوہ صورت ہو تو اہل رائے حضرات سے مشورہ کے بعد جو تاوان مقرر کیا جائے حکومۃ عدل ہے، یا حکومۃ کہا جاتا ہے۔

تعزیر کی تعریف:

جو دیت، ارش اور حکومۃ کے علاوہ حاکم وقت اپنی صوابدید پر لاگو کرے چاہے مالی تاوان ہو یا جسمانی سزا ہو۔

دیت کا ثبوت:

قرآن مجید اور احادیث رسول سے ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو مکتوب بھیجا تھا اس میں دیت کی تفصیل ہے۔ تفصیلات میں اختلاف کے باوجود اصولی طور پر بعض جنایات میں دیت واجب ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے۔

إِذَا قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا شِبْهَ عَمْدٍ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ وَدِيَةُ شِبْهِ الْعَمْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَاعًا إِلَى آخِرِهِ وَلَا يَثْبُتُ التَّغْلِيظُ إِلَّا فِي الْإِبِلِ خَاصَّةً فَإِنْ قَضَى بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الْإِبِلِ لَمْ تَتَغَلَّظْ وَقَتْلُ الْخَطَأ يَجِبُ فِيهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ، وَالْكَفَّارَةُ عَلَى الْقَاتِلِ وَالدِّيَةُ فِي الْخَطَأ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَخْمَاسًا إِلَى آخِرِهِ وَمِنَ الْعَيْنِ أَلْفُ دِينَارٍ وَمِنَ الْوَرِقِ عَشَرَةُ آلَافٍ وَلَا تَثْبُتُ الدِّيَةُ إِلَّا مِنْ هَذِهِ الْأَنْوَاعِ الثَّلَاثَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ: وَمِنَ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ وَمِنَ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ، وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ

”جب کسی شخص نے کسی کو شبہ عمد سے قتل کر دیا تو اس کے عاقلہ پر دیت مغلظہ ہے اور قاتل پر کفارہ ہے اور شبہ عمد کی دیت شیخین کے ہاں چار طرح کے ایک سو اونٹ ہیں۔ پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقے اور پچیس جزع اور

دیت مغلظہ صرف اونٹوں کی صورت میں ہے لہٰذا اگر اونٹوں کے علاوہ دیت کی تو مغلظہ نہ ہوگی اور قتل خطا میں عاقلہ پر دیت واجب ہوتی ہے اور قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے اور خطا میں دیت پانچ طرح کے ایک سو اونٹ ہیں۔ بیس بنت مخاض، بیس ابن مخاض، بیس بنت لبون، بیس حقے اور بیس جذع اور سونے سے ایک ہزار دینار اور چاندی سے دس ہزار درہم ہیں۔ امام اعظم کے نزدیک دیت ان تین صورتوں میں ہے اور صاحبین کے نزدیک ان کے علاوہ گائے سے دوسو اور بکریوں سے دو ہزار، کپڑوں اور جوڑوں سے دوسو اور ہر جوڑا دو کپڑوں کا ہوگا"۔

دیت کے وجوب کی صورتیں:

قولہ: واذا قتل الخ: بطور تمہید یہ بات پیش نظر رہے کہ دیت چار صورتوں میں واجب ہوتی ہے۔ ۱۔ قتل شبہ عمد ۲۔ قتل خطا ۳۔ قتل بالسبب ۴۔ بچے یا مجنون کا کسی کو قتل کرنے میں۔ ان چار صورتوں میں دیت اصالۃً واجب ہوتی ہے باقی رہا قتل عمد اس میں دیت پر صلح ہو گئی تو بھی واجب ہوگی۔ **واذا قتل** سے امام قدوری نے قتل شبہ عمد کا حکم اور دیت بیان فرمائی ہے کہ قتل شبہ عمد میں قاتل پر کفارہ واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرنا اس کی عدم موجودگی میں دو ماہ کے روزے رکھنا اور دیت مغلظہ جو قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے۔

دیت میں شدت اور تخفیف میں اختلاف:

جرم کی شدت کے اعتبار سے دیت کو گراں کیا جائے گا کہ جس کو فقہاء کرام دیت مغلظہ کہتے ہیں یہ بھی اس صورت میں ممکن ہے کہ جب دیت اونٹوں سے ادا کی جائے اور دیت مغلظہ قتل عمد اور شبہ عمد میں شیخین کے نزدیک چار طرح کے اونٹ ہیں۔ ۱۔ پچیس ایک سالہ ۲۔ پچیس دو سالہ ۳۔ پچیس تین سالہ ۴۔ پچیس چار سالہ اونٹنیاں یہی موقف حنابلہ کا بھی ہے۔ جب کہ امام محمد کے نزدیک ۱۔ تیس اونٹنیاں تین سالہ ۲۔ تیس چار سالہ ۳۔ چالیس حاملہ اونٹنیاں۔ یہی موقف مالکیہ اور شافعیہ کا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے (الاقتصار علی قول الشیخین فی الهندیه، المعون علی قول الشیخین)

قتل خطا کا حکم اور دیت:

قولہ: وفی قتل الخطا الخ: قتل خطا میں دو چیزیں ہیں ۱۔ قاتل پر کفارہ واجب ہے۔ ۲۔ عاقلہ پر دیت واجب ہے۔ قتل عمد کی دیت خود قاتل پر واجب ہوتی ہے جب کہ قتل خطا اور شبہ خطا کی دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی اور عاقلہ کی تفصیل خود کتاب میں آنے والی ہے۔ قتل خطا میں دیت امام اعظم کے نزدیک صرف تین چیزوں سے ادا کی جاسکتی ہے۔ (الف) اونٹوں سے کہ جو پانچ قسم کے ہوں گے۔ ۱۔ بیس بنت مخاض ۲۔ بیس ابن مخاض ۳۔ بیس بنت لبون ۴۔ بیس حقے ۵۔ بیس جذعے (ب) سونے سے ایک ہزار دینار (ج) چاندی سے دس ہزار درہم جب کہ صاحبین کے نزدیک ان تینوں کے علاوہ گائے دوسو، بکریاں دو ہزار اور لباس دوسو سے بھی دیت دی جاسکتی ہے۔ گویا صاحبین کے نزدیک چھ چیزوں سے دیت ادا کی جاسکتی ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ دیت صرف اونٹوں یا سونے یا چاندی سے ادا کی جاسکتی ہے باقی سے نہیں (الصحیح ما

ذھب الیه الامام "الشامی، الترجیح والتصحیح) سونا اور چاندی کا بدل کرنسی ہے لہٰذا بدل سے بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

دیت میں اصل:

شریعت میں دیت کے لیے معیار اصل میں اونٹ ہیں اونٹ کی قیمت زمانے کے تغیر سے بدلتی رہتی ہے اسی سو اونٹوں کی قیمت کے اعتبار سے سونا ایک ہزار دینار اور چاندی دس ہزار درہم کے مساوی قرار دیا گیا ہے کہ اونٹوں کی قیمت کے بدلنے کی طرح سونا اور چاندی کی قیمت بدلتی رہتی ہے۔

عدالتی قانون میں دیت کی مالیت:

دفعہ ۳۲۳ میں چاندی سے دیت کی مقدار تیس اعشاریہ چھ سو تیس (۳۰,۶۳۰) کلوگرام ہے جو دس ہزار درہم کے برابر ہے جس کی قیمت کا تعین ہر سال یکم جولائی سے کیا جائے گا جس کی مالیت فی تولہ چاندی کے اعتبار سے ہے۔

پاکستانی عدالتوں میں قصاص و دیت کا نفاذ:

قصاص و دیت کا نفاذ عدالتوں میں ۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ بمطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء سے ہوا ہے۔

وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ، وَالذِّمِّيِّ سَوَاءٌ وَفِي النَّفْسِ الدِّيَةُ، وَفِي الْمَارِنِ الدِّيَةُ وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِي الْعَقْلِ إِذَا ضَرَبَ رَأْسَهُ فَذَهَبَ عَقْلُهُ الدِّيَةُ وَفِي اللِّحْيَةِ إِذَا حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ الدِّيَةُ وَفِي شَعْرِ الرَّأْسِ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْيَدَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْأُذُنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الْأُنْثَيَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي ثَدْيَيِ الْمَرْأَةِ الدِّيَةُ، وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي كُلِّ أُصْبُعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ، وَالرِّجْلَيْنِ عُشْرُ الدِّيَةِ، وَالْأَصَابِعُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَكُلُّ أُصْبُعٍ فِيهَا ثَلَاثُ مَفَاصِلَ فَفِي أَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ الْأُصْبُعِ وَمَا فِيهَا مَفْصِلَانِ فَفِي أَحَدِهِمَا نِصْفُ دِيَةِ الْأُصْبُعِ وَفِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ وَالْأَسْنَانُ وَالْأَضْرَاسُ كُلُّهَا سَوَاءٌ وَمَنْ ضَرَبَ عُضْوًا فَأَذْهَبَ مَنْفَعَتَهُ فَفِيهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ كَمَا لَوْ قَطَعَهُ كَالْيَدِ إِذَا شُلَّتْ، وَالْعَيْنِ إِذَا ذَهَبَ ضَوْءُهَا

''اور مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے اور ناک کے نرم حصہ میں دیت ہے اور زبان میں دیت، آلہ تناسل میں دیت اور عقل میں دیت جب کہ کسی کے سر پر مارا اور اس کی عقل چلی گئی اور داڑھی میں جب کہ وہ مونڈ دی گئی اور نہ اگے تو دیت ہے، سر کے بالوں میں دیت ہے اور ابروؤں میں اور آنکھوں میں دیت ہے اور کانوں میں دیت ہے اور ہونٹوں میں دیت ہے اور خصیوں میں دیت ہے اور عورت کے دونوں پستانوں میں دیت ہے اور ان اعضا میں سے ہر ایک میں نصف دیت ہے اور دونوں آنکھوں کی پلکوں میں دیت ہے اور ان میں سے ہر ایک میں ایک چوتھائی دیت ہے اور ہاتھ پاؤں میں سے ہر ایک کی انگلی میں دسواں حصہ دیت ہے اور انگلیاں سب برابر ہیں پس ہر وہ انگلی کہ جس میں تین جوڑ ہیں تو ہر جوڑ میں انگلی کی دیت تہائی ہے اور وہ انگلی کہ جس میں دو جوڑ ہیں پس ان میں سے ہر ایک میں نصف دیت ہے اور ہر دانت میں

پانچ اونٹ ہیں دانت اور داڑھ سب برابر ہیں اور جس نے کسی عضو پر مارا اور اس کی منفعت ختم ہو گئی تو اس پر مکمل دیت ہوگی جیسا کہ اگر اس کو کاٹ دیا ہو جیسے ہاتھ شل ہو جائے اور آنکھ کہ جب اس کی روشنی چلی جائے۔

ذمی کی دیت:

قولہ:ودیۃ المسلم الخ: احناف کے نزدیک مسلمان اور ذمی دونوں کی دیت برابر ہے اسی طرح مستامن کی دیت بھی مکمل ہے۔ ذمی وہ غیر مسلم ہے جو اسلامی ملک میں جزیہ دے کر رہتا ہو مثلاً پاکستان میں عیسائی، یہودی، سکھ وغیرہ اور مستامن وہ غیر مسلم ہے جو اسلامی ملک میں امن لے کر رہتا ہو جب کہ دیگر آئمہ کے نزدیک نصف دیت ہے۔

اعضاء کی دیت کے متعلق چند اصول:

قولہ:وفی النفس الخ: وہ اعضاء کہ جن کے کاٹنے کی وجہ سے جنس منفعت یا حسن و جمال علی وجہ الکمال ختم ہو جائے تو دیت واجب ہو جاتی ہے۔ مثلاً منفعت کی مثال ناک کی نرم ہڈی، زبان، آلہ تناسل، عقل کا ذھول، دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں، دونوں ہونٹوں، دونوں خصیوں، عورت کی دونوں چھاتیوں یا دونوں آنکھوں کی بینائی کا ضرب کی وجہ سے ختم ہو جانا وغیرہ۔ حسن و جمال کی مثال دونوں کانوں کا کاٹنا، سر یا داڑھی کے بالوں کو اس طرح ختم کرنا کہ اگ نہ سکیں اور اسی طرح ابروئیں وغیرہ۔ دیت کے اعتبار سے اعضا کی چار اقسام ہیں۔ ا۔ جو اعضا جسم میں تنہا ہیں ان کے کٹ جانے پر مکمل دیت واجب ہوگی۔ مثلاً ناک، زبان وغیرہ۔ ۲۔ جو اعضاء جوڑے جوڑے ہیں تو دونوں کے کٹ جانے پر مکمل اور ایک کے کٹ جانے پر نصف دیت ہوگی۔ ۳۔ جو اعضاء چار چار ہیں مثلاً دونوں آنکھوں کی پلکیں تو چاروں کے کٹ جانے پر مکمل ایک ضائع ہونے پر چوتھائی دیت واجب ہوگی ۴۔ وہ اعضاء جو دس کی تعداد میں ہیں مثلاً ہاتھ و پاؤں کی انگلیاں اگر مکمل دس کٹ جائیں تو مکمل دیت ورنہ ایک پر دسواں حصہ دیت واجب ہوگی اور اگر تین گرہوں والی انگلی کی ایک گرہ کاٹ ڈالی تو انگلی کی دیت کا تہائی حصہ اگر دو گرہوں والی کی ایک گرہ کاٹ دی تو انگلی کی دیت کا نصف حصہ دیت آئے گی۔ ہر دانت میں دیت پانچ اونٹ اور درہم سے پانچ سو درہم اگر عمداً دانت توڑا ہو تو قصاص ہوگا۔ دانت اور داڑھ کا حکم برابر ہے۔

کسی جسمانی منفعت کا نقصان:

قولہ:ومن ضرب الخ: جسم کی کسی منفعت کو ختم کر دینا یا اس کو حسن و جمال سے محروم کر دینا فقہاء کرام کے نزدیک اعضاء کاٹنے کے درجہ میں ہے لہٰذا جہاں جہاں قصاص ممکن ہو قصاص ورنہ دیت لازم ہوگی مثلاً عقل، سماعت، بصارت، قوت شامہ، آواز، قوت ذائقہ، چبانے کی قوت، جماع، حمل، افزائش منی، پکڑ، رفتار، بالوں کا وجود وغیرہ اسی طرح کی بیس سے زیادہ منافع فقہاء نے شمار کیے ہیں۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب ضرب کی وجہ سے منفعت ختم ہو جائے اگر جزوی نقصان پہنچے تو اصحاب رائے کے مشورہ سے حکومتی عدل (تاوان) ہوگا۔

وَالشِّجَاجُ عَشَرَةٌ اَلْحَارِصَةُ ، وَالدَّامِعَةُ ، وَالدَّامِيَةُ ، وَالْبَاضِعَةُ ، وَالْمُتَلَاحِمَةُ وَالسِّمْحَاقُ ، وَالْمُوضِحَةُ ، وَالْهَاشِمَةُ ، وَالْمُنَقِّلَةُ ، وَالْآمَّةُ فَفِي الْمُوضِحَةِ الْقِصَاصُ اِذَا كَانَتْ عَمْدًا وَلَا

قِصَاصَ فِیْ بَقِیَّةِ الشِّجَاجِ وَمَا دُوْنَ الْمُوْضِحَةِ فَفِیْهَا حُکُوْمَةُ عَدْلٍ وَفِی الْمُوْضِحَةِ إِذَا کَانَتْ خَطَأً نِصْفُ عُشْرِ الدِّیَةِ وَفِی الْهَاشِمَةِ عُشْرُ الدِّیَةِ وَفِی الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَنِصْفُ عُشْرٍ وَفِی الْآمَّةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَفِی الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ، اِنْ نَفَذَتْ فَهُمَا جَائِفَتَانِ فَفِیْهِمَا ثُلُثَا الدِّیَةِ

''اور زخم دس ہیں۔ حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ، سمحاق، موضحہ، ہاشمہ، منقلہ، آمہ اور موضحہ میں قصاص ہے بشرطیکہ عمداً ہو اور باقی زخموں میں قصاص نہیں اور موضحہ سے کم زخم میں ایک عادل کا فیصلہ ہے اور موضحہ میں اگر خطا ہو تو دیت کے دسویں حصے کا نصف بیسواں ہے اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں ہے اور منقلہ میں دسواں اور بیسواں حصہ ہے اور آمہ میں تہائی حصہ ہے اور جائفہ میں بھی تہائی پس اگر جائفہ آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفے ہیں تو ان میں دو تہائی دیت ہوگی''۔

سر اور چہرے کے زخم:

قولہ: والشجاج الخ: جزوی نقصان کی ایک صورت زخم کی ہے زخم کی بنیادی طور پر فقہاء کرام نے دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ۱۔ شجاج ۲۔ جراح۔ شجاج جمع ہے شجہ کی جس کا معنی چہرے اور سر کا زخم اور باقی زخموں کو جراح کہا جاتا ہے۔

شجاج کی دس اقسام کی تعریفات مع احکام:

۱۔ حارصہ

وہ زخم کہ جس میں چمڑا تو پھٹ جائے مگر خون نہ نکلے۔

۲۔ دامعہ

وہ زخم کہ جس سے خون تو نکلے مگر غیر سائل ہو اس کو حارمہ بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ دامیہ

وہ زخم جس میں خون بہہ جائے اور خون رسنے لگے۔

۴۔ باضعہ

کہ جس میں گوشت کٹ جائے۔

۵۔ متلاحمہ:

جس میں زیادہ گوشت کٹ جائے مگر ہڈی تک زخم نہ پہنچے۔

۶۔ سمحاق

وہ زخم جو ہڈی کی باریک جھلی تک پہنچ جائے اس جھلی کو سمحاق کہا جاتا ہے۔

زخموں کی ان چھ اقسام میں حکومت عدل واجب ہوگی کہ دو اہل رائے شخص اپنے تجربہ کی بنا پر جو تاوان مقرر کریں وہ حکومت

عدل ہے۔پہلی چھ اقسام کو عدالتی زبان میں ''شجہ خفیفہ'' کہا جاتا ہے کہ جس میں ضمان کے ساتھ دو سال کی تعزیری سزا بھی ہے۔

۷۔ موضحہ

وہ زخم کہ جس میں جھلی پھٹ کر ہڈی ظاہر ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عمداً ہو تو قصاص واجب ہے اگر خطأ ہو تو دیت واجب جو دیت کا بیسواں حصہ (پانچ اونٹ) قید پانچ سال۔امام قدوری نے فرمایا کہ عمداً کی صورت میں موضحہ کے علاوہ باقی کسی شجاج میں قصاص نہیں لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ گزشتہ چھ میں بھی عمداً کی صورت میں قصاص واجب ہے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ ظاہر روایت پر ہے کہ موضحہ کے علاوہ باقی زخموں پر بھی عمد کی صورت میں قصاص واجب ہے (هو الاصح "الهنديه، البحر الرائق" وغيرهما)

۸۔ ہاشمہ

وہ زخم کہ جس میں ہڈی بھی ٹوٹ جائے اس میں دیت کا دسواں حصہ (دس اونٹ) عدالتی قانون میں دس سال سزا بھی۔

۹۔ منقلہ

وہ زخم کہ جس میں ہڈی اپنی جگہ سے سرک جائے۔جس میں دیت کا دسواں اور بیسواں حصہ (پندرہ اونٹ) عدالتی سزا دس سال۔

۱۰۔ آمہ

جو زخم دماغ میں بھیجے کے اوپر غلاف تک پہنچ جائے کہ جس میں دیت کا ثلث (تہائی) (تینتیس اور ایک کا تہائی حصہ) ان تمام کی تفصیل حضور ﷺ کی جانب سے عمرو بن حزم کے نام مکتوب میں موجود ہے عدالتی سزا دس سال اور فقہاء نے شجاج کی گیارہویں قسم دامغہ بھی بیان کی ہے کہ جس میں زخم اصل دماغ تک پہنچ جاتا ہے۔عدالتی قانون میں تاوان کے ساتھ تعزیری سزا چودہ سال تک ہے۔

جرح:

قوله: فاذا نفذت الخ: زخم کی پہلی قسم شجہ تھی کہ جس کی گیارہ اقسام پیچھے بیان ہوئیں اور دوسری قسم جراح ہے جو سر اور چہرے کے علاوہ زخموں کو شامل ہے اس کی ایک قسم جائفہ ہے یہ وہ زخم ہے جو پیٹ (جوف) تک پہنچتا ہو لہٰذا اگر تیر ایک طرف سے مارا پیٹ سے ہوتے ہوئے دوسری طرف سے نکل گیا تو دو جائفوں کی دیت دو تہائی لازم آئے گی۔

وَفِي أَصَابِعِ الْيَدِ نِصْفُ الدِّيَةِ فَإِنْ قَطَعَهَا مَعَ الْكَفِّ فَفِيهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِنْ قَطَعَهَا مَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ فَفِي الْأَصَابِعِ ، وَالْكَفِّ نِصْفُ الدِّيَةِ ، وَفِي السَّاعِدِ حُكُومَةٌ وَفِي الْأُصْبُعِ الزَّائِدَةِ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَفِي عَيْنِ الصَّبِيِّ وَلِسَانِهِ وَذَكَرِهِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ صِحَّةَ ذَلِكَ حُكُومَةٌ

عَدْلٍ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا مُوضِحَةً فَذَهَبَ عَقْلُهُ أَوْ شَعْرُ رَأْسِهِ دَخَلَ أَرْشُ الْمُوضِحَةِ فِي الدِّيَةِ وَإِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ أَوْ بَصَرُهُ أَوْ كَلَامُهُ فَعَلَيْهِ أَرْشُ الْمُوضِحَةِ مَعَ الدِّيَةِ وَمَنْ قَطَعَ أُصْبُعَ رَجُلٍ فَشُلَّتْ أُخْرَى إِلَى جَانِبِهَا فَفِيهِمَا الْأَرْشُ وَلَا قِصَاصَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فِي الْأُولَى، وَالْأَرْشُ فِي الْأُخْرَى وَمَنْ قَلَعَ سِنَّ رَجُلٍ فَنَبَتَتْ فِي مَوْضِعِهَا أُخْرَى سَقَطَ الْأَرْشُ وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا شَجَّةً فَالْتَحَمَتْ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ وَنَبَتَ الشَّعْرُ سَقَطَ الْأَرْشُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ عَلَيْهِ أَرْشُ الْأَلَمِ وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا جِرَاحَةً لَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُ حَتَّى يَبْرَأَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: عَلَيْهِ أُجْرَةُ الطَّبِيبِ وَثَمَنُ الدَّوَاءِ. وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ خَطَأً ثُمَّ قَتَلَهُ قَبْلَ الْبُرْءِ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ وَسَقَطَ أَرْشُ الْيَدِ

''اور ہاتھ کی انگلیوں میں نصف دیت ہے اب اگر کسی نے انگلیاں ہتھیلی سمیت کاٹ دیں تو نصف دیت ہے اور اگر کسی نے انگلیاں بازووں سمیت کاٹ دیں تو انگلیوں اور ہتھیلیوں میں نصف دیت لیکن بازو کے متعلق ایک عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا اور زائد انگلی کے متعلق بھی ایک عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ بچے کی آنکھ، اس کی زبان اور اس کے عضو مخصوص کے بارے میں جب اس کی صحت کے متعلق علم نہ ہو تو ایک عادل شخص کا فیصلہ معتبر ہوگا اور جس شخص نے کسی کے سر پر ایسا زخم لگایا کہ عقل یا اس کے سر کے بال جاتے رہے تو موضحہ کی ارش دیت میں داخل ہوگی اور اگر اس شخص کے سننے یا دیکھنے یا بولنے کی صلاحیت جاتی رہی تو اس پر موضحہ کی ارش دیت کے ساتھ واجب ہوگی اور جس شخص نے کسی کی ایک انگلی کاٹ دی اور ساتھ والی انگلی سوکھ گئی تو دونوں میں ارش واجب ہوگا اور امام اعظم کے نزدیک قصاص نہ ہوگا اور جس شخص نے کسی کا دانت اکھاڑ دیا پھر اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آیا تو ارش ساقط ہو جائے گی۔ کسی نے کسی کو زخمی کیا پھر زخم بھر گیا اور زخم کا نشان جاتا رہا اور بال اگ آئے تو امام اعظم کے نزدیک ارش ساقط ہو جائے گی اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ زخمی کرنے والے پر تکلیف کا تاوان واجب ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ زخمی کرنے والے پر ڈاکٹر کی اجرت وغیرہ لازم ہوگی تو جس نے کسی کو زخمی کیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ زخمی شخص زخم سے اچھا ہو جائے اور جس شخص نے پہلے کسی کا ہاتھ خطا کاٹا پھر اس کو شفایاب ہونے سے قبل قتل کر دیا تو قاتل پر دیت نفس واجب ہوگی ہاتھ کی ارش ساقط ہو جائے گی لیکن اگر ہاتھ شفایاب ہو گیا پھر قتل کیا تو اب دونوں کی دیت واجب ہوگی دیت نفس اور دیت ید''۔

انگلیوں کے ساتھ ہتھیلی کاٹنے کی صورت میں حکم:

قولہ: وفی اصابع الخ: اگر کسی نے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ دیں تو نصف دیت پچاس اونٹ ہے اگر ساتھ ہتھیلی بھی کاٹ دی تب بھی یہی دیت ہے کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے ساتھ شمار ہوتی ہے۔ اگر نصف کلائی تک بازو بھی کاٹ دیا تو انگلیوں کی دیت اور کلائی کی حکومت عدل اسی طرح زائد انگلی کاٹنے پر بھی حکومت عدل ہوگی یوں ہی بچے کی زبان یا ذکر وغیرہ کاٹ دیا تو بھی حکومت عدل ہوگی کیونکہ بچے کی زبان اور ذکر کے تندرست ہونے کا علم نہیں کہ ہو سکتا ہے درست نہ ہوں۔

سر پر مارنے کی صورتیں:

قولہ: ومن شج الخ: اگر کسی نے سر پر ایسی ضرب ماری کہ جس سے زخم موضحہ بن گئی اور اس سے عقل بھی ختم ہوگئی کیا اس مجنس پر دو دیتیں ایک موضحہ کی اور دوسری عقل کے ختم ہونے کی لازم ہوں گی؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "جب ایک ہی قسم کے زخم ہوں تو تداخل ہوگا" لہٰذا یہاں عقل کے ختم ہونے کی وجہ سے بندہ مردہ حالت میں ہوگیا لہٰذا موضحہ کی دیت پورے آدمی کی دیت میں داخل ہوجائے گی الگ سے موضح کی دیت لازم نہ ہوگی کیونکہ عقل خود سر میں داخل ہے اگر سر پر مارنے سے سر میں داخل نہ ہونے والے اعضاء کی منفعت زائل ہوگئی مثلاً سر پر مارنے سے بینائی یا سماعت جاتی رہی تو یہاں تداخل نہ ہوگا بلکہ موضحہ کی الگ اور بینائی وغیرہ کی الگ دیت لازم ہوگی۔

ایک کے کاٹنے سے دوسری کا خراب ہوجانا:

قولہ: ومن قطع الخ: اگر کسی نے ایک انگلی کاٹی پھر اس کی وجہ سے ساتھ والی انگلی خراب ہوگئی تو امام اعظم کے نزدیک پہلی انگلی میں قصاص نہیں بلکہ دونوں میں ارش لازم ہوگی جب کہ صاحبین کے نزدیک پہلی میں عمداً کی صورت میں قصاص اور دوسری میں ارش لازم ہوگی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ ان کا اصول یہ ہے کہ "دونوں زخم ایک ہیں" لیکن ان میں مماثلت ممکن نہیں اس لیے ارش لازم ہوگی (الصحیح قول ابی حنیفہ الترجیح والتصحیح المعون علی قول الامام)

دانت توڑنا:

قولہ: ومن قلع الخ: اگر دانت کو توڑا گیا پھر اس کی جگہ نیا آگیا تو ارش ساقط ہوجائے گی کہ نکل آنے کے بعد کوئی نقصان نہ رہا۔

زخم کا مندمل ہوجانا:

قولہ: ومن شج الخ: اگر کسی نے کسی کو زخمی کیا پھر زخم ختم ہوگیا اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، بال بھی اگ آئے تو امام اعظم کے نزدیک ارش ساقط ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک تکلیف کا تاوان ہوگا جب کہ امام محمد کے نزدیک علاج کا خرچ لازم ہوگا۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (المختار قول ابی حنیفہ فی الشامیۃ دیگر معون علی قول الامام)

زخم پر قصاص کب؟:

قولہ: ومن جرح الخ: جان کے قتل کرنے پر فوراً قصاص لیا جاسکتا ہے مگر زخم کا قصاص اس وقت لیا جائے گا کہ جب زخم

درست ہو جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ زخم بعد میں کھل جائے قصاص میں مساوات نہ ہو سکے اس لیے احناف کے نزدیک زخم کے درست ہونے تک انتظار کیا جائے گا جب کہ شوافع کے نزدیک فوری قصاص لیا جائے گا۔

ہاتھ کاٹنے کے بعد اسی کا قتل:

قولہ: ومن قطع الخ: اگر کسی شخص کا ہاتھ کاٹ دیا پھر اسی کو قتل کر دیا کہ دونوں کی دیت الگ ہوگی یا ایک؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "جو جرم ایک ہو سکتے ہوں تو ان کو ایک شمار کر کے ایک دیت ورنہ دو الگ الگ دیتیں ہوں گی"۔ لہٰذا اگر ہاتھ کے درست ہونے سے قبل ہی قتل کر دیا تو دیتِ قتل تو ہوگی مگر دیت ید نہ ہوگی اگر درست ہونے کے بعد قتل کیا ہے تو دو الگ الگ جرم ہونے کی وجہ سے دو الگ الگ دیتیں ہوں گی۔

وَكُلُّ عَمْدٍ سَقَطَ فِيْهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَكُلُّ اَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ فَهُوَ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَاِذَا قَتَلَ الْاَبُ ابْنَهُ عَمْدًا فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِهٖ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ وَكُلُّ جِنَايَةٍ اعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِيْ فَهِيَ فِيْ مَالِهٖ وَلَا يُصَدَّقُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَعَمْدُ الصَّبِيِّ، وَالْمَجْنُوْنِ خَطَأٌ، وَفِيْهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلِفَ بِذٰلِكَ اِنْسَانٌ فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَاِنْ تَلِفَ فِيْهَا بَهِيْمَةٌ فَضَمَانُهَا فِيْ مَالِهٖ فَاِنْ اَشْرَعَ فِي الطَّرِيْقِ رَوْشَنًا اَوْ مِيْزَابًا فَسَقَطَ عَلٰى اِنْسَانٍ فَمَاتَ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَلَا كَفَّارَةَ عَلٰى حَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ وَمَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِيْ مِلْكِهٖ فَعَطِبَ فِيْهَا اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ

"اور ہر وہ قتل عمد جس میں شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے تو دیت قاتل کے مال پر ہوگی اور جو ارش بذریعہ صلح لازم ہو وہ بھی قاتل کے مال پر ہوگی اور اگر والد نے اپنے بیٹے کو عمداً قتل کر دیا تو دیت والد کے مال پر ہوگی تین سال میں ادائیگی ہوگی اور ہر وہ جنایت کہ جس کا مجرم اقرار کرے تو دیت مقر کے مال پر ہوگی اور اس کے عاقلہ پر تصدیق نہیں کی جائے گی اور بچے اور دیوانے کا قتل عمد قتل خطا ہے اس میں دیت عاقلہ پر ہے اور جس شخص نے مسلمانوں کے راستے میں کنواں کھودایا کوئی پتھر رکھ دیا اور کوئی ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت کنواں کھودنے والے یا پتھر رکھنے والے کے عاقلہ پر ہوگی اور اس سے اگر کوئی جانور ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان اس شخص کے مال پر ہوگا اور اگر کسی نے راستہ کی طرف جنگلہ یا پرنالہ نکالا ان میں سے کوئی ایک گرا اور کوئی ہلاک ہو گیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے پر کوئی کفارہ نہیں اور جس شخص نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا اور اس کی وجہ سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا تو کنواں کھودنے والا ضامن نہ ہوگا"۔

قاتل کے مال سے دیت:

قولہ: وکل عمد الخ: قاتل کے مال پر دیت کے واجب ہونے کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ہر وہ قتل جو شبہ عمد ہو یا صلح کی بنا پر دیت واجب ہو تو قاتل کے مال پر ہوگی" یہ شریعت کے مزاج کے موافق ہے تاکہ ہر شخص اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتے۔

باپ کا بیٹے کو قتل کرنا:

قولہ:واذا قتل الخ: اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا یا بیٹے کو ایک جماعت قتل کرنے والی کے ساتھ باپ بھی شریک ہو تو بھی دیت باپ کے مال میں ہوگی۔

دیت کی ادائیگی کی مدت:

قولہ:فی ثلث سنین: احناف کے نزدیک دیت کی تمام صورتوں میں فیصلہ کے بعد تین سال کے اندر دیت کی ادائیگی کرنی ہوگی جب کہ دیگر فقہاء کے نزدیک عمد کی صورت میں فوری اور باقی میں تین سال کے اندر ادائیگی واجب ہے۔

مجرم کے اقرار کی صورت میں دیت کس پر؟:

قولہ:وکل جنایۃ الخ: اگر مجرم نے جنایت کا اقرار کر لیا یا خاندان والوں کے متعلق اقرار کیا تو دیت مجرم کے مال سے ہوگی خاندان والے اس کے اقرار کا خمیازہ نہیں بھگتیں گے۔

بچے جانی کی دیت:

قولہ:وعمد الصبی الخ: اگر کسی بچے یا پاگل نے کسی کو قتل کر دیا تو دیت عاقلہ پر ہوگی کیونکہ ان دونوں کا قتل عمد قتل خطا ہی کے درجہ میں ہوتا ہے اور قتل خطا کی دیت عاقلہ ہی پر ہوتی ہے۔

قتل بالسبب کی صورتیں:

قولہ:ومن حضر الخ: ان کا مفہوم عبارت سے واضح ہے اسی کو دیکھ لیا جائے۔

وَالرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا وَطِئَتْ الدَّابَّةُ بِيَدِهَا أَوْ كَدَمَتْ وَلَا يَضْمَنُ مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا أَوْ بِذَنَبِهَا فَإِنْ رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ وَهِيَ تَسِيرُ فَعَطِبَ بِهِ إِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ وَالسَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا ، وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا دُونَ رِجْلِهَا وَمَنْ قَادَ قِطَارًا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا أَوْطَأَ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا

"اور سوار اس کا ضامن ہے کہ جس کو جانور روند دے یا اس کو ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ دے اور ضامن نہ ہوگا اس کا کہ جس کو پاؤں یا دم سے مار دے اگر چوپائے نے راستے میں لید یا پیشاب کیا اس سے کوئی پھسل کر ہلاک ہو گیا تو ضامن نہ ہوگا اور ہانکنے والا اس شخص کا ضامن ہوگا کہ جس کو جانور ہاتھ یا پاؤں سے مار دے اور قائد ضامن ہوگا اس کا کہ جس کو جانور اپنے ہاتھ سے مارے نہ کہ پاؤں سے اور جو شخص اونٹوں کی قطار کو پکڑ کر لے جائے تو وہ اس شخص کا ضامن ہوگا جس کو وہ کچل دیں اور اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو تو ضمان دونوں پر لازم ہے"۔

جانور کے ذریعے نقصان:

قولہ:والراکب الخ: کب ضمان آئے گا کب نہیں؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "جہاں حفاظت کرنی ممکن تھی مگر

لاپرواہی کی گئی تو ضمان آئے گا اگر حفاظت ممکن نہ ہو تو ضمان نہیں آئے گا" مثلاً کوئی گھوڑے پر سوار ہے گھوڑے نے اگلا پاؤں کسی کو مار دیا یا کاٹ دیا یا کسی کو کچل دیا تو ضامن ہوگا کیوں کہ سامنے کو دیکھ رہا ہے اس سے حفاظت کرسکتا تھا مگر لاپرواہی کی گئی لیکن اگر گھوڑا کسی کو لات مارے یا دم مارے تو ضامن نہ ہوگا کہ آنکھوں سے اوجھل ہے۔ اگر جانور کے پیشاب سے پھسل کر نقصان ہو جائے تب بھی ضمان نہیں کہ پیشاب پر کنٹرول مشکل ہے۔ پیچھے سے ہانکنے والا (سائق) ضامن ہوگا اگر جانور نے آگے یا پیچھے سے کسی کو مار دیا کہ حفاظت کرسکتا تھا کہ جانور سامنے تھا۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس پر ہے کہ پیچھے سے ہانکنے والے کے جانور نے آگے کے پاؤں سے نقصان کر دیا تو ضامن نہ ہوگا کہ کنٹرول ممکن نہیں (الھندیہ حاشیہ طحاوی وغیرہ) اگر آگے سے کھینچنے والے (قائد) کے جانور نے آگے سے کسی کو نقصان دیا تو ضامن اگر پیچھے سے دیا تو ضامن نہ ہوگا۔ اگر اونٹوں کی قطار لے کر چل رہا تھا کہ کسی کو کچل دیا تو ضامن ہوگا یوں ہی جو پیچھے سے ہانکنے والا ساتھ ہو تو وہ بھی ضامن ہوگا کیونکہ حفاظت ممکن ہے۔ جن صورتوں میں ضمان آتا ہے اگر ان صورتوں میں جانور کو چلانے والے نے راہ گیر کو راستے سے ہٹنے کا کہا کہ وہ ہٹ سکتا تھا مگر نہ ہٹا تو ضامن نہیں اگر ہٹنے کا کہا تو سہی مگر ہٹنے کا موقع نہ تھا تو ضامن ہوگا۔

موجودہ ٹریفک سے نقصان:

جانور کے مسئلہ سے موجودہ ٹریفک کے قواعد کی ترتیب میں مدد لی جاسکتی ہے کہ اگر ڈرائیور کے مناسب انتباہ اور وقفہ کے باوجود راہ گیر راستے سے نہ ہٹا تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔

عدالتی قانون:

بے احتیاطی یا غلطت سے کیے گئے فعل کے ذریعے ضرر کی سزا دفعہ 337-H ہے جس میں ارش یا ضمان واجب ہوگا اور بطور تعزیر تین سال تک سزا بھی ہوسکتی ہے۔

وَاِذَا جَنَى الْعَبْدُ جِنَايَةً خَطَأً قِيلَ لِمَوْلَاهُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَهُ بِهَا اَوْ تَفْدِيَهُ فَاِنْ دَفَعَهُ مَلَكَهُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ وَاِنْ فَدَاهُ فَدَاهُ بِاَرْشِهَا فَاِنْ عَادَ فَجَنَى كَانَ حُكْمُ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ حُكْمَ الْاُوْلٰى فَاِنْ جَنَى جِنَايَتَيْنِ قِيلَ لِلْمَوْلٰى : اِمَّا اَنْ تَدْفَعَهُ اِلٰى وَلِيِّ الْجِنَايَتَيْنِ يَقْتَسِمَانِهِ عَلٰى قَدْرِ حَقَّيْهِمَا وَاِمَّا اَنْ تَفْدِيَهُ بِاَرْشِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا فَاِنْ اَعْتَقَهُ الْمَوْلٰى وَهُوَ لَا يَعْلَمُ بِالْجِنَايَةِ ضَمِنَ الْاَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ اَرْشِهَا وَاِنْ بَاعَهُ اَوْ اَعْتَقَهُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَايَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْاَرْشُ وَاِذَا جَنَى الْمُدَبَّرُ اَوْ اُمُّ الْوَلَدِ جِنَايَةً ضَمِنَ الْمَوْلَى الْاَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ اَرْشِ جِنَايَتِهَا فَاِنْ جَنَى جِنَايَةً اُخْرٰى وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلَى الْقِيمَةَ لِلْاَوَّلِ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ يَتْبَعُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى وَاِنْ كَانَ الْمَوْلٰى دَفَعَ الْقِيمَةَ

لِلْاَوَّلِ بِغَيْرِ قَضَاءٍ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمَوْلٰى وَاِنْ شَاءَ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى

"اور جب غلام نے کوئی جنایت خطائی کی تو اس کے مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو اس کے بدلے غلام دے یا اس کے عوض تاوان دے دے اگر مولیٰ نے ولی کو غلام دے دیا تو ولی اس کا مالک ہو جائے گا اگر وہ اس کو فدیہ دے تو وہ اس کو فدیہ بطور تاوان دے گا پس اگر غلام نے دوبارہ جنایت کی تو دوسری جنایت کا حکم پہلی جنایت کی طرح ہوگا پس اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو مولیٰ سے کہا جائے گا کہ یا تو غلام کو دونوں جنایتوں کے عوض دے دو تا کہ وہ اپنے اپنے حق کے مطابق تقسیم کر لیں یا دونوں میں سے ہر ایک کا تاوان پورا پورا ادا کرے اور اگر مولیٰ نے غلام کو آزاد کر دیا اس حال میں کہ اس کو جنایت کا علم نہ ہو تو مولیٰ ضامن ہوگا غلام کی قیمت اور دیت میں سے کم مقدار کا اور اگر اس نے فروخت کر دیا یا آزاد کر دیا جنایت کا علم ہونے کے بعد تو مولیٰ پر دیت واجب ہوگی اور جب مدبر یا ام ولد نے کوئی جنایت کی تو ان دونوں کی قیمت اور ان کی دیت میں سے کم کا ضامن ہوگا پھر اگر دوسری جنایت کی اور مولیٰ اس کی قیمت پہلی جنایت والے کو ادا کر چکا ہے قاضی کے فیصلہ سے تو آقا پر کچھ واجب نہ ہوگا پس دوسری جنایت والا پہلی جنایت والے کا پیچھا کرے اور شریک ہو جائے اس میں جو اس نے لیا ہے اور اگر مولیٰ نے قاضی کے فیصلے کے بغیر قیمت ادا کی تو ولی کو اختیار ہے اگر چاہے تو مولیٰ کا پیچھا کرے اور اگر چاہے تو پہلی جنایت کے ولی کا پیچھا کرے"۔

غلام کی جنایت:

قولہ: واذا جنی الخ: عبارت و ترجمہ سے دیکھ لیں۔

مدبر اور ام ولد کی جنایت:

قولہ: واذا جنی الخ: عبارت اور ترجمہ سے دیکھ لیں۔ البتہ غلام کے ہاتھ میں دیت کل قیمت میں سے نصف قیمت لازم ہوگی اگرچہ خمسة الاف الا خمسة سے زائد ہی ہو یہی مفتی بہ قول ہے۔ (الھندیه الترجیح والتصحیح وغیرہ)

وَاِذَا مَالَ الْحَائِطُ اِلٰى طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ فَطُوْلِبَ صَاحِبُهٗ بِنَقْضِهٖ وَاَشْهَدَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَنْقُضْهُ فِيْ مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلٰى نَقْضِهٖ فِيْهَا حَتّٰى سَقَطَ ضَمِنَ مَا تَلِفَ فِيْهِ مِنْ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ وَاِنْ لَمْ يُطَالِبْ بِنَقْضِهٖ حَتّٰى تَلِفَ بِهٖ اِنْسَانٌ اَوْ مَالٌ لَمْ يَضْمَنْ وَطُوْلِبَ صَاحِبُهٗ وَيَسْتَوِيْ اَنْ يُطَالِبَهٗ بِنَقْضِهٖ مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ وَاِنْ مَالَ اِلٰى دَارِ رَجُلٍ فَالْمُطَالَبَةُ اِلٰى مَالِكِ الدَّارِ خَاصَّةً وَاِذَا اصْطَدَمَ فَارِسَانِ فَمَاتَا فَعَلٰى عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا دِيَةُ الْاٰخَرِ وَاِذَا قَتَلَ رَجُلٌ عَبْدًا خَطَأً فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهٗ وَفِي الْاَمَةِ اِذَا زَادَتْ قِيْمَتُهَا عَلَى الدِّيَةِ خَمْسَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ وَفِيْ يَدِ الْعَبْدِ خَمْسَةُ آلَافٍ اِلَّا خَمْسَةَ دَرَاهِمَ وَكُلُّ مَا يُقَدَّرُ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ فَهُوَ مُقَدَّرٌ مِنْ قِيْمَةِ الْعَبْدِ

"اور جب دیوار مسلمانوں کے راستے کی طرف جھک جائے اور مالک مکان سے گرانے کا مطالبہ کیا جائے اور اس پر گواہ قائم کر لیا جائے لیکن مالک دیوار نے اتنی مدت میں اس کو نہ توڑا کہ جس کو توڑنے پر قادر تھا یہاں تک کہ دیوار گر گئی تو مالک

دیوار اس جان اور مال کا ضامن ہوگا جو کچھ تلف ہوگا اور یہ برابر ہے کہ مطالبہ مسلمان کرے یا ذمی اور اگر دیوار کسی کے گھر کی طرف جھک جائے تو خاص کر مالک مکان کو مطالبہ کا حق ہے اور اگر دو سوار ٹکرا کر فوت ہو جائیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے عاقلہ پر ایک دوسرے کی دیت ہوگی اور اگر کوئی کسی غلام کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر اس کی قیمت واجب ہوگی جو دس ہزار درہم سے زائد نہ ہو اب اگر اس کی قیمت دس ہزار یا اس سے زائد ہے تو قاتل پر دس درہم کم دس ہزار درہم کا حکم لگایا جائے گا اور لونڈی میں جب کہ اس کی قیمت دیت پر زائد ہو تو دس درہم کم پانچ ہزار واجب ہوں گے اور ہر مقدار جو آزاد کی دیت مقرر ہوگی وہ غلام کی قیمت سے مقرر ہوگی''۔

جھکی ہوئی دیوار کے گرنے سے نقصان:

قولہ:واذا مال الحائط الخ: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ''اپنی چیز میں کوئی چیز کھڑی کر سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو نقصان نہ ہو'' جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے:''لا ضرر ولا ضرار'' صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کی دیوار گزرنے والے راستے کی طرف جھکی ہوئی ہو اور لوگوں نے اسے ہٹانے کا مطالبہ کیا لیکن مناسب ٹائم ملنے کے باوجود نہ ہٹایا کہ دیوار کے گرنے سے کوئی جان یا مال ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا یہ صورت قتل بالسبب کی ہے۔ اگر دیوار کسی خاص مکان کی طرف جھکی ہو تو صرف مالک مکان کو مطالبہ کا حق ہے۔

دو سواروں کا ٹکراؤ:

قولہ:واذا صطدم الخ: اگر دو سواروں کا آپس میں ٹکرانے کے ساتھ ہلاکت ہو جائے تو دونوں کے عاقلہ پر ایک دوسرے کی دیت لازم ہوگی کہ غلطی دونوں کی ہے لہٰذا یہ قتل خطا ہے۔ مثلاً موٹر سائیکل اور گاڑیاں وغیرہ

غلام اور لونڈی کے احکام:

قولہ:واذا قتل اجل الخ: عبارت اور ترجمہ سے مسئلہ واضح ہے۔

وَاِنْ ضَرَبَ رَجُلٌ بَطْنَ امْرَاَةٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنًا مَيِّتًا فَعَلَيْهِ غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ اَمَةٌ قِيْمَتُهَا نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ فَاِنْ اَلْقَتْهُ حَيًّا وَاِنْ اَلْقَتْهُ مَيِّتًا ثُمَّ مَاتَتْ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ وَّغُرَّةٌ وَاِنْ مَاتَتْ ثُمَّ اَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَلَا شَيْئَ فِي الْجَنِيْنِ وَمَا يَجِبُ فِي الْجَنِيْنِ مَوْرُوْثٌ عَنْهُ وَفِيْ جَنِيْنِ الْاَمَةِ اِذَا كَانَ ذَكَرًا نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهٖ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَعُشْرُ قِيْمَتِهٖ اِنْ كَانَ اُنْثٰى وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِيْنِ وَالْكَفَّارَةُ فِيْ شِبْهِ الْعَمَدِ، وَالْخَطَاُ عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ وَلَا يَجْزِيْ فِيْهَا الْاِطْعَامُ

''اور جب کسی شخص نے کسی حاملہ عورت کے پیٹ پر مارا تو اس عورت نے مردہ بچہ جنم دیا تو اس شخص پر ایک غرہ واجب ہے اور غرہ دیت کا بیسواں حصہ ہے اور اگر زندہ بچہ جنم دیا پھر فوت ہو گیا تو اس پر دیت واجب ہوگی اور اگر مردہ جنم دیا پھر ماں فوت ہو گئی تو اس پر دیت اور غرہ دونوں واجب ہوں گے اگر عورت فوت ہو گئی پھر اس نے مردہ بچہ جنم دیا تو بچہ میں کچھ نہ ہوگا اور بچے میں جو واجب ہوگا تو وہ بچہ کی طرف سے میراث ہوگی اگر لونڈی کے جنین میں اگر وہ بچہ ہے تو اس کی قیمت کا

بیسواں حصہ ہے اگر وہ زندہ ہو اور اگر وہ لڑکی ہے تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہے اور جنین میں کفارہ واجب نہیں ہوگا اور قتل شبہ عمد اور قتل خطا میں ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ کے روزے ہیں"۔

جنین کے احکام:

قولہ: واذا ضرب الرجل الخ: پہلے چند تمہیدی کلمات پیش خدمت ہیں کہ احکام شرعیہ کے اعتبار سے انسان کے پانچ ادوار ہیں۔ ۱۔ جنین (زیر حمل بچہ) ۲۔ طفولیت ۳۔ دور تمیز ۴۔ دور بلوغت ۵۔ رشد و شعور۔ زیر بحث مسئلہ جنین (زیر حمل بچہ) کا ہے کہ جنین کی دوہری حیثیت ہے کہ ماں کے وجود کا حصہ ہے اور دوسری حیثیت سے اپنا مستقل وجود رکھتا ہے کہ مستقبل قریب میں مستقل انسان بننے والا ہے اس لیے شریعت نے بعض حقوق جنین کے لیے ثابت مانے ہیں لیکن خود جنین پر کسی کا کوئی حق نہیں جو حقوق جنین کے لیے ثابت ہوتے ہیں مثلاً نسب کا ثبوت، وقف کا استحقاق، ماں کی آزادی کے ساتھ جنین کی آزادی، وصیت، وراثت، غسل و نماز جنازہ اور اسقاط حمل۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد متن کے مسئلے کی طرف آیئے کہ اگر کسی نے حاملہ عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی جس کی وجہ سے اس کا بچہ گر گیا اس گرنے والے بچے کو جنین کہتے ہیں مارنے والے پر کیا واجب ہوگا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

۱۔ ضرب سے بچہ فوت ہو گیا تو غرہ واجب ہے احناف کے نزدیک غرہ مرد کی دیت کا بیسواں اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے جو پانچ سو درہم ہیں۔

۲۔ پیدا ہونے کے بعد فوت ہوا تو مکمل دیت واجب ہوگی۔

۳۔ ماں کے پیٹ سے بچہ مردہ پیدا ہوا پھر ماں بھی فوت ہو گئی تو دیت اور غرہ دونوں واجب ہوں گے۔

۴۔ عورت ضرب کی وجہ سے فوت ہو گئی پھر وہ بچہ پیدا ہوا تو ماں کی دیت اور بچہ کا کچھ نہیں۔ بچے کے بدلے میں جو دیت ملے گی وہ بطور وراثت کے ورثاء کو ملے گی۔ نیز جنین کے گرانے کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوگا باقی لونڈی کے جنین کا مسئلہ متن سے دیکھ لیں۔

کفارہ قتل:

قولہ: والکفارۃ الخ: قتل شبہ عمد اور قتل خطا میں قاتل پر کفارہ واجب ہوتا ہے جس کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ غلام آزاد کرنا ۲۔ دو ماہ مسلسل روزے رکھنا اس میں کھانا کھلانے کی گنجائش نہیں۔

کتاب القسامت

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے دیت کے احکام بیان فرمائے اب کتاب القسامت کا آغاز کر رہے ہیں۔

قسامت کا لغوی معنی:

قسامت مصدر ہے یا اسم مصدر تاہم اس کا لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

دعویٰ قتل کی بابت مخصوص قسم کا نام قسامت ہے۔

ثبوت:

قسامت کا ثبوت احادیث اور اجماع امت سے ہے۔

قسامت کا منشا:

اہل محلہ پر قسموں کو لازم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کو اپنی ذمہ داریوں پر متنبہ کرنا ہے کہ وہ ظلم وجور کو اپنے محلے میں پلنے نہ دیں اگر محلے میں مقتول پایا گیا تو قاتل کی طرح اہل محلہ بھی مجرم ہیں جو قاتل کو روکنے سے ناکام رہے۔

وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي مَحَلَّةٍ لَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اُسْتُحْلِفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ فَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا فَإِذَا حَلَفُوا قُضِيَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا تَجِبُ الدِّيَةُ مَعَ الْأَيْمَانِ وَلَا يَسْتَحْلِفُ الْوَلِيُّ ثُمَّ يَقْضِي لَهُ بِالْجِنَايَةِ فَإِنْ لَمْ يُكْمِلْ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ خَمْسِينَ كُرِّرَتِ الْأَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى تَتِمَّ خَمْسِينَ يَمِينًا وَلَا يَدْخُلُ فِي الْقَسَامَةِ صَبِيٌّ وَلَا مَجْنُوْنٌ وَلَا امْرَأَةٌ وَلَا عَبْدٌ وَلَا مُدَبَّرٌ وَلَا مُكَاتَبٌ وَإِنْ وُجِدَ مَيِّتًا لَا أَثَرَ بِهِ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ وَكَذٰلِكَ إِذَا كَانَ الدَّمُ يَسِيلُ مِنْ أَنْفِهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ فِيهِ وَإِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ أَوْ أُذُنَيْهِ فَهُوَ قَتِيلٌ،

''اور اگر کوئی مقتول کسی محلہ میں پایا گیا کہ اس کا قاتل معلوم نہیں تو محلے والوں میں سے پچاس لوگوں سے قسم لی جائے گی کہ جن کو منتخب مقتول کا ولی کرے گا۔ اللہ کی قسم نہ ہم نے قتل کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کا علم رکھتے ہیں پس جب اہل محلہ قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ولی مقتول سے قسم نہیں لی جائے گی اور نہ اس پر دیت جنایت کا حکم لگایا جائے گا اگر چہ ولی قسم کھالے اور اگر ان پچاس میں سے کوئی قسم کھانے سے انکار کر دے تو اسے قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ قسم کھالے اور اگر اہل محلہ مکمل نہ ہوں تو ان سے قسم مکرر لی جائے گی یہاں تک کہ قسم کے اعتبار سے پچاس پورے ہو

جائیں اور قسم میں بچہ، عورت، دیوانہ اور غلام داخل نہ ہوں گے اور اگر مردہ ملا کہ اس پر کوئی نشان قتل نہیں ہے تو قسامت نہیں ہوگی اور نہ دیت اور اسی طرح اگر خون اس کی ناک یا اس کی دبر یا منہ سے بہہ رہا ہو اور اگر خون اس کی دونوں آنکھوں یا دونوں کانوں سے بہہ رہا ہو تو وہ مقتول ہے"۔

قسم کا طریقہ:

قولہ:واذا وجد الخ: اگر کوئی شخص کسی محلہ، گلی، گاؤں میں مردہ پایا جائے اور اس پر قتل کی علامت ہو مثلاً زخم، مار پیٹ کا نشان، گلا گھونٹنے کی علامت، کان یا آنکھ سے خون بہہ رہا ہو تو مقتول کے ولی کو حق ہے کہ وہ اہل محلہ میں سے پچاس آدمیوں کا انتخاب کرے اور ان سے قسم لے یوں کہیں "اللہ کی قسم نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس بات کا علم ہے کہ کس نے قتل کیا ہے" اب اگر دعویٰ قتل عمد کا ہے تو اہل محلہ پر دیت لازم ہوگی اور اگر دعویٰ قتل خطا کا ہے تو ان کے عاقلہ (رشتہ داروں) پر دیت کی ادائیگی تین سال تک لازم ہوگی جب کہ امام مالک کے نزدیک دعویٰ قتل عمد کا ہو تو قصاص کا حکم ہوگا۔ اگر قسم میں پچاس آدمی پورے نہ ہوں تو انہی سے بار بار قسم لے کر پچاس قسمیں پوری کی جائیں۔ اگر کوئی قسم سے انکار کردے تو اس کو قید کرایا جاسکتا ہے۔ یہاں تک کہ قسم کھالے۔

اولیاء مقتول سے قسم لینے کی تحقیق:

قولہ:ولا یستحلف الخ: احناف کے نزدیک اولیاء مقتول سے قسم نہیں لی جائے گی جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک شبہ کی بنا پر اولیاء مقتول سے اس بات پر قسم لی جائے گی کہ انہوں نے قتل کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا پھر فیصلہ دیت کا کیا جائے گا لیکن یہ موقف مسلمہ اصول وقواعد کے خلاف ہے۔

قولہ:ولا یدخل الخ:

قسامت کی عدمی شرط:

قسامت میں عدمی شرط یہ ہے کہ قسم بچے، عورت، مجنوں اور غلام سے نہیں لی جائے گی بلکہ مرد، عاقل، بالغ اور آزاد سے لی جائے گی۔

قسامت کی وجودی شرط:

قولہ:وان وجد الخ: قسامت میں وجودی شرط یہ ہے کہ میت پر قتل کے اثرات ہوں اگر قتل کے اثرات نہ ہوں تو قسامت اور دیت دونوں شک کی وجہ سے ساقط ہو جائیں گے لہٰذا اگر ناک یا منہ سے خون بہہ رہا ہے یا دبر سے بہہ رہا ہے تو ان سے عادۃً بھی نکسیر، الٹی، بواسیر کی وجہ سے بہہ سکتا ہے مگر دیگر اعضاء سے خون کا بہنا غیر عادی ہے وہ قتل کے آثار میں شمار ہوگا۔

تحقیقات مرگ ناگہانی:

موت کی حقیقت کا پتہ چلانے کے لیے پاکستان میں پولیس تحقیقات اور مجسٹریٹ تحقیقات استعمال ہوتی ہیں۔ نیز سائنسی دور

میں ایسی موت کو فورنزک سائنس کے ذریعہ بھی معلوم کیا جاتا ہے۔

وَإِذَا وُجِدَ الْقَتِيلُ عَلَى دَابَّةٍ يَسُوقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ دُونَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي دَارِ إِنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ، وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَلَا يَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَهُمَا وَهِيَ عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ دُونَ الْمُشْتَرِينَ، وَلَوْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَبْقَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ وَإِذَا وُجِدَ قَتِيلٌ فِي الدَّارِ فَالْقَسَامَةُ عَلَى رَبِّ الدَّارِ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي سَفِينَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَى مَنْ فِيهَا مِنَ الرُّكَّابِ، وَالْمَلَّاحِينَ وَإِنْ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِهَا وَإِنْ وُجِدَ فِي الْجَامِعِ أَوِ الشَّارِعِ الْأَعْظَمِ فَلَا قَسَامَةَ فِيهِ وَلَمْ يُعْرَفْ قَاتِلُهُ فَالدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ وَإِنْ وُجِدَ فِي بَرِّيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدَرٌ وَإِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلَى أَقْرَبِهِمَا

”اور اگر کسی مقتول کی لاش کسی سواری سے ملی جس کو ایک شخص چلا رہا تھا تو دیت قاتل کے عاقلہ پر ہوگی اہل محلہ پر نہیں اور اگر لاش کسی کے گھر میں ملی تو اہل خانہ پر قسامت ہوگی اور دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور کرایہ دار قسامت میں داخل نہ ہوں گے مالک مکان کی موجودگی میں امام اعظم کے نزدیک اور قسامت اہل علاقہ پر ہوگی خریداروں پر نہیں ہوگی اگر چہ ان میں سے ایک ہی باقی ہو اور اگر مقتول کسی کشتی میں پایا گیا تو قسامت ان لوگوں پر ہوگی جو کشتی میں ہوں اور اگر مقتول کسی محلہ کی مسجد میں پایا گیا تو قسامت محلے والوں پر ہوگی اور اگر جامع مسجد یا شارع عام میں پایا گیا تو قسامت نہ ہوگی اور دیت بیت المال پر ہوگی اور اگر کسی جنگل میں پایا گیا اس کے قریب کوئی آبادی نہیں تو وہ معاف ہوگا اور اگر دو بستیوں کے درمیان پایا گیا تو قریب تر پر قسامت ہوگی“۔

قسامت کی مختلف صورتیں:

قولہ: واذا وجد الخ: ان کو عبارت و ترجمہ سے دیکھ لیا جائے مفہوم واضح ہے تاہم ”ولا یدخل السکان الخ“ میں امام اعظم کے ساتھ امام محمد بھی ہیں کہ ان کے نزدیک کرایہ دار قسامت و دیت میں مالک مکان کے ساتھ شامل نہ ہوں گے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک ساتھ شامل ہوں گے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے مذہب پر ہے کہ مالک مکان کو اہل محلہ کے ساتھ اختصاص ملک جب کہ کرایہ دار کو اختصاص ید حاصل ہے جو ضعیف ملک ہے۔ (الانتصار لی المعون علی قول الامام، الهندیه، ملتقی الابحر وغیرہ)

وَإِنْ وُجِدَ فِي وَسَطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ فَهُوَ هَدَرٌ وَإِنْ كَانَ مُحْتَبَسًا فِي الشَّاطِئِ فَهُوَ عَلَى أَقْرَبِ الْقُرَى مِنْ ذَلِكَ الْمَكَانِ وَإِنِ ادَّعَى الْوَلِيُّ الْقَتْلَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهِ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ وَإِنِ ادَّعَى عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمُ الْقَسَامَةُ، وَالدِّيَةُ

وَاِنْ قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ قَتَلَهُ فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُهُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ وَاِذَا شَهِدَ اثْنَانِ مِنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ اَنَّهُ قَتَلَهُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا

"اور اگر لاش نہر فرات کے درمیان میں پائی گئی کہ جس پر پانی بہہ رہا ہے تو وہ معاف ہے اور اگر لاش نہر کے کنارے پر اٹکی ہوئی ہے تو اس جگہ کے قریب والے گاؤں پر قسامت ہوگی اور اگر لاش کے ولی نے کسی خاص شخص پر قتل کا دعویٰ کر دیا تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی اور اگر کسی دوسرے محلہ کے شخص پر دعویٰ کر دیا تو قسامت اسی محلہ سے ساقط ہو جائے گی اگر قسم کھانے والے نے کہا کہ اس کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس سے قسم لی جائے گی کہ اللہ کی قسم نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے معلوم ہے کہ اس کا قاتل فلاں کے علاوہ کوئی اور ہے اور اگر محلہ میں سے دو شخص کسی دوسرے محلہ کے آدمی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی"۔

قوله:وان وجد الخ:

قسامت کی چند صورتیں:

نفس مسائل تو متن و ترجمہ سے واضح ہیں تاہم ان کی علتیں یہ ہیں۔ ۱۔ اگر نہر کے کنارے سے لاش ملے تو ظاہری علامت یہی ہے کہ قریب کے محلے والے نے مار کر کنارے پر ڈال دیا ہے لہٰذا خون کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے قسامت و دیت اہل محلہ پر ہوگی۔ ۲۔ دعویٰ قتل پر گواہ نہ ہوں محض غالب گمان ہو تو دعویٰ قتل ثابت نہ ہوگا تاہم خون رائیگاں ہونے سے بچانے کے لیے اہل محلہ پر قسامت و دیت آئے گی۔ ۳۔ کسی نے کسی کا نام لیا کہ فلاں نے قتل کیا ہے تو دعویٰ کرنے والے کی قسم میں دو امور کا لحاظ ہوگا ایک یہ کہ اپنے ذات سے قتل کی نفی اور مدعی علیہ کے علاوہ دوسروں کی بھی نفی تاکہ قسامت کا مقصد حاصل ہو جائے۔ ۴۔ جس محلہ میں قتل ہوا ہے اس محلے کے شخصوں نے گواہی دی کہ دوسرے محلہ کے فلاں نے قتل کیا ان کی گواہی اس لیے نا قابل قبول ہے کہ اپنی جان چھڑانے کے لیے دوسروں پر الزام لگا رہے ہیں نیز جس محلہ میں لاش پائی گئی وہ مدعی علیہ ہیں ان پر قسم ہے گواہی نہیں اسی پر فتویٰ ہے تاہم امام ابو یوسف کے نزدیک مدعی علیہ کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے گواہی مقبول ہوگی۔

کتاب المعاقل.

المعاقل جمع ہے معقلۃ کی بمعنی دیت اور اس کو عقل بھی کہا جاتا ہے جس کا معنی روکنا کیونکہ دیت وعقل خونریزی سے روکتی ہے اور دانش وخردمندی کو بھی عقل کہا جاتا ہے کیونکہ عقل بھی برائی سے منع کرتی ہے۔ دیت کے احکام تو گزر چکے ہیں پھر معاقل سے کیا مراد ہے؟ نیز عاقلہ کی جمع تو عواقل آتی ہے نہ کہ معاقل؟ اس کا جواب یہ ہے کہ المعاقل سے قبل لفظ "اھل" محذوف ہے کتاب اھل المعاقل لہٰذا یہاں عاقلہ پر دیت کے احکام بیان کیے جا رہے ہیں۔

الدِّيَةُ فِيْ شِبْهِ الْعَمْدِ ، وَالْخَطَإِ وَكُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْعَاقِلَةُ اَهْلُ الدِّيْوَانِ اِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ فَاِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِيْ اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ اَوْ اَقَلَّ اُخِذَ مِنْهَا وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيْلَتُهُ وَتُقَسَّطُ عَلَيْهِمْ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ لَا يُزَادُ الْوَاحِدُ مِنْهُمْ عَلٰى اَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ وَدَانِقَانِ وَيُنْقَصُ مِنْهُمْ ، فَاِنْ لَمْ تَتَّسِعِ الْقَبِيْلَةُ لِذٰلِكَ ضُمَّ اِلَيْهَا اَقْرَبُ الْقَبَائِلِ اِلَيْهَا وَيَدْخُلُ فِي الْعَاقِلَةِ الْقَاتِلُ فَيَكُوْنُ فِيْمَا يُؤَدِّيْ كَاَحَدِهِمْ

"شبہ عمد اور قتل خطا میں اور ہر اس دیت میں جو نفس قتل کی وجہ سے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے اور عاقلہ اہل دیوان ہیں اگر قاتل اہل دیوان میں سے ہوں تو ان کے وظائف سے تین سال میں دیت لی جائے گی اور اگر وظائف تین سال سے زائد نکل آئیں یا تین سال سے کم ہیں تو دیت اس سے وصول کی جائے گی اور جو قاتل اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے تو ان پر تین سال میں قسط کر دی جائے گی ایک فرد پر چار درہم سے زائد نہ ہو گی ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق ہوں گے اور چار سے کم بھی ہو سکتے ہیں پس اگر قبیلہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ان کے ساتھ قریبی قبیلے والے لیے جائیں گے اور قاتل عاقلہ کے ساتھ داخل ہو گا لہٰذا دیت ادا کرنے میں عاقلہ کے ایک فرد کی طرح ہے اور آزاد شدہ غلام کی عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے اور مولیٰ موالات کی طرف سے اس کا آقا اور اس کا قبیلہ دیت دے گا"۔

عاقلہ پر واجب دیتیں:

قولہ: الدیۃ الخ: عاقلہ پر تین دیتیں لازم آتی ہیں۔ ۱۔ قتل شبہ عمد ۲۔ قتل خطا ۳۔ قتل بالسبب یعنی وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوئی ہو (صلح، ابوۃ سے نہ ہو) باقی دیتوں کا بیان باب کے آخر میں آرہا ہے۔

عاقلہ کی تعریف اور دیت کی تقسیم:

قولہ: والعاقلۃ الخ: کسی شخص کے عاقلہ وہ افراد ہوتے ہیں جو مشکل وقت میں مدد کریں۔ ان کو عاقلہ اس لیے کہتے ہیں کہ عاقلہ عقل سے بمعنی روکنا چونکہ جب قاتل کی جانب سے تین صورتوں میں سے کسی ایک میں مددگار اس کی طرف سے دیت ادا

کرتے ہیں تو اس کو غلطی پر بار بار طعنہ دے کر روکتے ہیں اس وجہ سے ان کو عاقلہ کہا جاتا ہے۔ اگر قاتل اہل دیوان سے ہو۔ اہل دیوان سے مراد فوجی حضرات ہیں کہ جن کا نام سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں رجسٹر میں لکھا گیا ان کو وظائف، تنخواہ کا اجرا کیا گیا لہٰذا اسی طرح منظم محکمہ اس کی عاقلہ ہے لہٰذا دیت وصول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دیت عاقلہ سے تین سالوں میں وصول کی جائے اگر اہل دیوان کے عطیہ سے تین سال سے زیادہ میں دیت پوری ہو تو زیادہ میں وصول کیا جائے گا اور اگر کم میں دیت پوری ہو جائے تو کم میں عطیہ وصول کیا جائے گا اگر اہل دیوان عاقلہ نہ ہوں تو خاندان والوں (جو وراثت میں عصبہ ہوں باپ، بھائی، چچا وغیرہ) سے تین سال میں وصول کی جائے گی اور ہر فرد سالانہ ایک درہم اور ایک تہائی (دو دانق) ادا کرے گا۔ ایک درہم چھ دانق کے مساوی ہے ایک دانق فقہاء کے نزدیک ساڑھے سات رتی اور اعشاری وزن کے لحاظ سے 874.8 ملی گرام ہے۔ اس اعتبار سے پچیس سو افراد سے دیت لی جائے تب دس ہزار درہم بنتے ہیں اور ہر فرد پر چار درہم سے زیادہ رقم لاگو نہ کی جائے۔ اگر افراد کم ہوں تو اسی قبیلے سے زیادہ قربت رکھنے والے قبیلے کو ساتھ ملا لیا جائے اور دیت ادا کرنے میں عاقلہ کے ساتھ قاتل بھی شریک ہوگا۔ امام شافعی کے نزدیک قاتل شریک نہ ہوگا اور آزاد شدہ غلام کی عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے اگر کسی دوسرے سے موالات کا تعلق ہے تو اس کی عاقلہ مولیٰ موالات کا قبیلہ ہوگا۔

وَلَا تَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِدًا، وَمَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِيْ مَالِ الْجَانِيْ وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَايَةَ الْعَبْدِ وَلَا تُعْقَلُ الْجِنَايَةُ الَّتِيْ اعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِيْ اِلَّا اَنْ يُّصَدِّقُوْهُ وَمَنْ اَقَرَّ بِقَتْلٍ خَطَأً وَّلَمْ يَرْتَفِعُوا اِلَى الْقَاضِيْ اِلَّا بَعْدَ سِنِيْنَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِالدِّيَةِ فِيْ مَالِهٖ فِيْ ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ يَّوْمٍ يُقْضٰى عَلَيْهِ وَلَا تَعْقِلُ مُلْزَمًا بِالصُّلْحِ وَاِذَا جَنَى الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ فَقَتَلَهٗ خَطَأً كَانَتْ جِنَايَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ

"اور عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کا متحمل نہیں ہوتے بلکہ بیسویں یا اس سے زائد کا متحمل ہوتے ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ جانی کے مال میں سے ہوگا اور عاقلہ غلام کی جنایت کی دیت ادا نہیں کرتے اور عاقلہ اس جنایت کی دیت نہیں دیتے جس کا اعتراف مجرم خود کرے مگر یہ کہ عاقلہ خود تصدیق کر دیں اور عاقلہ دیت نہیں دیتے اس جنایت کی جو صلح کی وجہ سے لازم آتی ہو۔ اگر آزاد شخص نے کسی غلام پر خطأً جنایت کی تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی"۔

جو دیتیں عاقلہ پر نہیں:

قولہ: ولا تتحمل الخ: چار طرح کی دیتیں عاقلہ پر نہیں ہوتیں۔ ۱۔ جو دیت بیسویں حصے سے کم ہو۔ ۲۔ غلام کی جنایت کی دیت۔ ۳۔ جس جنایت کا مجرم خود اقرار کرے اور عاقلہ اس کی تصدیق نہ کریں۔ ۴۔ وہ دیت جو قتل عمد میں صلح کی وجہ سے لازم آئے۔

کتاب الحدود

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے نفس انسانی کی حفاظت کی خاطر احکام بیان کیے اب یہاں سے ایسے احکام بیان کر رہے ہیں کہ جن کا اجرا عزت وآبرو اور حد سے تجاوز کی بنیاد پر ہو۔

حدود کا لغوی معنیٰ:

حدود جمع ہے حد کی بمعنی روکنا۔ جہاں بھی ح، د، د کا مادہ پایا جاتا ہے مثلاً چوکیدار کے لیے "حداد" عورتوں کا زیب وزینت سے رکنے کے لیے "احداد" حرام چیزوں سے رکنے کے لیے حدود اللہ استعمال ہوتا ہے وہاں روکنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

حد کی اصطلاحی تعریف:

احناف کے نزدیک اصطلاحی تعریف یہ ہے: "عِبَارَةٌ عَنْ عُقُوْبَةٍ مُقَدَّرَةٍ وَاجِبَةٍ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالٰی (بدائع الصنائع) شریعت کی جانب سے مقرر شدہ سزا جو بطور حق اللہ کے جاری ہوتی ہو۔

حدود کی تعداد:

اس تعریف کے مطابق احناف کے نزدیک حدود پانچ ہیں حد زنا، حد شرب، حد قذف، حد سکر، حد سرقہ۔ جب کہ دوسرے فقہاء کے نزدیک پانچ کے علاوہ حرابہ (ڈکیتی) بغاوت، ارتداد اور قصاص بھی حد میں داخل ہیں لیکن احناف کے نزدیک قصاص تو مستقل قانون ہے اور مرتد کی سزا قتل تعزیراً ہے باقی حرابہ، بغاوت کبھی حد سرقہ، کبھی تعزیر اور کبھی قصاص کے تحت آتے ہیں۔

اَلزِّنَا يَثْبُتُ بِالْبَيِّنَةِ ، وَالْاِقْرَارِ فَالْبَيِّنَةُ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَةٌ مِّنَ الشُّهُوْدِ عَلٰى رَجُلٍ اَوْ امْرَاَةٍ بِالزِّنَا فَيَسْاَلُهُمُ الْاِمَامُ عَنِ الزِّنَا مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَاَيْنَ زَنٰى وَمَتٰى زَنٰى وَبِمَنْ زَنٰى فَاِذَا بَيَّنُوْا ذٰلِكَ ، وَقَالُوْا : رَاَيْنَاهُ وَطِئَهَا فِيْ فَرْجِهَا كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحُلَةِ سَاَلَ الْقَاضِي عَنْهُمْ فَاِنْ عُدِّلُوْا فِي السِّرِّ ، وَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ وَالْاِقْرَارُ اَنْ يُّقِرَّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالزِّنَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِيْ اَرْبَعَةِ مَجَالِسَ مِنْ مَجَالِسِ الْمُقِرِّ كُلَّمَا اَقَرَّ رَدَّهُ الْقَاضِي فَاِذَا تَمَّ اِقْرَارُهٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ سَاَلَهُ الْقَاضِي عَنِ الزِّنَا مَا هُوَ كَيْفَ هُوَ وَاَيْنَ زَنٰى وَبِمَنْ زَنٰى فَاِنْ كَانَ الزَّانِيْ مُحْصَنًا رَجَمَهٗ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى يَمُوْتَ يُخْرِجُهٗ اِلٰى اَرْضٍ فَضَاءٍ وَتَبْتَدِئُ الشُّهُوْدُ بِرَجْمِهٖ ثُمَّ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ فَاِنِ امْتَنَعَ الشُّهُوْدُ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ سَقَطَ الْحَدُّ وَاِنْ كَانَ الزَّانِيْ مُقِرًّا اِبْتَدَاَ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ وَيُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مُحْصَنًا وَكَانَ حُرًّا فَحَدُّهٗ مِائَةُ جَلْدَةٍ يَاْمُرُ الْاِمَامُ بِضَرْبِهٖ بِسَوْطٍ لَا ثَمَرَةَ لَهٗ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا وَيُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهٗ

وَيُفَرَّقُ الضَّرْبُ عَلَى أَعْضَائِهِ إِلَّا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَفَرْجَهُ فَإِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهُ خَمْسِينَ كَذٰلِكَ

”زنا گواہی اور اقرار سے ثابت ہوتا ہے اور گواہی یہ ہے کہ چار کسی مرد یا عورت کے خلاف زنا کی گواہی دیں اور امام ان سے زنا کے بارے میں دریافت کرے کہ زنا کیا ہوتا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ اس نے زنا کہاں کیا اور کس سے زنا کیا؟ پس جب وہ اس کو بیان کردیں اور کہہ دیں کہ ہم نے اس کو دیکھا ہے کہ اس نے اس عورت سے اس کی فرج میں وطی کی ہے اس طرح کہ جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے اور قاضی نے ان کے متعلق پوچھ گچھ کی تو ان کو خفیہ اور علانیہ طور پر عادل بتایا گیا تو قاضی ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ دے گا اور اقرار کی صورت میں عاقل بالغ اپنی ذات پر چار مرتبہ اپنی مجلس میں سے چار مجلسوں میں جب وہ اقرار کرلے تو قاضی اس کو رد کردے پھر جب اس کا اقرار چار مرتبہ پورا ہوجائے تو قاضی اس سے پوچھے زنا کے متعلق کہ وہ کیا ہوتا ہے، کیسے ہوتے ہے، اس نے زنا کہاں کیا اور کس سے کیا پس جب وہ یہ بیان کردے تو اس پر حد لازم ہوگی پس اگر زانی محصن ہو تو اس کو سنگسار کردے یہاں تک کہ وہ فوت ہوجائے اس کو میدان میں لے جائے اس کو پتھر مارنے کی ابتدا گواہ کریں پھر امام پھر لوگ اور اگر گواہ شروع کرنے سے رک جائیں تو حد ساقط ہوجائے گی اور اگر زانی مقر ہو تو امام شروع کرے پھر لوگ اور غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر وہ محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔ امام حکم کرے مارنے کا ایسے کوڑے سے کہ جس میں کوئی گرہ نہ ہو درمیانے درجہ کی مار ہو اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور اس کے اعضاء پر مار متفرق کی جائے سوائے اس کے چہرے اور شرم گاہ کے اور اگر وہ غلام ہو تو اس کو پچاس کوڑے لگائے جائیں“۔

زنا کی تعریف:

قولہ:الزنا: علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔”جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قبل (فرج) میں وطی کرے اس حال میں کہ وہ قبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملکیت اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو (بدائع الصنائع ایضاً فتح القدیر) جس کا اصل یہ ہے کہ ”اجنبی عورت اپنے اوپر یا مرد اپنے اوپر وطی کرنے پر قدرت دے دے زنا کہلاتا ہے۔“

زنا کے ثبوت کے طریقے:

قولہ:یثبت بالبینۃ الخ: جس زنا کی وجہ سے مرتکب زنا پر حد جاری ہوتی ہے اس کا ثبوت دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔گواہی ۲۔مرتکب کا خود اقرار۔

ثبوت زنا کے لیے چار مردوں کی گواہی:

قولہ:فالبعینۃ الخ: اگر گواہی کے ذریعے زنا کا ثبوت ہو تو شرط یہ ہے کہ چار مردوں کی گواہی ہو اس پر آئمہ اربعہ کا اجماع ہے کہ حدود قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں جب گواہ قاضی کے پاس کسی کے خلاف زنا کی گواہی دیں تو قاضی ان سے چند سوالات کرے گا۔

سوال نمبر ۱: زنا کی حقیقت پوچھے گا کہ زنا کیا ہے اگر وہ جواب میں کہیں کہ ذکر کا فرج میں داخل ہونا پھر قاضی دوسرا سوال کرے گا اس کی کیفیت کیا ہے؟ وہ کہیں کہ ان کی رضا مندی سے ہوا ہے۔ پھر قاضی تیسرا سوال کرے گا کہ زنا کہاں ہوا ہے؟ وہ جواب میں کہیں کہ دارالاسلام میں تو قاضی چوتھا سوال کرے گا زنا کب کیا ہے؟ وہ کہیں عنقریب کیا ہے پھر قاضی پانچواں سوال کرے گا زنا اس نے کس سے کیا ہے؟ تو جواب میں اس عورت کا نام لیں اور یوں کہیں کہ فلاں نے فلانی سے اس طرح دخول کیا ہے کہ جس طرح سلائی سرمہ دانی میں داخل کی جاتی ہے۔ اب قاضی ان چاروں گواہوں کے عدل وفسق کے متعلق خفیہ اور علانیہ دونوں طرح لوگوں سے معلومات حاصل کرے گا جسے ''تزکیہ شھود'' کہا جاتا ہے اگر اہل شہادت ہوں تو گواہی کی بنا پر ثبوت زنا کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور حد جاری کی جائے گی۔

پاکستانی عدالتوں میں حدزنا کا نفاذ

پاکستان کی عدالتوں میں حدزنا کی سزا کا نفاذ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء سے ہوا ہے۔

حدزنا پر مستشرقین کا اعتراض:

کہ اسلام نے زنا کی سزا رجم کرنا یا کوڑے مارنا وحشیانہ رکھی ہے اسی پر ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ان لوگوں پر تعجب ہے کہ مجرموں پر رحم کھاتے ہیں لیکن مجرموں کے شر سے معاشرہ کے تباہ ہونے پر کوئی رحم نہیں آتا حالانکہ اسلام نے جس طرح کڑی سزائیں مقرر کی ہیں ادھر سزا جاری کرنے کے لیے شرائط بھی کڑی رکھی ہیں کہ گزشتہ تفصیل کے مطابق ''دخول فعل'' کے چار عینی گواہ کب میسر ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے آج تک گواہوں کی وجہ سے حدزنا جاری نہیں ہوسکی اگر ہوئی تو محض مجرم کے اقرار کی وجہ سے۔ حیرانگی ہے کہ کڑی شرائط رکھیں تو کہتے ہیں کہ ظالم کو سزا نہیں ملتی جب کہ دوسری طرف کہتے ہیں کہ اسلام نے سخت سزائیں رکھی ہیں ان کو کسی طور پر چین نہیں آتا۔

ثبوت زنا اقرار سے:

قوله: والاقرار الخ: زنا کا ثبوت اقرار سے بھی ہوجاتا ہے اور اقرار سے زنا کے متعلق ایک شرط تو یہ ہے کہ عاقل وبالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ زبان سے اقرار ہو لہٰذا اشارہ اور تحریر سے ثبوت نہ ہوگا اور تیسری شرط یہ ہے کہ چار بار چار مجلسوں میں قاضی کے سامنے اقرار کرے اور قاضی ہر مرتبہ اقرار کو رد کرے اور اسے ٹل جانے پر مجبور کرے اور قاضی گزشتہ گواہوں سے پوچھے جانے والے سوال اس سے بھی کرے۔ جب کارروائی مکمل ہوجائے تو قاضی زنا کا فیصلہ کر کے حدزنا صادر کرنے کا حکم دے گا۔

گواہوں اور مقر سے قیل وقال کرنے کا مقصد:

کیونکہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ کسی مجرم کا سزا سے چھوٹ جانا اس سے بہتر ہے کہ کوئی بے گناہ سزا میں پکڑا جائے کیونکہ حدود کے مقدمات کے سلسلہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی ہدایت فرمائی ہے جو اصول کی حیثیت رکھتی ہے جس کو فقہاء کرام نے فقہی قواعد میں یوں بیان فرمایا: ''الحدود تدرء بالشبھات (الاشباہ والنظائر لابن نجیم) کہ شبہات کی وجہ سے حدود معاف ہوجائیں گی تاکہ شبہات کی وجہ سے مجرم حدزنا سے بچ جائے۔

زانی کا محصن ہونا:

قولہ:فان کان الزانی محصنا الخ: محصن کا لفظ کتب فقہ میں زیادہ تر شادی شدہ ہونے کے معنی میں آتا ہے چونکہ اسلام نے زنا کی سزا میں محصن اور غیر محصن ہونے کا فرق کیا ہے محصن سے مراد" وہ شخص ہے جو ا۔آزاد ۲۔عاقل ۳۔بالغ اور ۴۔ اسلام کی حالت میں ۵۔اجنبی عورت کے ساتھ ۶۔وطی کرے کہ جو اس سے قبل گزشتہ صفات کے ساتھ اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری (خلوت کافی نہیں) کر چکا ہو۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی کم ہوئی تو زنا کے باب میں محصن نہیں کہلائے گا۔ اگر زانی محصن ہو تو اس کی حد زنا سنگسار کرنا ہے۔ محصن کی تعریف متن کے اگلے پیرے کے آخر میں آرہی ہے۔

رجم کی شرعی حیثیت:

شادی شدہ کو رجم کرنا ایک اجماعی مسئلہ ہے جس پر حضور ﷺ کی قولی اور فعلی احادیث منقول ہیں جو تواتر کی حد تک ہیں رجم کا انکار سوائے خوارج کے اور کسی نے نہیں کیا تھا مگر دور حاضر میں بعض منکرین حدیث وغیرہ نے انکار کیا ہے جو امت کے مقابلہ میں شذوذ کی کا درجہ رکھتے ہیں۔

رجم کرنے کا طریقہ:

اگر زنا گواہی کے ذریعے ثابت ہو تو قاضی مجرم کو کھلے میدان میں لے جائے جہاں لوگوں کا جم غفیر ہو اور پہلے گواہ پتھر مارنے کا آغاز کریں پھر امام پھر عام لوگ اور پتھر درمیانہ استعمال کیا جائے نہ زیادہ بڑا اور نہ زیادہ چھوٹا چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ بدن پر مار جائیں۔ مستحب یہ ہے نماز کی طرح صف بنائی جائے ایک صف مار کر پیچھے آجائے پھر دوسری صف مارے۔ اگر گواہ مارنے سے جائیں تو حد ساقط ہو جائے گی۔ اگر زنا کا ثبوت مجرم کے اقرار سے ہو تو پتھر مارنے میں پہل قاضی کرے گا پھر لوگ جب ہلاک ہو جا تو اس کو غسل دیا جائے، کفن پہنایا جائے اور نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔ اگر زانی غیر محصن آزاد اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور کوڑا ایسا ہو کہ اس میں گرہ نہ ہو اور مارنے سے پہلے زائد کپڑے اتار لیے جائیں۔ سر، چہرہ اور شرمگاہ علاوہ باقی اعضاء پر الگ الگ درمیانی کیفیت سے مارے جائیں اگر زانی غیر محصن غلام ہو تو اس کی حد پچاس کوڑے ہیں۔

فَاِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ اِقْرَارِهٖ قَبْلَ اِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ اَوْ فِيْ وَسَطِهٖ قَبْلَ رُجُوْعِهٖ وَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ وَيُسْتَحَبُّ لِلْاِمَامِ اَنْ يُّلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوْعَ وَيَقُوْلُ لَهٗ لَعَلَّكَ لَمَسْتَ اَوْ قَبَّلْتَ وَالرَّجُلُ، وَالْمَرْاَةُ فِيْ ذٰلِكَ سَوَاءٌ غَيْرَ اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا يُنْزَعُ عَنْهَا مِنْ ثِيَابِهَا اِلَّا الْفَرْوَ، وَالْحَشْوَ وَاِنْ حَفَرَ لَهَا فِي الرَّجْمِ جَازَ وَلَا يُقِيْمُ الْمَوْلَى الْحَدَّ عَلٰى عَبْدِهٖ اِلَّا بِاِذْنِ الْاِمَامِ وَاِذَا رَجَعَ اَحَدُ الشُّهُوْدِ بَعْدَ الْحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوا الْحَدَّ وَسَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ فَاِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ جُلِدَ الرَّاجِعُ وَحْدَهٗ وَضَمِنَ رُبُعَ الدِّيَةِ وَاِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُوْدِ عَنِ الْاَرْبَعَةِ حُدُّوْا، وَشَرْطُ اِحْصَانِ الرَّجْمِ اَنْ يَّكُوْنَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ امْرَاَةً نِكَاحًا صَحِيْحًا

وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلَى صِفَةِ الْإِحْصَانِ

”اگر مقر اپنے اقرار سے حد جاری ہونے سے قبل یا حد کے درمیان رجوع کرلے تو اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا اور امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ مقر کو رجوع کی تلقین کرے اور اس سے کہا جائے کہ شاید تم نے چھوا ہوگا یا بوسہ کنار کیا ہوگا۔ مرد اور عورت اس میں برابر ہیں سوائے اس کے کہ عورت کے بدن سے کپڑا نہیں اتارا جائے گا سوائے پوستین اور موٹے کپڑے کے اور اگر عورت کی سنگساری کے لیے گڑھا کھودا تو جائز ہے اور آقا اپنے غلام یا لونڈی پر حد قائم نہیں کرے گا مگر قاضی کی اجازت سے اور اگر گواہ فیصلے کے بعد اور رجم سے پہلے رجوع کرلیں تو گواہوں کو حد لگائی جائے گی اور مشہود علیہ سے حد رجم ساقط ہوجائے گی اور اگر کسی نے رجم کے بعد رجوع کرلیا تو صرف رجوع کرنے والے پر حد قذف لگائی جائے گی اور یہ چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد لگائی جائے گی اور رجم کا محصن ہونا یہ ہے کہ زانی آزاد، بالغ، عاقل اور مسلمان ہو اور اس نے عورت سے نکاح صحیح کیا ہو اور اس سے صحبت کی ہو اور اس وقت دونوں صفت احصان پر قائم ہوں“۔

اقرار سے رجوع:

قوله:فان رجع الخ: چار مرتبہ اقرار کرنے کی وجہ سے زنا کا ثبوت ہوا تھا اگر مقر حد قائم کرنے سے پہلے یا حد کے درمیان میں اپنے اقرار سے رجوع کرلیتا ہے تو حد ساقط ہوجائے گی اس کو چھوڑ دیا جائے اور امام کے لیے یہ بات مستحب ہے کہ اقرار کرنے والے کو رجوع کی تلقین کرے کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو ویسے ہی گلے ملے ہو وغیرہ۔ حد کی صفات اور مرد و عورت کو پوچھنے کے بارے میں دونوں برابر ہیں سوائے اس بات کی کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے۔ موٹے لباس کے علاوہ باقی لباس بدن ہی پر رہنے دیا جائے اور عورت کو گڑھے میں بٹھا کر پتھر مارے جائیں آقا غلام پر امام کی اجازت کے بغیر حد جاری نہیں کرسکتا کہ ہر آدمی کو اجازت مل جائے تو زیادتی کرسکتا ہے۔

گواہوں کا رجوع:

قوله:وان رجع الخ: گواہوں کا رجوع کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ا-ان کی گواہی پر حد کا فیصلہ ہونے کے بعد حد جاری ہونے سے قبل رجوع کیا گیا تو سب پر حد قذف لگے گی۔ ۲-رجم کے بعد سب نے رجوع کرلیا تو سب پر دیت اور حد قذف بھی لازم ہوگی۔ ۳-رجم کے بعد ایک نے رجوع کرلیا تو اسی پر حد قذف جاری ہوگی اور دیت کا چوتھائی حصہ لازم ہوگا اسی طرح حکم ہوگا دو یا تین بھی رجوع کرلیں تو۔

تعداد چار سے کم:

قوله:وان نقص الخ: اگر تعداد گواہوں کی چار پوری نہ ہو تو سب کو حد قذف جاری ہوگی۔

محصن کی تعریف:

قوله:واحصان الخ: اس کا مفہوم پیچھے بیان کرچکے ہیں عبارت سے بھی واضح ہے

وَلَا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الْجَلْدِ، وَالرَّجْمِ وَلَا يُجْمَعُ فِي الْبِكْرِ بَيْنَ الْجَلْدِ، وَالنَّفْيِ إِلَّا أَنْ يَرَى الْإِمَامُ فِي ذٰلِكَ مَصْلَحَةً فَيُعَزِّرُ بِهِ عَلٰى مِقْدَارِ مَا يَرَاهُ فَإِنْ زَنَى الْمَرِيْضُ وَحَدُّهُ الرَّجْمُ رُجِمَ وَإِنْ كَانَ حَدُّهُ الْجَلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتّٰى يَبْرَأَ وَإِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدَ فَحَتّٰى تَتَعَلّٰى مِنْ نِفَاسِهَا وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الرَّجْمَ رُجِمَتْ فِي النِّفَاسِ وَإِذَا شَهِدُوْا بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ وَلَمْ يَقْطَعْهُمْ عَنْ إِقَامَتِهِ بُعْدُهُمْ عَنِ الْإِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ إِلَّا فِي حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً وَمَنْ وَطِئَ أَجْنَبِيَّةً فِيْمَا دُوْنَ الْفَرْجِ عُزِّرَ، وَلَا حَدَّ عَلٰى مَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ وَلَدِهٖ أَوْ وَلَدِ وَلَدِهٖ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا حَرَامٌ

''اور محصن میں کوڑوں اور رجم کو جمع نہیں کیا جائے گا اور کنوارے میں کوڑوں اور جلا وطنی کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ البتہ امام اس میں کوئی مصلحت دیکھے تو اس کو اپنی رائے کے مطابق سزا دے اور اگر بیمار نے زنا کیا جس کی حد رجم ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو اسے کوڑے نہیں مارے جائیں گے یہاں تک کہ شفایاب ہو جائے اور اگر حاملہ عورت زنا کرے تو اسے کوڑے نہیں لگائے جائیں گے یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے اور اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو یہاں تک کہ نفاس سے پاک ہو جائے اور اگر اس کی حد رجم ہو تو نفاس میں رجم کیا جائے گا اور اگر گواہوں نے پرانی حد کی گواہی دی کہ گواہوں کا امام سے دور ہونا ان کو حد کے قائم کرنے سے مانع نہ تھا تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر بالخصوص حد قذف میں اور اگر کسی نے اجنبیہ سے فرج کے علاوہ وطی کی تو اس کو سزا دی جائے گی اور اس شخص پر کوئی حد نہیں ہے کہ جس نے اپنے بیٹے کی لونڈی سے یا اپنے پوتے کی لونڈی سے وطی کی اگر چہ وہ کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے''۔

دو سزاؤں کا جمع کرنا:

قوله:ولا يجمع الخ: احناف کے نزدیک دو سزاؤں (رجم، کوڑے) کو جمع کرنا جائز نہیں اسی طرح کوڑے اور جلا وطنی کو بھی جمع کرنا جائز نہیں البتہ حاکم وقت بطور تعزیر اگر مناسب سمجھے تو جلا وطن کر سکتا ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک کوڑے اور جلا وطنی دونوں حد کا مجموعہ ہیں اور امام احمد کے نزدیک کوڑے اور رجم کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

متفرق مسائل:

قوله:واذا زنى الخ: ۱۔ اگر مریض نے زنا کیا تو محصن ہونے کی صورت میں فی الفور رجم کیا جائے گا اگر غیر محصن ہو تو تندرست ہونے کے بعد کوڑے مارے جائیں گے۔ ۲۔ حاملہ زانیہ کو وضع حمل کے بعد حد لگائی جائے گی اگر رجم کرنا ہو تو نفاس کی ہی حالت میں اگر کوڑے مارنے ہوں تو نفاس کے بعد مارے جائیں۔ ۳۔ اگر کسی نے کوئی ایسی جنایت کی کہ جس سے حد جاری ہوتی ہو مگر گواہوں نے کافی عرصہ کے بعد حاکم کے پاس گواہی دی اگر یہ تاخیر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو گواہی بعد میں بھی قبول کی جائے گی اگر بغیر عذر کے ہو تو قبول نہ ہوگی اگر کسی نے تہمت لگائی اور گواہی دینے میں تاخیر کر دی تو مطلقاً گواہی معتبر ہوگی کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

حد لگنے اور نہ لگنے کی کچھ صورتیں:

قولہ: ومن وطی الخ: ۱۔ اگر کسی نے کسی اجنبی عورت سے فرج کے علاوہ دبر میں وطی کر دی تو شرعاً حد تو واجب نہ ہوگی مگر حاکم وقت جو مناسب سزا سمجھے وہ دے گا یہ تعزیر ہوگی دبر میں وطی کی بحث آگے آرہی ہے۔ ۲۔ کسی نے اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے وطی کر ڈالی اگر چہ وہ اس سے وطی کو حلال سمجھے یا حرام حد جاری نہ ہوگی اس لیے یہاں ایسا شبہ پیدا ہو گیا جو حدیث سے ثابت ہے کہ بیٹے کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: ''انت ومالك لا بيك'' کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کے ہیں کیونکہ لونڈی بھی مال ہے۔ نص سے ثابت شدہ شبہ کو اہل اصول کی زبان میں ''شبهة المحل'' کہا جاتا ہے اس میں بندے کے گمان کا اعتبار نہیں۔

وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ أَبِيهِ أَوْ أُمِّهِ أَوْ زَوْجَتِهِ أَوْ وَطِءَ الْعَبْدُ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ فَإِنْ قَالَ: عَلِمْتُ أَنَّهَا حَرَامٌ حُدَّ وَإِنْ قَالَ: ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا عَلَى قَاذِفِهِ أَيْضًا وَمَنْ وَطِءَ جَارِيَةَ أَخِيهِ أَوْ عَمِّهِ، وَقَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي حُدَّ وَمَنْ زُفَّتْ إِلَيْهِ غَيْرَ امْرَأَتِهِ، وَقَالَتِ النِّسَاءُ: إِنَّهَا زَوْجَتُكَ فَوَطِئَهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ وَمَنْ وَجَدَ امْرَأَةً عَلَى فِرَاشِهِ فَوَطِئَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ الْحَدُّ

''اور اگر کسی نے اپنے والد یا اپنی والدہ یا اپنی بیوی کی لونڈی سے وطی کی یا غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے وطی کی اور وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ لونڈی مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد لگائی جائے گی لیکن اگر یہ کہتا ہے کہ لونڈی کو اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی اور اگر کسی نے اپنے بھائی یا چچا کی لونڈی سے وطی کی اور کہے کہ میرا خیال ہے کہ وہ میرے لیے حلال ہے تو اس کو حد لگائی جائے گی اور کسی کے پاس شب زفاف کسی دوسری عورت کو بھیجا گیا اور عورتوں نے کہا یہ تیری بیوی ہے اس نے عورت سے وطی کر لی تو اس شخص پر کوئی حد نہیں ہوگی البتہ اس پر مہر واجب ہوگا اور کسی نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا کہ جس سے اس کے لیے نکاح جائز نہ تھا تو اس نے اس سے وطی کر لی تو امام اعظم کے نزدیک اس پر حد جاری نہ ہوگی البتہ صاحبین کے نزدیک اس شخص پر حد لگائی جائے گی''۔

حد لگنے اور نہ لگنے کی باقی صورتیں:

قولہ: واذا وطی الخ: اس سے قبل دو صورتیں بیان کی تھیں کہ جن میں حد جاری نہیں ہوتی۔ ۳۔ اگر کسی نے اپنے اصول و فروع کی لونڈی سے حلال سمجھتے ہوئے وطی کی تو حد جاری نہ ہوگی اگر حرام سمجھتے ہوئے وطی کی تو حد لگے گی اس کی وجہ یہ ہے وطی کرنے والے کا شبہ محض اس کا ظن ہے۔ اس کا ثبوت کسی نص سے نہیں اس شبہ کو اصول فقہ میں ''شبهة الظن'' کہا جاتا ہے کہ جس میں بندے کے گمان کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس غلام کا اپنے آقا کی لونڈی سے وطی کرنے کا مسئلہ بھی ہے ۴۔ اگر دیگر ذی محارم مثلاً بھائی، چچا وغیرہ کی لونڈی سے وطی کو حلال خیال کر کے وطی کر لے تو حد جاری ہوگی یہاں اس کے گمان کا اعتبار نہ ہوگا کہ دوسرے کے مال سے بغیر اجازت کے نفع اٹھانا حرام ہے جب کہ اصول و فروع کے مال سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہوتی ہے اس لیے وہاں گمان کا اعتبار کیا گیا جب کہ ان کے غیر میں نہیں۔ ۵۔ اگر کسی نے کسی ایسی عورت سے شادی کی کہ جس کو اس نے نہیں دیکھا تھا تو عورتوں نے از راہ شرارت شب زفاف منکوحہ عورت کے علاوہ کسی اور کو بھیج دیا اس سے اس نے وطی کر دی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی البتہ مہر واجب ہوگا

لیکن اگر شوہر منکوحہ کو پہچانتا ہو مگر اس نے تحقیق کے بغیر دوسری سے وطی کر ڈالی تو حد لگائی جائے گی۔ ۶۔ اگر کسی محرمہ عورت سے نکاح کر کے وطی کر لی تو امام اعظم کے نزدیک حد نہیں لگائی جائے گی جب کہ صاحبین کے نزدیک حد لگائی جائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (المتون علی قول الامام)

وَمَنْ اَتَى امْرَاَةً فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ اَوْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ وَيُعَزَّرُ وَمَنْ وَطِءَ بَهِيمَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَمَنْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ اَوْ فِي دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْنَا لَمْ يُقَمْ عَلَيْهِ الْحَدُّ

''اور کسی نے عورت کے مقام مکروہ میں وطی کی یا قوم لوط کا عمل کیا تو امام اعظم کے نزدیک کوئی حد نہیں البتہ سزا دی جائے گی اور صاحبین نے فرمایا زنا کی طرح ہے تو حد لگائی جائے گی اور جس نے کسی چوپائے سے وطی کی تو اس پر کوئی حد نہیں اور کسی نے دارالحرب میں یا باغیوں کی حکومت میں زنا کیا پھر وہ ہمارے ہاں آ گیا تو اس پر حد نہیں ہوگی''۔

غیر فطری فعل:

قولہ: ومن اتی الخ: اللہ تعالیٰ نے جنسی داعیہ کے لیے فطرتی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اگر کوئی غیر فطرتی طریقہ (لواطت) اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں نہایت ہی ناپسندیدہ فعل ہے کہ جس فعل کی وجہ سے قوم لوط پر پتھروں کی بارش اور زمین کو الٹا کر کے رکھ دیا تھا کہ یہ ایسا شنیع فعل ہے کہ جس سے حیوانات بھی نا آشنا ہیں نیز صحت انسانی کے لیے سخت مضر ہے اور ایڈز کا باعث ہے مگر صد افسوس یورپ پر جو اپنے آپ کو اخلاق کا پہاڑ سمجھتے ہیں انہوں نے اس فعل غیر فطری، غیر اخلاقی، غیر انسانی اور غیر مذہبی کو سند جواز دے دیا ہے اور قانون فطرت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ الحاصل یہ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کے ساتھ غیر فطری فعل کیا تو حد لازم نہیں ہوگی البتہ گناہ بہت سخت ہے اسی طرح اگر کسی مرد نے مرد سے لواطت کی تو حد جاری نہ ہوگی یہ مذہب امام اعظم کا ہے جب کہ صاحبین اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک حد زنا جاری ہوگی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ حد تو نہیں لیکن تعزیر واجب ہوگی کہ لواطت پر زنا کی تعریف صادق نہیں آتی اسی وجہ سے اس کی سزا میں صحابہ کرام کے مابین اختلاف رہا ہے۔ (الصحیح قول ابی حنیفه الترجیح والتصحیح دیگر متون علی قول الامام)

جو شوہر بیوی کے ساتھ یہ عمل کرنے کا عادی ہو تو بیوی کے لیے غیر فطری عمل کی وجہ سے فسخ نکاح کی صورت نکل سکتی ہے۔

غیر دارالاسلام میں زنا کرنا:

قولہ: ومن زنی الخ: اگر کسی نے دارالحرب میں زنا کیا یا باغی حکومت میں رہ کر زنا کیا پھر دارالاسلام میں آ گیا تو حد جاری نہ ہوگی کیونکہ دارالاسلام میں آنے سے پہلے یہ عمل کیا ہے اس لیے سزا یہاں نہیں مل سکتی۔

باب حد الشرب

شُرب کا معنی:

شراب یا ہر نشہ آور چیز کے پینے کو شُرب کہتے ہیں جب کہ شِرب کا تعلق پانی کے حق سے ہے۔ یہاں شُرب ہی ہے۔

شرعی حکم:

شراب کی حرمت کا ثبوت قرآن مجید، احادیث رسول اور اجماع امت سے ہے۔

حرمت کی مصلحت:

احکام شرعیہ کی بنیاد پانچ مقاصد حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ نسل اور حفظ کلام پر ہے جن میں سے ایک عقل کا تحفظ ہے چونکہ احکام شرعیہ کا مخاطب بندہ اسی وقت ہوتا ہے کہ جب عقل وخرد محفوظ ہو جب کہ شراب براہ راست عقل پر حملہ آور ہوتی ہے اس لیے شریعت نے اس سے بڑی تاکید واہتمام کے ساتھ منع فرمایا۔

حد شراب:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت تک حد لگانے کی کوئی خاص تعداد معین نہ تھی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کرنے کے بعد قذف والی سزا ۸۰ کوڑے مقرر فرمائی مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی یہی تعداد ہے جب کہ شافعیہ کے نزدیک ۴۰ کوڑے ہیں۔

شرابوں کی اقسام:

اقسام وتعریفات اور ان کے احکام ۱۲ ابواب کے بعد مستقل عنوان سے "کتاب الاشربہ" کے عنوان سے آرہے ہیں۔

وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأُخِذَ وَرِيحُهَا مَوْجُودٌ فَشَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُودُ بِذٰلِكَ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ فَإِنْ أَقَرَّ بَعْدَ ذَهَابِ رِيحِهَا لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيذِ حُدَّ وَلَا حَدَّ عَلٰى مَنْ وُجِدَ مِنْهُ رِيحُ الْخَمْرِ أَوْ تَقَيَّأَهَا وَلَا يُحَدُّ السَّكْرَانُ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّهُ سَكِرَ مِنَ النَّبِيذِ وَشَرِبَهُ طَوْعًا وَلَا يُحَدُّ حَتّٰى يَزُوْلَ عَنْهُ السُّكْرُ وَحَدُّ الْخَمْرِ، وَالسُّكْرِ مِنَ النَّبِيذِ فِي الْحُرِّ ثَمَانُوْنَ سَوْطًا يُفَرَّقُ الضَّرْبُ عَلٰى بَدَنِهٖ كَمَا ذُكِرَ فِيْ حَدِّ الزِّنَا وَإِنْ كَانَ عَبْدًا فَحَدُّهُ أَرْبَعُوْنَ سَوْطًا وَمَنْ أَقَرَّ بِشُرْبِ الْخَمْرِ، وَالسُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدَّ وَيَثْبُتُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ أَوْ بِإِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَلَا يُقْبَلُ فِيْهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ

"اور جس شخص نے شراب پی اور گرفتار کیا گیا اس حالت میں کہ اس کے منہ میں بدبو موجود تھی تو گواہوں نے اس کی گواہی دی یا شرابی نے از خود اقرار کرلیا ہو بشرطیکہ اس کی بدبو موجود تھی تو اس پر حد شرب لازم ہوگی اور اگر شرابی نے بدبو دور ہونے کے بعد اقرار کیا تو اس کو حد شرب نہیں لگائی جائے گی اور جو شخص نبیذ کی وجہ سے نشہ میں ہو جائے تو اس کو حد لگائی جائے گی اور ایسے شخص پر کوئی حد نہیں کہ جس سے شراب کی بو آئے یا وہ شراب کی قے کرے اور نشہ والے کو حد نہیں لگائی جائے گی یہاں تک کہ نشہ ختم ہو جائے۔ شراب اور نشہ کی حد ۸۰ کوڑے ہیں جو متفرق اعضا پر لگائے جائیں گے جیسا کہ

ہم نے حدزنا میں ذکر کیا اور اگر غلام ہو تو ۴۰ کوڑے لگائے جائیں گے اور جس شخص نے شراب پینے کا اقرار کیا پھر اس نے رجوع کر لیا تو اس پر حد جاری نہ ہوگی اور شراب پینا دو گواہوں سے یا اس کے ایک مرتبہ اقرار سے ثابت ہو جائے گا اور مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی"۔

شراب پینے پر ثبوت حد کا طریقہ:

قوله:ومن شرب الخ: شراب پینے پر حد ثابت ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ۱۔ گواہی ۲۔ اقرار۔ گواہی سے حد کا ثبوت اس طرح ہوگا کہ کسی نے خمر کا اگرچہ ایک گھونٹ ہی پیا ہو اور اس کے منہ سے اس کی بو آرہی تھی کہ دو گواہوں نے آکر عدالت میں اس کے خلاف گواہی دی تو شرب خمر کے ثابت ہونے کی وجہ سے حد لگائی جائے گی حد خمر کے ثابت ہونے کے لیے نشہ کا ہونا ضروری نہیں۔ شراب پینے کا اقرار کر لیا اس حالت میں کہ منہ سے بو آرہی تھی کہ حد لگائی جائے گی اگر منہ سے بو نہ آتی ہو تو گواہی اور اقرار دونوں صورتوں میں حد نہیں لگائی جائے گی یوں تو شریعت کا تمام حدود کے متعلق بنیادی اصول یہی ہے کہ شبہ کا فائدہ مجرم کو دیا جائے گا کہ حدود ساقط ہو جائیں۔ حنفیہ نے شراب کے مسئلہ میں نہایت ہی احتیاط برتی ہے کہ جب تک منہ میں بو نہیں آرہی اگرچہ گواہی مل جائے یا اقرار کر لے تو حد ثابت نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر شراب کی بو آرہی تھی یا شراب کی قے کی مگر ثبوت کے دو طریقوں میں سے کوئی نہیں تو حد جاری نہ ہوگی۔

نشہ کی حالت میں:

قوله:ولا يحد الخ: اگر کوئی نشے کی حالت میں پایا گیا تو اس پر اس وقت تک حد نہیں لگائی جائے گی جب تک شراب پینے یا نشہ ہونے کی رضا یا عدم رضا کا علم نہ ہو جائے کہ ممکن ہے کہ کسی نے زبردستی پلا دی ہو اگر حالت رضا کا علم ہو جائے تو ثبوت کے طریقہ کے پائے جانے پر حد لگائی جائے گی ورنہ نہیں۔

شراب کی حد:

قوله:وحد الخمر الخ: آزاد آدمی پر ۸۰ کوڑے اور غلام پر ۴۰ کوڑے حد شرب ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک آزاد کی بھی ۴۰ کوڑے ہے۔ اس کے لگانے کا وہی طریقہ ہے جو اس سے قبل حد زنا میں مرد و عورت کو لگانے کا طریقہ بیان کیا گیا۔

اقرار کے بعد رجوع:

قوله:ومن اقر الخ: اگر اقرار کے بعد مجرم نے رجوع کر لیا تو حد ساقط ہو جائے گی۔

گواہی صرف مردوں کی:

قوله:ولا يقبل الخ: حدود و قصاص میں صرف گواہی مردوں کی ہی معتبر ہے لہٰذا عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ جب کہ بعض متجددین اور لبرل قسم کے لوگوں نے حدود میں عورتوں کی گواہی کو بھی جائز مانا ہے جب کہ اسلامی حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر ہی نہیں

پاکستانی عدالتوں میں حد منشیات کا نفاذ:

اس کا نفاذ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء سے ہوا ہے۔

باب حد القذف

قذف کا لغوی معنی:

پھینکنے (رمی) کے ہیں۔ تہمت میں بھی دوسرے شخص پر بہتان کے تیر پھینکے جاتے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

"زنا کی تہمت لگانے کا نام قذف ہے۔"

شرعی حیثیت:

کسی پاک دامن شخص پر بدکاری کی تہمت لگانا سخت گناہ ہے قرآن نے اس کے مرتکب کو فاسق کہا ہے اور دنیا اور آخرت میں اس پر لعنت فرمائی ہے۔ اسلام نے انسانی عفت وعصمت کی حفاظت کو بڑی اہمیت دی ہے کہ نہ صرف زنا کو حرام بلکہ اس پر سخت سے سخت تر سزا مقرر کی اور تہمت لگانے والے کے لیے بھی سزا (حد قذف) مقرر کی ہے

اصطلاحات:

ا۔تہمت لگانے والے کو قاذف۔ ۲۔جس پر لگائی اس کو مقذوف ۳۔تہمت لگانے کو قذف کہا جاتا ہے۔

اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ رَجُلًا مُحْصَنًا اَوْ امْرَأَةً مُحْصَنَةً بِصَرِيْحِ الزِّنَا فَطَالَبَهُ الْمَقْذُوْفُ بِالْحَدِّ حَدَّهُ الْحَاكِمُ ثَمَانِيْنَ سَوْطًا اِنْ كَانَ حُرًّا يُفَرِّقُ الضَّرْبَ عَلٰى اَعْضَائِهٖ وَلَا يُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ يُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ فَاِنْ كَانَ الْقَاذِفُ عَبْدًا جُلِدَ اَرْبَعِيْنَ وَالْاِحْصَانُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَقْذُوْفُ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلًا مُسْلِمًا عَفِيْفًا عَنْ فِعْلِ الزِّنَا وَمَنْ نَفٰى نَسَبَ غَيْرِهٖ فَقَالَ لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهٗ مَيِّتَةٌ مُحْصَنَةٌ فَطَالَبَهُ الْاِبْنُ بِحَدِّهَا حُدَّ الْقَاذِفُ وَلَا يُطَالَبُ بِحَدِّ الْقَذْفِ لِلْمَيِّتِ اِلَّا مَنْ يَّقَعُ الْقَدْحُ فِيْ نَسَبِهٖ بِقَذْفِهٖ وَاِنْ كَانَ الْمَقْذُوْفُ مُحْصَنًا جَازَ لِابْنِهِ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ اَنْ يُّطَالِبَ بِالْحَدِّ

"جب کسی شخص نے کسی محصن مرد یا کسی محصنہ عورت پر زنا کی صریح تہمت لگائی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ کر دیا تو حاکم اس کو کوڑے حد میں لگائے گا بشرطیکہ وہ شخص آزاد ہو وہ کوڑے اس کے متفرق اعضا پر لگائے جائیں گے اور اس کے بدن سے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے سوائے پوستین اور موٹے کپڑے کے اور اگر غلام ہے تو حاکم اس کو چالیس کوڑے لگائے اور محصن ہونا یہ ہے کہ مقذوف، آزاد، بالغ، عاقل، مسلمان اور فعل زنا سے پاک ہو اور جس شخص نے کسی کے نسب کی نفی کی اور کہا کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو یا کہا زانیہ کے بیٹے اور اس کی والدہ محصنہ فوت ہو چکی ہے اور بیٹا اپنی والدہ کی حد کا مطالبہ کرے تو اس قاذف کو حد لگائی جائے گی اور میت سے حد قذف کا مطالبہ نہیں کر سکتا مگر وہ شخص جس کے نسب میں

اس تہمت سے فرق آتا ہو اگر مقذوف محصن ہو تو اس کے کافر بیٹے اور غلام کے لیے جائز ہے کہ وہ حد کا مطالبہ کریں"۔

حد قذف جاری ہونے کی شرائط اور حکم:

قولہ: واذا قذف الخ: جب کسی شخص نے کسی دوسرے پر زنا کی تہمت لگائی تو مخصوص شرائط کے پائے جانے کے ساتھ حد قذف لگائی جائے گی۔

مخصوص شرائط:

جس پر تہمت لگائی گئی ہے (الف) محصن ہو محصن ہونے کے لیے پانچ شرطوں کا اجتماع ضروری ہے۔ ۱۔ آزاد ۲۔ بالغ ۳۔ عاقل ۴۔ مسلمان ۵۔ فعل زنا سے پاک ہو۔ (ب) تہمت لگانے والا صراحتاً زنا کی تہمت لگائے۔ (ج) مقذوف حاکم کے پاس جا کر قاذف پر حد لگانے کا مطالبہ کرے تو ان شرطوں کے اجتماع کی وجہ سے قاضی قاذف پر حد قذف جاری کرنے کا فیصلہ کرے گا۔ دیگر شرعی سزاؤں کی طرح حد قذف کے لیے بھی ضروری ہے وہ مسلم مملکت ہو اور نافذ بھی حاکم وقت کرے عام المسلمین کو اختیار نہیں۔

قذف ثابت کرنے کا طریقہ:

دو طریقوں میں سے کسی ایک سے ہوگا یا تو دو گواہ براہ راست تہمت لگانے والے کی گواہی دیں یا قاذف خود اقرار کرے۔

حد قذف کی مقدار:

آزاد پر ۸۰ کوڑے جب کہ غلام پر ۴۰ کوڑے ہیں۔

فوت شدہ پر تہمت لگانا:

قولہ: من نفی الخ: اگر کسی شخص نے فوت شدہ پر تہمت لگائی تو حد قذف کے مطالبہ کا حق کس کو ہے؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ہر وہ شخص حد قذف کا مطالبہ کر سکتا ہے کہ جس کے نسب میں قذف کی وجہ سے عیب پیدا ہو" مثلاً کسی ایسے شخص کو زانیہ کا بیٹا کہا کہ جس کی والدہ حالت احصان میں فوت ہوئی ہے اسی طرح کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں حالانکہ وہ فوت ہو چکا ہے تو ان صورتوں میں ان کی اولاد کو حد قذف کے مطالبہ کا حق ہے اگرچہ محصن میت کا بیٹا مسلمان ہو یا کافر، آزاد ہو یا غلام کیونکہ حنفیہ کے نزدیک یہ حقوق العبد کے ساتھ ساتھ حقوق اللہ بھی ہے۔ اس سے مصلحت عامہ متعلق ہے اس لیے جرم ثابت ہو جانے کے بعد اگر مقذوف اور ولی معاف بھی کرے تو معاف نہیں کر سکتا جب کہ شوافع کے نزدیک قذف حقوق الناس میں سے ہے لہٰذا معاف کر سکتا ہے۔

وَلَيْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ يُّطَالِبَ مَوْلَاهُ بِقَذْفِ اُمِّهِ الْحُرَّةِ الْمُسْلِمَةِ فَاِنْ اَقَرَّ بِالْقَذْفِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُقْبَلْ رُجُوْعُهٗ وَمَنْ قَالَ لِعَرَبِيٍّ يَا نَبَطِيُّ لَمْ يُحَدَّ وَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ يَا ابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ فَلَيْسَ بِقَاذِفٍ وَاِنْ نَسَبَهٗ اِلٰى عَمِّهٖ اَوْ اِلٰى خَالِهٖ اَوْ زَوْجِ اُمِّهٖ فَلَيْسَ بِقَاذِفٍ وَمَنْ وَطِئَ وَطْئًا حَرَامًا فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ لَمْ يُحَدَّ قَاذِفُهٗ وَالْمُلَاعَنَةُ بِوَلَدٍ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا

''اور غلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مولیٰ سے آزاد والدہ کی تہمت کی حد کا مطالبہ کرے اور اگر قاذف نے قذف کا اقرار کرلیا پھر رجوع کیا تو اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا اور جس شخص نے کسی عربی کو کہا اے نبطی تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی اور وہ شخص کہ جس نے کسی مرد کو کہا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو وہ تہمت لگانے والا نہ ہوگا اور جب کسی نے کسی کو اس کے چچا یا اس کے خالو یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو وہ شخص قاذف نہیں اور جس شخص نے کسی غیر کی ملک میں حرام وطی کی تو اس کے قاذف کو حد نہیں لگے گی اور وہ عورت جو بچے کی وجہ سے معاف کرنے والی ہو اس کے قاذف کو حد نہیں لگے گی''۔

غلام کا آقا پر حد کا مطالبہ کرنا:

قوله: ولیس الخ: اگر غلام کی والدہ پر اس کے مولیٰ نے زنا کی تہمت لگائی تو غلام کا مولیٰ پر حد قذف لگانے کا مطالبہ درست نہیں غلام کی والدہ چاہے زندہ ہو یا فوت ہوگئی، آزاد ہو یا لونڈی۔

اقرار سے رجوع کا عدم جواز:

قوله: وان اقر الخ: اگر کسی نے قذف کا اقرار کرلیا پھر رجوع کرنا چاہتا ہے تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ قذف کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہے اور ان حقوق میں رجوع جائز نہیں۔

حد قذف جاری نہ ہونے کی صورتیں:

قوله: ومن قال لعربی الخ: ۱۔ اگر کسی نے اچھے خاندان والے شخص کی نسبت گھٹیا خاندان والے سے کرتے ہوئے کہا اے نبطی (نبطی عجمیوں کا ایک قبیلہ ہے جو مردار کا گوشت کھاتا تھا) تو حد قذف نہیں لگے گی اگر یوں ہی کہا اے نائی، اے تیلی، اے کمی وغیرہ تو یہی حکم ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ ''جب تک صراحتاً زنا کی تہمت نہ لگے تو حد جاری نہیں ہوتی''۔ ۲۔ کسی کو آسمان کے پانی کا بیٹا کہا تب بھی حد جاری نہیں ہوگی کہ یہاں تہمت کے بجائے خالص ہونے میں تعریف ہے۔ ۳۔ نسبت ایسے فرد کی طرف کی گئی کہ جس کی طرف نسبت مجازاً کی جاتی ہو مثلاً اے اپنے چچا یا ماموں یا والدہ کے خاوند کے بیٹے تو حد جاری نہ ہوگی کہ ان کی طرف نسبت پیار کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ تہمت کی وجہ سے ۴۔ اگر کسی نے دوسرے آدمی کی ملک میں حرام وطی کردی پھر کسی موقع پر اس پر تہمت لگائی گئی تو حد قذف قاذف پر نہیں لگائی جائے گی کہ مقذوف محصن (پاک دامن) نہیں پہلے سے زنا کرچکا ہے ۵۔ عورت کو بچہ پیدا ہوا کہ شوہر نے لعان کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں کہ بچہ ابھی زندہ ہے اس عورت پر کسی اور نے زنا کی تہمت لگائی تو قاذف پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ اس عورت کے پہلے سے زانیہ ہونے پر بچہ موجود ہے کہ جس کی نفی لعان کی وجہ سے ہوئی لیکن اگر لعان شدہ عورت کے پاس بچہ نہ ہو تو علامت زنا نہ ہونے کی وجہ سے محصنہ ہونے پر قاذف کو حد جاری ہوگی۔

پاکستانی عدالتوں میں حد قذف کا نفاذ:

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ بمطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء سے ہوا ہے۔

وَمَنْ قَذَفَ اَمَةً اَوْ عَبْدًا اَوْ اُمَّ وَلَدٍ اَوْ كَافِرًا بِالزِّنَا اَوْ قَذَفَ مُسْلِمًا بِغَيْرِ الزِّنَا فَقَالَ: يَا فَاسِقُ اَوْ يَا كَافِرُ اَوْ يَا خَبِيثُ عُزِّرَ وَاِنْ قَالَ يَا حِمَارُ يَا خِنْزِيرُ لَمْ يُعَزَّرْ وَالتَّعْزِيرُ اَكْثَرُهُ تِسْعَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ سَوْطًا وَاَقَلُّهُ ثَلَاثُ جَلَدَاتٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ: يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيرِ خَمْسَةً وَّسَبْعِيْنَ سَوْطًا وَاِنْ رَاَى الْاِمَامُ اَنْ يَّضُمَّ اِلَى الضَّرْبِ فِي التَّعْزِيرِ الْحَبْسَ فَعَلَ وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيرُ ثُمَّ حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ وَمَنْ حَدَّهُ الْاِمَامُ اَوْ عَزَّرَهُ فَمَاتَ فَدَمُهُ هَدَرٌ وَاِذَا حُدَّ الْمُسْلِمُ فِي الْقَذْفِ سَقَطَتْ شَهَادَتُهُ وَاِنْ تَابَ وَاِنْ حُدَّ الْكَافِرُ فِي الْقَذْفِ ثُمَّ اَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ

''اور جس شخص نے کسی لونڈی یا غلام یا کافر پر زنا کی تہمت لگائی یا کسی مسلمان پر زنا کے علاوہ تہمت لگائی اور کہا اے فاسق، اے کافر، اے خبیث تو اس کو سزا دی جائے گی اور اگر کہا اے گدھے، اے خنزیر تو سزا نہیں دی جائے گی اور سزا زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے اور کم از کم تین کوڑے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ سزا پچھتر کوڑوں تک پہنچ سکتی ہے اور اگر امام مناسب سمجھے تو مار کے ساتھ قید کو بھی شامل کرے تو شامل کر سکتا ہے۔ سب سے زیادہ سخت مار تعزیر کی ہے پھر اس کے بعد حد زنا پھر حد شراب پھر حد قذف اور جس شخص کو امام نے حد لگائی یا اس کو سزا دی اور وہ شخص فوت ہو گیا تو اس کا خون معاف ہے اور جب مسلمان کو حد قذف لگائی گئی تو اس کی شہادت ساقط ہو گئی اگرچہ وہ توبہ کر لے اور اگر کافر کو قذف لگائی گئی پھر وہ اسلام لے آیا تو اس کی شہادت قبول ہو گی''۔

تعزیر کے احکام:

قوله: ومن قذف الخ: متن پر بحث کرنے سے قبل تعزیر کی خد وخال پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

تعزیر کا لغوی معنی:

تعزیر عزر سے ماخوذ ہے جس کے معنی رکنے کے ہیں کیونکہ تعزیر کی وجہ سے جرائم پیشہ لوگ جرائم سے رک جاتے ہیں اس لیے اسے بھی تعزیر کہا جاتا ہے

اصطلاحی تعریف:

شریعت میں تعزیر ان جرائم پر دی جانے والی سزاؤں کو کہا جاتا ہے کہ جن کی تعیین وتقریر کتاب وسنت میں نہیں'' ان سزاؤں کو حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

حدود وتعزیرات میں فرق:

تین طرح کا فرق بیان کیا جاتا ہے۔ ۱۔ حدود مقرر ہیں ہر شخص پر یکسانیت کے ساتھ نفاذ ہوتا ہے۔ جب کہ تعزیر میں قاضی مجرم کی حیثیت عرفی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ہی جرم پر دو شخص کو جدا گانہ سزا دے سکتا ہے۔

۲۔ حدود میں نہ قاضی حد کو معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی سفارش کی جا سکتی ہے جب کہ تعزیر میں دونوں امور میں جائز ہیں۔

۳۔حدود میں سزائے موت سے کم سزا کا مجرم تھا کہ حد لگانے سے فوت ہو گیا تو سبھی کے نزدیک قاضی ضامن نہ ہوگا جب کہ تعزیر میں مجرم فوت ہو گیا تو شافعیہ کے نزدیک قاضی ضامن ہوگا جب کہ باقی آئمہ کے نزدیک ضامن نہ ہوگا۔

تعزیر کا ثبوت:

قرآن مجید سے ہے کہ ناشزہ بیوی کو مناسب سرزنش کی اجازت دی ہے اور حدیث سے بھی ثبوت ہے۔

کہاں تعزیر ہوگی کہاں نہیں ہوگی؟:

اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "اگر کوئی شخص کسی کو ایسے اختیاری عمل کی طرف منسوب کرے جو شریعت میں حرام ہو اور عرف عام میں باعث شرم ہو تو ایسی صورت میں قائل پر تعزیر ہوگی اگر عمل منسوب اختیاری سے ہو یا اختیاری تو ہو مگر شریعت میں حرام نہ ہو یا حرام تو ہو مگر عرف عام میں شرم کا باعث نہ ہو تو ایسی صورت میں تعزیر نہ ہوگی"۔

اب متن کی طرف آیئے ا۔اگر کسی نے غیر محصن (لونڈی، غلام، کافر) پر زنا کی تہمت لگائی تو تعزیر ہوگی حد قذف نہ ہوگی۔

۲۔اگر صراحتاً زنا کی تہمت لگانے کی بجائے کسی دوسرے گناہ کبیرہ (کسی کو فاسق، خبیث، کافر کہا) کی تہمت لگائی تو بھی تعزیر ہوگی۔

۳۔اگر کسی کو کسی جانور کا نام لے کر پکارا مثلاً اے گدھے، اے خنزیر وغیرہ تو تعزیر نہ ہوگی لیکن جس معاشرے میں یہ الفاظ گالی ہوں مثلاً ہمارے معاشرے میں تو تعزیر ہوگی تعزیر کا مدار عرف پر ہے۔

تعزیر کی مقدار:

قوله: والتعزير الخ: چونکہ حدیث میں تعزیر کی اتنی سخت سزا سے منع کیا گیا ہے جو حد کو چھو جائے اسی بنا پر طرفین کے نزدیک کم از کم (۳) اور زیادہ سے زیادہ (۳۹) جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک (۷۵) کوڑوں تک سزا دی جاسکتی ہے اور امام شافعی کے نزدیک زیادہ سے زیادہ (۱۹) جب کہ امام مالک کے نزدیک کوئی حد نہیں قاضی کی رائے پر موقوف ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

طرفین کے قول پر فتویٰ ہے (كان الاحتياط فيما قاله ابو حنيفه "بدائع الصنائع"، الاقتصار على قول الطرفين "خانيه" دیگر متون على قول الطرفين)

کم از کم تعداد پر قول مختار:

متون میں کم از کم تعزیر کی تعداد تین کوڑے بیان کی ہے مگر اصحاب شروح نے اسی طرح دیگر فقہاء کرام نے قاضی کی صوابدید پر لوگوں کی طبیعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔

کوڑوں اور قید کو جمع کرنا:

قوله: وان راى الخ: حاکم وقت کو جرم کی حیثیت کے مطابق کوڑوں کی سزا کے ساتھ قید کی سزا دینا بھی جائز ہے کہ جس

طرح موجودہ دور میں عدالتی فیصلے چشم دید ہیں۔

سزا دینے میں شدت وضعف کی درجہ بندی:

قولہ:واشد الخ:سزاؤں میں سے سب سے سخت سزا تعزیر کی ہے پھر زنا کی پھر حد شراب کی پھر سب سے ہلکی حد قذف کی سزا ہے۔

تعزیر میں فوت ہونے پر ضمان کا حکم:

قولہ:ومن حد الخ:احناف کے نزدیک اگر حاکم سے کوئی حد یا تعزیر میں فوت ہو جائے تو خون معاف ہے جب کہ دیگر آئمہ کے نزدیک تعزیر میں فوت ہونے پر بیت المال سے دیت ادا کی جائے گی۔

محدود فی القذف کی گواہی:

قولہ:واذا حد الخ: وہ شخص کہ جس کو قذف لگائی گئی وہ دو حال سے خالی نہیں کہ مسلمان ہے یا کافر، اگر مسلمان ہے تو احناف کے نزدیک اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ توبہ کر لے کہ آیت کریمہ میں ان کی توبہ کے باوجود گواہی کی عدم قبولیت کو ابدًا سے مؤکد کیا گیا ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک توبہ کے بعد قبول کی جائے گی۔اگر حد کے وقت کافر تھا بعد میں اسلام لے آیا تو گواہی قابل قبول ہوگی کہ اسلام نے پہلے تمام گناہ مٹا دیئے ہیں۔

كتاب السرقة وقطاع الطريق

امام قدوری نے اس کتاب میں دو امور کے احکام کو بیان کیا ا۔سرقہ ۲۔حرابہ (قطاع الطریق) پہلے سرقہ اور اس کے احکام کو بیان کریں گے پھر حرابہ کو بیان کریں گے۔

سرقہ کا لغوی معنی:

کسی چیز کو چھپا کر یا حیلہ بازی کے ذریعے لینے کو سرقہ کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

متن میں آرہا ہے۔اسی طرح سزا و شرائط بھی متن میں آرہی ہیں۔

إِذَا سَرَقَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ أَوْ مَا قِيمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً كَانَتْ أَوْ غَيْرَ مَضْرُوْبَةٍ مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيْهِ وَجَبَ الْقَطْعُ وَالْحُرُّ وَالْعَبْدُ فِي الْقَطْعِ سَوَاءٌ وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِإِقْرَارِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً أَوْ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَإِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِي سَرِقَةٍ فَأَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ قُطِعَ وَإِنْ أَصَابَهُ أَقَلُّ لَمْ يُقْطَعْ

"جب چرالی کسی عاقل، بالغ نے دس درہم یا وہ چیز جو دس درہم کی ہو درہم سکہ ہوں یا بغیر سکہ کے ایسی محفوظ جگہ سے ہو کہ جس میں کوئی شبہ نہ ہو ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور اس میں غلام اور آزاد برابر ہیں اور اس کے ایک مرتبہ اقرار کرنے سے قطع ید واجب ہو جاتا ہے یا دو گواہوں کی گواہی سے اور اگر ایک جماعت چوری میں شریک ہو اور ہر ایک کو دس درہم پہنچتے ہوں تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور اگر حصہ میں دس درہم سے کم آئے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

سرقہ کی اصطلاحی تعریف:

قولہ:واذا سرق الخ: مصنف نے فقہ حنفی کے مطابق حد سرقہ کے نفاذ کی شرطوں کو جامعیت کے ساتھ اصطلاحی تعریف میں یوں سمو دیا ہے کہ "از روئے شریعت کسی عاقل، بالغ شخص کا کسی دوسرے کے مال محفوظ کو کہ جس کی حفاظت میں شبہ نہ ہو پوشیدہ طور پر لے لینا مال مسروقہ چاہے دس درہم ہوں یا دس درہم کی مالیت کی چیز ہو یہ دراہم چاہے سکے ہوں یا بغیر سکے"۔

سرقہ کی سزا:

قولہ:وجب القطع : اسلام سے قبل بھی چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہی تھی اسلام نے بھی اس کو قائم رکھا جب مال مسروقہ احناف کے نزدیک دس درہم یا اس کی مالیت کو پہنچتا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا ہاتھ کاٹنے کی کیفیت پر بحث آگے آنے والی ہے۔

ایک درہم موجودہ اوزان میں بعض کے نزدیک ۳.۰۶۱ گرام اور بعض کے نزدیک ۳.۰۱۲ گرام کے برابر ہے لہٰذا مجموعی لحاظ

سے ۳۰.۶۱ یا ۳۰.۳۶ گرام چاندی بنتا ہے اب فی گرام چاندی کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے مجموعی گرام کے ساتھ ضرب دیں جو حاصل ہوگا وہ رقم نصاب سرقہ ہوگی۔ جب کہ شافعیہ کے نزدیک چوتھائی دینار، مالکیہ کے نزدیک سونا ہو تو چوتھائی دینار، چاندی یا اور مال ہو تو تین درہم اور حنابلہ کے نزدیک سونا ہو تو چوتھائی دینار چاندی ہو تو تین درہم اور مال ہو تو دونوں میں سے کم قیمت کے برابر ہو۔ حد سرقہ میں غلام اور آزاد دونوں برابر ہیں۔

ثبوت سرقہ کے ذرائع:

قوله:ویجب الخ: قاضی کے نزدیک سرقہ ثابت ہونے کے دو ہی ذریعے ہیں۔ ۱۔ اقرار ۲۔ شہادت۔ سارق اگر خود قاضی کے پاس سرقہ کا صریح الفاظ میں اقرار کرلے تو سرقہ ثابت ہو جائے گا طرفین کے نزدیک ایک بار اقرار بھی کفایت کرتا ہے۔ حدود قصاص کے عمومی قانون کے تحت سرقہ کی گواہی میں بھی ضروری ہے کہ گواہ صرف مرد ہوں، عادل ہوں، معتبر ہوں، خود اصالۃً گواہی دیں لہٰذا خواتین اور فساق کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ دور حاضر میں اکثر فاسق ہی ہیں ان کی گواہی کے متعلق کتاب الشہادت میں بحث لائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سرقہ میں جماعت کا شریک ہونا:

قوله:واذا مشترك الخ: اگر چوری میں ایک جماعت شریک ہو اور ہر ایک کے حصہ میں دس درہم یا اس کی مالیت کا سامان آتا ہو تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اگر دس درہم سے کم ہو تو حد جاری نہ ہوگی مال کا ضمان ضروری ہوگا۔

وَلَا قَطْعَ فِيمَا يُوجَدُ تَافِهًا مُبَاحًا فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ كَالْخَشَبِ ، وَالْحَشِيشِ ، وَالْقَصَبِ ، وَالسَّمَكِ ، وَالصَّيْدِ ، وَالطَّيْرِوَلَا فِيمَا يُسْرِعُ اِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ ، وَاللَّبَنِ ، وَاللَّحْمِ ، وَالْبِطِّيخِ وَالْفَاكِهَةُ عَلَى الشَّجَرِ ، وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُحْصَد،وَلَا قَطْعَ فِي الْأَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ وَلَا فِي الطُّنْبُورِ وَكَذَا الدُّفُ ، وَالْمِزْمَارُ وَلَا فِي سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَّلَا فِيْ صَلِيبِ الذَّهَبِ ، وَالْفِضَّةِ وَلَا فِي الشِّطْرَنْجِ وَلَا النَّرْدِ وَلَا قَطْعَ عَلٰى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْحُرِّ وَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ وَلَا قَطْعَ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الْكَبِيرِ وَيُقْطَعُ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ وَلَا قَطْعَ فِي الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا اِلَّا فِيْ دَفَاتِرِ الْحِسَابِ

”اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ان چیزوں میں جو معمولی پائی جاتی ہوں اور وہ دار الاسلام میں مباح ہوں مثلاً لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی کا شکار اور ان چیزوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جو جلد خراب ہوتی ہوں جیسے تر میوے، دودھ، گوشت، تربوز، درخت میں لگے ہوئے پھل اور وہ کھیتی جو نہ کاٹی گئی ہو اور ہاتھ کاٹنا نشہ آور شرابوں میں نہیں نہ باجے میں نہ قرآن مجید کی چوری کرنے میں اگرچہ اس پر سونا لگا ہوا ہو اور نہ سونے اور نہ چاندی کی صلیب میں نہ شطرنج میں اور نرد میں اور کم سن آزاد بچے کو چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا نہیں اگرچہ اس کے جسم پر زیور ہو اور بڑے غلام کو چرانے والے پر قطع ید نہیں اور نابالغ غلام کو چرانے والے پر قطع ید ہے تمام قسم کے رجسٹر کے چرانے میں قطع ید نہیں سوائے حساب کے رجسٹر میں“۔

ہاتھ نہ کاٹنے کی بعض صورتیں:

قولہ:ولا یقطع الخ: امام قدوری اس عبارت سے ان صورتوں کا آغاز کر رہے ہیں کہ جن صورتوں میں سرقہ کی شرائط نہ پائی جانے پر حد جاری نہیں ہوتی اور حد سرقہ کے متعلق شرائط چار طرح کی ہیں۔ا۔سارق کے متعلق، عاقل، بالغ، قادر الکلام، بینا، حالت جبر میں چوری نہ ہو، اسلامی حکومت میں ہو ۲۔مال مسروق کے متعلق ۳۔مالک مال کے متعلق ۴۔سرقہ کے مقام کے متعلق لیکن حد جاری نہ ہونے سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ سزا ہی نہیں بلکہ جہاں حد جاری نہ ہوتی ہو وہاں تعزیر ہوتی ہے جس میں زیادتی و کمی، شدت وضعیف کا مدار قاضی کی رائے پر ہے۔اب ہاتھ نہ کاٹنے کی صورتوں کو ملاحظہ کیجئے۔ا۔ایسی چیزیں جو اصولاً مباح عام ہوں لوگوں کو ان میں رغبت نہ ہوتی ہو ان کو معمولی سمجھا جاتا ہو جیسا کہ امام قدوری نے اس کی مثال لکڑی، گھاس وغیرہ سے دی ہے لیکن مال کے متعلق یہ بات پیش نظر رہے کہ مال کی تعریف میں ہر دور کے عرف کا بھی لحاظ ہوگا لہٰذا ہمارے عرف میں یہ چیزیں مال ہیں کہ خریدی اور بیچی جاتی ہیں اگر ناکارہ ہو تو وہ الگ معاملہ ہے۔ ۲۔جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہوں وہ بھی سرقہ کی اصطلاحی تعریف پر پوری نہیں اترتیں۔ ۳۔جس مال کی حفاظت مکان یا سامان یا چوکیدار کے ذریعے نہ ہو تو سرقہ نہ ہوگا لہٰذا درختوں سے پھل، کھیتی سے فصل لینا، عام کھلی جگہ سے کوئی چیز اٹھالینا۔ ۴۔جس فعل میں تاویل ہوسکتی ہو مثلاً نشہ آور شرابوں کو لینا، باجے ومزامیر لینا وغیرہ حرام چیزیں توڑنے کی نیت سے اٹھانے کی تاویل ہوسکتی ہے یوں ہی قرآن مجید اٹھالیا تب بھی پڑھنے کی نیت سے تاویل ہوسکتی ہے اگرچہ قرآن مجید پر زیور ہو کہ زیور تو تابع ہے اصل نہیں یوں ہی آزاد نابالغ کو اٹھالیا اگرچہ بدن پر زیور ہو زیور تو تابع ہے اور آزاد مال نہیں اور بڑے غلام کو چرانے پر حد نہیں اور نابالغ کے چرانے پر حد ہے۔

وَلَا قَطْعَ فِيْ سَرِقَةِ كَلْبٍ وَّلَا فَهْدٍ وَّلَا دُفٍّ وَلَا طَبْلٍ وَّلَا مِزْمَارٍ وَّيُقْطَعُ فِي السَّاجِ، وَالْقَنَا، وَالْآبَنُوْسِ، وَالصَّنْدَلِ وَإِذَا اتُّخِذَ مِنَ الْخَشَبِ أَوَانِيْ أَوْ أَبْوَابٌ قُطِعَ فِيْهِمَا وَلَا قَطْعَ عَلٰى خَائِنٍ وَّلَا خَائِنَةٍ وَّلَا نَبَّاشٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَّلَا مُخْتَلِسٍ وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَا مِنْ مَالٍ لِلسَّارِقِ فِيْهِ شِرْكَةٌ وَّمَنْ سَرَقَ مِنْ أَبَوَيْهِ أَوْ وَلَدِهٖ أَوْ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنْهُ لَمْ يُقْطَعْ وَكَذَا إِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخَرِ أَوِ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهٖ أَوْ مِنِ امْرَأَةِ سَيِّدِهٖ أَوْ زَوْجِ سَيِّدَتِهٖ أَوِ الْمَوْلٰى مِنْ مُكَاتَبِهٖ وَكَذَا السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ.

''اور کتے، چیتے، دم، ڈھول اور سارنگی چرانے والے کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے اور ساگوان، نیزے کی لکڑی، آبنوس اور صندل میں ہاتھ کاٹے جائیں گے اور جب لکڑی سے برتن بنائے گئے ہوں یا دروازے تو ہاتھ کاٹے جائیں گے اور خائن مرد اور خائنہ عورت پر کفن چور، لٹیرے اور اچکے پر قطع ید نہیں اور بیت المال سے لینے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور نہ ایسے مال سے ہاتھ کاٹا جائے گا جس میں چور کی شرکت ہو اور جس شخص نے اپنے والدین، اپنے بیٹے یا ذی رحم محرم کی کوئی چیز چرالی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اسی طرح اگر زوجین میں سے کوئی دوسرے کا مال چرالے یا غلام اپنے آقا کی یا اپنے آقا کی بیوی کی یا اپنی سیدہ کے شوہر کی یا آقا اپنے مکاتب کی کوئی چیز چرالے اور اسی طرح مال غنیمت سے

چرانے والا''۔

ہاتھ کاٹنے اور نہ کاٹنے کی بعض صورتیں:

قولہ:ولا يقطع الخ: متن سے مسائل واضح ہیں تاہم بعض اصول بیان کیے جاتے ہیں۔

سرقہ کے متعلق بعض اصول:

۱۔حرام چیزیں شریعت کی نگاہ میں معمولی ہیں مال نہیں۔ ۲۔ جو چیزیں ایک حالت میں غیر معمولی ہیں تو اس صورت میں حد جاری ہوگی دوسری حالت میں معمولی ہیں تو حد جاری نہ ہوگی۔ ۳۔امانت میں خیانت کر لینا چوری کا معنی نہیں پایا جاتا۔ ۴۔کسی مال میں خود چور کا بھی حق ہو تو حد جاری نہ ہوگی۔ ۵۔جن افراد کا ایک دوسرے سے بہت زیادہ قرب ہو تو وہ گھر محفوظ نہیں۔ ۶۔دوسرے کے مال میں کچھ نہ کچھ اپنا حصہ سمجھتا ہو۔ ۷۔مال ہر وہ شی ہے جو شرعا مباح، قابل انتفاع اور مادی یا معنوی طور پر قابل حفاظت ہو اور کسی شی کے مال ہونے کی اصل، اساس و بنیاد عرف ہے۔

وَالْحِرْزُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ حِرْزٌ لِمَعْنًى فِيْهِ كَالْبُيُوْتِ، وَالدُّوْرِ وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ وَإِنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ أَوْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفَظُهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ وَلَا قَطْعَ عَلٰى مَنْ سَرَقَ مِنْ حَمَّامٍ أَوْ مِنْ بَيْتٍ أُذِنَ لِلنَّاسِ فِيْ دُخُوْلِهِ وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ وَلَا قَطْعَ عَلَى الضَّيْفِ إِذَا سَرَقَ مِمَّنْ أَضَافَهُ وَإِذَا نَقَبَ اللِّصُّ الْبَيْتَ وَدَخَلَ فَأَخَذَ الْمَالَ وَنَاوَلَهُ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْهُمَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الطَّرِيْقِ ثُمَّ خَرَجَ فَأَخَذَهُ قُطِعَ وَكَذٰلِكَ إِنْ حَمَلَهُ عَلٰى حِمَارٍ وَسَاقَهُ فَأَخْرَجَهُ وَإِذَا دَخَلَ الْحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتَوَلّٰى بَعْضُهُمُ الْأَخْذَ قُطِعُوْا جَمِيْعًا. وَمَنْ نَقَبَ الْبَيْتَ وَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهِ فَأَخَذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ وَإِنْ أَدْخَلَ يَدَهُ فِيْ صُنْدُوْقِ الصَّيْرَفِيِّ أَوْ فِيْ كُمِّ غَيْرِهِ فَأَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ

''اور محفوظ مقام کی دو قسمیں ہیں ایک محفوظ وہ مقام ہے جو اپنے معنی کی وجہ سے ہے جیسے گھر اور کوٹھیاں اور دوسرا محفوظ مقام وہ جو نگہبان اور محافظ کے ذریعے ہو پس جس شخص نے کوئی چیز محفوظ یا غیر محفوظ مقام سے چرائی جب چیز کا مالک اس کے پاس موجود ہو اس کی حفاظت کرتا ہو تو اس پر قطع ید واجب ہوگا اور اس شخص پر قطع ید نہیں کہ جس نے کسی کام یا کسی ایسے گھر سے چوری کی جس میں لوگوں کی آمد و رفت کی اجازت دی گئی ہو اور جس شخص نے مسجد سے مال چرایا جب مالک سامان اس کے پاس موجود ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور مہمان پر قطع ید نہیں اگر اس نے میزبان کی کوئی چیز چوری کر لی اور اگر چور نے گھر میں نقب زنی کی اور داخل ہو کر مال اٹھا لیا اور اسے کسی دوسرے کو دے دیا جو گھر سے باہر تھا تو ان تمام پر قطع ید نہیں اگر مال کو راستے میں ڈال دیا یا پھر وہاں سے نکلا اور اس کو اٹھا لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اسی طرح اگر چور مال کو گدھے پر لاد کر ہانک دے اور اس کو باہر لے آئے اور اگر کوئی جماعت مکان محفوظ میں داخل ہوئی اور بعض نے مال لے لیا تو تمام کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور جس شخص کے گھر میں نقب لگایا اور اپنا ہاتھ اس میں داخل

کردیا اور کوئی چیز لے لی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر اپنا ہاتھ زرگر کے صندوق میں یا کسی کے جیب میں داخل کیا اور مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا‘‘۔

حفاظت کی اقسام:

قولہ:واطرز الخ: حفاظت کو عربی میں ’’حرز‘‘ کہا جاتا ہے اصطلاح شریعت میں اس مقام کو کہا جاتا ہے کہ ’’جس میں عادةً مال کی حفاظت کی جائے۔‘‘ حرز کی دو قسمیں ہیں۔(الف) حرز مکان جیسے گھر، دوکان، خیمہ، صندوق، جیب وغیرہ ان سے چوری کرنے پر حد سرقہ جاری ہوگی (ب) حرز نگہبان جیسے چوکیدار کہ جس کی وجہ سے غیر محفوظ چیز بھی محفوظ بن جاتی ہے اس جگہ سے بھی چوری کرنے پر حد سرقہ جاری ہوگا اسی طرح اگر خود مالک حفاظت کر رہا ہے چاہے مقام محفوظ نہ بھی ہو تب بھی چوری پر حد سرقہ نافذ ہوگی۔

اذن عام کے مقام سے چوری پر سرقہ کا حکم:

قولہ:ولا قطع الخ: اگر کسی نے چیز ایسی جگہ سے اٹھالی کہ جس جگہ لوگوں کو آنے جانے کی اجازت ہو مثلاً حمام، ہوٹل، بیٹھک وغیرہ تو حد سرقہ جاری نہ ہوگی یوں ہی مسجد سے سامان اٹھالیا بشرطیکہ مالک یا گارڈ حفاظت نہیں کر رہا تو بھی حد سرقہ نہیں جاری ہوسکتی اگر حفاظت کر رہا ہو تو چوری پر حد جاری ہوگی۔

مہمان کے چوری کرنے پر حکم

قولہ:ولا قطع الخ: اگر مہمان نے میزبان کے گھر سے چوری کرلی تب بھی حد سرقہ جاری نہ ہوگی کیونکہ مہمان کے لیے میزبان کا گھر آمد کی وجہ سے حرز نہیں رہا۔

چوری کی چند صورتیں مع حکم:

قولہ:اذا نقص الخ: آنے والا مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ’’چوری اس کو کہتے ہیں کہ گھر کے اندر جا کر خود مال ساتھ لے کر باہر آئے یا باہر سے خود اٹھا کر ساتھ لے جائے یا خود کسی چیز پر رکھ کر باہر لایا تو سرقہ کہلائے گا‘‘ اگر اس کے خلاف ہو کہ چور نے اندر داخل ہو کر سامان باہر کھڑے شخص کو دے دیا یا باہر پھینک دیا یا کوئی اور اٹھا کر لے گیا تو سرقہ نہیں اگر خود لے گیا یا خود اٹھا لے گیا، خود کسی چیز پر لاد کر باہر لے آیا تو سرقہ ہے۔

چوروں کی گینگ:

قولہ:واذا دخل الحرز الخ: اگر چوروں کی ایک جماعت گھر میں داخل ہوئی ان میں سے بعض نے سامان لیا اور بعض نے نہیں تو سب پر حد سرقہ جاری ہوگی یہ مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ ’’چوری کی مدد کرنے والا بھی مال اٹھانے والا اور ساتھ لے جانے والا ہے‘‘ کیونکہ بعض چور نگاہ رکھتے ہیں کہ کوئی آنہ جائے بعض مال اٹھاتے ہیں اس لیے پوری چوروں کی گینگ پر حد جاری

ہوگی۔

نقب زنی، صندوق وجیب سے چوری کا حکم:

قولہ: ومن نقب الخ: اگر کسی نے دیوار میں نقب لگا کر باہر سے ہی اندر ہاتھ داخل کر کے سامان اٹھالیا تو سرقہ نہ ہوگا کہ خود اندر داخل نہیں ہوا۔ لیکن صندوق اور جیب میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو سرقہ کہلائے گا کیونکہ ان میں مرد کا داخل ہونا ممکن نہیں۔

وَيُقْطَعُ يَمِيْنُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ فَاِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرٰى فَاِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ يُقْطَعْ وَخُلِّدَ فِي السِّجْنِ حَتّٰى يَتُوْبَ وَاِنْ كَانَ السَّارِقُ اَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرٰى اَوْ اَقْطَعَ اَوْ مَقْطُوْعَ الرِّجْلِ الْيُمْنٰى لَمْ يُقْطَعْ وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ اِلَّا اَنْ يَحْضُرَ الْمَسْرُوْقُ مِنْهُ فَيُطَالِبَ بِالسَّرِقَةِ فَاِنْ وَهَبَهَا مِنَ السَّارِقِ اَوْ بَاعَهَا مِنْهُ اَوْ نَقَصَتْ قِيْمَتُهَا عَنِ النِّصَابِ لَمْ يُقْطَعْ وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ فِيْهَا وَرَدَّهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ وَاِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ اِنْ كَانَتْ غَزْلًا فَسَرَقَهُ فَقُطِعَ فِيْهِ فَرَدَّهُ ثُمَّ نُسِجَ فَعَادَ فَسَرَقَهُ قُطِعَ. وَاِذَا قُطِعَ السَّارِقُ، وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ فِيْ يَدِهٖ رُدَّتْ عَلٰى صَاحِبِهَا وَاِنْ كَانَتْ هَالِكَةً لَمْ يَضْمَنْهَا وَاِنِ ادَّعَى السَّارِقُ اَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوْقَةَ مِلْكُهٗ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَاِنْ لَّمْ يُقِمْ بَيِّنَةً

"اور چور کا داہنا ہاتھ گٹوں سے کاٹا جائے گا اور داغ دیا جائے گا اب اگر اس نے دوبارہ چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے گا اس کے بعد اگر تیسری بار چوری کی تو کاٹا نہیں جائے گا بلکہ قید میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ توبہ کرلے اور اگر چور کا بایاں ہاتھ خشک یا کٹا ہوا ہو یا داہنا پاؤں کٹا ہوا ہو تو کاٹا نہیں جائے گا اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر یہ کہ مسروق منہ موجود ہو اور چوری کا دعویٰ کرے۔ اب اگر مسروق منہ نے سارق کو وہ مال دے دیا اس کو فروخت کردیا یا اس کی قیمت نصاب سے کم ہوگئی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر وہ چیز اپنی حالت سے تبدیل ہوگئی ہو مثلاً سوت تھا اس کو چوری کرلیا پھر اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور اس کو وہ واپس کردے پھر مالک نے اس کا کپڑا بنالیا پھر وہ چور آیا اور اس کو چرالیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور چیز اس کے قبضے میں ویسے ہی موجود ہو تو وہ واپس کرے گا اور اگر وہ ہلاک ہو چکی ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور جب چور نے دعویٰ کیا کہ مسروقہ چیز میری ملک ہے تو اس سے قطع ید ساقط ہوجائے گا۔ اگرچہ اس پر گواہ پیش نہ کرسکے"۔

سزا کی تنفیذ کا طریقہ:

قولہ: ویقطع الخ: سزا جاری کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ موسم ایسا شدید نہ ہو کہ مجرم کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو اس بات پر سبھی آئمہ کرام کا اتفاق ہے کہ پہلی مرتبہ چوری کرنے پر چور کا داہنا ہاتھ جوڑ سے کاٹا جائے گا اگر پھر چوری کرتا ہے تو دوسری مرتبہ بایاں پاؤں ٹخنے کے جوڑ سے کاٹا جائے گا اس کے بعد تیسری یا چوتھی مرتبہ چوری کرے تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک اسے قید کردیا جائے گا۔ یہاں تک کہ چوری کے فعل سے توبہ کرلے۔ جب کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک تیسری بار چوری

کرنے پر بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ داہنا پاؤں کاٹا جائے گا۔ ہاتھ یا پاؤں کاٹنے کے بعد ضروری ہے کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ خون بند ہو جائے ورنہ خون کے بہنے سے ہلاکت کا خدشہ ہے۔ اس تدبیر کے لیے زمانہ قدیم میں خاص قسم کا تیل اور گرم لوہے سے داغنے کا عمل کیا جاتا تھا لیکن دورحاضر کی ترقی یافتہ میڈیکل اور طب نے جدید ادویہ وانجکشن ایجاد کر لیے ہیں جو خون کو بند کر دیتے ہیں۔

داہنا ہاتھ کی منفعت معدوم ہو تو؟

قولہ:وان کا السارق الخ: چوری میں پہلی مرتبہ داہنا ہاتھ کاٹا جاتا ہے لیکن اگر چور کا داہنا ہاتھ پہلے سے ہی کٹا ہوا ہے یا شل ہے تو بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تا کہ استنجا وغیرہ کرنے سے محروم نہ ہو جائے یوں ہی اگر دوسری مرتبہ چوری کرنے پر بایاں پاؤں کاٹا جاتا ہے اگر پہلے سے کٹا ہوا ہے تو دایاں پاؤں نہیں کاٹا جائے گا تا کہ چلنے سے معذور نہ ہو جائے بلکہ توبہ کرنے تک پابند سلاسل کر دیا جائے گا۔

ہاتھ کاٹنے کے لیے دو شرطیں:

قولہ:ولا یقطع الخ: ۱۔مسرق منہ ہاتھ کاٹنے کا مطالبہ کرے ۲۔مسرق منہ سزا کے وقت موجود بھی ہو کہ ہو سکتا ہے مسروق منہ سارق کو معاف کر دے۔ اس لیے اگر وہاں حاضر ہو گا تو معافی کا احتمال ختم ہو جائے گا کہ سزا کے نفاذ پر مصر ہے۔

چور کو ہبہ کرنا یہ بیچنا:

قولہ:فان وھبھا الخ: اگر مالک نے چوری شدہ مال قاضی کے فیصلہ سے پہلے چور کو ہبہ کر دیا یا اسے بیچ دیا تو حد ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر مال کی مالیت قاضی کے فیصلے سے پہلے نصاب سے کم نکلی تب بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا یہ مذہب طرفین کا ہے۔

ایک چیز کی چوری کے بعد چوری:

قولہ:ومن سرق عیناً الخ: اگر ایک چیز چوری کی گئی جس کی وجہ سے ہاتھ کاٹا گیا اور وہ مالک کے حوالے کی گئی پھر اس نے وہی چرالی تو اگر اس چیز کی حالت سابقہ ہی ہے تو قطع ید نہیں ہو گا اگر حالت بدل چکی ہے تو قطع ید ہو گا۔ مثلاً پہلے روئی چوری کی اس پر ہاتھ کاٹا گیا اس کو مالک کے حوالے کر دیا گیا پھر اس کو چوری کیا تو اس سے سوت یا کپڑا بن گیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اصول ہے کہ ''جب چیز کی اصلیت اور نام بدل جائے تو چیز حکم کے اعتبار سے پہلی نہیں رہتی'' لہٰذا حکم بھی پہلے سے الگ لگے گا۔

مال مسروقہ کا حکم:

قولہ:واذا قطع الخ: چور پر حد سرقہ نافذ ہوئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو اگر مال موجود ہے تو واپس کیا جائے گا اگر ہلاک ہو گیا ہے تو ضامن ہو گا اگر حد سرقہ جاری ہوئی تو مال مسروقہ دو حال سے خالی نہیں کہ مال موجود ہے یا نہیں اگر موجود ہے تو واپس کیا جائے گا کیونکہ مال کی موجودگی میں مالک کی ملکیت مال پر برقرار رہتی ہے۔ اگر ہلاک ہو گیا یا ہلاک کر دیا تو ضمان لازم نہیں آئے گا کیونکہ آیت سرقہ میں ''جزاء بما'' میں ما عام غیر مخصوص البعض ہے کہ جس کا تقاضا ہے کہ چور کی جانب سے چاہے مال ہلاک ہو یا

ہلاک کیا ہو ہر دو صورتوں میں حد سرقہ قطع ید ہے۔ جب کہ شافعیہ کے نزدیک ضمان واجب ہے۔

مال پر چور کا دعویٰ:

قولہ: واذا ادعی الخ: اگر چوری کردہ مال پر چور نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا تو حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ اصول یہ ہے کہ "جب مسروقہ مال میں چور کے حصے کا شبہ پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے" چونکہ دعویٰ کی وجہ سے حصے میں شبہ ہو گیا ہے لیکن مال کا تاوان دینا پڑے گا۔

وَاِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعُونَ اَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْاِمْتِنَاعِ فَقَصَدُوْا قَطْعَ الطَّرِيْقِ فَأُخِذُوْا قَبْلَ اَنْ يَأْخُذُوْا مَالًا وَلَا قَتَلُوْا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْاِمَامُ حَتّٰى يُحْدِثُوْا تَوْبَةً فَاِنْ اَخَذُوْا مَالَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ، وَالْمَأْخُوْذُ اِذَا قُسِمَ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ اَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا اَوْ مَا قِيْمَتُهُ ذٰلِكَ قَطَعَ الْاِمَامُ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَاِنْ قَتَلُوْا وَلَمْ يَأْخُذُوْا مَالًا قَتَلَهُمُ الْاِمَامُ حَدًّا حَتّٰى لَوْ عَفَا عَنْهُمُ الْاَوْلِيَاءُ لَمْ يُلْتَفَتْ اِلٰى عَفْوِهِمْ وَاِنْ قَتَلُوْا وَاَخَذُوا الْمَالَ فَالْاِمَامُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَّقَتَلَهُمْ صَلْبًا وَاِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ وَيُصْلَبُوْنَ اَحْيَاءً ثُمَّ تُبْعَجُ بُطُوْنُهُمْ بِالرُّمْحِ اِلٰى اَنْ يَّمُوْتُوْا وَلَا يُصْلَبُوْنَ اَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَاِنْ كَانَ فِيْهِمْ صَبِيٌّ اَوْ مَجْنُوْنٌ اَوْ ذُوْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنَ الْمَقْطُوْعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِيْنَ، وَصَارَ الْقَتْلُ اِلَى الْاَوْلِيَاءِ اِنْ شَاءُوْا قَتَلُوْا وَاِنْ شَاءُوْا عَفَوْا وَاِنْ بَاشَرَ الْفِعْلَ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ اُجْرِيَ الْحَدُّ عَلٰى جَمِيْعِهِمْ۔

"اور جب ایک جماعت راستہ روکنے والی نکلی یا ایک شخص ایسا نکلا جو روکنے پر قادر ہے تو انہوں نے راستہ روکنے کا ارادہ کر لیا اور یہ گرفتار کر لیے گئے اس سے قبل کہ وہ مال لے لیں یا کسی کو قتل کر ڈالیں تو امام ان کو قید کر دے گا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں اگر وہ کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے لیں اور مال لیا ہوا اتنا ہو کہ جب تقسیم کیا جائے جماعت پر تو ان میں سے ہر ایک کو دس دراہم یا اس سے زیادہ مل جائیں یا اس کی قیمت مل جائے تو امام ان کے ہاتھ پاؤں خلاف جانب کاٹ دے اور اگر انہوں نے کسی کو قتل کر دیا اور مال نہیں لیا تو امام ان کو بطور حد قتل کر دے گا یہاں تک کہ اگر مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو امام ان کی معافی کی طرف توجہ نہیں کرے گا اور اگر انہوں نے قتل بھی کیا اور مال بھی لے لیا تو امام کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو ان کے ہاتھ پاؤں خلاف جانب سے کاٹ دے اور ان کو قتل کر دے یا سولی چڑھا دے اور اگر چاہے تو قتل کر دے اور اگر چاہے تو سولی چڑھا دے اور ان کو زندہ سولی چڑھایا جائے گا اور ان کے پیٹوں کو نیزوں سے پھاڑا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائیں اور ان کو تین دن سے زیادہ سولی پر نہیں لٹکایا جائے گا۔

ڈاکے کے احکام:

قولہ: واذا خرج الخ: اسلام نے قانون جرم و سزا میں جن جرائم کی سزا شرعی طور پر مقرر کی ہے ان میں سے ایک

"قطع الطریق" بھی ہے جو "حرابہ" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ ڈاکے کی سزا خود قرآن مجید میں سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۳ میں ہے۔

قطع الطریق کی تعریف:

"طاقت ور جماعت یا طاقتور شخص اسلحہ وغیرہ کے زور پر راہ گیروں یا کسی قافلہ و جماعت کو شہر یا غیر شہر میں لوٹ لیں اور قتل و غارت کریں تو قطع الطریق کہلائے گا" اسی مفہوم کو ہماری زبان میں ڈاکہ، ڈکیتی اور رہزنی کہا جاتا ہے لیکن دور حاضر میں ایسے اسلحہ ایجاد ہوئے ہیں کہ کمزور آدمی بھی طاقتور شخص کو زیر کرسکتا ہے عام فقہاء اور امام طحاوی کے نزدیک طاقتور کا ہونا ضروری نہیں اور نہ مرد وعورت میں فرق ہے۔

قطع الطریق کی چار صورتیں:

قولہ: مقصدوا الخ: ڈکیتی کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔ ۱۔ ڈکیتی کے ارادے سے نکلے کہ کارروائی کرنے سے پہلے ہی گرفتار ہوگئے کہ نہ کسی کو ڈرایا دھمکایا، نہ مال لوٹا، نہ کسی کو قتل کیا تو "محارب" نہیں کہلائے گا حاکم ان کو پابند سلاسل کردے یہاں تک کہ توبہ کرلیں۔ ۲۔ انہوں نے حملہ کرکے مال لے لیا قتل نہیں کیا۔ اگر وہ مال سب پر دس دس درہم کی مقدار تقسیم ہوسکتا ہے تو ہر ایک کا ایک دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دے اگر ہر ایک کے پاس دس درہم کی مالیت کا مال نہیں تو حد جاری نہ ہوگی۔ ۳۔ مال تو نہیں لیا مگر کسی کو قتل کردیا تو سب کو قتل کیا جائے گا یہ قتل کرنا قصاصا نہیں ہوگا اس لیے ورثا معاف نہیں کرسکتے بلکہ حقوق اللہ کی وجہ سے سزا نافذ ہوگی۔ ۴۔ مال بھی لیا اور قتل بھی کیا تو امام کو تین اختیار ہیں۔ (الف) ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت کاٹ کر ان کو قتل کردے اور سولی پر چڑھادے (ب) ان کو صرف قتل کردے (ج) ان کو صرف سولی پر چڑھادے۔

ڈکیتی کا ثبوت:

شہادت سے یا اقرار سے ہوگا باقی جو شرائط مال مسروقہ کے لیے تھیں وہی حرابہ میں بھی ضروری ہیں۔

سولی دینے کی کیفیت:

قولہ: ویصلب الخ: سولی دینے کی کیفیت فقہائے احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام کرخی کے نزدیک زندہ شخص کو سولی پر چڑھایا جائے گا اور ہاتھوں کو چھٹے کے ساتھ باندھا جائے گا پھر پیٹ میں نیزے مار کر قتل کیا جائے گا جب کہ احناف میں سے امام طحاوی کا نظریہ قتل کے بعد سولی پر لٹکانے کا ہے تاہم متن میں مسئلہ امام ابو یوسف کے مذہب پر ہے اور سولی پر تین دن تک لاش لٹکی رہے گی تاکہ عبرت خیز منظر جرائم پیشہ لوگوں کے لیے سامان موعظت بن سکے۔ پھر تعفن کے خوف سے اتار دیا جائے۔

حرابہ اور سرقہ میں فرق:

حرابہ بڑی چوری ہے جو علی الاعلان مار دھاڑ سے ہوتی ہے جب کہ سرقہ چھوٹی چوری ہے جو خفیہ طریقہ سے ہوتی ہے۔

محارب اور باغی میں فرق:

محارب بغیر کسی تاویل کے غارت گری کرتا ہے جب کہ باغی کسی تاویل کے ساتھ حکومت کے خلاف جنگ کرتا ہے۔

سقوط حد کی صورتیں:

قولہ:فان کان الخ: ۱۔ڈاکوؤں کی گینگ میں کوئی بچہ ہو ۲۔مجنون ہو ۳۔ذی رحم محرم ہو تو حد ساقط ہو جائے گی کہ حدود شبہ کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں البتہ اگر قتل کیا ہے تو قصاصاً قتل کیا جائے گا اس کا اختیار ورثاء کو ہے چاہے معاف کردیں۔

جماعت میں سے ایک کا قتل کرنا:

قولہ:وان باشر الخ: اگر ڈاکوؤں کی جماعت میں سے کسی ایک نے کسی کو قتل کر دیا تو سب کو قتل کیا جائے گا کہ ڈاکہ زنی میں بعض قتل کرتے ہیں بعض مدد کرتے ہیں اور بعض نگرانی کرتے ہیں لہٰذا سبھی قتل میں شریک ہیں۔

اسلامی سزاؤں پر ایک نظر:

قصاص ہو یا دیت، رجم ہو یا کوڑے، اعضاء کو کاٹنا ہو یا سولی، ارش ہو یا ضمان سبھی کا مقصد احکام شرعیہ کے مقاصد خمسہ (دین، نفس، عقل، نسل اور مال) کی حفاظت ہے۔انسان کی عظمت اور اس کا شرف صرف اسی صورت میں ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوگا اگر ان احکام سے بغاوت وسرکشی کرے گا تو اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی کہ وہ ہاتھ کہ جس کی قیمت اسلام نے ۵۰ اونٹ مقرر کی ہے مگر جب یہی ہاتھ دس درہم کی چوری کرتا ہے تو دس درہم کے عوض کاٹ کے پھینک دیا جاتا ہے۔جو لوگ یہ کہتے ہیں حدود میں سزائیں غیر انسانی ہیں تو ان سے گزارش ہے کہ جن افعال پر یہ سزائیں قتل، زنا، لواطت، چوری، ڈکیتی، شراب وغیرہ پر دی جاتی ہیں کیا یہ افعال انسانوں کے کام ہو سکتے ہیں اگر یہ سزائیں مسلم ممالک میں یوں جاری ہوتیں کہ جوں فیصلہ ہوا مجمع عام میں میدان عبرت لگ جاتا تو نہ قتل کی کثرت ہوتی نہ زنا کی ہوس پرستی ہوتی نہ چوری ورہزنی ہوتی لیکن اتنے لمبے مقدمے چلتے ہیں کہ ان کے لیے عمر نوح اور خزانہ قارون چاہیے تب جا کر کہیں کسی کھاتے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ملک پاکستان میں نظام مصطفیٰ کا نفاذ ہو۔آمین۔

كتاب الاشربة

اشربہ جمع ہے شراب کی، شراب ہر اس بہتی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جسے پیا جا سکے۔ اصطلاحی معنی میں ان مشروبات کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہوں۔

اَلْاَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ اَرْبَعَةٌ: اَلْخَمْرُ وَهُوَ عَصِيْرُ الْعِنَبِ اِذَا غَلٰى وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ وَالْعَصِيْرُ اِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ اَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ وَنَقِيْعُ التَّمْرِ اِذْ اشْتَدَّ وَغَلَى الزَّبِيْبِ اِذَا غَلٰى وَاشْتَدَّ

”حرام شرابیں چار ہیں خمر جو کہ انگور کا شیرہ ہے جب جوش مارے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے اور شیرہ جب پکایا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم ہو جائے اور نقیع تمر اور نقیع زبیب جب کہ جوش مارے اور تیز ہو جائے“۔

حل لغات: عصیر: نچوڑ، رس۔ غلا: غلیان سے بمعنی جوش مارنا۔ اشتد: تیز ہو جائے۔ قذف: قذف سے بمعنی چھوڑنا۔ الزبد: جھاگ۔

حرام شرابوں کی اقسام:

قوله: الاشربة الخ: وہ مشروبات جو شرعاً حرام ہیں وہ چار طرح کے ہیں۔ ۱۔ خمر ۲۔ عصیر ۳۔ نقیع التمر ۴۔ نقیع الزبیب۔

خمر کا لغوی معنی:

امام اعظم کے نزدیک خمر کا لغوی معنی اور اصطلاحی معنی ایک ہی ہے۔ ”خمر انگور کے اس کچے شیرے (رس) کو کہتے ہیں جو کئی دن چھوڑے رہنے سے جوش کھا کر ابلے اور جھاگ چھوڑے“ جب کہ صاحبین کے نزدیک جھاگ چھوڑنا ضروری نہیں ترجیح امام اعظم کے قول کو ہے اور دیگر تینوں مشروبات پر خمر کا اطلاق بطور مجاز ہے جب کہ باقی فقہاء کرام کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے۔

اختلاف کا حاصل:

امام اعظم کے نزدیک انگور کے نشہ آور کچے شیرے کی حرمت قطعی ہے اور باقی نشہ آور مشروبات کی حرمت ظنی ہے جب کہ دیگر تمام آئمہ کرام کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر ہے اور اس کی حرمت قطعی ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود اس پر اتفاق ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے مگر حرمت کی نوعیت میں اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک خمر مطلقاً حرام ہے چاہے ایک قطرہ ہو نشہ لائے نہ لائے جب کہ دیگر مشروبات نشہ لانے کی مقدار میں پیے جائیں تو نشہ آنے پر حد جاری ہوگی اگر نشہ سے کم مقدار میں پیے تو حرام ہیں نہ کہ نجس اور نہ ہی ان پر حد جب کہ باقی آئمہ کے نزدیک خمر کی طرح باقی شرابوں کا حکم ہوگا احناف کے نزدیک خمر کے علاوہ کی خرید و فروخت جائز ہے۔

عصیر:

"انگور کا پکا ہوا شیرہ جو پکنے کے بعد دو تہائی سے کم حصہ جل جائے جھاگ چھوڑے اور وہ نشہ آور ہو" اگر پکنے کے بعد نصف مقدار باقی رہ جائے تو اسے "مُنَصَّف" ایک تہائی سے زیادہ ہو تو "باذق" اور "طلا" کہا جاتا ہے۔

نقیع التمیر:

وہ مشروب ہے کہ جس میں بن گرم کیے پانی میں کھجور ڈال دی جائے وہ پانی سڑ کر جھاگ چھوڑ دے اور اس سے مٹھاس چلی جائے اس مشروب کو "سکر" بھی کہا جاتا ہے۔

نقیع الزبیب:

وہ مشروب ہے کہ جس بن گرم کیے ہوئے پانی میں کشمش ڈال دی جائے وہ پانی سڑ کر جھاگ چھوڑ جائے اور اس کی مٹھاس چلی جائے ان کا حکم پیچھے خمر کی بحث کے تحت "اختلاف کا حاصل" دیکھیے۔

وَعَصِيرُ الْعِنَبِ إِذَا طُبِخَ حَتَّى ذَهَبَ ثُلُثَاهُ وَبَقِيَ ثُلُثُهُ حَلَالٌ وَإِنِ اشْتَدَّ وَنَبِيذُ التَّمْرِ، وَالزَّبِيبِ إِذَا طُبِخَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا أَدْنَى طَبْخٍ فَهُوَ حَلَالٌ وَإِنِ اشْتَدَّ إِذَا شَرِبَ مِنْهُ مَا يَغْلِبُ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ لَا يُسْكِرُهُ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ وَلَا بَأْسَ بِالْخَلِيطَيْنِ وَنَبِيذُ الْعَسَلِ، وَالْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيرِ، وَالذُّرَةِ حَلَالٌ وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ وَلَا بَأْسَ بِالِانْتِبَاذِ فِي الدُّبَّاءِ، وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُزَفَّتِ، وَالنَّقِيرِ، وَالْمُقَيَّرِ وَإِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ خَلًّا بِنَفْسِهَا أَوْ بِشَيْءٍ طُرِحَ فِيهَا وَلَا يُكْرَهُ تَخْلِيلُهَا۔

"اور نبیذ تمر اور نبیذ زبیب میں سے ہر ایک کو اگر تھوڑا پکایا جائے تو حلال ہے اگر تیز ہو جائے بشرطیکہ اتنا پیے کہ یہ غالب گمان ہو کہ بغیر لہو ولعب کے نشہ نہ لائے گی اور خلیطین میں کوئی حرج نہیں اور شہد، انجیر، گندم، جو اور جوار کی نبیذ حلال ہے اگر چہ نہ جوش دیا گیا ہو اور انگور کا شیرہ اگر اس کو اتنا پکایا جائے کہ اس کا دو ثلث جل ہو جائے تو حلال ہے اگر تیز ہو جائے اور کدو کے برتن میں، سبز رنگ کے گھڑوں، روغن قصیر ملے ہوئے برتنوں میں اور کھوکھلی لکڑی کے برتنوں میں نبیذ بنانے میں کوئی حرج نہیں اور جب خمر سرکہ ہو جائے یا اس میں کسی چیز کے ڈالنے سے اور خمر کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں"۔

حلال مشروبات:

قولہ: و نبیذ التمر الخ: چار مشروبات دو شرطوں کے ساتھ حلال ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ ان کے پینے کا مقصد لہو ولعب نہ ہو بلکہ جسمانی قوت حاصل کرنا مقصود ہو کہ نماز وغیرہ کی ادائیگی بہتر ہو سکے یا مرض سے افاقہ کے لیے ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اتنی مقدار نہ ہو کہ جس سے نشہ آ جائے اگر غالب گمان ہو کہ اس کے پینے سے نشہ آ جائے گا تو پینا درست نہیں ان دو شرطوں کے اجتماع سے آنے والی مشروبات حلال ہیں۔ ا۔ کھجور اور کشمش کی نبیذ خواہ اس کو تھوڑا سا پکایا جائے۔ نبیذ یہ ہوتی ہے کہ مختلف پھلوں خاص کر

خشک اور تر کھجور، انگور اور کشمش کو پانی میں ڈال دیا جائے کہ اس کا اثر ظاہر ہو جائے۔ ۲۔ کھجور اور کشمش کی مخلوط نبیذ جس کو تھوڑا سا پکایا جائے۔ عرب بڑے ذوق سے اس کو پیا کرتے تھے۔ دو پھلوں کو اکٹھے کر کے نبیذ سے احادیث میں ممانعت بھی آئی ہے اور کچھ میں اجازت بھی ہے جن میں ممانعت ہے وہ اس پر محمول ہیں کہ عموماً دو مختلف اثر والے پھلوں کے ملنے سے جلدی نشہ آ جاتا ہے اس لیے ممانعت ہے اور جن میں اجازت ہے وہ نشہ کی حالت پیدا نہ ہونے کی صورت پر محمول ہیں۔ مخلوط نبیذ کو "خلیط" کہا جاتا ہے اور خلیط کی اصطلاح شفعہ اور مشترکہ اموال میں زکوٰۃ کے تحت بھی استعمال ہوتی ہے۔ ۳۔ شہد، گندم اور جوار وغیرہ کی نبیذ پکائی گئی ہو یا کچی ہو ۴۔ مُثَلَّثِ عِنَبِیْ یعنی جو انگور کے رس کو اس قدر پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہے۔ دو شرطوں کے ساتھ بیان کردہ صورتیں شیخین کے نزدیک حلال و طاہر ہیں جب کہ امام محمد کے نزدیک حرام ہیں یہی موقف آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔ "الکحل" کے تحت آخر میں بیان کریں گے۔

چار برتنوں میں نبیذ بنانے کی بحث:

قولہ: ولا باس الخ: زمانہ جاہلیت میں چار برتنوں میں شراب بنائے جاتے تھے کہ جن کی خصوصیت یہ تھی کہ شراب میں جلدی نشہ آ جاتا تھا جب شراب حرام ہوئی تو سدِّ ذرائع کے خاطر ان میں نبیذ بنانے سے روک دیا گیا بعد میں جب لوگوں کو شراب سے نفرت ہو گئی تو ان برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دے دی گئی۔

۱۔ اَلدُّبَّا: کدو کے اندر سے گودہ نکال کر برتن بنایا جائے۔

۲۔ اَلْحَنْتَمُ: سبز اور لال قسم کا مٹکا ہوتا تھا۔

۳۔ اَلْمُزَفَّتُ: یہ زفت سے ماخوذ ہے تارکول جیسی چیز مٹکوں پر ملتے تھے۔ مزفت: وہ برتن کہ جس پر تارکول ملا گیا ہو۔

۴۔ النقیر: نقر سے ماخوذ ہے بمعنی کھودنا۔ اہل عرب لکڑی کو درمیان سے کھود کر برتن بنا لیا کرتے تھے۔ کھودے ہوئے برتن کو نقیر کہا جاتا ہے۔

خمر کا سرکہ بن جانا:

قولہ: واذا تخللت الخ: اگر شراب کو سرکہ بنا دیا جائے یا از خود بن جائے تو اس کا کھانا حلال ہے جب کہ شوافع کے نزدیک مکروہ ہے۔

موجودہ دور کے الکحل کا حکم:

الکحل کا شرعی حکم چار مقدمات پر موقوف ہے ان کے بعد الکحل کی حقیقت، اقسام اور حکم بیان کریں گے۔

مقدمات:

۱۔ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ خمر صرف انگوروں کے کچے شیرہ سے ہی بنتا ہے اس کی قلیل و کثیر مقدار نجس العین اور حرام قطعی ہے اس کی حرمت کا منکر کافر ہے۔

۲۔ باقی تین قدیم مشروبات (الف) عصیر (ب) نقیع التمر (ج) نقیع الزبیب۔ جن کی تعریفات اس سے قبل "حرام مشروبات کی اقسام" کے عنوان کے تحت گزر چکی ہیں احناف کے نزدیک ان کی حرمت ظنی ہے قطعی نہیں اوران کی حرمت کے انکار پر تکفیر نہیں کی جاسکتی اوران کے نجس ہونے پر احناف کا اتفاق نہیں کہ شیخین کے نزدیک نشہ آور مقدار حرام ہے قلیل مقدار جو نشہ آور نہ ہو وہ حرام نہیں ان مشروبات کی مثال جامد نشہ آور اشیاء کی طرح ہے کہ افیون، چرس اور بھنگ وغیرہ کی نشہ آور مقدار تینوں آئمہ (شیخین وامام محمد) کے نزدیک حرام ہے مگر نجس العین نہیں البتہ نجاست خفیفہ ہے جب کہ امام محمد اور اکثر فقہاء احناف کے نزدیک ان تینوں مشروبات کا قلیل وکثیر مقدار نجس وحرام ہے۔

۳۔ وہ مشروبات جو انگوروں اور کھجوروں کے علاوہ دیگر اشیاء سے تیار کیے گئے ہوں مثلاً گندم، جو، جوار، مکئی، شہد اور شکر قندی وغیرہ سے تو شیخین اور اکثر فقہاء احناف کے نزدیک نشہ آور مقدار حرام ہے اور قلیل مقدار حلال وطاہر ہے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ صاحب ہدایہ نے کتاب الاشربہ میں جامع الصغیر کی عبارت ذکر کرکے تیسرے مقدمے والی مشروبات کو شیخین کی طرف منسوب کرتے ہوئے نشہ آور مقدار کو بھی حلال قرار دیا ہے جو درست نہیں ہے اس کی وضاحت شرح صحیح مسلم ۳۲۰/۴ پر ملاحظہ کیجئے جب کہ امام محمد اور بعض فقہاء احناف کے نزدیک قلیل وکثیر مقدار نجس وحرام ہے۔

۴۔ اکثر فقہاء کرام نے امام محمد کے قول کو معتمد اور مفتی بہ قرار دیا جیسا کہ فتاویٰ شامی اور فتاویٰ رضویہ میں موجود ہے کہ فتنہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے اسی کو ترجیح دی گئی جب زمانے نے کروٹ بدلی تو امام احمد رضا قادری نے امام محمد کے مذہب سے عدول کرکے شیخین کے مذہب پر فتویٰ دیا کہ اہل ہند پڑیا کی رنگت (سپرٹ) میں عام طور پر مبتلا تھے کہ پڑیا میں سپرٹ لگا ہوتا تھا تاکہ اس میں مصری خراب نہ ہو آپ کے الفاظ یہ ہیں "تو اب بوجہ عموم بلوی فقیر کا فتویٰ یہی ہے کہ مصری پاک ہے اوراس کا کھانا جائز ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور) ان تمہیدی مقدمات اربعہ کے بعد نفس موضوع کی طرف آتے ہیں۔

الکحل کی لفظی تشریح:

الکحل انگریزی لفظ ایلکو ہل (Alcohol) سے ہے اور الکحل اس کا طبی نام ہے جس کا معنی عربی میں روح الخمر، اردو میں روح شراب یا جو ہر شراب اور انگریزی میں پیور سپرٹ آف وائن (Pur Spirit of Wine) ہے۔

الکحل بننے کے مراحل:

مختلف اشیاء مثلاً شہد، شیرہ، جو، جوار، مکئی، گندم، ادرک کی جڑ اور اس طرح کی دیگر نشاستہ دار اجزاء سے الکحل تیار کیا جاتا ہے اس نشاستہ میں پانی ڈال کر آگ کی بیٹھ چڑھاتے ہیں یہاں تک کہ رقیق ہوجائے پھر اس میں مختلف قسم کے کیمیکلز شامل کرتے ہیں کہ جس کے بعد یہ مرکب ایک مرتبہ الکحل بن جاتا ہے۔

الکحل کی اقسام:

علم کیمیا کے ماہرین نے اس کی ۱۵ سے زائد اقسام بیان کی ہیں۔

ان اقسام کا استعمال:

رنگوں، گلو، دواؤں، پرفیوم، خوشبو، پلاسٹک سازی، یوریا، تیل، کپڑے دھونے کے پاؤڈر، صابن کی تیاری، صفائی، کاغذ، کپڑا، گوندھ اور کاسمیٹکس وغیرہ سینکڑوں اشیاء میں مختلف صلاحیت پیدا کرنے کے لیے الکحل کی اقسام استعمال ہوتی ہیں۔

الکحل کا شرعی حکم:

الکحل کو بنانے والوں کی جانب سے یہ تحقیق سامنے آئی ہے کہ الکحل انگور کے کچے شیرے سے نہیں بنتا لہٰذا الکحل خمر نہیں کہ نجس العین اور حرام قطعی ہو جیسا کہ مقدمہ اول کی بحث میں گزرا ہے۔ نیز الکحل کے متعلق یہ بھی تحقیق ہے کہ انگور اور کھجور سے بنائی جانے والی الکحل پر زیادہ خرچہ آتا ہے اس لیے دیگر اشیاء سے بنائی جاتی ہے لیکن اگر ان سے بنائی بھی جاتی ہو تو آگ کے مراحل سے گزرنے کے بعد خمر کے علاوہ باقی تین مشروبات عصیر، نقیع التمر، اور نقیع الزبیب کے تحت داخل ہوتی ہے اور ان تینوں کا حکم مقدمہ دوم میں گزرا ہے کہ شیخین کے نزدیک نشہ آور مقدار حرام ہے اور نجاست خفیفہ ہے اگر کم مقدار ہے تو حلال و طاہر ہے جب کہ امام محمد کے نزدیک مطلقاً نجس و حرام ہے۔ مقدمہ چہارم کی وجہ سے جن جن اشیاء کے استعمال میں عموم بلوی ہے کہ بچنا ممکن نہیں تو شیخین کے مذہب پر ان کا استعمال جائز ہے۔ مثلاً ہومیو پیتھک ادویہ اور ٹینچر وغیرہ عموم بلوی کے طور پر تو امام محمد کے نزدیک بھی جائز ہو جائے گا لیکن جہاں بچنا ممکن ہو مثلاً خوشبو کہ عطر کو پرفیوم کی جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے لہٰذا پرفیوم نہ لگانا ہی اولی ہے اور جو الکحل انگوروں اور کھجوروں کے علاوہ سے تیار کیا جاتا ہے اس کو قلیل مقدار میں بطور علاج استعمال کرنا جائز ہے نہ کہ لہو و لعب کے طور پر امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ لہٰذا الکحل کو مطلقاً شراب کے درجہ میں رکھ کر حرام کا فتویٰ لگانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

کتاب الصید و الذبائح

اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ پر ان گنت احسانات فرمائے ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس کی غذا کے لیے بعض جانور حلال قرار دیئے جن کی تفصیل متن میں آرہی ہے۔

صید کا لغوی معنی:

شکار کرنا

صید کا اصطلاحی معنی:

"صید اس جانور کو کہا جاتا ہے جو انسان سے غیر مانوس (متوحش) ہو اور اسے بغیر حیلے کے پکڑنا مشکل ہو۔" صید کا اطلاق حلال و حرام دونوں طرح کے جانوروں پر ہوتا ہے۔

ذبائح:

جمع ہے ذبیحہ کی اور ذبیحہ مجازاً اُس جانور کو کہا جاتا ہے جو ذبح کیے جانے کے قریب ہو۔

اصطلاحی معنی:

سانس اور غذا کی نالیوں اور حلق کے پاس سے گزرنے والی دونوں شہ رگ کو کاٹنے کا نام ذبح ہے۔

ذبیحہ کی اقسام:۔

ذبیحہ شرعی کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) اختیاری، (ب) اضطراری۔

اختیاری کی تعریف:

جس جانور کو سینہ کے بالا حصے اور حلق میں اٹھی ہوئی گرہ کے نیچے سے تکبیر پڑھنے کے ساتھ مطلوبہ رگوں میں سے اکثر کا کاٹ دینا ذبح اختیاری کہلاتا ہے۔

اضطراری کی تعریف:

شکار کے کسی بھی حصہ پر زخم لگا دینا ذبح اضطراری کہلاتا ہے۔ ذبح کو ذکوۃ (ذال کے ساتھ) بھی کہا جاتا ہے لہٰذا ذبح اختیاری کو ذکوۃ اختیاری اور ذبح اضطراری کو ذکوۃ اضطراری بھی کہا جاتا ہے۔

ذکوۃ اور زکوۃ میں فرق:

ذکوۃ (ذال کے ساتھ) ذبح کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ زکوۃ (ز کے ساتھ) اسلام کے مشہور رکن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وَيَجُوْزُ الِاصْطِيَادُ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ ، وَالْفَهْدِ الْمُعَلَّمِ ، وَالْبَازِيْ وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ وَتَعْلِيْمُ الْكَلْبِ اَنْ يَتْرُكَ الْاَكْلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَتَعْلِيْمُ الْبَازِيْ اَنْ يَرْجِعَ اِذَا دَعَوْتَه فَاِنْ اَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ اَوْ بَازَهُ اَوْ صَقْرَهُ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى عِنْدَ اِرْسَالِهٖ فَاَخَذَ الصَّيْدَ وَجَرَحَهُ فَمَاتَ حَلَّ اَكْلُهُ فَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ الْكَلْبُ اَوِ الْفَهْدُ لَمْ يُؤْكَلْ وَاِنْ اَكَلَ مِنْهُ الْبَازِيْ اُكِلَ وَاِنْ اَدْرَكَ الْمُرْسِلُ الصَّيْدَ حَيًّا وَجَبَ عَلَيْهِ اَنْ يُذَكِّيَهُ فَاِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهُ حَتّٰى مَاتَ لَمْ يُؤْكَلْ،وَاِنْ خَنَقَهُ الْكَلْبُ وَلَمْ يَجْرَحْهُ لَمْ يُؤْكَلْ، وَاِنْ شَارَكَهُ كَلْبٌ غَيْرُ مُعَلَّمٍ اَوْ كَلْبُ مَجُوْسِيٍّ اَوْ كَلْبٌ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ لَمْ يُؤْكَلْ

”اور شکار کرنا سکھائے ہوئے کتے، چیتے، باز اور دیگر زخمی کرنے والوں جانوروں کے ذریعے جائز ہے۔ اور کتے کا سیکھ جانا یہ ہے کہ تین مرتبہ کھانا چھوڑ دے اور باز کا سکھانا یہ ہے کہ وہ واپس آجائے جس وقت تم اس کو بلاؤ اگر کسی نے چھوڑا اپنا سکھایا ہوا کتا یا باز یا شکرا کسی شکار پر اور اس پر اسے چھوڑتے ہوئے اللہ کا نام لیا اب اس نے شکار پکڑ لیا اور زخمی کر دیا وہ مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ اگر اس شکار میں سے کتے یا چیتے نے کھا لیا تو اس کو نہ کھایا جائے اور اگر اس سے باز کھالے تو کھا لیا جائے اور اگر چھوڑنے والے نے شکار کو زندہ پا لیا تو اس پر لازم ہے کہ اس کو ذبح کرے اور اگر ذبح کرنا چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو نہ کھایا جائے اور اگر کتے نے شکار کا گلا گھونٹ دیا اور اس کو زخمی نہیں پایا تو اسے نہ کھایا جائے گا اور اگر شکار میں سکھایا ہوا اور غیر سکھایا ہوا یا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا شریک ہو جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا تو نہ کھایا جائے“۔

حل لغات: المعلَّم صیغہ مفعول سکھایا ہوا، الفهد چیتا، الباری باز، خنق خنقا سے بمعنی گلا گھونٹنا، صقر شکرا، المرسِل صیغہ اسم فاعل چھوڑنے والا۔

شکار کرنے کے طریقے:

قولہ: ویجوز الاصطیاد الخ: تین طریقوں سے شکار ہوتا ہے۔

۱۔ چیر پھاڑ کرنے والے درندوں کے ذریعے۔ ۲۔ چیڑ پھاڑ کرنے والے پرندوں کے ذریعے، ۳۔ تیر یا بندوق کے ذریعے۔ شکار کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ چیڑ پھاڑ کرنے والے درندوں سے شکار کیا جائے ان سے شکار کی تین شرطیں ہیں ا۔ مثلاً کتے کے ذریعے شکار کیا جائے تو وہ سکھایا ہوا ہو کہ جس کو ”کلب معلَّم“ کہا جاتا ہے اس کے سیکھ جانے کی پہچان یہ ہے کہ اس کو تین مرتبہ شکار پر چھوڑا جائے اگر وہ شکار سے کوئی چیز نہ کھائے بلکہ شکار کو پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے۔ کیونکہ کتے کی فطرت میں کھانا ہے لیکن نہ کھائے تو معلَّم کی نشانی ہے لیکن اگر تین بار میں سے کسی بار کھالے تو معلم نہیں۔ تین مرتبہ آزمانا غلبہ ظن کا درجہ رکھتا ہے باقی شرطیں بعد میں آنے والی ہیں۔

شکار کرنے کا دوسرا طریقہ ”وتعلیم البازی“ سے بیان کیا کہ چیڑ پھاڑ کرنیوالے درندوں سے شکار کیا جائے مثلاً باز اور شکرا وغیرہ سے ان کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ سکھائے ہوئے ہوں ان کی سیکھے ہوئے کی پہچان درندوں سے مختلف ہے کہ اگر ان کو شکار پر چھوڑا جائے تو اگر روکے تو رک جائے تین بار ایسے کرنے سے اگر جانا اور رکنا پایا جائے تو روکنے سے رک جاتے ہیں تو گویا

انہوں نے اپنی فطرت (متوحش) کو چھوڑ دیا ہے یہی ان کے معلّم ہونے کی علامت ہے اگر اس قسم کے شکاری پرندے کچھ شکار سے کھا بھی لیں تو شکار کی حالت میں کچھ فرق نہ آئے گا اور شکار کا تیسرا طریقہ آئندہ عبارت میں آنے والا ہے۔

فاذا ارسل الخ سے مصنف دوسری شرط بیان کر رہے ہیں کہ جب شکاری حیوان کو شکار کی طرز چھوڑا جائے تو بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے۔ اگر قصداً تکبیر چھوڑ دی تو شکار حلال نہ ہوگا اگر جلد بازی میں بھول گیا تو حلال ہے جب کہ شوافع کے نزدیک مطلقاً حلال ہے۔ جب جانور نے شکار کو پھاڑ دیا اور مر گیا تب بھی حلال ہے۔ یہاں ذبح اضطراری ہے۔ اس میں حلال ہونے کے لیے زخمی ہونا کافی ہے۔ لیکن اگر درندہ شکار میں سے کچھ کھا لیتا ہے تو جانور حلال نہ ہوگا اگر کوئی پرندہ وحشی کھالے تو حلال ہوگا۔ اگر شکار کردہ چیز کو زندہ پکڑ لیا تو یہ حالت ذبح اختیاری کی ہوگئی لہٰذا ذبح کرنا ضروری ہو گیا اگر ذبح نہیں کرتا حالانکہ ذبح کرنے کی قدرت بھی تھی مگر جانور مر گیا تو حلال نہیں۔ **وان خنقه الخ** سے تیسری شرط کو بیان کیا ہے کہ اگر شکار ہاتھ میں آنے سے قبل مر گیا تو شرط یہ ہے کہ وہ زخمی ہوا ہو اگر زخمی نہیں ہوا بلکہ کتے نے گلا گھونٹ کر مار دیا تو حلال نہیں۔

معلّم کے ساتھ غیر معلّم کا شریک ہو جانا:

قولہ: وان شارك الخ: اگر معلّم کتے کو شکار پر چھوڑا کہ ساتھ دوسرا غیر معلّم کتا بھی شکار پکڑنے میں شامل ہو گیا اور شکار مر گیا تو حلال نہیں ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ غیر معلّم نے مار دیا ہو۔

وَاِذَا رَمَی الرَّجُلُ سَهْمًا اِلٰی صَیْدٍ فَسَمَّی اللّٰهَ تَعَالٰی عِنْدَ الرَّمْیِ اُكِلَ مَا صَابَهٗ اِذَا جَرَحَهُ السَّهْمُ فَمَاتَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ حَیًّا ذَكَّاهُ وَاِنْ تَرَكَ تَذْكِیَتَهٗ حَتّٰی مَاتَ لَمْ یُؤْكَلْ وَاِذَا وَقَعَ السَّهْمُ بِالصَّیْدِ فَتَحَامَلَ حَتّٰی غَابَ عَنْهُ وَلَمْ یَزَلْ فِیْ طَلَبِهٖ حَتّٰی اَصَابَهٗ مَیِّتًا اُكِلَ وَاِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهٖ فَاَصَابَهٗ مَیِّتًا لَمْ یُؤْكَلْ وَاِنْ رَمٰی صَیْدًا فَوَقَعَ فِی الْمَاءِ لَمْ یُؤْكَلْ وَكَذٰلِكَ اِذَا وَقَعَ عَلٰی سَطْحٍ اَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰی مِنْهُ اِلَی الْاَرْضِ فَمَاتَ لَمْ یُؤْكَلْ وَاِنْ وَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِبْتِدَاءً اُكِلَ وَمَا اَصَابَ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ لَمْ یُؤْكَلْ وَاِنْ جَرَحَهٗ اُكِلَ وَلَا یُؤْكَلُ مَا اَصَابَتْهُ الْبُنْدُقَةُ اِذَا مَاتَ مِنْهَا

"اور جب کسی نے شکار پر تیر چلایا اور تیر چلاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو کھایا جائے گا جس کو تیر لگا بشرطیکہ تیر اس کو زخمی کردے اور مر جائے اور اگر اس کو زندہ پا لیا تو ذبح کرے اور اگر اسے ذبح کرنا چھوڑ دیا تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر تیر شکار کو لگ گیا اور وہ برداشت کر کے اس سے اوجھل ہو گیا اور یہ لگا تار اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس کو مردہ پایا تو وہ شکار کھایا جائے گا اور اگر تلاش کرنے سے بیٹھ گیا پھر اس کو مردہ پایا نہیں کھایا جائے گا اور اگر شکار کو تیر مارا اور وہ پانی میں گر گیا۔ تو نہیں کھایا جائے گا۔ اسی طرح اگر چھت پر گرے یا پہاڑ پر گرے اور پھر پہاڑ سے زمین پر گر جاتے تو نہیں کھایا جائے گا اور اگر ابتداء ہی زمین پر گرا تو کھایا جائے گا اور جس کو تیر کا عرض لگے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا اور اگر اس کو زخمی کردے تو کھایا جائے گا اور وہ شکار نہیں کھایا جائے گا کہ جس کو مٹی کی گولی لگے بشرطیکہ وہ مر جائے"۔

حل لغات۔ سهم تیر، تحامل باب تفاعل تحاملا سے ماضی بمعنی برداشت کرنا، تردی تردیا سے بمعنی نیچے گر جانا۔ معراض وہ تیر جس کا درمیانی حصہ جس پر پر نہیں ہوتا یعنی چوڑائی والا حصہ۔ بندقة مٹی سے بنی ہوئی گولی۔

شکار کرنے کا تیسرا طریقہ:

قولہ:واذا رمی الخ:اس سے قبل شکار کے دو طریقے سباع البھائم، سباع الطیور، بیان کیے گئے؟اب تیسرا طریقہ تیر کے ذریعے شکار کا حکم بیان کر رہے ہیں کہ اگر تیر شکار کو لگا اور وہ مر گیا تو حلال ہے اور باقی تکبیر تو شکار کی ہر قسم میں شرط ہے اگر شکار تیر سے زخمی ہوا مرا نہیں تو اس کو ذبح کرنا ضروری ورنہ حرام ہوگا۔

تیر سے شکار کرنے کی چند صورتیں:

قولہ:واذا وقع الخ:۱۔اگر شکار کو تیر لگا اور اڑ کر غائب ہو گیا اور شکاری مسلسل اس کی تلاش میں مصروف رہا کہ مردہ ملا تو حلال ہے لیکن اگر تیر لگنے کے بعد وہ بیٹھ گیا تلاش نہ کیا پھر مردہ پایا گیا تو حلال نہیں۔ ۲۔اگر تیر لگنے کے بعد شکار پانی میں گرا یا پہاڑ پر گرا وہاں سے لڑھکتے ہوئے نیچے آ گیا۔مر گیا تو حلال نہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ پانی یا پہاڑ کی ضرب کی وجہ سے مرا ہو۔ ۳۔اگر تیر چوڑائی میں لگا کہ جس سے شکار زخمی نہیں بلکہ دب کر اور چوٹ لگ کر مر جاتا ہے تو حرام ہوگا اگر زخمی ہو جاتا ہے تو حلال ہے۔

۴۔بندوق سے مراد مٹی سے بنی ہوئی گول گولی ہے کہ جس کو غلیل وغیرہ سے شکار کو مارا جائے تو شکار کو ضرب دے کر یا دب کر مار دیتی ہے کیونکہ آلات شکار کے لیے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ”اگر جانور اس آلہ کی ضرب سے دب کر یا چوٹ کھا کر مر جائے یا گلا گھٹنے سے مر گیا تو وہ حرام ہوگا اگر کٹ کر یا چھد کر یا زخمی ہو کر مر جائے تو حلال ہوگا۔“ جہاں قاعدہ کی پہلی جز ہوگی وہاں شکار حرام ہوگا اور جہاں دوسری جز ہوگی وہاں شکار حلال ہوگا۔

بندوق سے شکار کی حلت کی بحث:

آٹھویں صدی ہجری سے قبل دنیا میں بارودی بندوق کا وجود نہ تھا اس لیے اس دور تک بارودی گولی کے ذریعے شکار کی بحث، کتب فقہ میں نہیں ملتی کہ بارودی گولی کو ”بندوقة الرصاص“ کہا جاتا ہے۔بندوق کی گولی سے جانور زخمی ہو جاتا ہے بلکہ بعض کو کاٹ بھی دیتی ہے۔قرآن مجید میں شکار کی حلت کا مدار شکار کے زخمی کرنے پر ہے۔

قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ (المائدة/۴) آپ فرما دیجیے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جو تم نے زخمی کرنے والے جانور سدھائے ہیں۔اسی وجہ سے فقہاء کرام نے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر شکار کردہ جانور زخمی حالت میں مرا ہوا پایا گیا تو حلال ورنہ حرام۔

وَاِذَا رَمٰى صَيْدًا فَقَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ أُكِلَ الصَّيْدُ وَلَا يُؤْكَلُ الْعُضْوُ وَاِنْ قَطَعَهٗ أَثْلَاثًا ، وَالْاَكْثَرُ مِمَّا يَلِي الْعَجُزَ أُكِلَ الْجَمِيْعُ وَلَا يُؤْكَلُ صَيْدُ الْمَجُوْسِيِّ ، وَالْمُرْتَدِّ ، وَالْوَثَنِيِّ ، وَالْمُحْرِمِ وَمَنْ رَمٰى صَيْدًا فَاَصَابَهٗ وَلَمْ يُثْخِنْهُ وَلَمْ يُخْرِجْهُ مِنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ لِلثَّانِيْ وَيُؤْكَلُ وَاِنْ كَانَ الْاَوَّلُ أَثْخَنَهٗ فَرَمَاهُ الثَّانِيْ فَقَتَلَهٗ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ وَلَمْ يُؤْكَلْ

”اور جب شکار کو تیر مارا اور اس کا ایک عضو کاٹ دیا تو وہ شکار کھایا جائے گا البتہ وہ عضو نہیں کھایا جائے گا اور شکار کو تین

ٹکڑے کردیا اور اکثر وہ ہے جو سرین سے ملا ہوا ہو تو تمام کو کھایا جائے گا اور مجوسی، مرتد، بت پرست اور محرم کا شکار نہیں کھایا جائے گا اور جس سے کسی شکار کو تیر مارا اور وہ اس کو لگ گیا مگر اس کو سست نہیں کیا نہ اس کو بچاؤ سے نکالا پھر دوسرے نے اس کو مار دیا تو یہ شکار پہلے شکاری کا ہوگا اور اس کو نہیں کھایا جائے گا اور دوسرا شکاری پہلے والے کے لیے اس شکار کی قیمت کا ضامن اس نقصان کو چھوڑ کر جو اس کے زخم نے کیا ہے اور ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانور کا شکار کرنا جائز ہے۔

حل لغات: العجز سرین، الوثنی بت پرست، یثخن اثخان سے بمعنی نڈھال کرنا، حیز امتناع سے مراد قوت مدافعت۔

عضو کا الگ ہو جانا:

قوله: واذا رمی الخ: اگر تیر یا گولی کی وجہ سے شکار کا کوئی عضو کٹ کر الگ ہو جائے تو وہ حرام ہوگا۔ باقی اعضا حلال ہوں گے۔ اسی طرح اگر شکار کے دو ٹکڑے ہو گئے ایک حصہ کم ہے اور دوسرا زیادہ تو یہاں یہ اصول ہے کہ "جسم سے سر الگ ہو جائے تو سر بھی حلال ہے اور باقی جسم بھی حلال ہے"۔ لہٰذا یہاں بھی سر والا حصہ اگرچہ ایک تہائی ہو اور سرین والا حصہ دو تہائی ہو تو دونوں حلال ہوں گے لیکن اگر سرین والا ایک تہائی ہو اور سر والا حصہ دو تہائی ہو تو سر والا حصہ حلال اور سرین والا حصہ حرام ہوگا یہی تصور کیا جائے گا کہ زندہ جانور سے ایک عضو کٹ کر الگ ہو گیا ہے جو حرام ہو گیا ہے لہٰذا ایک تہائی سرین والا حصہ بھی حرام ہوگا۔

کس کا شکار کھانا حرام ہے؟:

قوله: ولا یوکل الخ: ۱۔ وہ لوگ جو مسلمان اور کتابی نہیں مثلاً مجوسی (آتش پرست) مرتد (جو اسلام سے پھر گیا ہو) اور بت پرست ہیں ان کا کیا ہوا شکار کھانا حلال نہیں کیونکہ ان کو بسم اللہ پڑھنے پر اعتقاد ہی نہیں۔ ۲۔ مسلمان محرم نے جو شکار ذبح کیا ہو اور وہ شکار خشکی پر رہنے والا ہو تو کھانا حرام ہے نہ کہ سمندری۔

ایک شکار پر دو فائر:

قوله: و من رامی الخ: اگر ایک شخص نے فائر کیا زخمی تو ہوا مگر نڈھال نہیں ہوا اپنے دفاع میں بھاگتا رہا اسی دوران دوسرے نے فائر کر دیا تو مر گیا تو اب یہ شکار دوسرے شخص کا ہوگا کیونکہ دوسرے نے نڈھال حالت میں نہیں بلکہ چست و چالاک حال میں فائر کیا تھا اسی وجہ سے یہی مالک ہوگا لیکن اگر پہلے کے فائر سے نڈھال ہو گیا اور بھاگنے کے قابل نہ رہا کہ زندہ ہی تھا تو دوسرے نے فائر کر کے مار دیا تو شکار پہلے کا ہوگا کہ نڈھال اس نے کیا ہے باقی کھانا حلال نہیں کیونکہ جانور زخمی حالت میں ہو اور ذبح کی قدرت میں آجائے تو ذبح کرنا ضروری ہوتا ہے جب کہ یہاں ذبح اختیاری کے باوجود ذبح اضطراری کی حالت پائی گئی لہٰذا شکار تو حرام ہوگا مگر دوسرے پر اتنا تاوان آئے گا کہ جتنا اس نے اسے ضائع کیا ہے یا مکمل شکار کی قیمت لازم آئے گی۔

حلال وحرام جانوروں کے شکار کا جواز:

قوله: ویجوز الخ: جانور چاہے حلال ہو یا حرام دونوں کو شکار کرنا حرام ہے۔ بعض اوقات حرام جانور کی کھال، بال اور ہڈی وغیرہ کے حصول کے لیے بھی شکار کیا جاتا ہے اس غیر ماکول اللحم جانور کے شکار میں کوئی ممانعت نہیں۔

وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ، وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ الْمَجُوسِيِّ، وَالْمُرْتَدِّ، وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُحْرِمِ وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمْدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَتْ

"اور مسلمان اور اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ اگر ذبح کرنے والے نے عمداً بسم اللہ کو چھوڑ دیا تو ذبیحہ مردار ہے اسے نہیں کھایا جائے گا اور اگر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اسے کھایا جائے گا"۔

ذبح کی شرائط:

قولہ: ذبیحۃ الخ: ذبح کی پہلی شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو۔

اہل کتاب سے مراد:

کہ نبی مُرسَل اور کتاب مُنَزَّل پر ایمان رکھتا ہو۔ مثلاً عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر اور یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان رکھتے ہیں لہٰذا اگرچہ یہ کافر ہیں مگر قرآن نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا ہے۔

دور حاضر کے کتابی:

قرآن مجید نے جن کتابیوں کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے وہ اس صورت میں کہ جب بسم اللہ پڑھنے کا اعتقاد رکھتے ہوں جب کہ دور حاضر کے عیسائی و یہودی نام کے کتابی ہیں لیکن ان کے عقائد عموماً دہریوں والے ہیں اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح نہیں کرتے تو ان کے ذبیحہ سے بچنے میں عافیت ہے۔ اور اسی میں احتیاط بھی ہے کیونکہ بعض آثار صحابہ سے عیاں ہوتا ہے کہ جب عرب کے نصاریٰ ان کے زمانے میں اہل کتاب نہیں تھے تو دور حاضر میں بدرجہ اولیٰ نہیں ہوں گے۔ باقی کافروں کا ذبیحہ حلال نہیں کہ نہ ان کے نزدیک بسم اللہ پڑھنے کا اعتقاد ہے اور نہ پڑھتے ہیں۔ اور مسلمان محرم نے شکار ذبح کیا تو احناف کے نزدیک کھانا حلال نہیں۔

تکبیر کہنے کی بحث:

قولہ: ان ترك الخ: ذابح کا تکبیر (بِسْمِ اللهِ اَللهُ اَكْبَرُ) پڑھنا شرط ہے کہ اتنی آواز سے پڑھے کہ ذابح کو کم از کم اپنے کانوں میں سنائی دے محض ہونٹوں کی حرکت کفایت نہیں کرتی کیونکہ پڑھنے کی کم از کم مقدار اتنی ہے کہ بندہ اپنی آواز خود سن سکے جب کہ کئی ذابح پڑھنے کی بجائے ہونٹ ہلاتے ہیں یا خیال ہی خیال میں کہہ جاتے ہیں ایسا ذبیحہ حرام ہے کیونکہ جن امور کا تعلق نطق سے ہے ان کے متعلق اصول یہ ہے کہ "ان میں کم از کم اتنی آواز ضروری ہے جو خود متکلم کو سنائی دے"۔

بسم اللہ کو ترک کی صورت میں حکم:

قولہ: من ترك الخ: ذبح کے وقت بسم اللہ کو ترک کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ عمداً کہ جان بوجھ کر بسم اللہ کو چھوڑ دیا تو احناف کے نزدیک ذبیحہ حرام ہے۔ ۲۔ اگر بھول کر چھوٹ گئی تو حلال ہے کہ حدیث مبارکہ میں ہے "رفع عن أمتي الخطاء والنسيان" کہ میری امت سے غلطی اور بھول کی صورت میں حکم کو اٹھالیا گیا ہے۔ نیز بھول کر چھوڑنے والا ذاکر (کہنے والے

کے حکم میں ہوتا ہے کہ ذکر کبھی زبان سے ہوتا ہے اور کبھی دل سے ہوتا ہے۔ امام مالک کے نزدیک ترک عمداً کی طرح ترک نسیاناً کی صورت میں بھی ذبیحہ حرام ہوگا جب کہ امام شافعی کے نزدیک عمداً اور نسیاناً ہر دو صورتوں میں ذبیحہ حلال ہے۔

وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ وَالْعُرُوقُ الَّتِي تُقْطَعُ فِي الذَّكَاةِ أَرْبَعَةٌ الْحُلْقُومُ وَالْمَرِيءُ وَ الْوَدَجَانِ فَإِذَا قَطَعَهَا حَلَّ الْأَكْلُ وَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَهَا فَكَذٰلِكَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا بُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحُلْقُومِ وَالْمَرِيءِ وَأَحَدِ الْوَدَجَيْنِ وَيَجُوزُ الذَّبْحُ بِاللِّيطَةِ، وَالْمَرْوَةِ وَبِكُلِّ شَيْءٍ أَنْهَرَ الدَّمَ إِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَةَ، وَالظُّفْرَ الْقَائِمَ وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَحُدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّينِ النُّخَاعَ أَوْ قَطَعَ الرَّأْسَ كُرِهَ لَهُ ذٰلِكَ وَتُؤْكَلُ ذَبِيحَتُهُ فَإِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهَا فَإِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتّٰى قَطَعَ الْعُرُوقَ جَازَ وَيُكْرَهُ وَإِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوقِ لَمْ تُؤْكَلْ

"اور ذبح حلق اور سینے کے درمیان ہے اور وہ رگیں جو ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں۔ حلقوم، مری اور دو شہ رگیں اب اگر ان کو کاٹ دیا تو کھانا حلال ہے اور اگر اکثر رگیں کاٹ دیں تو بھی اسی طرح ہے۔ امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ حلقوم، مری اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے اور ذبح کرنا جائز ہے۔ بانس کے چھلکے اور پتھر اور ہر ایسی چیز سے جو خون کو جاری کردے مگر لگے ہوئے دانت اور لگے ہوئے ناخن سے اور مستحب یہ ہے کہ ذبح کرنے والا چھری کو تیز کرے اور جو شخص چھری کو حرام مغز تک پہنچا دے یا سر کاٹ دے تو اس کے لیے مکروہ ہے اور اس کا ذبح کھایا جائے گا اور اگر بکری کو اس کی گدی کی طرف سے ذبح کیا پس اگر وہ زندہ تھی کہ اس نے رگوں کو کاٹ دیا تو اس کا کھانا جائز ہے اور اگر رگیں کاٹنے سے پہلے مرگئی تو نہیں کھایا جائے گا"۔

حل لغات: الحلق گلا، اللبہ، سینہ کے اوپر والی ہڈی، العرق جمع ہے عرق کی بمعنی (رگ، الحلقوم سانس کی نالی، مری: غذا کی نالی، ودجان تثنیہ ودج کی بمعنی شہ رگ، اللیطۃ: بانس کی چرانٹھ، المروۃ تیز پتھر، النخاع: حرام مغز، قضا گدی، شغرۃ، چوڑی چھری۔

ذبح کا مقام:

قولہ: والذبح الخ: ذبح کا مقام حلق اور سینہ کے درمیان ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں منقول ہے۔ الذکاۃ فی الحلق واللبۃ (بخاری)

رگوں کی تعداد اور کٹنے پر شرعی حکم:

قولہ: والعروق الخ: ذبح میں چار رگیں کاٹی جاتی ہیں ۱۔ حلقوم یہ سانس کی نالی ہے جس کو انگریزی میں Ocsophagus کہا جاتا ہے۔ ۲۔ مری یہ خوراک کی نالی ہے جس کو انگریزی میں Trachca کہا جاتا ہے۔ ۳ اور ۴۔ ودجان یہ دو شہ رگیں ہیں جو گردن کے دائیں بائیں ہوتی ہیں۔ جن کا تعلق دل ودماغ سے ہوتا ہے جن کے کاٹنے سے پورا خون نکل جاتا ہے ان کو انگریزی میں Jugular veins کہا جاتا ہے۔ ان چاروں کو کاٹنے پر بالاتفاق جانور حلال ہوجاتا ہے۔

کم از کم کتنی رگوں کا کٹنا ضروری ہے؟:

امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک اکثر کے کٹ جانے پر جانور حلال ہو جاتا ہے اور اکثر عدد تین رگیں ہیں جو چاہیں کٹ جائیں جب کہ صاحبین کے نزدیک حلقوم، مری اور کسی ایک شہ رگ کا کٹنا ضروری ہے۔ ورنہ جانور نہ حلال ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر مشہور ضابطہ ہے "للاکثر حکم الکل" نیز ذبح کا مقصود دم مسفوح کا بہانا اور جلدی جان نکالنا ہے اور خون بہانا ایک شہ رگ کے کٹنے سے بھی پایا جاتا ہے اور جان کا نکلنا سانس یا خوراک کی نالی میں سے کسی ایک کے کٹ جانے سے پایا جاتا ہے اس لیے بغیر کسی تعیین کے تین رگوں کا کٹنا ضروری ہے (الصحیح قول ابی حنیفه الترجیح و التصحیح، الهندیه)۔

گرہ (فوق العقدہ) سے اوپر ذبح کرنے کا حکم:

عقدہ کا معنی گرہ ہے جس کو لوگ گھنڈی کا نام دیتے ہیں جو سر کی جانب حلق کے قریب ابھری ہوئی ہڈی ہوتی ہے ذبح کرنے کا طریقہ تو یہ ہے کہ گرہ کے نیچے سے ذبح کیا جائے لیکن اگر گرہ کے اوپر (فوق العقدہ) سے ذبح کیا تو اگر تین رگیں کٹ جاتی ہیں تو حلال ہے اگر حلقوم اور مری دونوں کٹنے کی جگہ سے چھری نیچے کے بجائے اوپر جبڑے کی طرف زبان کی جڑ کاٹتے ہوئے پھر گئی تو جانور حرام ہو جائے گا۔ اس صورت میں حلال وحرام ہونے کا مدار فوق العقدہ نہیں بلکہ تین رگوں کے کٹنے اور نہ کٹنے پر موقوف ہے نہ کہ فوق العقدہ اور تحت العقدہ پر یہی علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا حنفی کا قول فیصل ہے۔ ذبح کے وقت جانور اور ذابح کا چہرہ قبلہ نما ہونا سنت ہے اور ذبح کرنے والے کے ساتھ جو چھری پر ہاتھ رکھے اس کا بھی تکبیر پڑھنا ضروری ہے ورنہ جانور حرام ہوگا اور تکبیر بھی اتنی آواز سے پڑھی جائے کہ کم از کم ذابح خود سن سکے۔ ذابح کا منہ بند ہو دل میں پڑھتا ہو تو جانور حرام ہوگا۔

کس چیز سے ذبح کیا جا سکتا ہے؟

قولہ: ریحون الخ: اصول یہ ہے "ہر وہ چیز جو رگیں کاٹ کر خون بہا دے اس سے ذبح کرنا جائز ہے۔" مثلاً بانس کی تیز ترین چرانٹھ، دھاری دار پتھر اسی طرح کسی بھی تیز دھار سے سوائے منہ میں لگے ہوئے دانتوں اور انگلی پر لگے ہوئے ناخنوں کے کہ ان سے دب کر مرے گا اور آلہ ذبح کو پہلے تیز کرنا مستحب ہے تاکہ جانور کو تکلیف نہ ہو۔

ذبح میں مکروہ امور:

قولہ: ومن بلغ الخ: ذبح میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ گردن کی ہڈی تک کاٹتے ہوئے چھری کو لے جانا چاہیے گردن کی ہڈی کے اندر حرام مغز (النخاع) ہوتا ہے اس کا کاٹنا مکروہ تحریمی ہے۔ اسی طرح گردن کو توڑنا بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس صورت میں جانور کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی طرح سر کو الگ کر دینا یہ بھی مکروہ ہے لیکن جانور حلال ہوگا کہ رگیں کٹ گئیں ہیں اور جانور کی گردن کی طرف سے چھری چلانا مکروہ ہے اگر رگوں تک چھری پہنچنے سے قبل جانور ہلاک ہو گیا تو حرام اگر تین رگوں کے کٹنے تک ہلاک نہیں ہوا تو حلال۔

وَمَا اسْتَأْنَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ وَالْجَرْحُ، وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ فَإِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً أَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً أَوْ شَاةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِينًا مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ أَشْعَرَ أَوْ لَمْ يُشْعِرْ،

''اور جو شکار مانوس ہو اس کی ذکاۃ ذبح کرنا ہے اور جو چوپائے وحشت کھائیں ان کی ذکاۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے اور اونٹ میں نحر مستحب ہے اور اگر اس کو ذبح کر دیا جائے تو جائز ہے۔ مگر مکروہ ہے اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا مستحب ہے اور اگر ان دونوں کو نحر کیا تو بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے اور جس نے اونٹنی کو نحر کیا یا گائے اور بکری کو ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا چاہے بال آ گئے ہوں یا نہ آئے ہوں''۔

مانوس اور غیر مانوس جانور کی ذکاۃ:

قولہ: وما استانس الخ: جانوروں کو شرعی طریقے پر حلال کرنے کو قرآنی اصطلاح میں ذکاۃ (الا ما ذکیتم) کہا جاتا ہے پھر ذکاۃ کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) ذبح (ب) نحر۔ جو جانور فطری طور پر شکار تھا مگر گھر میں پالتو، جانور کی طرح رہنے کی وجہ سے مانوس ہو گیا مثلاً ہرن کی فطرت تو شکار ہے مگر گھر میں پالا گیا تو بکری کی مثل اس کو ذبح (ذبح اختیاری) کیا جائے گا اور اگر جانور تو پالتو تھا مگر زیادہ آزاد رہا اب پکڑائی نہیں آتا ذبح اختیاری کی صورت نظر نہیں آتی تو تیر یا فائر مار کر جسم کے کسی بھی حصے کو زخمی کر دیا جائے تو حلال ہے۔ یہ حلت اس اصول پر مبنی ہے کہ ''مجبوری کی صورت میں ذبح اضطراری کفایت کرتی ہے''۔ ذبح اضطراری کو فقہاء کرام ''صید'' کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں۔

ذبح اور صید میں فرق:

کہ ذبح (ذبح اختیاری) میں خاص مطلوبہ رگوں کا کاٹنا ضروری ہے جب کہ صید (ذبح غیر اختیاری) میں کسی جگہ کو زخمی کرنا۔

ذکاۃ کا افضل طریقہ:

قولہ: والمستحب الخ: اگر جانور اونٹ ہے تو افضل یہ ہے کہ اسے نحر کیا جائے۔ نحر یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کر کے پاؤں کو باندھا جائے پھر اس کے سینے کی ہڈی کے اوپر چھری یا نیزہ مار کر گلا پھاڑ دیا جائے کہ جس سے رگیں کٹ جاتی ہیں اسے نحر کہا جاتا ہے لیکن اگر اونٹ کو ذبح کر دیا تب بھی حلال ہے لیکن مکروہ تنزیہی ہے۔

اگر جانور اونٹ کے علاوہ پالتو ہے تو ذبح کرنا افضل ہے لیکن اگر اسے نحر کر دیا تب بھی حلال ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے۔

ذبح اور نحر میں فرق:

ان کے درمیان تین طرح سے فرق بیان کیا جاتا ہے۔ ۱۔ ذبح عام ہے جب کہ نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے ۲۔ ذبح میں جانور کو لٹا جاتا ہے جب کہ نحر میں جانور کو کھڑا کیا جاتا ہے ۳۔ ذبح سر کے قریب سے ہوتا ہے جب کہ نحر سینے کے قریب سے ہوتا ہے۔

ذبیحہ کے پیٹ سے بچہ نکلے تو؟:

قولہ: ونحر الخ: اگر کسی مادہ کو نحر یا ذبح کیا گیا کہ اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکل آیا چاہے اس کے بدن پر بال اُگ آئے ہوں یا نہ اُگے ہوں تو بچہ حلال نہیں ہوگا اگر زندہ نکل آتا ہے پھر اس کو ذبح کیا جائے تو تب حلال ہے یہ مذہب امام اعظم، امام زفر اور حسن بن زیاد کا ہے یہی مفتی بہ قول ہے جب کہ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک ماں کو ذبح کرنے سے بچہ بھی ذبح ہو جائے گا بشرطیکہ بچہ مکمل تخلیق کے بعد ہو۔

وَلَا يَجُوْزُ اَكْلُ كُلِّ ذِي نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ وَلَا ذِي مِخْلَبٍ مِّنَ الطَّيْرِ وَلَا بَأْسَ بِغُرَابِ الزَّرْعِ وَلَا يُؤْكَلُ الْاَبْقَعُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ وَيُكْرَهُ اَكْلُ الضَّبُعِ ، وَالضَّبِّ ، وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا وَلَا يَجُوْزُ اَكْلُ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ ، وَالْبِغَالِ وَيُكْرَهُ اَكْلُ لَحْمِ الْفَرَسِ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَلَا بَأْسَ بِاَكْلِ الْاَرَانِبِ وَاِذَا ذُبِحَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ لَحْمُهُ وَجِلْدُهُ اِلَّا الْاٰدَمِيُّ ، وَالْخِنْزِيْرُ فَاِنَّ الذَّكَاةَ لَا تَعْمَلُ فِيْهِمَا شَيْئًا وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ اِلَّا السَّمَكُ وَيُكْرَهُ اَكْلُ الطَّافِيْ مِنْهُ وَلَا بَأْسَ بِاَكْلِ الْجِرِّيْثِ وَالْمَارْمَاهِيْ وَيَجُوْزُ اَكْلُ الْجَرَادِ وَلَا ذَكَاةَ لَهُ

''اور ہر کچلیوں والے درندوں اور پنجوں والے پرندوں کا کھانا جائز نہیں ہے اور کھیتی کے کوے کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور چتکبرا کوا جو مردار کھاتا ہے۔ اسے نہیں کھایا جائے گا اور بجو، گوہ اور تمام حشرات الارض کا کھانا مکروہ ہے اور گھریلو گدھے اور خچروں کا کھانا جائز نہیں اور گھوڑے کا گوشت کھانا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے اور خرگوش کھانے میں کوئی حرج نہیں اور جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا اگر اس کو ذبح کر دیا جائے تو اس کی کھال اور اس کا گوشت پاک ہو جائے گا سوائے انسان اور خنزیر کے کیونکہ ان دونوں میں ذکاۃ کام نہیں کرتی اور آبی جانوروں میں مچھلی کے علاوہ کوئی حیوان نہیں کھایا جائے گا اور وہ مچھلی جو اپنی موت مر کر پانی کے اوپر آجائے تو اس کا کھانا مکروہ ہے اور جریث اور مارماہی مچھلی کے کھانے میں کوئی حرج نہیں اور ٹڈی کا کھانا جائز ہے اور اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔

جانوروں اور پرندوں کی حلت وحرمت:

قولہ: ولا یجوز الخ: غذائی اعتبار سے جانور دو قسم کے ہیں (الف) حلال (ب) حرام پھر سکونت کے اعتبار سے دو قسمیں بنتی ہیں (الف) خشکی والے (ب) پانی والے۔ پھر خشکی والے تین قسم کے ہیں۔ پہلی قسم وہ کہ جن میں بالکل خون نہیں ٹڈی (جراد) کے علاوہ سبھی (مکھی، بھڑ وغیرہ) بالاتفاق حرام ہیں۔ دوسری قسم وہ کہ جن میں خون تو ہے مگر بہنے والا نہیں ان کی حرمت پر سوائے گوہ (ضب) کے سبھی کا اتفاق ہے مثلاً سانپ، چھپکلی اور دیگر حشرات الارض وغیرہ۔ احناف کے نزدیک ان کی حرمت مکروہ تحریمی ہے اور امام شافعی کے نزدیک گوہ حلال ہے ہمارے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے کہ جن میں بہنے والا خون ہو ان کی تفصیل امام قدوری ''ولا یجوز کل الخ'' سے بیان کر رہے ہیں۔

ذی ناب جانور اور ذی مخلب پرندے کی حرمت:

ذی ناب ہر اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کے منہ میں دو لمبے دھار والے دانت ہوتے ہیں اسے ''ذی ناب جانور'' کہا جاتا ہے

جیسے کتا، شیر وغیرہ اور ذی مخلب وہ پرندہ ہوتا ہے جو تیز ناخن اور تیز چونچ سے شکار کو پھاڑ دیتا ہے اسے "ذی مخلب پرندہ" کہا جاتا ہے۔ ذی مخلب کا حقیقی معنی پنجے والے پرندے۔ جیسے کوا، چیل وغیرہ۔ ان درندوں اور پرندوں میں وحشی پن پایا جاتا ہے کہ جن کے کھانے سے انسان میں وہی خصلت اثر انداز ہوتی ہے جو ان میں ہے اس لیے اسلام نے ان کو حرام قرار دیا ہے۔

کوے کی حرمت:

وہ کوا جو مردار کھاتا ہے جس کو "زاغ معروف" کہا جاتا ہے جو سیاہ سفید یا فقط سیاہ ہوتا ہے وہ حرام ہے جس کو صاحب قدوری نے "الابقع" سے موسوم کیا ہے۔ یہ کوا صرف صاحب فتاویٰ رشیدیہ (شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی) کے نزدیک حلال ہے بلکہ عین ثواب ہے۔ باقی وہ کوا جو دانے کھاتا ہے مردار نہیں کھاتا وہ حلال ہے۔ جس کو صاحب قدوری نے "غراب الزرع" سے موسوم کیا ہے جو غذا کھانے کے لحاظ سے مرغی کے مشابہ ہے اس کو "عقعق" بھی کہا جاتا ہے۔

پالتو گدھے اور خچر کی حرمت:

یہ دونوں حرام ہیں لیکن وحشی جانوروں میں سے جنگلی گدھا، جنگلی اونٹ، ہرن، نیل گائے حلال ہیں۔

گھوڑے کا گوشت:

قولہ: ویکرہ اکل الخ: گھوڑے کی حلت و حرمت میں اختلاف ہے کہ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک حرمت ہے جب کہ صاحبین اور امام شافعی کے نزدیک حلت ہے۔ امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف مکروہ تحریمی ہونے یا نہ ہونے میں ہے حرمت قطعی کسی کے نزدیک نہیں کہ امام اعظم کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک مکروہ تحریمی نہیں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ صحیح قول کے مطابق ظاہر روایت امام اعظم سے بھی مکروہ تنزیہی ہی کی ہے۔ کہ کراہت کی مراد میں دو گروہ ہو گئے ایک کراہت تنزیہی اور دوسرا کراہت تحریمی مراد لیتا ہے۔ (الترجیح والتصحیح: در المختار مع رد المحتار وغیرہ) بعض نے لکھا ہے کہ امام اعظم نے وصال سے تین یا سات دن قبل حرمت تحریمی سے رجوع فرما لیا تھا۔ امام طحاوی نے یہی استدلال کیا ہے کہ امام اعظم کے نزدیک بھی مکروہ تنزیہی ہی ہے۔ گھوڑی کا دودھ پاک ہے۔

خرگوش:

خرگوش نہ گوشت خور ہے اور نہ گندگی کھاتا ہے بلکہ گھاس کھانے والا جانور ہے لہٰذا حلال ہے۔

غیر ماکول اللحم کو ذبح کرنا:

قولہ: واذا ذبح الخ: ہر وہ جانور جس کا کھانا حلال نہیں اگر اسے شرعی طریقے سے ذبح کر دیا جائے تو گوشت اور کھال پاک ہو جائیں گے۔ پاک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے جب ذبح کرنے کی وجہ سے وہ بہہ گیا تو گوشت

دکمال پاک ہو گئے لیکن گوشت کھانا حلال نہیں کہ جس طرح مٹی تو پاک ہے مگر کھانا حلال نہیں۔

مفتی بہ قول:

ذبح سے فقط چمڑا پاک ہوگا تو گوشت پاک نہ ہوگا کہ ضرورت چمڑے کی طہارت کی ہے کہ جائے نماز وغیرہ کی حاجت ہوتی ہے بخلاف گوشت کے جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے: "الضرورات تقدر بقدر ھا" (علی اصح ما یفتی بہ مراقی اللباب مولا الاصح) یہی مسئلہ ہم نے کتاب الطہارت میں چمڑے کی دباغت کے تحت بیان کیا ہے۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک جب تک کھال کو دباغت نہیں دیں گے تو اس وقت تک صرف ذبح شرعی سے پاک نہ ہوگا۔ ذکاۃ شرعی خنزیر اور انسان میں اثر انداز نہیں ہوتی کہ انسان تکریم کی وجہ سے ذبح شرعی کے باوجود ناپاک ہی رہے گا جب کہ خنزیر نجس العین ہونے کی وجہ سے خنزیر ذبح شرعی کے باوجود ناپاک ہی رہے گا۔

پانی کے جانور:

قولہ: ولا یوکل الخ: سکونت کے اعتبار سے جانوروں کی دو قسمیں ہیں خشکی اور تری والے جانور جن میں سے خشکی والے جانوروں کے احکام گزر چکے ہیں اب تری والے (پانی والے) جانوروں کی حلت وحرمت کے لحاظ سے احکام بیان کر رہے ہیں۔ احناف کے نزدیک پانی والے جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے۔ باقی سب حرام ہیں جب کہ امام شافعی کے نزدیک تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

طافی مچھلی کا حکم:

ویکرہ الطافی الخ: طافی وہ مچھلی کہلاتی ہے جو قدرتی اسباب سے مر کر پانی پر تیرے۔ یہ مر کر پانی کے اوپر آجاتی ہے اور اس کا سینہ اوپر کو ہوتا ہے۔ اس کا کھانا حلال نہیں لیکن جو مچھلی ابھی کسی حادثے کی وجہ سے مری ہو تو وہ حلال ہے۔ اس کا سینہ نیچے کو ہوتا ہے۔ عنبر نامی مچھلی صحابہ کرام 15 ایام تک کھاتے رہے اتنی بڑی تھی کہ اس کی ہڈی کے نیچے سے اونٹ گزر جایا کرتا تھا۔ اتنے دن خراب نہ ہونا بغیر ریفریجیٹر کے صحابہ کرام کی کرامت تھی۔

سیاہ مچھلی اور سانپ جیسی مچھلی کا حکم:

ولا بأس الخ: الجریث سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ جس کو اہل ہند بکی کہتے ہیں۔ المارماھی وہ مچھلی جو سانپ (مار) جیسی شکل کی ہوتی ہے۔ اسے بام مچھلی بھی کہا جاتا ہے۔ احناف کے نزدیک مچھلی کی تمام اقسام کھانا حلال ہیں۔ جھینگا مچھلی جو کیڑوں کی مانند ہوتی ہے۔ چھوٹے جھینگے کے کھانے کو امام اہل سنت امام احمد رضا حنفی نے خلاف اولیٰ قرار دیا ہے جب کہ بڑے کو بغیر کراہت کے حلال قرار دیا ہے۔

ٹڈی کی حلت:

قولہ: ویجوز الخ: ٹڈی یہ خشکی کا حیوان بغیر ذبح کے حلال ہے جب کہ مچھلی پانی کا حیوان بغیر ذبح کے حلال ہے۔

كتاب الاضحية

سیاق وسباق:

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الذبائح کو بیان کیا اس کو پہلے بیان کرنے کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ کتاب الذبائح مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ ذبح کی معرفت کے ذریعے ایام نحر میں جانور ذبح کیا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذبح عام ہے اور اضحیہ خاص ہے اور خاص عام کا جز ہوتا ہے۔ اس لیے کل کو جز پر مقدم کیا۔

اُضحیہ کی تحقیق:

اضحیہ اصل میں اُضحُوِيَّةٌ بروزن اُفْعُوْلَةٌ تھا پھر سیدوالے قانون کے تحت واؤ کو یا کیا پھر یا کا یا میں ادغام کیا اور یا کی مناسبت سے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے بدلا تو اُضحیہ ہو گیا۔ اور اضحی مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اضحیہ سے مراد قربانی کا جانور ہے جو ایام قربانی میں ذبح کیا جاتا ہے۔

قربانی کا ثبوت:

قربانی دو طرح کی ہے ایک بقرعید کی اور دوسری قربانی حج قران یا تمتع کرنے والا کرتا ہے۔ ان کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ سے ہے۔ سورہ کوثر میں فصل لربك وانحر میں انحر سے قربانی مراد ہے۔ اور نُسک کا لفظ بھی قرآن مجید میں قربانی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ باقی حکم و شرائط متن میں موجود ہیں۔

اَلْاُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ مُوْسِرٍ فِيْ يَوْمِ الْاَضْحٰى عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ يَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ شَاةً اَوْ يَذْبَحُ بَدَنَةً اَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيْرِ، وَالْمُسَافِرِ اُضْحِيَّةٌ وَوَقْتُ الْاُضْحِيَّةِ يَدْخُلُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَّوْمِ النَّحْرِ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ لِاَهْلِ الْاَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْاِمَامُ صَلَاةَ الْعِيْدِ فَاَمَّا اَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُوْنَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ وَلَا يُضَحّٰى بِالْعَمْيَاءِ وَلَا الْعَوْرَاءِ وَلَا الْعَرْجَاءِ الَّتِيْ لَا تَمْشِيْ اِلَى الْمَنْسَكِ وَلَا بِالْعَجْفَاءِ وَلَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعَةُ الْاُذُنِ اَوْ الذَّنَبِ وَلَا الَّتِيْ ذَهَبَ اَكْثَرُ اُذُنِهَا اَوْ ذَنَبِهَا فَاِنْ بَقِيَ اَكْثَرُ الْاُذُنِ اَوِ الذَّنَبِ جَازَ

”قربانی عیدالاضحیٰ کے دن ہر آزاد مسلمان، مقیم مالدار پر واجب ہے۔ اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی طرف سے ذبح کرے اور ہر ایک شخص کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے یا اونٹ یا گائے سات اشخاص کی طرف سے ذبح کرے۔ فقیر اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اور قربانی کا وقت یوم نحر کی طلوع فجر سے ہوتا ہے۔ البتہ شہر والوں کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ امام عید کی نماز پڑھا لے البتہ دیہات والے طلوع فجر کے بعد ذبح کر سکتے ہیں اور قربانی تین دن جائز ہے۔ یوم نحر میں اور دو دن یوم نحر کے بعد اور اندھے، کانے اور ایسے لنگڑے جانور قربانی نہ کرے جو ذبح خانہ

تک نہ جاسکتے ہوں اور نہ دبلے کی اور کان کٹے ہوئے اور دم کٹی ہوئی جانور کی قربانی جائز نہیں اور نہ ہی ایسے جانور کی قربانی جائز ہے جس کے کان یا دم کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔ البتہ کان اور دم کا اکثر حصہ محفوظ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے"۔

شرعی حکم:

قوله: والاضحية الخ: قربانی کی مشروعیت پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے مگر اس کی حیثیت وحکم میں اختلاف ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے جب کہ صاحبین اور آئمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ مفتی بہ قول امام اعظم کا ہی ہے۔

شرائط وجوب:

قوله: على كل حر الخ: قربانی مالی عبادت ہونے کے باوجود (زکوٰۃ وصدقات سے مختلف) قربت غیر معقولہ ہے اور نماز کی طرح عبادات مؤقتہ میں سے ہے اسی وجہ سے احناف کے نزدیک قربانی کا سبب وجوب "وقت" ہے۔ اور قربانی کی شرائط وجوب اور شرائط ادا میں سے ہے۔ آزاد ہونا، مسلمان ہونا، مقیم ہونا، بالغ ہونا اور غنی ہونا۔ زکوٰۃ اور اضحیہ کے نصاب میں فرق بحث کے آخر میں دیکھیے۔ لہٰذا اگر قربانی کا وقت (یوم نحر) تو داخل ہو گیا مگر شرط وجوب نہ پائی گئی تو قربانی کی ادائیگی ذمہ میں واجب نہیں ہوتی اگر کر دی تو نفلی ہوگی۔ سبب وجوب (یوم نحر) تو پایا گیا مگر شرط وجوب اور شرط ادا نہیں پائی گئی اس لیے قربانی تو ہوگی مگر نفلی۔ فقہاء کرام شرط وجوب بول کر شرط ادا بھی مراد لیتے ہیں۔

کن کی جانب سے قربانی واجب ہے؟

قوله: يذبح الخ: امام قدوری نے فرمایا کہ قربانی اپنی طرف سے اور نابالغ اولاد کی طرف سے کرنی چاہیے۔ یہ روایت حسن بن زیاد کی امام اعظم سے مروی ہے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس پر ہے کہ فقط اپنی طرف سے قربانی واجب ہے۔ یہی ظاہر روایت ہے کہ قربانی عبادت محضہ ہے کہ کسی انسان پر کسی دوسرے کی وجہ سے عبادت واجب نہیں ہوتی کہ ادا کرنا مستحب تو ہے مگر واجب نہیں (هو ظاهر الرواية هدايه، عنايه، مراقی، درمختار مع ردالمحتار)۔

صدقہ فطر اور قربانی میں وجہ فرق:

صدقہ فطر نابالغ اولاد کی طرف سے دیگر نصوص کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جب کہ قربانی کا مسئلہ اصلی ضابطہ پر ہے کہ قربت محضہ ہے کہ دوسرے پر واجب نہیں۔

قربانی کے جانور:

قوله: ويذبح الخ: قربانی کے جانور دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ جن میں صرف ایک کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے وہ بکری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا اور دنبہ ہے۔ اور دوسرے وہ جانور کہ جن میں سات افراد شریک ہوتے ہیں۔ سات سے کم بھی شریک ہو

سکتے ہیں۔ بشرطیکہ کسی کا حصہ ایک مکمل حصے سے کم نہ ہو۔ اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس وغیرہ۔

افضلیت میں ترتیب:

احناف اور حنابلہ کے نزدیک افضلیت کی تریب یہ ہے۔ اونٹ، گائے، بیل، بکری لیکن اگر بکری کی قیمت اونٹ کے ساتویں حصے سے زائد ہو تو بکری افضل ہے۔

قربانی کے ایام:

قولہ: ووقت الاضحیۃ الخ: قربانی کے وجوب کا سبب وقت ہے جس کا آغاز یوم نحر کی طلوع فجر سے لے کر بارہ ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک ہے لہٰذا نہ سبب سے قبل قربانی ہوگی اور نہ وقت کے نکلنے کے بعد قربانی ہوگی بلکہ صدقہ کہلائے گا۔ کیونکہ قربانی عبادت غیر معقولہ ہے جو اپنے مورد (نص) پر بند ہے۔ اور دس سے بارہ کے درمیان دو راتیں سبب میں داخل ہیں اگر روشنی کا معقول انتظام ہو تو رات کو قربانی کرنے میں حرج نہیں۔ جہاں عید پڑھی جاتی ہو اس کے بعد قربانی کا ہونا شرط ہے۔

قربانی کے اوقات کا معیار قربانی کرنے والے یا قربانی کے مقام میں سے کس سے ہوگا؟:

دور حاضر میں ذرائع ابلاغ اور وسائل سفر کے تیز ترین ہونے کی وجہ سے دو ایسے مقامات کہ جن میں اوقات کے لحاظ سے کافی فرق ہوتا ہے وہاں کسی کو قربانی کا وکیل مقرر کیا جاتا ہے۔ تو لحاظ قربانی کرنے والے کے وقت کا ہوگا یا جہاں وکیل قربانی کر رہا ہے اس کا اعتبار ہوگا؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ ”قربانی کا وقت مکلف کے ذمہ کے لیے سبب وجوب ہے۔“ لہٰذا قربانی نہ سبب (وقت) سے پہلے واجب ہوسکتی ہے اور نہ درست ہوتی ہے اور ”وقت“ قربانی کی ادائیگی کے لیے شرط ادا بھی ہے لہٰذا مُضحی (قربانی کرنے والا) اور مقام اضحیہ دونوں کے ایام اضحیہ کا اعتبار ہوگا کہ ملک سے باہر والے پر ایام نحر شروع ہو گئے ہوں اور وکیل کے پاس بھی ایام نحر شروع ہو گئے ہوں۔ شریعت نے قربانی کے تین دن اور دو راتیں رکھیں ہیں تاکہ اس جیسی مشقت کی صورت میں عمل کرنا ممکن ہو کہ تین دنوں میں سے کوئی نہ کوئی دن پوری دنیا میں دوسرے ملک کے ساتھ بیک وقت پایا جاسکتا ہے اور وقت شرط صحت بھی ہے۔

اسلام آباد سے باقی دنیا کے ٹائم کا فرق:

اسلام آباد سے Alofi ملک وقت کے لحاظ سے سولہ (16-) گھنٹے پیچھے ہے۔ جو جانب نفی میں سب سے زیادہ ٹائم ہے۔ جب کہ اسلام آباد سے Apia ملک، وقت کے لحاظ سے آٹھ (8+) گھنٹے آگے ہے یہ ملک پاکستان سے ٹائم میں سب سے آگے ہے۔ جب باہم ملکوں کے درمیان اتنے اتنے گھنٹوں کے درمیان فرق ہے تو یقیناً مضحی اور مقام اضحیہ میں فرق کا ہونا یقینی بات ہے لیکن دونوں مقام میں ایام نحر کا اشتراک بھی ممکن ہے لہٰذا ایام نحر میں دونوں کا اعتبار ضروری ہے۔

شرائط صحت:

قولہ: ولا یصحی الخ: قربانی کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرائط صحت بھی ہیں جن میں سے ایک وقت کی بحث گزر چکی ہے کہ وقت سبب وجوب، شرط ادا اور شرط صحت بھی ہے۔ دوسری شرط صحت یہ ہے کہ جانور عیوب سے پاک ہو جانور نہ اندھا ہو نہ یک چشم ہو)

کانا) اور نہ پاؤں میں اتنا لنگڑا پن ہو کہ ذبح کرنے کے مقام تک نہ پہنچ سکتا ہو، زیادہ کمزور نہ ہو اور نہ ہی دم اور کان کا اکثر حصہ کٹا ہوا ہو۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس پر ہے کہ اگر کان یا دم کا تہائی 1/3 حصہ کٹا ہوا ہے تو قربانی جائز ہے۔ اگر اس سے زائد ہے تو ناجائز قربانی کے باب میں قلیل مقدار 1/3 اور کثیر مقدار اس سے اوپر ہے کہ جس طرح شریعت میں وراثت کے باب میں 1/3 حصہ قلیل مقدار ہے جس کی وصیت جائز ہے (الصحیح ان الثلث ومادونه قلیل ومازاد علیه کثیر وعلیه الفتویٰ عالمگیریه، هندیه، در المختار مع رد المحتار) باقی تفصیل فقہی انسائیکلو پیڈیا یا بہار شریعت میں ملاحظہ کیجئے۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يُضَحِّيَ بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالثَّوْلَاءِ، وَالْاُضْحِيَّةُ مِنَ الْاِبِلِ، وَالْبَقَرِ، وَالْغَنَمِ يُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا اِلَّا الضَّأْنَ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْاُضْحِيَّةِ وَ يَدَّخِرُ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ لَا يُنْقِصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا اَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ، وَالْاَفْضَلُ اَنْ يَذْبَحَ اُضْحِيَّتَهُ بِيَدِهٖ اِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ وَيُكْرَهُ اَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ وَاِذَا غَلِطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اُضْحِيَّةَ الْاٰخَرِ اَجْزَاَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا،

''اور بے سینگ جانور کی قربانی، خصی کی، خارش زدہ کی اور دیوانے کی جائز ہے اور قربانی اونٹ، گائے اور بکری کی ہوتی ہے۔ اور ان تمام میں ثنیہونا کافی ہے یا اس سے زائد ہو البتہ بھیڑ کا ششماہی بچہ کفایت کرتا ہے اور قربانی کا گوشت خود بھی کھائے امیروں اور فقیروں کو کھلائے اور ذخیرہ بنا کر رکھ لے اور مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی سے کم صدقہ نہ کرے اور قربانی کی کھال صدقہ کر دے یا ایسا کوئی آلہ بنالے جو گھر میں استعمال کیا جائے اور افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور خود ذبح کرے۔ اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو اور مکروہ ہے کہ قربانی کا جانور کوئی کتابی ذبح کرے۔ اگر دو شخصوں سے غلطی ہو گئی کہ دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے جانور کو ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی درست ہو جائے گی اور ان دونوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا''۔

جو عیوب قربانی سے مانع نہیں:

قوله: ویجوز الخ: جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ (الجما) نہ ہوں، خصی ہو، خارش زدہ (جربا) ہو اور دیوانہ (الثولا) تو ان کی قربانی جائز ہے اس طرح جس کے پیدائشی دانت نہ ہوں لیکن چارہ کھا سکتا ہو۔

عیوب کے سلسلہ میں اصول یہ ہے ''كُلُّ عَيْبٍ يُزِيْلُ الْمَنْفَعَةَ عَلَى الْكَمَالِ وَالْجَمَالِ'' کہ ہر وہ عیب جس سے کوئی خاص قسم کی منفعت یا ظاہری جمال بالکل ختم ہو جائے تو اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔

قربانی کے جانوروں کی اقسام:

قوله: والاضحية الخ: تین طرح کے جانور کی قربانی ہوتی ہے۔

۱۔ اونٹ، ۲۔ گائے، ۳۔ بکری۔ گائے کے ساتھ بھینس بھی شامل ہے اور بکری کے ساتھ بھیڑ دنبہ بھی شامل ہے۔

جانوروں کی عمریں:

قولہ:یجوزی الخ:حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:"لاتذبحوا الا مسنة" کہ صرف مسنہ کو ذبح کرو۔اسی مسنہ کا معنی فقہاء کرام ثنی سے بیان کرتے ہیں لہٰذا مسنہ اور ثنی کا معنی وہ جانور ہے کہ جس کے دودھ والے دانت گر کر دو نئے آ جائیں۔اس کو عرف عام میں دوندا کہتے ہیں جن کی عمریں سالوں کے لحاظ سے یہ ہیں۔ا۔اونٹ و اونٹنی پانچ سال مکمل،۲۔گائے و بھینس دو سال مکمل،۳۔بکری،بھیڑ،و دنبہ ایک سال مکمل لیکن بھیڑ یا دنبی کا بچہ جب چھ ماہ کا اتنا فربہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا لگتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے حدیث سے ثابت ہے لہٰذا مینڈھا اور دنبہ دونوں عربی لفظ "ضأن" کے تحت داخل ہیں لیکن چھ ماہ کا بکرا جائز نہیں اگرچہ دیکھنے میں سال بھر کا لگتا ہو بھیڑ کے چھ ماہی بچے کی قربانی خصوصیت کی بنا پر جائز ہے۔اگر بیان کردہ مدت سے ایک دن بھی کم ہوا تو قربانی نہ ہوگی۔

جانور	دودھ کے دانت	دو (2) پکے دانت	مکمل دانت
بکری وغیرہ	ایک سال تک	ایک سال مکمل ہونے پر	پانچویں سال کی تکمیل پر
گائے وغیرہ	دو سال تک	دو سال تکمیل پر	پانچویں سال کی تکمیل پر
اونٹ وغیرہ	پانچ سال تک	پانچ سال کی تکمیل پر	آٹھویں سال کی تکمیل پر

دوندا:

عرف عام میں دو پکے دانت نکالنے والے کو دوندا،حدیث میں مسنہ اور فقہ میں ثنی کہا جاتا ہے اور دوندا بکری میں ایک سال کی تکمیل پر،گائے میں دو سال کی تکمیل پر جب کہ اونٹ میں پانچ سال کی تکمیل پر ہوتا ہے۔اگر دانت نہ آئے ہوں مگر چارہ صحیح طور پر کھاتا ہو تو عمر سے تعین کیا جائے اگر عمر کا علم نہ ہو تو دانتوں سے متعین کیا جائے۔

شمسی اور قمری سال میں فرق:

شمسی سال سے مراد عیسوی سال ہے کہ جس کے عموماً 365 دن ہوتے ہیں۔لیکن عیسوی تقویم میں تبدیلیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔جب کہ قمری سال سے مراد ہجری سال ہے کہ جس کے دن کبھی 355 کبھی 354 ہیں۔اس فرق کی بنا پر دس سے گیارہ دنوں کا دونوں کے درمیان فرق پڑ جاتا ہے لہٰذا جانور کی سالوں کے لحاظ سے عمر میں یہ فرق ملحوظ رہے کہ کس اعتبار سے سال کا ہوا ہے۔

ہجری (Hijre) عیسوی (Gregorian) تبدیل کرنے کا کلیہ:۔

{(32xH)+33}+622

32x1438=46016+33=1394.42+622=2016.42

قربانی کے گوشت کے مصارف:

قولہ:ویاکل الخ:قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا مستحب ہے۔ا۔ذاتی۔۲۔خویش،۳۔درویش گوشت خود بھی کھا

سکتا ہے اور فقیروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور تین دن سے زیادہ جمع کر کے رکھنا جائز ہے اور گوشت کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر سکتا ہے۔

قربانی کی کھال کے شرعی مصارف:

قولہ: ویتصدق الخ: شریعت نے قربانی کے جانور میں تین جہتیں متعین فرمائی ہیں۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے "کلوا و ادخروا و ائتجروا"۔ (سنن ابوداؤد)

۱۔اکل، ۲۔ادخار، ۳۔ائتجار یعنی کھانا، اس کو باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھانا اور ثواب کے کام میں صرف کرنا۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے "واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح" کہ صحیح یہ ہے کہ گوشت اور جلد دونوں ایک حکم میں ہیں۔ لہٰذا جس طرح قربانی کا گوشت اپنے تصرف میں لانا جائز ہے ایسے ہی کھال سے ایسی چیز بنانا جو باقی رہنے والی ہو جائز ہے۔ کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں۔ امام قدوری نے دو جہتوں کا ذکر کیا مگر تیسری جہت استبدال والی چھوڑ دی۔ اہلسنت کے نزدیک قربانی کی کھال براہ راست مسجد اور مدرسے کو دی جا سکتی ہے کہ جس کی آمدنی سے مسجد و مدرسہ کی تعمیر و آبادکاری میں رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ باقی رہا مسئلہ کھال کے فروخت کرنے کا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مالک خود فروخت کرے پھر اس کے بدلے خریدی گئی چیز دو حال سے خالی نہیں کہ اس سے نفع اس کے باقی رہنے کے ساتھ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں اگر باقی رکھنے کے ساتھ نفع اٹھایا جا سکتا ہے مثلاً دینی کتابیں تو جائز ہے۔ ولا بأس بان یشتری به ما ینتفع بعینه مع بقائه استحساناً (الھندیہ) لیکن اگر ہلاک کرنے کے ساتھ نفع اٹھانا ہی ممکن ہے مثلاً خورد و نوش، رقم وغیرہ تو جائز نہیں۔ "ولا یشتری به مالا ینفتع به الا بعدالاستھلاك نحواللحم والطعام" (الھندیہ) اس صورت میں تصدق واجب ہوگا۔ اگر مالک اس نیت سے فروخت کرے کہ کسی نیک کام میں رقم دوں گا تو قیمت کا صدقہ کرنا صدقات واجبہ کی طرح واجب نہیں کہ جس طرح قربانی کے گوشت و کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں لہٰذا چاہے کھال ہو یا اس کی رقم بغیر حیلہ تملیک کے مسجد و مدرسہ پر لگ سکتی ہے۔ رقم دینے والے مسجد یا مدرسہ کو ہدیۃً دیتے ہیں جن کو ان کی کمیٹی (شخصیت معنوی) وصول کرتی ہے جس کی وجہ سے صدقہ واجب میں تملیک پائی جاتی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مالک جب رقم کے عوض کھال فروخت کرے تو رقم صدقہ کرنا واجب ہے۔

تملیک کہاں ضروری ہے؟:

اصول یہ ہے کہ "صدقات واجبہ میں سوائے کفارہ کے تملیک ضروری ہے۔" جیسے صدقہ فطر، زکوٰۃ، اجرۃ کھال دینا، قربانی کی کھال اجرۃ و معاوضۃً دینا جائز نہیں نہ ہی قصائی کو اور نہ ہی امام مسجد کو۔

ذبح کون کرے؟:

قولہ: ولا فضل الخ: اگر قربانی دینے والا خود اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو خود ذبح کرے اگر خود ذبح نہ کر سکتا ہو تو خود پاس موجود رہے تاکہ گناہ معاف ہوں۔

اہل کتاب کا ذبیحہ:

قولہ: ویکرہ ان یذبحھا الخ: اہل کتاب (عیسائی و یہودی) کا ذبیحہ مکروہ ہے کہ ان میں اہل کتاب کی خصوصیات دور

حاضر میں نادر ہیں۔ گستاخان رسالت، گستاخان صحابہ واہل بیت اور منکرین حدیث، منکرین قرآن اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔

غلطی سے دوسرے کی قربانی کا ذبح ہوجانا:

قولہ:واذا غلط الخ: اگر دو شخصوں کے دو بکرے اکٹھے تھے کہ ایک نے غلطی سے دوسرے کا بکرا ذبح کردیا اور دوسرے نے پہلے کا بکرا ذبح کردیا تو کوئی بھی ایک دوسرے کی طرف سے ضامن نہ ہوگا۔ لیکن قربانی درست ہے جب کہ امام زفر کے نزدیک قربانی ہی معتبر نہیں۔

صدقہ کے اطلاقات

۱۔ تملیک المال من الفقیر ←←←←←← (صدقہ فطر وزکوۃ)

۲۔ تمکین الفقیر من المال ←←←←←← (کھانے سے کفارہ)

۳۔ تملیک وا اباحت ←←←←←← (ہبہ + اولا دخرچ)

۴۔ نہ تملیک نہ اباحت ←←←←←← (صدقہ جاریہ)

۵۔ لقطہ کے حکم میں اشیاء ←←←←←← (ویران مسجد ومقبرہ جس کا واقف معلوم نہ ہو)

۶۔ مطلقاً نفع پہنچانا ←←←←←← (مدد کرنا، نقصان دور کرنا)

۷۔ ہر فعل محمود ←←←←←← (نیک کام)

پہلے پانچ اطلاقات فقہی عبارات میں بکثرت مستعمل ہیں جب کہ آخری دو کا اطلاق احادیث مقدسہ میں آتا ہے۔

زکوۃ اور اضحیہ میں فرق:

۱۔ زکوۃ سے مقصود غریبوں کی حاجت روائی ہے جب کہ اضحیہ سے مقصود اصلی اراقۃ الدم ہے۔ ۲۔ زکوۃ فرض اور اجتماعی حکم ہے جب کہ اضحیہ اکثر کے نزدیک واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔ ۳۔ زکوۃ کا نصاب متعین طور پر منصوص ہے جب کہ قربانی کا نصاب متعین طور پر منصوص نہیں۔

۴۔ زکوۃ میں فقرا کے نفع کا لحاظ ہے اس لیے "أنفع للفقرا" کی قید مذکور ہوتی ہے جب کہ اضحیہ میں مقصود اصلی اراقۃ الدم کی وجہ سے انفع للفقرا کی قید ملحوظ نہیں ہے۔

۵۔ زکوۃ میں مال کی ادائیگی کا چالیسواں حصہ ہے جب کہ اضحیہ میں خرچ ہونے والے مال کا تناسب متعین نہیں۔

۶۔ زکوۃ مال نامی پر فرض ہے جب کہ اضحیہ میں مال نامی شرط نہیں بلکہ حاجت سے فارغ پر قربانی واجب ہے۔

۷۔ زکوۃ میں حولان حول شرط ہے جب کہ اضحیہ میں شرط نہیں ہے۔

كتابُ الْاَيمان

سیاق وسباق:۔

اس سے قبل امام قدوری نے کتاب الاضحیہ کو بیان کیا اب کتاب الایمان کا آغاز کر رہے ہیں۔

الایمان کا لغوی معنی:

ایمان جمع ہے یمین کی لغت میں یمین کے معنی قوت کے آتے ہیں اور دائیں ہاتھ کو یمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بنسبت بائیں ہاتھ کے قوت زیادہ ہوتی ہے اور قسم کو یمین اس لیے کہا جاتا ہے کہ قسم کے ذریعے کس کام کو کرنے کا نہ کرنے کا عزم پوری قوت کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

"عَقْدٌ قَوِيٌّ بِهٖ عَزَمَ الْحَالِفُ عَلَى الْفِعْلِ اَوِ التَّرْكِ" قسم کھانے والے کا کسی کام کرنے یا نہ کرنے پر پختہ عزم کر لینا یمین کہلاتا ہے۔

یمین کی مشروعیت:

قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے۔

قسم کھانے کا حکم:

قسم کھانا جائز ہے مگر بات بات پر قسم کھانا کراہت سے خالی نہیں البتہ حسب ضرورت قسم کھانے میں حرج نہیں۔

قسم کی اقسام:

حکم کے اعتبار سے قسم کی پانچ اقسام ہیں۔۱۔واجب: مثلاً کسی بے گناہ کی جان بچانے کے لیے، ۲۔مستحب: مثلاً صلح کرانے یا نقصان دور کرنے کے لیے، ۳۔مباح: کسی مباح چیز کے کرنے یا چھوڑنے پر یا جائز حقوق حاصل کرنے کے لیے، ۴۔مکروہ: مثلاً کسی مکروہ کام کو کرنے یا مستحب کام نہ کرنے کے لیے، ۵۔حرام: مثلاً جھوٹی بات یا معصیت کے ارتکاب کے لیے۔

قسم کا رکن:

اللہ کی قسم کا رکن وہ کلام ہے جس کے ذریعے قسم کھائی جائے۔

اصطلاحات:

جس کی قسم کھائی جائے اسے مقسم بہ جس پر قسم کھائی جائے اسے مقسم علیہ اور قسم کھانے والے کو حالف کہا جاتا ہے۔

اَلْاَيْمَانُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَضْرُبٍ يَمِيْنٌ غَمُوْسٌ وَّيَمِيْنٌ مُنْعَقِدَةٌ وَّيَمِيْنُ لَغْوٍ فَالْغَمُوْسُ هِيَ الْحَلِفُ

عَلٰی اَمْرٍ مَاضٍ یَتَعَمَّدُ الْکَذِبَ فِیْهِ فَهٰذَا الْیَمِیْنُ یَأْثَمُ بِهَا صَاحِبُهَا وَلَا کَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا الْاِسْتِغْفَارُ وَالْیَمِیْنُ الْمُنْعَقِدَةُ هِیَ الْحَلِفُ عَلَی الْاَمْرِ الْمُسْتَقْبَلِ اَنْ یَّفْعَلَهٗ اَوْلَا یَفْعَلَهٗ فَاِذَا حَنِثَ فِیْ ذٰلِكَ لَزِمَهُ الْکَفَّارَةُ وَیَمِیْنُ اللَّغْوِ اَنْ یَّحْلِفَ عَلٰی اَمْرٍ مَاضٍ وَّهُوَ یَظُنُّ اَنَّهٗ کَمَا قَالَ وَالْاَمْرُ بِخِلَافِهٖ فَهٰذِهِ الْیَمِیْنُ نَرْجُوْ اَنْ لَّا یُؤَاخِذَ اللّٰهُ بِهَا صَاحِبَهَا وَالْعَامِدُ فِی الْیَمِیْنِ وَالنَّاسِیْ وَالْمُکْرَهُ سَوَاءٌ وَمَنْ فَعَلَ الْمَحْلُوْفَ عَلَیْهِ عَامِدًا اَوْ نَاسِیًا اَوْ مُکْرَهًا فَهُوَ سَوَاءٌ

”قسموں کی تین قسمیں ہیں: یمین غموس، یمین منعقدہ اور یمین لغو۔ پس غموس کسی ایسے کام پر قسم کھانا ہے کہ جس میں قصداً جھوٹ بول رہا ہو، تو اس قسم کی وجہ سے صاحب قسم گنہگار تو ہوتا ہے مگر اس میں کفارہ نہیں ہوتا سوائے توبہ واستغفار کے اور یمین منعقدہ وہ قسم اٹھانا ہے کسی آئندہ کام پر کہ اس کو کرے گا یا نہیں۔ پس جب اس میں حانث ہو جائے تو کفارہ لازم ہو جائے گا اور یمین لغو یہ ہے کہ گزشتہ امور پر قسم کھائے یہ گمان کرتے ہوئے کہ قسم بیان کے مطابق ہے اور معاملہ اس کے خلاف ہو اور اس قسم میں ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم میں مواخذہ نہیں کرے گا اور قسم میں عمداً قسم کھانے والا اور بھول کر قسم کھانے والا برابر ہے اور جس شخص نے قسم اٹھاتے ہوئے کام کو جان بوجھ کر یا بھول کر یا مجبور ہو کر کر لیا تو بھی برابر ہے۔“

اللہ کے نام کی قسموں کی اقسام:

قولہ: الایمان علی الخ: قسم کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ یمین غموس، ۲ یمین منعقدہ، ۳۔ یمین لغو۔

یمین غموس کی تعریف:

فالغموس الخ: غموس کے اصل معنی ڈوبنے کے ہیں کہ انسان اس قسم کے ذریعے پہلے گناہ میں پھر دوزخ کی آگ میں ڈوب جاتا ہے اصطلاحی تعریف یہ ہے: ”کسی امر پر عمداً واقع کے خلاف قسم کھانا یمین غموس ہے“۔ اگرچہ امام قدوری نے صرف ماضی کی قید لگائی ہے مگر محققین نے یمین غموس کا تعلق ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

یمین غموس کا حکم:

قولہ: فھذا الیمین الخ: توبہ واستغفار ضروری ہے اکثر اہل علم نے اس کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے اور حالف پر کفارہ واجب نہیں۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک کفارہ واجب ہے۔

یمین منعقدہ کی تعریف:

قولہ: الیمین الخ: مستقبل کے بارے میں کسی ایسی بات پر قسم کھانا جو ممکنات میں سے ہو“ اس میں ممکنات کی قید اس لیے لگائی کہ اگر ممکنات میں سے نہ ہو تو یمین غموس ہوگی۔

یمین منعقدہ کا حکم:

قولہ: فاذا حنث الخ: قسم کا پورا کرنا اس وقت ضروری ہے جب کسی معصیت پر قسم نہ کھائی ہو اگر معصیت پر کھائی ہو تو

لازم ہے کہ معصیت نہ کرے اور قسم کا کفارہ دے۔ اگر قسم پوری نہ کی تو کفارہ یمین واجب ہوگا۔

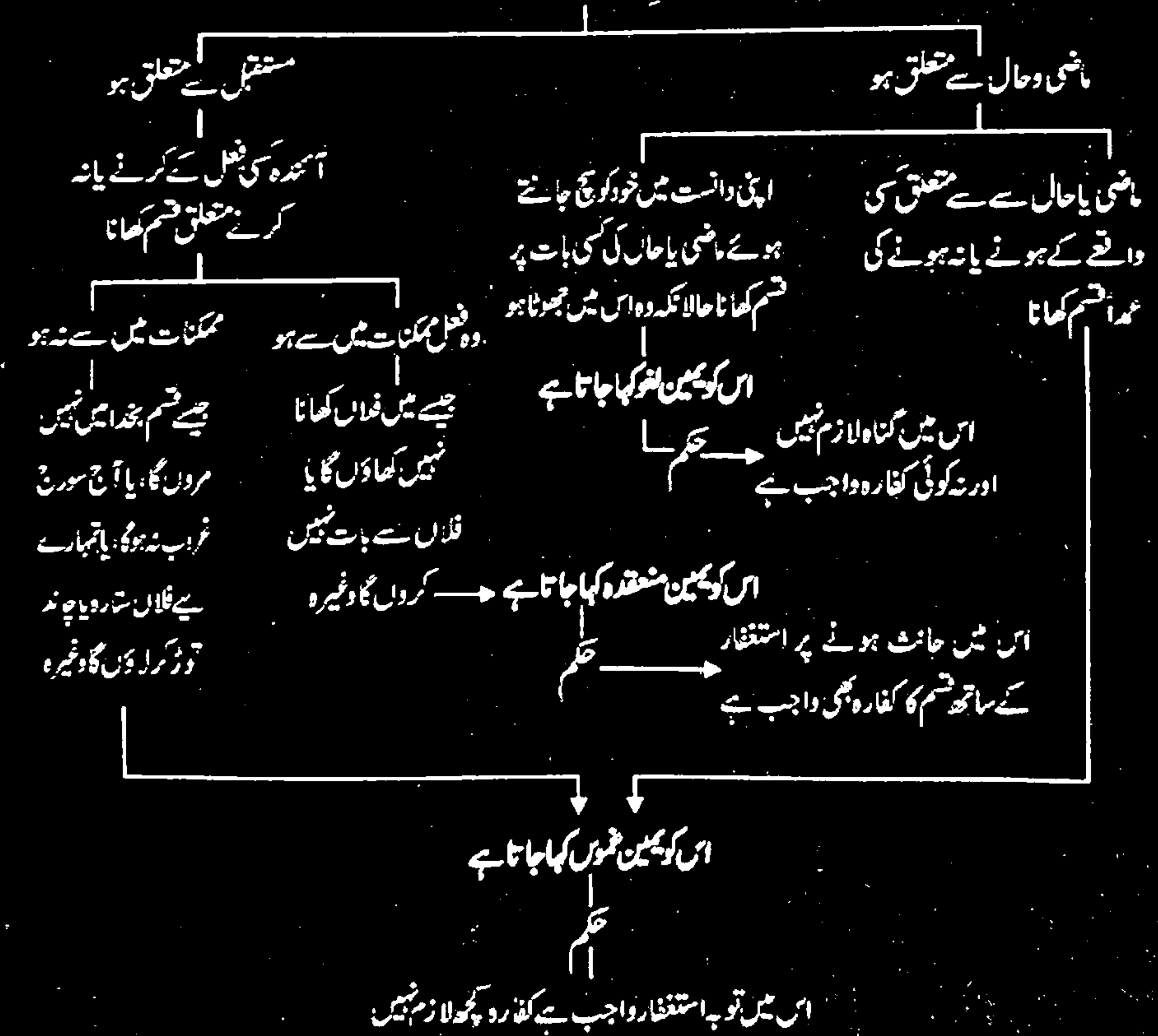
یمین لغو کی تعریف:

قولہ: ویمین اللغو الخ: ماضی یا حال کے کسی امر پر اپنے گمان میں سچی قسم کھانا حالانکہ حقیقت میں وہ جھوٹ ہو یوں ہی ماضی یا حال میں بلاقصد بات بات پر قسم کھانا یمین لغو کہلاتی ہے۔

یمین لغو کا حکم:

قولہ: فہذہ الیمین الخ: قسم کھانے والا نہ گنہگار ہوگا اور نہ ہی اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ اس کو لغو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا نہ گناہ نہ کفارہ۔

اقسامِ یمین باعتبارِ زمان



قسم میں عمد، نسیان اور جبر کا حکم:

قولہ: والعامد الخ: قسم چاہے عمداً ہو یا نسیاناً ہو یا جبراً ہو یا وہ فعل جس پر قسم کھائی (جس کو محلوف علیہ کہا جاتا ہے) وہ عمداً یا نسیاناً یا جبراً کر لیا ہو تو تینوں حکم میں برابر ہیں۔ اس پر دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ "اربع جائزة فی کل حال العتق و الطلاق و النکاح والنذر" نذر سے مراد قسم ہے۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک جبراً اور نسیاناً کی صورت میں گزشتہ حکم لاگو نہ ہوگا۔

وَالْيَمِيْنُ بِاللهِ تَعَالٰى اَوْ بِاسْمٍ مِّنْ اَسْمَائِهٖ كَالرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِ ذَاتِهٖ كَقَوْلِهٖ وَعِزَّةِ اللهِ وَجَلَالِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ اِلَّا قَوْلَهٗ وَعِلْمِ اللهِ فَاِنَّهٗ لَا يَكُوْنُ يَمِيْنًا وَاِنْ حَلَفَ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ كَغَضَبِ اللهِ وَسَخَطِهٖ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْاٰنِ وَالْكَعْبَةِ وَالْحَلِفُ بِحُرُوْفِ الْقَسَمِ وَحُرُوْفُهُ الْوَاوُ كَقَوْلِهٖ وَاللهِ وَالْبَاءُ كَقَوْلِهٖ بِاللهِ وَالتَّاءُ كَقَوْلِهٖ تَاللهِ وَقَدْ تُضْمَرُ الْحُرُوْفُ فَيَكُوْنُ حَالِفًا كَقَوْلِهٖ اللهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اِذَا قَالَ: وَحَقُّ اللهِ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ وَاِذَا قَالَ: اُقْسِمُ اَوْ اُقْسِمُ بِاللهِ اَوْ اَحْلِفُ اَوْ اَحْلِفُ بِاللهِ اَوْ اَشْهَدُ اَوْ اَشْهَدُ بِاللهِ فَهُوَ حَالِفٌ وَكَذٰلِكَ اِنْ قَالَ: عَلَيَّ عَهْدُ اللهِ وَمِيْثَاقُهٗ فَهُوَ يَمِيْنٌ وَعَلَيَّ نَذْرٌ اَوْ نَذْرُ اللهِ عَلَيَّ وَاِنْ قَالَ: اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَاَنَا يَهُوْدِيٌّ اَوْ نَصْرَانِيٌّ اَوْ مَجُوْسِيٌّ اَوْ كَافِرٌ اَوْ مُشْرِكٌ كَانَ يَمِيْنًا وَاِنْ قَالَ: اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيْهِ غَضَبُ اللهِ اَوْ سَخَطُهٗ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ وَكَذٰلِكَ اِنْ قَالَ: اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَاَنَا زَانٍ اَوْ شَارِبُ خَمْرٍ اَوْ آكِلُ رِبًا اَوْ مَيْتَةٍ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ

"اور قسم لفظ اللہ یا اس کے ناموں میں سے کسی نام کی ہوتی ہے۔ مثلاً رحمن، رحیم یا اس کی ذاتی صفات میں سے کسی صفت کی مثلاً عزة اللہ، جلالہ اور کبریاؤہ سوائے اس قول "وعلم اللہ" کے کہ یہ قسم نہیں ہے اور اگر قسم کھائی فعلی صفات میں سے کسی صفت سے مثلاً "غضب اللہ" سخط اللہ، تو قسم کھانے والا نہ ہوگا اور جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو وہ قسم کھانے والا نہ ہوگا مثلاً نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام، قرآن کریم اور کعبہ معظمہ کی اور قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور قسم کے حروف واؤ مثلاً حالف کا قول "واللہ" اور با مثلاً حالف کا قول "باللہ" اور تا مثلاً حالف کا قول "تاللہ" اور کبھی حروف قسم پوشیدہ ہوتے ہیں تو قسم کھانے والا شمار ہوگا۔ مثلاً بخدا میں ضرور کروں گا اور امام اعظم نے فرمایا کہ جب اس نے "وحق اللہ" کہا تو قسم کھانے والا نہ ہوگا اور اگر کہتا ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں تو وہ قسم کھانے والا ہوگا اور اسی طرح اس کا قول "وعهد الله، وميثاقه، عَلَيَّ نذر يا نذر الله عَلَيَّ" یہ بھی قسم ہے اور اگر کسی نے کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میں یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں تو یہ قسم ہوگی اور اگر اس نے کہا کہ "علی غضب اللہ اور علی سخط اللہ" تو وہ قسم کھانے والا نہ ہوگا اور اسی طرح اگر کہا کہ میں نے

ایسا کیا تو میں زانی ہوں، شراب نوشی کرنے والا ہوں یا سود کھانے والا ہوں تو وہ قسم کھانے والا نہ ہوگا"۔

الفاظِ قسم:

قولہ: والیمین باللہ تعالیٰ الخ: جن الفاظ کے ساتھ قسم منعقد ہوتی ہے قدوری کی روشنی میں اصول یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام (اللہ) یا اس کے صفاتی نام (رحمن، رحیم) یا اس کی صفات ذاتیہ (جن کی ضد اللہ تعالیٰ میں نہ پائی جائے) جیسے عزت، جلال، کبریائی وغیرہ ان الفاظ سے قسم منعقد ہو جاتی ہے"۔ وہ صفات جو فعلیہ ہیں (جن کی ضد اللہ تعالیٰ میں پائی جا سکتی ہو مثلاً رحمت، غضب یا وہ صفات جو خالق و مخلوق میں برابر استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً علم، کلام وغیرہ تو قسم منعقد نہ ہوگی۔

غیر اللہ کی قسم:

قولہ: من حلف الخ: قسم حقوق اللہ میں سے شمار ہوتی ہے اس لیے غیر اللہ کی قسم کھائی تو قسم نہیں کہلائے گی مثلاً کسی نبی یا متبرک چیز (کعبہ، زمزم) کی قسم کھائی تو بالاجماع غیر معتبر ہے اور کراہت سے خالی نہیں۔

قرآن مجید کی قسم:

چونکہ متقدمین کے دور میں قرآن مجید کی قسم رائج نہ تھی۔ اس لیے امام قدوری نے قرآن مجید کی قسم اٹھانے کو غیر معتبر قرار دیا ہے جب کہ متاخرین کے دور میں قرآن کی قسم عرف میں معروف تھی۔ اس لیے اس کی قسم کو معتبر مانا ہے کیونکہ شامی میں اصول ہے۔ "فِي الْأَيْمَانِ يُعْتَبَرُ الْعُرْفِ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ" (شامی، البحر الرائق) کہ قسموں میں ہر جگہ کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔

مفتیٰ بہ قول:

فتویٰ اسی پر ہے کہ قرآن کی قسم کھانے سے حالف کہلائے گا۔ (الھندیہ، فتح القدیر، رمز الحقائق، کشف الحقائق)

قسم کے الفاظ:

قولہ: والحلف الخ: قسم کھانے کے دو طریقے ہیں: (الف) حروف کے ساتھ قسم کھانا جو عربی میں تین مستعمل ہیں:

۱۔ واؤ۔ ۲۔ با۔ ۳۔ تا۔ یہ حروف چاہے ظاہر ہوں یا مضمر ہوں قسم ہو جائے گی۔

(ب) الفاظ کے ذریعے قسم کھانا۔ ۱۔ حق اللہ سے طرفین کے نزدیک اس سے قسم منعقد نہ ہوگی جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک قسم ہو جائے گی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ اس پر ضابطہ یہ ہے کہ "جب حق کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو مراد اطاعت وعبادت ہوتی ہے" اور ظاہر ہے کہ اطاعت وعبادت نہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور نہ اس کی صفت لہٰذا یہ قسم غیر اللہ کی ہوئی جو ناجائز ہے۔ (الصحیح

قول ابی حنیفه، الترجیح و التصحیح، ایضا الهندیه)

۲۔اقسم، ۳۔اقسم باللہ، ۴۔احلف، ۵۔احلف باللہ، ۶۔اشہد، ۷۔اشہد باللہ، ۸۔عہد اللہ، ۹۔میثاق اللہ، ۱۰۔علی نذر۔۱۱۔نذر اللہ علی۔ یہ الفاظ چاہے عربی میں بولے جائیں یا دیگر زبانوں میں قسم ہو جائے گی۔لہٰذا میں حلف اٹھاتا ہوں، شہادت دیتا ہوں، خدا گواہ ہے، خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں، خدا کی عزت وجلال کی قسم وغیرہ الفاظ سے قسم ہو جائے گی۔

کفریہ کلمات سے قسم کھانے کا حکم:

قوله :وان قال الخ: اگر کوئی کہے کہ اگر میں فلاں کلام کروں تو یہودی یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر یا اسلام سے بیزار ہو جاؤں تو بھی قسم ہے کیونکہ قسم کے متعلق اصول یہ ہے کہ ’’اللہ کے ذاتی نام یا صفاتی نام یا ذاتی صفت کے ساتھ قسم ہو یا ایسا جملہ پر معلق ہو جس سے کفر کا صدور ہو تو قسم منعقد ہو جاتی ہے‘‘۔لہٰذا گزشتہ مثالوں میں کفر کا صدور ہوتا ہے۔لہٰذا قسم ہو جائے گی۔کفریہ کلمات کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ اگر حالف کا یہ عقیدہ ہے کہ فلاں سے کلام کرنے سے واقعۃً کافر ہو جائے گا اگر کلام کر لیا تو کافر ہو جائے گا۔ اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ اس کو قسم سمجھتا تھا تو کافر نہیں ہوا تو اس صورت میں اس پر کفارہ واجب ہے۔ (المبسوط)

صفات فعلیہ یا بددعائیہ کلمات سے قسم:

قوله:وان قال الخ: اگر صفت فعلی کے ساتھ قسم کھائی مثلاً اگر یہ کام کروں تو اللہ تعالیٰ کا غضب یا اس کا غصہ تو قسم نہیں ہوگی کہ قسم تو صفت ذاتی سے منعقد ہوتی ہے یا یوں کہا کہ اگر میں یہ کام کروں تو زنا کار ہوں شراب خور ہوں تو قسم نہیں ہوگی کیونکہ یہ جملے اپنی ذات پر بددعائیہ ہیں۔نہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام نہ ذاتی صفات نہ صدور کفر پر معلق ہے۔

وَكَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يُجْزِئُ فِيْهَا مَا يُجْزِئُ فِي الظِّهَارِ وَاِنْ شَاءَ كَسَا عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ لِكُلِّ وَاحِدٍ ثَوْبًا فَمَا زَادَ وَاَدْنَاهُ مَا تَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلَاةُ وَاِنْ شَاءَ اَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ فَاِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اَحَدِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ صَامَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ فَاِنْ قَدَّمَ الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحِنْثِ لَمْ يُجْزِهِ وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ مِثْلُ اَنْ لَا يُصَلِّيَ اَوْلَا يُكَلِّمَ اَبَاهُ اَوْ لَيَقْتُلَنَّ فُلَانًا فَيَنْبَغِيْ اَنْ يُحَنِّثَ نَفْسَهٗ وَيُكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ ، وَاِنْ حَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنِثَ فِيْ حَالِ الْكُفْرِ اَوْ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ وَمَنْ حَرَّمَ عَلٰى نَفْسِهٖ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهٗ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ اِنِ اسْتَبَاحَهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ.

’’اور یمین کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے جس میں وہی کافی ہے جو ظہار میں کافی ہوتا ہے اور اگر چاہے تو دس مساکین کو کپڑے پہنادے ہر ایک کو ایک کپڑا یا اس سے زیادہ اور ادنیٰ کپڑا وہ ہے جس میں نماز جائز ہو جاتی ہے اور اگر چاہے تو دس مساکین کو کھانا کھلا دے۔ کفارہ ظہار میں کھانا کھلانے کی طرح۔اور اگر تینوں چیزوں میں سے کسی ایک پر قادر نہ ہو

مسلسل تین روزے رکھے۔ پس اگر کفارہ کو حانث ہونے پر مقدم کر دیا تو کفایت نہ کرے گا اور جس نے گناہ پر قسم کھائی مثلاً نماز نہیں پڑھے گا یا اپنے والدین سے بات نہیں کرے گا یا فلاں کو ضرور قتل کرے گا۔ تو اس کو چاہیے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے اور جب کافر قسم کھالے پھر وہ حالت کفر میں حانث ہو جائے یا اسلام لانے کے بعد حانث ہو جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں اور جس شخص نے اپنی ذات پر ایسی چیز حرام کر لی جس کا وہ خود مالک ہے تو وہ اس پر حرام نہ ہوگی تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اس کو مباح کرلے تو اس پر کفارہ ہوگا۔

قسم کا کفارہ:

قولہ وکفارۃ الخ: قسم توڑنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ قسم کے کفارہ میں تین باتوں کا اختیار ہے، ۱۔ چاہے غلام آزاد کرے وہ غلام چاہے مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، غلام کی یہی کیفیت کفارہ ظہار میں ہے۔ ۲۔ چاہے تو دس مساکین کو کپڑا پہنا دے متن میں امام محمد کا قول ہے کہ کم از کم اتنا پہنا دے کہ جس سے نماز جائز ہو جائے جو کمر سے گھٹنے تک چوڑا ہو جب کہ شیخین کے نزدیک ادنیٰ کپڑا وہ ہے جو بدن کا اکثر حصہ ڈھانپ دے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے کہ جس کو لوگ کپڑا پہننے والا شمار کرتے ہوں کہ محض شلوار پہننے والے کو لباس پہننے والا نہیں کہا جاتا۔

(الهندیه الترجیح والتصحیح، الهدایه)

۳۔ چاہے تو دس مساکین کو کھانا کھلائے کہ جس طرح کفارہ ظہار میں ہوتا ہے کہ دو وقت پیٹ بھر کر چاہے دس کو ایک ہی دن کھلا دے یا ہر روز ایک کو کھلا دے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھانے کے بجائے ہر مسکین کو نصف صاع (2 کلو سے 80 گرام کم) یعنی فطرانہ کی مقدار گندم یا آٹا دے دیا جائے۔ ظہار اور یمین کے کفارے میں صرف فرق یہ ہے کہ ظہار میں ساٹھ جب کہ یمین میں دس مساکین ہیں۔ کھانا کھلانے کی تفصیل ایک ہی ہے۔ اگر ذکر کردہ تین صورتوں میں سے کسی پر قادر نہ ہو تو تین مسلسل روزے رکھے جب کہ امام مالک کے نزدیک تسلسل شرط نہیں۔ ایک روایت یہی امام شافعی اور امام احمد کی بھی ہے۔

حنث سے پہلے کفارہ:

قولہ: فان قدم الخ: احناف کے نزدیک کفارہ کا سبب حانث ہونا ہے قسم کھانا کفارہ کا سبب نہیں اس لیے جب تک حانث نہ ہو کفارہ لازم نہ ہوگا، حانث ہونے سے پہلے ادا کردہ مال صدقہ ہوگا کفارہ نہ ہوگا جب کہ امام شافعی کے نزدیک کفارہ کا اصل سبب قسم ہے حانث ہونا تو شرط پائے جانے کے لیے ہے اس لیے ان کے نزدیک حنث سے قبل ادا کردہ کفارہ کہلائے گا۔

کسی گناہ پر قسم:

قولہ: ومن حلف الخ: اگر کسی نے کسی گناہ پر قسم کھالی مثلاً اللہ کی قسم میں نماز نہیں پڑھوں گا یا والدین سے کلام نہ کروں گا یا

فلاں کو قتل کروں گا تو حکم یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑ کر کفارہ ادا کرے۔

کافر کی قسم:

قوله: واذا حلف الخ: کافر کی قسم منعقد نہ ہوگی کہ قسم تو اللہ تعالی کے ذاتی نام یا صفات سے منعقد ہوتی ہے جب کہ کافر کا ان پر اعتقاد ہی نہیں۔ نیز کفارہ تو عبادت ہے جب کہ کافر عبادت کا اہل ہی نہیں۔

اپنی ذات پر کسی چیز کو حرام قرار دینا:

قوله: ومن حرم الخ: اگر کسی نے ذاتی ملکیت والی چیز کو اپنی ذات پر حرام قرار دیا تو وہ حرام نہ ہوگی اگر اس کو استعمال کیا تو کفارہ لازم آئے گا۔

وَاِنْ قَالَ: كُلُّ حَلَالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ غَيْرَ ذٰلِكَ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِهٖ وَاِنْ عَلَّقَ نَذْرَهٗ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ وَرُوِيَ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ رَجَعَ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ اِذَا قَالَ: اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ اَوْ صَوْمُ سَنَةٍ اَوْ صَدَقَةُ مَا اَمْلِكُ اَجْزَاَهٗ عَنْ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ،

”پس اگر کسی نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ کھانے اور پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا مگر یہ کہ کسی اور چیز کی نیت کرے اور جس نے مطلق نذر مان لی تو اس پر اس کا پورا کرنا لازم ہے اور اگر اپنی نذر کو کسی شرط پر معلق کیا اور وہ شرط پائی گئی تو اس پر نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر یوں کہا کہ اگر میں نے ایسے کیا تو مجھ پر حج یا ایک سال کے روزے یا جن چیزوں کا مالک ہوں ان کا صدقہ کرنا ہے تو اس کو اس میں قسم کا کفارہ کافی ہے اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے“۔

مطلقاً حرام قرار دینا:

قوله: فان قال کل حلال الخ: اگر کسی نے بلا تعیین یوں کہا کہ ”ہر حلال مجھ پر حرام ہے“۔ ہر حلال میں اس کی بیوی بھی آتی ہے مگر عام محاورے میں اس جملے سے مراد کھانے پینے کی چیزیں مراد لی جاتی ہیں لہٰذا بیوی داخل نہ ہوگی بلکہ کھانے پینے کی چیز کے استعمال سے کفارہ لازم آئے گا۔ قسم کے باب میں یہ قاعدہ بھی مذکورہ ہے کہ ”قسم میں کسی عام لفظ کو نیت سے خاص کر دینا دیانتاً مقبول ہے۔“ لہٰذا ہر حلال مجھ پر حرام ہے سے کسی کی تخصیص کرنا دیانتاً درست ہے جس چیز کی نیت کی وہی مراد ہوگی اور نیت معتبر وہاں ہوتی ہے۔ جہاں لفظ کے عرفی معنی سے تجاوز نہ ہوتا ہو اگر کہتا ہے کہ حلال سے مراد مشروبات ہیں تو بات تسلیم کی جائے گی۔ اگر بیوی مراد لیتا ہے تو طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

اقسام یمین باعتبار اطلاق وتقیید

- **مطلق**: جس میں کسی وقت یا مدت کی صراحتہً یا دلالۃً کوئی قید نہ لگائی گئی ہو
  - **مثبت ہو**: جیسے بخدا میں یہ روٹی ضرور کھاؤں گا
    - جب تک حالف اور محلوف علیہ (روٹی) موجود ہو حانث نہیں ہوگا اگر حالف فوت ہوجائے یا محلوف علیہ ضائع ہوجائے تو حانث ہوجائے گا اور کفارہ لازم ہوگا
  - **منفی ہو**: جیسے بخدا میں یہ روٹی نہیں کھاؤں گا
    - اس میں حالف یا محلوف علیہ (روٹی) دونوں میں سے کوئی ایک ہلاک و ضائع ہوجائے تو یمین ختم ہوجائے گی اور حانث نہ ہوگا
- **مقید**: جس میں وقت یا زمانہ کی قید موجود ہو
  - **صراحۃً قید ہو**: جیسے میں آج یہ روٹی کھا کر رہوں گا
    - اس میں حالف، محلوف علیہ اور مقررہ وقت باقی ہو تو حانث نہ ہوگا۔ اگر وقت ختم ہوجائے اور یہ دونوں باقی ہوں تو بالاتفاق حانث ہوجائے گا۔ اگر وقت موجود ہو اور حالف بھی باقی ہو لیکن محلوف علیہ نہ رہے تو یہ قسم باطل وکالعدم ہوگی البتہ امام یوسف کے نزدیک باقی رہے گی وقت گزرنے پر حانث ہوجائے گا
  - **دلالۃً قید ہو**: جیسے بیوی گھر سے باہر نکل رہی تھی شوہر نے غصے میں کہا اگر باہر قدم رکھا تو تین طلاق
    - پس گویہ مطلق یمین ہے لیکن اس میں دلالت حال سے فوری وقت مراد ہوگا پس فوراً نکلی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر کچھ دیر بیٹھ گئی پھر نکلی تو واقع نہ ہوگی اس کو یمین فور کہتے ہیں

نذر کی بحث کو ذکر کرنے کی وجہ:

قولہ: ومن نذر الخ: چونکہ نذر (منت) کی بعض صورتوں میں کفارہ واجب ہوتا ہے اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا۔ نذر کی بحث کے بعد مزید قسم کی صورتیں بیان کی جائیں گی۔

نذر کا لغوی معنیٰ:

مَنّت کے ہیں۔

اصطلاحی معنیٰ:

نذر ایک عبادت مقصودہ ہے جو عبادات واجبہ کی جنس سے ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، صدقہ، اعتکاف وغیرہ اگر عبادت تو ہو مگر مقصودہ نہ

ہو تبلیغ دین، عیادت مریض، جنازے کے ساتھ چلنے، وضو کرنے یا غسل کرنے یا مسجد میں داخل ہونے یا قرآن چھونے یا اذان دینے یا مسجد تعمیر کرنے یا مدرسہ تعمیر کرنے یا رفاہ عامہ کا کام کرنے کی نذر مانی تو نذر منعقد نہ ہوگی کہ اگر چہ عبادت کا وصف تو موجود ہے مگر مقصودہ نہیں، عبادت مقصودہ تو ہو مگر فرض وواجب کی جنس سے نہ ہو مثلاً کھانے، پینے وغیرہ کہ مباح ہیں فرض وواجب نہیں۔

نذر ماننے کا شرعی طریقہ:

ان پڑھ عوام نے نذر ماننے کا غلط طریقہ رائج کرلیا ہے مثلاً اے داتا گنج بخش! اگر آپ نے میری حاجت پوری کردی تو میں بکرا پیش کروں گا' بلکہ نذر یوں ماننی چاہیے اے اللہ اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو تیری نذر مانتا ہوں کہ داتا گنج بخش کے مزار پر بیٹھنے والوں کو کھانا پیش کروں گا اس کا ثواب داتا گنج بخش کو پیش کروں گا۔ البتہ عبادات کے ایصال ثواب کو نذر کرنا بلاشبہ جائز و درست طریقہ ہے۔ کیونکہ فقہی وشرعی نذر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ اسی میں اعتدال ہے۔

نذر کا رکن:

حنفیہ کے نزدیک زبان سے صیغہ نذر ادا کرنا رکن ہے۔

نذر کی اقسام:

قولہ: نذر امطلقاً الخ: نذر کی دو قسمیں ہیں، ا۔ نذر مطلق، ۲۔ نذر معلق یا معین:۔ نذر مطلق وہ نذر ہوتی ہے کہ بغیر کسی شرط کے اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کرلینا مثلاً مجھ پر فلاں کو ایک ہزار صدقہ کرنا نذر ہے۔ اس کو ''نذر منجز'' اور ''نذر مرسل'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ پورا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ گنہگار ہوگا نذر معلق یا معین وہ نذر ہوتی ہے کہ کسی شرط کے ساتھ اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کرلینا۔ مفتی بہ قول کے مطابق نذر معلق میں تفصیل ہے۔ اگر چہ قدوری میں مذکور ہے کہ شرط کے مقصود اور غیر مقصود ہونے کے لحاظ سے دو صورتیں ہیں کہ اگر شرط مقصود (جلب منفعت یا دفع مضرت) کی جہت سے ہو تو حکم یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد بعینہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ مثلاً اگر میرا مریض شفایاب ہوگیا تو مجھ پر تین روزے لازم ہیں۔ اگر شرط غیر مقصود ہو مثلاً اگر میں فلاں سے بات کروں تو مجھ پر ایک ہزار صدقہ کرنا لازم ہے۔ حالانکہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے مگر غصہ میں کہہ گیا تو حکم یہ ہے کہ ناذر کو اختیار ہے کہ وجود شرط کے بعد منذور بہ کو ادا کرے یا قسم کا کفارہ دے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کا ابتدائی قول یہ تھا کہ شرط پائے جانے پر مانی ہوئی نذر پوری کرے مگر بعد میں آپ نے اس بات طرف رجوع کرلیا کہ اختیار ہے چاہے نذر پوری کرے یا قسم کا کفارہ دے یہی قول امام محمد کا بھی ہے۔ جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک نذر پوری کرنا ضروری ہے۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ شرط غیر مقصود کی معلق نذر من وجہ یمین ہے اور من وجہ نذر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے دونوں کا اختیار دیا گیا۔ جب کہ نذر مطلق اور نذر معلق شرط مقصود میں ایک ہی جہت ہوتی ہے۔ (الترجیح والتصحیح الهندیه، فتح القدیر) شرط مقصود (جلب منفعت یا دفع مضرت کے قبیل سے ہو) کو ''نذر تردد'' اور شرط غیر مقصود کو ''نذر لجاج'' کہا جاتا ہے۔

نذر

- **مطلق**
  - جو کسی شرط پر معلق نہ ہو
  - جیسے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سال کے روزے واجب ہیں اور ان کو کسی شرط پر معلق نہیں کیا اس کو نذر منجز اور نذر مرسل بھی کہا جاتا ہے
- **مقید**
  - جو کسی شرط پر معلق ہو
    - ایسی شرط پر معلق ہو کہ ناذر اس شرط کے وجود کی امید و تمنی کرتا ہے یعنی جلب منفعت یا دفع مضرت کے قبیل سے کوئی شرط ہو
      - مثلاً کہا اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دی یا میرے غائب کو لوٹا دیا تو میں ایک سال کا روزہ رکھوں گا یا حج کروں گا اس نذر کو "نذر برترد" کہتے ہیں۔
    - ایسی شرط ہو کہ ناذر اس کے وقوع کو نہیں چاہتا
      - مثلاً غصہ میں کہہ دیا کہ اگر میں فلاں سے بات کروں تو مجھ پر دس ہزار روپیہ صدقہ حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے اس نذر کو "نذر لجاج" کہا جاتا ہے۔

حکم (مطلق اور پہلی قسم کے مقید کا): اس میں منذور بہ یعنی جس کی نذر مانی ہو مثلاً روزہ وغیرہ کا بعینہٖ ادا کرنا ضروری ہے اس میں کوئی کفارہ کافی نہ ہوگا۔

حکم (نذر لجاج کا) ← اس میں ناذر کو اختیار ہے کہ وجود شرط کے بعد خواہ منذور بہ کو ادا کرے یا قسم کا کفارہ دے

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا فَدَخَلَ الْكَعْبَةَ أَوِ الْمَسْجِدَ أَوِ الْبِيعَةَ أَوِ الْكَنِيسَةَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي الصَّلَاةِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ ثَوْبًا وَهُوَ لَابِسُهُ فَنَزَعَهُ فِي الْحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَكَذٰلِكَ إِذَا حَلَفَ لَا يَرْكَبُ هٰذِهِ الدَّابَّةَ وَهُوَ رَاكِبُهَا فَنَزَلَ مِنْ سَاعَتِهِ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ لَبِثَ سَاعَةً حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ وَهُوَ فِيهَا لَمْ يَحْنَثْ بِالْقُعُودِ حَتّٰى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُلَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارًا فَدَخَلَ دَارًا خَرَابًا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا بَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ صَحْرَاءَ حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ فَدَخَلَهُ بَعْدَمَا انْهَدَمَ لَمْ يَحْنَثْ۔

"اور جس نے قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر وہ داخل ہو گیا کعبہ یا مسجد یا کلیسہ یا گرجا گھر میں داخل ہو گیا تو وہ شخص

حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ کلام نہیں کروں گا پھر اس نے نماز میں قرآن کی تلاوت کی تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا اور پہنے ہوئے کپڑے کو اسی وقت اتار دیا تو حانث نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر قسم کھائی کہ جانور پر سوار نہ ہوگا حالانکہ وہ جانور پر سوار تھا اور اسی وقت اتر گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر ایک ساعت ٹھہرا رہا تو حانث ہو جائے گا اور جس شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا اور وہ شخص اس وقت اسی گھر میں موجود تھا تو حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ گھر سے نکل جائے پھر داخل ہوا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر ویران گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر وہ اس کے گر جانے کے بعد داخل ہوا اور صحرا ہو جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس کے منعدم ہو جانے کے بعد اور صحرا بن جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر منہدم ہونے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہیں ہوگا''۔

آنے والی ابحاث کے لیے تمہیدی مقدمہ:

قسم کی بنیاد کس اصول پر ہے؟ چاروں آئمہ کرام کے اصول، قسم کے متعلق الگ الگ ہیں۔

۱۔ امام اعظم کے نزدیک قسم کا مدار الفاظ عرفیہ پر ہے بشرطیکہ محتمل لفظ کی نیت نہ کی ہو۔

۲۔ امام مالک کے نزدیک قسم کا مدار استعمال قرآن وسنت پر ہے۔

۳۔ امام شافعی کے نزدیک قسم کا مدار حقیقت لغویہ پر ہے۔

۴۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک قسم کا مدار قسم کھانے والے کی نیت پر ہے۔

اب قدوری کی مباحث کو دیکھیے

قولہ:ومن حلف الخ: ۱۔قسم کھانے والا گھر (بیت) کے بجائے کعبہ، مسجد، کلیسا، گرجا گھر میں داخل ہوجاتا ہے تو حانث نہ ہوگا کہ عرف میں ان کو گھر نہیں کہا جاتا۔ ۲۔قسم کھانے والے نے کلام کے بجائے تلاوت قرآن کی تو حانث نہ ہوگا کہ عرف میں تلاوت قرآن کلام نہیں۔ ۳۔قسم کھانے والا قسم کے فوراً بعد کپڑا اتار دیتا ہے تو حانث نہ ہوگا یوں ہی سواری سے فوراً اتر جاتا ہے تو حانث نہ ہوگا اس پر اصول یہ ہے کہ ''اتنی مہلت دی جائے کہ وہ قسم کے مطابق کام کر سکے اور حانث ہونے سے بچ جائے'' کیونکہ حدیث میں ہے کہ قسم کھانے والے کو بری ہونے کا موقع دیا جائے لیکن اگر زیادہ ہی دیر لگا دی تو حانث ہو جائے گا۔ ۴۔گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم کھائی کہ موجود گھر میں ہے تو حانث نہ ہوگا دخول نہیں پایا گیا۔ ۵۔ویران میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کہ قسم تو دار (قابل رہائش) پر کھائی تھی جب کہ دخول کے وقت شرط باقی نہیں۔ اس پر اصول یہ ہے کہ ''داراً'' نکرہ غیر معین ہے اور جہاں نکرہ غیر معین ہو وہاں وصف معتبر ہوتا ہے اور وصف عمارت ہے جب کہ یہاں عمارت نہیں۔ ۶۔اگر ھذہ الدار معرفہ ذکر کرتا ہے۔ تو وصف غیر معتبر ہوتا ہے لہٰذا عمارت کے ہونے کے باوجود اس کے پلنتھ میں داخل ہو تو حانث ہو جائے گا لیکن ھذ البیت کہے پھر گھر کے گرنے کے بعد داخل ہو تو حانث نہ ہوگا کہ بیت رات گزارنے کے لیے ہوتا ہے جب کہ یہاں نہیں۔

وَلَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ زَوْجَةَ فُلَانٍ فَطَلَّقَهَا فُلَانٌ ثُمَّ كَلَّمَهَا حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ أَوْ لَا يَدْخُلُ دَارَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَهُ أَوْ دَارَهُ فَكَلَّمَ الْعَبْدَ أَوْ دَخَلَ الدَّارَ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ صَاحِبَ هٰذَا الطَّيْلَسَانِ فَبَاعَهُ ثُمَّ كَلَّمَهُ حَنِثَ وَكَذٰلِكَ إِذَا حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ هٰذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهُ وَقَدْ صَارَ شَيْخًا حَنِثَ

''اور جس نے قسم کھائی کہ فلاں کی بیوی سے بات نہیں کروں گا۔ پھر فلاں نے طلاق دے دی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم اٹھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہیں کروں گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ پھر فلاں نے اپنا غلام یا اپنا گھر فروخت کر دیا پھر اس سے بات کی یا اس گھر میں داخل ہو گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ اس چادر والے سے بات نہیں کروں گا۔ پھر اس نے چادر فروخت کر دی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا اور اسی طرح جب قسم کھائی کہ اس جوان سے بات نہیں کروں گا پھر اس نے اس کے بوڑھے ہونے کے بعد اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا''۔

مذکورہ مسائل ایک اصول پر:

قولہ: ومن حلف الخ: اصول یہ ہے کہ ''جہاں قسم کھانے والے نے ذات مراد لی ہے وہاں صفت کے زائل ہونے کے باوجود شرط کے پائے جانے پر حانث ہو جائے گا اور جہاں صفت مراد لی ہے وہاں صفت کے زائل ہونے پر شرط کے پائے جانے کے باوجود حانث نہ ہوگا'' اور اب مسائل کو دیکھئے کہ فلاں کی بیوی کہا تو اس سے مراد محاورے میں عورت کی ذات ہے لہٰذا طلاق کے بعد بھی اس سے بات کرنے پر حانث ہو جائے گا۔ فلاں کا غلام یا فلاں کا گھر اس سے مراد ذات نہیں بلکہ نسبت مراد ہے لہٰذا نسبت کے بدلنے کے بعد کلام کیا یا داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔ چادر والے سے مراد ذات ہے لہٰذا چادر فروخت کرنے کے بعد بھی اس سے کلام کرنے پر حانث ہو جائے گا۔ یوں ہی نوجوان کہا پھر بوڑھا ہونے کے بعد اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا کہ ذات وہی ہے جو جوانی میں تھی۔

وَكَذٰلِكَ إِذَا حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمَ هٰذَا الْحَمَلِ فَصَارَ كَبْشًا فَأَكَلَهُ حَنِثَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رُطَبًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطَبًا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطَبًا فَأَكَلَ بُسْرًا مُذَنِّبًا حَنِثَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا فَأَكَلَ السَّمَكَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ دِجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَكْرَعَ فِيهَا كَرْعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ مَاءِ دِجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذِهِ الْحِنْطَةِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا لَمْ يَحْنَثْ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هٰذَا الدَّقِيقِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهٖ حَنِثَ وَلَوِ اسْتَفَّهُ كَمَا هُوَ لَمْ يَحْنَثْ

''اور اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس حمل کا گوشت نہیں کھائے گا اور حمل مینڈھا ہو گیا پھر اس نے اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا اور اگر قسم کھائی کہ اس کھجور سے نہیں کھائے گا تو وہ قسم اس کے پھل پر محمول ہوگی اور جس نے قسم

کھائی کہ وہ کچی کھجور نہیں کھائے گا پھر اس نے پکی کھجور کھالی تو وہ حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ وہ پکی کھجور نہیں کھائے گا پھر اس نے دم کی طرف سے پکی ہوئی کھجور کھالی تو امام اعظم کے نزدیک حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا پھر اس نے مچھلی کھالی تو وہ حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ دجلہ سے نہیں پیئے گا پھر اس نے برتن میں لے کر پانی پی لیا تو وہ حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ منہ لگا کر امام اعظم کے نزدیک پانی پیئے اور جس نے قسم کھائی کہ دجلہ کا پانی نہیں پیئے گا تو اس نے برتن کے ذریعہ پی لیا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ اس گندم سے نہیں کھائے گا پھر اس نے اس کی روٹی کھالی تو وہ حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ اس کے آٹے کو نہیں کھائے گا تو اس نے اس کی روٹی کھالی تو حانث ہو جائے گا اور اگر ان کو ایسے ہی پھانک لیا تو وہ حانث نہ ہوگا"۔

متعین حمل نہ کھانے کی قسم:

قولہ:وان حلف: اگر کسی نے قسم کھائی کہ حمل کا گوشت نہیں کھائے گا پھر وہی حمل مینڈھا ہو گیا تو اس کا گوشت کھانے سے حانث ہو جائے گا کہ حمل کی صفت مراد نہیں بلکہ حمل کی ذات مراد ہے ذات تو اب بھی وہی ہے۔

درخت سے نہ کھانے کی قسم:

قولہ:وان حلف لا یا کل الخ: اگر کسی نے قسم کھائی کہ اس سیب سے نہیں کھاؤں گا تو قسم اس درخت کے پھل پر محمول ہوگی کہ درخت حقیقت ہے اور پھل مجاز ہے درخت کھانا حقیقت متعذرہ ہے لہٰذا مجاز (پھل) کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

کھجور نہ کھانے کی قسم:

قولہ:ومن حلف الخ: اگر کچی کھجور (بسر) نہ کھانے کی قسم کھائی تو پکی کھجور کھانے سے حانث نہ ہوگا کہ قسم کھجور کی ذات پر نہیں بلکہ کچے پن پر ہے۔

اگر پکی کھجور (رطب) نہ کھانے کی قسم کھائی اور کچی (بسر) کھالی تو وہ حانث نہ ہوگا کہ قسم پکے پن پر ہے نہ کہ ذات پر اگر اس نے دُم کی طرف سے پکی کھجور (بسر مذنب) کھالی تو طرفین کے نزدیک حانث ہو جائے گا جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک حانث نہ ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ "بسر مذنب" اس کھجور کو کہا جاتا ہے کہ جس کی دم کچھ رطب ہو لہٰذا اس کو کھانے والا رطب کھانے والا شمار ہوگا۔ (والصحیح قولہما فی الترجیح التصحیح اصحاب المعون علی قول الطرفین)

گوشت نہ کھانے کی قسم:

قولہ:ومن حلف الخ: اگر گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھائی پھر مچھلی کھالی تو وہ حانث نہ ہوگا کہ عرف میں مچھلی کو گوشت نہیں کہا جاتا چونکہ قسموں کا دارومدار عرف پر ہے اور ہر ایک کے کاروبار کرنے والے کا نام بھی مختلف ہے۔

معین نہر یا چشمہ کا پانی نہ پینے کی قسم:

قولہ: ولو حلف الخ: اگر کسی نے معین نہر یا چشمہ کا پانی نہ پینے کی قسم کھائی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں کہ پانی کا نام لیا ہے یا نہیں اگر پانی کا نام نہیں لیا مثلاً نہر یا چشمہ سے نہیں پیوں گا تو اگر اس نے منہ لگا کر پانی پی لیا تو امام اعظم اور صاحبین دونوں کے نزدیک حانث ہو جائے گا اگر برتن یا چلو سے پانی پیا تو امام اعظم کے نزدیک حانث نہ ہوگا جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ قسم کھانے والے نے حقیقت یا مجاز متعارف میں سے کسی ایک کی نیت نہ کی ہو۔ اگر کسی کی نیت کی ہو وہی مراد ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک عموم مجاز کی وجہ سے حانث ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر اصول فقہ کا قاعدہ دلیل ہے کہ "جب تک حقیقت مستعمل ہے اس وقت اس کو مجاز پر ترجیح حاصل رہے گی اگر چہ مجاز متعارف کی حد تک پہنچ چکا ہو" چونکہ منہ لگا کر پینا حقیقت ہے جو مستعمل بھی ہے جب کہ برتن یا چلو سے پینا مجاز ہے جو اگر چہ متعارف کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ اگر دونوں صورتوں میں حانث ہونے کا حکم لگائیں تو "جمع بین الحقیقۃ والمجاز" لازم آئے گا جو ممتنع ہے۔ (والصحیح قول ابی حنیفہ الترجیح التصحیح) اگر پانی کا ذکر کیا ہے کہ نہر سے پانی نہیں پیوں گا تو تمام آئمہ کے نزدیک ہر دو صورتوں میں پینے کے ساتھ حانث ہو جائے گا۔

گندم نہ کھانے کی قسم:

قولہ: ومن حلف الخ: اس مسئلہ میں بھی وہی اختلاف ہے جو پیچھے نہر سے نہیں پیوں گا کے تحت گزرا ہے کہ صاحبین کے نزدیک گندم کے دانے اور گندم کی روٹی دونوں سے عموم مجاز کی بنا پر کھانے سے حانث ہو جائے گا جب کہ امام اعظم کے نزدیک صرف دانے کھانے سے حانث ہو جائے گا۔ مفتی بہ قول امام اعظم کا ہے اصول پیچھے دیکھ لیجئے۔ اگر آٹا نہ کھانے کی قسم کھائی تو بالاتفاق روٹی کے نہ کھانے پر محمول ہوگی کہ آٹا پھانک لینے سے حانث نہ ہوگا کہ عرف میں رائج نہیں۔

وَاِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلَانًا فَكَلَّمَهٗ وَهُوَ بِحَيْثُ يَسْمَعُ اِلَّا اَنَّهٗ نَائِمٌ حَنِثَ وَاِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ وَلَمْ يَعْلَمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰى كَلَّمَهٗ حَنِثَ وَاِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِيْ رَجُلًا لِيُعْلِمَهٗ بِكُلِّ دَاعِرٍ خَبِيْثٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهُوَ عَلٰى حَالِ وِلَايَتِهٖ خَاصَّةً وَمَنْ حَلَفَ لَا يَرْكَبُ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَكِبَ دَابَّةَ عَبْدِهٖ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلٰى سَطْحِهَا اَوْ دَخَلَ دِهْلِيْزَهَا حَنِثَ فَاِنْ وَقَفَ عَلٰى طَاقِ الْبَابِ بِحَيْثُ اِذَا غُلِقَ الْبَابُ كَانَ خَارِجًا لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُوْنَ الْبَاذِنْجَانِ وَالْجَزَرِ وَاِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الطَّبِيْخَ فَهُوَ عَلٰى مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الرُّءُوْسَ فَيَمِيْنُهٗ عَلٰى مَا يُكْبَسُ فِي التَّنَانِيْرِ وَيُبَاعُ فِي الْمِصْرِ

"اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہیں کرے گا پھر اس نے اتنی آواز میں بات کر لی کہ وہ سن سکتا ہو مگر وہ سویا ہوا ہو تو وہ حانث ہو جائے گا اور اگر قسم کھائی کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا مگر اس کی اجازت سے پھر اس نے اس

کو اجازت دے دی اور اس کو اجازت کا علم نہ ہوا کہ اس نے اس سے بات کر لی تو وہ حانث ہو جائے گا اور اگر کسی حاکم نے قسم لی کہ وہ ایسے ہر اس شریر کے بارے میں بتائے جو شہر میں داخل ہو تو یہ قسم خاص اس حاکم کی حکومت تک رہے گی اور جس نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کی سواری پر سوار نہ ہوگا پھر وہ عبد ماذون کی سواری پر سوار ہو گیا تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر وہ اس کی چھت پر کھڑا ہو گیا یا اس کی دہلیز میں داخل ہو گیا تو حانث ہو جائے گا۔ اور اگر دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا ہوا کہ جب دروازہ بند کیا جائے تو باہر ہو جائے تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ بھونا ہوا نہیں کھائے گا تو وہ قسم گوشت پر محمول ہوگی نہ کہ بینگن اور گاجر پر اور جس نے قسم کھائی کہ پکا ہوا نہیں کھائے گا تو قسم پکے ہوئے گوشت پر محمول ہوگی اور جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ سریاں نہیں کھائے گا یہ قسم ان سروں پر محمول ہوگی جو تنوروں میں پکائی جاتی ہوں اور شہروں میں فروخت کی جاتی ہوں۔

سونے والے سے کلام:

قولہ: وان حلف الخ: صاحب قدوری نے بیان کیا کہ کسی نے حلفاً کہا کہ میں فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر اس نے اتنی آواز سے بات کی کہ وہ سن سکتا تھا مگر وہ سویا ہوا ہے تو اتنی بات کرنے سے حانث ہو جائے گا۔

مفتی بہ قول:

فتویٰ اس پر ہے کہ اگر اتنی آواز ہو کہ اس سے جاگ جائے تو حانث ہو جائے گا ورنہ نہیں۔ کیونکہ نائم بمنزلہ غائب کے ہے اور کلام حاضر سے ہوتا ہے اور حاضر اس وقت ہوگا جب اس کے کلام سے جاگ جائے۔ (ھوالمختار فی الھندیہ)

باقی مسئلے متن کی عبارت میں واضح ہیں۔

چھت پر کھڑے ہونے سے:

قولہ: ومن حلف ان لایدخل ھذہ الخ: صاحب قدوری نے بیان کیا کہ کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا پھر وہ چھت پر چڑھ گیا تو حانث ہو جائے گا ہو سکتا ہے یہ متقدمین کے عرف میں ہو۔

مفتی بہ قول:

حانث ہونے کا دارومدار عرف پر ہے کہ ہمارے عرف میں چھت پر چڑھنے والے کو داخل دار نہیں سمجھا جاتا لہٰذا حانث نہ ہوگا۔ اور دہلیز اور چوکھٹ والا مسئلہ متن سے واضح ہے۔

اشیاء خورد و نوش کی کچھ صورتیں:

قولہ: ومن حلف ان لایاکل الخ: ان قسموں کا مدار محاورات پر ہے۔ محاورے میں دیکھیں کہ اس لفظ سے کیا مراد لیا گیا ہے اگر چہ اس کا معنی عام ہو۔ باقی مسئلے متن میں واضح ہیں کہ عرب کے معاشرے میں شوًا بھونے ہوئے گوشت، طبیخ پکے ہوئے گوشت کو کہا جاتا ہے۔ اگر چہ ان کے معانی عام ہوں۔

وَاِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ خُبْزًا فَيَمِيْنُهُ عَلٰى مَا يَعْتَادُ اَهْلُ الْمِصْرِ اَكْلَهُ خُبْزًا فَاِنْ اَكَلَ الْقَطَائِفَ اَوْ خُبْزَ الْاُرْزِ بِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَبِيْعُ وَلَا يَشْتَرِيْ وَلَا يُؤَاجِرُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ اَوْ لَا يُطَلِّقُ اَوْ لَا يُعْتِقُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰى بِسَاطٍ اَوْ حَصِيْرٍ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلٰى سَرِيْرٍ فَجَلَسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَوْقَهُ بِسَاطٌ حَنِثَ وَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ سَرِيْرًا آخَرَ فَجَلَسَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ حَلَفَ لَا يَنَامُ عَلٰى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهُ قِرَامٌ حَنِثَ فَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ فِرَاشًا آخَرَ لَمْ يَحْنَثْ وَمَنْ حَلَفَ يَمِيْنًا وَقَالَ: اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا بِيَمِيْنِهٖ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ

"اور جس نے قسم کھائی کہ وہ روٹی نہیں کھائے گا تو اس کی قسم ان چیزوں پر محمول ہوگی جن کی روٹی اہل شہر عام طور پر کھاتے ہوں لہٰذا اگر اس نے بادام کی روٹی یا چاول کی روٹی عراق میں کھائی تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی نہ فروخت کرے گا اور خریدے گا یا نہ کرائے پر دے گا پھر اس نے کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ سب کام کیے تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ زمین پر نہ بیٹھے گا پھر وہ بستر یا چٹائی پر بیٹھ گیا تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ تخت پر نہ بیٹھے گا پھر وہ اس تخت پر بیٹھ گیا جس پر بچھونا تھا تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس پر ایک اور تخت رکھ دیا گیا اس پر بیٹھ گیا تو وہ حانث نہ ہوگا اور اگر قسم کھائی کہ بستر پر نہیں سوئے گا پھر وہ بستر پر سو گیا اس حالت میں کہ اس پر ایک چادر تھی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس پر ایک اور بچھونا لگا یا پھر وہ اس پر سویا تو وہ حانث نہ ہوگا اور جس نے قسم کھائی اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہ ہوگا"۔

روٹی نہ کھانے کی قسم:

قولہ: ومن حلف ان لا یاکل الخبز الخ: یہ مسئلہ بھی محاورہ اور عادت پر محمول ہے۔

نہ بیچنے اور نہ خریدنے کی قسم:

قولہ: ومن حلف الخ: وکیل کے خریدنے، بیچنے یا کرائے پر دینے سے اس لیے وہ حانث نہ ہوگا کہ بیوع میں عاقد و مباشر خود وکیل ہوتا ہے نہ کہ موکل اس لیے موکل حانث نہ ہوگا، بخلاف نکاح کے وکیل کے کہ نکاح کرانے کے ساتھ حانث ہو جائے گا کہ نکاح میں وکیل محض سفیر و معبر ہوتا ہے حقوق موکل کی طرف لوٹتے ہیں۔

زمین پر نہ بیٹھنے کی قسم:

قولہ: من حلف الخ: چونکہ ننگی زمین پر بیٹھنے کو لوگ عار سمجھتے ہیں لہٰذا قسم کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے یا بچھونے کے بغیر نہ بیٹھوں گا اگر بستر وغیرہ بچھا کر بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا۔

تخت پر نہ بیٹھنے کی قسم:

قولہ: ومن حلف الخ: اگر تخت پر بچھونا ہو اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائے گا کہ بچھونا تابع ہے کہ اصول یہ ہے کہ "جو

اصل کے تابع ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔"

تخت پر دوسرا تخت ہوتو:

قولہ:ومن حلف الخ:اگر تخت پر دوسرا تخت ہوتو اس پر بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ دوسرا تخت خود اصل ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ"جب دونوں اصل ہوں تو ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوتے"۔

بچھونے پر چادر:

قولہ:وان حلف الخ:اگر قسم کھائی کہ بچھونے پر نہیں سوؤں گا اگر بچھونے پر چادر ہو اس پر سو گیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ بچھونے پر چادر حفاظت وخوبصورتی کے لیے ڈالتے ہیں عرف ومحاورے میں یوں ہی ہے اگر بچھونے پر دوسرا بچھونا ہوتو اس پر سونے سے حانث نہ ہوگا کہ دونوں اصل ہیں کسی ایک کے تابع نہیں۔

قسم میں متصلاً ان شاء اللہ کہنا:

قولہ:من حلف الخ:اگر قسم کھانے والے نے قسم کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ ان شاء اللہ کا معنی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا کس کو معلوم ہے اللہ تعالیٰ کی چاہت اس لیے قسم نہ ہوگی۔اگر قسم کے کچھ دیر بعد ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد ہو جائے گی کہ اب قسم کو توڑنا چاہتا ہے اب نہ ٹوٹے گی۔

وَإِنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّهُ إِنِ اسْتَطَاعَ فَهُوَ عَلَى اسْتِطَاعَةِ الصِّحَّةِ دُوْنَ الْقُدْرَةِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فُلَانًا حِيْنًا أَوْ زَمَانًا أَوِ الْحِيْنَ أَوِ الزَّمَانَ فَهُوَ عَلَى سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَكَذٰلِكَ الدَّهْرُ عِنْدَ أَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ أَيَّامًا فَهُوَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَلَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ الْأَيَّامَ فَهُوَ عَلَى عَشَرَةِ أَيَّامٍ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلَى أَيَّامِ أُسْبُوْعٍ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ الشُّهُوْرَ فَهُوَ عَلَى عَشَرَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا عَلَى اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا وَإِذَا حَلَفَ لَا يَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهُ أَبَدًا وَإِنْ حَلَفَ لَيَفْعَلَنَّ كَذَا فَفَعَلَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً بَرَّ فِيْ يَمِيْنِهِ،وَمَنْ حَلَفَ لَا تَخْرُجُ امْرَأَتُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَأَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً أُخْرَى بِغَيْرِ إِذْنِهِ حَنِثَ أَوْ لَا بُدَّ مِنَ الْإِذْنِ فِيْ كُلِّ خُرُوْجٍ وَإِنْ قَالَ إِلَّا أَنْ آذَنَ لَكِ فَأَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَحْنَثْ

"اور اگر قسم کھائی کہ ضرور اس کے پاس آئے گا اگر استطاعت ہوتو یہ صحت پر محمول ہوگی قدرت پر نہیں۔اور اگر قسم کھائی کہ وہ اس سے ایک زمانہ تک بات نہیں کرے گا تو یہ چھ ماہ پر محمول ہوگی اور اسی طرح لفظ دھر ہے صاحبین کے نزدیک اور اگر قسم کھائی کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا چند دن تک تو یہ تین دنوں پر محمول ہوگی اور اگر اس نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کئی دن بات نہیں کرے گا تو یہ دس دن پر محمول ہوگی امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک ہفتے کے دنوں پر اور اگر قسم کھائی کہ وہ اس سے کلام نہیں کرے گا مہینوں تک تو یہ دس مہینوں پر محمول ہوگی۔امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین

کے نزدیک بارہ مہینوں پر محمول ہوگی اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا تو وہ اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے اور اگر قسم کھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا پھر اس نے اس کو ایک بار کرلیا تو وہ اپنی قسم سے بری ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ اس کی بیوی نہیں نکلے گی مگر اس کی اجازت سے پھر خاوند نے ایک مرتبہ اجازت دے دی کہ بیوی نکلی اور واپس آ گئی پھر دوبارہ اس کی اجازت کے بغیر نکلی تو وہ حانث ہو جائے گا اور ہر مرتبہ نکلنے کی اجازت ضروری ہے اور اگر یوں کہا مگر یہ کہ میں اجازت دے دوں پھر اس کو ایک مرتبہ اجازت دے دی پھر وہ اس کے بعد بغیر اجازت نکل گئی تو حانث نہ ہوگا"۔

استطاعت سے مراد:

قولہ:وان حلف لیاتینه الخ:اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر استطاعت ہو سکی تو ضرور اس شخص کے پاس آؤں گا تو یہ قسم اس کے تندرست ہونے پر محمول ہوگی نہ کہ قدرت پر۔استطاعت کی دو قسمیں ہیں۔۱۔تندرستی کی استطاعت کہ اس کو"استطاعت صحت" کہتے ہیں کہ اس کے اعضا درست ہوں اور کام میں کسی طرف سے کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو۔اگر وہ کام نہیں کرے گا تو حانث ہو جائے گا جیسے منافقوں نے کہا تھا وسیحلفون باللہ لو استطعنا لخرجنا معکم (توبہ۔۴۲)۔۲۔قدرت کی استطاعت کہ جس کو"استطاعت قدرت" کہا جاتا ہے کہ استطاعت صحت مکمل پائی جائے پھر کام کو اللہ تعالیٰ وجود بخش دے قسم میں یہ استطاعت مراد نہیں۔

کسی مدت تک ترک فعل کی قسم:

قولہ:وان حلف الخ:اگر حالف اپنی قسم میں مدت کے لیے لفظ حین، زمان، ایام یا شہور کا ذکر کرتا ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں۔۱۔اگر حین یا زمان کو نکرہ (حین،زمان) یا معرفہ (الحین، الزمان) کے ساتھ ذکر کیا کہ فلاں سے ایک حین یا ایک زمانہ تک بات نہ کروں گا تو یہ مدت چھ ماہ پر محمول ہوگی۔

۲۔اگر لفظ دھر کو نکرہ ذکر کیا تو صاحبین کے نزدیک چھ ماہ جب کہ امام اعظم کے نزدیک توقف ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے لیکن متن میں اختلاف"الدھر" میں ظاہر کیا گیا ہے۔حالانکہ صحیح قول کے مطابق اختلاف نکرہ کی صورت میں ہے جو نمبر ۲ میں بیان کی گئی (اللباب، فتح القدیر، بدائع الصنائع)۔۳۔اگر لفظ دھر کو معرفہ (الدھر) ذکر کیا گیا تو آئمہ ثلاثہ احناف کے نزدیک ابدی مدت مراد ہے۔

۴۔اگر قسم میں لفظ ایام نکرہ استعمال کیا تو تین دن مراد ہوں گے۔۵۔اگر الایام معرفہ استعمال کیا تو امام اعظم کے نزدیک دس دن اور صاحبین کے نزدیک سات دن مراد ہیں۔۶۔اگر شہور نکرہ استعمال کیا تو تین ماہ اگر الشہور معرفہ استعمال کیا تو صاحبین کے نزدیک بارہ ماہ اور امام اعظم کے نزدیک دس ماہ مراد ہوں گے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

الایام اور الشھور دونوں میں فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اور دونوں الفاظ جمع معرف بلام ہیں جمع کا استغراق کی بدولت

آخری عدد دس کا لیا جائے گا اس کے بعد اکائیاں اور دہائیاں شروع ہوتی ہیں۔(الصحیح قول ابی حنیفه فی الترجیح والتصحیح)

قسم سے برأت:

قوله:ولو حلف الخ: اگر قسم کھائی کہ ایسا نہیں کرے گا تو وقت متعین نہ کرنے کی وجہ سے زندگی بھر ہمیشہ ممانعت رہے گی زندگی میں ایک مرتبہ بھی کرے گا تو حانث ہو جائے گا اگر نہ کرے گا تو بری ہو جائے گا۔
اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ ایسا ضرور کرے گا پھر اس نے ایک بار کر دیا تو قسم پوری ہو گئی جیسے آیت میں ہے وان منکم الا واردها کان علی ربك حتما مقضیا (مریم:۷۱) تم میں سے ہر ایک کو جہنم پر آنا ہو گا آپ کے رب کا یقینی فیصلہ ہے۔ لہٰذا ایک مرتبہ کرنے سے قسم پوری ہو جاتی ہے۔

بغیر اجازتِ شوہر نکلنے پر قسم:

قوله:ومن حلف الخ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ میری اجازت کے بغیر نہ نکلنا تو ہر مرتبہ نکلنے کی اجازت شرط ہو گی اگر کسی وقت بھی اجازت کے بغیر نکلی تو حانث ہو جائے گا اور اگر یوں کہا کہ مگر میری اجازت سے تو پہلی بار اجازت شرط ہے باقی اوقات میں بغیر اجازت کے جا سکتی ہے حانث نہ ہو گا۔

وَاِنْ حَلَفَ لَا يَتَغَدّٰى فَالْغَدَاءُ هُوَ الْاَكْلُ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَى الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسَّحُوْرُ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَاِنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهٗ اِلٰى قَرِيْبٍ فَهُوَ دُوْنَ الشَّهْرِ وَاِنْ قَالَ اِلٰى بَعِيْدٍ فَهُوَ اَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ

"اور اگر قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے جو طلوع فجر سے ظہر تک ہے اور عشا نماز ظہر سے نصف رات تک ہے اور سحری نصف رات سے طلوع فجر تک ہے اور قسم کھائی کہ سالن نہیں کھاؤں گا تو سالن ہر وہ چیز ہے کہ جس سے روٹی تر کی جائے اور اگر قسم کھائی فلاں کا قرض عنقریب ادا کرے گا تو یہ ایک ماہ سے کم پر ہو گا اور اگر کہا کچھ دیر میں تو ایک ماہ سے زائد پر ہو گا"۔

عِشا اور عَشا میں فرق:

مغرب کی انتہا سے لے کر صبح صادق کے درمیانی اوقات کو عشاء کہا جاتا ہے جب کہ شام کے کھانے کو عشا کہا جاتا ہے۔ مسائل کی نوعیت عبارت سے واضح ہے۔

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهٖ وَتَرَكَ اَهْلَهٗ وَمَتَاعَهٗ فِيْهَا حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ اَوْ لَيَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا انْعَقَدَتْ يَمِيْنُهٗ وَحَنِثَ عَقِيْبَهَا وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فُلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهٗ زُيُوْفًا اَوْ نَبَهْرَجَةً اَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ وَجَدَهَا سَتُّوْقَةً اَوْ رَصَاصًا حَنِثَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَقْبِضُ دَيْنَهٗ دِرْهَمًا دُوْنَ

دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهُ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَقْبِضَ جَمِيْعَهُ مُتَفَرِّقًا وَإِنْ قَبَضَ دَيْنَهُ فِيْ وَزْنَيْنِ لَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِتَفْرِيْقٍ وَمَنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّ الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِيْ آخِرِ جُزْءٍ مِّنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ

"اور جس نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر میں سکونت نہیں اختیار کرے گا پھر وہ اس سے نکل گیا اور اپنے بال بچوں اور سامان کو اس میں چھوڑ گیا تو وہ حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ ضرور آسمان پر چڑھے گا یا وہ ضرور اس پتھر کو سونا بنائے گا تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ قسم کے بعد حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ ضرور آج فلاں کا قرض ادا کرے گا اور اس نے اس کو ادا کر دیا اس کے بعد فلاں شخص نے کچھ قرض کھوٹا پایا یا کسی دوسرے کا حق پایا تو حانث نہ ہوگا۔ اور اگر مکمل طور پر تانبا پایا یا مکمل کھوٹا پایا تو حانث ہو جائے گا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ اپنا قرض ایک ایک درہم کر کے وصول نہیں کرے گا پھر اس نے کچھ قرض وصول کر لیا تو حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ پورا قرض تھوڑا تھوڑا کر کے وصول کر لے اور اگر اپنا قرض دو مرتبہ وزن کر کے وصول کیا کہ ان کے درمیان میں وزن کے کام کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول نہ ہوا تو حانث نہ ہوگا اور یہ لینا متفرق طور پر نہیں ہوگا اور جس نے قسم کھائی کہ وہ ضرور بصرہ جائے گا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا تو حانث ہو جائے گا زندگی کے آخری لمحات میں"۔

خود گھر میں نہ رہنے کی قسم:

قولہ: ومن حلف لا یسکن الخ: اگر خود گھر میں نہ رہنے کی قسم کھائی کہ خود تو نکل گیا مگر اولاد اور سامان گھر میں ہے تو حانث ہو جائے گا کہ خود تو مرد عموماً باہر رہتا ہے لہٰذا اولاد اور سامان کا گھر میں ہونا خود گھر میں ہونے کے مترادف ہے۔

آسمان پر چڑھنے وغیرہ کی قسم:

قولہ: ومن حلف الخ: قسم کے انعقاد کے لیے اصول یہ ہے کہ "جس بات پر قسم کھائی جائے ضروری ہے کہ اس کا پورا کرنا فی نفسہٖ ممکن ہو اگرچہ عادۃً محال ہو۔" اگرچہ آسمان پر چڑھنا عادۃً تو محال ہے مگر فی نفسہٖ ممکن تو ہے کہ فرشتے روزانہ آسمان پر چڑھتے ہیں اسی طرح کہا کہ پتھر کو سونا بناؤں گا تب بھی قسم منعقد ہو جائے گی کہ کراماتاً ممکن ہے اور حکم یہ ہے کہ ایسی قسم کھانے کے فوراً بعد حانث ہو جائے گا کہ اصول یہ ہے کہ "ہر وہ قسم جس کا پورا کرنا مشکل تو ہو محال نہ ہو تو فوراً قسم کے بعد حانث ہو جائے گا"۔

قرض کی ادائیگی کی قسم:

قولہ: ومن حلف الخ: مسئلہ کی نوعیت متن سے واضح ہے تاہم زیوف کا معنی ایسا کھوٹا سکہ کہ جس کو بیت المال (بینک) نہ لے اور بھرجۃ ایسا کھوٹا سکہ کہ جس کو بیت المال (بینک) لے لے۔ رصاص، سیسہ ستوقۃ چاندی سے ملمع کھوٹا درھم۔

كتاب الدعوىٰ

لفظ دعویٰ کی تحقیق:

دعویٰ فعلیٰ کے وزن پر ہے جس کی جمع دعاویٰ آتی ہے کہ جس طرح فتویٰ اور فتاویٰ ہے۔

دعویٰ کا لغوی معنیٰ:

انسان کا وہ قول جس میں دوسرے پر اپنے حق کو بیان کرے۔

اصطلاحی معنیٰ:

خصومت کے وقت کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرنا۔ لغوی اور اصطلاحی معنیٰ قریب قریب ہیں۔

اصطلاحات:

دعویٰ کرنیوالے کو "مُدَّعِیْ" جس پر دعویٰ کیا جائے اسے "مُدَّعیٰ علیه" اور جس چیز کا دعویٰ کیا جائے اسے مُدَّعیٰ کہا جاتا ہے۔

اَلْمُدَّعِي مَنْ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُوْمَةِ اِذَا تَرَكَهَا وَالْمُدَّعٰى عَلَيْهِ مَنْ يُّجْبَرُ عَلَيْهَا اِذَا تَرَكَهَا وَلَا تُقْبَلُ الدَّعْوٰى حَتّٰى يُذْكَرَ شَيْئًا مَعْلُوْمًا فِيْ جِنْسِهٖ وَقَدْرِهٖ فَاِنْ كَانَ عَيْنًا فِيْ يَدِ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ كُلِّفَ اِحْضَارُهَا لِيُشِيْرَ اِلَيْهَا بِالدَّعْوٰى وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيْمَتَهَا وَاِذَا ادَّعٰى عَقَارًا حَدَّدَهٗ وَذَكَرَ اَنَّهٗ فِيْ يَدِ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ وَاَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ وَاِنْ كَانَ حَقًّا فِي الذِّمَّةِ ذَكَرَ اَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ.

"مدعی وہ شخص ہے جو جھگڑے پر مجبور نہ کیا جائے اگر وہ جھگڑنے کو چھوڑ دے اور مدعی علیہ وہ ہے جو جھگڑے پر مجبور کیا جائے۔ اور دعوے قبول نہیں کیا جائے گا اس وقت تک کہ مدعی اس چیز کی جنس معلوم اور قدر معلوم کو ذکر نہ کرے اب اگر چیز جنس معلوم اور قدر معلوم مدعی علیہ کے پاس موجود ہے تو مدعی علیہ کو اس کے حاضر کرنے پر مجبور کیا جائے گا تا کہ دعویٰ کے وقت اس کی طرف اشارہ کرے اور اگر وہ چیز نہیں ہے تو اس کی قیمت ذکر کرے اور اگر مدعی نے زمین کا دعویٰ کیا ہے تو اس کی حدود کو بیان کرے اور اس بات کو بیان کرے کہ وہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور مدعی مدعی علیہ سے اس چیز کا مطالبہ کرے اور اگر مدعی علیہ کے ذمہ کوئی حق ہو تو اس کو بیان کرے کہ وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے"۔

مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف:

قوله: المدعی الخ: اسلام کے نظام قضا میں مدعی اور مدعی علیہ کی پہچان بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسی پر مقدمہ کی بنیاد ہے

جس قدر اہم ہے۔اسی قدر دو استصحاب حال (جو چیز جس حالت پر پہلے تھی اس کو تبدیل کرنے والا سبب بھی موجود نہ ہو تو اس کو پہلی ہی حالت پر باقی سمجھنا استصحاب حال ہے) میں مشکل بھی پیش آتی ہے۔فقہاء کرام نے بڑی دقیقہ بینی سے ایک ایک لفظ کو تو لنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے کہ فریقین میں سے کون مدعی ہے؟ ''معین الحکام'' میں علامہ طرابلسی متوفی ۸۴۴ھ نے مدعی اور مدعی علیہ کی سات تعریفات ذکر کیں ہیں۔ان میں جو تعریف امام قدوری، صاحب ہدایہ اور علامہ عینی نے نقل کی ہے یہ دیگر تعریفات کے نقائص سے محفوظ ہے۔''مدعی وہ ہے اگر مقدمہ سے دستبردار ہو جائے تو اسے مجبور نہ کیا جا سکے اور مدعی علیہ وہ ہے اگر مقدمہ کی پیروی نہ کرے تو اسے مجبور کیا جا سکے''۔دراصل تعریفات میں انکار اور تقاضا کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس کے حصہ میں انکار ہو وہ مدعی علیہ اور جس کے حصہ میں تقاضا ہو وہ مدعی ہے۔

صحت دعویٰ کی شرائط:

قوله: ولا يقبل الخ: ۱۔اگر دعویٰ دین کے متعلق ہو تو مدعی کو جنس معلوم اور مقدار معلوم ہو اور اگر دعویٰ عین کے متعلق ہو اگر حاضر ہو تو اشارہ کافی ہے اگر عین حاضر نہ ہو تو اوصاف بیان کرنا ضروری ہیں۔ ۲۔ مدعی کی قیمت بیان کی جائے۔ ۳۔ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہونے کی وضاحت کی جائے۔ ۴۔مدعی کی طرف سے مطالبہ بھی پایا جائے اگر مدعی زمین ہے تو حدود اربعہ بھی بیان کی جائیں۔ ۵۔اگر کوئی حق ہو تو اس کو بیان کرے کہ مدعی علیہ سے لینا چاہتا ہوں۔

فَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوٰى سَأَلَ الْقَاضِى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنْهَا فَإِنِ اعْتَرَفَ بِهَا قَضٰى عَلَيْهِ بِهَا وَإِنْ أَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِى الْبَيِّنَةَ فَإِنْ أَحْضَرَهَا قَضٰى بِهَا وَإِنْ عَجَزَ عَنْ ذٰلِكَ وَطَلَبَ يَمِيْنَ خَصْمِهٖ أُسْتُحْلِفَ عَلَيْهَا وَإِنْ قَالَ: لِىْ بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْيَمِيْنَ لَمْ يُسْتَحْلَفْ عِنْدَ أَبِىْ حَنِيْفَةَ لَا يَرُدُّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعِى وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ صَاحِبِ الْيَدِ فِى الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَإِذَا نَكَلَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنِ الْيَمِيْنِ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ وَلَزِمَهٗ مَا ادَّعٰى عَلَيْهِ وَيَنْبَغِىْ لِلْقَاضِىْ أَنْ يَقُوْلَ لَهٗ: إِنِّىْ أَعْرِضُ عَلَيْكَ الْيَمِيْنَ ثَلَاثًا فَإِنْ حَلَفْتَ وَإِلَّا قَضَيْتُ عَلَيْكَ بِمَا ادَّعَاهُ فَإِذَا كَرَّرَ عَلَيْهِ الْعَرْضَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ

''پس جب دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ سے دعویٰ کے متعلق سوال کرے گا اگر وہ اعتراف کرے تو قاضی اس دعویٰ کا فیصلہ کر دے اور اگر انکار کرے تو قاضی مدعی سے گواہی کا سوال کرے گا لہٰذا اگر وہ گواہ پیش کر دے تو قاضی گواہوں کی وجہ سے فیصلہ کر دے اور اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس سے دعویٰ پر قسم لے اور اگر مدعی کہے کہ گواہ موجود ہیں اور قسم کا مطالبہ کرے تو قسم نہیں لی جائے گی امام اعظم کے نزدیک اور نہ ہی قسم مدعی پر آئے گی اور قبضہ والے کے گواہ ملک مطلق میں قبول نہیں کیے جائیں گے اور جب مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو قاضی اس کے خلاف انکار کی وجہ سے فیصلہ کر دے اور اس چیز کو لازم کر دے جس کا اس پر دعویٰ کیا ہے اور قاضی کے لیے مناسب ہے وہ مدعی علیہ کو کہہ دے کہ میں تجھ پر تین مرتبہ قسم پیش کروں گا۔پس اگر تو قسم کھا لے تو فبہا ورنہ میں تیرے خلاف اس کا

فیصلہ کروں گا اور جب تین مرتبہ قسم پیش کر دے تو اس کے خلاف انکار کی وجہ سے فیصلہ کر دے"۔

دعویٰ کی اقسام:

قولہ: فاذا صحت الخ: فقہاء کرام نے دعویٰ کی صحت کے لیے مطلوبہ شرائط کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے اعتبار سے دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ۱۔ دعویٰ صحیحہ، ۲۔ دعویٰ فاسدہ، دعویٰ صحیحہ کے لیے دو شرطوں کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے۔ (الف) فریق مخالف پر کسی چیز کو لازم کرنا (ب) مدعیٰ معلوم و معین ہو اگر دونوں شرط یا کوئی نہ پائی گئی تو دعویٰ فاسد ہوگا تو قاضی دعویٰ صحیحہ کی سماعت کرے گا۔

قاضی کی کارروائی:

قولہ: سال القاضی الخ: قاضی کی عدالت میں دائر مقدمہ دعویٰ صحیحہ ہو تو قاضی مدعیٰ علیہ سے پوچھے گا کہ مدعی کا دعویٰ درست ہے؟ تو اگر جواب دعویٰ میں مدعیٰ علیہ نے اعتراف کر لیا کہ واقعی مجھ پر اس کا حق ہے تو اب گواہ اور قسم کی حاجت نہیں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ لیکن اگر مدعیٰ علیہ اعتراف نہ کرے تو قاضی مدعی سے گواہ پیش کرنے کا مطالبہ کرے گا اگر گواہ پیش کر جاتا ہے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا مدعی پر گواہ لازم کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ظاہر حال مدعی کا کمزور ہے اس لیے اس پر گواہ پیش کرنا لازم ہوئے۔ اور اگر مدعی گواہ پیش کرنے میں عاجز آ جائے تو قاضی مدعیٰ علیہ (مدمقابل) سے قسم لے گا اس پر مدعیٰ علیہ کے حق میں فیصلہ کر دے گا۔ مدعیٰ علیہ پر قسم میں حکمت یہ ہے کہ اس کی ظاہر حالت قوی ہے اس لیے قسم کھانا کافی ہے۔

گواہوں کی موجودگی میں قسم سے فیصلہ:

قولہ: وان قال لی الخ: متن کے مسئلہ میں اختلاف اس صورت میں ہے کہ مدعی کے گواہ شہر میں موجود ہیں اور مدعیٰ علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کروانا چاہتا ہے تو امام اعظم کے نزدیک قسم کے بجائے گواہ پیش کر کے فیصلہ کروا سکتا ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک اس کو دونوں اختیار ہیں لیکن اگر گواہ شہر میں موجود نہیں یا حاضر کرنے میں دقت ہے تو بالاتفاق مدعیٰ علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ حجت اقویٰ (البینہ) کے ہوتے ہوئے حجت ادنیٰ (یمین) کی طرف رجوع درست نہیں۔ (الصحیح قول ابی حنیفہ فی الترجیح والتصحیح)

مدعی پر قسم کا نہ ہونا:

قولہ: ولا ترد الخ: اس مسئلے کی دو صورتیں ہیں کہ مدعی کے پاس ایک گواہ ہو تو دوسرے گواہ کے بدلے اس سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ یا تو دو گواہ لائے ورنہ مدعیٰ علیہ سے قسم لے دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی دو گواہ پیش کر دے تو اس پر قسم نہ ہوگی۔ امام

شافعی کے نزدیک اطمینان کی خاطر قاضی قسم بھی لے سکتا ہے۔

ملک مطلق میں گواہی کا قبول نہ ہونا:

قولہ:ولا یقبل الخ: پہلے ملک مطلق کا معنی سمجھیں مثلاً کوئی شخص مکان کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے مگر یہ مالک ہونے کا سبب (خرید، وراثت، ہبہ وغیرہ) بیان نہ کرے۔ اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ مکان پر قبضے والا اور مدعی دونوں ملک مطلق پر اپنے اپنے گواہ پیش کرتے ہیں تو مدعی کے گواہ قبول کیے جائیں گے اور قبضے والے (صاحب الید) کے گواہ قبول نہیں کیے جائیں گے چونکہ ملک کا سبب بیان نہیں کر سکے اس لیے فیصلہ کا مدار صرف بینہ پر ہے اور بینہ اصول کے مطابق مدعی پر ہیں نہ کہ مدعی علیہ پر جب کہ امام شافعی کے نزدیک صاحب الید کے بینہ کو ترجیح ہوگی۔

مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا:

قولہ:واذا نکل الخ: اگر مدعی علیہ قسم سے انکار کرتا ہے تو انکار کے بعد قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کر دے گا البتہ قاضی کا مدعی علیہ پر قسم تین بار پیش کرنا افضل ہے ممکن ہے کہ مدعی علیہ کو قانون کا علم نہ ہو کہ قسم کھا لے گا تو تیرے حق میں انکار پر تیرے خلاف فیصلہ ہوگا۔

وَاِذَا كَانَتِ الدَّعْوٰى نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكِرُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِي الْاِيْلَاءِ وَالرِّقِّ وَالْاِسْتِيْلَادِ وَالْوَلَاءِ وَالنَّسَبِ وَالْحُدُوْدِ.وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يُسْتَحْلَفُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ

”اور اگر دعویٰ نکاح کا ہو تو امام اعظم کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی اور قسم نہیں لی جائے گی (۱) نکاح میں (۲) رجعت میں (۳) ایلا سے رجوع کرنے میں (۴) غلامی میں (۵) ام ولد کرنے میں (۶) نسب میں (۷) ولاء میں (۸) حدود میں (۹) لعان میں اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قسم لی جائے گی ان تمام میں سوائے ”حدود اور لعان کے“۔

جہاں مدعی علیہ پر قسم نہیں:

قولہ:وان کانت الخ: نو مقدمات ایسے ہیں جہاں امام اعظم کے نزدیک مدعی علیہ (منکر) پر قسم نہیں۔

۱۔ نکاح: ایک شخص دعویٰ کرے کہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا ہے جب کہ عورت منکر ہے یا اس کے برعکس ہو۔

۲۔ رجعت: طلاق کی عدت گزرنے کے بعد مرد دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا اور عورت منکر ہے یا اس کے برعکس ہو۔

۳۔ ایلا: ایلا کی مدت (چار ماہ) گزر جانے کے بعد شوہر کہتا ہے کہ اس نے مدت ایلا میں رجوع کر لیا تھا جب کہ عورت منکر ہے یا اس کے برعکس ہو۔

۴۔ رقیت: مثلاً زید مجہول النسب شخص پر دعویٰ کرے کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ اس کا منکر ہو۔

۵۔ استیلاد: مثلاً لونڈی نے آقا پر دعویٰ کیا کہ میں اس سے اُم ولد ہوں اور آقا منکر ہے۔

۶۔ نسب: مثلاً زید نے مجہول النسب شخص پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے وہ اس کا منکر ہے یا اس کے برعکس ہو۔

۷۔ ولا: مثلاً زید نے کسی پر دعویٰ کیا کہ اس پر میرے لیے ولا اعتاق ہے یا ولا موالات ہے اور اس کا منکر ہو۔

۸۔ حدود: مثلاً زید نے کسی پر حدود میں سے کسی حد کے لازم ہونے کا دعویٰ کیا اور وہ منکر ہو۔

۹۔ لعان: مثلاً عورت نے دعویٰ کیا کہ شوہر نے اس پر موجب لعان تہمت لگائی ہے اور شوہر اس کا منکر ہو۔

نو مقامات کی بنیاد دو اصول پر:

جن نو مقامات میں امام اعظم کے نزدیک منکر پر قسم نہیں آتی اور صاحبین کے نزدیک حدود اور لعان کے علاوہ باقی سات مقامات پر منکر پر قسم آتی ہے ان کی بنیاد ہر فریق کے اپنے اپنے اصول پر ہے۔

امام اعظم کا اصول:

"منکر کا قسم سے انکار کرنا بذل ہے"۔ بذل کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ یہ کہہ رہا ہے کہ خدا کے نام کی تعظیم کی وجہ سے چلو یہ چیز تمہیں دے دیتا ہوں ورنہ ہے یہ میری۔ امام اعظم کے نزدیک مذکورہ نو مقامات پر بذل جائز نہیں مثلاً عورت بغیر نکاح کے اپنا نفس دوسرے کو مباح کر دے۔ ان نو مقامات میں منکر کے انکار کو بذل پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے تا کہ یہ لازم نہ آئے کہ مدعی دعویٰ میں جھوٹا تھا کسی مسلمان کو جھوٹ سے بچانا اولیٰ ہے۔

صاحبین کا اصول:

"منکر کا قسم سے انکار کرنا دعویٰ کا اقرار کرنا ہے" اور یہ انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جھوٹا ہے ورنہ حق پر قسم کھا لیتا لیکن یہ ایسا اقرار ہے کہ جس میں شبہ ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں اور لعان حکماً حد ہے اور باقی سات صورتوں میں منکر سے قسم لی جائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے (الفتوىٰ على قولهما فتح القدير، اللباب، الترجيح والتصحيح)۔

وَاِذَا ادَّعَى اثْنَانِ عَيْنًا فِي يَدِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ وَّكُلُّ وَاحِدٍ يَّزْعُمُ اَنَّهَا لَهٗ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ بِهَا بَيْنَهُمَا وَاِنِ ادَّعَى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِكَاحَ امْرَاَةٍ وَّاَقَامَا الْبَيِّنَةَ لَمْ يُقْضَ بِوَاحِدَةٍ مِّنَ الْبَيِّنَتَيْنِ وَرَجَعَ اِلٰى تَصْدِيْقِ الْمَرْاَةِ لِاَحَدِهِمَا

"اور دو نے کسی خاص چیز کا دعویٰ کیا جو کسی تیسرے کے پاس ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا خیال ہے کہ یہ اس کی ہے اور دونوں نے گواہ قائم کر دیئے تو دونوں کے درمیان فیصلہ ہوگا اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے کسی عورت سے نکاح کا دعویٰ کر دیا اور دونوں نے گواہ قائم کر دے تو کسی ایک کی بھی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ بلکہ ان میں سے کسی ایک کے

لیے عورت کی تصدیق کی طرف رجوع کیا جائے گا"۔

ایک چیز پر دو کا دعویٰ:

قولہ:واذا ادعی الخ: اگر کسی دو نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ چیز میری ہے اور وہ چیز کسی تیسرے کے پاس ہو اور دونوں نے اپنی چیز ہونے پر گواہ پیش کر دیے تو فیصلہ دونوں کے حق میں ہوگا کہ کسی کے حق کو وجہ ترجیح نہیں اگر دونوں کے قبضہ میں ہو تب بھی یہی فیصلہ ہوگا۔

اگر کسی دو نے ایک عورت پر دعویٰ کر دیا کہ یہ میری بیوی ہے یہاں اگر چہ دونوں گواہ پیش بھی کر دیں تو گواہی پر فیصلہ نہ ہوگا کیونکہ ایک عورت دو کی بیوی نہیں بن سکتی لہٰذا عورت سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی بیوی ہو جس کی تصدیق کرے گی اس کی بیوی ہوگی۔ میاں بیوی کے قبول کرنے سے نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر ایک پہلے نکاح کا دعویٰ دار ہو اور دوسرا بعد میں نکاح کا تو پہلے کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

وَاِنْ ادَّعَى اثْنَانِ عَلٰى رَجُلٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَزْعُمُ اَنَّهُ اشْتَرٰى مِنْهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الْعَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ فَاِنْ قَضٰى بِهِ الْقَاضِي بَيْنَهُمَا فَقَالَ اَحَدُهُمَا: لَا اَخْتَارُ لَمْ يَكُنْ لِلْاٰخَرِ اَنْ يَّاْخُذَ جَمِيْعَهُ وَلَوْ ذَكَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا تَارِيْخًا فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَاِنْ لَّمْ يَذْكُرَا تَارِيْخًا وَمَعَ اَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ اَوْلٰى. فَاِنْ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا شِرَاءً وَّالْاٰخَرُ هِبَةً وَّقَبْضًا وَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ وَلَا تَارِيْخَ مَعَهُمَا فَالشِّرَاءُ اَوْلٰى وَاِنْ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ وَادَّعَتْ امْرَاَةٌ اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ وَاِنْ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا رَهْنًا وَّقَبْضًا وَالْاٰخَرُ هِبَةً وَّقَبْضًا فَالرَّهْنُ اَوْلٰى

"اور اگر دو میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے یہ غلام خریدا ہے اور دونوں نے گواہ قائم کر دیے تو دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے اگر چاہے تو آدھی قیمت کے عوض آدھا غلام خرید لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے پس اگر قاضی نے دونوں کے درمیان غلام کا فیصلہ کر دیا اور ان میں سے ایک کہے کہ مجھے پسند نہیں ہے تو دوسرے کے لیے تمام غلام جائز نہیں ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک نے تاریخ ذکر کر دی تو غلام دونوں میں سے پہلی تاریخ والے کے لیے ہوگا اور اگر دونوں نے تاریخ ذکر نہیں کی اور کسی ایک کا قبضہ ہے تو وہی اولیٰ ہوگا اور اگر ایک نے خرید نے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ کا اور قبضہ کا اور دونوں نے گواہ قائم کر دیے اور دونوں کے پاس تاریخ نہیں تو خرید دوسرے سے اولیٰ ہوگی اور اگر ایک نے خرید کا دعویٰ کیا اور عورت نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے اس چیز پر مجھ سے نکاح کیا ہے تو دونوں برابر ہوں گے اور اگر ایک نے رہن اور قبضے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضے کا دعویٰ کیا تو رہن بہتر ہوگا"۔

دونوں کے خریدنے کا دعویٰ:

قولہ:وان ادعی اثنان الخ: اگر دو میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ غلام میں نے زید سے خریدا ہے اور دونوں نے

گواہ پیش کر دیے اور کسی ایک نے خریدنے کی تاریخ بھی بیان نہیں کی کسی ایک کے قبضہ میں بھی نہیں۔ اب کسی ایک کے گواہوں کو ترجیح بھی نہیں مل رہی تو فیصلہ ہوگا کہ دونوں نے آدھا آدھا غلام خریدا ہے دونوں پر آدھی آدھی قیمت لازم ہوگی۔ اب اختیار ہے چاہے تو آدھی قیمت دے کر غلام لے لے یا لینا ہی چھوڑ دے۔ اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد ایک کہتا ہے کہ مجھے غلام پسند نہیں اب دوسرے فریق کو حق نہیں کہ پورا غلام لے لے کیونکہ بیع تو اس کے حق میں نصف غلام کی ہوئی ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ "قاضی کا فیصلہ جتنے غلام کے بارے میں ہوا بیع اتنی ہوگی" البتہ نئے سرے سے تمام غلام کو خرید سکتا ہے۔ اگر دونوں فریقوں میں سے ہر ایک نے تاریخ ذکر کر دی تو جس کی تاریخ پہلے ہے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا کہ پہلی تاریخ کا کوئی مزاحم نہیں ہے اور اگر تاریخ ذکر نہیں کی بلکہ ایک کا قبضہ ہے تو قبضہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے پہلے خریدا ہے صاحب قبضہ کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

مختلف عقدوں کا دعویٰ:

قولہ: وان ادعی الخ: ۱۔ اگر دو اشخاص کا ایک ہی چیز کے متعلق دو مختلف عقدوں کا دعویٰ ہے مثلاً زید کہتا ہے کہ میں نے یہ گائے، بکر سے خریدی ہے جب کہ خالد کہتا ہے کہ مجھے یہ گائے بکر نے ہبہ کی اور ساتھ قبضہ کا بھی دعویٰ دار ہوں اور کسی کے پاس تاریخ بھی نہ ہو۔ کہ کس نے پہلے خریدا ہے کس کو بعد میں ہبہ کیا ہے تو ایسی صورت میں خریدنے کو ترجیح ہوگی کیونکہ اصول یہ ہے کہ "خریدنا ہبہ سے زیادہ مضبوط ہے"۔

۲۔ اگر ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے اسے خریدا ہے اور عورت نے دعویٰ کیا اس پر اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے تو دونوں مدعی برابر ہیں لہٰذا چیز آدھی آدھی دونوں کے درمیان ہوگی کیونکہ خریدنا اور مہر دونوں ایک درجے کے ہیں۔

۳۔ اگر ایک نے رہن اور قبضہ کا اور دوسرے نے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا تو رہن والے کا دعویٰ اولیٰ ہوگا کیونکہ اصول یہ ہے کہ "جہاں دونوں طرف سے بدلے ہوں وہ مضبوط ہے بنسبت اس کے کہ ایک طرف سے مال ہو"۔

وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجَانِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيْخِ فَصَاحِبُ التَّارِيْخِ الْاَبْعَدِ اَوْلٰى فَاِنْ ادَّعَيَا الشِّرَاءَ مِنْ وَاحِدٍ وَّاَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلٰى تَارِيْخَيْنِ فَالْاَوَّلُ اَوْلٰى وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنْ آخَرَ وَذَكَرَا تَارِيْخًا فَهُمَا سَوَاءٌ وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلٰى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَّاَقَامَ صَاحِبُ الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلٰى مِلْكٍ اَقْدَمَ تَارِيْخًا كَانَ اَوْلٰى وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ وَصَاحِبُ الْيَدِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةً بِالنِّتَاجِ فَصَاحِبُ الْيَدِ اَوْلٰى وَكَذٰلِكَ النَّسْجُ فِى الثِّيَابِ الَّتِىْ لَا تُنْسَجُ اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّكُلُّ سَبَبٍ فِى الْمِلْكِ لَا يَتَكَرَّرُ فَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ بَيِّنَةً عَلَى الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ وَصَاحِبُ الْيَدِ بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ كَانَ صَاحِبُ الْيَدِ اَوْلٰى وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْاٰخَرِ وَلَا تَارِيْخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَتِ الْبَيِّنَتَانِ وَاِنْ اَقَامَ اَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْاٰخَرُ اَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ

"اور اگر دو غیر قابضوں نے ملک اور تاریخ پر گواہ پیش کیے تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا اور اگر دونوں نے کسی سے خریدنے

کا دعویٰ کیا اور دونوں نے دو تاریخوں پر گواہ پیش کر دیئے تو پہلی تاریخ والا بہتر ہوگا اور اگر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر گواہ پیش کر دیئے اور دونوں نے تاریخ بھی ذکر کر دی تو دونوں برابر ہوں گے اور اگر غیر قابض نے ملک مورخ پر گواہ پیش کر دیئے اور قبضے والے نے اس ملک پر جو اس کی تاریخ سے پہلے ہے تو قبضہ والا بہتر ہوگا اور اگر غیر قابض اور قبضے والے میں سے ہر ایک پیدائش پر گواہ پیش کر دے تو قبضہ والا بہتر ہوگا۔ اسی طرح ان کپڑوں کی بناوٹ جو صرف ایک مرتبہ بنے جاتے ہیں اور ہر وہ سبب جو ملک میں مکرر نہیں ہوتا اور اگر غیر قابض نے ملک مطلق پر گواہ پیش کر دیئے اور قبضے والے نے اسی سے خریدنے پر پیش کر دیئے تو قبضے والا بہتر ہوگا اور اگر ہر ایک نے دوسرے سے خریدنے پر گواہ پیش کر دیئے اور دونوں کے پاس تاریخ نہ ہو تو دونوں کے گواہ ساقط ہو جائیں گے اور اگر ایک مدعی نے دو گواہ پیش کیے اور دوسرے نے چار تو دونوں برابر ہیں"۔

مختلف دعوے:

قوله: وان اقام الخ: مسائل کا فہم متن کی عبارت سے واضح ہے تاہم یہ سب اس اصول پر مبنی ہیں کہ "جس کے لیے علامت راجح ہوگی اس کے گواہوں کو ترجیح حاصل ہوگی" نیز گواہ چاہے دو ہوں یا چار حکم میں برابر ہیں کیونکہ اصول یہ ہے کہ "ترجیح کا مدار قوت علل پر ہے نہ کہ کثرت علل پر"۔

وَمَنْ ادَّعَى قِصَاصًا عَلَى غَيْرِهِ فَجَحَدَ اُسْتُحْلِفَ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ فِيمَا دُوْنَ النَّفْسِ لَزِمَهُ الْقِصَاصُ وَاِنْ نَكَلَ فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰى يُقِرَّ اَوْ يَحْلِفَ وَعِنْدَهُمَا يَلْزَمُهُ الْاَرْشُ فِيْهِمَا، وَاِذَا قَالَ الْمُدَّعِي: لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ قِيلَ: لِخَصْمِهِ اَعْطِهِ كَفِيلًا بِنَفْسِكَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ فَعَلَ وَاِلَّا اُمِرَ بِمُلَازَمَتِهِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ غَرِيبًا عَلَى الطَّرِيقِ فَيُلَازِمُهُ مِقْدَارَ مَجْلِسِ الْقَاضِي

"اور جس شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کر دیا تو اس نے انکار کر دیا تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرے جان سے مار ڈالنے سے کم میں تو اس کو قصاص لازم ہوگا اور اگر قتل نفس میں قسم سے انکار کرے تو اسے قید کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ یا تو اقرار کر لے یا قسم کھالے اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں دیت لازم ہوگی اور اگر مدعی کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں تو مدعی علیہ سے کہا جائے گا کہ تین دن کے اندر اپنا ضامن حاضر کر دے اگر ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ اس کو گرفتار کرنے کا حکم دیا جائے گا البتہ اگر مدعی علیہ مسافر ہو تو اسے قاضی کی کچہری کے وقت تک ٹھہرائے رکھے"۔

دعویٰ قصاص میں انکار:

قوله: ومن ادعى الخ: اگر کسی نے کسی کے خلاف قصاص کا دعویٰ کر دیا اور دعوے پر گواہ پیش نہ کر سکا۔ دعویٰ قصاص کی دو صورتیں ہیں کہ دعویٰ قصاص قتل نفس کا ہے یا نفس کے علاوہ کسی عضو کا ہے تو صاحبین کے نزدیک ہر دو صورتوں میں دیت واجب ہوگی جب کہ امام اعظم کے نزدیک قتل نفس میں اس کو قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کر لے یا قسم اٹھا لے اور کسی عضو کے قتل میں قصاص لیا جائے گا جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قسم لی جائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اعضاء انسانی میں انکار عن الیمین کی صورت میں "بذل" جاری ہوتا ہے جس کی تشریح گزشتہ مقامات کے تحت گزر چکی ہے جب کہ نفس انسانی میں "بذل" جاری نہیں ہوتا کہ جان کی حیثیت مال جیسی نہیں (وعلی قول الأمام مشی الأمة المصححون فی الترجیح التصحیح)۔

گواہ حاضر کرنے میں دیر ہوتو:

قولہ:واذاقال الخ:اصول تو یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی" اوراس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا لیکن صورت مسئلہ میں مدعی کے گواہ شہر میں موجود ہیں مگر ان کو پہنچانے میں دیر ہو جائے گی اگر مدعی نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔مدعی علیہ دو حال سے خالی نہیں کہ مقیم ہے یا مسافر اگر مقیم ہو تو اس سے ضامن طلب کیا جائے گا کہ جب بھی تین دن کے اندر آپ کی عدالت میں ضرورت ہو تو ضامن (کفیل بالنفس) آپ کو حاضر کردے اگر مدعی علیہ ضامن دے دے تو فبہا ورنہ مدعی کو کہا جائے گا کہ اس کی نگرانی کرو بھاگ نہ جائے تین دن کے اندر گواہ پیش کردے تو ٹھیک ہے اکثر مقدمات میں یہ عمل ہوتا ہے کہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ورنہ قاضی مدعی علیہ سے قسم لے لے یا اس کو چھوڑ دے۔

نوٹ: آج کل تو لوگ کئی کئی عرصہ ضمانت پر چھوٹتے ہیں۔

اگر مدعی علیہ مسافر ہو تو صرف مجلس قضا جو پانچ یا چھ گھنٹے جاری رہتی ہے وہاں تک کفیل بالنفس لے اگر کفیل نہ ملے تو اتنی دیر نگرانی خود مدعی کرتا رہے۔جب کہ صاحبین کے نزدیک مقیم ہو یا مسافر مجلس قضا تک ہی مدعی کو گواہ لانے کی مہلت دی جائے گی۔ ترجیح امام اعظم کے قول کو ہے جو متن میں مذکور ہے۔

فَاِنْ قَالَ الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ: هٰذَا الشَّيْئُ اَوْدَعَنِيْهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ اَوْ رَهَنَهُ عِنْدِي اَوْ غَصَبْتُه مِنْهُ وَاَقَامَ بَيِّنَةً عَلٰى ذٰلِكَ فَلَا خُصُوْمَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُدَّعِي وَاِنْ قَالَ: اِبْتَعْته مِنْ فُلَانِ الْغَائِبِ فَهُوَ خَصِيمٌ وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِي: سُرِقَ مِنِّي وَاَقَامَ الْبَيِّنَةَ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ: اَوْدَعَنِيْهِ فُلَانٌ وَاَقَامَ الْبَيِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعْ الْخُصُوْمَةُ وَاِذَا قَالَ الْمُدَّعِي: اِبْتَعْته مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ: اَوْدَعَنِيْهِ فُلَانٌ ذٰلِكَ بِعَيْنِهٖ سَقَطَتْ الْخُصُوْمَةُ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ،

"اور اگر مدعی علیہ نے کہا کہ مجھ کو فلاں شخص نے یہ چیز ودیعت میں دی ہے یا اس کو میرے پاس رہن رکھی ہے یا میں نے اس سے غصب کی ہے اور مدعی علیہ نے اس پر گواہ قائم کردیئے تو اس کے اور مدعی کے درمیان جھگڑا نہ رہے گا اور اگر کہا کہ میں نے فلاں غائب سے اس کو خریدا ہے تو وہ مدمقابل رہے گا اور اگر مدعی نے کہا کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور اس پر گواہ پیش کر دیئے اور قابض کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے ودیعت میں دی ہے اور گواہ قائم کردیئے تو جھگڑا ختم نہ ہوگا اور اگر مدعی نے کہا کہ اسے فلاں سے خریدا ہے اور قابض کہے کہ مجھے فلاں نے ودیعت میں دی ہے تو جھگڑا بغیر گواہوں کے رفع ہو جائے گا"۔

مدعی اور مدعی علیہ کے مابین اختلاف:

قولہ:وان قال المدعی علیہ الخ:ا۔صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ چیز تمہارے پاس میری ہے مدعی علیہ جواب دعویٰ میں کہتا ہے کہ یہ چیز میرے پاس امانت ہے یا رہن ہے یا کسی کی غصب شدہ ہے تو ان تینوں صورتوں میں مدعی علیہ پر دعویٰ نہیں رہا کہ چیز میری ہے بلکہ گواہوں کے ذریعے ثابت کر دیا ہے کہ فلاں کی ہے اس لیے مدعی علیہ اور خصم نہیں۔

۲۔اگر مدعی علیہ یہ کہے میں نے خریدا ہے تو گویا ملکیت کا دعویٰ کر رہا ہے تو مدعی علیہ اور خصم بنے گا اب مقدمہ کی ساری کارروائی اسی کے خلاف چلے گی۔

۳۔اگر مدعی دعویٰ کر رہا ہے کہ جو چیز تیرے پاس ہے یہ میری چوری کردہ ہے اس پر گواہ بھی قائم کر دیئے اور جس کے قبضہ میں ہے وہ کہتا ہے کہ کسی کی امانت ہے اس پر گواہ قائم کر دیئے تو مدعی علیہ اور خصم نہیں بنے گا۔

۴۔اگر مدعی کہے میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور جس کے قبضہ میں ہے وہ کہتا ہے میری نہیں بلکہ فلاں کی امانت ہے اس لیے ان کے مابین جھگڑا نہیں البتہ بعد میں خریدنے کا دعویٰ ہے وہ بعد میں حل ہوگا۔

وَالْيَمِيْنُ بِاللهِ تَعَالٰى دُوْنَ غَيْرِهٖ وَيُؤَكَّدُ بِذِكْرِ اَوْصَافِهٖ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَلَا بِالْعَتَاقِ وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُوْدِيُّ بِاللهِ الَّذِي اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللهِ الَّذِي اَنْزَلَ الْاِنْجِيْلَ عَلٰى عِيْسٰى وَالْمَجُوْسِيُّ بِاللهِ الَّذِي خَلَقَ النَّارَ وَلَا يَحْلِفُوْنَ فِيْ بُيُوْتِ عِبَادَاتِهِمْ وَلَا يَجِبُ تَغْلِيْظُ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَّلَا بِمَكَانٍ،وَمَنْ ادَّعٰى اَنَّهُ ابْتَاعَ مِنْ هٰذَا عَبْدَهٗ بِاَلْفٍ فَجَحَدَهٗ اُسْتُحْلِفَ بِاللهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ فِي الْحَالِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللهِ مَا بِعْتَ وَيُسْتَحْلَفُ فِي الْغَصْبِ بِاللهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْكَ رَدَّ هٰذِهِ الْعَيْنِ وَلَا رَدَّ قِيْمَتِهَا وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللهِ مَا غَصَبْتَ وَفِي النِّكَاحِ بِاللهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ فِي الْحَالِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللهِ مَا طَلَّقْتَهَا وَاِذَا كَانَتْ دَارٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ ادَّعَاهَا اثْنَانِ اَحَدُهُمَا جَمِيْعَهَا وَالْاٰخَرُ نِصْفَهَا وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَلِصَاحِبِ الْجَمِيْعِ ثَلَاثَةُ اَرْبَاعِهَا وَلِصَاحِبِ النِّصْفِ رُبُعُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ هِيَ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا،وَلَوْ كَانَتِ الدَّارُ فِيْ اَيْدِيْهِمَا سُلِّمَ لِصَاحِبِ الْجَمِيْعِ نِصْفُهَا عَلٰى وَجْهِ الْقَضَاءِ وَنِصْفُهَا لَا عَلٰى وَجْهِ الْقَضَاءِ،

"اور قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی ہوتی ہے نہ کہ غیر کی اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف کو ذکر کر کے قسم کو مضبوط کیا جا سکتا ہے اور طلاق و عتاق کی قسم نہیں لی جائے گی اور یہودی سے قسم لی جائے گی اللہ کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی اور نصرانی سے اللہ کی کہ جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی ہے اور مجوسی سے اللہ کی کہ جس نے آگ کو پیدا کیا ہے اور ان سے ان کی عبادت خانوں میں قسم نہیں لی جائے گی۔اور مسلمان کے خلاف قسم کو زمان یا مکان کے ساتھ پختہ کرنا ضروری نہیں اور جس شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے اس کے غلام کو ایک ہزار کے بدلے میں خریدا ہے اور وہ اس کا انکار کر دے تو

اس سے قسم لی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم اب تک ہمارے درمیان بیع قائم نہیں ہوئی اور قسم یوں نہیں لی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے بیچا نہیں اور غصب میں قسم لی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کہ یہ اس چیز کو لینے کا مستحق نہیں اور نہ ہی اس کی قیمت واپس لینے کا اور یوں قسم نہیں لی جائے گی اللہ کی قسم میں نے غصب نہیں کیا اور نکاح میں اللہ تعالیٰ کی قسم اب تک ہمارے درمیان نکاح قائم نہیں ہوا ہے اور طلاق کے دعویٰ میں اللہ کی قسم اب تک یہ عورت مجھ سے بائن نہیں ہے جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے اور قسم یوں نہیں لی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اس کو طلاق نہیں دی اور ایک مکان کسی کے قبضہ میں ہو جس کا دو آدمی دعویٰ کریں ان میں سے ایک کل مکان کا اور دوسرا نصف کا اور دونوں گواہ پیش کر دیں تو کل والے کے لیے چار حصوں میں سے تین حصے ہوں گے اور نصف والے کے لیے ایک مربع ہوگا امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مکان دونوں کے درمیان تین تہائی میں تقسیم ہوگا اور اگر مکان دونوں کے قبضہ میں ہو تو مکان کل والے کے حوالے کر دیا جائے گا نصف بغیر قضا کے"۔

قسم کس نام سے؟

قوله:والیمین الخ: باب الأیمان میں تفصیلاً یہ بحث گزری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور صفاتی ناموں کے علاوہ سے قسم نہیں ہوتی اگر چہ مدعی طلاق وعتاق وغیرہ کی قسم کھانے پر اصرار کرے۔

غیر مسلم سے قسم کا طریقہ:

قوله:ویستحلف الخ: جو شخص جس چیز کا اعتقاد رکھتا ہو اللہ کی اسی صفت کے ساتھ قسم دی جائے مثلاً یہودی اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تو اس کو یوں قسم دی جائے اس اللہ کی قسم کہ جس نے تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی اور عیسائی کو اس طرح قسم دی جائے کہ اس اللہ کی قسم کہ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی اور مجوسی سے اس طرح کہ اس اللہ کی قسم کہ جس نے آگ پیدا کی وغیرہ۔ ان لوگوں کے جب عبادت خانے میں قاضی کو جانا ممنوع ہے تو ان کے عبادت خانوں میں جا کر قسم بھی ان کو نہیں دے سکتا۔

قسم کو پختہ کرنا:

قوله:ولا یجب الخ: قسم تو اللہ تعالیٰ کے نام کی ہوتی ہے لہٰذا قسم کو پختہ کرنے کے لیے کسی مسلمان کو کسی وقت مثلاً رمضان المبارک شب قدر، جمعہ یا عصر کے وقت میں قسم دینا یا کسی متبرک جگہ مثلاً مسجد، کعبہ وغیرہ میں قسم دینا ضروری نہیں البتہ مستحب ضرور ہے۔

سبب یا حاصل پر قسم:

قوله:ومن ادعی الخ: قسم کہاں سبب پر ہوگی اور کہاں حاصل پر ہوگی؟ اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "اگر دعویٰ ایسے سبب کا ہو جو مرتفع نہ ہو سکتا ہو مثلاً عتق تو قسم سبب پر ہوگی اگر دعویٰ ایسے سبب کا ہو جو مرتفع ہو سکتا ہو مثلاً بیع ونکاح وغیرہ تو قسم حاصل پر ہوگی، لہٰذا اگر مدعی نے بیع کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے انکار کیا تو مدعی علیہ سے حاصل پر قسم لی جائے گی نہ کہ سبب پر۔ حاصل پر قسم

اس طرح اٹھائے کہ اللہ کی قسم ابھی تک ہمارے درمیان بیع قائم نہیں ہوئی، غصب پر کہے اللہ کی قسم اس چیز کو یا اس کی قیمت کو واپس کرنا میری ذمہ داری نہیں اور طلاق میں یوں کہے اللہ کی قسم یہ عورت مجھ پر اب تک بائنہ نہیں ہے یوں نہیں کہہ سکتا اللہ کی قسم میں نے نہیں بیچا، میں نے غصب نہیں کیا، میں نے طلاق نہیں دی وغیرہ یہ تفصیل طرفین کے مذہب پر ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک قسم پر ہوگی۔

دعویٰ کی ایک صورت:

قوله:وان كانت الخ: اگر ایک شخص کے قبضہ میں ایک مکان ہو اور اس مکان پر دو شخص دعویٰ دار ہوں ایک کہتا ہے کہ یہ مکمل مکان میرا ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ آدھا مکان میرا ہے اور دونوں ہی اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کر دیتے ہیں تو مکان کو تقسیم کرنے میں احناف کے دو مذہب ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک مکان کے چار حصہ کیے جائیں گے کہ کل مکان کے دعوے دار کو تین حصے اور نصف کے دعوے دار کو چار میں سے ایک حصہ بطریق منازعت ملے گا۔ منازعت کا مفہوم یہ ہے کہ کل والے کو نصف تو بغیر جھگڑا کے مل گیا۔ باقی نصف میں دونوں دعوے دار ہیں پھر دونوں کو آدھا آدھا مل گیا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک عول اور مضاربت کے طریقے پر تین حصہ کیے جائیں گے۔ کیونکہ یہاں کل اور نصف یکجا ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (الترجیح و التصحیح دیگر معون علی قول الامام)

پہلے صورت تو یہ تھی کہ کسی کے قبضہ میں مکان نہ تھا ب "ولو كانت" سے قبضے والی صورت بیان کی جارہی ہے دونوں دعوے داروں کے قبضہ میں مکان ہے تو کل مکان کے دعوے دار کو نصف مکان بغیر قضا کے اور نصف قضا کے ساتھ وہ اس طرح کہ جو نصف کل کے مدعی کے قبضہ میں ہے اس کا کوئی دعوے دار نہیں لہٰذا یہ اس کے قبضہ میں رہنے دیا جائے اور جو نصف مدعی نصف کے قبضہ میں ہے اس نصف میں دونوں کا دعویٰ ہے اور اس نصف میں مدعی کل غیر قابض (خارج) ہے اور مدعی نصف قابض (صاحب الید) ہے اب اصول یہ ہے کہ "جب خارج (غیر قابض) اور صاحب الید (قابض) کے مابین اختلاف ہو جائے اور دونوں ہی گواہ پیش کردیں تو خارج کے گواہوں کو صاحب الید کے گواہوں پر ترجیح ہوتی ہے"۔ لہٰذا یہاں پر خارج (مدعی کل) کے گواہوں کو ترجیح دیتے ہوئے مدعی کل کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وَاِذَا تَنَازَعَا فِيْ دَابَّةٍ وَّاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةً اَنَّهَا نُتِجَتْ عِنْدَهٗ وَذَكَرَا تَارِيْخًا وَسِنُّ الدَّابَّةِ يُوَافِقُ اَحَدَ التَّارِيْخَيْنِ فَهُوَ اَوْلٰى وَاِنْ اَشْكَلَ ذٰلِكَ كَانَتْ بَيْنَهُمَا وَاِذَا تَنَازَعَا فِيْ دَابَّةٍ اَحَدُهُمَا رَاكِبُهَا وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا فَالرَّاكِبُ اَوْلٰى وَكَذٰلِكَ اِذَا تَنَازَعَا بَعِيْرًا وَعَلَيْهِ حِمْلٌ لِاَحَدِهِمَا فَصَاحِبُ الْحِمْلِ اَوْلٰى وَاِذَا تَنَازَعَا قَمِيْصًا اَحَدُهُمَا لَابِسُهٗ وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِكُمِّهٖ فَاللَّابِسُ اَوْلٰى

''اور اگر دو شخص کسی جانور کے بارے میں جھگڑ پڑیں اور دونوں اس بات پر گواہ پیش کر دیں کہ اس کے گھر پیدا ہوا ہے اور دونوں تاریخیں بیان کر دیں اور جانور کی عمر دونوں تاریخوں میں سے جس کے مطابق ہوتو وہی حقدار ہے اگر یہ مشکل ہو جائے تو جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور اگر دو شخص ایک جانور کے بارے میں لڑ پڑیں کہ ایک سوار ہوا اور دوسرے نے لگام پکڑی ہوتو سوار حق دار ہوگا اور اسی طرح اگر دو شخص کسی اونٹ کے متعلق لڑ پڑیں اس پر ایک کا بوجھ لادھا ہوا ہے تو بوجھ والا حق دار ہوگا''۔

مختلف دعوے:

قولہ: اذا اتنازعا الخ: متن میں مذکور چاروں مسائل کا تعلق ایک اصول سے ہے۔''علامت راجح جس کی ہوگی چیز اسی کی ہوگی بشرطیکہ کوئی اور دلیل نہ ہو'' باقی مسائل متن کی عبارت وترجمہ سے واضح ہیں۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الْبَيْعِ فَادَّعَى الْمُشْتَرِي ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ اَكْثَرَ مِنْهُ اَوْ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِنَ الْمَبِيعِ وَادَّعَى الْمُشْتَرِي اَكْثَرَ مِنْهُ وَاَقَامَ اَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ قَضَى لَهُ بِهَا وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ كَانَتِ الْبَيِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّيَادَةِ اَوْلَى. فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ قِيلَ: لِلْمُشْتَرِي اِمَّا اَنْ تَرْضَى بِالثَّمَنِ الَّذِي ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ وَقِيلَ: لِلْبَائِعِ اِمَّا اَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مِنَ الْمَبِيعِ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ فَاِنْ لَمْ يَتَرَاضَيَا اسْتَحْلَفَ الْحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى دَعْوَى الْآخَرِ يَبْتَدِئُ بِيَمِينِ الْمُشْتَرِي فَاِذَا حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِي الْبَيْعَ بَيْنَهُمَا فَاِنْ نَكَلَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْيَمِينِ لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ.

''اور جب بائع اور مشتری کا بیع میں اختلاف ہو جائے پس مشتری کچھ قیمت کا دعویٰ کرے اور بائع اس سے زائد کا دعویٰ کرے یا بائع بیع کی ایک مقدار کا دعویٰ کرے اور مشتری اس سے زائد کا دعویٰ کرے۔ تو ان میں سے ایک گواہ قائم کر دے تو اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا تو اگر دونوں میں سے ہر ایک گواہ پیش کر دے تو زیادتی ثابت کرنے والے کے گواہ معتبر ہوں گے اور اگر دونوں میں سے کسی ایک کے پاس گواہ نہ ہوں تو مشتری سے کہا جائے گا کہ یا تو اس قیمت پر راضی ہو جا جس کا بائع نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دیں گے اور بائع سے کہا جائے گا یا تو تم مبیع کی وہ مقدار حوالے کرو جس کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے ورنہ ہم بیع فسخ کر دیں گے اور اگر دونوں راضی نہ ہوں تو قاضی ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لے جس کی ابتداء مشتری کی قسم سے ہوا گر دونوں قسم کھالیں تو قاضی دونوں کے درمیان بیع فسخ کر دے اگر دونوں میں سے کوئی ایک قسم سے انکار کر دے تو اس کو دوسرے کا دعویٰ لازم ہوگا''۔

ثمن اور مبیع کی مقدار میں اختلاف:

قولہ: واذا اختلف الخ: مسائل تو متن وترجمہ سے واضح ہیں تاہم ایک اصول ہے کہ ''جہاں دونوں مدعی اور مدعی علیہ بن سکتے ہوں وہاں دونوں گواہ پیش کر سکتے ہیں جس کے گواہ پیش ہوں گے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں نے گواہ پیش کر دیے تو جو زیادتی کا مدعی ہے اس کے گواہ قبول کیے جائیں گے۔ اگر دونوں گواہ پیش نہ کر سکتے ہوں تو دونوں قسم کھائیں گے''۔

وَاِنْ اخْتَلَفَا فِی الْاَجَلِ اَوْ فِیْ شَرْطِ الْخِیَارِ اَوْ فِیْ اسْتِیْفَاءِ بَعْضِ الثَّمَنِ فَلَا تَحَالُفَ بَیْنَهُمَا لِاَنَّ هٰذَا اخْتِلَافٌ فِیْ غَیْرِ الْمَعْقُوْدِ عَلَیْهِ وَالْمَعْقُوْدِ بِهٖ فَاَشْبَهَ الْاِخْتِلَافَ فِی الْحَطِّ وَالْاِبْرَاءِ وَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ یُّنْکِرُ الْخِیَارَ وَالْاَجَلَ مَعَ یَمِیْنِهٖ فَاِنْ هَلَکَ الْمَبِیْعُ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِی الثَّمَنِ فَلَا تَحَالُفَ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِیْ فِی الثَّمَنِ مَعَ یَمِیْنِهٖ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: یَتَحَالَفَانِ وَیُفْسَخُ الْمَبِیْعُ عَلٰی قِیْمَةِ الْهَالِکِ وَاِنْ هَلَکَ اَحَدُ الْعَبْدَیْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِی الثَّمَنِ لَمْ یَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اِلَّا اَنْ یَّرْضَی الْبَائِعُ اَنْ یَّتْرُکَ حِصَّةَ الْهَالِکِ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ: یَتَحَالَفَانِ وَیُفْسَخُ الْمَبِیْعُ فِی الْحَیِّ وَقِیْمَةِ الْهَالِکِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ

"اگر مدت میں یا خیار شرط میں یا کچھ ثمن کے وصول کرنے میں دونوں کا اختلاف ہو جائے تو ان میں جانبین سے قسم نہ ہوگی اور اس کا قول معتبر ہوگا جو خیار شرط اور مدت کا منکر ہے قسم کے ساتھ اور اگر مبیع ہلاک ہو گئی، پھر دونوں کا ثمن میں اختلاف ہو جائے تو شیخین کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے اور ثمن میں مشتری کا قول معتبر ہوگا۔ امام محمد نے فرمایا دونوں قسم کھائیں گے اور بیع مالک کی قیمت پر فسخ ہو جائے گی اور اگر غلاموں میں سے ایک غلام ہلاک ہو گیا پھر دونوں کا ثمن میں اختلاف ہو گیا تو امام اعظم کے نزدیک دونوں قسم نہیں کھائیں گے مگر یہ کہ بائع ہلاک شدہ کے حصے کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع زندہ میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں فسخ ہو جائے گی اور یہی قول امام محمد کا بھی ہے"۔

صرف قولِ منکر معتبر ہونے کی صورتیں:

قوله:وان اختلفا الخ: امام قدوری یہاں سے ان صورتوں کو بیان کر رہے ہیں کہ جن میں متعاقدین سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ پہلا مسئلہ کہ متعاقدین کا مدت کی تعیین میں اختلاف ہو کہ مدت متعین ہوئی ہے کہ نہیں دوسرا مسئلہ خیار شرط میں اختلاف ہو کہ خیار شرط رکھی گئی ہے یا نہیں اور تیسرا مسئلہ بعض ثمن کی وصولی میں اختلاف ہو کہ بعض رقم بائع لے چکا ہے کہ نہیں ان تینوں کے متعلق اصول یہ ہے کہ "اگر کسی کے پاس گواہ نہیں تو جو منکر ہے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔" دونوں پر قسم نہیں آئے گی کیونکہ دونوں مدعی اور مدعی علیہ نہیں بن سکتے کہ اختلاف اصل عقد میں نہیں۔

اختلاف کی صورت میں متعاقدین:

قوله:وان هلك الخ: متعاقدین پر قسم لازم نہ ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہو جائے پھر مقدار ثمن میں بائع مشتری میں اختلاف ہو جائے تو شیخین کے نزدیک دونوں پر قسم نہیں ہوگی بلکہ منکر کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی جب کہ امام محمد کے نزدیک دونوں پر قسم آئے گی بعد میں بیع فسخ کر دی جائے گی اور ہلاک شدہ مبیع کی قیمت واجب ہوگی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ شیخین کے قول پر ہے کہ بائع اور مشتری میں سے مشتری مدعی علیہ اور منکر ہے (الصحیح قولهما فی الترجیح والتصحیح)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو غلاموں میں سے ایک ہلاک ہوجائے اور قیمت میں اختلاف ہوجائے تو یہاں بھی مشتری کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کیونکہ یہی زیادہ قیمت کا منکر ہے امام اعظم کے نزدیک لیکن اگر ہلاک شدہ غلام کے حصے کی قیمت چھوڑ دے تو یہی کہا جائے گا کہ زندہ کی قیمت پر اختلاف ہے تو دونوں قسم کھائیں گے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے زندہ غلام میں بیع فسخ اور ہلاک شدہ میں قیمت لازم ہوگی۔ یہی قول امام محمد کا ہے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ دونوں قسم اس صورت میں کھاتے کہ تمام مبیع موجود ہو لہٰذا جو منکر ہے اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی۔ (الترجیح والتصحیح)

وَاِنِ اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي الْمَهْرِ فَادَّعَى الزَّوْجُ اَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِاَلْفٍ وَّقَالَتْ: بِاَلْفَيْنِ فَاَيُّهُمَا اَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ بَيِّنَتُهُ وَاِنْ اَقَامَا جَمِيْعًا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمَرْاَةِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُمَا بَيِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَّلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ وَلٰكِنْ يُّحْكَمُ بِمَهْرِ الْمِثْلِ فَاِنْ كَانَ مِثْلَ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ اَقَلَّ قَضٰى بِمَا قَالَ الزَّوْجُ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ اَوْ اَكْثَرَ قَضٰى بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ وَاِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ اَكْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ وَاَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْاَةُ قَضٰى لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ،

''اور جب زوجین کا مہر کے بارے میں اختلاف ہوجائے۔ پس شوہر دعویٰ کرے کہ اس سے ایک ہزار پر شادی کی ہے اور بیوی کہے کہ تو نے مجھ سے دو ہزار پر شادی کی ہے تو جو بھی گواہ پیش کرے گا اسی کا قول معتبر ہوگا اور اگر دونوں نے ایک ساتھ گواہ پیش کر دیے تو عورت کے گواہ قبول ہوں گے اور اگر دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں تو امام اعظم کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور نکاح فسخ نہیں ہوگا اور مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا اور اگر مہر مثل اتنا ہو جتنا شوہر نے اعتراف کیا ہے یا اس سے کم ہو تو شوہر کے قول پر فیصلہ ہوگا اور اگر اس کے مثل ہو جس کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زائد تو عورت کے دعوے کے مطابق فیصلہ ہوگا اور اگر مہر مثل شوہر کے اعتراف سے زیادہ ہو یا عورت کے دعویٰ سے کم ہو تو عورت کے لیے مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا''۔

مہر میں زوجین کا اختلاف:

قولہ: واذا اختلف الخ: اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں مدعی اور مدعی علیہ بن سکتے ہیں۔ اس لیے اسی کے مطابق مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ مسئلہ کی صورتوں کو متن و ترجمہ سے دیکھ لیں پس کسی صورت میں کوئی ابہام نہیں۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے کہ فقہ کا قاعدہ ہے: ''مَنْ سَاعَدَهُ الظَّاهِرُ فَالْقَوْلُ لَهٗ''۔

مہر میں اختلاف

- زوجین کی حیات میں ہوگا
  - بحالت قیام نکاح ہوگا
    - قبل از دخول
      - اصل مہر میں: بالاتفاق مہر مثل ہوگا
      - مقدار میں: مہر مثل واجب ہوگا
    - بعد از دخول
      - اصل مہر میں: بالاتفاق مہر مثل ہوگا
      - مقدار میں: طرفین کے نزدیک مہر مثل جب کہ امام ابویوسف کے نزدیک شوہر کا قول معتبر ہوگا
  - طلاق کے بعد ہوگا
    - قبل از دخول
      - اصل مہر میں: متعہ واجب ہے
      - مقدار میں: طرفین کے نزدیک متعہ جب کہ امام ابویوسف کے نزدیک باستثناء قلیل شوہر کا قول معتبر ہوگا
    - بعد از دخول
      - اصل مہر میں: بالاتفاق مہر مثل ہوگا
      - مقدار میں: بالاتفاق مہر مثل واجب ہوگا
- بعد الموت ہوگا
  - کسی ایک کی موت کے بعد
    - اصل مہر میں: بالاتفاق مہر مثل ہوگا
    - مقدار میں: طرفین کے نزدیک مہر مثل جب کہ امام ابویوسف کے نزدیک شوہر یا اس کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا
  - دونوں کی موت کے بعد
    - اصل مہر میں: امام اعظم کے نزدیک منکر تسمیہ کا قول جب کہ صاحبین کے نزدیک مہر مثل ہوگا
    - مقدار میں: امام اعظم کے نزدیک بلا استثناء، ابویوسف کے نزدیک بلا استثناء ورثاء کا قول معتبر ہوگا جب کہ امام محمد کے نزدیک مہر مثل ہوگا

وَاِذَا اخْتَلَفَا فِي الْاِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا وَاِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ لَمْ يَتَحَالَفَا وَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَاِنْ اخْتَلَفَا بَعْدَ اسْتِيفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيْمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَاضِي قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلٰى وَالْمُكَاتَبُ فِي مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَتَحَالَفَانِ۔

"اور جب موجر و مستاجر کا اجارہ میں منفعت کے حصول سے قبل اختلاف ہو جائے تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور اجارہ کو ختم

کردیں گے اور اگر منفعت کے حصول کے بعد اختلاف ہو جائے تو دونوں قسمیں نہیں اٹھائیں گے اور مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور اگر منفعت کے حصول کے بعد اختلاف ہو جائے تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور باقی ماندہ میں عقد کو فسخ کر دیا جائے گا اور حاصل شدہ منفعت میں مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور جب آقا اور مکاتب کا بدل کتابت میں اختلاف ہو جائے تو امام اعظم کے ہاں دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں قسمیں کھائیں گے۔ اور کتابت کا فسخ کر دیا جائے گا"۔

حل لغات: استیفا بمعنی حصول: المعقود علیہ بمعنی منفعت۔

اجارہ اور عقد کتابت میں اختلاف:

مفتی بہ قول کی تعیین:

قولہ: اذا اختلفا الخ: فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔

وَاِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِیْ مَتَاعِ الْبَیْتِ فَمَا یَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَھُوَ لِلرَّجُلِ وَمَا یَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَھُوَ لِلْمَرْأَةِ وَمَا یَصْلُحُ لَھُمَا فَھُوَ لِلرَّجُلِ فَاِنْ مَاتَ اَحَدُھُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُہٗ مَعَ الْاٰخَرِ فَمَا یَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَھُوَ لِلْبَاقِیْ مِنْھُمَا وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ: یَدْفَعُ لِلْمَرْأَةِ مَا یُجَھَّزُ بِهٖ مِثْلُھَا وَالْبَاقِیْ لِلرَّجُلِ مَعَ یَمِیْنِهٖ۔

"اور جب گھر کے سامان میں زوجین کا اختلاف ہو جائے تو جو سامان مردوں کے قابل ہو وہ مرد کو ملے گا اور جو سامان عورت کے قابل ہو وہ عورت کو ملے گا اور جو سامان دونوں کے قابل ہو تو وہ مرد کو ملے گا اور اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء کا دوسروں کے ساتھ اختلاف ہو جائے تو جو سامان مردوں اور عورتوں کے قابل ہو وہ ان میں سے زندہ کو ملے گا اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ عورت کو وہ سامان دیا جائے گا جو عورت کو جہیز میں دیا جاتا ہے اور باقی زوج کا ہوگا اس کی قسم کے ساتھ"۔

گھریلو سامان میں زوجین کا اختلاف:

قولہ: واذا اختلف الخ: حاصل کلام یہ ہے جو سامان مردوں کے قابل ہے مثلاً پگڑی، ٹوپی، ہتھیار وغیرہ وہ مرد کا ہوگا جو عورتوں کے قابل ہے وہ عورت کا ہوگا مثلاً عورتوں کے ملبوسات وغیرہ اور جو دونوں کے قابل ہوں مثلاً برتن، بستر ے، مویشی، حویلی وغیرہ تو جس کا قبضہ ہے اسی کا قول معتبر ہے اور وہ مرد ہے۔

اگر زوجین میں سے کوئی ایک انتقال کر جائے اور سامان ایسا ہو جو دونوں کے قابل ہے اور انتقال کر جانے والے کے ورثاء دوسرے کے ساتھ سامان میں اختلاف کریں تو امام اعظم کے نزدیک جو زندہ ہوگا اس کو ملے گا کیونکہ قبضہ تو زندہ کا ہے جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جو چیزیں عورت کو جہیز میں دی جاتی ہیں وہ عورت کو ملیں گی جب کہ باقی مرد کو ملیں گی۔ لیکن قسم کے ساتھ قول معتبر ہوگا۔

مفتی بہ قول:

علامہ قطلوبغا نے امام اعظم کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

عائلی اور فیملی کورٹ میں فیصلہ:

امام ابویوسف کے قول پر کورٹ میں عورت کے دعوے پر جہیز کا سامان اس کو دلایا جاتا ہے اور عرف میں یہ سامان بھی عورت ہی کا شمار ہوتا ہے۔

وَاِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِّنْ يَّوْمِ بَاعَهَا فَهُوَ ابْنُ الْبَائِعِ وَاُمُّهٗ اُمُّ وَلَدٍ لَّهٗ وَيُفْسَخُ الْمَبِيْعُ فِيْهِ وَيَرُدُّ الثَّمَنَ فَاِنِ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِيْ مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ اَوْ بَعْدَهٗ فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ اَوْلٰى وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَّلِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَى الْبَائِعِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يُّصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِيْ وَاِنْ مَاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ الْاِسْتِيْلَادُ فِي الْاُمِّ فَاِنْ مَاتَتِ الْاُمُّ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ ثَبَتَ النَّسَبُ فِي الْوَلَدِ وَاَخَذَهُ الْبَائِعُ وَيَرُدُّ كُلَّ الثَّمَنِ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ وَلَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْاُمِّ وَمَنِ ادَّعٰى نَسَبَ اَحَدِ التَّوْاَمَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا مِنْهُ.

"اور جب کسی شخص نے لونڈی فروخت کی اور اس نے بچہ جنا تو بائع نے اس بچے کا دعویٰ کر دیا پس اس لونڈی نے بچہ چھ ماہ سے کم مدت میں جنا ہو جس دن سے اس کو بیچا تھا تو وہ بچہ بائع کا ہوگا اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ کر دی جائے گی اور ثمن واپس کر دیا جائے گا اور اگر مشتری نے بائع کے دعوے کے ساتھ یا اس کے بعد اس بچے کا دعویٰ کر دیا تو بائع کا دعویٰ بہتر ہوگا اور اگر اس نے بچہ چھ ماہ سے زیادہ اور دو سال سے کم مدت میں جنا تو اس میں بائع کا قول معتبر نہ ہوگا مگر یہ کہ مشتری اس کے قول کی تصدیق کر دے اور اگر بچہ فوت ہو گیا پھر بائع نے اس کا دعویٰ کیا اور اس بچے کو چھ ماہ سے کم میں جنا تو بچے کا نسب اور ماں میں اُم ولد کا ہونا ثابت نہ ہوگا اور اگر والدہ فوت ہو گئی پھر بائع نے بچے کا دعویٰ کیا اور اس بچے کو چھ ماہ سے کم میں جنا تو بچے کا اس سے نسب ثابت ہو جائے گا اور بائع اس کو لے لے گا اور پوری قیمت واپس کر دے گا امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ بچے کا حصہ واپس کرے گا والدہ کا حصہ واپس نہیں کرے گا اور جس نے دو جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا دعویٰ کیا تو اس سے دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا"۔

دعویٰ نسب کی مختلف صورتیں:

قولہ:واذا باع الخ: متن وترجمہ سے مسئلہ واضح ہے۔مختلف فیہ مسئلہ میں۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔(علی قول الامام فی الترجیح والتصحیح)

کتاب الشہادات

سیاق وسباق:

چونکہ حقوق العباد میں تقدمِ دعویٰ خود شرط شہادت ہے اس لیے دعویٰ کو پہلے اور شہادت کو بعد میں بیان کیا۔ الشہادات یہ شہادت مصدر کی جمع ہے۔ شہادت مصدر باب سَمِعَ اور کَرُمَ دونوں سے آتا ہے۔

شہادت کا لغوی معنی:

گواہی دینا، اصل معاملہ کی خبر دینا۔

اصطلاحی معنی:

''قاضی کی مجلس میں کسی حق کو ثابت کرنے کی غرض سے لفظ شہادت (یا لفظ گواہی) کے ذریعے سچی خبر دینا شہادت کہلاتا ہے''۔ (درمختار)

اَلشَّهَادَةُ فَرْضٌ يَلْزَمُ الشُّهُوْدَ اَدَاؤُهَا وَلَا يَسَعُهُمْ كِتْمَانُهَا اِذَا طَالَبَهُمُ الْمُدَّعِي وَالشَّهَادَةُ فِي الْحُدُوْدِ يُخَيَّرُ فِيْهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السَّتْرِ وَالْاِظْهَارِ وَالسَّتْرُ اَفْضَلُ اِلَّا اَنَّهُ يَجِبُ اَنْ يُّشْهِدَ بِالْمَالِ فِي السَّرِقَةِ اَخَذَ وَلَا يَقُوْلُ : سَرَقَ وَالشَّهَادَةُ عَلٰى مَرَاتِبَ مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزِّنَا يُعْتَبَرُ فِيْهَا اَرْبَعَةٌ مِّنَ الرِّجَالِ وَلَا تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَمِنْهَا الشَّهَادَةُ بِبَقِيَّةِ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصُ يَقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ وَلَا يَقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةَ النِّسَاءِ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْحُقُوْقِ يُقْبَلُ فِيْهِ رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ سَوَاءٌ كَانَ الْحَقُّ مَالًا اَوْ غَيْرَ مَالٍ مِثْلُ النِّكَاحِ وَالْعَتَاقِ وَالطَّلَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ

''گواہی فرض ہے جو کہ گواہوں کو لازم ہے اور اس کے چھپانے کی گنجائش نہیں ہے جب کہ ان کو مدعی طلب کرے اور حدود میں گواہی میں گواہی دینے والے کو گواہی چھپانے اور ظاہر کرنے کا اختیار ہے اور چھپانا افضل ہے لیکن مال کی چوری میں گواہی دینا واجب ہے اور وہ کہے کہ اس نے لیا ہے اور نہ کہے چرایا ہے اور گواہی کے چند مراتب ہیں ان میں سے زنا کی گواہی ہے جس میں چار گواہ معتبر ہیں اور اس میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور ان میں سے حدود و قصاص کی گواہی ہے جس میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور جو حقوق ان کے علاوہ ہیں ان میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حق مال ہو یا غیر مال ہو مثلاً نکاح، طلاق، عتاق، وکالت اور وصیت''۔

شہادت کا حکم:

قوله: الشهادة الخ: اگر مدعی گواہوں سے گواہی دینے کا مطالبہ کر رہا ہو اور ان کے علاوہ اور گواہ بھی نہیں اور مسئلہ بھی

معاملات میں سے ہے تو ان گواہوں کو گواہی دینا فرض ہے تاکہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو جائے اگر گواہی کو چھپایا تو گنہگار ہوگا۔ اگر واقع کی نوعیت حدود و قصاص کی ہے تو گواہوں کو اختیار ہے کہ چاہے گواہی دیں یا نہ دیں لیکن گواہی نہ دینا افضل ہے تاکہ ایک جان یا عضو بچ جائے کیونکہ جب حدود میں اعتراف کے باوجود قاضی رد کرنے کی کوشش کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ گواہی نہ دینا بہتر ہے۔ مگر چوری میں مال کی گواہی دینا واجب ہے کیونکہ چوری میں دو حیثیتیں ہیں ایک ہاتھ کٹنا جو حد ہے اور دوسری حیثیت مالک کو مال واپس کرنا جو حقوق العباد ہے اس لیے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے ایسی گواہی دے کہ ہاتھ تو نہ کٹے مگر مال مالک کو مل جائے مثلاً یوں کہے کہ اس نے مال لیا ہے، پکڑا ہے، اٹھایا ہے مگر یوں نہ کہے کہ چوری کیا ہے کیونکہ چوری کہنے پر حد سرقہ جاری ہو جاتی ہے۔

نصاب شہادت:

قوله: والشهادة على الخ: نصاب شہادت سے مراد گواہوں کی تعداد ہے امام قدوری نے نصاب شہادت کے چار مراتب بیان کیے ہیں۔

۱۔ زنا کے ثبوت کے لیے چار چشم دید مرد گواہ ہونا ضروری ہیں عورتوں کی گواہی قبول نہیں۔

۲۔ زنا کے علاوہ دیگر حدود و قصاص کے لیے دو مردوں کا گواہ ہونا ضروری ہے۔ عورتوں کی گواہی قبول نہیں مثلاً حد قذف، حد سرقہ، حد شرب اور قصاص کی شہادت۔

۳۔ گزشتہ حقوق کے علاوہ مثلاً، نکاح، طلاق، رجعت، خلع، عدت، خرید و فروخت وغیرہ چاہے حقوق مالیہ ہوں یا غیر مالیہ ان میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہوں قبول ہے جب کہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی احوال اور تابع اموال میں مقبول ہے اس کے علاوہ نہیں۔

وَيُقْبَلُ فِي الْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَا بُدَّ فِي ذٰلِكَ كُلِّهٖ مِنَ الْعَدَالَةِ وَلَفْظِ الشَّهَادَةِ فَإِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ أَعْلَمُ أَوْ أَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهٗ وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ: يَقْتَصِرُ الْحَاكِمُ عَلٰى ظَاهِرِ عَدَالَةِ الْمُسْلِمِ إِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَإِنَّهٗ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُوْدِ فَإِنْ طَعَنَ الْخَصْمُ فِيْهِمْ سَأَلَ عَنْهُمْ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: لَا بُدَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُمْ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ

''اور ولادت، بکارت اور عورتوں کے ان عیوب میں جن پر مرد کو اطلاع نہیں ہوتی صرف ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی اور ان سب میں عادل ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ پس اگر شاہد نے لفظ شہادت ذکر نہ کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین رکھتا ہوں تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ امام اعظم نے فرمایا کہ حاکم مسلمان کی ظاہری حالت پر اکتفا کرے مگر حدود و قصاص میں کہ ان میں گواہوں کے بارے میں دریافت کرے اور اگر مدعی علیہ گواہوں کے بارے میں طعن کریں تو ان کے متعلق دریافت کرے اور صاحبین نے فرمایا، پوشیدہ اور اعلانیہ دونوں کے بارے میں گواہوں کے متعلق پوچھ گچھ کرنا ضروری ہے''۔

شہادت کا چوتھا درجہ:

قولہ:وتقبل الخ: جن امور سے عورتیں ہی آگاہ ہوسکتی ہیں ان میں ایک عورت کی معائنہ رپورٹ پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے مثلاً ولادت، کنوارا پن، حمل وغیرہ۔ امام شافعی کے نزدیک چار عورتوں کی جب کہ امام مالک کے نزدیک دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہیے۔

شاہد اور شہادت کے متعلق شرط:

قولہ:ولا بد الخ: گواہی دیتے وقت شاہد کا لفظ شہادت یالفظ گواہی کا کہنا ضروری ہے۔ تبیین الحقائق، البحر الرائق اور عالمگیری میں لفظ اشهد (میں گواہی دیتا ہوں) بمعنی خبر کو رکن قرار دیا ہے جو بمعنی حال ہے۔ لہٰذا شہادت میں اشهد بالله کہنا حلف ہوگا اور شہادت میں حلف لینا منع ہے یہ غلطی عموماً کی جاتی ہے۔ اشهد کا کلام شہادت پر داخل ہونا لازم ہے نہ کہ حلف پر۔ اگر ان کو ذکر نہیں کیا کوئی اور لفظ علم، یقین اور خبر وغیرہ کو ذکر کیا تو گواہی نہ ہوگی اور خود شاہد کا عادل ہونا بھی ضروری ہے اور عادل ہونا اداء شہادت کی شرط ہے۔ نہ کہ تحمل شہادت کی مثلاً واقعہ کے مشاہدہ کے وقت فاسق تھا مگر قاضی کے سامنے اظہار کے وقت عادل تھا تو گواہی مقبول ہے مگر اس کے برعکس ہو تو گواہی قبول نہیں۔

تزکیہ شاہد کا حکم:

قولہ:وقال ابو حنيفه، الخ: تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ قاضی کو گواہوں کی عدالت پر شک ہو یا مدعی علیہ (خصم) دعویٰ کرے یہ بھی تحقیق کرنا ہے کہ یہ گواہ عادل بھی ہیں کہ نہیں؟ یہ تحقیق حدود وقصاص میں بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ ان کا معاملہ ہی بہت احتیاط چاہتا ہے دیگر امور میں امام اعظم کے نزدیک تزکیہ ضروری نہیں قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے جب کہ صاحبین کے نزدیک تمام معاملات میں تزکیہ ضروری ہے۔

اختلاف کی کیفیت:

محققین نے بیان کیا ہے کہ یہ اختلاف زبانی اختلاف ہے برھانی نہیں کیونکہ امام اعظم کا دور خیر القرون میں سے ہے اس میں دیانت داری عام تھی جب کہ صاحبین کا دور خیر القرون میں سے نہیں ہے اس میں دیانت داری میں فرق آ گیا تھا اس لیے تزکیہ کو تمام امور میں ضروری قرار دیا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (يفتى فى زماننا، المجمع الانهر، الدر المختار، المبسوط، هدايه)

تزکیہ کی اقسام:

تزکیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ تزکیہ سر کہ قاضی خاموشی سے گواہوں کے قرب وجوار میں کسی معتبر آدمی کی ذمہ داری لگائے جو ان کی عدالت وثقاہت کی

تحقیق کرے اور قاضی کو خفیہ رپورٹ پیش کرے۔ اس تحقیق کے لیے ایک فرد بھی کافی ہے تاہم دو کا ہونا بہتر ہے۔

۲۔ تزکیہ علانیہ کہ قاضی برسر عام گواہوں کی ثقاہت کے متعلق گواہی طلب کرے اس تزکیہ میں مزکیین شہادت کی تمام شرائط (سوائے لفظ شہادت کے) کا پایا جانا ضروری ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ پھر تغیر زمانہ کی وجہ سے علانیہ تزکیہ کو فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے ترک کر کے تزکیہ سر پر اکتفا کا حکم دیا گیا۔

عدالت کی شرط اور دور حاضر:

موجودہ زمانے میں فسق و فجور اتنی کثرت سے ہے کہ عادل گواہوں کی فراہمی نہایت ہی مشکل ہے عدالت کی شرط کا مقصد تو یہ تھا کہ مظلوم کو انصاف مل سکے لیکن یہ سخت گیر شرط اس بے راہ روی کے ماحول میں حصول انصاف کو جوئے شیر حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے فی زمانہ ہر وہ شخص گواہی اور قضا میں عادل ہے جو سماج میں دیندار اور راست گو تصور کیا جاتا ہو کہ جس سے توقع کی جا سکتی ہو کہ گواہی جیسے معاملہ میں گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھانے کو تیار نہ ہوگا۔

وَمَا يَتَحَمَّلُهُ الشَّاهِدُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ: اَحَدُهُمَا مَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهٖ مِثْلُ الْبَيْعِ وَالْاِجَارَةِ وَالنِّكَاحِ وَالْاِقْرَارِ وَالْغَصْبِ وَالْقَتْلِ وَحُكْمِ الْحَاكِمِ فَاِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ الشَّاهِدُ اَوْ رَاٰهُ وَسِعَهٗ اَنْ يَّشْهَدَ بِهٖ وَاِنْ لَّمْ يُشْهَدْ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ: اَشْهَدُ اَنَّهٗ بَاعَ وَلَا يَقُوْلُ اشهدنى، وَمِنْهُ مَا لَا يَثْبُتُ حُكْمُهٗ بِنَفْسِهٖ مِثْلُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ وَكَذٰلِكَ لَوْ سَمِعَهٗ يُشْهِدُ شَاهِدًا عَلٰى شَهَادَتِهٖ لَمْ يَسَعِ السَّامِعَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا يَحِلُّ لِلشَّاهِدِ اِذَا رَاٰى خَطَّهٗ اَنْ يَّشْهَدَ اِلَّا اَنْ يَّتَذَكَّرَ الشَّهَادَةَ

''اور گواہ جس گواہی کا تحمل کرتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ جس کا خود ہی حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسے بیع اور اقرار، غصب، قتل، حاکم کا فیصلہ لہٰذا جب مشاہد ان کو سنے یا دیکھے تو اس کے لیے ان کی گواہی دینا جائز ہے اگرچہ اس کو ان پر گواہ نہ بھی بنایا گیا ہو اور یوں کہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اس نے فروخت کیا ہے اور یوں نہ کہے کہ اس نے مجھے گواہ بنایا ہے اور ان میں سے دوسرا امر وہ ہے جس کا حکم خود ہی ثابت نہیں ہوگا۔ مثلاً گواہی پر گواہی دینا لہٰذا جب کسی شاہد کو گواہی دیتے ہوئے سنے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی شہادت پر گواہی دے مگر یہ کہ وہ اس کو گواہ بنا لے اور اسی طرح اگر شاہد کو کسی کی گواہی پر گواہی دیتے ہوئے سنے تو سامع کے لیے اس پر گواہی دینا جائز نہیں اور شاہد کے لیے گواہی دینا جائز نہیں کہ جب وہ اپنا خط دیکھے مگر یہ کہ اس کو اپنی گواہی یاد ہو''۔

قوله: وما يتحمله الخ:

مشہود علیہ کی اقسام اور حکم:

امام قدوری فرماتے ہیں کہ جس چیز (مشہود علیہ) پر شہادت دی جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ چیزیں جن کا حکم بغیر گواہ بنانے کے خود ہی ثابت ہوتا ہے مثلاً بیع، اقرار، غصب، قتل اور حاکم کا حکم وغیرہ کہ جن چیزوں کا

علم سننے سے حاصل ہوتا ہے ان کو سن کر اور جن کا علم دیکھ کر حاصل ہوتا ہے ان کو دیکھ کر گواہی ہوتی ہے۔

۲۔وہ چیزیں جن کا حکم بغیر گواہ بنائے خود ثابت نہ ہوتا ہو تو ان میں شاہد کو بغیر گواہ بنائے گواہی دینا جائز نہیں۔مثلاً کسی شخص نے کسی دوسرے کے بارے میں یہ سنا کہ وہ فلاں گواہ فلاں کی گواہی پر گواہی دے رہا ہے تو اس سننے والے پر گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں۔اس کو ''شہادت علی الشہادت'' کہا جاتا ہے۔اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔اگر گواہ بنالے تو جائز ہے۔یہ بھی ضروری ہے کہ اصل گواہ اپنی طرف سے دو گواہ مقرر کرے۔

اپنا خط دیکھ کر گواہی دینا:

قوله:ولا یحل الخ: اپنی سابقہ تحریر کی بنیاد پر گواہی دینا درست ہے بشرطیکہ اس کو واقعہ مکمل محفوظ ہو ورنہ تحریر کی بنیاد پر گواہی درست نہیں۔

وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَعْمَى وَلَا الْمَمْلُوكِ وَلَا الْمَحْدُودِ فِي الْقَذْفِ وَإِنْ تَابَ وَلَا شَهَادَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَلَا شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِأَبَوَيْهِ وَأَجْدَادِهٖ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ وَلَا شَهَادَةُ الْمَوْلَى لِعَبْدِهٖ وَلَا لِمُكَاتَبِهٖ وَلَا شَهَادَةُ الشَّرِيكِ لِشَرِيكِهٖ فِيمَا هُوَ مِنْ شَرِكَتِهِمَا وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ وَعَمِّهٖ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مُخَنَّثٍ وَلَا نَائِحَةٍ وَلَا مُغَنِّيَةٍ وَلَا مُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ وَلَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّنْبُورِ وَلَا مَنْ يُغَنِّي لِلنَّاسِ وَلَا مَنْ يَأْتِي بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْكَبَائِرِ الَّتِي يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحَدُّ وَلَا مَنْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَلَا آكِلِ الرِّبَا وَلَا الْمُقَامِرِ بِالنَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَلَا مَنْ يَفْعَلُ الْأَفْعَالَ الْمُسْتَقْبَحَةَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ الصَّالِحِ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا الْخَطَّابِيَّةَ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الذِّمَّةِ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ مِلَلُهُمْ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْحَرْبِيِّ عَلَى الذِّمِّيِّ وَإِنْ كَانَتِ الْحَسَنَاتُ أَغْلَبَ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالرَّجُلُ مِمَّنْ يَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهٗ وَإِنْ أَلَمَّ بِمَعْصِيَةٍ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَقْلَفِ وَالْخَصِيِّ وَوَلَدِ الزِّنَا وَشَهَادَةُ الْخُنْثَى جَائِزَةٌ

''اور اندھے، غلام اور محدود فی القذف کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اگرچہ توبہ کرے اور والد کی شہادت بیٹے اور پوتے کے لیے اور بیٹے کی شہادت والدین اور اجداد کے لیے قبول نہیں کی جائے گی اور زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لیے قبول نہیں کی جائے گی اور آقا کی گواہی غلام اور مکاتب کے لیے قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کے لیے جس میں دونوں کی شرکت ہو اور آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور چچا کے لیے قبول کی جائے گی اور مخنث، رونے والی، گانے والی، لہو ولعب کے طریقے پر شراب پینے والوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔اور نہ ہی پرندہ بازوں کی اور نہ ہی لوگوں کے لیے گانے والوں کی اور نہ ان لوگوں کی جو ایسے کام کرتے ہیں کہ جن سے حد متعلق ہوتی ہے اور نہ اس شخص کی گواہی قبول ہوتی ہے جو حمام میں بلا تہبند داخل ہو اور نہ اس شخص کی جو سود کھائے اور نہ اس شخص کی جو

نرداور شطرنج سے جوا کھیلے اورنہ اس شخص کی جو حقیر کام کرے جیسے راستے میں پیشاب کرنا، راستے میں کھانا۔ اور ایسے شخص کی شہادت مقبول نہیں جو سلف کو گالیاں بکے اور برا بھلا کہے اور اہل ہوا کی شہادت مقبول ہے سوائے خطابیہ کے اور ذمیوں کی گواہی بعض کی بعض کے حق میں قبول ہے اگرچہ ان کا مذہب مختلف ہو اور حربی کی گواہی ذمی پر قبول نہیں اور جس کی بظاہر نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں اور گناہ کبیرہ سے بچتا ہو مگر صغیرہ کرتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور غیر مختون، خصی اور ولد الزنا کی گواہی قبول ہے اور خنثیٰ کی گواہی جائز ہے۔"

جن افراد کی گواہی معتبر نہیں:

۱۔ نابینا
۲۔ مملوک کی آقا کے حق میں۔
۳۔ محدود فی القذف اگرچہ تائب ہو جائے۔
۴۔ اصول وفروع کے حق میں۔
۵۔ زوجین میں سے کسی کے حق میں
۶۔ آقا کی اپنے مملوک کے حق میں
۷۔ مال شرکت میں ایک شریک کی دوسرے کے لیے
۸۔ ہجڑا جب کہ افعال حسیہ میں مبتلا ہو۔
۹۔ مغنیہ (اداکارہ)
۱۰۔ حرام اور شراب کا عادی
۱۱۔ پرندے اڑانے کا عادی
۱۲۔ فلمی ایکٹر (اداکار)
۱۳۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب
۱۴۔ تالاب (حمام) میں ننگا نہانے والا (یورپ میں سوئمنگ پول)
۱۵۔ سودخوری میں مشہور
۱۶۔ نرد یا شطرنج جوا سے کھیلنے والا
۱۷۔ افعال حسیہ کا عادۃً مرتکب جیسے راستے میں پیشاب کرنے والا، راستے میں کھانے والا۔
۱۸۔ اکابرین وسلف کو گالیاں دینے اور برا بھلا کہنے والا۔
۱۹۔ فرقہ خطابیہ جو روافض کی جماعت ہے۔

۲۰۔ حربی کی ذمی کے خلاف۔

چند اصول:

۱۔"کُلُّ شَهَادَةٍ جَرَّتْ مَغْنَمًا أَوْ دَفَعَتْ مَغْرَمًا لَمْ تُقْبَلْ""جو شہادت نفع دیتی ہو یا نقصان دور کرتی ہو مقبول نہیں۔

۲۔جہاں رعایت یا خیانت کا شبہ ہو گواہی مقبول نہیں۔ ۳۔گناہ کبیرہ کے عادی سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔

جن افراد کی گواہی قبول ہے:۔

۱۔ اپنے بھائی اور چچا کے لیے۔

۲۔ اہل ہوا کی گواہی بشرطیکہ عقائد کفریہ نہ ہو۔

۳۔ ذمی کی ذمی کے خلاف اور مستامن کے خلاف نہ کہ مسلمان کے خلاف۔

۴۔ گناہ کبیرہ سے بچنے والا اور صغیر پر اصرار نہ کرنے والا اور اس کی نیکیاں غالب ہوں۔

۵۔ غیر مختون (اقلف) کی بشرطیکہ ختنہ نہ کرانا اہانت دین سے نہ ہو۔

۶۔ خصی (خصیے نہ ہوں) کی

۷۔ ولد الزنا کی شہادت

۸۔ خنثیٰ کی شہادت بشرطیکہ لواطت نہ کرواتا ہو۔

وَإِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الدَّعْوٰى قُبِلَتْ وَإِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ وَيُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي اللَّفْظِ وَالْمَعْنٰى فَإِنْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: تُقْبَلُ بِالْأَلْفِ فَإِنْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ وَالْمُدَّعِي يَدَّعِي أَلْفًا وَخَمْسِمِائَةٍ قُبِلَتِ الشَّهَادَةُ بِأَلْفٍ وَإِذَا شَهِدَ بِأَلْفٍ وَقَالَ آخَرُ: قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ بِأَلْفٍ وَلَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ مَعَهُ آخَرُ وَيَنْبَغِي لِلشَّاهِدِ إِذَا عَلِمَ ذٰلِكَ أَنْ لَا يَشْهَدَ بِأَلْفٍ حَتّٰى يُقِرَّ الْمُدَّعِي أَنَّهُ قَبَضَ خَمْسَ مِائَةٍ

"اور جب گواہی دعویٰ کے مطابق ہوگی تو گواہی قبول کی جائے گی اور اگر دعویٰ کے مخالف ہوگی تو قبول نہیں کی جائے گی اور امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں شاہدوں کے لفظ اور معنی میں اتفاق معتبر ہے پس اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو دونوں کی گواہی امام ابو حنیفہ کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی اور صاحبین نے فرمایا کہ ایک ہزار کی گواہی قبول کی جائے گی اور اگر ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو کی گواہی دی اور مدعی پندرہ سو کا دعویٰ کرتا ہے تو ان دونوں کی ایک ہزار کی گواہی قبول کی جائے گی اور مدعی کا قول نہیں سنا جائے گا کہ پانچ سو دے چکا ہے مگر یہ کہ اس کے ساتھ دوسرا گواہی دے اور گواہ کے لیے مناسب ہے کہ جب اس کو یہ معلوم ہو جائے تو

ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اقرار کرلے کہ پانچ سو وصول کر لیا ہے"۔

قبولیت شہادت کی شرط:

قولہ:واذا وافقت الخ: شہادت کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ دعویٰ اور شہادت میں مطابقت ہو اگر دعویٰ اور شہادت میں فرق ہو لیکن تطبیق ممکن ہو ہے تو شہادت معتبر ہے ورنہ شہادت مردود ہے۔ جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے "تبدل سبب الملک قائم مقام تبدل الذات" کہ سبب ملکیت کا تبدیل ہونا ذات کے تبدیل ہونے کے قائم مقام ہے۔

شاہدین کے اتفاق کی کیفیت میں اختلاف:

قولہ:ومعتبر الخ: امام اعظم کے نزدیک شاہدین کا لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے اتفاق ضروری ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک صرف لفظی اتفاق ضروری ہے۔ یہی موقف آئمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔ ۱۔ اگر مدعی نے دو ہزار کا دعویٰ کیا اور دو گواہوں میں سے ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو امام اعظم کے نزدیک لفظاً اتفاق نہ ہونے کی صورت میں شہادت مردود ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک معناً اقل پر اتفاق کی وجہ سے شہادت مقبول ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (قال قطلوبغا الصحیح قول ابی حنیفه)

۲۔ اگر ایک نے ایک ہزار کی اور دوسرے نے پندرہ سو کی گواہی دی اور مدعی نے پندرہ سو کا دعویٰ کیا تو بالاتفاق ایک ہزار پر گواہی قبول ہوگی کہ لفظاً اور معناً دونوں گواہوں کا اتفاق ہے۔

۳۔ اگر دو گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے کہا کہ وہ پانچ سو وصول کر چکا ہے تو بالاتفاق ایک ہزار پر شہادت قبول کی جائے گی پانچ سو والے کی گواہی قبول نہ ہوگی کہ وہ گواہی دینے میں اکیلا ہے نصاب شہادت مکمل نہیں اگر دوسرا بھی گواہی دے جائے تب تو فیصلہ ہوگا اور جب گواہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مدعی علیہ نے پانچ سو ادا کر دیئے ہیں تو گواہ کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس وقت گواہی دے کہ جب مدعی پانچ سو کی وصولی کا اقرار کر لے۔

وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ اَنَّ زَيْدًا قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَشَهِدَ آخَرَانِ اَنَّهُ قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوفَةِ وَاجْتَمَعُوا عِنْدَ الْحَاكِمِ لَمْ يَقْبَلْ الشَّهَادَتَيْنِ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِى الشَّهَادَةَ عَلَى جُرْحٍ وَّلَا نَفْيٍ وَّلَا يَحْكُمُ بِذٰلِكَ وَلَا يَجُوْزُ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَّشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يُعَايِنْهُ اِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالدُّخُولَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِى فَاِنَّهُ يَسَعُهُ اَنْ يَّشْهَدَ بِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اِذَا اَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَّثِقُ بِهٖ

"اور جب دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ زید قربانی کے دن مکہ مکرمہ میں قتل کیا گیا اور دوسرے نے گواہی دی کہ وہ قربانی کے دن کوفہ میں قتل کیا گیا اور یہ سب حاکم کے پاس جمع ہیں تو حاکم دونوں کی گواہی کو قبول نہ کرے اب اگر ان میں سے ایک کی گواہی پہلے تھی جس پر حاکم نے فیصلہ کر دیا تھا پھر دوسری گواہی دی گئی تو یہ قبول نہیں کی جائے گی اور قاضی جرح کے

ہونے یا نہ ہونے پر شہادت کو نہ سنے اور نہ اس پر حکم لگائے مگر جس کا استحقاق ثابت ہو جائے اور شاہد کے لیے جائز نہیں کہ ایسی چیز کی گواہی دے جس کو اس نے دیکھا نہیں سوائے نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے کہ شاہد ان چیزوں کی گواہی دے سکتا ہے بشرطیکہ قابل وثوق آدمی نے اس کی خبر دی ہو"۔

مکان فعل میں اختلاف صورت:

قولہ: واذا شهدا الخ: صورت مسئلہ متن سے دیکھ لیا جائے یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ فیصلہ سے پہلے گواہوں میں اختلاف ہو جائے تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگر ایک کی گواہی پہلے ہوئی کہ اس پر فیصلہ بھی ہو چکا اب دوسری گواہی پر توجہ نہ دے مگر جرح مقید کی صورت میں مثلاً کہے کہ فلاں گواہ نے شراب پی ہے تو یہ جرح قاضی کے لیے قابل سماعت ہے۔

شہادت کے لیے واقعہ کا معائنہ:

قولہ: ولا يجوز الخ: شہادت کے لیے بنیادی طور پر فقہی قاعدہ یہ ہے کہ "جب تک موجب علم اسباب (حواس خمسہ، نقل متواتر، عقل اور استدلال) میں سے کوئی سبب نہ پایا جائے تو شہادت جائز نہیں" اور حواس خمسہ میں سے ایک معائنہ ہے لہٰذا اصول یہ ہے کہ "جس چیز کا علم بذریعہ معائنہ حاصل نہ ہو اس کی شہادت جائز نہیں"۔ البتہ دس چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں بغیر دیکھے محض با اعتماد آدمی کی خبر پر گواہی دینا جائز ہے۔ ۱۔ نسب، ۲۔ موت، ۳۔ نکاح، ۴۔ صحبت، ۵۔ ولایت قاضی یہ پانچ تو قدوری میں مذکور ہیں باقی یہ ہیں، ۶۔ اصل وقف، ۷۔ عتق، ۸۔ ولاء، ۹۔ مہر، ۱۰۔ شرائط وقف۔ ان کے علاوہ باقی مثلاً طلاق، ہبہ، اقرار وغیرہ کو دیوار یا مکان کے باہر سے سنا اس کے متعلق شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی ہے جب تک براہ راست واقعہ کا مشاہدہ نہ کرے۔

وَالشَّهَادَةُ عَلَى الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِيْ كُلِّ حَقٍّ لَا يَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ وَلَا تُقْبَلُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ وَيَجُوْزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلَى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى شَهَادَةِ وَاحِدٍ وَصِفَةُ الْإِشْهَادِ أَنْ يَقُوْلَ شَاهِدُ الْأَصْلِ لِشَاهِدِ الْفَرْعِ: اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِيْ أَنِّيْ أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ أَقَرَّ عِنْدِيْ بِكَذَا وَأَشْهَدَنِيْ عَلَى نَفْسِهِ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ أَشْهَدَنِيْ عَلَى نَفْسِهِ جَازَ وَيَقُوْلُ شَاهِدُ هٰذَا الْفَرْعِ عِنْدَ الْأَدَاءِ: أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَشْهَدَنِيْ عَلَى شَهَادَتِهِ أَنَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا أَقَرَّ عِنْدَهُ بِكَذَا وَقَالَ لِيْ: اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِيْ بِذٰلِكَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ إِلَّا أَنْ يَمُوْتَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ أَوْ يَغِيْبُوْا مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا أَوْ يَمْرَضُوْا مَرَضًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ مَعَهُ حُضُوْرَ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ فَإِنْ عَدَّلَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ شُهُوْدُ الْفَرْعِ جَازَ وَإِنْ سَكَتُوْا عَنْ تَعْدِيْلِهِمْ جَازَ وَيَنْظُرُ الْحَاكِمُ فِيْ حَالِهِمْ وَإِنْ أَنْكَرَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ الْفُرُوْعِ وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ فِيْ شَاهِدِ الزُّوْرِ: أُشَهِّرُهُ فِي السُّوْقِ وَلَا أُعَزِّرُهُ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: نُوْجِعُهُ ضَرْبًا وَنَحْبِسُهُ

"اور گواہی پر گواہی دینا ہر ایسے حق میں جائز ہے۔ جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہوتا ہو اور حدود و قصاص میں قبول نہ کی جائے گی اور دو گواہوں کی گواہی پر گواہی دینا جائز ہے۔ اور ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر قبول نہیں کی جائے گی اور گواہی کا طریقہ یہ ہے کہ شاہد اصل شاہد فرع سے کہے تو میری گواہی پر گواہ بن جا میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے اتنے کا اقرار کیا اور مجھ کو اپنی ذات پر گواہ بنایا اور اگر وہ اشهد لی علی نفسہ نہ بھی کہے تو جائز ہے۔ فرع گواہ ادائیگی کے وقت کہے گا فلاں نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے وہ گواہی دیتے ہیں کہ فلاں نے اس کے پاس اتنے کا اقرار کیا ہے اور مجھ کو کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ بن جاؤ اس لیے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں اور فرع گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر یہ کہ اصل گواہ فوت ہو جائیں یا تین دن یا زیادہ کی مسافت پر چلے جائیں یا ایسا بیمار ہو جائیں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکیں اگر فرع گواہ اصل گواہوں کی تعدیل کریں تو جائز ہے۔ اگر فرع گواہ اصل گواہوں کی تعدیل سے خاموشی اختیار کریں تو جائز ہے اور قاضی ان کے حالات پر غور کرے اور اگر اصل گواہ گواہی سے انکار کریں تو فرع گواہوں کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور امام اعظم نے جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں فرمایا کہ میں بازار میں اس کی تشہیر کروں گا اور اس کو سزا نہیں دوں گا اور صاحبین نے فرمایا کہ ہم اسے خوب تکلیف دیں گے اور قید کریں گے"۔

شہادت پر شہادت:

قولہ: والشهادة الخ: اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ "شہادت علی الشهادت ان تمام امور میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتے اور جو شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں ان میں جائز نہیں" مثلاً حدود و قصاص میں شہادت علی الشہادت یہ ہے کہ اصل گواہ کا دوسرے کو گواہ بنانا تاکہ وہ قاضی کی مجلس میں جا کر اس کی طرف سے گواہی دے احناف کے نزدیک دو شاہدوں کی شہادت پر دوسرے دو شاہدوں کی شہادت جائز ہے کہ یہ ممکن ہے جس اصل گواہ نے ان دو کو گواہ بنایا ہو دوسرے اصل گواہ نے بھی انہی دو کو گواہ بنایا ہو البتہ یہ جائز نہیں کہ ایک اصل ایک ہی فرع کو اپنی گواہی پر گواہ بنائے کیونکہ دو کا ہونا ضروری ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ شہادت علی الشہادت جائز نہ ہو کہ یہ بدنی عبادت ہے مگر استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے کہ بسا اوقات اصل کے فوت ہونے یا بیمار ہو جانے یا دور ہونے یا پردہ نشین خاتون ہونے کی وجہ سے ضرورت پڑتی ہے۔ ورنہ کئی حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

گواہ کا گواہ بنانے کا طریقہ:

قولہ: صفة الاشهاد الخ: یہ مسئلہ اس اصول پر مبنی ہے کہ "جب تک اصل گواہ باضابطہ طور پر فرع کو اپنا گواہ نہیں بنائے گا وہ گواہ نہیں بن سکتا"۔ لہٰذا اصل فرع سے یوں کہے کہ تم میری گواہی پر گواہ بنو اس بات پر کہ فلاں نے فلاں کی اتنی رقم کا اعتراف کیا اور مجھے اقرار پر گواہ بنایا ہے تب بھی فرع کو گواہ بنانا درست ہے اور فرع گواہی کی ادائیگی میں باضابطہ یہ کہے میں فرع گواہ ہوں۔ اصل گواہ نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا ہے۔ اس بات کا کہ اس کے سامنے فلاں نے فلاں کے لیے اتنی رقم کا اقرار کیا ہے۔ فرع گواہ قاضی کے سامنے کہے کہ مجھے اصل گواہ نے کہا تھا کہ میری گواہی پر گواہ بنو اس لیے میں گواہی دے رہا ہوں۔

فرع گواہوں کی قبولیت کی شرائط:

قولہ:ولا تقبل الخ: شہادت کے لیے اصول تو یہ ہے کہ ”شہادت کے لیے اصل گواہ ضروری ہیں فرع کو مجبوری کی صورت میں مہیا کیا جائے مثلاً اصل گواہ فوت ہو جائیں یا تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہوں یا اتنے بیمار ہوں کہ عدالت تک نہ آسکتے ہوں تب فرع گواہوں کو گواہ بنانا جائز ہے۔

فرع کا قاضی کے سامنے تعدیل کرنا:

قولہ:فان عدل الخ: اگر فرع قاضی کے سامنے اصل گواہوں کی تعدیل کریں کہ وہ عادل ہیں تو ایسا کرنا جائز ہے اگر تعدیل سے چپ رہیں تب بھی جائز ہے مگر قاضی کی ذمہ داری ہے کہ اصل گواہوں کے حالات کی تحقیق کرے کہ عادل ہیں یا نہیں؟

قولہ:وان انکر الخ:

اصل کا گواہی سے انکار کرنا:

اگر اصل گواہوں نے گواہی سے انکار کردیا تو اس انکار کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ ہم نے فرع کو اپنا گواہ بنایا ہی نہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اصل گواہ نے انکار کردیا کہ وہ اس بات کا گواہ ہی نہیں تو ان صورتوں میں فرع کی گواہی ساقط ہو جائے گی۔

جھوٹے کی گواہی:

قولہ:وقال ابوحنیفہ الخ: امام اعظم کے نزدیک جھوٹی گواہی دینے والے کی تشہیر کی جائے گی کہ جھوٹا ہے تاکہ لوگ اس سے بچیں جب کہ صاحبین کے نزدیک جھوٹے پر تعزیر لگائی جائے گی اور قید کیا جائے گا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔(علیہ الفتویٰ فی الھندیہ، الفتاویٰ السراجیہ)

باب الرجوع عن الشهادة

إِذَا رَجَعَ الشُّهُوْدُ عَنْ شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ فَإِنْ حُكِمَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ رَجَعُوا لَمْ يُفْسَخِ الْحُكْمُ وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ ضَمَانُ مَا أَتْلَفُوْهُ بِشَهَادَتِهِمْ وَلَا يَصِحُّ الرُّجُوْعُ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْحَاكِمِ

"جب گواہ اپنی گواہی سے فیصلہ سے پہلے پھر جائیں تو ان کی گواہی ساقط ہو جائے گی اور ان گواہوں پر کوئی تاوان واجب نہ ہوگا پس اگر قاضی نے ان کی گواہی پر فیصلہ کر دیا پھر گواہوں نے رجوع کر لیا تو فیصلہ فسخ نہیں ہوگا اور ان گواہوں پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جس کو انہوں نے اپنی گواہی سے ضائع کیا اور شہادت سے رجوع صرف قاضی کے روبرو ہے"۔

شہادت سے رجوع:

قولہ: اذا رجع الخ: امام قدوری کی عبارت کو تین اصولوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ۱۔ شہادت سے رجوع قاضی کے فیصلہ سے پہلے معتبر ہے۔ فیصلہ کے بعد معتبر نہیں بلکہ فیصلہ اپنے حال پر باقی رہے گا۔ ۲۔ جھوٹی شہادت سے گواہوں پر تاوان بعینہ مال کے ضائع ہونے پر ہوگا نہ کہ منافع کے ضائع ہونے پر۔ ۳۔ شہادت سے رجوع قاضی کی مجلس میں معتبر ہے۔ عام مجلس میں معتبر نہیں۔

وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ بِهِ الْحَاكِمُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَإِنْ رَجَعَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَإِنْ شَهِدَ بِالْمَالِ ثَلَاثَةٌ فَرَجَعَ أَحَدُهُمْ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ ضَمِنَ الرَّاجِعَانِ نِصْفَ الْمَالِ وَإِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَرَجَعَتِ امْرَأَةٌ ضَمِنَتْ رُبُعَ الْحَقِّ وَإِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الْحَقِّ وَإِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشْرُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَ ثَمَانٍ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِنَّ فَإِنْ رَجَعَتْ أُخْرَى كَانَ عَلَى النِّسْوَةِ رُبُعُ الْحَقِّ فَإِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ كَانَ عَلَى الرَّجُلِ سُدُسُ الْحَقِّ وَعَلَى النِّسْوَةِ خَمْسَةُ أَسْدَاسِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: عَلَى الرَّجُلِ النِّصْفُ وَعَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ

"اور جب دو گواہوں نے مال کی گواہی دی اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا پھر انہوں نے رجوع کر لیا تو دونوں مشہود علیہ مال کے ضامن ہوں گے اور اگر ان میں سے ایک نے رجوع کر لیا تو نصف کا ضامن ہوگا اور اگر تین نے مال کی گواہی دی پھر ان میں سے ایک نے رجوع کر لیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں اور اگر دوسرے نے رجوع کر لیا تو دونوں رجوع کرنے والے نصف مال کے ضامن ہوں گے اور اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی پھر ایک عورت نے رجوع

کرلیا تو مال کے چوتھے حصے کی ضامن ہوگی اور اگر دونوں نے رجوع کرلیا تو نصف کی ضامن ہوگی اور اگر ایک مرد اور اس عورتوں نے گواہی دی پھر ان میں سے آٹھ عورتوں نے رجوع کرلیا تو عورتوں پر حق کا چوتھا حصہ واجب ہوگا اور اگر مرد اور سب عورتوں نے رجوع کرلیا تو مرد پر حق کا چھٹا حصہ اور عورتوں پر چھ حصوں میں سے پانچ حصے لازم ہوں گے امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ نصف مرد پر اور نصف عورتوں پر واجب ہوگا"۔

رجوع کی مختلف صورتیں:

قوله:واذا شهد الخ: احناف کے نزدیک اصول یہ ہے کہ "شہادت سے رجوع کے بعد مابقیہ نصاب شہادت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا" جب کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک شہادت سے رجوع کرنے والوں کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا۔

۱۔ دو کی گواہی پر فیصلہ ہوا پھر ایک نے رجوع کرلیا تو نصف کا ضامن ہوگا۔ ۲۔ اگر دونوں نے رجوع کرلیا تو نصف نصف کے ضامن ہوں گے۔ ۳۔ اگر تین گواہوں کی گواہی پر فیصلہ ہوا پھر ایک نے رجوع کرلیا تو ضامن نہ ہوگا کہ ابھی تک نصاب شہادت (دو) باقی ہے اگر ایک اور نے رجوع کرلیا تو اب دونوں رجوع کرنے والے نصف کے ضامن ہوں گے کیونکہ اصول یہ ہے کہ "فیصلہ کا مدار دو سے زائد گواہوں پر نہیں" اس لیے دوسرے کے رجوع سے گواہی نصف ہوگی۔

۳۔ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ ہوا پھر ایک عورت نے رجوع کرلیا تو ربع (چوتھے) کا ضامن ہوگی۔ گویا ایک مرد نے آدھی گواہی دی اور دو عورتوں نے آدھی گواہی دی اور آدھے کا آدھا ربع ہوتا ہے۔

۴۔ ایک مرد اور دس عورتوں کی گواہی پر فیصلہ ہوا پھر ان میں سے آٹھ نے رجوع کرلیا تو ان پر ضمان نہیں کہ نصاب شہادت مکمل ہے اگر نویں بھی رجوع کر جائے تو باقی گواہی نصف مرد کی باقی رہی اور چوتھائی ایک عورت کی باقی رہی اور چوتھائی گواہی سے رجوع نو عورتوں کو ملا کر ہوا لہٰذا نو عورتیں چوتھائی کی ضامن ہوں گی یہ اصول ہے "جو باقی رہا اس کی گواہی کا اعتبار ہے" دو کے علاوہ دو جو رجوع کر گئے ان کا اعتبار نہیں۔

۵۔ اگر ایک مرد اور دس عورتیں سب رجوع کر جائیں تو امام اعظم کے نزدیک چھ حصے ہوں گے چھٹا حصہ مرد پر اور باقی پانچ حصے دس عورتوں پر لازم ہوں گے کیونکہ دس عورتیں پانچ مردوں کے برابر ہیں گویا چھ مردوں نے گواہی دی اس لیے مرد پر چھٹا حصہ آیا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک مرد پر نصف ضمان باقی سب عورتوں پر نصف ضمان آئے گا کہ مرد کے بغیر تنہا عورتوں کی گواہی نہیں اس لیے مرد پر نصف ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر ہے کہ قرآن مجید نے دو عورتوں کو بمنزلہ ایک مرد کے قرار دیا ہے نیز شہادت کا حکم میراث کے حکم کی طرح ہے کہ دو بیٹیاں ایک بیٹے کے مرتبہ میں ہیں۔ (الترجيح والتصحيح)

وَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى الْمَرْاَةِ بِالنِّكَاحِ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا فَلَا ضَمَانَ

عَلَيْهِمَا. وَإِنْ شَهِدَا بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا النُّقْصَانَ وَكَذٰلِكَ إِذَا شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بِتَزْوِيجِ امْرَأَةٍ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا أَوْ أَقَلَّ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ شَهِدَا بِأَكْثَرَ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ وَإِنْ شَهِدَا بِبَيْعٍ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ شَهِدَا بِأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ وَإِنْ شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ الدُّخُولِ لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ شَهِدَا أَنَّهُ أَعْتَقَ عَبْدَهُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا قِيمَتَهُ وَإِنْ شَهِدَا بِقِصَاصٍ ثُمَّ رَجَعَا بَعْدَ الْقَتْلِ ضَمِنَا الدِّيَةَ وَلَا يُقْتَصُّ مِنْهُمَا

''اوراگر دو گواہوں نے کسی عورت کے خلاف مہر مثل یا اس سے زائد مقدار پر نکاح ہونے کی گواہی دی پھر ان دونوں نے رجوع کرلیا تو ان دونوں پر تاوان واجب نہ ہوگا اور اگر مہر مثل سے کم پر گواہی دی پھر گواہوں نے رجوع کرلیا تو کسی کے ضامن نہیں ہوں گے اوراسی طرح جب دو مردوں نے کسی مرد کے خلاف کسی عورت سے مہر مثل یا اس سے کم مقدار پر نکاح کی گواہی دی اور اگر مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو زیادتی کے ضامن ہوں گے اور اگر دو شخصوں نے کسی چیز کی بیع کی قیمت مثلی یا اس سے زیادہ کے بدلہ میں ہونے کی گواہی دی پھر رجوع کرلیا تو ضامن نہ ہوں گے اور اگر قیمت سے کم پر ہو تو نقصان کے ضامن ہوں گے اور اگر دو گواہوں نے کسی شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس نے اپنی عورت کو قبل الدخول طلاق دے دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو دونوں نصف مہر کے ضامن ہوں گے اور اگر بعد الدخول طلاق دی تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے اور اگر دونوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنے غلام کو آزاد کردیا ہے پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے اور اگر دونوں نے قصاص کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو دونوں دیت کے ضامن ہوں گے اور دونوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

نکاح کی شہادت سے رجوع کی صورتیں:

قوله: وان شهدا الخ: کسی مرد نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کردیا اور گواہ بھی پیش کردیئے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کردیا دوسرا فریق منکر ہوا اور گواہوں نے بعد میں رجوع کرلیا تو اس کی تین صورتیں بنتی ہیں۔ ۱۔ طے شدہ مہر مہر مثلی کے برابر ہو تو ضمان گواہوں پر نہیں آئے گا کہ اصول یہ ہے ''گواہ کی گواہی سے نقصان ہو تو رجوع کرنے پر اس کا ضمان لازم ہوگا۔'' جب کہ یہاں عورت کو مہر مثل مل گیا ہے نقصان نہیں ہوا۔

۲۔ طے شدہ مہر مہر مثل سے کم ہو تب بھی ضمان نہیں۔ اصول یہ ہے کہ ''نکاح کے وقت بضعہ کی قیمت ہے طلاق کے وقت نہیں'' نیز مہر دس درہم یا زیادہ مقرر ہو جائے تو کافی ہے۔

۳۔ طے شدہ مہر مہر مثل سے زائد ہو تو ضامن ہوں گے۔ زیادتی شوہر کو دی جائے گی کہ بضعہ کی قیمت مہر مثل تھی مگر گواہوں نے زیادہ کردی۔

قولہ:وان شهد ببيع الخ: بیع کی شہادت سے رجوع:

قولہ: وان شهدا على الخ: طلاق وعتاق اور قصاص کی شہادت پر رجوع دونوں عنوانات کے مسائل کو متن وترجمہ میں دیکھ لیں مسائل آسان ہیں۔

وَإِذَا رَجَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ ضَمِنُوا وَإِنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ وَقَالُوا: لَمْ نُشْهِدْ شُهُوْدَ الْفَرْعِ عَلَى شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ وَإِنْ قَالُوا: أَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا ضَمِنُوا وَإِنْ قَالَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ: كَذَبَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ أَوْ غَلِطُوا فِي شَهَادَتِهِمْ لَمْ يُلْتَفَتْ إِلَى ذٰلِكَ وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا وَشَاهِدَانِ بِالْإِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُوْدُ الْإِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوا وَإِذَا رَجَعَ الْمُزَكُّوْنَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوا وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِالْيَمِيْنِ وَشَاهِدَانِ بِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوا فَالضَّمَانُ عَلَى شُهُوْدِ الْيَمِيْنِ خَاصَّةً

"اور جب نقلی گواہ پھر جائیں تو ضامن ہوں گے اور اگر اصلی گواہ پھر جائیں اور کہیں کہ ہم نے نقلی گواہوں کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا تو اصلی گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا اور اگر یوں کہیں کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا اور ہم نے غلطی کی تو ضامن ہوں گے اور اگر نقلی گواہوں نے کہا کہ اصل گواہوں نے جھوٹ بولا ہے یا انہوں نے اپنی گواہی میں غلطی کی ہے تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا اور جب زنا کے چار گواہوں نے گواہی دی پھر احصان کے گواہوں نے رجوع کر لیا تو ضامن نہیں ہوں گے اور جب مزکی تزکیے سے رجوع کر لیں تو ضامن ہوں گے اور جب دو گواہوں نے قسم کی گواہی اور دو نے شرط پائے جانے کی گواہی دی پھر سب نے رجوع کر لیا تو ضمان صرف قسم کے گواہوں پر ہوگا"۔

رجوع کے وقت ضمان کس پر؟

قولہ: واذا رجع الخ: ا۔شہادت علی الشہادت کی صورت میں فروع کے رجوع کرنے کی وجہ سے ضمان فروع پر واجب ہوگا نہ کہ اصول پر۔

۲۔فیصلے کے بعد اگر اصول فروع سے کہیں کہ ہم نے اپنی گواہی پر تمہیں گواہ نہیں بنایا تھا تو اب ضمان نہ اصول پر اور نہ فروع پر اگر اصول فروع سے کہیں کہ ہم نے تمہیں گواہ بنا کر غلطی کی ہے اب امام محمد کے نزدیک اصول پر ضمان واجب ہوگا جب کہ شیخین کے نزدیک کسی پر ضمان واجب نہ ہوگی فتویٰ شیخین کے قول پر ہے۔

۳۔اگر فروع کہیں کہ ہمارے اصول نے جھوٹ بولا ہے یا انہوں نے غلطی کی ہے تو ان کی بات کا اعتبار نہ ہوگا۔

احصان کے گواہوں کا رجوع کرنا:

قولہ:واذا اشهد الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ چار گواہوں نے کسی کے خلاف گواہی دی اور دو آدمیوں نے زانی کے محصن ہونے کی گواہی دے دی۔زانی کو رجم کے بعد احصان کے گواہوں نے رجوع کر لیا تو ان پر کچھ واجب نہیں اس اصول کی وجہ سے

کہ سزا کا اصل موجب زنا کرنا اور اس کی گواہی ہے نہ کہ محصن ہونا اور ان کی گواہی کی وجہ سے ان پر دیت اس لیے لازم نہیں کہ انہوں نے صرف ایک صفت (احصان) بیان کی ہے جس سے صرف سزا میں تبدیلی ہوئی ہے کیونکہ احصان رجم کی شرط محض ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ "حکم شرط کی طرف منسوب نہیں ہوا کرتا"۔

مزکیوں کا رجوع:

قوله: واذا رجع الخ: چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی قاضی نے ان کے تزکیہ کے لیے آدمی بھیجے انہوں نے کہا چاروں عادل ہیں پھر قاضی نے رجم کا فیصلہ کر دیا کیونکہ حدود میں تزکیہ ضروری ہے اور تزکیہ کرنے والوں پر گویا رجم کی بنیاد ہے رجم کی سزا میں مزکی شریک ہوئے پھر وہ رجوع کر گئے تو دیت کے ضامن ہوں گے امام اعظم کے نزدیک جب کہ صاحبین کے نزدیک ضامن نہیں ہوں گے۔ فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔

وجودِ قسم کی شہادت سے رجوع:

قوله: واذا شهد الخ: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنی زوجہ کی طلاق کو دخول دار کے ساتھ معلق کیا ہے اور دو نے دخول دار کی گواہی دی فیصلے کے بعد سب نے رجوع کر لیا اب قسم کے گواہوں پر ضمان واجب ہوگا نہ کہ شرط کے گواہوں پر کیونکہ قسم پائے جانے اور کفارہ دینے کا اصل مدار قسم کے گواہ ہیں کہ یہ صاحب علت ہیں شرط پائے جانے کے گواہ صرف صفت بتانے کے گواہ ہیں۔

کتاب آداب القاضی

قضا کا لغوی معنی:۔

اس کے مختلف لغوی معانی آتے ہیں۔ فیصلہ کرنا، کسی چیز کو مضبوط کرنا اور کسی چیز کو اپنے انتہا تک پہنچانا وغیرہ

اصطلاحی معنی:

"الحکم انشاء الزام او اطلاق" کسی چیز کو لازم کرنے یا کسی چیز کے لزوم کو ختم کرنے کا فیصلہ کرنا قضا ہے۔

قضا کی شرعی حیثیت:

نظام قضا کا قیام اجتماعی فرض ہے۔

لَا تَصِحُّ وِلَايَةُ الْقَاضِي حَتّٰى يَجْتَمِعَ فِي الْمُوَلّٰى شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ وَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْاِجْتِهَادِ وَلَا بَأْسَ بِالدُّخُولِ فِي الْقَضَاءِ لِمَنْ يَثِقُ مِنْ نَفْسِهِ أَنْ يُؤَدِّيَ فَرْضَهُ وَيُكْرَهُ الدُّخُولُ فِيهِ لِمَنْ يَخَافُ الْعَجْزَ عَنْهُ وَلَا يَأْمَنُ عَلٰى نَفْسِهِ الْحَيْفَ فِيهِ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَطْلُبَ الْوِلَايَةَ وَلَا يَسْأَلَهَا

"قاضی کی ولایت درست نہیں، یہاں تک کہ جس کو قاضی بنایا گیا ہے۔ اس میں شہادت کی شرائط جمع ہو جائیں اور وہ اہل اجتہاد میں سے ہو اور آدمی کے لیے قضا میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں کہ جس کا اپنی ذات پر اس بات کا اعتماد ہو کہ وہ قضا کے فرائض ادا کرے گا اور آدمی کے لیے اس میں داخل ہونا مکروہ ہے جس کو اس سے عاجز ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ اپنے سے ظلم ہونے پر مطمئن نہ ہو اور مناسب نہیں کہ عہدہ قضا کو طلب کیا جائے اور اس کا سوال کیا جائے"۔

عہدہ قضا کی شرائط:

قولہ: لا تصح الخ: پہلی شرط یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو شہادت کا اہل ہے وہ قضا کا بھی اہل ہے اور جو شہادت کا اہل نہیں وہ قضا کا بھی اہل نہیں۔ لہٰذا قاضی کے لیے مسلمان، عاقل، بالغ، آزاد، عادل ہونا، بینا ہونا، محدود فی القذف نہ ہونا، بہرا نہ ہونا اور گونگا نہ ہونا۔

عورت حدود و قصاص کے مقدمات میں قاضی نہیں بن سکتی باقی مقدمات میں چونکہ شہادت کی اہل ہے تو قاضی بن سکتی ہے یہ مسئلہ متن میں آ رہا ہے۔ مگر اکثر فقہاء کے نزدیک عورت کا قاضی بننا کراہت سے خالی نہیں۔

دوسری شرط اجتہاد کی احناف کے نزدیک استحبابی ہے اجتہاد سے مراد یہ ہے کہ قرآن و سنت پر گہری نظر ہو ناسخ و منسوخ سے واقف ہو اور عام و خاص سے بھی واقف ہو وغیرہ اور بغیر صفت اجتہاد کے بھی قاضی بن سکتا ہے۔

منصب قضا قبول کرنے کا حکم:

قولہ: ولا بأس الخ: اگر کسی شخص کو اپنی ذات پر بھر پور اعتماد ہے کہ اس کو منصب قضا سونپا تو اس کو پوری دیانتداری کے ساتھ ادا کر سکتا ہے تو اس کے لیے قاضی بننا کوئی حرج کی بات نہیں لیکن جس کو اعتماد نہ ہو اس کے لیے عہدہ قضا لینا مکروہ تحریمی ہے اور جن احادیث میں عہدہ قضا کی طلب کی مذمت ہے وہ اس پر محمول ہیں وہ ان کے متعلق ہیں جو ظالمانہ فیصلے اور خواہش نفس کے تابع ہو کر فیصلے کریں یا اس منصب کا اہل ہی نہ ہوں جو صحابہ کرام عہدہ قضا پر رہے۔ حضرت علی، حضرت معاذ، حضرت دحیہ کلبی یمن میں اور حضرت عتاب بن اسید مکہ مکرمہ میں، حضرت انس بحرین میں، حضرت عبداللہ بن مسعود کوفہ میں، حضرت ابوموسیٰ اشعری بصرہ میں قاضی رہے اور مشہور تابعی قاضی شریح حضرت عمر کے دور سے لے کر حجاج بن یوسف تک ساٹھ سال قاضی رہے، امام ابویوسف قاضی (چیف جسٹس) رہے۔

عہدہ قضا کی طلب:

قولہ: ولا ینبغی الخ: اگر قضا چلانے کے لیے دوسرا موجود ہے۔ اس کے نہ ہونے سے اُمت کو کوئی خطرہ نہیں تو منصب قضا کی خواہش رکھنا بھی مناسب نہیں نہ مانگنا مناسب ہے کہ اگر مسئلہ غلط ہو جائے تو تمام بوجھ قاضی کے سر پر ہے۔ اس لیے بلاوجہ کس لیے مصیبت میں پڑے۔

وَمَنْ قُلِّدَ الْقَضَاءَ يُسَلَّمُ اِلَيْهِ دِيوَانُ الْقَاضِي الَّذِي قَبْلَهٗ وَيَنْظُرُ فِيْ حَالِ الْمَسْجُونِيْنَ، فَمَنِ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ بِحَقٍّ اَلْزَمَهٗ اِيَّاهُ وَمَنْ اَنْكَرَ لَمْ يَقْبَلْ قَوْلَ الْمَعْزُوْلِ عَلَيْهِ اِلَّا بِبَيِّنَةٍ فَاِنْ لَّمْ تَقُمْ بَيِّنَةٌ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَخْلِيَتِهٖ حَتّٰى يُنَادِيَ عَلَيْهِ وَيَسْتَظْهِرَ فِيْ اَمْرِهٖ، وَيَنْظُرُ فِي الْوَدَائِعِ وَفِيْ ارْتِفَاعَاتِ الْوُقُوْفِ فَيَعْمَلُ عَلٰى مَا تَقُوْمُ بِهِ الْبَيِّنَةُ اَوْ يَعْتَرِفُ بِهٖ مَنْ هُوَ فِيْ يَدِهٖ وَيَجْلِسُ الْحَاكِمُ جُلُوْسًا ظَاهِرًا فِي الْمَسْجِدِ وَلَا يَقْبَلُ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنْهُ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهٗ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِمُهَادَاتِهٖ وَلَا يَحْضُرُ دَعْوَةً اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ عَامَّةً، وَيَشْهَدُ الْجَنَائِزَ وَيَعُوْدُ الْمَرْضٰى وَلَا يُضَيِّفُ اَحَدَ الْخَصْمَيْنِ دُوْنَ خَصْمِهٖ فَاِذَا حَضَرَا سَاوٰى بَيْنَهُمَا فِي الْمَجْلِسِ وَالْاِقْبَالِ وَلَا يُسَارِرُ اَحَدَهُمَا وَلَا يُشِيْرُ اِلَيْهِ وَلَا يُلَقِّنُهٗ حُجَّةً

"اور جس شخص کو قاضی مقرر کیا گیا تو سابق قاضی کے رجسٹر اس کے حوالے کر دیے جائیں اور یہ قاضی قیدیوں کے بارے میں غور کرے پھر جو قیدی حق کا اقرار کر لے تو اس پر وہ لازم کر دے اور جو انکار کرے تو معزول قاضی کی بات گواہوں کے بغیر قبول نہ کرے پس اگر گواہ قائم نہ ہوں تو اس کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں اعلان کروائے اور اس کے معاملے میں انتظار کرے اور ودیعتوں اور اوقاف کی آمدنیوں میں غور کرے۔ پس وہ اسی کے مطابق عمل کرے جس پر گواہ قائم ہو جائیں یا جس کا وہ آدمی اعتراف کر لے جس کے وہ قبضے میں ہے اور معزول قاضی کا قول قبول نہ کرے مگر یہ کہ وہ آدمی اعتراف کر لے جس کے وہ قبضے میں ہے کہ یہ چیز معزول قاضی نے اس کے حوالے کی ہے۔

پس اس کی بات اس کے متعلق مان لے اور نیا قاضی فیصلہ کے لیے مسجد میں عام ظاہراً بیٹھے اور کوئی ہدیہ قبول نہ کرے سوائے اپنے ذی رحم محرم کے یا ان لوگوں سے جن کی قاضی بننے سے پہلے ہدیہ دینے کی عادت تھی اور کسی دعوت میں نہ جائے مگر یہ کہ وہ عام دعوت ہو اور جنازوں میں حاضر ہو اور بیماروں کی تیمارداری کرے اور خصمین میں سے ایک کی دوسرے کے علاوہ مہمانی نہ کرے اور جب دونوں فریق آجائیں تو ان کے درمیان بٹھانے اور توجہ کرنے میں مساوات کرے اور کسی ایک کے ساتھ سرگوشی نہ کرے نہ اس کی طرف کوئی اشارہ کرے اور نہ اس کو کوئی دلیل سکھائے"۔

قوله:ومن قلد الخ: مسئلہ متن وترجمہ سے واضح ہے۔

مسجد میں قاضی کی نشست گاہ ہونا:

قوله:ويجلس الخ: امام اعظم اور امام مالک کی رائے ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک مناسب نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قاضی تمیم بن عبدالرحمن کو مسجد میں قضا کی نشست سے منع کر دیا تھا۔ اب احناف کے نزدیک بھی مناسب نہیں تغیر زمانہ کی وجہ سے۔

ہدیہ کے متعلق وضاحت:

قوله:ولا يقبل الخ: قاضی علاؤالدین طرابلسی نے لکھا ہے کہ تغیر زمانہ کی وجہ سے مطلقاً قاضی کو ہدیہ لینا جائز نہیں (معین الحکام)

فَإِذَا ثَبَتَ الْحَقُّ عِنْدَهُ وَطَلَبَ صَاحِبُ الْحَقِّ حَبْسَ غَرِيمِهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِحَبْسِهِ وَأَمَرَهُ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ فَإِنِ امْتَنَعَ حَبَسَهُ فِي كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهُ بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِي يَدِهِ كَثَمَنِ الْمَبِيعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ أَوِ الْتَزَمَهُ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ وَلَا يَحْبِسُهُ فِيمَا سِوَى ذٰلِكَ إِذَا قَالَ: إِنِّي فَقِيرٌ وَيَحْبِسُهُ شَهْرَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ يَسْأَلُ عَنْهُ فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ مَالٌ خَلَّى سَبِيلَهُ وَلَا يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ، وَيُحْبَسُ الرَّجُلُ فِي نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ وَلَا يُحْبَسُ وَالِدٌ فِي دَيْنِ وَلَدِهِ وَيُحْبَسُ إِذَا امْتَنَعَ مِنَ الْإِنْفَاقِ عَلَيْهِ وَيَجُوزُ قَضَاءُ الْمَرْأَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ

"پس جب قاضی کے ہاں حق ثابت ہو جائے اور صاحب حق مطالبہ کرے اپنے مقروض کو قید کرنے کا تو قاضی اس کو قید کرنے میں جلدی نہ کرے اور اس کو قرض ادا کرنے کا حکم کرے جو اس پر واجب ہے لہٰذا اگر وہ ادائیگی سے رک جائے تو قاضی اس کو ہر اس دین کے بدلے میں قید کرے گا جو اس کو ایسے مال کے بدلے میں لازم ہوا ہو جو اس کو حاصل ہوا ہوا ہے۔ مثلاً مبیع کا ثمن یا قرض کا بدل یا اس کو کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا مثلاً مہر اور کفالت ان کے سوا میں اس کو قید نہ کرے جب کہ وہ کہے کہ میں فقیر ہوں مگر یہ کہ اس کا قرض خواہ ثابت کر دے کہ اس کے پاس مال ہے اور اس کو دو یا تین مہینے قید کرے گا پھر اس کے مال کی تحقیق کرے اگر اس کا کوئی مال ظاہر نہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے اور اس کے اور اس کے قرض خواہوں کے مابین حائل نہ ہو اور شوہر کو اپنی بیوی کے نفقہ میں قید کیا جائے اور باپ کو بیٹے کے قرض میں قید نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ اس پر خرچ کرنے سے رک جائے اور ہر معاملہ میں عورت کا قاضی بننا جائز ہے مگر حدود و قصاص ہیں"۔

قید کی مدت:

قولہ: ویحبسہ شھرین الخ: امام قدوری نے فرمایا کہ دو یا تین ماہ تک قید کرے۔

مفتی بہ قول:

یہ ہے کہ قید کے لیے کوئی خاص مقدار معین نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے کہ لوگوں کی طبعیتیں مختلف ہوتی ہیں کوئی جلدی اور کوئی کافی دیر بعد اعتراف کرتے ہیں اس لیے قاضی کو صوابدید پر ہی مسئلہ منحصر ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار الھندیہ، قاضی خان)

وَيُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي فِي الْحُقُوْقِ إِذَا شَهِدَ بِهَا عِنْدَهُ فَإِنْ شَهِدُوا عَلَى خَصْمٍ حُكِمَ بِالشَّهَادَةِ وَكُتِبَ بِحُكْمِهٖ وَإِنْ شَهِدُوا بِغَيْرِ حَضْرَةِ خَصْمٍ لَمْ يُحْكَمْ وَلَا يَقْبَلُ الْكِتَابَ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ وَيَجِبُ أَنْ يَقْرَأَهُ عَلَيْهِمْ لِيَعْرِفُوا مَا فِيْهِ ثُمَّ يَخْتِمُهُ بِحَضْرَتِهِمْ وَيُسَلِّمُهُ إِلَيْهِمْ وَإِذَا وَصَلَ إِلَى الْقَاضِي لَمْ يَقْبَلْهُ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْخَصْمِ فَإِذَا سَلَّمَهُ الشُّهُوْدُ إِلَيْهِ نَظَرَ إِلَى خَتْمِهٖ فَإِنْ شَهِدُوا أَنَّهُ كِتَابُ فُلَانٍ الْقَاضِي سَلَّمَهُ إِلَيْنَا فِي مَجْلِسِ حُكْمِهٖ وَقَرَأَهُ عَلَيْنَا وَخَتَمَهُ فَضَّهُ حِيْنَئِذٍ وَقَرَأَهُ عَلَى الْخَصْمِ وَأَلْزَمَهُ مَا فِيْهِ وَلَا يُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ

''اور ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے تمام حقوق میں قبول کیا جائے گا جب کہ اس خط کی گواہی قاضی کے سامنے دی ہو پس اگر مدعی علیہ کے سامنے گواہوں کی گواہی دی ہے تو قاضی گواہی پر فیصلہ کرے اور اگر مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں گواہی دی تو فیصلہ نہیں کرے گا اور گواہی کو لکھ لے گا تا کہ مکتوب الیہ قاضی اس کے ذریعے فیصلہ کر سکے اور خط دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی میں قبول کیا جائے گا اور یہ واجب ہے کہ خط گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنائے تا کہ جو کچھ اس میں ہے اس کا مضمون جان لیں پھر اس پر مہر لگائے اور گواہوں کے حوالے کر دے اور جب خط قاضی کے پاس پہنچ جائے تو قاضی اس کو مدعی علیہ کی موجودگی میں قبول کرے اور جب گواہ خط قاضی کے حوالے کر دیں تو قاضی اس کی مہر دیکھے پھر جب وہ گواہی دیں کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے کہ جس نے یہ خط اپنی مجلس قضا میں ہمارے حوالے کیا اور ہمیں یہ خط پڑھ کر سنایا اور اس پر مہر لگائی تو قاضی خط کو کھولے اور مدعی علیہ کو پڑھ کر سنائے اور جو اس میں ہے اس کو اس پر لازم کر دے۔ ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود و قصاص میں قبول نہیں کیا جائے گا''۔

مقدمہ کی ترسیل:

قولہ: ویقبل الخ: مقدمہ کی ترسیل (کتاب القاضی الی القاضی) سے مراد یہ ہے کہ اکثر اوقات ایک ملک یا علاقہ سے دوسرے ملک یا دوسرے علاقہ کے قاضی کو مقدمہ کی کارروائی بھیجی جاتی ہے جو ایک ضرورت ہے فقہاء نے خلاف قیاس اس کو درست مانا ہے ساتھ ہی قضا کا کام بھی نہایت ہی احتیاط کا متقاضی ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے میں دھوکہ اور جھوٹ کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔ متاخرین نے ضرورت کی بنا پر ''ہر وہ مقدمات جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے ان کی ترسیل کو جائز قرار

دیا سوائے ان مقدمات (حدود وقصاص) کے جو شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں" اور از راہ احتیاط شرط لگائی کہ قاضی کم از کم دو مردوں کو گواہ بنا کر اور مضمون سنا کر اور اس پر مہر لگا کر بند کرے اور اوپر مکتوب الیہ قاضی کا پتہ لکھے۔ پڑھ کر سنانا صرف طرفین کے نزدیک ہے جب امام ابو یوسف کے نزدیک پڑھ کر سنانا شرط نہیں۔

مفتی بہ قول:

امام ابو یوسف کا ہے (الهدایہ، بدائع الصنائع) جب مکتوب الیہ قاضی کے پاس پہنچ جائے تو اولاً مہر چیک کرے اور فریق مخالف کو طلب کر کے فریق اور گواہوں کے سامنے پڑھے اور گواہ بھی اس تحریر کی تصدیق کریں کہ فلاں قاضی نے لکھی ہے اور آپ کی طرف بھیجی ہے۔

دور حاضر میں مقدمہ کی ترسیل کا نظام:

دور حاضر میں تمام دنیا تیز ترین مواصلاتی نظام کی وجہ سے گلوبل ولیج بن چکی ہے جس کی وجہ سے ملکوں اور علاقوں کا آپس میں تعلق وسعت اختیار کر چکا ہے۔ مقدمہ کی ترسیل کے لیے دو گواہ بھیجنے کے اخراجات سے بہت ہی کم خرچ پر اور قابل اطمینان طریقے پر مقدمہ کی ترسیل ایک مقام سے دوسرے مقام پر ڈاک کے تیز ترین اور محفوظ ذرائع موجود ہیں نیز انٹرنیٹ، ای میل اور فون وغیرہ تحقیق کے لیے متبادل ذرائع موجود ہیں۔

وَلَيْسَ لِلْقَاضِي أَنْ يَسْتَخْلِفَ عَلَى الْقَضَاءِ إِلَّا أَنْ يُفَوَّضَ إِلَيْهِ ذٰلِكَ ,وَإِذَا رُفِعَ إِلَى الْقَاضِي حُكْمُ حَاكِمٍ أَمْضَاهُ إِلَّا أَنْ يُخَالِفَ الْكِتَابَ أَوِ السُّنَّةَ أَوِ الْإِجْمَاعَ أَوْ يَكُونَ قَوْلًا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ ,وَلَا يَقْضِي الْقَاضِي عَلَى غَائِبٍ إِلَّا أَنْ يَحْضُرَ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ

اور قاضی کے لیے عہدہ قضا پر اپنا خلیفہ بنانا جائز نہیں مگر یہ کہ یہ کام اس کو سونپا گیا ہو اور جب قاضی کے پاس کسی حاکم کا کوئی حکم لایا جائے تو قاضی اس کو نافذ کر دے مگر یہ کہ وہ حکم کتاب، سنت اور اجماع کے خلاف ہو یا ایسا قول ہو جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور قاضی غائب شخص پر حکم نہ لگائے مگر یہ کہ ایسا شخص حاضر ہو جو اس کا قائم مقام ہوگا۔

قولہ: ولیس الخ: اگر حاکم کی اس کو اجازت ہو چاہے صریحی ہو یا دلالۃً ہو تو اپنا نائب فیصلے کے لیے مقرر کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

حاکم کا حکم:

قولہ: واذا رفع الخ: اگر حاکم کی طرف سے قاضی کو کوئی حکم نافذ کرنے کے لیے آیا اگر وہ حکم قرآن وسنت اور اجماع کے خلاف نہیں تو نافذ کرے ورنہ نہیں۔ حاصل یہ کہ جو حکم شریعت مطہرۃ کے خلاف ہو وہ رد کر دیا جائے گا۔

غائب پر فیصلہ:

قولہ: ولا یقضی الخ: احناف کے نزدیک غائب شخص کے حق میں فیصلہ کرنا جائز نہیں چاہے اس کے حق میں مفید ہو یا مضر ہو اگر اس کا نائب ہو چاہے حقیقی ہو یا حکمی تو جائز ہے۔ لیکن متاخرین علماء نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر بوقت ضرورت

قضاعلی الغائب کو جائز قرار دیا ہے مثلاً بار بار سمن بھیجنے کے باوجود حاضر نہ ہوتا ہو یا وہ شخص ایک زمانے سے غائب ہو اس کی صورتیں کتاب اطلاق کے تحت بیان کر چکے ہیں البتہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاعلی الغائب درست ہے۔

وَاِذَا حَكَّمَ رَجُلَانِ رَجُلًا لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمَا وَرَضِيَا بِحُكْمِهٖ جَازَ اِذَا كَانَ الْمُحَكَّمُ بِصِفَةِ الْحَاكِمِ. وَلَا يَجُوْزُ تَحْكِيْمُ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ الذِّمِّيِّ وَالْمَحْدُوْدِ فِيْ قَذْفٍ وَالْفَاسِقِ وَالصَّبِيِّ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُحَكِّمَيْنِ اَنْ يَّرْجِعَ مَا لَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِمَا فَاِذَا حَكَمَ لَزِمَهُمَا وَاِذَا رُفِعَ ذٰلِكَ الْحُكْمُ اِلَى الْقَاضِيْ فَوَافَقَ مَذْهَبَهٗ اَمْضَاهُ وَاِنْ خَالَفَهٗ اَبْطَلَهٗ وَلَا يَجُوْزُ التَّحْكِيْمُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ وَاِذَا حَكَّمَا فِيْ دَمِ الْخَطَأِ فَقَضَى الْحَاكِمُ بِالدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهٗ وَحُكْمُ الْحَاكِمِ لِاَبَوَيْهِ وَوَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ بَاطِلٌ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّسْمَعَ الْبَيِّنَةَ وَيَقْضِيَ بِالنُّكُوْلِ.

"اور جب دو آدمی تیسرے کو اپنے درمیان فیصل بنالیں اور دونوں اس کے فیصلے پر راضی ہوں تو جائز ہے۔ جب کہ فیصل حاکم کی صفت پر ہو اور کافر، غلام، ذمی، محدود فی القذف اور بچے کو فیصل بنانا جائز نہیں اور فیصل بنانے والوں میں سے ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ رجوع کرے جب تک فیصل نے ان پر فیصلہ نہ کیا ہو اور جب وہ ان پر فیصلہ کردے تو ان پر لازم ہو جائے گا اور جب اس کا حکم قاضی کے ہاں لایا جائے اور وہ قاضی کے مذہب کے موافق ہو تو اس کو جاری کردے اور اگر اس کے مخالف ہو تو اس کو باطل قرار دے اور حدود و قصاص میں تحکیم جائز نہیں اور اگر انہوں نے اس کو دم خطا میں فیصل بنایا اور حاکم نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور گواہوں کو سننا جائز ہے اور انکار پر فیصلہ کرنا بھی جائز ہے اور حاکم کا اپنے والدین، اپنی اولاد اور بیوی کے لیے فیصلہ کرنا باطل ہے"۔

تحکیم سے مراد:

قولہ: واذا حکم الخ: فریقین کا اپنے باہمی نزاع کے حل کے لیے کسی فرد یا جماعت کو ثالث مقرر کرنا اور اس کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کرنا "تحکیم" کہلاتا ہے جس کو مقرر کیا اسے حَکَم، ثالث اور فیصل کہا جاتا ہے کس کو حکم بنانا جائز ہے؟ اصول یہ ہے کہ "ہر وہ شخص جس کی گواہی اس قسم کے مقدمہ میں قبول کی جاتی ہے اس کو حکم بنانا جائز ہے اور جس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اس کو حکم بنانا ناجائز ہے"۔ اسی بات کو امام قدوری نے حاکم کی صفت پر ہونے کو بیان کیا ہے۔

تحکیم سے کب رجوع جائز ہے؟

قولہ: ولکل الخ: اصول یہ ہے کہ "ہر فریق کو فیصلہ سے پہلے رجوع کا حق ہے۔ فیصلہ کے بعد نہیں" کیونکہ حکم کا فیصلہ ان پر دلالت شرعیہ سے ہوا ہے اس فیصلہ کو قاضی کے پاس لایا جائے گا اگر قاضی کے فیصلہ کے موافق ہو تو نافذ کر دیا جائے گا ورنہ رد کر دیا جائے گا چونکہ حکم باضابطہ قاضی نہیں اس لیے فیصلہ قاضی کے پاس لایا جائے گا۔

کس معاملہ میں تحکیم درست ہے؟

قولہ: ولا یجوز الخ: اس کے متعلق اصول یہ ہے "تحکیم حقوق العباد میں جائز ہے حقوق اللہ میں جائز نہیں"۔ کیونکہ تحکیم

تفویض ہے لہٰذا جن جن امور میں فریقین اختیار رکھتے ہیں انہی میں تحکیم بھی جائز ہوگی اور وہ امور حقوق العباد ہیں اور جن امور میں اختیار نہیں رکھتے مثلاً حقوق اللہ تو تحکیم بھی جائز نہیں مثلاً حدود و قصاص۔ اگر مدعی اور مدعی علیہ نے قتل خطا کی دیت میں کسی کو حکم بنادیا اور اس نے عاقلہ پر دیت ادا کرنے کا فیصلہ کردیا تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ دیت قصاص کے احکامات میں سے ہے لہٰذا قاضی کا فیصلہ چلے گا۔

فیصل کے فیصلہ کرنے کے طریقے:

قولہ: ویجوز الخ: چونکہ فیصل بہت سے معاملات میں قاضی کی طرح ہے لہٰذا اس کے بھی فیصلہ کرنے کے دو طریقے ہیں:۔

(الف) ایک تو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرے۔

(ب) مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ کو قسم کھانے کا کہے اگر یہ قسم کھانے سے انکار کردے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کردے۔

فیصلہ کس کے حق میں معتبر نہیں؟

قولہ: وحکم الحاکم الخ: اصول یہ ہے کہ "قاضی اور حکم کا فیصلہ ہر اس شخص کے حق میں معتبر نہیں کہ جس کے حق میں شہادت معتبر نہیں" لہٰذا قاضی اور حکم کا فیصلہ اپنے اصول، فروع، بیوی اور پارٹنرشپ وغیرہ کے حق میں ناجائز ہے۔ البتہ ان کے خلاف معتبر ہے بھائی اور بہن وغیرہ کے حق میں چونکہ شہادت معتبر ہے۔ تو ان کے حق میں فیصلہ بھی معتبر ہے۔

مفتی اور قاضی میں فرق:

۱۔ مفتی حکم کی خبر دیتا ہے جب کہ قاضی خبر پر عمل بھی کرواتا ہے، ۲۔ مفتی کے لیے حکم کی تحقیق و تفتیش ضروری نہیں جب کہ قاضی تحقیق و تفتیش کے تمام طرق استعمال کرتا ہے۔

۳۔ مفتی قوانین شرعیہ کو مقرر کرتا ہے جب کہ قاضی جزئی مادوں میں ان قوانین کی تشخیص کرتا ہے۔

ایک ملک کے قاضی کا فیصلہ دوسرے ملک پر:

ایک ملک کے قاضی یا جج یا رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین کا فیصلہ وہاں تک ہی نافذ ہوگا جہاں تک اس کو اختیارات دیئے گئے ہیں اور ہر قاضی کے فیصلہ کی حدود اسی ملک کی سرحدات ہوتی ہیں اس کے اندر ہی فیصلہ نافذ ہوگا لہٰذا سعودیہ کے قاضی کا فیصلہ رویت ہلال کا پاکستان میں نافذ نہیں ہوسکتا۔

کتاب القسمة

قسمت کا لغوی معنی:

تقسیم کرنے کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

"فِیْ جَمْعِ نَصِیْبٍ شَائِعٍ فِیْ مُعَیَّنٍ" کسی متعین چیز میں پھیلے ہوئے حصہ کو یکجا کرنے کا نام قسمت ہے۔(البحر الرائق)

ثبوت:

قرآن وحدیث اور اجماع سے ہے۔

یَنْبَغِیْ لِلْاِمَامِ اَنْ یَّنْصِبَ قَاسِمًا یَرْزُقُهٗ مِنْ بَیْتِ الْمَالِ لِیَقْسِمَ بَیْنَ النَّاسِ بِغَیْرِ اَجْرٍ فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِمًا یَقْسِمُ بِالْاَجْرِ وَیَجِبُ اَنْ یَّکُوْنَ عَدْلًا مَاْمُوْنًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ وَلَا یُجْبِرُ الْقَاضِی النَّاسَ عَلٰی قَاسِمٍ وَّاحِدٍ وَّلَا یَتْرُكُ الْقُسَّامَ یَشْتَرِکُوْنَ وَاُجْرَةُ الْقِسْمَةِ عَلٰی عَدَدِ الرُّءُوْسِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ عَلٰی قَدْرِ الْاَنْصِبَاءِ وَاِذَا حَضَرَ الشُّرَکَاءُ عِنْدَ الْقَاضِیْ وَفِیْ اَیْدِیْهِمْ دَارٌ اَوْ ضَیْعَةٌ ادَّعَوْا اَنَّهُمْ وَرِثُوْهَا عَنْ فُلَانٍ لَمْ یَقْسِمْهَا الْقَاضِیْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ حَتّٰی یُقِیْمُوا الْبَیِّنَةَ عَلٰی مَوْتِهٖ وَعَدَدِ وَرَثَتِهٖ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: یَقْسِمُهَا بِاعْتِرَافِهِمْ وَیَذْکُرُ فِیْ کِتَابِ الْقِسْمَةِ اَنَّهٗ قَسَمَهَا بِقَوْلِهِمْ،وَاِذَا کَانَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ مِمَّا سِوَی الْعَقَارِ ادَّعَوْا اَنَّهُمْ وَرِثُوْهُ قَسَمَهٗ فِیْ قَوْلِهِمْ جَمِیْعًا وَاِنْ ادَّعَوْا فِی الْعَقَارِ اَنَّهُمُ اشْتَرَوْهُ قَسَمَهٗ بَیْنَهُمْ وَاِنْ ادَّعَوُا الْمِلْكَ وَلَمْ یَذْکُرُوْا کَیْفَ انْتَقَلَ اِلَیْهِمْ قَسَمَهٗ بَیْنَهُمْ بِاعْتِرَافِهِمْ

"امام کو چاہیے کہ قاسم مقرر کرے جس کو تنخواہ بیت المال سے دے تا کہ وہ لوگوں کے درمیان بغیر اجرت کے تقسیم کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک ایسے قاسم کو مقرر کر دے جو اجرت لے کر تقسیم کرے اور ضروری ہے کہ یہ شخص عادل، معتبر اور تقسیم کار کو جانتا ہو اور قاضی لوگوں کو ایک قاسم پر مجبور نہ کرے اور قاسموں کو نہ چھوڑے کہ وہ مشترک ہوں اور تقسیم کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک شرکاء کی ملکیت کے اعتبار سے اجرت ہوگی اور جب شرکا قاضی کے پاس حاضر ہوں اس حال میں کہ دکان یا زمین ان کے قبضے میں ہو اور اس بات کا دعویٰ کریں کہ وہ فلاں سے اس کے وارث ہیں تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک تقسیم نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ عورت کی موت اور اس

کے ورثاء کی تعداد پر گواہ قائم کر دیں اور صاحبین کے نزدیک ان کے اعتراف کرنے سے اس کو تقسیم کرے اور تقسیم کے رجسٹر میں لکھ دے کہ اس کو ان کے کہنے پر تقسیم کیا ہے اور اگر زمین کے علاوہ مال مشترک ہو اور دعویٰ کریں کہ یہ ہماری میراث ہے تو ان سب کے قول میں قاضی اس کو تقسیم کرے اور اگر ان لوگوں نے زمین کے بارے میں دعویٰ کیا کہ ان لوگوں نے اس کو خریدا ہے تو اس کو قاضی ان کے درمیان تقسیم کر دے اور ملکیت کا دعویٰ کریں اور اس بات کا کوئی تذکرہ نہ کریں کہ یہ ملکیت ان کی طرف کیسے منتقل ہوئی تو قاضی ان کے درمیان تقسیم کر دے"۔

تقسیم کے احکامات:

قوله:ینبغي الخ: متن و ترجمہ سے بغیر ابہام کے واضح ہیں تاہم متن میں مختلف فیہ مسائل کو ذکر کیا جاتا ہے۔

تقسیم کی اجرت کی تعیین:

قوله:واجرة القسمة الخ:امام اعظم کے نزدیک شرکاء کی تعداد کے اعتبار سے اجرت واجب ہوگی کیونکہ اجرت "عمل" کا بدل و عوض ہے اور عمل قاسم سب کے حق میں برابر ہے کہ قاسم کا عمل حصص کی تمیز کرنا ہے اور تمیز کرنا عمل واحد ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک شرکا کی ملکیت کے اعتبار سے اجرت ہوگی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے (الترجیح والتصحیح دیگر متون علی قول الامام)

باہمی رضامندی سے تقسیم:

قوله:واذا حضر الخ: جب شرکاء کے پاس مکان یا زمین ہو اور یہ دعویٰ کریں فلاں کے وارث ہیں تو امام اعظم کے نزدیک قاضی اس وقت تک تقسیم نہ کرے جب تک عورت کی موت اور ورثاء کی تعداد پر شرکا گواہ قائم نہ کر دیں۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک صرف شرکاء کے اعتراف پر قاضی تقسیم کر سکتا ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ فقہی قاعدہ ہے: "إِقْرَارُ الْمُقِرِّ إِنَّمَا يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ خَاصَّةً" کہ مقر کا اقرار صرف اسی کے حق میں معتبر ہے دوسرے کے حق میں نہیں دوسرے کے خلاف فیصلے کے لیے گواہ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ (الترجیح التصحیح)

وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيبِهِ قَسَمَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمْ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمْ يَنْتَفِعُ وَالْآخَرُ يَتَضَرَّرُ لِقِلَّةِ نَصِيبِهِ فَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيرِ قَسَمَ وَإِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيلِ لَمْ يَقْسِمْ وَإِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ يَتَضَرَّرُ لَمْ يَقْسِمْهَا إِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا

"اور جب شرکا میں سے ہر ایک اپنے حصے کا نفع اٹھا سکتا ہو تو ان میں سے کسی ایک کے مطالبہ پر تقسیم کر دی جائے گی

ور اگر ان میں سے ایک نفع اٹھا سکتا ہو اور دوسرے کو اس کے حصے سے کم ہونے کی وجہ سے نقصان ہو تو زائد حصے والا تقسیم کا مطالبہ کرے تو تقسیم کر دی جائے گی اور اگر ان میں سے ایک کو نقصان ہوتا ہو تو ان دونوں کی رضامندی کے بغیر تقسیم کی جائے گی"۔

تقسیم کس کے مطالبہ پر؟

قولہ: واذا کان الخ: متن و ترجمہ سے مسائل عیاں ہیں تاہم ایک مسئلہ کہ تھوڑے حصہ والا تقسیم کا مطالبہ کرے بھی تو قاضی تقسیم نہیں کرے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو نقصان سے بچانے کے لیے مقرر کیا گیا ہے البتہ اگر فروخت کرنے میں فائدہ ہوتا ہو کہ فروخت کر کے کسی ضرورت پر خرچ کرتا ہے تو تقسیم کر دی جائے گی۔

وَيَقْسِمُ الْعُرُوضَ اِذَا كَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَّاحِدٍ وَلَا يَقْسِمُ الْجِنْسَانِ بَعْضُهُمَا فِيْ بَعْضٍ اِلَّا بِتَرَاضِيهِمَا وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ: لَا يَقْسِمُ الرَّقِيْقَ وَلَا الْجَوَاهِرَ، وَلَا يُقْسَمُ حَمَّامٌ وَلَا بِئْرٌ وَلَا رَحًا اِلَّا اَنْ يَّتَرَاضَى الشُّرَكَاءُ وَاِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ وَّاَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِيْ اَيْدِيهِمْ وَمَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَمَهَا الْقَاضِي بِطَلَبِ الْحَاضِرِيْنَ وَنَصَبَ لِلْغَائِبِ وَكِيلًا يَقْبِضُ نَصِيْبَهُ وَاِذَا كَانُوا مُشْتَرِيْنَ لَمْ يَقْسِمْ مَعَ غَيْبَةِ اَحَدِهِمْ وَاِنْ كَانَ الْعَقَارُ فِيْ يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ اَوْ شَيْءٌ مِّنْهُ لَمْ يَقْسِمْ وَاِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَّاحِدٌ لَمْ يَقْسِمْ وَاِذَا كَانَتْ دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ فِيْ مِصْرٍ وَّاحِدٍ قُسِمَتْ كُلُّ دَارٍ عَلَى حِدَتِهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ: اِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِيْ بَعْضٍ قَسَمَهَا وَاِذَا كَانَتْ دَارٌ وَّضِيعَةٌ اَوْ دَارٌ وَّحَانُوتٌ قَسَمَ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا عَلَى حِدَتِهِ

"اور سامان کو تقسیم کر دے جب کہ وہ ایک ہی قسم کا ہو اور دو جنسوں کے سامان میں سے بعض کو بعض میں تقسیم نہ کرے مگر شریکوں کی رضامندی سے اور امام اعظم نے فرمایا کہ غلام اور جوہر کو تقسیم نہیں کیا جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ غلام کو تقسیم کیا جائے گا اور حمام، کنواں اور پن چکی تقسیم نہیں کی جائے گی مگر یہ کہ شرکاء راضی ہو جائیں اور اگر دو وارث قاضی کی خدمت میں آئے اور دونوں وارث کی موت اور ورثاء کی تعداد پر گواہ قائم کریں اور مکان ان کے قبضے میں ہو اور ان کے ساتھ والا ایک وارث غائب ہو تو حاضر ورثا کے مطالبہ پر قاضی اس کو تقسیم کر دے اور غائب کا ایک وکیل مقرر کر دے جو اس کے حصے پر قبضہ کرے اور اگر وہ خریدار ہوں تو قاضی ان میں سے کسی ایک کی عدم موجودگی میں تقسیم نہ کرے اور اگر غائب وارث کے قبضہ میں زمین یا زمین کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہ کرے اور اگر ایک وارث حاضر ہو تو تقسیم نہ کرے اور جب ایک شہر میں چند مشترک مکان ہوں تو امام اعظم کے نزدیک ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر بعض کو بعض تقسیم کرنا بہتر ہو تو ان کو تقسیم کر دے اور اگر مکان اور زمین ہو یا مکان اور دکان ہو تو ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ تقسیم کرے"۔

قولہ:ویقسم الخ:عام سامان کی تقسیم:

نا قابل تقسیم اشیاء:

قولہ:وقال ابو حنیفه الخ:امام اعظم اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب شرکا کل کے بجائے بعض کی تقسیم کا مطالبہ کرتے ہوں اگر باہمی رضامندی ہوتو جائز ہے۔غلام میں تقسیم کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ اکیلے غلام ہوں ساتھ سامان نہ ہو نیز یہ بھی کہ صرف ایک جنس ہو مذکر ہو یا مونث تو امام اعظم کے نزدیک غلام اور جوہر میں تقسیم نہیں کی جائے گی جب کہ صاحبین کے نزدیک غلام میں تقسیم کی جائے گی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے(الترجیح والتصحیح)

قولہ:واذا حضر الخ:غائب ہونے کی صورت میں تقسیم:

مشترکہ مکانوں دکانوں کی تقسیم:

قولہ:واذا كانت الخ:اگر چند مکان چند افراد کے درمیان ایک شہر میں مشترکہ ہوں تو اس صورت میں تقسیم کار میں اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک ہر گھر کو الگ الگ طور پر تقسیم کیا جائے گا جب کہ صاحبین کے نزدیک الگ الگ تقسیم ضروری نہیں بلکہ ایک شریک ایک مکان دوسرا شریک دوسرے مکان کے لحاظ سے اگر مناسب ہو تو تقسیم کر دی جائے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ محل وقوع کی وجہ سے دکان کی قیمت میں فرق ہوتا ہے کہ ایک طرف شارع عام ہو، پڑوسی اچھے ہوں، مسجد قریب ہو، سہولیات ہوں وغیرہ لہٰذا یہ اجناس مختلفہ کے درجہ میں ہیں اگر شریک ایک ایک لینے پر راضی ہو جائیں تو فبہا۔(الترجیح والتصحیح)

اگر گھر، زمین اور دکان مشترکہ ہوں تو الگ الگ تقسیم کیے جائیں گے کہ جنس الگ ہے۔

وَيَنْبَغِي لِلْقَاسِمِ اَنْ يُّصَوِّرَ مَا يَقْسِمُهٗ وَيُعَدِّلَهٗ وَيَذْرَعَهٗ وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَيُفْرِزُ كُلَّ نَصِيْبٍ عَنِ الثَّانِيْ بِطَرِيْقِهٖ وَشِرْبِهٖ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ لِنَصِيْبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيْبِ الْاٰخَرِ تَعَلُّقٌ ثُمَّ يَكْتُبُ اَسْمَاءَهُمْ وَيَجْعَلُهَا قُرْعَةً ثُمَّ يُلَقِّبُ نَصِيْبًا بِالْاَوَّلِ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ بِالثَّانِيْ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ بِالثَّالِثِ وَعَلٰى هٰذَا ثُمَّ يُخْرِجُ الْقُرْعَةَ فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهٗ اَوَّلًا فَلَهُ السَّهْمُ الْاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِيْ وَلَا يُدْخِلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيْرَ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمْ فَاِنْ قَسَمَ بَيْنَهُمْ وَلِاَحَدِهِمْ مَسِيْلٌ فِيْ مِلْكِ الْاٰخَرِ اَوْ طَرِيْقٌ وَّلَمْ يَشْتَرِطْ فِي الْقِسْمَةِ فَاِنْ اَمْكَنَ

صَرْفُ الطَّرِيْقِ وَالْمَسِيْلِ عَنْهُ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَطْرِقَ وَيُسَيِّلَ فِيْ نَصِيْبِ الْآخَرِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فُسِخَتِ الْقِسْمَةُ.

”اور قاسم کو چاہیے کہ وہ اس کا نقشہ بنا لے جس کو اس نے تقسیم کرنا ہے اور اس کو برابر کر لے اور گزوں سے اس کو ناپ لے اور عمارت کی قیمت لگوائے اور ہر ایک کے حصے کو باقی سے اس کے راستے اور نالی سے جدا کرے یہاں تک کہ بعض کے حصے کا دوسرے کے حصے سے کوئی تعلق نہ رہے اور ان کے نام لکھ لے اور قرعہ بنا لے پھر ایک حصے کو پہلے کے ساتھ موسوم کرنے کے ساتھ اس حصے کو اور ان کے نام اس کے برابر دوسرے کو ثانی کے ساتھ اور اس کے برابر والے کو تیسرے کے ساتھ موسوم کرے اور اسی طریقہ پر بعد میں قرعہ کو نکالے اور جس کا نام پہلے نکلے اس کو دوسرا حصہ ملے گا اور تقسیم میں دراہم اور دنانیر داخل نہ ہوں گے مگر ان سب کی مرضی سے اگر مکان ان کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اور کسی ایک کی نالی دوسرے کی ملک میں واقع ہو گئی یا کوئی راستہ جب کہ تقسیم میں اس کی شرط نہیں لگائی گئی پس اگر ایک طرف سے راستہ اور نالی بنانا ممکن ہو تو اس کے لیے جائز نہیں کہ دوسرے کے حصے میں راستہ یا نالی بنائے اور اگر ممکن نہ ہو تو تقسیم فسخ ہو جائے گی“۔

وَإِنْ كَانَ سُفْلٌ لَا عُلُوَّ لَهُ وَعُلُوٌّ لَا سُفْلَ لَهُ وَسُفْلٌ لَهُ عُلُوٌّ قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلَى حِدَتِهِ وَقُسِّمَ بِالْقِيْمَةِ وَلَا يُعْتَبَرُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُوْنَ فَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا وَإِنِ ادَّعَى أَحَدُهُمَا الْغَلَطَ وَزَعَمَ أَنَّهُ أَصَابَهُ شَيْءٌ فِيْ يَدِ صَاحِبِهِ وَقَدْ أَشْهَدَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْاِسْتِيْفَاءِ لَمْ يُصَدَّقْ عَلَى ذٰلِكَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَإِنْ قَالَ: اِسْتَوْفَيْتُ حَقِّيْ ثُمَّ قَالَ: أَخَذْتُ بَعْضَهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ خَصْمِهِ مَعَ يَمِيْنِهِ وَإِنْ قَالَ: أَصَابَنِيْ إِلَى مَوْضِعِ كَذَا وَلَمْ يُسَلِّمْهُ إِلَيَّ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى نَفْسِهِ بِالْاِسْتِيْفَاءِ وَكَذَّبَهُ شَرِيْكُهُ تَحَالَفَا وَفُسِخَتِ الْقِسْمَةُ وَإِذَا اسْتُحِقَّ بَعْضُ نَصِيْبِ أَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ تُفْسَخِ الْقِسْمَةُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَيَرْجِعُ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنْ نَصِيْبِ شَرِيْكِهِ، وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ تُفْسَخُ،

”اور جب نچلی منزل ہو اس کا بالا خانہ نہ ہو اور بالا خانہ ہو جس کی نچلی منزل نہ ہو یا نچلی منزل اور اوپر والی منزلیں ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ قیمت لگائی جائے گی اور قیمت کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا اس کے علاوہ کسی اور طریقے کا اعتبار نہیں ہوگا اور اگر تقسیم کرنے والوں کا اختلاف ہو گیا اور تقسیم کرنے والوں نے گواہی دے دی تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی اگر ان میں سے کسی ایک نے غلطی کا دعویٰ کیا کہ اس کا کچھ حصہ دوسرے کے قبضہ میں چلا گیا ہے حالانکہ وہ خود اپنا حصہ وصول کر لینے کا اقرار کر چکا ہے تو اس کی تصدیق گواہوں کے بغیر نہیں کی جائے گی اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اپنا حق وصول کر لیا ہے اور پھر کہے کہ کچھ لیا ہے تو اس کے مدمقابل کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر کہا کہ مجھے فلاں جگہ تک حصہ بنتا ہے اور وہاں تک میرے حوالے نہیں کیا گیا اور اس نے اپنا پورا حق وصول کرنے کا اقرار نہیں کیا اور اس کو اس کے شریک نے جھٹلا دیا تو دونوں قسمیں کھائیں گے اور تقسیم فسخ ہو جائے گی اور

اگر ان میں سے کسی ایک کا بعض حصے کا حق نکل آیا تو امام اعظم کے نزدیک تقسیم نہیں ٹوٹے گی بلکہ اپنے شریک کے حصے میں سے اپنا حصہ لے لے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی"۔

کئی منزلہ عمارت کی تقسیم:

قوله:واذا كان الخ: متن کا مسئلہ امام محمد کے قول پر ہے یہی مفتیٰ بہ قول ہے کہ قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی جب کہ شیخین کے نزدیک پیائش کے اعتبار سے تقسیم ہوگی۔

قوله:واذا اختلف الخ: تقسیم کے مختلف احکام:

تقسیم کے بعد حق کا نکل آنا:

قوله:وان استحق الخ: امام قدوری نے ذکر کیا ہے کہ تقسیم کے بعد کسی ایک شریک کا کچھ معین حصہ دوسرے شریک کے حصے سے نکل آئے جب کہ صاحب ہدایہ نے ذکر کیا کہ اصل اختلاف یہ نہیں بلکہ یہ ہے کہ بعض غیر معین حصے کا حق نکل آیا تب اختلاف ہے۔ بعض حصہ معین میں سب کے نزدیک تقسیم باطل نہ ہوگی البتہ حصہ غیر معین (شائع) کی صورت میں صحیح قول کے مطابق امام محمد امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں کہ وہ غیر عین کا حق دار نکلنے پر تقسیم باطل نہ ہوگی جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک تقسیم باطل ہو جائے گی۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے (الترجیح والتصحیح، الھدایہ)

کتاب الاکرہ

اکراہ کا لغوی معنی:

جبر و دباؤ یا کسی کو مجبور کرنا۔

اصطلاحی معنی:

اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی غیر کے سبب سے اسی طرح انجام دے کہ اس کی رضامندی ختم اور اختیار فاسد ہو جائے۔

اصطلاحات:

جبر کرنے والے کو مُکْرِہٌ اور جس پر جبر کیا جائے سے مُکْرَہٌ کہا جاتا ہے۔

اکراہ کی اقسام:

اکراہ (جبر) کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) اکراہ تام، (اکراہ ملجی) (ب) اکراہ ناقص (اکراہ غیر ملجی) اکراہ تام یہ ہے کہ جس جبر میں انسان اپنی جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کے اندیشے میں مبتلا ہو اس کو "اکراہ مسلوب الاختیار" کہا جاتا ہے۔ اکراہ ناقص یہ ہے کہ جس جبر میں جان یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو محض ڈرانا، دھمکانا ہو اس کو "اکرہ مسلوب الرضا" کہا جاتا ہے۔

اَلْاِكْرَاهُ يَثْبُتُ حُكْمُهُ اِذَا حَصَلَ مِمَّنْ يَقْدِرُ عَلٰى اِيْقَاعِ مَا تَوَعَّدَ بِهٖ سُلْطَانًا كَانَ اَوْ لِصًّا وَاِذَا اُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ مَالِهٖ اَوْ عَلٰى شِرَاءِ سِلْعَةٍ اَوْ عَلٰى اَنْ يُقِرَّ لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ يُؤَاجِرَ دَارَهٗ وَاُكْرِهَ عَلٰى ذٰلِكَ بِالضَّرْبِ الشَّدِيْدِ اَوْ بِالْقَتْلِ اَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ اَوِ اشْتَرٰى فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الْبَيْعَ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهٗ وَرَجَعَ بِالْمَبِيْعِ وَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ اَجَازَ الْبَيْعَ وَاِنْ كَانَ قَبَضَهٗ مُكْرَهًا فَلَيْسَ بِاِجَازَةٍ وَعَلَيْهِ رَدُّهٗ اِنْ كَانَ قَائِمًا فِيْ يَدِهٖ وَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِ الْمُشْتَرِيْ وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيْمَتَهٗ لِلْبَائِعِ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ اِنْ شَاءَ

"اکراہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے جب کہ اکراہ ایسے شخص سے حاصل ہو کہ وہ جس بات کی دھمکی دیتا ہے اس کے انجام پر قادر ہو خواہ دھمکی دینے والا بادشاہ ہو یا چور اگر کسی شخص کو اپنے مال کو فروخت کرنے یا کوئی مال خریدنے کے واسطے مجبور کیا گیا ہو یا اس بات پر مجبور کیا گیا کہ کسی کے لیے ایک ہزار درہم کا اقرار کرنے یا اپنا مکان کرائے پر دے دے اور ان چیزوں پر قتل کر دینے یا سخت مارنے یا قید کر دینے کی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا گیا پھر اس نے فروخت کر دیا یا خرید لیا تو اس کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو بیع کو جائز رکھے اور اگر چاہے تو اس کو فسخ کر دے اور مبیع واپس لے لے۔ پس اگر اس نے قیمت پر خوشی

سے قبضہ کرلیا تو اس نے بیع کو جائز قرار دیا اور اگر اس نے مجبور ہو کر قبضہ کیا تو اجازت نہ ہوگی اور اس پر قیمت تو واپس کرنا ہوگی اگر اس کے قبضہ میں ہو اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ سے ہلاک ہوگئی اور مشتری مجبور نہ کیا گیا ہو تو بائع کے لیے اس کی قیمت کا ضمان ہوگا اور مکرہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو مکرہ سے قیمت کا تاوان لے لے''۔

وجود اکراہ کے لیے شرط:

قولہ:الا کراہ الخ: اکراہ کے تحقق کی شرط یہ ہے کہ جبر کرنے والا جس فعل کی دھمکی دے رہا ہے وہ اس کو کر گزرنے پر قادر بھی ہو چاہے بادشاہ ہو یا کوئی اور یہ صاحبین کا قول ہے یہی مفتی بہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک صرف بادشاہ مکرہ ہو سکتا ہے۔

حالت اکراہ میں نافذ نہ ہونے والے امور:

قولہ:واذا کراہ الخ: یہ مسائل اس اصول پر مبنی ہیں کہ ''ہر ایسا عقد جو زبان سے نکلتے ہی منعقد ہو جاتا ہو چاہے رضا ہو، مذا قاً ہو یا جبراً ہو تو مجبور کرنے پر واقع ہو جاتے ہیں۔'' مثلاً نکاح، طلاق، رجعت ان کے دلائل کتاب الطلاق میں گزر چکے ہیں۔

اگر ایسے امور ہوں کہ جن میں رضامندی ضروری ہو ان میں جبر سے کام لیا گیا تو عاقل و بالغ ہونے کی وجہ سے ایجاب و قبول ہو جائے گا مگر عقد لازم نہ ہوگا اس کو بعد میں فسخ پر اختیار رہے گا۔ مثلاً بیع و شرا، اجارہ، اقرار وغیرہ

۱۔ اگر بیع حالت اکراہ میں ہوئی لیکن مبیع سپرد حالت رضا میں ہوئی یا ثمن پر قبضہ حالت رضا میں ہوا تو بیع نافذ ہوگئی اگر ثمن پر قبضہ حالت اکراہ میں ہو تو بیع نافذ نہ ہوگی، ثمن واپس کرنا ہوگا۔

۲۔ اگر بائع مجبور ہو اور مشتری غیر مجبور ہو اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو بائع کو اختیار ہے کہ مشتری سے مبیع کا ضمان وصول کرلے یا مکرہ سے ضمان وصول کرلے اور مکرہ بعد میں مشتری سے رجوع کرلے۔

وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَى أَنْ يَأْكُلَ الْمَيْتَةَ أَوْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ فَإِذَا أُكْرِهَ عَلَى ذٰلِكَ بِضَرْبٍ أَوْ حَبْسٍ أَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ لَهُ إِلَّا أَنْ يُكْرَهَ عَلَيْهِ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ فَإِذَا خَافَ ذٰلِكَ وَسِعَهُ أَنْ يُقْدِمَ عَلَى مَا أُكْرِهَ عَلَيْهِ وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللهِ تَعَالَى أَوْ سَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَبْسٍ أَوْ قَيْدٍ أَوْ ضَرْبٍ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ بِإِكْرَاهٍ حَتّٰى يُكْرَهَ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ فَإِذَا خَافَ ذٰلِكَ وَسِعَهُ أَنْ يُظْهِرَ مَا أَمَرُوهُ بِهِ فَإِذَا أَظْهَرَ ذٰلِكَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ فَلَا إِثْمَ وَإِنْ أُكْرِهَ عَلَى إِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِأَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَلَى عُضْوٍ مِنْ أَعْضَائِهِ وَسِعَهُ أَنْ يَفْعَلَ ذٰلِكَ وَلِصَاحِبِ الْمَالِ أَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ

''اور اگر کوئی مردار کھانے اور شراب پینے پر مجبور کیا گیا اور ان امور پر قید کرنے یا مارنے کی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا گیا تو اس کے لیے یہ حلال نہیں مگر یہ کہ ایسی دھمکی کے ساتھ مجبور کیا گیا جس سے اپنی جان یا عضو کے ضائع ہونے کا خوف ہو لہٰذا اس کے لیے ان چیزوں پر اقدام کرنے کی گنجائش ہے جس پر اس کو مجبور کیا گیا اب اگر اس نے صبر کیا وہ لوگ اپنا کام کر گزرے اور اس نے ان چیزوں کو نہ کھایا تو گنہگار ہوگا اور اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے پر قید کرنے

یا مارنے کے ذریعے مجبور کیا تو یہ اکراہ نہیں یہاں تک کہ ایسی چیزوں سے مجبور کرے کہ اس سے اپنی جان کو خطرہ ہو یا کسی عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس چیز کو ظاہر کردے جس کا ان لوگوں نے حکم دیا اور توریہ کرے اور جب وہ اسے ظاہر کرے اور اس کا دل مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا گیا اور کفر کو ظاہر نہ کیا تو اجر ملے گا اور اگر کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا ایسی دھمکی سے جس سے جان یا اعضاء میں سے کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے لیے یہ کام کرنے کی گنجائش ہے اور مال والا مجبور کرنے والے سے تاوان لے لے"۔

مردار کھانے اور شراب پینے پر اکراہ:

قولہ:وان اکرہ الخ: اگر اکراہ تام (اکراہ ملجی) ہے تو مردار کھانے اور شراب پینے کی گنجائش ہے مگر یہ احتیاط رہے کہ ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے لیکن اگر استعمال نہ کرے اور اس کو قتل کر دیا جائے یا عضو کاٹ دیا جائے تو گنہگار ہو گا۔ اگر اکراہ ناقص ہے تو ان کا کھانا اور پینا حلال نہیں۔

کفر پر اکراہ:

قولہ:واذا اکرہ الخ: اگر کسی کو کفر کہنے پر مجبور کیا گیا تو دیکھا جائے گا کہ اکراہ تام ہے یا اکراہ ناقص اگر اکراہ ناقص ہے تو کلمہ کفر کہنے کی اجازت نہیں۔ اگر اکراہ تام ہے تو ظاہراً کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے۔ بشرطیکہ دل میں ایمان مضبوط ہو جیسے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یوں ہی ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اور اگر اکراہ تام کی صورت میں کلمہ کفر نہ کیا لیکن اپنی جان دے دی تو عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہو گا جیسے کہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مال تلف کرنے پر اکراہ:

قولہ:وان اکرہ الخ: متن و ترجمہ سے مسئلہ و حکم واضح ہے۔

وَاِنْ اُكْرِهَ بِقَتْلٍ عَلٰى قَتْلِ غَيْرِهٖ لَا يَسَعُهٗ قَتْلُهٗ بَلْ يَصْبِرُ حَتّٰى يُقْتَلَ فَاِنْ قَتَلَهٗ كَانَ آثِمًا وَيُعَزَّرُ وَالْقِصَاصُ عَلَى الَّذِىْ اَكْرَهَهٗ اِنْ كَانَ الْقَتْلُ عَمْدًا،وَاِنْ اُكْرِهَ عَلٰى طَلَاقِ امْرَاَتِهٖ اَوْ عِتْقِ عَبْدِهٖ فَفَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ مَا اُكْرِهَ عَلَيْهِ وَيَرْجِعُ عَلَى الَّذِىْ اَكْرَهَهٗ بِقِيْمَةِ الْعَبْدِ وَيَرْجِعُ بِنِصْفِ مَهْرِ الْمَرْاَةِ اِذَا كَانَ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَاِنْ اَكْرَهَهٗ عَلَى الزِّنَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يُكْرِهَهُ السُّلْطَانُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا يَلْزَمُهُ الْحَدُّ وَاِذَا اُكْرِهَ عَلَى الرِّدَّةِ لَمْ تَبِنْ مِنْهُ امْرَاَتُهٗ.

"اور اگر کسی کو قتل کی دھمکی دے کر دوسرے کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لیے اس شخص کو قتل کرنا جائز نہیں ہو گا بلکہ جبر کرے یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر اس نے اس کو قتل کر دیا تو قاتل گنہگار ہو گا اور قصاص اس پر ہو گا جس نے اس کو مجبور کیا ہے اگر قتل عمد ہو۔ اور اگر اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے ایسا کر لیا

جس پر مجبور کیا گیا تو واقع ہو جائے گا اور غلام کی قیمت کا رجوع کرے گا اس سے کہ جس نے اس کو مجبور کیا ہے اور عورت کے نصف مہر کا رجوع کرے گا اگر صحت سے پہلے طلاق دی ہو اور اگر زنا پر مجبور کیا گیا تو امام اعظم کے نزدیک اس کو حد لگے گی مگر یہ کہ اس کو بادشاہ نے مجبور کیا ہو اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کو حد نہیں لگے گی اور جب مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اس سے اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی"۔

قتل پر اکراہ:

قولہ:وان اکرہ بقتل الخ: متن و ترجمہ سے دیکھ لیں۔

جو امور اکراہ میں نافذ ہوتے ہیں:

قولہ:وان اکرہ علی طلاق الخ: امام قدوری نے طلاق اور عتاق کا ذکر کیا ہے بلکہ فقہاء کرام نے بیس چیزیں ذکر کی ہیں جو ارادۃً، مزاحاً اور اکراہاً نافذ ہو جاتی ہے ان کو اشعار میں بیان کیا ہے۔

طلاق و ایلا و ظهار و رجعته نکاح مع استیلاد و عفو عن العبد
رضاع و آیمان و فئی و نذره قبول الایداع کذا الصلح عن العمد
طلاق علی جعل یمین به اتت کذا العتق والاسلام تدبیر للعبد
وایجاب احسان و عتق فهده تصح مع الاکراه عشرین فی العد

باقی طلاق جبراً لینے کی بحث کتاب الطلاق کے تحت دیکھ لی جائے۔

زنا پر اکراہ:

قولہ:وان اکرہ علی الزنا الخ: اگر کسی نے زنا پر مجبور کر کے اس سے زنا کروالیا تو کیا اس پر حد زنا لگے گی یا نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک اگر جبر کرنے والا بادشاہ ہے تو اکراہ کے تحقق پر حد زنا جاری نہ ہوگی اگر بادشاہ کے علاوہ نے اکراہ کیا تو ان کے نزدیک عدم تحقق کی وجہ سے حد زنا جاری ہوگی۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک چاہے بادشاہ یا غیر بادشاہ ہو اکراہ کے تحقق کے بعد مکرہ پر حد جاری نہ ہوگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اختلاف اس میں ہے کہ شرعاً اکراہ کب ہوگا اور اس میں اختلاف نہیں کہ اکراہ کے تحقق کے بعد حد نہیں۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:۔

فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (الفتویٰ علی قولهما فی الترجیح والتصحیح)

ارتداد پر اکراہ:

قولہ:واذا کراہ الخ: دل سے کفر کا اعتقاد نہیں اس لیے بیوی جدا نہ ہوگی نہ نکاح ٹوٹے گا۔

کتاب السِیَر

سِیَر:

یہ سیرت کی جمع ہے جس کے معنی عادت اور اخلاق کے ہیں لیکن اب یہ لفظ جہاد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

جہاد کا لغوی معنی:

کوشش ومحنت کا ہے۔

اصطلاحی معنی:

"اللہ کے دین کی سربلندی (اعلاء کلمۃ الحق) کے لیے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا جہاد ہے"۔

تعریف کی روشنی میں مسلکی جنگ کی حیثیت:

اصطلاحی تعریف سے معلوم ہوا کہ کلمۃ الحق (دین) کی سربلندی کے لیے کفار سے جنگ کرنا جہاد شرعی ہے لہٰذا فقہی اختلاف کی بنا پر اپنے فریق مخالف کو بزعم خویش جہاد کا مصرف سمجھ کر نوجوانوں کو اکسانا اور ان سے قتل کی کارروائی کروا کر غازی یا شہید کا درجہ دلانا اس کا شرعی جہاد سے کوئی تعلق نہیں یہ محض خون خرابہ ہے، فساد وفتنہ ہے جہاد وہی ہے جو حقیقی کافروں اور مشرکوں کے خلاف کیا جائے۔

جہاد کی شرعی حیثیت:

اگر کافر مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو ان کے مقابلے کے لیے نکلنا جہاد دفاعی ہے یہ سب پر فرض عین ہو جاتا ہے اور عام حالات میں کافروں کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول نہ کریں تو ان کے خلاف جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ جو جہاد اقدامی کہلاتا ہے۔ جہاد دفاعی کی مثال فتح مکہ اور غزوہ احد ہے جب کہ جہاد اقدامی کی مثال غزوہ بدر ہے۔ اب تو ورلڈ قانون کے تحت دوسرے ملک پر چڑھائی کرنا بین الاقوامی معاہدہ کے تحت جرم ہے۔

آج امت مسلمہ کا حال زار:

جب تک امت مسلمہ کلمۃ الحق کے لیے کفر اور باطل قوتوں سے برسر پیکار رہی تو دنیا میں عزت ووقار کے ساتھ زندہ رہی۔ جب اس نے جہاد چھوڑ دیا۔ عیش وطرب کی زندگی اختیار کر لی، آرام اور تن آسانی کی زندگی اپنالی، میوزک فلموں، فحاشی اور نیم عریاں تہذیب کا دلدادہ ہوئی تو کفر اور باطل نے ان کے مسلکی اختلاف کو جعلی جہاد کے روپ دھار کر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے خون بہا رہا ہے اور کفر خود منصف وجج بنا ہوا ہے کبھی مسلمانوں کو ڈھال بنا کر کبھی ایک مسلمان ریاست پر حملہ آور ہوتا ہے اس کی طاقت توڑنے کے بعد دوسری پھر تیسری اس طرح مشن آگے بڑھاتا ہے جس طرح افغانستان، عراق، شام، یمن اور برما کی حالتِ زار ہے۔

اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ فَإِنْ لَّمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ عَلَيْنَا وَإِنْ لَّمْ يَبْدَءُ وْنَا وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلَى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا أَعْمَى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا أَقْطَعَ فَإِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلَى بَلَدٍ وَجَبَ عَلَى جَمِيْعِ النَّاسِ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ إِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ، وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُوْنَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِيْنَةً أَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوْهُمْ كَفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ وَإِنِ امْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ إِلَى أَدَاءِ الْجِزْيَةِ فَإِنْ بَذَلُوْهَا فَلَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْهِمْ وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يُّقَاتِلَ مَنْ لَّمْ تَبْلُغْهُ دَعْوَةُ الْإِسْلَامِ إِلَّا بَعْدَ أَنْ يَّدْعُوَهُمْ وَإِنِ امْتَنَعُوْا قَاتَلُوْهُمْ

”جہاد فرض کفایہ ہے جب ایک جماعت جہاد کرلے تو باقیوں سے ذمہ ساقط ہوجاتا ہے اور اگر اس کو کوئی بھی نہ کرے تو اس کے چھوڑنے کی وجہ سے تمام لوگ گنہگار رہوں گے اور کفار سے قتال کرنا واجب ہے اگر چہ کفار ہم سے ابتدا نہ کریں اور بچے پر، غلام پر، عورت پر، اندھے پر، اپاہج پر اور لنگڑے پر جہاد فرض نہیں۔ پس اگر دشمن کسی شہر پر اچانک حملہ کردے تو جوابی کارروائی سب مسلمانوں پر واجب ہوجاتی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکلے اور جب مسلمان دارالحرب میں داخل ہوجائیں اور وہ کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرلیں تو ان کو اسلام کی دعوت دیں گے اگر وہ تسلیم کرلیں تو ان سے قتال کرنے سے رک جائیں اور اگر وہ قبول اسلام سے رک جائیں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کی دعوت دیں پس اگر وہ جزیہ دے دیں تو ان کے لیے وہی ہے جو مسلمانوں کے لیے ہے اور ان پر وہ سب کچھ ہوگا جو مسلمانوں پر ہوتا ہے اور ان لوگوں سے قتال کرنا جائز نہیں کہ جن کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو البتہ ان کو اسلام کی دعوت دینے کے بعد“۔

قوله:الجهاد الخ:جہاد کا شرعی حکم

قوله:ولا يجب الخ:جن پر جہاد نہیں:

قوله:فان هجم الخ:دشمن حملہ آور ہونے پر جہاد کا حکم:

قوله:واذا دخل الخ:جہادی کارروائی کی ترتیب:

عنوانات دے دیے ہیں نفس مسئلہ عبارت وترجمہ سے دیکھ لیں۔

وَيُسْتَحَبُّ أَنْ يَّدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَلَا يَجِبُ ذٰلِكَ فَإِنْ أَبَوْا اسْتَعَانُوْا عَلَيْهِمْ بِاللهِ تَعَالٰى وَنَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ وَحَرَّقُوْهُمْ وَأَرْسَلُوْا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوْا شَجَرَهُمْ وَأَفْسَدُوْا زَرْعَهُمْ وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ وَإِنْ كَانَ فِيْهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيْرٌ أَوْ تَاجِرٌ فَإِنْ تَتَرَّسُوْا بِصِبْيَانِ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ بِالْأُسَارٰى لَمْ يَكُفُّوْا عَنْ رَمْيِهِمْ وَيَقْصِدُوْنَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ وَلَا بَأْسَ بِإِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ إِذَا كَانَ عَسْكَرٌ عَظِيْمٌ يُؤْمَنُ مَعَهُمْ

وَیُکْرَہُ اِخْرَاجُ ذٰلِكَ فِیْ سَرِیَّةٍ لَا یُؤْمَنُ عَلَیْهَا، وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ اِلَّا بِاِذْنِ سَیِّدِهٖ اِلَّا اَنْ یَّهْجُمَ الْعَدُوُّ وَیَنْبَغِیْ لِلْمُسْلِمِیْنَ اَنْ لَّا یَغْدِرُوا وَلَا یَغُلُّوا وَلَا یُمَثِّلُوا وَلَا یَقْتُلُوا امْرَأَةً وَّلَا صَبِیًّا وَلَا مَجْنُوْنًا وَلَا شَیْخًا فَانِیًا وَلَا اَعْمٰی وَلَا مُقْعَدًا اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ اَحَدُ هٰؤُلَاءِ مِمَّنْ لَّهٗ رَأْیٌ فِی الْحَرْبِ اَوْ تَکُوْنُ الْمَرْأَةُ مَلِکَةً وَّلَا یَقْتُلُوا مَجْنُوْنًا،

''اور دعوت دینا ایسے شخص کو مستحب ہے کہ جس کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو اور یہ واجب نہیں اب اگر وہ انکار کریں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف مدد مانگ کر ان سے لڑائی کریں اور ان پر منجنیقیں نصب کریں اور ان کو جلائیں اور ان پر پانی چھوڑیں اور ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں اور ان کی کھیتیاں اجاڑ دیں اور ان پر تیر برسانے میں کوئی حرج نہیں اگر چہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا تاجر ہو اور اگر وہ مسلمانوں کے بچوں اور قیدیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں تب بھی تیر برسانے سے نہ رکیں اور تیر برسانے میں کفار کا ارادہ کریں مسلمانوں کا نہیں اور عورتوں اور قرآن مجید کو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ لے جانے میں کوئی حرج نہیں جب کہ لشکر اتنا بڑا ہو کہ اس پر اطمینان ہو اور ان کو چھوٹے لشکر میں لے جانا مکروہ ہے جس پر اطمینان نہ ہو اور عورت اپنے خاوند کی اجازت اور غلام اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر قتال نہیں کریں گے مگر یہ کہ دشمن اچانک حملہ آور ہو جائے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نہ دغا کریں اور نہ خیانت کریں اور نہ مثلہ کریں اور نہ عورت اور بچے کو قتل کریں اور نہ زیادہ بوڑھے کو اور نہ نابینے کو اور نہ اپاہج کو مگر یہ کہ ان میں سے کوئی ایک جو جنگی معاملات میں ذی رائے ہو یا عورت ملکہ ہو اور نہ ہی دیوانے کو قتل کر دیں''۔

جہادی کارروائی کے بقیہ احکام:

قوله:ویستحب الخ: مسائل متن سے واضح ہیں تاہم منجنیقوں سے مراد دورِ حاضر میں بم ہے اور تیر کا متبادل گن ہے۔

قوله:ولا بأس الخ: عورت اور قرآن پاک کو ساتھ لے جانے کا حکم:

قوله:وینبغی الخ: اسلام کے جنگی مہذب قوانین:

وَاِذَا رَاَی الْاِمَامُ اَنْ یُّصَالِحَ اَهْلَ الْحَرْبِ اَوْ فَرِیْقًا مِنْهُمْ وَکَانَ فِیْ ذٰلِكَ مَصْلَحَةٌ لِلْمُسْلِمِیْنَ فَلَا بَأْسَ بِهٖ فَاِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَاٰی اَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ اَنْفَعُ نَبَذَ اِلَیْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ فَاِنْ بَدَءُوا بِخِیَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ یَنْبِذْ اِلَیْهِمْ اِذَا کَانَ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ وَاِذَا خَرَجَ عَبِیْدُهُمْ اِلٰی عَسْکَرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَهُمْ اَحْرَارٌ وَّلَا بَأْسَ اَنْ یَّعْلِفَ الْعَسْکَرُ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ وَیَأْکُلُوا مِمَّا وَجَدُوْهُ مِنَ الطَّعَامِ وَیَسْتَعْمِلُوا الْحَطَبَ وَیَدْهُنُوا بِالدُّهْنِ وَیُقَاتِلُوْنَ بِمَا یَجِدُوْنَهٗ مِنَ السِّلَاحِ کُلُّ ذٰلِكَ بِغَیْرِ قِسْمَةٍ وَّلَا یَجُوْزُ اَنْ یَّبِیْعُوا شَیْئًا مِنْ ذٰلِكَ وَلَا یَتَمَوَّلُوْنَهٗ فَاِنْ اَسْلَمَ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اَحْرَزَ بِاِسْلَامِهٖ نَفْسَهٗ وَاَوْلَادَهُ الصِّغَارَ وَکُلَّ مَالٍ هُوَ فِیْ یَدِهٖ اَوْ وَدِیْعَةٍ فِیْ یَدِ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّیٍّ فَاِنْ ظَهَرْنَا عَلَی الدَّارِ فَعَقَارُهٗ فَیْءٌ وَزَوْجَتُهٗ فَیْءٌ وَحَمْلُهَا فَیْءٌ وَاَوْلَادُهُ الْکِبَارُ فَیْءٌ

''اور اگر امام اہل حرب یا ان کے کسی فریق سے صلح کرنے میں مصلحت سمجھے اور اس میں مسلمانوں کے لیے مصلحت ہو پھر ایک مدت کی صلح ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر صلح کو توڑنا نفع بخش سمجھے تو صلح توڑ دے اور ان سے قتال کرے اور اگر کفار پہلے قتال کریں تو ان سے قتال کرے اور ان کو صلح توڑنے کی اطلاع نہ دے جب کہ یہ سب ان کے اتفاق سے ہو اور جب ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر میں آ جائیں تو وہ آزاد ہیں اور اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ دارالحرب میں لشکر اپنے جانوروں کو چارہ کھلائیں اور جو کھانا پائیں اس کو کھلائیں اور لکڑی کو کام میں لائیں اور تیل کو استعمال کریں اور جو ہتھیار حاصل ہوں ان سے جہاد کریں اور یہ سب بغیر تقسیم کے ہے اور ان میں سے کسی چیز کا فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ اپنے لیے ذخیرہ کریں اور ان میں سے جو بھی اسلام لائے وہ اسلام کی وجہ سے اپنی ذات کو اپنی چھوٹی اولاد اور ہر اس مال کو جو اس کے قبضہ میں ہے یا امانت جو کسی مسلمان یا ذمی کے پاس ہے محفوظ کرے گا اور اگر ہم مسلمان ان پر غالب آ جائیں تو اس کی زمین، اس کی بیوی، اس کا حمل اور اس کی بڑی اولاد سب غنیمت ہیں''۔

قوله: وان رای الامام الخ: دشمن سے صلح کا حکم:

قوله: ولا بأس الخ: کافروں کی چیزیں حالت جنگ میں استعمال کرنا:

وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُفَادُوْنَ بِالْاُسَارٰى عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا بَأْسَ اَنْ يُّفَادٰى بِهِمْ اُسَارَى الْمُسْلِمِيْنَ، وَلَا يَجُوْزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ، وَاِذَا فَتَحَ الْاِمَامُ بَلَدًا عَنْوَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَسَمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ وَاِنْ شَاءَ اَقَرَّ اَهْلَهَا عَلَيْهَا وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلٰى اَرَاضِيْهِمُ الْخَرَاجَ وَهُوَ فِي الْاُسَارٰى بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ اسْتَرَقَّهُمْ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ اَحْرَارًا ذِمَّةً لِّلْمُسْلِمِيْنَ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّرُدَّهُمْ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ وَاِذَا اَرَادَ الْاِمَامُ الْعَوْدَ اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلٰى نَقْلِهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَقَهَا وَلَا يَعْقِرُهَا وَلَا يَتْرُكُهَا، وَلَا يَقْسِمُ غَنِيْمَةً فِيْ دَارِ الْحَرْبِ حَتّٰى يُخْرِجَهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ وَالرِّدْءُ وَالْمُبَاشِرُ سَوَاءٌ فَاِنْ لَحِقَهُمْ مَدَدٌ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ اَنْ يُّحْرِزُوا الْغَنِيْمَةَ بِدَارِ الْاِسْلَامِ شَارَكُوْهُمْ فِيْهَا وَلَا حَقَّ لِاَهْلِ سُوْقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيْمَةِ اِلَّا اَنْ يُّقَاتِلُوْا،

''اور مناسب نہیں کہ اہل حرب کے ہاتھ ہتھیار فروخت کیے جائیں اور نہ ہی ان کی طرف اسباب کو لے جایا جائے ان کو قیدیوں کے عوض رہا نہ کیا جائے امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ان کو قیدیوں کے بدلے میں رہا کیا جائے اور ان پر احسان کرنا جائز نہیں اور جب امام کسی شہر کو زبردستی فتح کر لے تو امام کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو غازیوں میں تقسیم کر دے اور اگر چاہے تو شہر والوں کو اس شہر پر برقرار رکھے اور ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کرے اور قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے۔ اگر چاہے تو ان کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو ان کو غلام بنا لے اور اگر چاہے تو ان کو مسلمانوں کے لیے ذمی بنا کر چھوڑ دے اور ان کو دارالحرب کی طرف واپس کرنا جائز نہیں اور جب امام دارالسلام آنا چاہے اور اس کے ساتھ

مویشی ہوں جن کو دارالاسلام منتقل کرنے پر قادر نہ ہو تو ان کو ذبح کر دے اور ان کو جلا دے اور ان کی کونچے کاٹے اور نہ ان کو یوں ہی چھوڑ دے اور غنیمت کو دارالحرب میں تقسیم نہ کرے یہاں تک کہ اس کو دارالاسلام کی طرف لے آئے اور مدد کرنے والا اور لڑنے والا دونوں برابر ہیں اور جب ان کو دارالحرب میں مدد پہنچے دارالاسلام میں غنیمت کو لانے سے پہلے تو مدد کرنے والے غنیمت میں شریک ہوں گے اور لشکر کے بازار والوں کا غنیمت میں کوئی حق نہیں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں"۔

کفار کے قیدی اور اسلحہ:

قولہ:ولا ینبغی الخ: باقی مسئلہ تو متن سے واضح ہے تاہم مختلف فیہ مسئلہ میں ترجیح امام اعظم کے قول کو ہے اس پر فقہی قاعدہ دلیل ہے یتحمل الضرر الخاص لدفع الضرر العام" کہ ضرر خاص کو برداشت کر کے ضرر عام کو دور کیا جائے گا (الترجیح والتصحیح الھندیہ)

قولہ:واذافتح الخ: مفتوحہ شہر وقیدی:

قولہ:واذا الخ: غنیمت کے مویشی اور تقسیم کی جگہ:

وَاِذَا اٰمِنَ رَجُلٌ حُرٌّ اَوِ امْرَاَۃٌ حُرَّۃٌ کَافِرًا اَوْ جَمَاعَۃً اَوْ اَھْلَ حِصْنٍ اَوْ مَدِیْنَۃٍ صَحَّ اَمَانُھُمْ وَلَا یَجُوْزُ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ قِتَالُھُمْ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ فِیْهِ مَفْسَدَۃٌ فَیَنْبِذُ اِلَیْھِمُ الْاِمَامُ وَلَا یَجُوْزُ اَمَانُ ذِمِّیٍّ وَلَا الْاَسِیْرِ وَلَا التَّاجِرِ الَّذِیْ یَدْخُلُ عَلَیْھِمْ وَلَا یَجُوْزُ اَمَانُ الْعَبْدِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اِلَّا اَنْ یَّاْذَنَ لَهٗ مَوْلَاهُ فِی الْقِتَالِ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ یَصِحُّ اَمَانُهٗ وَاِذَا غَلَبَ التُّرْکُ عَلَی الرُّوْمِ فَسَبَوْھُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَھُمْ مَلَکُوْھَا فَاِنْ غَلَبْنَا عَلَی التُّرْکِ حَلَّ لَنَا مَا نَاْخُذُهٗ مِنْ ذٰلِکَ فَاِنْ غَلَبُوْا عَلٰی اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْھَا بِدَارِھِمْ مَلَکُوْھَا فَاِنْ ظَھَرَ عَلَیْھَا الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدُوْھَا قَبْلَ الْقِسْمَۃِ فَھِیَ لَھُمْ بِغَیْرِ شَیْءٍ وَّاِنْ وَجَدُوْھَا بَعْدَ الْقِسْمَۃِ اَخَذُوْھَا بِالْقِیْمَۃِ اِنْ اَحَبُّوْا وَاِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرٰی ذٰلِکَ بِثَمَنٍ وَّاَخْرَجَهٗ اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ فَمَالِکُهُ الْاَوَّلُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِالثَّمَنِ الَّذِی اشْتَرَاهُ التَّاجِرُ بِهٖ وَاِنْ شَاءَ تَرَکَهٗ وَلَا یَمْلِکُ عَلَیْنَا اَھْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَۃِ مُدَبَّرِیْنَا وَاُمَّھَاتِ اَوْلَادِنَا وَمُکَاتَبِیْنَا وَاَحْرَارَنَا وَنَمْلِکُ عَلَیْھِمْ جَمِیْعَ ذٰلِکَ وَاِذَا اَبَقَ عَبْدُ الْمُسْلِمِ فَدَخَلَ اِلَیْھِمْ فَاَخَذُوْهُ لَمْ یَمْلِکُوْهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ فَاِنْ نَدَّ اِلَیْھِمْ بَعِیْرٌ فَاَخَذُوْهُ مَلَکُوْهُ۔

"اور جب ایک آزاد مرد یا آزاد عورت نے کسی کافر یا جماعت یا شہر یا قلعہ والوں کو امن دے دیا تو اس کا امن دینا صحیح ہوگا اور مسلمانوں میں سے کسی ایک کے لیے ان کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو پس امام ان کے امن کو توڑ دے اور کسی ذمی کا امن دینا جائز نہیں اور نہ ہی قیدی کا اور نہ اس تاجر کا جو ان کے ہاں جاتا رہتا ہو اور امام اعظم کے نزدیک عبد محجور علیہ کا امن دینا جائز نہیں مگر یہ کہ آقا نے اس کو لڑنے کی اجازت دے دی ہو اور صاحبین نے فرمایا اس

کا امن دینا صحیح ہے اور جب ترکی رومیوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کرلیں اور ان کے احوال لے لیں تو وہ ان کے مالک ہوجائیں گے اور اگر ہم ترکیوں پر غالب آجائیں تو ہمارے لیے وہ سب کچھ حلال ہوگا۔ جس کو ہم پالیں اور جب وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور ان اموال کو دارالحرب لے جائیں تو وہ ان کے مالک ہوجائیں گے پھر اگر حربی پر مسلمان غالب آجائیں اور وہ مال تقسیم سے پہلے پالیں تو وہ ان کے مالکوں کا بغیر عوض کے ہوگا اور اگر وہ اس مال کو تقسیم کے بعد پالیں تو اس کو قیمت کے بدلے میں لے سکتے ہیں اگر چاہیں اور اگر کوئی تاجر دارالحرب میں آگیا اور اس نے وہ مال خرید لیا اور دارالسلام میں لے آیا تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اس کو اس کی قیمت دے کر لے لے جس کے بدلے میں وہ قیمت دے کر لایا ہے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور اہل حرب ہم پر غالب آکر ہمارے مدبروں اور ام ولدوں اور مکاتبوں اور آزاد کے مالک نہ ہوں گے اور ہم ان سب کے مالک ہوجائیں گے اور اگر مسلمان کا غلام بھاگ کر دارالحرب میں چلا جائے اور وہ اسے پکڑ لیں تو حربی لوگ امام اعظم کے نزدیک غلام کے مالک نہ ہوں گے اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ لوگ غلام کے مالک ہوجائیں گے اور اگر کوئی اونٹ بدک کر دارالحرب میں چلا جائے اور وہ لوگ اس کو پکڑ لیں تو وہ لوگ اس اونٹ کے مالک ہوجائیں گے"۔

کون امن دے سکتا ہے کون نہیں؟

قولہ:واذا امن الخ: پہلے مسائل تو واضح ہیں آخری مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ امان عقود میں سے ایک عقد ہے اور اصول ہے کہ "عبد محجور کا عقد درست نہیں ہوتا" لہٰذا اس کا امان دینا بھی درست نہیں۔ (الترجیح و التصحیح، خانیہ)

قولہ:واذا غلب الخ: مسلمان کی کافر کی چیز پر ملکیت کب آتی ہے؟

قولہ:واذابق الخ: بھاگے ہوئے اونٹ یا غلام پر کفار کی ملکیت:

اس میں مختلف مسئلہ غلام کے متعلق ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عبد آبق دارالسلام سے دارالحرب بھاگنے پر بمنزلہ آزاد کے ہے۔

(الترجیح والتصحیح)

وَاِذَا لَمْ یَكُنْ لِلْاِمَامِ حَمُولَةٌ یَحْمِلُ عَلَیْهَا الْغَنِیْمَةَ قَسَّمَهَا بَیْنَ الْغَانِمِیْنَ قِسْمَةَ اِیْدَاعٍ لِیَحْمِلُوْهَا اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ یَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ وَیَقْسِمُهَا وَلَا یَجُوْزُ بَیْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِیْنَ فِیْ دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ اِخْرَاجِهَا فَلَا حَقَّ لَهٗ فِی الْغَنِیْمَةِ وَمَنْ مَاتَ

مِنْهُمْ بَعْدَ اِخْرَاجِهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ فَنَصِيْبُهُ لِوَرَثَتِهِ وَلَا بَأْسَ اَنْ يُّنَفِّلَ الْاِمَامُ فِيْ حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِالنَّفْلِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُوْلُ مَنْ قَتَلَ اَوْ يَقُوْلُ لِلسَّرِيَّةِ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَلَا يُنَفِّلُ بَعْدَ اِحْرَازِ الْغَنِيْمَةِ بِدَارِ الْاِسْلَامِ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ وَاِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيْمَةِ وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِيْهِ سَوَاءٌ وَالسَّلَبُ مَا عَلَى الْمَقْتُوْلِ مِنْ ثِيَابِهِ وَسِلَاحِهِ وَمَرْكَبِهِ وَاِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّعْلِفُوْا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَلَا يَأْكُلُوْا مِنْهَا شَيْئًا وَمَنْ فَضَلَ مَعَهُ عَلَفٌ اَوْ طَعَامٌ رَدَّهُ اِلَى الْغَنِيْمَةِ.

’’اور جب امام کے پاس سامان اٹھانے کا جانور نہ ہو جس پر مال غنیمت کو لادے تو اس مال کو فوجیوں کے درمیان بطور امانت تقسیم کردے تا کہ وہ اس کو دارالسلام میں لے آئیں اور دارالسلام میں لے آنے کے بعد ان سے واپس لے کر اس کو تقسیم کردے اور مال غنیمت کو تقسیم سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں اور فوجیوں میں سے کوئی دارالحرب میں فوت ہو جائے تو تقسیم میں اس کا کوئی حق نہیں پس اور فوجیوں میں سے دارالحرب سے واپسی کے بعد کوئی فوت ہو جائے تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو ملے گا اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ امام جنگ کے وقت انعام دے یا انعام کا وعدہ کرے جنگ پر ابھارے اور کہے جو شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سارا سامان اسی کو ملے گا یا کسی دستہ سے کہے کہ خمس نکالنے کے بعد غنیمت کا ایک چوتھائی حصہ تمہارے لیے مختص کر دیا ہے اور غنیمت جمع کرنے کے بعد انعام نہ دے مگر خمس سے اور اگر مقتول کا سامان قاتل کے لیے مختص نہیں کیا تو وہ اس غنیمت میں شامل ہوگا اس میں قاتل اور غیر قاتل سب برابر ہیں اور مقتول کے اسباب سے مراد اس کے کپڑے، اس کے ہتھیار اور سواری ہے اور جب مسلمان دارالحرب سے نکل جائیں تو نہ مال غنیمت سے جانور کو چارہ کھلائیں نہ اس میں سے خود کھائیں اور جس کے پاس کچھ چارا یا کھانا بچا ہوا ہو تو اس کو مال غنیمت میں شامل کر دے‘‘۔

قوله:واذا لم يكن الخ: مال غنیمت کا کون مستحق ہے؟:

قوله:ولا بأس بان ينفل الخ: حالت جنگ میں انعام پر ابھارنا:

قوله:واذا خراج الخ: غنیمت کے چارے اور کھانے کا حکم:

وَيَقْسِمُ الْاِمَامُ الْغَنِيْمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسَهَا وَيَقْسِمُ الْاَرْبَعَةَ اَخْمَاسٍ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لِلْفَارِسِ ثَلَاثُ اَسْهُمٍ وَلَا يُسْهَمُ اِلَّا لِفَرَسٍ وَّاحِدٍ وَّالْبَرَاذِيْنُ وَالْعِتَاقُ سَوَاءٌ وَلَا يُسْهِمُ لِرَاحِلَةٍ وَّلَا بَغْلٍ وَّمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اسْتَحَقَّ سَهْمَ فَارِسٍ وَّمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرٰى فَرَسًا اسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ وَّلَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوْكٍ وَّلَا امْرَاَةٍ وَّلَا صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَّلَا ذِمِّيٍّ وَلٰكِنْ يَّرْضَخُ لَهُمُ الْاِمَامُ عَلٰى قَدْرِ مَا يَرٰى فَاَمَّا الْخُمُسُ فَيُقْسَمُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَسْهُمٍ سَهْمٌ لِلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَسَهْمٌ لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ وَيَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيْهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ وَلَا يَدْفَعُ اِلٰى اَغْنِيَائِهِمْ

شَيْئًا. فَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ اللهُ تَعَالَى لِنَفْسِهِ فِي كِتَابِهِ مِنَ الْخُمُسِ فَإِنَّمَا هُوَ لِافْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهِ تَعَالَى وَسَهْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَقَطَ بِمَوْتِهِ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبَى كَانُوا يَسْتَحِقُّونَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنُّصْرَةِ وَبَعْدَهُ بِالْفَقْرِ

"امام مال غنیمت کو تقسیم کرے اور اس سے پانچواں حصہ نکال لے اور چار خمس غازیوں میں تقسیم کر دے اور امام اعظم کے نزدیک سوار کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ ہوگا اور صاحبین نے فرمایا سوار کے لیے تین حصے ہیں اور گھوڑے کا حصہ ایک ہی لگائے، عجمی اور عربی گھوڑے برابر ہیں اور بوجھ اٹھانے والے اور خچر کا حصہ نہ لگائے اور جو شخص دار الحرب میں سوار ہو کر داخل ہو پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو سوار کے حصے کا مستحق ہوگا اور جو پیدل داخل ہوا ہو پھر اس نے گھوڑا خرید لیا تو پیدل کے حصہ کا مستحق ہوگا اور غلام، عورت، ذمی اور کسی بچے کا حصہ نہ لگائے مگر امام اس کو مناسب سمجھے تو دے دے اور بہر حال خمس اس کو تین حصوں میں تقسیم کرے ایک حصہ یتیموں کے لیے، ایک حصہ مسکینوں کے لیے اور ایک حصہ مسافر کے لیے اور ذوی القربیٰ کے فقرا اسی میں داخل ہوں گے اور وہ مقدم کیے جائیں گے۔ اور ذوی القربیٰ کے مالداروں کو کچھ بھی نہ دے جس خمس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنی ذات کے لیے ذکر کیا ہے وہ اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کے لیے کلام الٰہی سے شروع میں ذکر کر دیا گیا ہے حضور کا حصہ آپ کے وصال کے بعد ساقط ہو گیا ہے جیسے صفی (خاص حصہ) اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط ہو گیا یہ لوگ نصرت نبوی کی وجہ سے مستحق تھے آپ کے وصال کے بعد فقر کی وجہ سے۔"

شاہسوار اور پیدل چلنے والے کا حصہ:

قولہ: ویقسم الخ: مال غنیمت سے پانچواں حصہ نکال کر باقی غازیوں میں تقسیم کیا جائے پیدل چلنے والے کے لیے بالاتفاق ایک حصہ ہوگا سوار کے متعلق اختلاف ہے کہ امام اعظم کے نزدیک تین حصے ایک حصہ اپنا اور دو گھوڑے کے، سوار اور پیدل کا اعتبار دار السلام کی سرحد چھوڑنے سے ہوگا۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (الترجیح والتصحیح)

قولہ: ولا یسھم الخ: مالِ غنیمت میں جن کا حصہ نہیں:

خمس کی تقسیم:

قولہ: واما الخمس الخ: حاصل کلام یہ ہے کہ اب مالِ خمس کے مصارف تین ہی ہیں۔ ۱۔ فقرا، ۲۔ مساکین، ۳۔ مسافران میں تقسیم میں ذوی القربیٰ کے فقراء کو باقیوں پر ترجیح ہوگی اللہ تعالیٰ کا نام مصارف خمس میں محض تبرک کے لیے ہے جب کہ پہلے حضور ﷺ کا حصہ بھی تھا جب آپ کا وصال با کمال ہو گیا تو آپ کا حصہ ساقط ہو گیا اور ذوی القربیٰ جو حضور ﷺ کے قریبی رشتہ دار تھے ان کا تھا ذوی القربیٰ کے دو پہلو ہیں۔ ۱۔ آپ کی حیات میں نصرت و مدد کرنا، ۲۔ فقیر ہونا پہلا پہلو اب ساقط ہے اور دوسرا پہلو حاصل کلام میں سے کسی ایک کے تحت داخل ہیں۔

وَاِذَا دَخَلَ وَاحِدٌ اَوْ اثْنَانِ دَارَ الْحَرْبِ مُغِيْرِيْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ فَاَخَذُوْا شَيْئًا لَمْ يُخَمَّسْ وَاِنْ دَخَلَ جَمَاعَةٌ لَهُمْ مَنَعَةٌ فَاَخَذُوْا شَيْئًا خُمِّسَ وَاِنْ لَمْ يَأْذَنْ لَهُمُ الْاِمَامُ وَاِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يَتَعَرَّضَ لِشَيْءٍ مِّنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ وَاِنْ غَدَرَ بِهِمْ وَاَخَذَ شَيْئًا وَخَرَجَ بِهِ مَلَكَهُ مِلْكًا مَحْظُوْرًا وَيُؤْمَرُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِهِ وَاِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ اِلَيْنَا بِاَمَانٍ لَمْ يُمَكَّنْ اَنْ يُقِيْمَ فِيْ دَارِنَا سَنَةً وَيَقُوْلُ لَهُ الْاِمَامُ اِذَا اَتْمَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَيْكَ الْجِزْيَةَ فَاِنْ اَقَامَ سَنَةً اُخِذَتْ مِنْهُ الْجِزْيَةُ وَصَارَ ذِمِّيًّا وَلَمْ يُتْرَكْ اَنْ يَرْجِعَ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ فَاِنْ عَادَ اِلٰى دَارِ الْحَرْبِ وَتَرَكَ وَدِيْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ اَوْ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهُ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ وَمَا فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ مِنْ مَالِهِ عَلٰى خَطَرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْ ظَهَرَ عَلَى الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُيُوْنُهُ وَصَارَتِ الْوَدِيْعَةُ فَيْئًا وَمَا اَوْجَفَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ صُرِفَ فِيْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ

''اور جب ایک یا دو شخص امام کی اجازت کے بغیر لوٹ مار کرتے ہوئے دارالحرب میں داخل ہوں اور وہاں سے کچھ لے کر آئیں تو اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا اور اگر کوئی طاقت ور جماعت دارالحرب میں داخل ہو جائے اور وہاں سے کچھ لے آئے تو اس میں سے خمس لیا جائے گا۔ اگرچہ امام نے اس کی اجازت نہ دی ہو اور اگر مسلمان دارالحرب میں تجارت کے لیے داخل ہو تو اس کے لیے حربی کے مالوں اور جانوروں سے تعرض کرنا جائز نہیں ہے اور غداری کر کے کوئی چیز لے آئے تو ممنوعہ طریقے سے اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کو کہا جائے گا کہ اس کو صدقہ کر دے اور اگر کوئی حربی دارالاسلام میں امن چاہتے ہوئے آیا ہو تو دارالاسلام میں سال بھر نہیں ٹھہر پائے گا بلکہ امام اسے کہے گا کہ اگر تم سال بھر کا قیام کرو گے تو تم پر جزیہ مقرر کروں گا اب اگر وہ سال ٹھہرا تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ ذمی ہو جائے گا اور اس کو نہیں چھوڑا جائے گا کہ وہ دارالحرب چلا جائے اور اگر دارالحرب لوٹ کر چلا گیا کسی مسلمان یا کسی ذمی کے پاس کچھ امانت یا قرض چھوڑ کر گیا تو واپس جانے کی وجہ سے اس کا خون مباح ہو گیا اور جو کچھ اس کا مال دارالاسلام میں ہے وہ خطرہ میں ہے تو اگر وہ قید کر لیا گیا یا دارالحرب حملہ ہو گیا اور وہ قتل کر دیا گیا تو اس کے قرض ساقط ہو جائیں گے اور امانت غنیمت ہو جائے گی اور مسلمانوں نے اہل حرب سے حملہ کر کے جنگ کے بغیر مال لیا ہو تو اس کو مسلمانوں کی بہتری میں خرچ کیا جائے گا۔ جیسا کہ خراج کو خرچ کیا جاتا ہے''۔

قولہ: واذا دخل الخ: کس سے خمس لینا جائز ہے کس سے نہیں؟

قولہ: واذا دخل المسلم الخ: مسلمان تاجر دارالحرب میں تعرض کرے تو؟

قولہ: واذا دخل الحربی الخ: مستامن کے احکام:

قولہ: وما اوجف الخ: مال فئی کا مصرف:

وَاَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا اَرْضُ عُشْرٍ وَّهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى اَقْصٰى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ بِمَهْرَةَ اِلٰى حَدِّ الشَّامِ وَالسَّوَادُ كُلُّهَا اَرْضُ خَرَاجٍ وَّهِيَ مَا بَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى عَقَبَةِ حُلْوَانَ وَمِنَ الْعَلْثِ اِلٰى عَبَّادَانَ وَاَرْضُ السَّوَادِ كُلُّهَا مَمْلُوْكَةٌ لِاَهْلِهَا يَجُوْزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيْهَا.

''اور عرب کی تمام زمین عشری ہے اور وہ عذیب سے لے کر حجر یمن کی انتہا تک ہے اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے اور سواد عراق کی ساری زمین خراجی ہے اور وہ عذیب سے عقبہ حلوان تک ہے اور علث سے عبادان تک ہے اور سواد زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے ان کے لیے اس کا فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

عرب اور عراق کی عشری اور خراجی زمین:

قولہ: وارض العرب الخ: عرب کی ساری زمین عشری ہے عرب سے مراد حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف اور جنگل ہے۔ عرب کی زمین کی حدود طولاً عذیب اور انتہا یمن (ارض مہرہ) سے حدود شام تک اور عرضاً مہرہ سے شام تک اور ایک روایت میں بحرین سے لے کر جدہ تک اس میں کافروں کو مستقل رہائش دینا جائز نہیں۔ اس میں ذمی رکھنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے یہ ساری زمین عشری ہے۔ اور عراق کی زمین بہت ہی زرخیز تھی۔ اس لیے اسے سواد (کالا عراق مراد زرخیز عراق) ہے۔ عراق کی حد عذیب سے عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک اس مسلمانوں کا قبضہ تھا یہ خراجی تھی بعد میں تمام لوگ مسلمان ہو گئے تو خراج ساقط ہو گیا۔ لیکن افسوس کہ آج کل امریکہ کا عراق پر اثر رسوخ ہے۔

وَكُلُّ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَا عَلَيْهَا اَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَّقُسِمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ اَرْضُ عُشْرٍ وَّكُلُّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَاُقِرَّ اَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ اَرْضُ خَرَاجٍ وَّمَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَوَاتًا فَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ هِيَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَّاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَّالْبَصْرَةُ عِنْدَنَا عُشْرِيَّةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ اَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا اَوْ عَيْنٍ اسْتَخْرَجَهَا اَوْ مَاءِ دِجْلَةَ اَوِ الْفُرَاتِ اَوِ الْاَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِيْ لَا يَمْلِكُهَا اَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَّاِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ الْاَنْهَارِ الَّتِي احْتَفَرَهَا الْاَعَاجِمُ كَنَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجَرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَّالْخَرَاجُ الَّذِيْ وَضَعَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى اَهْلِ السَّوَادِ فِيْ كُلِّ جَرِيْبٍ يَبْلُغُهُ الْمَاءُ، قَفِيْزُهَا شَيْءٌ وَّهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَّفِيْ جَرِيْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِيْ جَرِيْبِ الْكَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْاَصْنَافِ يُوْضَعُ عَلَيْهَا بِحَسَبِ الطَّاقَةِ فَاِنْ لَّمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَيْهَا نَقَصَهَا الْاِمَامُ

''اور ہر وہ زمین جس کے رہنے والے اسلام لے آئیں یا جو زمین بازو کے زور پر فتح کی جائے اور مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے تو وہ عشری زمین ہے اور وہ زمین جو بزور بازو فتح کی جائے پھر اس میں رہنے والوں کو اس پر برقرار رکھا جائے تو وہ

خراجی زمین ہے اور جس نے بنجر زمین کو زندہ کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا اعتبار اس کے برابر والی زمین سے ہوگا۔ لہٰذا اگر برابر والی زمین خراجی ہو تو وہ بھی خراجی ہوگی اور اگر برابر والی زمین عشری ہو تو وہ بھی عشری ہوگی اور ہمارے نزدیک بصرہ با جماع صحابہ عشری ہے امام محمد نے فرمایا اگر زمین کو اس کنویں سے آباد کیا جس کو خود کھودا یا اس چشمے سے جو خود نکالا یا دریائے دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں تو وہ عشری زمین ہے اور اگر زمین کو ان نہروں کے پانی سے آباد کیا جن کو عجمیوں نے کھودا ہے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد تو زمین خراجی ہے اور جس خراج کو حضرت عمر نے اہل سواد (عراق) پر مقرر کیا وہ ہر ایک جریب جس میں پانی پہنچتا ہو اور کاشت کے قابل ہو اس کا ایک قفیز ہاشمی ہے اور وہ ایک صاع اور ایک درہم ہے اور سبزیوں کے ایک جریب میں پانچ درہم ہیں اور انگور اور کھجور کے ایک جریب میں دس درہم اور وہ خراج جو اس کے علاوہ پر مقرر کیا جائے تو زمین کے قوت برداشت کے اعتبار سے ہوگا لہٰذا جو اس کو برداشت نہ کرے تو اس کو امام کم کر دے"۔

عرب وعراق کے علاوہ عشری اور خراجی زمین کی تعریف:

قولہ: وکل ارض الخ: تعریف متن کی عبارت سے واضح ہے۔

بنجر زمین آباد کرنے پر حکم:

قولہ: ومن احیاء الخ: امام ابو یوسف کے نزدیک جو حکم اس کے پڑوس والی زمین کا ہوگا وہی اس کا ہوگا کہ اگر عشری ہے تو یہ بھی عشری اگر وہ خراجی ہے تو یہ بھی خراجی۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے (بہ یفتی فی الشامیہ، الھندیہ) جب کہ امام محمد کے نزدیک عشری اور خراجی ہونے کا معیار الگ ہے جو متن میں مذکور ہے۔

خراج کی مقدار:

قولہ: والخراج الخ: متن وترجمہ سے واضح ہے۔

وَاِنْ غَلَبَ عَلٰی اَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ وَانْقَطَعَ عَنْهَا اَوْ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ اٰفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِمْ وَاِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْخَرَاجِ اُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلٰی حَالِهٖ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِيَ الْمُسْلِمُ اَرْضَ الْخَرَاجِ مِنَ الذِّمِّيِّ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ الْخَرَاجُ وَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخَرَاجِ

"اور اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ آئے یا اس کا پانی ختم ہو جائے یا کوئی آفت پہنچ کر کھیتی برباد کر دے تو ان کاشتکاروں پر کوئی خراج نہیں اور اگر مالک زمین نے زمین کو بیکار چھوڑ دیا تو اس پر خراج واجب ہوگا اور خراج دینے والوں میں سے جو

بھی اسلام لے آئے تو اس سے بدستور سابق خراج لیا جائے گا اور یہ جائز ہے کہ مسلمان خراجی زمین ذمی سے خریدے اور اس سے خراج لیا جائے گا اور خراجی زمین کی پیداوار پر عشر نہیں"۔

خراج لازم ہونے اور نہ لازم ہونے کی صورتیں:

قولہ: وان غلب الخ: متن سے واضح ہیں۔

عشر وخراج پر عمدہ بحث:

کتاب الزکوۃ کے تحت "باب زکوۃ الزروع والثمار" میں ملاحظہ کیجئے اہم گوشوں پر بحث کی گئی ہے۔

وَالْجِزْيَةُ عَلَى ضَرْبَيْنِ جِزْيَةٌ تُوضَعُ بِالتَّرَاضِي وَالصُّلْحِ فَتُقَدَّرُ بِحَسَبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الِاتِّفَاقُ وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْإِمَامُ بِوَضْعِهَا إِذَا غَلَبَ الْإِمَامُ عَلَى الْكُفَّارِ وَأَقَرَّهُمْ عَلَى أَمْلَاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلَى الْغَنِيِّ الظَّاهِرِ الْغِنَى فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُ فِي كُلِّ شَهْرٍ أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ وَعَلَى الْمُتَوَسِّطِ الْحَالِ أَرْبَعَةً وَعِشْرُونَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَانِ وَعَلَى الْفَقِيرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا فِي كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمٌ وَتُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوسِيِّ وَعَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَلَا تُوضَعُ عَلَى عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا عَلَى الْمُرْتَدِّينَ وَلَا جِزْيَةَ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا عَلَى زَمِنٍ وَلَا عَلَى أَعْمَى وَلَا عَلَى فَقِيرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَلَا عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِينَ لَا يُخَالِطُونَ النَّاسَ وَمَنْ أَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ وَإِنِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ حَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجِزْيَةُ.

"اور جزیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو رضامندی اور صلح سے مقرر کیا جائے تو اس مقدار پر مقرر کیا جائے جس پر اتفاق ہو جائے اور دوسری وہ قسم جس کو امام ابتداءً مقرر کرے جب امام کفار پر غالب آ جائے اور ان کی املاک پر ان کو برقرار رکھے تو مالدار پر ہر سال میں اڑتالیس درہم مقرر کرے کہ اس سے ہر مہینے میں چار درہم وصول کرے اور درمیانی حالت والے پر چوبیس درہم اور ہر مہینے میں دو درہم اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم اور ہر مہینے میں ایک درہم اور اہل کتاب، مجوسیوں اور عجمیوں، بت پرستوں پر جزیہ لازم آئے گا اور عرب کے بت پرستوں پر جزیہ لازم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی مرتد لوگوں پر نہ ہی عورت پر جزیہ اور نہ ذمی پر نہ اپاہج پر اور نہ ہی فقیر پر جو بیکار ہو اور نہ ہی ان راہبوں پر جو لوگوں سے نہ ملتے جلتے ہوں اور جو شخص اسلام لے آئے اور اس کے ذمہ جزیہ ہو تو اس کے ذمہ سے جزیہ ساقط ہو جائے گا اور اس پر دو سال کا جزیہ جمع ہو جائے تو دونوں جزیوں کا تداخل ہو جائے گا"۔

جزیہ کی اقسام:

قولہ: الجزیہ علی قسمین الخ: دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ جزیہ صلحی، ۲۔ جزیہ قہری، باقی وضاحت خود متن سے دیکھ لیں۔

جزیہ اور خراج میں فرق:

جزیہ اس مال کو کہا جاتا ہے جو کافروں کی ذوات پر لگایا جاتا ہے جب کہ خراج اس مال کو کہا جاتا ہے جو کفار کی زمینوں پر لگایا جاتا ہے ہوتے دونوں ٹیکس ہی ہیں۔

جزیہ کن پر ہے کن پر نہیں؟

قوله: وتو ضع الخ: عرب بت پرستوں سے صرف دو کام یا اسلام کو قبول کریں ورنہ قتل کیے جائیں ان کو جزیہ کی سہولت نہیں باقی سات افراد جن سے جزیہ لینا جائز نہیں متن میں مذکور ہیں۔

وَلَا يَجُوْزُ إِحْدَاثُ بِيعَةٍ وَّلَا كَنِيسَةٍ فِيْ دَارِ الْإِسْلَامِ وَإِذَا انْهَدَمَتِ الْكَنَائِسُ وَالْبِيَعُ الْقَدِيمَةُ أَعَادُوهَا وَيُؤْخَذُ عَلَى أَهْلِ الذِّمَّةِ بِالتَّمْيِيزِ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوجِهِمْ وَمَلَابِسِهِمْ. وَمَنِ امْتَنَعَ مِنْ أَدَاءِ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ زَنَى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهُ وَلَا يَنْتَقِضُ الْعَهْدُ إِلَّا أَنْ يَلْحَقُوْا بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوْا عَلَى مَوْضِعٍ فَيُحَارِبُوْنَا

''اور دار الاسلام میں یہود ونصاریٰ کا نیا بیعہ اور کنیسہ بنانا جائز نہیں اور جب پرانی یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہیں گر جائیں تو ان کو دوبارہ بنا سکتے ہیں اور ذمیوں سے مسلمانوں سے ممتاز رہنے کا عہد لیا گیا ہے ان کا لباس، سواریاں، زینیں اور ان کی ٹوپیاں اور گھوڑوں پر سوار نہیں ہوں گے اور نہ ہتھیار اٹھائیں گے اور جو جزیہ دینے سے رک جائے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا نبی کریم ﷺ کو برا کہے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کا عہد نہیں ٹوٹے گا اور اس کا یہ عہد نہیں ٹوٹے گا مگر وہ دار الحرب میں چلا جائے یا کسی ایسی جگہ پر وہ غلبہ کر لیں پھر ہم سے لڑنے کو تیار ہو جائیں''۔

قوله: ولا يجوز الخ: یہود ونصاریٰ کی عبادت گاہیں:

قوله: ويؤخذ الخ: ذمیوں کا اہل اسلام سے امتیاز ہائے کف افسوس کہ عالم عرب پر امریکیوں اور اسرائیلیوں نے اس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ سب فقہی مسائل ایک خواب وخیال بن کر رہ گئے ہیں۔

قوله: ومن امتنع الخ: نقض عہد کا مسئلہ:

حضور ﷺ کو برا بھلا کہنے والے کا حکم:

قوله: أو سب النبي الخ: فقہ اسلامی میں سب وشتم سے مراد ''ہر وہ کلام جو عرف میں نقص، عیب اور طعن کے لیے بولا جاتا ہو وہ سب وشتم ہے'' (الصارم المسلول لابن تیمیہ)

گستاخ نبی کا حکم:

حضور نبی کریم ﷺ یا کسی بھی نبی کی ادنیٰ گستاخی و بے ادبی، توہین وتنقیص، تحقیر وتخفیف خواہ صراحتاً ہو یا کنایۃً، ارادۃً ہو

چاہے توہین کی نیت کی ہو یا توہین کی نیت نہ کی ہو حتیٰ کہ وہ محض گستاخی پر دلالت کرے یا گستاخی کا وہم پیدا کرے کہ جس سے اہانت نبی کا دروازہ کھلتا ہو ان سب صورتوں میں گستاخی کا ارتکاب کرنے والا مرتد اور واجب القتل ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ سید محمد امین الشھیر ابن عابدین شامی تنقیح الحامدیہ میں یوں لکھتے ہیں کہ ''امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد اور دیگر تمام اکابر علماء کا مؤقف یہی ہے کہ ایسے آدمی کی توبہ اور اسلام قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے بطور حد قتل کیا جائے گا'' (تنقیح الحامدیہ ۱۰۵/۱، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ) گستاخ نبی کے علاوہ مرتد کی توبہ قبول کی جائے گی۔

یہی قانون پاکستانی عدالتوں میں 295C کے نام سے مشہور ہے جو امام شاہ احمد نورانی، مجاہد ملت عبدالستار خان نیازی، مفتی شجاعت علی قادری اور دیگر علمائے اہلسنت اور باقی مذہبی جماعتوں کی ۳۳ سالوں کی کوشش سے ۱۹۸۶ء میں تعزیرات پاکستان کا حصہ بنا پھر بعد میں اغیار کے ایما پر تبدیلی کی کوشش ہوتی رہی مگر اہلسنت اس تبدیلی کو ہمیشہ ناکام بناتے رہے۔ یہاں تک کہ امریکی کمیشن برائے انٹرنیشنل مذہبی آزادی (USCIRF) جیسی تنظیموں کو خوش کرنے کے لیے حلف نامہ ختم نبوت پر حملہ کیا گیا تو امیر المجاہدین استاذی المکرم علامہ خادم حسین رضوی کی قیادت میں اہلسنت نے دوبارہ سابقہ حالت پر بحال کرنے پر حکومت وقت کو مجبور کیا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرین ختم نبوت کی سب سے پہلے سرکوبی کی پھر آپ کے ہی نسب سے امام نورانی کی کوشش سے منکرین ختم نبوت کو قانوناً کافر قرار دیا گیا پھر صدیقی نسبت علامہ خادم حسین رضوی نقشبندی نے دفاع کیا۔

ہر حال میں واجب القتل ہے شاتم رسول — غیرت مسلم کا ہے یہ ازل سے اصول
ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں — جگر کی آگ دبی ہے مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی — کٹی ہے برسر میدان جھکی تو نہیں

وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ عُرِضَ عَلَيْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ شُبْهَةٌ كُشِفَتْ لَهٗ وَيُحْبَسُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ فَاِنْ قَتَلَهٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَيْهِ كُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ وَاَمَّا الْمُرْتَدَّةُ فَلَا تُقْبَلُ وَلٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْلَاكِهٖ بِرِدَّتِهٖ فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اَمْلَاكُهٗ عَلٰى حَالِهَا وَاِنْ قُتِلَ اَوْ مَاتَ عَلٰى رِدَّتِهٖ انْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ اِسْلَامِهٖ اِلٰى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَيْئًا وَاِنْ لَّحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلَحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُهٗ وَاُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَنُقِلَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَتُقْضَى الدُّيُوْنُ الَّتِيْ لَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ وَمَا لَزِمَهٗ مِنَ الدُّيُوْنِ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ وَمَا بَاعَهٗ اَوِ اشْتَرَاهُ اَوْ تَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ اَمْوَالِهٖ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ

''اور مسلمان اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اور اگر اس کا شبہ ہو تو اس کو دور کیا جائے گا اس کو تین دن قید رکھا جائے گا لہٰذا اگر اسلام قبول کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دیا جائے گا اور اگر اس کو کسی نے اسلام پیش کرنے سے پہلے

قتل کر دیا تو قاتل کے لیے ایسا کرنا مکروہ ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں اور رہی مرتدہ عورت تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا البتہ قید کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے اور مرتد کی ملک اس کے اموال سے ارتداد کی وجہ سے موقوفاً زائل ہو جائے گی لہٰذا اگر یہ اسلام قبول کرے تو اس کے اموال اپنی حالت پر لوٹ آئیں گے اگر مر جائے یا ارتداد پر ہی قتل کر دیا جائے تو اس کی وہ اشیاء جو اسلام کی حالت میں کمائی ہیں اس کے مسلمان ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں گی اور جن کو ارتداد کی حالت میں کمایا وہ مال غنیمت ہوں گی اور اگر کوئی مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے اور حاکم اس کے چلے جانے کا فیصلہ کرے تو اس کے مدبر اور ام ولد آزاد ہو جائیں گے اور جو قرضے اس پر میعادی تھے وہ فی الحال واجب ہوں گے اور اس کے وہ ملک جن کو اس نے حالت اسلام میں کمایا اس کے مسلمان ورثا کی طرف منتقل ہو جائے گی وہ قرضے جو اس کو حالت اسلام میں لازم ہوئے ہیں وہ اس ملک سے ادا کیے جائیں گے جو اس نے حالت اسلام میں کمائی کی اور وہ قرضے جو حالت ارتداد میں لازم ہوئے وہ زمانہ ارتداد کی کمائی سے ادا کیے جائیں گے"۔

مرتد کے احکام:

قولہ: واذا ارتد الخ: متن و ترجمہ سے واضح ہیں۔

قولہ: فان لحق الخ: مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو؟

مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهٗ وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ وَاِذَا عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلَحَاقِهٖ اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهٗ فِیْ یَدِ وَرَثَتِهٖ مِنْ مَالِهٖ بِعَیْنِهٖ اَخَذَهٗ وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا تَصَرَّفَتْ فِیْ مَالِهَا فِیْ حَالِ رِدَّتِهَا جَازَ تَصَرُّفُهَا وَنَصَارٰی بَنِیْ تَغْلِبَ یُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا یُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنَ الزَّکَاةِ وَیُؤْخَذُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَلَا یُؤْخَذُ مِنْ صِبْیَانِهِمْ شَیْءٌ وَمَا جَبَاهُ الْاِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ اَمْوَالِ نَصَارٰی بَنِیْ تَغْلِبَ وَمَا اَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلَی الْاِمَامِ وَالْجِزْیَةِ تُصْرَفُ فِیْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِیْنَ فَیُسَدُّ بِهِ الثُّغُوْرُ وَتُبْنٰی بِهِ الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُوْرُ وَیُعْطٰی قُضَاةُ الْمُسْلِمِیْنَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مِنْهَا مَا یَکْفِیْهِمْ وَیُدْفَعُ مِنْهُ اَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ وَذَرَارِیْهِمْ

"اور جو چیز بھی اس نے فروخت کی یا خریدی یا اس میں تصرف کیا اپنے احوال میں سے حالت ارتداد میں موقوف ہوں گے اب اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے یہ عقد درست ہو جائیں گے اور اگر مر گیا یا قتل کر دیا گیا یا دارالحرب چلا گیا تو سب باطل ہو جائیں گے اور اگر مرتد شخص مسلمان ہو کر دارالاسلام لوٹ آئے تو اپنے ورثا کے قبضہ میں اپنے مال سے بعینہ جو کچھ پائے اس کو لے لے اور مرتدہ عورت اگر زمانہ ارتداد میں اپنے مال میں تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہے اور بنو تغلب سے ان کے اموال سے جزیہ اس زکوٰۃ سے دوگنا لیا جائے گا جو مسلمانوں سے لی جاتی ہے اور ان کی عورتوں اور بچوں سے بھی لیا جائے گا اور جو کچھ خراج امام نے جمع کیا ہو تو بنو تغلب کے اموال اور جو کچھ اہل حرب نے امام کو ہدیہ کیا ہو

اور امام جزیہ کو مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کر دے چنانچہ ان اموال سے سرحدوں کو محفوظ کیا جائے، پلوں کو تعمیر کیا جائے اور مسلمانوں سے قاضیوں، عاملوں اور علماء کو اتنا دیا جائے جو ان کے لیے کافی ہو اور ان سے مجاہدین اور ان کی اولاد کا رزق دیا جائے"۔

وَاِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى بَلَدٍ وَّخَرَجُوْا عَنْ طَاعَةِ الْاِمَامِ دَعَاهُمْ اِلَى الْعَوْدِ اِلٰى جَمَاعَتِهِمْ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ لَا يَبْدَؤُهُمْ بِقِتَالٍ حَتّٰى يَبْدَءُوْهُ فَاِنْ بَدَءُوْهُ قَاتَلَهُمْ حَتّٰى تَفَرَّقَ جَمْعُهُمْ فَاِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ اُجْهِزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَاُتُّبِعَ مُوَلِّيْهِمْ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ فِئَةٌ لَمْ يُجْهَزْ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَلَمْ يُتَّبَعْ مُوَلِّيْهِمْ وَلَا تُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَّلَا يُقْسَمُ لَهُمْ مَالٌ وَلَا بَأْسَ اَنْ يُّقَاتَلُوْا بِسِلَاحِهِمْ اِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ اِلَيْهِ وَيَحْبِسُ الْاِمَامُ اَمْوَالَهُمْ وَلَا يَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَا يُقَسِّمُهَا حَتّٰى يَتُوْبُوْا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَمَا جَبَاهُ اَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِيْ غَلَبُوْا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْاِمَامُ ثَانِيًا ۔

"اور جب کوئی قوم مسلمانوں میں سے کسی ملک پر قبضہ حاصل کر لے اور امام کی اطاعت سے نکل جائے تو ان لوگوں کو جماعت کی طرف واپس آنے کی دعوت دے اور ان کے شبہات دور کرے اور ان سے لڑنے میں ابتدا نہ کرے یہاں تک کہ وہ لوگ خود لڑائی کی ابتدا کریں اب اگر وہ ہم سے لڑنا شروع کر دیں تو ہم ان سے لڑیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی جماعت تتر بتر ہو جائے اور اگر ان میں کوئی اور جماعت ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل کر دے اور ان سے بھاگنے والوں کا تعاقب کرے اور اگر ان کی کوئی اور جماعت نہ ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا تعاقب کرے اور نہ ان کی اولاد کو قید کرے اور نہ ان کا مال تقسیم کیا جائے اور ان کے ہتھیاروں سے لڑنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت محسوس ہو اور امام ان کے اموال روک دے اور ان کو انہیں واپس نہ کرے اور تقسیم بھی نہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ توبہ کر لیں تو ان کا مال انہیں دے دے اور باغیوں نے جو خراج یا عشر اس ملک سے وصول کیا، جس ملک پر وہ غالب آئے گئے تھے تو اس کو امام ان سے واپس نہ لے اگر انہوں نے اس کو صحیح مصرف میں خرچ کیا تو اس آدمی کی طرف سے کافی ہوگا جس سے لیا گیا ہے اور اگر اس کو صحیح موقع پر صرف نہ کیا ہو تو ان لوگوں پر دیانۃً واجب ہے کہ وہ اس کو دوبارہ ادا کریں"۔

قوله: واذا تغلب الخ: باغیوں کے احکام:

قوله: ضما جباه اهل البغی الخ: باغی اگر خراج و عشر کو صرف کر دیں تو؟

کتاب الحظر والاباحۃ

حظر کا لغوی معنیٰ:

روکنا ہے، اسی سے محظور ہے۔

اصطلاحی معنیٰ:

"ھُوَمَا یُثَابُ بِتَرْکِہٖ وَیُعَاقَبُ عَلٰی فِعْلِہٖ" (التعریفات) جس کے ترک پر ثواب ہو اور اس کے کرنے پر عقاب ہو۔

اباحت کا لغوی معنیٰ:

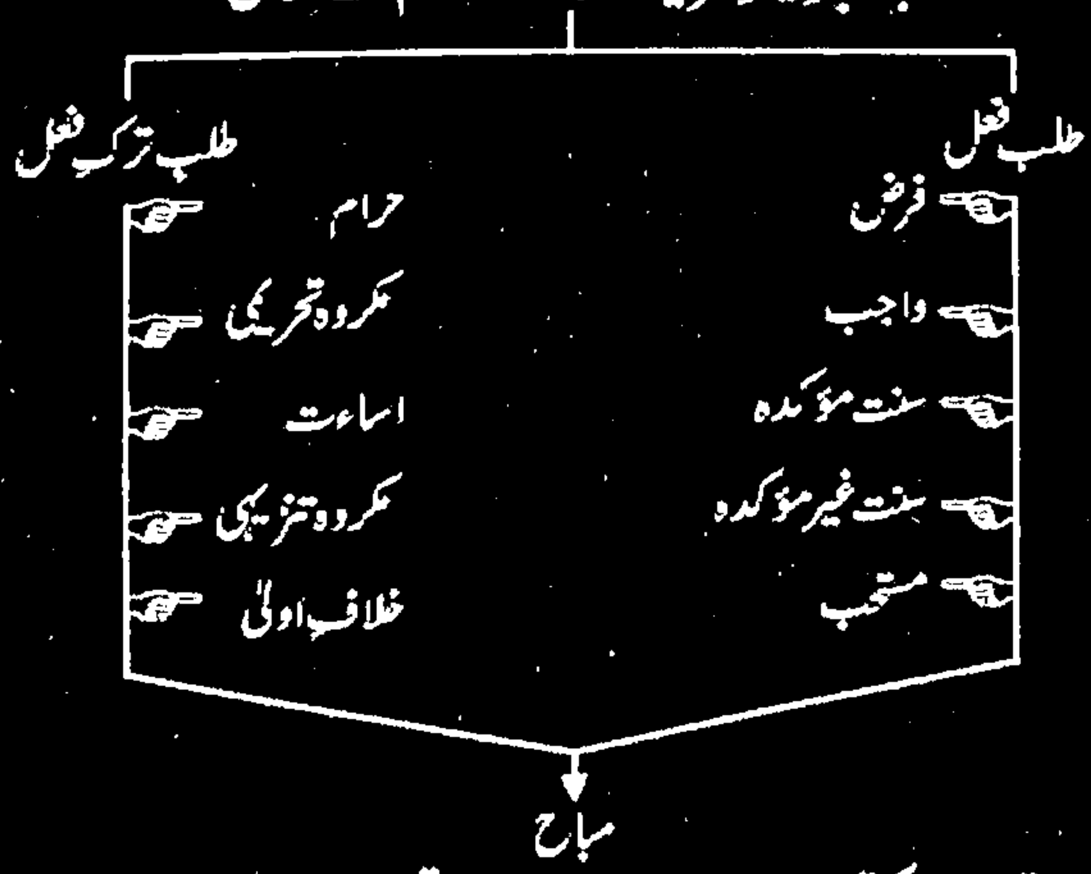
اباحت کے لغوی معانی تین ہیں۔ ۱۔ اظہار ۲۔ اِذن ۳۔ حلال۔

اصطلاحی معنیٰ:

"مَالَا یَتَعَلَّقُ بِفِعْلِہٖ اَوْ تَرْکِہٖ مَدْحٌ وَّلَا ذَمٌّ" (معارف الاحکام) ہر وہ فعل مکلف جس کے ترک یا فعل پر مدح وذم نہ ہو۔ جس میں بندے کو اختیار ہوتا ہے احکام شرعیہ میں سے ایک حکم شرعی ہے جس کا اصلی حکم تو وہی ہے جو شرعی تعریف سے ماخوذ ہے البتہ دوسرے احوال کی بنا پر کبھی مستحب کبھی وجوب اور کبھی حرمت کا حکم بھی لاگو ہو جاتا ہے مثلاً مباح چیز کار خیر میں محدود معاون ہو تو مستحب، مباح کو حرام کہا جائے تو واجب اور اگر مباح کی وجہ سے فساد دین ہو تو مکروہ تحریمی۔ اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کون سا کام ممنوع ہے اور کون سا کام مباح ہے۔

احکامِ تکلیفیہ کا نقشہ

باعتبارِ قیودِ تعریف وثبوت احکام کے دلائل



امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیقات نادرہ میں سے ایک نادر تحقیق جس سے گزشتہ کتب فقہ خالی ہیں

لَا يَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِيْرِ وَيَحِلُّ لِلنِّسَاءِ لَا بَأْسَ بِتَوَسُّدِهٖ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُكْرَهُ تَوَسُّدُهٗ وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الدِّيْبَاجِ عِنْدَهُمَا فِي الْحَرْبِ وَيُكْرَهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْمُلْحَمِ الْحَرِيْرِ إِذَا كَانَ سُدَاهُ إِبْرِيْسَمًا وَلُحْمَتُهٗ قُطْنًا أَوْ خَزًّا

''اور مردوں کے لیے ریشم کا لباس حلال نہیں اور عورتوں کے لیے حلال ہے اور امام اعظم کے نزدیک اس کا تکیہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کا تکیہ لگانا مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک جنگ میں ریشم اور دیباج پہننے میں کوئی حرج نہیں اور امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے۔ ملحم کے پہننے میں حرج نہیں جب کہ تانا ریشم کا ہو اور بانا غیر ریشم کا ہو''۔

ریشم کا استعمال:

قوله: ولا یحل الخ: عورتوں کے لیے ریشمی لباس مطلقاً حلال ہے مگر مردوں کے لیے اصول یہ ہے کہ ''ریشم کا پہننا اور اوڑھنا جس صورت میں پایا جائے تو ممنوع ہے باقی طرق استعمال امام اعظم کے نزدیک مباح ہیں'' جب کہ صاحبین کے نزدیک تکیہ وغیرہ بنانا مکروہ ہے۔

مفتی بہ قول کی تعین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ نصوص میں ریشم کے پہننے میں ممانعت ہے جب کہ تکیہ پہننے میں نہیں آتا پہننے میں پہننا، اوڑھنا اور کاندھے پر لٹکانا آتا ہے۔ (الترجیح والتصحیح)

جنگ میں ریشم یا دیباج (موٹا ریشمی کپڑا) پہننا امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل وہ نصوص حدیثیہ ہیں کہ جن میں مطلقاً لبس کی ممانعت ہے اور جنگ کی حالت میں مخلوط ریشم سے بھی کام چل سکتا ہے۔ اس لیے جب ادنیٰ سے کام چل سکتا ہے تو اعلیٰ کا ارتکاب محظور ہوگا۔ (الترجیح والتصحیح)

مُلحم کا استعمال:

قوله: ولا باس الخ: ایسا ریشمی کپڑا کہ جس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا غیر ریشم کا ہو تو استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

وَلَا يَجُوْزُ لِلرِّجَالِ التَّحَلِّيْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ إِلَّا الْخَاتَمَ وَالْمِنْطَقَةَ وَحِلْيَةَ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ وَيَجُوْزُ التَّحَلِّيْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلنِّسَاءِ وَيُكْرَهُ أَنْ يَّلْبَسَ الصَّبِيُّ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَالْحَرِيْرَ وَلَا يَجُوْزُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالْإِدِّهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَلَا بَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الزُّجَاجِ وَالرَّصَاصِ وَالْبِلَّوْرِ وَالْعَقِيْقِ وَيَجُوْزُ الشُّرْبُ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالرُّكُوْبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوْسُ عَلَى السَّرِيْرِ الْمُفَضَّضِ وَيُكْرَهُ التَّعْشِيْرُ فِي الْمُصْحَفِ وَالنَّقْطُ وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ وَنَقْشِ الْمَسْجِدِ

وَالزَّخْرَفَةِ بِمَاءِ الذَّهَبِ وَيُكْرَهُ اسْتِخْدَامُ الْخِصْيَانِ وَلَا بَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءِ الْحَمِيْرِ عَلَى الْخَيْلِ وَيَجُوْزُ اَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْاِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةِ وَالصَّبِيِّ وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَلَا يُقْبَلُ فِي اَخْبَارِ الدِّيَانَاتِ اِلَّا الْعَدْلُ

''اور مرد کے لیے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز نہیں اور چاندی کی انگوٹھی اور پٹکا اور تلوار کے زیور میں کوئی حرج نہیں اور عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے اور بچے کو سونا اور ریشم پہنانا مکروہ ہے۔ سونے اور چاندی کے برتنوں میں مرد وعورت کے لیے کھانا، پینا، تیل لگانا اور خوشبو لگانا جائز نہیں اور شیشہ، رانگ، بلور اور عقیق کے لیے ہوئے برتن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اور چاندی چڑھے ہوئے برتن میں پینا امام اعظم کے نزدیک جائز ہے اور چاندی کی چڑھی ہوئی زین پر سوار ہونا اور چاندی چڑے ہوئے تخت پر بیٹھنا جائز ہے اور قرآن کریم میں ہر دس آیت پر نشان لگانا اور نقطہ لگانا مکروہ ہے اور قرآن کو ان سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور سونے کے پانی میں مسجد کو منقش اور مزین کرنے میں کوئی حرج نہیں اور خصی سے خدمت لینی مکروہ ہے اور چوپایوں کو خصی کرنے اور گدھے سے گھوڑی کو ملاپ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور ہدیہ اور اذان میں غلام اور بچے کا قول قبول کرنا جائز ہے اور معاملات میں فاسق کا قول قبول کیا جائے اور اخبار و دیانات میں صرف عادل شخص کا قول معتبر ہے''۔

سونے چاندی کا استعمال:

قوله: ولا يحوز الخ: سونے اور چاندی کے استعمال کے متعلق اصول یہ ہے کہ ''ان کے استعمال میں اصل حرمت ہے'' اس لیے مردوں کو سونا مطلقاً پہننا حرام ہے جب کہ چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ) کے وزن کی پہننا جائز ہے اور کمر میں پٹکا کے طور پر یا تلوار کے پھالے میں چاندی کا استعمال جائز ہے۔ عورت کے لیے سونے اور چاندی کے زیور کا استعمال مطلقاً جائز ہے مگر سونا اور چاندی کے برتن کا استعمال مرد وعورت دونوں کے لیے جائز نہیں اور چاندی چڑھے برتن اور زین اور تخت پر چاندی کی کڑھائی کی گئی ہو تو امام اعظم کے نزدیک ان کا استعمال جائز ہے۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب چاندی کو الگ کیا جا سکتا ہو ورنہ بالاتفاق جائز ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے کہ فقہی قاعدہ ہے: ''العبرة للمتبوع دون التابع'' کہ چاندی تو قلیل ہے جو تابع ہے اور اعتبار متبوع کا ہے جو زائد ہے۔ (الفتاوی الهندیه)

دیگر دھاتوں کے برتنوں کا استعمال جائز ہے باقی مسائل متن سے واضح ہیں۔

وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَنْظُرَ الرَّجُلُ مِنَ الْاَجْنَبِيَّةِ اِلَّا اِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَاِنْ كَانَ لَا يَاْمَنُ الشَّهْوَةَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى وَجْهِهَا اِلَّا لِحَاجَةٍ وَيَجُوْزُ لِلْقَاضِي اِذَا اَرَادَ اَنْ يَحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَشْهَدَ عَلَيْهَا اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى وَجْهِهَا وَاِنْ خَافَ اَنْ يَشْتَهِيَ وَيَجُوْزُ لِلطَّبِيْبِ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ جَمِيْعَ بَدَنِهِ اِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهِ وَرُكْبَتِهِ وَيَجُوْزُ لِلْمَرْاَةِ

اَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ اِلٰی مَا یَجُوْزُ اَنْ یَّنْظُرَ الرَّجُلُ اِلَیْهِ مِنَ الرَّجُلِ اِذَا اَمِنَتِ الشَّهْوَةَ وَتَنْظُرُ الْمَرْاَةُ مِنَ الْمَرْاَةِ اِلٰی مَا یَجُوْزُ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهِ مِنَ الرَّجُلِ وَیَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ اَمَتِهِ الَّتِیْ تَحِلُّ لَهٗ وَمِنْ زَوْجَتِهٖ اِلٰی فَرْجِهَا وَیَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ اِلَی الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَیْنِ وَالْعَضُدَیْنِ وَلَا یَنْظُرُ اِلٰی ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَلَا بَأْسَ اَنْ یَّمَسَّ مَا یَجُوْزُ لَهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهِ مِنْهَا، وَیَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوْکَةِ غَیْرِهٖ اِلٰی مَا یَجُوْزُ لَهٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ وَلَا بَأْسَ اَنْ یَّمَسَّ ذٰلِكَ اِذَا اَرَادَ الشِّرَاءَ وَاِنْ خَافَ اَنْ یَّشْتَهِیَ وَالْخَصِیُّ فِی النَّظَرِ اِلَی الْاَجْنَبِیَّةِ کَالْفَحْلِ وَلَا یَجُوْزُ لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ یَّنْظُرَ مِنْ سَیِّدَتِهٖ اِلَّا اِلٰی مَا یَجُوْزُ لِلْاَجْنَبِیِّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهِ مِنْهَا وَیَعْزِلُ عَنْ اَمَتِهٖ بِغَیْرِ اِذْنِهَا وَلَا یَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهَا.

”اور مرد کو کسی اجنبی عورت کے بدن کو دیکھنا جائز نہیں سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے اور اگر شہوت سے محفوظ نہ ہو تو ضرورت کے بغیر اس کے چہرے کو نہ دیکھے اور قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے خلاف فیصلہ کرنا چاہے اور گواہ کے لیے عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ گواہ عورت کے خلاف گواہی دے اگر چہ شہوت کا اندیشہ ہو اور ڈاکٹر کے لیے عورت کے مقام مرض کو دیکھنا جائز ہے اور مرد مرد کے تمام بدن کو دیکھ سکتا ہے سوائے اس کے ناف سے اس کے گھٹنے کے نیچے تک اور عورت کے لیے جائز نہیں کہ مرد کا اتنا بدن دیکھے جتنا مرد مرد کا دیکھ سکتا ہے اور عورت دوسری عورت کا اتنا بدن دیکھ سکتی ہے جتنا مرد دوسرے مرد کا بدن دیکھ سکتا ہے اور مرد اپنی حلال لونڈی اور بیوی کی شرم گاہ کی طرف دیکھ سکتا ہے اور مرد اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیوں اور بازوں کو دیکھ سکتا ہے۔ البتہ اس کی پشت اس کے پیٹ (مع چھاتی) اور اس کے ران کو نہ دیکھے اور اس حصے کو چھونے میں کوئی حرج نہیں جس کا دیکھنا مرد کے لیے جائز ہے اور مرد غیر کی لونڈی کا اتنا حصہ دیکھ سکتا ہے جتنا اپنی ذی رحم محرم کے بدن کو دیکھ سکتا ہے اور غیر کی لونڈی کو چھونے میں کوئی حرج نہیں اگر اس کو خریدنے کا ارادہ ہو اگر چہ شہوت کا ڈر ہو اور خصی مرد دیکھنے میں اجنبی مرد کی طرح ہے اور غلام کے لیے اپنی مالکہ کے بدن کو دیکھنا جائز نہیں بجز اس حصہ بدن کے کہ جتنا کسی اجنبی مرد کے لیے عورت کا جسم دیکھنا جائز ہے اور مرد اپنی لونڈی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرلے اور مرد اپنی بیوی کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے“۔

قوله: لا یجوز الخ: اجنبی عورت کو دیکھنے کی حد:

عزل کا حکم:

قوله: ویعزل الخ: عزل یہ ہے کہ صحبت کرے وقت بوقت انزال ذکر کو باہر نکال دینا تا کہ منی کا خروج باہر ہو اگر لونڈی ہے تو اس کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے اگر بیوی ہے تو اس کی اجازت ضروری ہے کہ خواہش پوری کرنا اس کا ذاتی حق ہے۔

عارضی موانع حمل کا حکم:

دور حاضر کے مفتیان کرام نے چند ایسے عذروں کے پیش نظر حمل نہ ٹھہرنے کے اسباب کو استعمال کرنے پر اجازت دی ہے جو

قابل اعتبار ہیں مگر ''چھوٹا خاندان'' رکھنے کے لیے اس کا استعمال درست نہیں کہ ''تزوجوا الودود الولود'' حدیث کے مخالف ہے۔ نیز اقتصادی نکتہ نظر سے تحدید نسل کی تحریک چل رہی ہے جو زمانہ جاہلیت کی صدائے بازگشت ہے۔ ''وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ'' آیت کے تحت ناجائز ہے کیونکہ آیت میں صرف قتل اولاد ہی کی ممانعت نہیں ہے بلکہ خشیت املاق (رزق کے خوف) کے تصور کو بھی مذموم قرار دیا ہے۔

وَيُكْرَهُ الاِحْتِكَارُ فِيْ اَقْوَاتِ الْاٰدَمِيِّيْنَ وَالْبَهَائِمِ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِيْ بَلَدٍ يَضُرُّ الاِحْتِكَارُ بِاَهْلِهٖ وَمَنِ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهٖ اَوْ مَا جَلَبَهٗ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ وَلَا يَنْبَغِيْ لِلسُّلْطَانِ اَنْ يُّسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ وَيُكْرَهُ بَيْعُ السِّلَاحِ فِيْ اَيَّامِ الْفِتْنَةِ وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَصِيْرِ مِمَّنْ يَّعْلَمُ اَنَّهٗ يَتَّخِذُهٗ خَمْرًا.

''اور انسانوں اور چوپاؤں کی غذا کو روک لینا ایسے شہر میں مکروہ ہے کہ روکنا شہر والوں کے لیے تکلیف دہ ہو اور جو اپنی زمین کا غلہ روکے یا اس غلہ کو روکے جو دوسرے شہر سے لایا ہے تو وہ شخص روکنے والا نہیں اور بادشاہ کے لیے مناسب نہیں کہ نرخ مقرر کرے اور فتنہ کے زمانہ میں ہتھیار بیچنا مکروہ ہے اور شیرہ انگور کو ایسے شخص سے فروخت کرنے میں حرج نہیں جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اس کا شراب بنائے گا''۔

ذخیرہ اندوزی کا حکم:

قولہ: ویکرہ الخ: اس بحث کو وضاحت کتاب البیوع کے تحت ''باب بیع الفاسد'' میں مکروہ بیوع کے تحت کر دی گئی ہے۔ دیکھ لیجئے۔

کتاب الوصایا

وصایا جمع ہے وصیت اسم مصدر کی۔

وصیت کے لغوی معنی:

عہد لینے کے ہیں۔

اصطلاحی معنی:

"وصیت وہ تملیک ہے جو تبرع واحسان کے طور پر مابعد الموت کی طرف منسوب ہو"۔ وہ تملیک چاہے عین کی ہو یا منافع کی۔

اصطلاحات:

وصیت کرنے والے کو موصی، جس کے حق میں وصیت کی جائے اس موصیٰ لہ اور جس چیز کی وصیت کی جائے اسے موصی بہ کہا جاتا ہے۔

وصیت کی مشروعیت:

وصیت کا تصور اسلام سے پہلے اکثر مذاہب وقوانین میں موجود تھا جس کے لیے کوئی حد وقید نہ تھی مگر اسلام نے آکر اس کی حد بیان کی۔ وصیت کی مشروعیت قرآن وسنت اور اجماع تینوں سے ہیں۔

وصیت کے ارکان:

ایجاب وقبول ہیں۔

اَلْوَصِيَّةُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ وَّ هِيَ مُسْتَحَبَّةٌ وَّلَا تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ اِلَّا اَنْ يُّجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ وَلَا تَجُوْزُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ اِلَّا اَنْ يُّجِيْزَهُ الْوَرَثَةُ وَلَا تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِقَاتِلٍ وَّيَجُوْزُ اَنْ يُّوْصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ وَقَبُوْلُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنْ قَبِلَهَا الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَالِ الْحَيَاةِ اَوْ رَدَّهَا فَذٰلِكَ بَاطِلٌ وَّيُسْتَحَبُّ اَنْ يُّوْصِيَ الْاِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ وَاِذَا اَوْصٰى اِلٰى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيَّةَ فِيْ وَجْهِ الْمُوْصِيْ وَرَدَّهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهٖ فَلَيْسَ بِرَدٍّ وَاِنْ رَدَّهَا فِيْ وَجْهِهٖ فَهُوَ رَدٌّ. وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ

"وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور وارث کے لیے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ سب ورثاء اس کی اجازت دے دیں اور تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں اور قاتل کے لیے وصیت جائز نہیں اور یہ جائز ہے کہ مسلمان کافر کے لیے اور کافر

مسلمان کے لیے وصیت کرے اور وصیت کا قبول کرنا فوت ہونے کے بعد ہے لہٰذا اگر موصی لہ نے زندگی میں قبول کر لیا یا اس کو رد کر دیا تو یہ باطل ہے اور مستحب یہ ہے کہ انسان تہائی سے کم کی وصیت کرے اور اگر کسی نے کسی شخص کو وصیت کی اور اس نے موصی کے سامنے رد کی تو وصیت رد ہوگی"۔

وصیت کا حکم:

قولہ: الوصیۃ الخ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ وصیت واجب ہے مگر امام قدوری نے فرمایا کہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور وارث کو وصیت کرنا جائز نہیں کیونکہ وارث کے لیے حقوق قانونِ وراثت کے مطابق متعین ہیں البتہ شروع اسلام میں حقوق متعین نہ ہونے کی وجہ سے وصیت وارث کے حق میں واجب تھی اب نہیں۔

وصیت کی مقدار:

قولہ: ولا یجوز الخ: وصیت کل مال کے ثلث سے زائد میں معتبر نہیں لہٰذا کل مال کے 1/3 میں وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔

قاتل کی کے لیے وصیت:

قولہ: ولا تجوز الخ: کسی کو وراثت کے لیے قتل کیا تو اس کے لیے وصیت جائز نہیں۔

قولہ: ویجوز الخ: مسلمان کی کافر کے لیے اور کافر کی مسلمان کے لیے وصیت:

اسلام میں وصیت کا مفہوم وسیع ہے کہ مسلمان کافر کے لیے اور کافر مسلمان کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔

وصیت کو رد کرنے کا اعتبار:

موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ کے رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے موصی کی زندگی میں اعتبار نہیں۔ وصیت کو موصی کے سامنے قبول کرنے کے بعد غائبانہ طور پر رد کرنا معتبر نہیں جب تک اس کے سامنے نہ توڑے یا اس کو کسی کے ذریعے خبر دے کہ جس طرح بیع توڑنے میں ہوتا ہے۔

وَالْمُوْصٰى بِهٖ يُمْلَكُ بِالْقَبُوْلِ اِلَّا فِيْ مَسْاَلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّهِيَ اَنْ يَّمُوْتَ الْمُوْصِيْ ثُمَّ يَمُوْتُ الْمُوْصٰى لَهٗ قَبْلَ الْقَبُوْلِ فَيَدْخُلُ الْمُوْصٰى بِهٖ فِيْ مِلْكِ وَرَثَةِ الْمُوْصٰى لَهٗ وَمَنْ اَوْصٰى اِلٰى عَبْدٍ اَوْ كَافِرٍ اَوْ فَاسِقٍ اَخْرَجَهُمُ الْقَاضِيْ مِنَ الْوَصِيَّةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُمْ وَمَنْ اَوْصٰى اِلٰى عَبْدِ نَفْسِهٖ وَفِي الْوَرَثَةِ كِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِيَّةُ وَمَنْ اَوْصٰى اِلٰى مَنْ يَّعْجِزُ عَنِ الْقِيَامِ بِالْوَصِيَّةِ ضَمَّ اِلَيْهِ الْقَاضِيْ غَيْرَهٗ وَمَنْ اَوْصٰى اِلَى اثْنَيْنِ لَمْ يَجُزْ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ دُوْنَ صَاحِبِهٖ اِلَّا فِيْ شِرَاءِ الْكَفَنِ لِلْمَيِّتِ وَتَجْهِيْزِهٖ وَطَعَامِ الصِّغَارِ وَكِسْوَتِهِمْ وَرَدِّ وَدِيْعَةٍ بِعَيْنِهَا وَقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا اَوْ عِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهٖ وَالْخُصُوْمَةِ فِيْ حَقِّ الْمَيِّتِ

"اور موصی بہ قبول کرنے سے ملک میں آجاتی ہے مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ ہے کہ موصی فوت جائے پھر قبول کرنے سے پہلے موصی لہ بھی فوت ہو جائے تو موصی بہ موصی لہ کے ورثا کی ملک میں داخل ہوگی اور جس شخص نے کسی غلام یا کافر یا فاسق کو وصیت کی تو قاضی ان کو وصیت سے خارج کر دے اور ان کے غیر کو مقرر کرے اور جس نے اپنے غلام کو وصیت کی اس مال میں کہ ورثا میں کبار موجود ہوں تو وصیت صحیح نہ ہوگی اور جس نے اس آدمی کو وصیت کی جو وصیت کو قائم کرنے سے عاجز ہے تو قاضی اس کے ساتھ کسی اور کو ملائے اور جس شخص نے دو کو وصیت کی تو ان میں سے کسی ایک کے لیے اپنے ساتھی کے بغیر طرفین کے نزدیک تصرف کرنا جائز نہیں مگر میت کے لیے کفن خریدے اور تجہیز کرے اور اس کی چھوٹی اولاد کے لیے کھانا، کپڑے، مخصوص امانت کی واپسی، مخصوص وصیت کہ نافذ کرے، معین غلام کے آزاد کرنے، قرضوں کی ادائیگی اور میت کے حقوق میں جھگڑا کرنے میں"۔

قوله: والمدصی به الخ: موصی بہ کی ملکیت:

قوله: ومن اوصٰی الخ: وصیت کی چند صورتیں:

قوله: ومن اوصی الخ: اگر موصی لہ دو ہوں؟

اصح قول کے مطابق چاہے دونوں کو وصیت اکٹھی کی یا آگے پیچھے آئمہ کا اختلاف ہے کہ طرفین کے نزدیک بیان کردہ سات صورتوں کے علاوہ میں دوسرے کی اجازت کے بغیر کسی ایک کو تصرف کرنا جائز نہیں جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک بغیر اجازت کے تصرف جائز ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔(الترجیح والتصحیح)

وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلِاٰخَرَ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَلِلْاٰخَرِ بِالسُّدُسِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا فَاِنْ اَوْصٰی لِاَحَدِهِمَا بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ فَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَّقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ، وَلَا يَضْرِبُ اَبُوْ حَنِيْفَةَ لِلْمُوْصٰی لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَی الثُّلُثِ اِلَّا فِی الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

"اور کسی شخص نے کسی ایک کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے بھی اپنے تہائی مال کی وصیت کی مگر ورثا نے اس کو منظور نہ کیا تو ایک تہائی دونوں کے درمیان نصفا نصفا ہوگی اور اگر دونوں میں سے ایک کے لیے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے چھٹے حصے کی تو ثلث ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا اور اگر دونوں میں سے ایک کے لیے تمام مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے مال کے تہائی حصے کی تو صاحبین کے نزدیک ایک تہائی کو چار

حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور امام اعظم نے فرمایا کہ ایک تہائی دونوں کے درمیان نصفاً نصفاً تقسیم ہوگا اور امام اعظم موصی لہ کو تہائی سے زیادہ نہیں دلاتے سوائے محابات، سعایت اور دراہم مراسلہ کے"۔

مختلف مقدار میں دو کے لیے وصیت:

قولہ: من اوصی الخ: متن میں بیان کردہ تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ دونوں کے لیے الگ الگ تہائی کی وصیت ہو تو دونوں کو ایک تہائی کا نصف نصف ملے گا کیونکہ ورثا زیادہ کی اجازت نہیں دے رہے۔ ۲۔ ایک کے لیے تہائی اور دوسرے کے لیے سدس کی وصیت کی تو اب دونوں کو ملائیں تو آدھے مال کی وصیت بنتی ہے حالانکہ اصول تو صرف تہائی کی وصیت کا ہے اس لیے دونوں موصی لہ کو اپنے اپنے حصے سے ایک ایک تہائی کم ملے گی جس کو تہائی 33.33 روپے ملنے تھے اب اس کو ایک تہائی کم کر کے 22.22 روپے دیں گے اور جس کو سدس 16.66 روپے ملنے تھے اس کو ایک تہائی کم کر کے 11.11 روپے دیں گے۔ ۳۔ اگر ایک کو کل مال کی اور دوسرے کو تہائی کی وصیت کی تو صاحبین کے نزدیک تہائی دونوں کے درمیان چار حصوں میں تقسیم ہوگی تین حصے کل والے کو ایک ایک حصہ تہائی والے کو ملے گا جب کہ امام اعظم کے نزدیک تہائی سے زیادہ وصیت باطل ہے لہٰذا کل والے کے حق میں ایک تہائی اور دوسرے کے حق میں بھی تہائی لہٰذا دونوں ایک تہائی میں برابر شریک ہوں گے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (الترجیح والتصحیح)

تین استثنائی صورتیں:

قولہ: الا فی الخ: کہ جن میں امام اعظم کے نزدیک صرف تین صورتوں میں تہائی سے زیادہ وصیت کرنے پر موصی لہ کو تہائی سے زیادہ ملے گا۔

۱۔ محابات:

جمع ہے محبت کی کہ محبت میں زیادہ قیمت کی چیز کو کم قیمت میں فروخت کر دینا اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس صرف دو ہی غلام ہیں ایک کی قیمت تیس درھم ہے اور دوسرے کی ساٹھ درہم ہے گویا میت کا کل ترکہ 90 درہم ہوا اور میت نے وصیت کی کہ پہلا غلام زید کو دس درہم میں اور دوسرا غلام عمرو کو بیس درہم میں فروخت کیا جائے گا یا زید کے لیے بیس اور عمرو کے لیے چالیس اور نوے درہم سے دو تہائی کی وصیت ہے جو ثلث سے زائد ہے۔

۲۔ سعایۃ:

یہ سعی سے ہے کہ غلام نے کما کر آقا کو اپنی قیمت دی صورت مسئلہ یہ ہے کہ موصی نے دو غلام آزاد کیے جن میں سے ایک کی قیمت تیس درہم اور دوسرے کی ساٹھ ہے اور ان کے علاوہ موصی کا کوئی مال نہیں۔ اوّل کے لیے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کے

لیے دوثلث کی تو موصی بہ کے تین حصے کر کے ایک ثلث پہلے موصی لہ کے لیے اور دوثلث دوسرے موصی لہ کے ہوں گے۔ پہلے غلام کا ثلث دس درہم کے برابر آزاد اور دوثلث بیس درہم کے برابر ہے۔ میں سعی کرے گا اور دوسرے غلام ثلث بیس درہم برابر آزاد ہوگا اور دوثلث چالیس درہم کے برابر سعی کرے گا۔

دراہم مرسلہ:

یعنی غیر متعین درہم کی وصیت کہ جن میں ثلث وغیرہ کی قید نہ ہو صورت یہ ہے کہ موصی نے زید کے لیے تیس درہم اور عمرو کے لیے ساٹھ درہم کی وصیت کی اور موصی کا کل ترکہ نوے درہم ہیں تو زید وعمرو کے لیے موصی کے کل ترکہ میں سے ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوگی گویا تیس درہموں میں سے زید کو دس اور عمرو کو بیس درہم ملیں گے۔ اصول یہ ہوا کہ " کھلے الفاظ میں تہائی سے زیادہ کی وصیت کرے تو تہائی ہی نافذ ہوگی اگر مبہم انداز میں کہ حسابات کے بعد پتا چلے کہ کل کی وصیت کی گئی ہے تو ان تین صورت میں جائز ہوگی۔"

وَمَنْ اَوْصٰی وَعَلَیْهِ دَیْنٌ یُحِیطُ بِمَالِهٖ لَمْ تَجُزْ الْوَصِیَّةُ اِلَّا اَنْ یُبْرِئَهُ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّیْنِ وَمَنْ اَوْصٰی بِنَصِیْبِ ابْنِهٖ فَالْوَصِیَّةُ بَاطِلَةٌ وَّاِنْ اَوْصٰی بِمِثْلِ نَصِیْبِ ابْنِهٖ جَازَ فَاِنْ کَانَ لَهٗ اِبْنَانِ فَلِلْمُوْصٰی لَهُ الثُّلُثُ وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا فِیْ مَرَضِهٖ اَوْ بَاعَ وَحَابٰی اَوْ وَهَبَ فَذٰلِكَ کُلُّهٗ جَائِزٌ وَّهُوَ مُعْتَبَرٌ مِّنَ الثُّلُثِ وَیَضْرِبُ بِهٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَایَا فَاِنْ حَابٰی ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلٰی عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ فَاِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰی فَهُمَا سَوَاءٌ وَّقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ الْعِتْقُ اَوْلٰی فِی الْمَسْاَلَتَیْنِ،وَمَنْ اَوْصٰی بِسَهْمٍ مِّنْ مَالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ یَّنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَیُتِمُّ لَهُ السُّدُسَ وَاِنْ اَوْصٰی بِجُزْءٍ مِّنْ مَالِهٖ قِیْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَا شِئْتُمْ

"اور کسی نے وصیت کی اور اس پر اتنا قرض ہے کہ جو اس کے مال کو محیط ہے تو وصیت جائز نہ ہوگی مگر یہ کہ قرض خواہ قرض سے بری کر دیں اور جس شخص نے اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے اور اگر کسی نے اپنے بیٹے کے حصے کی مثل وصیت کی تو جائز ہے اور اگر اس کے دو بیٹے ہیں تو موصی لہ کو تہائی ملے گا اور جس شخص نے اپنے غلام کو اپنی بیماری میں آزاد کر دیا یا اس کو فروخت کر دیا یا محابات کر دیا یا ہبہ کر دیا تو یہ سب جائز ہے اور یہ تہائی سے معتبر ہوگا اور اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ شریک کیا جائے گا اب اگر اس نے پہلے محابات کی پھر آزاد کیا تو امام اعظم کے نزدیک محابات اولیٰ ہوگی اور اگر پہلے آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں برابر ہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں مسئلوں میں آزادی اولیٰ ہے اور جس نے اپنے مال کے ایک حصہ کی وصیت کی تو اس کے لیے ورثا کے حصوں کا کم تر حصہ ہوگا مگر یہ کہ چھٹے سے کم ہو تو اس کے لیے چھٹا حصہ پورا کر دیا جائے گا اور اگر اپنے مال کے ایک جز کی وصیت کی تو ورثا سے کہا جائے گا کہ جو چاہو اس کو دے دو۔"

دین محیط اور وصیت:

قولہ:ومن اوصی الخ: متن وترجمہ سے واضح ہے۔

قولہ:ومن اوصی الخ:اپنے بیٹے کے حصے کی مثل سے وصیت:

قولہ:ومن اعتق الخ: مرض الموت میں غلام کے متعلق وصیت:

محابات وعتق میں سے کون معتبر ہے؟:

قولہ:فان حابی الخ:امام اعظم کے نزدیک دونوں میں سے محابات بہتر ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک عتق بہتر ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فقہی قاعدہ ہے:"القوی لایعارضہ الضعیف"۔

کہ محابات بنسبت عتق کے قوی ہے کہ محابات عقد معاوضہ کے ضمن میں ہوتا ہے جب کہ عتق عقد تبرع ہے۔(الترجیح و التصحیح)

مبہم حصے کی وصیت:

قولہ:ومن اوصی الخ: متن وترجمہ سے واضح ہے۔

وَمَنْ اَوْصٰی بِوَصَایَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی قُدِّمَتْ الْفَرَائِضُ مِنْهَا سَوَاءٌ قَدَّمَهَا الْمُوْصِی اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّکَاةِ وَالْکَفَّارَاتِ وَمَا لَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِی وَمَنْ اَوْصٰی بِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا فَاِنْ لَّمْ تَبْلُغْ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَاَوْصٰی اَنْ يُّحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ,وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ ،وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الْمُكَاتَبِ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً وَيَجُوْزُ لِلْمُوْصِی الرُّجُوْعُ عَنْ الْوَصِيَّةِ فَاِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ اَوْ فَعَلَ مَا يَدُلُّ عَلَی الرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعًا،وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا ،

"اور کسی شخص نے حقوق اللہ کی وصیتیں کر دیں تو ان میں سے فرض کو غیر فرض پر مقدم کیا جائے گا کہ جن کو موصی نے مقدم کیا ہو یا موخر کیا ہو جیسے حج، زکوٰۃ اور کفارات اور جو واجب نہیں ان میں سے ان کو مقدم کیا جائے گا جن کو موصی نے مقدم کیا اور جس نے حج کرنے کی وصیت کی تو اس کی طرف سے اس شخص کو اس کے شہر سے حج کے لیے روانہ کریں جو سوار ہو کر حج کرے اور وصیت خرچ کو نہ پہنچے تو جہاں وہ نفقہ پہنچے وہیں سے حج کرا دیں اور جو آدمی اپنے شہر سے حج کرنے کے لیے نکلا پھر راستے میں فوت ہو گیا اور اس کی طرف سے حج کرانے کی وصیت کر گیا تو اس کے شہر سے اس کی طرف سے حج

کرایا جائے گا امام اعظم کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جہاں فوت ہوا ہے وہاں سے حج کرایا جائے گا۔ بچے اور مکاتب کی وصیت درست نہیں اگر مکاتب اتنا مال چھوڑ جائے جو کافی ہو جائے اور موصی کے لیے وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے اور جب رجوع کی تصریح کردے تو یہ رجوع ہوگا اور جس نے وصیت کا انکار کیا تو یہ رجوع نہ ہوگا"۔

مختلف حقوق کی اجتماعی وصیت:

قولہ: و من اوصی الخ: متن سے واضح ہے۔

حج کی وصیت:

قولہ: حج کی وصیت الخ: متن و ترجمہ سے دیکھ لیں تاہم مختلف فیہ مسئلہ کہ صاحبین کے نزدیک جہاں فوت ہوا ہے وہی سے حج کرایا جائے گا جب کہ امام اعظم کے نزدیک اس کے شہر ہے۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے، حج کی وصیت مطلق ہے۔ اور عوام الناس میں یہی متعارف ہے کہ حج گھر سے ہی کیا جاتا ہے۔ (الترجیح و التصحیح)

قولہ: ولا تصح الخ: بچے اور مکاتب کی وصیت:

وصیت سے رجوع کا حکم:

قولہ: ویجوز الخ: وصیت امر استحبابی ہے لہٰذا اس سے رجوع درست ہے بشرطیکہ صراحتاً رجوع ہو یا دلالتاً ہو لیکن انکار کرنے پر رجوع نہیں کہلائے گا کہ انکار سے ثابت ہوتا ہے کہ وصیت کی ہی نہیں۔

وَمَنْ اَوْصٰی لِجِیْرَانِهٖ فَهُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمَنْ اَوْصٰی لِاَصْهَارِهٖ فَالْوَصِیَّةُ لِکُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنِ امْرَاَتِهٖ وَاِنْ اَوْصٰی لِاَخْتَانِهٖ فَالْخَتَنُ زَوْجُ کُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنْهُ وَمَنْ اَوْصٰی لِاَقَارِبِهٖ فَالْوَصِیَّةُ لِلْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ مِنْ کُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِّنْهُ وَلَا یَدْخُلُ فِیْهِمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَتَکُوْنُ لِلْاِثْنَیْنِ فَصَاعِدًا فَاِذَا اَوْصٰی بِذٰلِكَ وَلَهٗ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِیَّةُ لِعَمَّیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاِنْ کَانَ لَهٗ عَمٌّ وَخَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَلِلْخَالَیْنِ النِّصْفُ،

"اور کسی شخص نے اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام اعظم کے نزدیک متصل پڑوسی مراد ہوں گے اور جس نے اپنے سسرال والوں کے لیے وصیت کی تو اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کے لیے ہوگی اور جس نے اپنے دامادوں کے لیے وصیت کی تو داماد ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر مراد ہوگا اور جس نے اپنی قرابت والوں کے لیے وصیت کی تو ہر ذی رحم محرم سے اقرب فالاقرب کے لیے وصیت ہوگی اور ان میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوں گے اور دو اور دو سے زیادہ کے

لیے ہوگی اور جب کسی نے یہی وصیت کی اور اس کے دو چچے اور دو ماموں ہوں تو امام اعظم کے نزدیک اس کے دو چچوں کے لیے وصیت ہوگی اور اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو نصف چچا کے لیے اور نصف دو ماموں کے لیے ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ ہر اس کے لیے وصیت ہوگی جو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف منسوب ہو"۔

پڑوسیوں کے لیے وصیت:

قولہ: ومن اوصى لجيرانه الخ: اگر کسی نے اپنے پڑوسیوں کے لیے وصیت کی تو امام اعظم کے نزدیک اس کے پڑوسیوں کے لیے ہوگی جو اس کے گھر سے متصل ہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک محلے کے تمام لوگ اور جو مسجد میں نماز پڑھتے ہوں شامل ہیں۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ کہ جار کا اطلاق کئی طرح کے پڑوسیوں پر ہوتا ہے مگر حقیقۃً اطلاق جار ملاصق پر ہوتا ہے جس طرح کہ شفعہ میں ہے۔ (الترجیح و التصحیح)

قولہ: ومن اوصى الخ: مختلف رشتہ داروں کے لیے وصیت:

چچا اور ماموں ہوں تو:

قولہ: ومن اوصى لاقاربه الخ: اگر وصیت اقارب کے لیے کی اور موصی کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو امام اعظم کے نزدیک وصیت چچوں کے حق میں ہوگی۔ اگر ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو امام اعظم کے نزدیک نصف چچا کے لیے اور نصف دونوں ماموں کے لیے۔

مفتیٰ بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ وصیت میراث کی بہن ہے چچا اور ماموں میں سے اقرب چچا ہے۔ اقارب صیغہ جمع کا ہے اگر دو چچے ہیں تو جمع کے کم از کم افراد دو ہیں۔ اگر چچا ایک ہے تو دو کا نصف ایک ہے۔ (الترجیح و التصحیح)
جب کہ صاحبین کے نزدیک باپ دادا میں سے جو پہلا مسلمان ہو وہاں تک رشتہ داری کا اطلاق ہوگا سب کو تھوڑا تھوڑا حصہ ملے گا۔

وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهٗ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ جَمِيْعُ مَا بَقِيَ وَمَنْ اَوْصٰى بِثُلُثِ ثِيَابِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِيَ ثُلُثُهَا وَهِيَ تَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ لَمْ يَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَا بَقِيَ مِنَ الثِّيَابِ وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهٗ مَالٌ عَيْنٌ وَدَيْنٌ فَاِنْ خَرَجَتِ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَتْ اِلَى الْمُوْصٰى لَهٗ

وَاِنْ لَمْ تَخْرُجْ دَفَعَ اِلَيْهِ ثُلُثَ الْعَيْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَيْءٌ مِّنَ الدَّيْنِ اَخَذَ ثُلُثَهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاَلْفَ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِّنْ يَّوْمِ الْوَصِيَّةِ

"اور جس شخص نے اپنے تہائی درہم یا تہائی بکریوں کی وصیت کی اور اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے اور اس کا ایک ثلث باقی رہا جو اس کے باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصی لہ کے لیے باقی ماندہ بکریاں ہوں گی اور جس نے ایک تہائی کپڑوں کی وصیت کی اس کے دو ثلث ہلاک ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہا جو باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے تو موصی لہ صرف باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا مستحق ہو گا اور جس شخص نے کسی کے لیے ایک ہزار درہم کی وصیت کی اور اس کا مال نقد بھی اور قرض بھی ہے پس اگر ایک ہزار نقد کے تہائی سے نکل آئے تو موصی لہ کو دیے جائیں گے اور اگر نہ نکلیں تو اس کو نقدی مال کی تہائی سے دیا جائے گا اور جو بھی قرض وصول ہوتا رہے تو اس کا ثلث لیتا رہے یہاں تک کہ پورا ایک ہزار لے لے اور حمل کے لیے اور حمل کی وصیت جائز ہے۔ جب کہ وصیت کے دن سے چھ ماہ سے کم مدت میں وضع حمل ہوا ہو"۔

قولہ: ومن اوصی الخ: وصیت کے بعد ہلاکتِ مال:

قولہ: ومن اوصی الخ: نقدی اور کچھ قرض کی صورت میں وصیت:

قولہ: ویجوز الخ: حمل کے لیے اور حمل کی وصیت:

وَاِذَا اَوْصٰى بِجَارِيَةٍ اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ وَلَدًا بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ قَبْلَ اَنْ يَّقْبَلَ الْمُوْصٰى لَهٗ ثُمَّ قَبِلَ وَهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصٰى لَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضَرَبَ بِالثُّلُثِ وَاَخَذَ مَا يَخُصُّهٗ مِنْهُمَا جَمِيْعًا وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَاْخُذُ ذٰلِكَ مِنَ الْاُمِّ فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ اَخَذَهٗ مِنَ الْوَلَدِ وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَّيَجُوْزُ بِذٰلِكَ اَبَدًا فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَيْهِ لِيَخْدُمَهٗ وَاِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهٗ غَيْرُهٗ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَالْمُوْصٰى لَهٗ يَوْمًا فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ عَادَ اِلَى الْوَرَثَةِ وَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَيَاةِ الْمُوْصِيْ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ

"اور جب کسی نے کسی کے لیے لونڈی کی وصیت کی سوائے اس سے حمل کے تو وصیت اور استثناء درست ہے اور جس نے کسی کے لیے کسی لونڈی کی وصیت کی اور اس نے موصی کے انتقال کے بعد اور موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد بچہ جنا تو اس کے بعد موصی لہ نے قبول کیا اور یہ دونوں تہائی نکل سکتے ہیں تو وہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے اور اگر دونوں ثلث سے نہ نکل سکتے ہوں تو ثلث میں شامل کر لیے جائیں گے اور صاحبین کے قول کے مطابق موصی لہ ان سب سے حصہ وصول کرے گا اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ موصی لہ اپنے والوں سے لے گا اور اگر کچھ باقی رہ جائے تو بچے سے وصول کرے گا

اور اپنے غلام کی خدمت اور اپنے مکان کی رہائش کی معینہ سالوں تک وصیت کرنا جائز ہے اور یہ ہمیشہ کے لیے بھی جائز ہے۔ پس اگر غلام ثلث مال سے نکل سکے تو خدمت کے لیے موصی لہ کے حوالے کر دیا جائے گا اور اگر اس کے پاس غلام کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو غلام ورثاء کی دو دن خدمت کرے گا اور موصی لہ کی ایک دن اب اگر موصی لیا فوت ہو جائے تو غلام ورثا کی طرف لوٹ آئے گا اور اگر موصی لہ موصی کی زندگی میں انتقال کر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گا"۔

موصی بہ کی ولادت قبول سے پہلے:

قولہ:واذا اوصی قولہ: متن وترجمہ سے دیکھ لیں۔ اختلافی مسئلہ میں مفتٰی بہ قول امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے کہ ماں اصل ہے اور بچہ تابع ہے لہٰذا تابع اصل کے مزاحم نہیں ہو سکتی۔ (الترجیح والتصحیح)

غلام کی خدمت اور رہائش کے لیے مکان کی وصیت:

قولہ:ویجوز الخ: متن وترجمہ سے دیکھ لیں۔

وَاِذَا اَوْصٰی لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِیَّةُ بَیْنَهُمْ لِلذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی فِیْهِ سَوَاءٌ وَّمَنْ اَوْصٰی لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِیَّةُ بَیْنَهُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ وَمَنْ اَوْصٰی لِزَیْدٍ وَّعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَیِّتٌ فَالثُّلُثُ کُلُّهٗ لِزَیْدٍ فَاِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِیْ بَیْنَ زَیْدٍ وَّعَمْرٍو وَزَیْدٌ مَیِّتٌ کَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ وَاِنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَا مَالَ لَهٗ ثُمَّ اکْتَسَبَ مَالًا اسْتَحَقَّ الْمُوْصٰی لَهٗ ثُلُثَ مَا یَمْلِکُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ،

"اگر فلاں کی اولاد کے لیے وصیت کی تو وصیت ان کے درمیان لڑکے اور لڑکی کے لیے برابر ہوگی اور اگر فلاں کے ورثا کے لیے وصیت کی تو ان کے درمیان ایک مرد اور دو عورتوں کی ہے برابر ہوں گے اور کسی نے زید و عمر کے لیے ثلث مال کی وصیت کی اور اس وقت عمر بچہ تھا تمام ثلث زید کے لیے ہوگا اور کہا میرا تہائی مال زید اور عمر میں تقسیم ہوگا اور زید فوت ہو گیا تو عمر کے لیے ثلث کا نصف ہوگا اور جس شخص نے اپنے ثلث مال کی وصیت کی حالانکہ اس کا مال نہ تھا پھر اس نے مال کمایا تو موصی لہ اس مال کے ثلث کا مستحق ہوگا جس کا وہ موت کے وقت مالک ہو"۔

قولہ:واذا اوصی الخ: کثیر افراد کے لیے وصیت:

قولہ :ومن اوصی الخ: دو موصی لہ میں سے ایک کی وفات:

فقیر کا ثلث مال کی وصیت کرنا:

قولہ :ومن اوصی الخ: متن وترجمہ سے مسائل واضح ہیں۔

کتاب الفرائض

علم فرائض کی وجہ تسمیہ:

فرائض جمع ہے فریضہ کی اور یہ لفظ فرض سے مشتق ہے جس کے تین معانی ہیں، ۱۔ وجوب، ۲۔ کسی چیز کو قطع کرنا، ۳۔ حصہ مقرر کرنا، علم فرائض میں تینوں معانی پائے جاتے ہیں اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔

علم فرائض کی تعریف:

”عِلْمٌ بِأُصُوْلٍ مِنْ فِقْهٍ وَ حِسَابٍ يُعْرَفُ بِهٖ حَقُّ الْوَارِثِيْنَ مِنَ التَّرِكَةِ“ علم فرائض فقہ اور حساب کے ان قواعد وضوابط کو جاننے کا نام ہے کہ جن کے ذریعے ترکہ میت وارثوں کے درمیان تقسیم کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

علم فرائض کا موضوع:

ترکہ میت یا ترکہ و وارث

غرض وغایت:

حق والوں کا حق انہیں پہنچا دینا۔

ارکان:

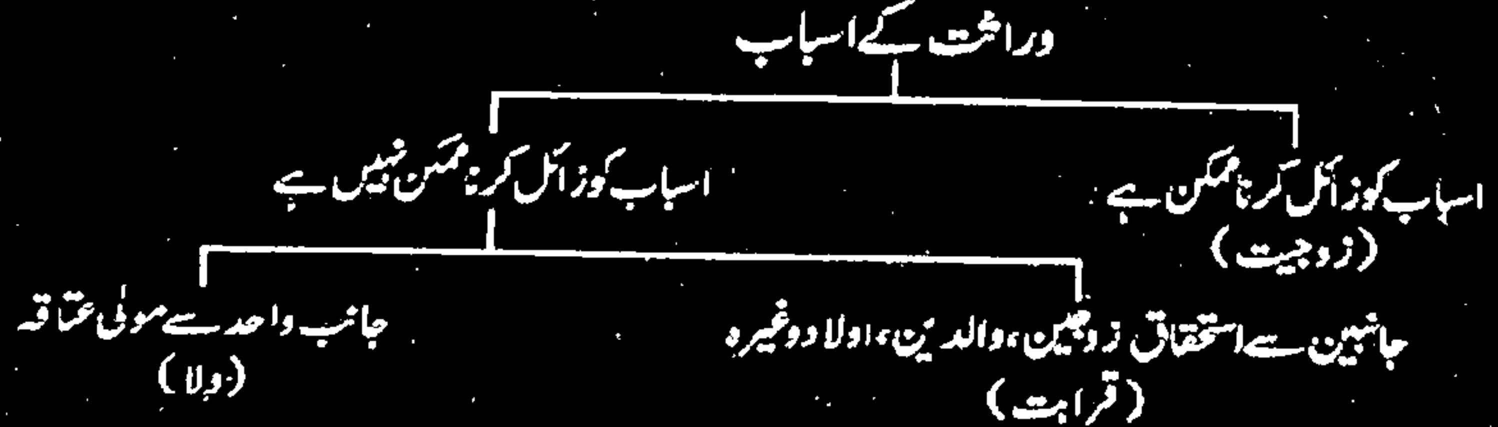
۱۔ ترکہ لینے والا (وارث)، ۲۔ ترکہ چھوڑ کر فوت ہونے والا (مورث)، ۳۔ حق موروث (وراثت کا حق)،

شرائط:

۱۔ مورث کی موت حقیقی یا حکمی (مفقود الخبر)، ۲۔ وارث کی حیات حقیقی یا حکمی (حمل)، ۳۔ سبب وراثت کا علم:۔

وراثت کے اسباب:

وراثت پانے کے سبب کل تین ہی ہیں۔ ۱۔ قرابت جو مستحکم اور مستقل سبب ارث ہے۔ ۲۔ زوجیت۔ ۳۔ ولا یہ دونوں ختم بھی ہوسکتے ہیں۔



میراث اور اسلام:

اسلام سے قبل بعض مذاہب میں میراث صرف مردوں کو ملتی تھی، بعض میں صرف بڑے لڑکے کو ملتی تھی، یتیم کو وراثت سے

محروم کر دیا جاتا تھا اور عورت کی وراثت کو حاصل کرنے کے لیے جبراً نکاح کر لیا جاتا تھا مگر اسلام نے آ کر نظام میراث میں جو انقلابی تصور دیا کہ عورتوں کو حق دلایا، باقی ورثا کو حق دلایا اور یتیم کو بھی حق دلایا اس قانون کی پوری دنیا میں بازگشت سنی جاسکتی ہے دنیا کا شاید ہی کوئی قانون ہو جس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔

شان نزول:

یا تو حضرت اویس بن ثابت کا انتقال یا سعد بن ربیع کی احد میں شہادت سبب بنی۔ اسلام کے آغاز میں وارث کے لیے وصیت واجب تھی پھر جب ان کے حقوق متعین نازل ہو گئے تو وصیت کا حکم بطور وجوب منسوخ ہو گیا۔

احادیث میں علم فرائض کو نصف علم کہنے کی وجہ تسمیہ:۔

۱۔ انسان کی دو حالتیں ہیں: (الف) زندگی (ب) مابعد الموت چونکہ علم فرائض کا تعلق ایک حالت مابعد الموت سے ہے۔

۲۔ ملکیت کی دو صورتیں ہیں: (الف) ملکیت اختیاری (ب) ملکیت غیر اختیاری چونکہ علم فرائض کو ملکیت غیر اختیاری سے تعلق ہے۔

۳۔ کثرت مسائل کی بنا پر نصف علم کہا گیا، ۴۔ شرعی مسائل کی دو قسمیں ہیں (الف) کتاب وسنت سے ثابت (ب) اجتہاد وقیاس سے ثابت چونکہ علم فرائض کا تعلق کتاب وسنت سے ہے۔

۵۔ محنت اور اجر وثواب کے اعتبار سے نصف کہا گیا ہے۔

ترکہ کی تعریف:

''شرعی طور پر میت کا چھوڑا ہوا وہ مال ہے کہ جس کے عین میں کسی دوسرے شخص کا حق متعلق نہ ہو''۔

ترکہ کے متعلق حقوق:

چار حقوق بالترتیب ہیں۔ ۱۔ میت کی تجہیز وتکفین، ۲۔ دیون کی ادائیگی، ۳۔ ثلث میں نفاذ وصیت بشرطیکہ ورثا زائد کے نفاذ میں راضی نہ ہوں۔ ۴۔ تقسیم ترکہ۔ پاکستان کی عدالتوں میں قانون وراثت ایکٹ نمبر ۸ ۱۹۴۸ء اور ایکٹ نمبر ۱۱۔ ۱۹۵۱ء کے تحت نافذ کیا گیا

اَلْمُجْمَعُ عَلٰى تَوْرِيثِهِمْ مِنَ الرِّجَالِ عَشْرَةٌ الِابْنُ وَابْنُ الِابْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالْاَبُ وَالْجَدُّ اَبُو الْاَبِ وَاِنْ عَلَا وَالْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَمَوْلَى النِّعْمَةِ وَالزَّوْجُ وَمِنَ الْاِنَاثِ سَبْعٌ الِابْنَةُ وَابْنَةُ الِابْنِ وَاِنْ سَفُلَتْ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ وَلَا يَرِثُ اَرْبَعَةٌ اَلْمَمْلُوكُ وَالْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُولِ وَالْمُرْتَدُّ وَاَهْلُ الْمِلَّتَيْنِ، وَالْفُرُوضُ الْمَحْدُوْدَةُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى سِتَّةٌ النِّصْفُ وَالرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ فَالنِّصْفُ فَرْضُ خَمْسَةٍ الِابْنَةُ وَابْنَةُ الِابْنِ اِذَا لَمْ تَكُنْ ابْنَةُ الصُّلْبِ وَالْاُخْتُ لِلْاَبِ وَلِلْاُمِّ وَالْاُخْتُ لِلْاَبِ اِذَا لَمْ تَكُنْ اُخْتٌ لِاَبٍ وَّاُمٍّ وَالزَّوْجُ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَّلَا وَلَدُ ابْنٍ وَالرُّبُعُ فَرْضٌ لِلزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الِابْنِ وَلِلزَّوْجَاتِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَّلَا وَلَدُ ابْنٍ وَالثُّمُنُ لِلزَّوْجَاتِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الِابْنِ وَالثُّلُثَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ اِلَّا الزَّوْجَ وَالثُّلُثُ لِلْاُمِّ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ

وَلَدٌ وَّلَا وَلَدُ ابْنٍ وَّلَا اثْنَانِ مِنَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ وَيُفْرَضُ لَهَا فِيْ مَسْئَلَتَيْنِ ثُلُثُ مَا بَقِيَ وَهُمَا زَوْجٌ وَّأَبَوَانِ أَوْ زَوْجَةٌ وَّأَبَوَانِ فَلَهَا ثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ الزَّوْجِ وَالزَّوْجَةِ وَهُوَ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ ذُكُوْرُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ وَّالسُّدُسُ فَرْضُ سَبْعَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْأَبَوَيْنِ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَهُوَ لِلْأُمِّ مَعَ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ وَلِلْجَدَّةِ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ

"باجماع مردوں میں سے وارث ہونے والوں کی تعداد دس ہے بیٹا، پوتا اگرچہ نیچے تک ہو، والد، دادا اگرچہ اوپر تک کیوں نہ ہو، بھائی، بھائی کا لڑکا، چچا، چچے کا لڑکا، خاوند، آزاد کرنے والے غلام کا آقا اور عورتوں میں سے ورثا کی تعداد سات ہے بیٹی، پوتی، والدہ، دادی، بیوی اور غلام یا لونڈی کو آزاد کرنے والی اور چار افراد وارث نہیں ہوں گے غلام اور قاتل وارث مقتول نہیں ہوسکتا اور مرتد اور الگ الگ دین رکھنے والے اور کتاب اللہ میں مقررہ حصوں کی تعداد چھ ہے نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس پس نصف پانچ افراد کا حصہ ہوتا ہے۔ لڑکی، پوتی، بشرطیکہ صلبی لڑکی موجود نہ ہو، حقیقی ہمشیرہ، علاتی بہن بشرطیکہ حقیقی بہن نہ ہو اور شوہر بشرطیکہ فوت ہونے والے کا لڑکا یا پوتا موجود نہ ہو اگرچہ وہ نیچے تک ہی کیوں نہ ہوں۔ لڑکے اور پوتے کی موجودگی میں اگرچہ وہ نیچے تک کیوں نہ ہوں شوہر کے لیے چوتھائی ہوگا اور بیوی کے لیے ربع ہوگا۔ بشرطیکہ فوت ہونے والے کا لڑکا یا پوتا نہ ہو۔ لڑکے اور پوتے کی موجودگی میں بیویوں کے لیے آٹھواں حصہ ہے اور وہ جن کا حصہ نصف مقرر ہے دو یا دو سے زیادہ ہونے پر ان کے لیے دو ثلث ہوگا سوائے شوہر کے اور والدہ کے لیے تہائی ہوگا بشرطیکہ فوت ہونے والے کا نہ لڑکا ہو نہ پوتا اور نہ دو بھائی و بہنیں یا دو سے زیادہ ہوں اور دو صورتوں میں والدہ کے لیے باقی ماندہ کا ثلث مقرر ہوتا ہے وہ دو صورتیں یہ ہیں: کہ شوہر اور والدین یا بیوی اور والدین ہوں تو حصہ شوہر یا حصہ بیوی کے بعد بقایا میں والدہ کے لیے تہائی ہوگا اور باقی تہائی ہر دو یا دونوں سے زیادہ کے لیے ہوگا۔ ماں شریک بہنوں میں سے اس میں مردوں اور عورتوں کا حکم برابر ہے اور سدس سات افراد کا حصہ ہے۔ لڑکے یا پوتے کی موجودگی میں والدین کے لیے، بھائیوں کی موجودگی میں والدہ کے لیے، لڑکے پوتے کی موجودگی میں دادی اور دادا کے لیے، لڑکی کی موجودگی میں پوتیوں کے لیے، حقیقی ہمشیرہ کی موجودگی میں علاتی بہنوں کے لیے اور ایک ماں شریک ہمشیرہ کے لیے۔

قولہ: المجمع الخ: بالاجماع وراثت پانے والے افراد:

دس مرد		سات عورتیں	
۱	بیٹا	۱	بیٹی
۲	پوتا	۲	پوتی
۳	والد	۳	والدہ
۴	دادا	۴	دادی
۵	بھائی	۵	بہن
۶	بھتیجا	۶	بیوی

۷	چچا	۷	آزاد کرنے والی
۸	چچازاد بھائی		
۹	شوہر		
۱۰	آزاد کرنے والا		

قولہ:ولا یرث الخ: وراثت سے محروم افراد:

۱	غلام	کسی کا وارث نہیں ہوتا
۲	قاتل	مقتول کا وارث نہیں ہوتا
۳	مرتد	نہ مسلمان کا نہ ذمی کا نہ کافر کا
۴	مختلف دین والے	نہ دارالاسلام میں نہ دارالحرب میں

قولہ:والفروض الخ: قرآن میں مقرر شدہ چھ حصے:

عربی نام	اُردو نام	سو	تقسیم	برابر	فی صد	بٹے کا حساب
نصف	آدھا	100	2÷	=	50	1/2
ربع	چوتھائی	100	4÷	=	25	1/4
ثمن	آٹھواں	100	8÷	=	12.5	1/8
ثلثان	دوتہائی	100	3x2÷	=	66.66	2/3
ثلث	ایک تہائی	100	3÷	=	33.33	1/3
سدس	چھٹا حصہ	100	6÷	=	16.66	1/6

قولہ:والنصف الخ: چھ حصوں کے مستحقین:

نمبر شمار	نام حصے	تفصیل مستحقین
۱	نصف 1/2 پانچ ورثا کو ملتا ہے	۱۔بیٹی کو بشرطیکہ ایک ہو ساتھ بہن بھائی نہ ہو۔ ۲۔پوتی کو بشرطیکہ میت کا بیٹا، بیٹی نہ ہو۔ ۳۔حقیقی ہمشیرہ کو بشرطیکہ ایک ہو میت کی اولاد نہ ہو، والد نہ ہو۔ ۴۔سوتیلی ہمشیرہ کو بشرطیکہ حقیقی نہ ہو۔ ۵۔شوہر کو بشرطیکہ مرنے والی کی اولاد نہ ہو۔

۲	ربع 1/4 دو ورثا کو ملتا ہے	۱۔شوہر کو بشرطیکہ بیوی کی اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو۔ ۲۔بیوی کو بشرطیکہ شوہر کی اولاد نہ ہو نہ اولاد کی اولاد ہو۔
۳	ثمن صرف ایک کو ملتا ہے	۱۔بیوی کو بشرطیکہ شوہر کی اولاد ہو یا اولاد کی اولاد ہو
۴	ثلثان 2/3 کے چار مستحق ہیں	چار قسم کی عورتیں ہیں جب یہ دو یا دو سے زیادہ ہوں۔ ۱۔بیٹیوں کے لیے جب کہ ساتھ بھائی عصبہ نہ ہوں۔ ۲۔پوتیوں کے لیے جب کہ ساتھ پوتا اور بیٹیاں نہ ہوں۔ ۳۔حقیقی بہنوں کے لیے جب کہ میت کی اولاد اور باپ دادا نہ ہوں۔ ۴۔علاتی بہنوں کے لیے جب کہ حقیقی بہنیں بشرائط مذکورہ نہ ہوں۔
۵۔	1/3 ثلث کے دو مستحق ہیں	۱۔والدہ کے لیے بشرطیکہ میت کی اولاد اور دو بہن بھائی نہ ہوں۔ ۲۔مادری بہن کے لیے جب کہ ایک سے زیادہ ہوں
۶	1/6 سدس کے سات مستحق ہیں	۱۔والد کے لیے بشرطیکہ میت میت کی اولاد ہو۔ ۲۔والدہ کے لیے بشرطیکہ میت کی اولاد ہو۔ ۳۔ماں نہ ہو تو دادی کو ملے گا۔ ۴۔باپ نہ ہو تو دادے کو ملے گا۔ ۵۔پوتیوں کو ایک بیٹی کے ساتھ دو ثلث کی تکمیل کے لیے ۶۔سوتیلی بہن کو حقیقی بہن کے ساتھ ۷۔مادری اولاد جب کہ ایک ہو۔

قولہ: فی مسئلتین الخ: صرف دو صورتوں میں والدہ کے لیے کل مال سے تہائی نہیں بلکہ بقیہ ترکہ سے ایک ثلث ملتا ہے۔

۱۔عورت اپنے شوہر اور والدین کو چھوڑ کر فوت ہوگئی تو ترکہ چھ حصوں (سہام) میں تقسیم ہوگا نصف (تین حصے) شوہر کو باقی نصف سے ایک تہائی والوں کو اور اس کا دوگنا والد کو ملے گا۔

۲۔مرد اپنی بیوی اور والدین کو چھوڑ کر فوت ہوگیا تو ترکہ بارہ حصوں میں تقسیم ہوگا چوتھائی (تین حصے) بیوی کے باقی تہائی (تین حصے) والدہ کے اور چھ حصے والد کے ہوں گے۔

وَيَسْقُطُ وَلَدُ الْاُمِّ بِاَحَدِ اَرْبَعَةٍ بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الِابْنِ وَالْاَبِ وَالْجَدِّ قَوْلُهُ وَاِذَا اسْتَكْمَلَ الْبَنَاتُ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتْ بَنَاتُ الِابْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهُنَّ اَوْ بِاِزَائِهِنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ ابْنُ ابْنٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ وَاِذَا اسْتَكْمَلَ الْاَخَوَاتُ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَ الْاَخَوَاتُ لِلْاَبِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهُنَّ اَخٌ لَهُنَّ فَيُعَصِّبُهُنَّ

"اور جدات ماں سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ دادا، بھائی، بہن، باپ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اخیافی بھائی اور بہنیں چار وارثوں کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں بیٹے، پوتے، باپ، دادا اور جب بیٹیاں مکمل دو تہائی لے لیں تو پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں مگر یہ کہ ان کے مقابلے میں ان سے نیچے پوتا ہو تو ان پوتیوں کو عصبہ بنا دیتا ہے اور جب حقیقی بہنیں مکمل دو ثلث لے لیں تو علاتی بہنیں ساقط ہو جائیں گی مگر یہ کہ ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو وہ ان کو عصبہ بنا دیتا ہے"۔

ذوی الفروض کی محرومی:

قولہ: تسقط الخ: علم فرائض کی اصطلاح میں اس بحث کو حَجْبُ کہا جاتا ہے ح، ج، ب کے مادہ میں "منع" کا معنی پایا جاتا ہے (معجم معاییس اللغۃ) اور حجب کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ حجب نقصان کہ کسی وارث کا حصہ دوسرے وارث کی وجہ سے کم ہو جائے اس کی بحث آگے "باب الحجب" کے عنوان سے آرہی ہے۔ ۲۔ حجب حرمان ایک وارث کا اپنے شرعی مقرر حصہ سے دوسرے کی وجہ سے ترکہ میت سے محروم ہو جانا یہی قسم یہاں زیر بحث ہے۔ محرومی کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔ ا۔ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو تو وہ شخص دوسرے کی موجودگی میں وارث نہ ہوگا سوائے مادری بہن بھائیوں کے۔ ۲۔ ہر قریبی رشتہ دار بعیدی کو محروم کر دیتا ہے۔

نمبر شمار	ذوی الفروض	محروم ہونے کی تفصیل
۱	جد صحیح (دادا، نانا)	جب والد موجود ہو
۲	جدہ صحیحہ (دادای، نانی)	جب والدہ موجود ہو
۳	مادری بہن بھائی	جب اولاد، پوتے، والد یا دادا موجود ہو
۴	پوتی	جب بیٹا یا دو یا دو سے زائد بیٹیاں موجود ہوں
۵	پدری بہن	جب دو حقیقی بہنیں یا حقیقی بھائی ہوں

جو کبھی محروم نہیں ہوتے وہ چھ ہیں تین مرد بیٹا، باپ اور شوہر اور تین عورتیں ہیں بیٹی، ماں اور بیوی۔

نمبر شمار	حصے دار	کس طرح ملتا ہے
۱	بیٹا	ہمیشہ عصبہ کے طور پر لیتا ہے
۲	باپ	حصے کے طور پر، کبھی عصبہ کے طور پر
۳	شوہر	ہمیشہ حصے کے طور پر
۴	بیٹی	حصے کے طور پر، ساتھ بیٹا ہو تو عصبہ کے طور پر
۵	ماں	ہمیشہ حصے کے طور پر
۶	بیوی	ہمیشہ حصے کے طور پر

باب العصبات

عصبات جمع ہے عصبہ کی بمعنی پٹھہ جو انسانی جسم میں پایا جاتا ہے۔

عصبہ کا اصطلاحی معنی:

"جو گوشت پوست میں شریک ہو وہ عصبہ کہلائے گا" جن کا حصہ ذوی الفروض کی طرح متعین نہیں ہوتا جو مال ذوی الفروض کے حصوں سے بچ جائے اس کے مستحق عصبہ ہوتے ہیں یا ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں کل ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

عصبہ کی اقسام:

اولاً عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عصبہ نسبی ۲۔ عصبہ سببی۔ عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ عصبہ بنفسہ جو خود بخود عصبہ ہو کہ جس کا میت سے نسبی رشتہ جوڑنے میں عورت کا واسطہ نہ آئے یہ کل چودہ مرد ہیں مثلاً بیٹا۔
۲۔ عصبہ لغیرہ وہ خواتین ہیں جن کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے تنہا ہونے کی صوت میں نصف اور دو یا زیادہ ہونے کی صورت میں دو تہائی ملتا ہے اگر ان کے ساتھ بھائی ہو تو عصبہ لغیرہ بن جاتی ہیں یہ چار خواتین ہیں۔ ۳۔ عصبہ مع غیرہ سے مراد وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے مثلاً بہن بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہے۔

وَأَقْرَبُ الْعَصَبَاتِ الْبَنُوْنَ ثُمَّ بَنُوْهُمْ ثُمَّ الْأَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ الْإِخْوَةُ ثُمَّ بَنُو الْجَدِّ وَهُمُ الْأَعْمَامُ ثُمَّ بَنُو أَبِ الْجَدِّ وَإِذَا اسْتَوَى وَارِثَانِ فِيْ دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَوْلَاهُمْ مَنْ كَانَ لِلْأَبِ وَالْأُمِّ وَالِابْنُ وَابْنُ الِابْنِ وَالْإِخْوَةُ يُقَاسِمُوْنَ أَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ وَمَنْ عَدَاهُمْ مِنَ الْعَصَبَاتِ يَنْفَرِدُ ذُكُوْرُهُمْ بِالْمِيْرَاثِ دُوْنَ إِنَاثِهِمْ وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَالْعَصَبَةُ هُوَ الْمَوْلَى الْمُعْتِقُ ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ مِنْ عَصَبَةِ الْمَوْلَى

"عصبات میں سب سے قریب بیٹے ہوتے ہیں، اس کے بعد ان کے بیٹے (پوتے)، اس کے بعد دادا، اس کے بعد باپ کے بیٹے (بھائی) اس کے بعد دادا کے بیٹے اور اس کے بعد دادا کے باپ کے بیٹے اور جب باپ کے بیٹے درجہ میں برابر ہوں تو ان میں سے سب سے زیادہ مستحق وہ ہوگا جو باپ اور ماں کی طرف سے ہو، بیٹا، پوتا اور بھائی اپنی بہنوں سے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے مطابق مقاسمہ کر لیتے ہیں اور جو ان تینوں کے علاوہ عصبے ہوں تو ان کے مرد میراث پانے میں تنہا ہوتے ہیں عورتیں نہیں اور فوت ہونے والے کا کوئی عصبہ نسبی نہ ہونے پر آزاد کرنے والا آقا اس کا عصبہ ہوگا اس کے بعد عصبات آقا کے اندر جو سب سے زیادہ قرابت رکھتا ہو"۔

عصبہ بنفسہ کی اقسام:

قولہ: واقرب الخ: جس درجہ اور ترتیب سے یہ وارث بنتے ہیں ہر اول کی موجودگی میں باقی اقسام حق عصوبت میں

محجوب رہیں گے۔اس کا جدول یہ ہے۔

درجہ	تفصیل
اوّل فرعِ میت	میت کی اولاد نرینہ بیٹا، پوتا، پر پوتا وغیرہ
دوم اصلِ میت	میت کے آباؤ اجداد باپ، دادا، پردادا وغیرہ
سوم فرعِ اب میت	میت کے باپ کی اولاد بھائی بھتیجا، بھتیجے کا بیٹا وغیرہ
چہارم فرعِ جد میت	میت کے جدِ صحیح کی اولاد چچا، اس کا بیٹا، اس کا پوتا وغیرہ

ان چاروں درجات کو امام قدوری نے اقرب العصبات تا وهم الاعمام تک بیان کیا ہے۔ یاد رہے کہ عصبہ بنفسہ میں عورتیں نہیں ہوتیں۔

بھائی برابر ہوں تو؟:

قوله: ثم بنوا الخ: بھائی بہنوں کی تین قسمیں ہیں۔۱۔حقیقی بھائی بہن جن کو "اعیان بنی لِلأم" کہا جاتا ہے یہ دوسروں پر مقدم ہیں، ۲۔باپ شریک ہوں ماں الگ الگ ہو تو علاتی کہلاتے ہیں، ۳۔ماں شریک ہوں کہ باپ الگ الگ ہوں جو اخیافی کہلاتے ہیں، یہی قاعدہ بھتیجا، چچا اور چچے کے بیٹے میں چلے گا۔

بیٹا، پوتا اور بھائی بہنوں کے ساتھ:

قوله: والا بن الخ: اصول یہ ہے کہ "جب حصے لینے والے بہن بھائی ہوں تو بھائی کو دوگنا اور بہن کو ایک گنا ملے گا"۔اور یہ عورتیں عصبہ لغیرہ ہوں گی۔وہ چار قسم کے لوگ یہ ہیں۔۱۔میت کا بیٹا اور بیٹی وارث بنے تو اصحاب الفرائض کے حصہ لینے کے بعد بیٹے کو دوگنا اور بیٹی کو ایک گنا ملے گا۔۲۔میت کا پوتا اور پوتی وارث بنے باقی تفصیل گزشتہ ہی ہے، ۳۔میت کے حقیقی بھائی اور بہن وارث بنے تو باقی تفصیل گزشتہ ہی ہے۔۴۔میت کے سوتیلے بھائی اور سوتیلی بہن وارث بنے باقی تفصیل گزشتہ ہی ہے۔

گزشتہ عصبات کے علاوہ:

قوله: ومن عداهم الخ: بیٹا، پوتا، حقیقی بھائی اور سوتیلے بھائی کے علاوہ جتنے بھی عصبات ہیں ان کے مرد کو بطور عصبہ ملتا ہے ان کے ساتھ جو عورتیں ہیں ان کو کچھ نہیں ملے گا حاصل یہ کہ باپ، دادا، بھتیجا، چچا اور دادا کے بھائی جب بطور عصبہ لیں گے تو ان میں سے ہر ایک کی بہنوں کو بطور عصبہ کچھ نہ ملے گا۔

نسبی عصبہ نہ ہو تو:

قوله: واذا لم يكن عصبة الخ: اگر عصبہ نسبی نہ ہو تو آزاد کرنے والا آقا عصبہ سببی بنے گا مگر عورت عصبہ سببی میں حصہ نہیں پائے گی اور آقا کے عصبات میں سے سب سے زیادہ جو قریب ہوگا وہی وارث ہوگا۔

وَتُحْجَبُ الْأُمُّ مِنَ الثُّلُثِ إِلَى السُّدُسِ بِالْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ أَوْ بِأَخَوَيْنِ وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ

الْبَنَاتِ لِبَنِی الِابْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَاِذَا تَرَكَ بِنْتًا وَبَنَاتِ ابْنٍ وَبَنِی ابْنٍ فَلِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَالْبَاقِی لِبَنِی الِابْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَمَنْ تَرَكَ ابْنَیْ عَمٍّ اَحَدُهُمَا اَخٌ لِاُمٍّ فَلِلْاَخِ مِنَ الْاُمِّ السُّدُسُ وَالْبَاقِی بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَالْمُشَرَّكَةُ اَنْ تَتْرُكَ الْمَرْاَةُ زَوْجًا وَاُمًّا وَاِخْوَةً مِّنْ اُمٍّ وَاِخْوَةً مِّنْ اَبٍ وَّاُمٍّ فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْاُمِّ السُّدُسُ وَلِاَوْلَادِ الْاُمِّ الثُّلُثُ وَلَا شَيْءَ لِلْاِخْوَةِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ

"اور والدہ تہائی سے چھٹے حصے کی طرف بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے سے محجوب ہو جاتی ہے اور جو بیٹیوں کے حصے سے بچے وہ پوتوں اور ان کی بہنوں کا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق اور اسی طرح حقیقی بہن سے بچنے والا حصہ علاتی بھائی، بہنوں کا ہوگا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق اور میت نے ایک لڑکی اور کچھ پوتے پوتیاں چھوڑی ہوں تو لڑکی کے لیے ترکہ کا آدھا ہوگا اور باقی ترکہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق پوتوں اور پوتیوں کا ہوگا اور اسی طرح جو حقیقی بہنوں سے بچے وہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق علاتی بھائی بہنوں کا ہے اور جس نے چچازاد بھائی چھوڑے جن میں سے ایک اخیافی بھائی ہے تو اخیافی بھائی کے لیے چھٹا حصہ ہے باقی ان کے درمیان نصف نصف ہوگا اگر عورت کے ترکہ میں شوہر، والدہ، نانی، چند اخیافی بھائی اور حقیقی بھائی شریک ہوں تو شوہر کے لیے نصف ہے، والدہ کے لیے چھٹا حصہ ہے، اخیافی بھائیوں کے لیے تہائی ہے اور حقیقی بھائیوں کے لیے کچھ نہیں"۔

قوله: وحجب الخ: حجب کی کچھ بحث تو پیچھے "ذوی الفروض کی محرومی" کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے۔ البتہ اس بحث میں حجب کی دوسری قسم حجب نقصان کی بحث ہے کہ جس میں دوسرے وارث کی موجودگی میں حصہ کم ملتا ہے متن و ترجمہ سے دیکھ لیں۔

حجب نقصان ایک نظر میں

نمبر شمار	حصہ لینے والا	کس حالت میں کتنا ملے گا
۱	شوہر	اگر اولاد نہ ہو تو آدھا $\frac{1}{2}$ اگر اولاد ہو تو چوتھائی $\frac{1}{4}$
۲	بیوی	اگر اولاد نہ ہو تو چوتھائی $\frac{1}{4}$ اولاد ہو تو آٹھواں $\frac{1}{8}$
۳	ماں	اولاد، پوتا اور دو بھائی نہ ہوں تو تہائی $\frac{1}{3}$ اگر اولاد یا پوتا، پوتی یا بھائی، بہن ہو تو چھٹا $\frac{1}{6}$
۴	پوتی	صلبی بیٹی نہ ہو تو آدھا $\frac{1}{2}$ ایک صلبی بیٹی ہو تو $\frac{1}{6}$ دو تہائی پورا کرنے کے لیے۔ اگر دو بیٹیاں ہوں تو محروم ہوگی اگر ساتھ پوتا ہو تو عصبہ کے طور پر $\frac{1}{3}$ مابقی تہائی
۵	باپ شریک بہن (علاتی)	عینی بہن نہ ہو تو آدھا $\frac{1}{2}$ عینی بہن ہو تو چھٹا $\frac{1}{6}$ دو تہائی پورا کرنے کے لیے۔ اگر عینی دو بہنیں ہوں تو محروم ہوگی اگر علاتی بہن کے ساتھ بھائی ہو تو بطور عصبہ $\frac{1}{3}$ مابقی تہائی

باب الرد

رد کا مفہوم:

ردّ کا معنی کسی چیز کا لوٹا دینا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ زائد ترکہ کو دوبارہ ذوی الفروض نسبی پر لوٹا کر تقسیم کر دینا ان کے حصوں کے مطابق، ردعول کی ضد ہے۔ اس لیے کہ رد میں مخرج سہام سے زیادہ ہوتا ہے کہ عول میں سہام مخرج سے زیادہ ہوتا ہے۔

وَالْفَاضِلُ عَنْ فُرُوْضِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ یَکُنْ عَصَبَةٌ مَرْدُوْدٌ عَلَیْهِمْ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ اِلَّا عَلَی الزَّوْجَیْنِ وَلَا یَرِثُ الْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْکُفْرُ کُلُّهٗ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ یَتَوَارَثُ بِهٖ اَهْلُهٗ وَلَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ وَمَالُ الْمُرْتَدِّ لِوَرَثَتِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَمَا اکْتَسَبَهٗ فِیْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَیْءٌ وَاِذَا غَرِقَ جَمَاعَةٌ اَوْ سَقَطَ عَلَیْهِمْ حَائِطٌ وَلَمْ یُعْلَمْ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ اَوَّلًا فَمَالُ کُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ لِلْاَحْیَاءِ مِنْ وَرَثَتِهٖ وَاِذَا اجْتَمَعَ فِی الْمَجُوْسِیِّ قَرَابَتَانِ لَوْ تَفَرَّقَتَا فِیْ شَخْصَیْنِ وَرِثَ بِکُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَلَا یَرِثُ الْمَجُوْسِیُّ بِالْاَنْکِحَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِیْ یَسْتَحِلُّوْنَهَا فِیْ دِیْنِهِمْ وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَوَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ مِنَ الْاُمَّهَاتِ وَمَنْ مَاتَ وَتَرَکَ حَمْلًا وُقِفَ مَالُهٗ حَتّٰی تَضَعَ امْرَاَتُهٗ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَالْجَدُّ اَوْلٰی بِالْمَالِ مِنَ الْاِخْوَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ یُقَاسِمُهُمْ اِلَّا اَنْ تُنْقِصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْجَدَّاتُ فَالسُّدُسُ لِاَقْرَبِهِنَّ وَیَحْجُبُ الْجَدُّ اُمَّهٗ وَلَا تَرِثُ اُمُّ اَبِ الْاُمِّ وَکُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ اُمَّهَا

''اور ذوی الفروض کے حصے سے جو بچ جائے بشرطیکہ عصبہ نہ ہو تو اس کو ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق لوٹایا جائے گا سوائے زوجین کے اور قاتل مقتول کا وارث نہ ہوگا اور ہر قسم کا کفر ایک مذہب ہے اس کے سب کافر باہمی وارث ہوتے ہیں اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا اور مرتد شخص کا مال اس کے مسلمان ورثا کا ہے اور مرتد نے جو کچھ حالت ردت میں کمایا وہ سب غنیمت ہے اگر کوئی جماعت ڈوب جائے یا ان پر دیوار گر جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے کون فوت ہوا تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثا کا ہوگا اور جب ایک مجوسی کی دو ایسی قرابتیں جمع ہو جائیں کہ اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوں تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا تو مجوسی بھی ان دونوں کے ذریعے وارث ہوگا اور مجوسی ان فاسد نکاحوں سے وارث نہ ہوں گے جن کو اپنے مذہب میں حلال سمجھتے ہیں۔ ولد زنا کا عصبہ اور لعان کرنے والی عورت کا عصبہ ان دونوں کی ماں کے رشتہ دار ہیں اور جو شخص بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو ترکہ کی تقسیم موقوف رہے گی۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی وضع حمل کر لے امام اعظم کے قول کے مطابق اور امام اعظم کے نزدیک دادا بھائیوں کے مقابلہ میں میراث کا زیادہ مستحق ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دادا، بھائیوں کے برابر حق پائے

گا مگر برابر تقسیم کرنے میں دادا کو تہائی سے کم پہنچے اور جب کسی کی کئی دادیاں اور نانیاں اکٹھی ہوں جائیں تو چھٹا حصہ اسے ملے گا جو سب سے زیادہ قریب ہوگا اور دادا اپنی ماں کو مجوب کردے گا اور ماں کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی اور ہر جدہ اپنی ماں کو مجوب کر دیتی ہے"۔

قوله: والفاضل الخ: رد کی بحث:

قوله: ولا يرث الخ: مختلف مسائل:

حمل کی صورت میں ترکہ کی تقسیم:

قوله: من مات وترك الخ: مفتی بہ قول امام اعظم ابوحنیفہ کا ہے کہ وضع حمل تک تقسیم وراثت موقوف رہے گی یہ اس صورت میں ہے جب کہ حمل کے علاوہ مرنے والے کی کوئی اولاد نہ ہو۔ (الترجیح والتصحیح)

اگر حمل کے علاوہ اولاد ہو تو حمل کو احتیاطاً لڑکا مان کر اس کا حصہ تقسیم سے الگ کر دیا جائے گا۔ یہی مفتی بہ قول ہے۔

قوله: والجد اولىٰ الخ: امام اعظم کے نزدیک میت کے بھائیوں کی بنسبت دادوں کا استحقاق زیادہ ہے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک بھائیوں کے برابر ہی ہے سوائے اس کے کہ تقسیم میں ثلث سے کم ملا ہو۔

مفتی بہ قول کی تعیین:

فتویٰ امام اعظم کے قول پر ہے۔ (الترجیح والتصحیح)

باب ذوی الارحام

ذوی الارحام سے مراد:

ذوی الارحام سے مراد وہ قریبی رشتہ دار ہیں جو نہ ذوی الفروض میں سے ہوں اور نہ وہ عصبہ میں سے ہوں۔ ذوی الفروض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں ان کی تفصیل متن میں آرہی ہے۔

وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ وَّلَا ذُو سَهْمٍ وَرِثَهُ ذَوُو الْاَرْحَامِ وَهُمْ عَشْرَةٌ وَّلَدُ الْبِنْتِ وَوَلَدُ الْاُخْتِ وَبِنْتُ الْاَخِ وَبِنْتُ الْعَمِّ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ وَاَبُو الْاُمِّ وَالْعَمُّ لِلْاُمِّ وَالْعَمَّةُ وَوَلَدُ الْاَخِ مِنَ الْاُمِّ وَمَنْ اَدْلٰى بِهِمْ ثُمَّ وَلَدُ الْاَبَوَيْنِ اَوْ اَحَدُهُمَا وَهُمْ بَنَاتُ الْاِخْوَةِ وَاَوْلَادُ الْاَخَوَاتِ ثُمَّ وَلَدُ اَبَوَیْ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدُهُمَا وَهُمُ الْاَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْعَمَّاتُ وَاِذَا اسْتَوٰى وَارِثَانِ فِيْ دَرَجَةٍ وَّاحِدَةٍ فَاَوْلَاهُمْ مَنْ اَدْلٰى بِوَارِثٍ وَّاَقْرَبُهُمْ اَوْلٰى مِنْ اَبْعَدِهِمْ وَاَبُو الْاُمِّ اَوْلٰى مِنْ وَلَدِ الْاَخِ وَالْاُخْتِ وَالْمُعْتِقُ اَحَقُّ بِالْفَاضِلِ مِنْ سَهْمِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ سِوَاهُ وَمَوْلَى الْمُوَالَاةِ يَرِثُ وَاِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ اَبَا مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَمَالُهُ لِلْاِبْنِ فَاِنْ تَرَكَ جَدَّ مَوْلَاهُ وَاَخَ مَوْلَاهُ فَالْمَالُ لِلْجَدِّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَّهُوَ بَيْنَهُمَا وَلَا يُبَاعُ الْوَلَاءُ وَلَا يُوْهَبُ

”اور جب میت کا نہ کوئی عصبہ ہو اور نہ ہی کوئی ذوی الفروض ہو تو ذوی الارحام اس کے وارث ہوں گے اور وہ دس ہیں۔ بیٹی کی اولاد، بہن کی اولاد، بھائی کی بیٹی، چچا کی بیٹی ماموں، خالہ، نانا، اخیافی چچا، پھوپھی، اخیافی بھائی کی اولاد اور جوان کے ذریعے سے میت کا رشتہ ہو اور ان میں سے سب سے مقدم وہ ہے جو میت کی اولاد ہو پھر وہ ہے جو ماں باپ کی پھر ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہو اور وہ بھتیجیوں اور بہنوں کی اولاد ہے پھر میت کے والدین کہ والدین کی اولاد یا ان میں سے کسی ایک کی اولاد ہے اور وہ ماموں، خالائیں اور پھوپھیاں ہیں اور جب دو وارث ایک درجہ میں برابر ہوں تو ان میں اولیٰ وہ ہے جو کسی وارث کے ذریعے میت کے زیادہ قریب ہو اور جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہو وہ اوران کے رشتہ دار سے پہلے ہے اور نانا بھائی بہن کی اولاد سے اولیٰ ہے اور ذوی الفروض کے حصے سے بچے ہوئے مال کا آزاد کرنے والا زیادہ حق دار ہے جب کہ اس کے علاوہ اس کا کوئی عصبہ نہ ہو اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے اور جب آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کے باپ اور اس کے بیٹے کو چھوڑا تو اس کا مال طرفین کے نزدیک بیٹے کا ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ باپ کے لیے چھٹا حصہ ہے اور باقی بیٹے کے لیے ہے اور اگر آزاد شدہ نے اپنے آزاد کرنے والے کے دادا اور اس کے بھائی کو چھوڑا تو امام اعظم کے نزدیک مال دادا کا ہوگا۔ صاحبین نے فرمایا کہ مال دونوں میں تقسیم ہوگا

اور ولا کو نہ بیچا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے"۔

ذوی الارحام:

قولہ:واذالم یکن الخ: دس ہیں۔اصولاً ذوی الارحام کی بترتیب چار قسمیں ہیں۔جزو میت۔اصل میت۔جزو اب یا جزوِ اُم میت۔جزو جد یا جز وجدہ میت

۱۔ بیٹی کی اولاد،یعنی نواسا،نواسی ۲۔بہن کی اولاد،یعنی بھانجا،بھانجی۔۳۔بھائی کی بیٹی،یعنی بھتیجی ۴۔ چچا کی بیٹی،یعنی چچازاد بہن ۵۔ماموں،۶۔خالہ،۷۔نانا،۸۔اخیافی چچا یعنی ماں شریک چچا،۹۔پھوپھی،۱۰۔اخیافی بھائی کی اولاد یعنی ماں شریک بھتیجا یا بھتیجی۔

قولہ:واولاھم ولد المیت الخ:

علامہ قاسم قطلو بغا نے لکھا ہے کہ قدوری کے نسخہ میں تو یہ ہے کہ ذوی الارحام کی ترتیب میں پہلے میت کی اولاد نواسا،نواسی پھر ماں باپ کی اولاد کی اولاد لیکن تحقیق یہ ہے کہ جد فاسد (نانا) ماں باپ کی اولاد کی اولاد سے مقدم ہے۔(الترجیح والتصحیح)

قولہ:واذا اشترك الخ:

اختلافی مسئلہ میں مفتی بہ قول طرفین کا ہے۔

باب حساب الفرائض

اس باب میں مخارج فروض کا بیان ہے۔ مخارج جمع ہے مخرج کی اور اصطلاح میراث میں مخرج وہ عدد ہے جسے توڑے بغیر معینہ حصے درست طور پر نکل آئیں۔

چھ فروض کی اقسام:

قرآن میں بیان کردہ فرض حصے دو قسم پر ہیں: ۱۔ نصف، ربع اور ثمن ان تینوں میں سے اقل حصہ ثمن ہے جس کا مخرج آٹھ ہے اور ربع اور نصف بھی بغیر کسی کسر اسی آٹھ سے نکلتے ہیں اس لیے یہ تینوں ایک قسم کہلائے، ۲۔ ثلث، ثلثان اور سدس ان تینوں میں سے اقل حصہ سدس ہے جس کا مخرج چھ ہے اور ثلث اور ثلثان بغیر کسی کسر اسی چھ سے نکلتے ہیں اس لیے یہ تینوں دوسری قسم کہلائے۔

إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ نِصْفٌ وَنِصْفٌ أَوْ نِصْفٌ وَمَا بَقِيَ فَأَصْلُهَا مِنْ اثْنَيْنِ وَإِذَا كَانَ فِيهَا ثُلُثٌ وَمَا بَقِيَ أَوْ ثُلُثَانِ وَمَا بَقِيَ فَأَصْلُهَا مِنْ ثَلَاثَةٍ وَإِذَا كَانَ فِيهَا رُبُعٌ وَمَا بَقِيَ أَوْ رُبُعٌ وَنِصْفٌ فَأَصْلُهَا مِنْ أَرْبَعَةٍ وَإِنْ كَانَ فِيهَا ثُمُنٌ وَمَا بَقِيَ أَوْ ثُمُنٌ وَنِصْفٌ وَمَا بَقِيَ فَأَصْلُهَا مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَإِنْ كَانَ فِيهَا نِصْفٌ وَثُلُثٌ أَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ فَأَصْلُهَا مِنْ سِتَّةٍ وَتَعُولُ إِلَى سَبْعَةٍ وَثَمَانِيَةٍ وَتِسْعَةٍ وَعَشَرَةٍ وَلَا تَعُولُ إِلَى غَيْرِ ذٰلِكَ

"اور جب کسی مسئلہ میں نصف کی تعداد دو ہو یا ایک نصف اور باقی ماندہ ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم دو (۲) سے ہوگی اور جب کسی مسئلہ میں ایک ثلث اور باقی ماندہ یا دو ثلث اور باقی ماندہ ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم تین (۳) سے ہوگی اور جب کسی مسئلہ میں ربع اور باقی ماندہ ہو یا ربع اور نصف ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم چار (۴) سے ہوگی اور جب کسی مسئلہ میں ثمن اور باقی ماندہ ہو یا نصف اور سدس ہو تو اصل مسئلہ کی تقسیم چھ (۶) سے ہوگی اور یہ سات، آٹھ، نو اور دس کی طرف عول کرے گا"۔

قدیم اور جدید حساب کا طریقہ:

قدیم دور میں کلکیو لیٹر نہ تھا تو لوگ اصل مسئلہ میں ضرب دے کر صحیح عدد نکالتے تھے کسر کا حساب نہ ہوتا تھا لیکن جدید دور کی ایجاد (کلکیو لیٹر) سو سے ہمیشہ حساب بنتا ہے اس لیے جدید حساب میں مسئلہ سو سے چلے گا حساب میں عشاریہ استعمال ہوتا ہے جس کو پوائنٹ کہا جاتا ہے مثلاً اڑھائی لکھنا ہو تو 2.5 دو پوائنٹ پانچ جس کو دو عشاریہ پانچ کہتے ہیں اور عشاریہ کے بعد جو عدد آتا ہے وہ ایک عدد کا دسواں حصہ ہوتا ہے۔

مسئلہ میں نصف ہو تو:

قولہ: واذا کان الخ: اگر مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور باقی ماندہ ہو تو اصل مسئلہ دو سے چلے گا

مثلاً: میت مسئلہ 2

بہن	شوہر
ا	ا

جدید حساب

میت 100

بہن	شوہر
50	50

نصف اور مابقی کی مثال:۔

میت مسئلہ 2

چچا	شوہر
ا	ا

جدید حساب

میت 100

چچا	شوہر
50	50

ثلث یا ثلثان ہوتو:

قولہ:واذا کان فیھا الخ:اگر کسی مسئلہ میں ایک ثلث اور مابقی یا دوثلث اور مابقی جمع ہوجائیں تو مسئلہ تین سے چلے گا۔

ایک ثلث کی مثال:۔

میت مسئلہ 3

چچا	ماں
۲	ا

جدید حساب

میت 100

چچا	ماں
66.66	33.33

دوثلث کی مثال:

میت مسئلہ 3

چچا	دو بیٹیاں
ا	۲

جدید حساب

میت 100

چچا	دو بیٹیاں
33.33	66.66

چوتھائی ہو تو:

قولہ: وان کان الخ: اگر کسی مسئلہ میں چوتھائی اور مابقی یا چوتھائی اور نصف جمع ہو جائیں تو مسئلہ چار سے چلے گا۔

چوتھائی اور مابقی کی مثال:۔

میت مسئلہ 4

بیوی	دادا
1	3

جدید حساب

میت 100

بیوی	دادا
25	75

چوتھائی اور نصف کی مثال:۔

میت مسئلہ 4

شوہر	ایک بیٹی	چچا
1	2	1

جدید حساب

میت 100

شوہر	ایک بیٹی	چچا
25	50	25

گزشتہ تمام مثالوں میں چچا اور دادا بطور عصبہ حصہ لے رہے ہیں۔

آٹھواں ہو تو:

قولہ: وان کان الخ: اگر کسی مسئلہ میں آٹھواں اور مابقی یا آٹھواں اور نصف جمع ہو جائیں تو مسئلہ آٹھ سے چلے گا۔

آٹھواں اور مابقی کی مثال۔

میت مسئلہ 8

بیوی	بیٹا
1	7

جدید حساب

میت 100

بیوی	بیٹا
12.5	87.5

آٹھواں اور نصف کی مثال:

مسئلہ 8

میت

بیوی	ایک بیٹی	چچا
1	4	3

جدید حساب

100

میت

بیوی	ایک بیٹی	چچا
12.5	50	37.5

چھٹا ہو تو:

قولہ: وان کان الخ: اگر کسی مسئلہ میں چھٹا اور باقی یا نصف اور تہائی یا نصف اور چھٹا حصہ جمع ہو جائیں تو مسئلہ چھ سے بنے گا اور بعض مرتبہ حصہ لینے والے چھ کے اندر ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ لینے والے اتنے ہوتے ہیں کہ جب ان کا حساب کیا جائے تو چھ سے بڑھ جائیں مسئلہ تو چھ سے بنے گا مگر حصے سات یا آٹھ یا نو یا دس ہوں گے تو اصل مسئلہ سے زائد کا نام عول ہے۔

اصل مسئلہ چھ سے چلا اور سات تک عول کی مثال:

مسئلہ 6 عول 7

میت

شوہر	دو حقیقی بہنیں
3	4

کہ شوہر آدھا لے گیا اور دو ثلث بہنیں لے گئیں۔

عول میں جدید حساب میں کچھ پیسوں کا فرق پڑ جاتا ہے۔

آٹھ تک عول کی مثال:۔

مسئلہ 6 عول 8

میت

شوہر	باپ شریک بہنیں	ماں
3	4	1

نو تک عول کی مثال:۔

مسئلہ 6 عول 9

میت

شوہر	باپ شریک بہن	ماں شریک بہن
3	4	2

دس تک عول کی مثال:

مسئلہ 6 عول 10

میت

شوہر	دو باپ شریک بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
3	4	2	1

وَاِنْ كَانَ مَعَ الرُّبُعِ ثُلُثٌ اَوْ سُدُسٌ فَاَصْلُهَا مِنْ اِثْنَيْ عَشَرَ وَتَعُوْلُ اِلٰى ثَلَاثَةَ عَشَرَ وَخَمْسَةَ عَشَرَ وَسَبْعَةَ عَشَرَ وَاِذَا كَانَ مَعَ الثُّمُنِ سُدُسَانِ اَوْ ثُلُثَانِ فَاَصْلُهَا مِنْ اَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ وَتَعُوْلُ اِلٰى سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ وَاِذَا انْقَسَمَتِ الْمَسْاَلَةُ عَلَى الْوَرَثَةِ فَقَدْ صَحَّتْ وَاِنْ لَّمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ كُلِّ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ عَدَدَهُمْ فِيْ اَصْلِ الْفَرِيْضَةِ وَعَوْلِهَا اِنْ كَانَتْ عَائِلَةً فَمَا خَرَجَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْاَلَةُ

"اور اگر ربع کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو مسئلہ کی تقسیم بارہ سے ہوگی اور یہ بارہ، تیرہ، پندرہ اور سترہ کی طرف عول کرے گا اور اگر ثمن کے ساتھ دو سدس یا دو ثلث ہوں تو مسئلہ کی تقسیم چوبیس سے ہوگی اور چوبیس ستائیس کی طرف عول کرے گا اور اگر مسئلہ ورثا پر برابر تقسیم ہو جائے تو وہ صحیح ہوگا اور اگر ان میں سے کسی ایک فریق کا حصہ ان پر برابر تقسیم ہو جائے تو وہ صحیح ہوگا اور اگر ان میں سے کسی ایک فریق کا حصہ ان پر برابر تقسیم نہ ہونے پر اس فریق کو ملنے والے حصے کے عدد کو اصل مسئلہ سے اور اس کے عول سے ضرب دیں گے بشرطیکہ اس مسئلہ کا تعلق عول سے ہو اور اس میں حاصل ضرب سے مسئلہ درست ہو جائے گا مثلاً بیوی اور دو بھائی کہ ان میں بیوی کا ایک حصہ ہوتا ہے باقی تین حصے دونوں بھائیوں کے لیے اور یہ ان پر ملا کر تقسیم نہیں ہو سکتے لہٰذا دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دو تو یہ آٹھ ہو جائیں گے اب آٹھ سے مسئلہ صحیح ہوگا"۔

چوتھائی کے ساتھ تہائی یا چھٹا ہو تو:

قولہ: وان کان مع الخ: اگر کسی مسئلہ پر چوتھائی کے ساتھ تہائی لینے والا ہو یا چھٹا حصہ لینے والا ہو تو مسئلہ بارہ سے چلے گا لیکن حصے بڑھ جائیں گے اور عول ہوگا۔

تیرہ کی طرف عول کی مثال:

مسئلہ 12 عول 13

میت

بیوی	دو حقیقی بہنیں	ماں
3	8	2

پندرہ کی طرف عول کی مثال:

مسئلہ 12 عول 15

میت

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں
3	8	4

ستر ہ کی طرف عول کی مثال:

مسئلہ 12 عول 17

میت

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو ماں شریک بہنیں	ماں
3	8	4	2

آٹھویں کے ساتھ دو چھٹے یا دو تہائی حصے ہوں تو:

قولہ: واذا کان الخ: اگر کسی مسئلہ میں آٹھویں حصہ کے ساتھ دو چھٹا حصہ لینے والے یا دو تہائی لینے والے جمع ہو جائیں تو مسئلہ چوبیس سے چلے گا جو ستائیس کی طرف عول کرے گا۔

مسئلہ 24 عول 27

میت

بیوی	دو بیٹیاں	باپ	ماں
3	16	4	4

ورثا کو عدد پر تقسیم کرنے کا طریقہ:

قولہ: واذا انقسمت الخ: کہ جتنا حصہ فریق کو ملا ہے وہ اس کے عدد پر تقسیم ہو جاتا ہے تو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً دو حصے ملے تھے اور لینے والے دو بھائی ہیں تو اصل مسئلہ میں ضرب دینے کی ضرورت نہیں لیکن اگر لینے والے دو بھائی اور بیوی ہیں تو بھائیوں کو ملنے والے حصے تین ہیں اور ہر ایک کو ڈیڑھ ڈیڑھ ملے گا جو کسر ہے اس لیے دو بھائی کے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔ جس سے اصل مسئلہ کی تصحیح 8 سے ہو جائے گی۔

مسئلہ 4 تصحیح 8 $4x2=8$

میت

بیوی	دو بھائی
1/2	3/6

كَامْرَءَةٍ وَاَخَوَيْنِ لِلْمَرْءَةِ الرُّبْعُ سَهْمٌ وَلِلْاَخَوَيْنِ مَابَقِيَ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ وَلَاتَنْقَسِمُ عَلَيْهِمَا فَاضْرِبْ اِثْنَيْنِ فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ تَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ فَاِنْ وَافَقَ سِهَامُهُمْ عَدَدُهُمْ فَاضْرِبْ وَفْقَ عَدَدِهِمْ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَامْرَأَةٍ وَسِتَّةِ اِخْوَةٍ لِلْمَرْءَةِ الرُّبْعُ وَلِلْاِخْوَةِ ثلٰثة اَسْهُمٍ لَاتَنْقَسِمُ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ ثلث عَددِهم فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَمِنْهَاتَصِحُّ فَاِنْ لَمْ يَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيْقَيْنِ مِنْهُمْ اَوْ اَكْثَرَ فَاضْرِبْ اَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ فِي الْاٰخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِي الْفَرِيْقِ الثَّالِثِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِيْ اَصْلِ الْمَسْاَلَةِ

"پس اگر وارثوں کے حصوں اور ان کے رؤس میں توافق ہے تو ان کے عدد کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دو مثلاً ایک بیوی اور چھ بھائی تو چوتھائی بیوی کا ہے اور باقی تین حصے بھائیوں کے ہیں جو ان بھائیوں پر برابر تقسیم نہیں ہوں گے اور اب ان کے ثلث عدد کو اصل مسئلہ پر ضرب دو اور حاصل ضرب سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا اور اگر دو فریق یا اس سے زائد کے حصے برابر تقسیم نہ ہوں تو دونوں فریقوں میں سے ایک کے عدد

کو دوسرے کے عدد سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو تیسرے فریق کے عدد سے ضرب دو پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دو"۔

تصحیح:

قولہ: وان وافق الخ: اس سے قبل عول کی صورتوں کو بیان کیا اب تصحیح کی بحث لائے کہ کس صورت میں تصحیح کے قواعد کی ضرورت پڑتی ہے کس صورت میں نہیں۔ اور ان مسائل کا سمجھنا دو عددوں کے درمیان چار نسبتوں کی معرفت پر ہے کہ ہر دو اعداد کے درمیان چار نسبتوں میں سے کوئی ایک ضروری ہوگی اور عدد سے مافوق الواحد مراد ہے۔ ۱۔ تماثل دو عددوں کے برابر ہونے کو کہتے ہیں جیسے چار، چار اور دس، دس، ۲۔ تداخل دو عددوں میں سے بڑا عدد چھوٹے پر پورا پورا تقسیم ہو جائے کہ کسر واقع نہ ہو جیسے تین چھ پر برابر تقسیم ہوتا ہے نیز چھ سے تین کو کم کریں تو تین رہ جائیں گے پھر تین سے تین کم کیے تو برابر ہوں گے کچھ باقی نہ رہے۔ ۳۔ توافق یہ ہے دو عددوں کو کوئی تیسرا عدد فنا کر دے مثلاً چار اور چھ کہ پورا پورا تقسیم تو نہیں ہوتا لیکن دونوں عددوں کو ایک تیسرا عدد ختم کر دیتا ہے لہٰذا دو کو وفق کہا جاتا ہے۔ ۴۔ تباین یہ ہے کہ کوئی تیسرا عدد ان کو فنا نہ کرے جیسے نو اور دس ہے۔

ان کی پہچان کا طریقہ:

بڑے عدد کو چھوٹے عدد پر تقسیم کریں اگر پہلی تقسیم میں کچھ نہ رہے تو تداخل ہے اور اگر باقی رہے پھر چھوٹے کو تقسیم کریں اسی طرح تقسیم کرتے جائیں اگر تقسیم میں کچھ نہ رہے تو دیکھیں گے کہ اس کا مقسوم علیہ کیا ہے اگر دو ہو تو دونوں عددوں میں توافق بالنصف ہوگا اور تین ہو تو توافق بالثلث ہوگا علیٰ ھذا القیاس اگر کسی تقسیم میں عدد ایک کا عدد بچ جائے تو تباین ہوگا۔

اب قدوری کے مسائل سمجھیں۔

فان وافق الخ: توافق کی مثال:۔

مسئلہ 4 تصحیح 8   2x4=8

میت

بیوی	6 بھائی
1/2	3/6

تصحیح کے بعد چھ بھائیوں کو ملا: 3x2=6

تصحیح کے بعد بیوی کو ملا: 1x2=2

تباین کی مثال:۔

مسئلہ 12 تصحیح 360   5x3x2=30x12=360

میت

2 بیویاں	3 دادیاں	5 بھائی
3	2	7
90	60	210
ہر ایک کو 45	ہر ایک کو 20	ہر ایک کو 42

تماثل کی مثال:۔

مسئلہ 4 تصحیح 8 2x4=8

میت

2 بیویاں	2 بھائی
1	3
ہر ایک کو 1	ہر ایک کو 3

تداخل کی مثال:۔

مسئلہ 4 تصحیح 16 4x4=16

میت

4 بیویاں	2 بھائی
1	3
4	12
ہر ایک کو 1	ہر ایک کو 6

فَإِنْ تَسَاوَتِ الْأَعْدَادُ أَجْزَأَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ كَامْرَأَتَيْنِ وَأَخَوَيْنِ فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِيْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَإِنْ كَانَ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ جُزْءًا مِنَ الْآخَرِ أَجْزَأَ الْأَكْثَرُ عَنِ الْأَقَلِّ كَأَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَأَخَوَيْنِ إِذَا ضَرَبْتَ الْأَرْبَعَةَ أَجْزَأَكَ عَنْ عَدَدِ الْأَخَوَيْنِ فَإِنْ كَانَ أَحَدُ الْعَدَدَيْنِ مُوَافِقًا لِلْآخَرِ ضَرَبْتَ وَفْقَ أَحَدِهِمَا فِيْ جَمِيْعِ الْآخَرِ فَإِذَا صَحَّتْ الْمَسْأَلَةُ فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي التَّرِكَةِ، ثُمَّ اقْسِمْ مَا اجْتَمَعَ عَلَى مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْفَرِيْضَةُ يَخْرُجُ حَقُّ ذٰلِكَ الْوَارِثِ،

"پس اگر اعداد برابر ہوں تو ایک دوسرے کو کفایت کرے گا جیسے دو بیویاں اور دو بھائی ہوں تو دو کے عدد کو اصل مسئلے میں ضرب دی جائے گی اور ان میں سے ایک کے عدد کے دوسرے عدد کا جز ہونے پر اکثر اقل کے لیے کافی ہوگا جیسے چار بیویاں اور دو بھائی ہوں تو چار کو ضرب دینا دوسرے کے لیے کافی ہوگا اور دونوں عدد فریق میں بصورت توافق ان میں سے ایک کے وفق کی دوسرے فریق کے کل میں ضرب دے دیں جیسے چار ازواج ایک ہمشیرہ اور چھ چچا ہوں تو چار اور چھ کے درمیان توافق بالنصف ہونے کی بنا پر ان میں ایک کے عدد کے نصف کو دوسرے عدد کے کل میں ضرب دی جائے اس کے بعد حاصل ضرب کو تقسیم کر اس پر جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے تو ہر وارث کا حق نکل آئے گا"۔

تماثل کی مثال:

قولہ:فان تساوت: پیچھے گزر چکی ہے۔

تداخل کی مثال:

قولہ:مان کان احدالخ: پیچھے گزر چکی ہے۔

قولہ:فان وافق الخ: توافق کی مثال:

مسئلہ 4 تصحیح 48   6x2=12x4=48

میت

4 بیویاں	1 بہن	6 چچے
1	2	1
12	12	12
ہر ایک کو 3	ہر ایک کو 24	ہر ایک کو 2

وَاِذَالَمْ تَقْسَمِ التَّرْكَةُ حَتّٰى مَاتَ اَحَدُ الْوَرَثَةِ فَاِنْ كَانَ مَانَصِيْبُهٗ مِنَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ يَنْقَسِمُ عَلٰى عَدَدِ وَرَثَتِهٖ فَقَدْ صَحَّتِ الْمَسْئَلَتَانِ مِمَّا صَحَّتِ الْاُوْلٰى وَاِنْ لَمْ تَنْقَسِمُ صَحَّتْ فَرِيْضَةُ الْمَيِّتِ الثَّانِىْ بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِىْ ذَكَرْنَا ثُمَّ ضَرَبْتَ اِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ فِى الْاُخْرٰى اِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ سِهَامِ الْمَيِّتِ الثَّانِىْ وَمَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيْضَةٌ مُوَافَقَةٌ فَاِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُوَافَقَةً فَاضْرِبْ وَفْقَ الْمَسْئَلَةِ الْاُوْلٰى مَضْرُوْبٌ فِيْمَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ وَمَنْ كَانَ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الْاُوْلٰى مَضْرُوْبٌ فِيْمَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ وَمَنْ كَانَ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ مَضْرُوْبٌ فِىْ وَفْقِ تَرْكَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِىْ وَاِذَاصَحَّتْ مَسْئَلَةُ الْمُنَاسَخَةِ وَاَرَدْتَ مَعْرِفَةَ مَايُصِيْبُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ حِسَابِ الدَّرَاهِمِ قسمت مَاصَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ عَلٰى ثَمَانِيَةٍ وَاَرْبَعِيْنَ فَمَاخَرَجَ اَخَذَتَ لَهٗ مِنْ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ وَاجِبَهٗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بالصواب

''اور جب ترکہ تقسیم نہ ہوا تھا کہ ایک وارث کا انتقال ہو گیا اب اگر وہ حصہ جو اس کو پہلی میت کی جانب سے ملتا تھا اس کے ورثا کے اعداد کے مطابق تقسیم ہو جاتا ہے تو دونوں مسئلے اسی سے تصحیح ہوں گے کہ جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور اگر وہ مکمل تقسیم نہ ہو تو دوسری میت کا فریضہ اس طریقہ سے صحیح ہوگا جس کو ہم نے ذکر کیا اور دو مسئلوں میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دو بشرطیکہ دوسری میت کے حصے اور جس سے فریضہ صحیح ہوا دونوں کے درمیان کوئی توافق نہ ہو اور اگر ان کے حصوں میں توافق ہو تو دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں ضرب دو اب جو حاصل ضرب ہوگا اس سے دونوں مسئلے صحیح ہوں گے اور جس وارث کو پہلے مسئلے سے کچھ ملا ہے وہ اس سے ضرب دیا جائے جس سے دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے اور وارث کو دوسرے مسئلہ سے جو کچھ ملا ہے وہ دوسری میت کے ترکہ کے وفق میں ضرب دیا جائے گا اور جب مناسخہ کا مسئلہ صحیح ہو جائے اور تم اس کا حصہ معلوم

کرنا چاہو جو ہر ایک کے درہم کے حساب سے پہنچتا ہے تو جس عدد سے مسئلہ صحیح ہوا ہے اس کو اڑتالیس پر تقسیم کر دو تو پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے حصوں سے اس کا حصہ لے لے"۔

مناسخہ:

قولہ:واذا لم تقسیم الخ: بعض اوقات وراثت کی تقسیم میں کافی دیر ہو جاتی ہے اگر اس دوران ورثا میں سے کوئی وارث فوت ہو جائے پھر وراثت تقسیم ہو تو ایسے حساب کو مناسخہ کہا جاتا ہے۔

موافقت کی مثال:۔

مسئلہ 4 تصحیح 20 5x4=20

میت

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
1	2	1
5	10	5

عدم موافقت کی مثال:۔

مسئلہ 4 تصحیح 12 تصحیح 60 3x4=12x5=60

میت

بیوی	حقیقی بہن	3 چچا
1	2	3
3	6	3
15	30	15

قولہ:فان کانت الخ: موافقت کی مثال:

مسئلہ 4 تصحیح 20/تصحیح 120 5x4=20x6=120

میت

بیوی	باپ شریک بہن	5 چچا
1	2	1
5	10	5
30	60	30

میت اوّل کی تصحیح بیس سے ہوئی۔

ابھی وراثت تقسیم نہ ہوئی تھی کہ باپ شریک بہن فوت ہوگئی اس نے پیچھے مندرجہ ذیل افراد کو چھوڑا۔

میت مسئلہ 12 تصحیح 60 10x6=60 تبعہ میں سے

شوہر	ماں	ایک بیٹی	چچا
3	2	6	1
15	10	30	5

باپ شریک بہن کو پہلی میت سے ساٹھ حصے ملے تھے۔

قولہ: واذا صحت مسئلۃ المناسخۃ الخ:

جو اصل مسئلہ کا عدد ہے اس کو اڑتالیس پر تقسیم کریں پھر تقسیم کے بعد جو کچھ حاصل تقسیم ہوگا اس کو ہر وارث کے حصے کو تقسیم کریں تو یہ نکل آئے گا کہ ایک درہم میں ہر وارث کو کتنا حصہ آئے گا۔

جب کہ دور حاضر میں روپیہ وغیرہ سو پیسوں کا ہوتا ہے اس لیے جدید حساب سو سے ہوگا۔ واللہ علم بالصواب علم فرائض میں مستقل کتاب (سراجی) موقوف علیہ میں بطور فن پڑھائی جاتی ہے۔ اس لیے شرح میں اختصار سے کام لیا ہے۔

8 جون 2017ء بمطابق 22 رمضان المبارک 1438ھ، بروز اتوار بوقت ظہر 1:15 پر منظور الضروری شرح القدوری اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور طالبین فقہ کے لیے نفع بخش بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم